

# امثال الفتاویٰ اجلیہ

فتاویٰ

حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ

مکتوب

حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ مفتی اعظم پاکستان  
علیہ السلام حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ

جادیۃ مطبوعہ حاشیہ

شعبۃ تراجم و الفارسی

مجامع الافکار والحدیث جامعہ تحقیقات

مدرسہ شاہی امراء آبادناہند

۳

بقیۃ الصلوۃ، الزکوۃ

ناشر:

زکریا بک ڈیوانڈیا الہند

[www.besturdubooks.net](http://www.besturdubooks.net)

# امثالہ الفتاویٰ اجلیہ

## فتاویٰ

حضرت حکیم الامت مولانا ابشر علی تھانوی رحمہ اللہ

مستوفی:

حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ مفتی اعظم پاکستان  
قلینہ بکھن حکیم ابشر مولانا ابشر علی تھانوی رحمہ اللہ

جلدین مطبوعہ حاشیہ: ..... جلدوں میں شریعتی احکامات کا مجموعہ

## جميع حقوق الطبع محفوظة

محشی: — شبیر احمد القاسمی 9412552294

مالک: — منکبہ زکریا — 01336-223223

ZAKARIA BOOK DEPOT DEOBAND

فون: 01336-223223 مکان: 01336-223223 فکس: 01336-223223



زکریا بک ڈپوٹ سہارن پور یو پی



ZAKARIA BOOK DEPOT  
DEOBAND SAHARANPUR (U.P.)

Ph: (01333) 223223 (01333) 223223

Fax: (01333) 223223

Mob: 9990735333, 9990735333



## اجمالى فهرست ايك نظر مين

رقم المسألة	عنوانات	
المجلد الأول	٢٣١ - ١	مقدمة التحقيق ، الطهارة ، بجميع أبوابها ، الصلاة ، من باب المواقيت إلى الباب الرابع ، القراءة .
المجلد الثاني	٥٢٢-٢٣٢	بقية الصلاة من باب التجويد إلى الباب السابع عشر ، الجمعة والعيدين .
المجلد الثالث	٨٣٥-٥٢٥	بقية الصلاة ، الزكوة .
المجلد الرابع	١١٢٢-٨٣٦	بقية الزكوة بجميع أبوابها ، صدقة الفطر ، الصوم بجميع أبوابها ، الحج بجميع أبوابها ، النكاح من الباب الأول ، النكاح الصحيح والفساد ، الجهاز والمهر .
المجلد الخامس	١٢٨٥-١٢٨٠	بقية النكاح ، المحرمات ، الأولياء والكفاءة ، الطلاق ، فسخ نكاح ، خلع ، ظهار ، إيلاء ، عدة ، رجعة ، نسب ، حضانة ، نفقات ، حدود ، تعزير ، أيمان ، نذور ، الوقف .
المجلد السادس	١٨١٣-١٢٨١	بقية الوقف ، أحكام مسجد ، كتاب البيوع ، إقالة ، سلم ، صرف ، بيع فاسد ، يهلون كي بيع ، بيع الوفاء ، كتاب الربو .

المجلد السابع ٢٠٩٥-١٨١٢ بقية الربوا، وكالة، كفالة، حوالة، وديعة،

ضمان، عارية، إجارة، دعوى، صلح، مضاربة،  
قضاء، شهادة، شفعة، غصب، رهن.

المجلد الثامن ٢٠٩٤-٢٢٠٣ بقية الرهن، هبة، شركة، قسمة، مزارعة،

شرب، ذبائح، أضحية، صيد، عقيقة،  
الحظر والإباحة.

المجلد التاسع ٢٢٠٢-٢٢٠٨ بقية الحظر والإباحة، وصايا، فرائض.

المجلد العاشر ٢٢٠٩-٣٠٠٦ بقية الفرائض، مسائل شتى، ما يتعلق

بتفسير القرآن.

المجلد الحادى عشر ٣٣٣٢-٣٠٠٤ بقية ما يتعلق بتفسير القرآن، ما يتعلق

بالحديث، سلوك، رؤيا، بدعات، عقائد  
وكلام.

المجلد الثانى عشر ٣٣٣٥-٣٥١٢ بقية كتاب العقائد والكلام.





## فہرست مضامین

### بقیۃ کتاب الصلاة

□	۱۷/ باب الجمعة والعیدین	□
---	-------------------------	---

مسئلہ نمبر: .....

۲۰	.....	۵۴۵	امام یا سلطان کی شرط کیسی اور کیوں؟
۲۱	.....	۵۴۶	وقت نکل جانے کے بعد نماز کا اعادہ نہیں
۲۳	.....	۵۴۷	جمعہ وعیدین کا خطبہ بیٹھ کر دینے کا حکم
۲۴	.....	۵۴۸	مسلم بادشاہ کی اجازت سے دیہات میں نماز جمعہ کا حکم
۲۵	.....	۵۴۹	اگر اثنائے خطبہ جمعہ وعیدین یاد آوے کہ صلوٰۃ فجر نہیں پڑھی تو کیا کرے؟
۲۷	.....	۵۵۰	خطبہ کوئی دے اور نماز کوئی دوسرا پڑھائے تو کیا حکم؟
۲۸	.....	۵۵۱	شہر سے متصل آبادی میں جمعہ کا حکم
۳۰	.....	۵۵۲	دھوپ کی شدت کی وجہ سے کمزور شخص سے جمعہ معاف ہے یا نہیں؟
۳۲	.....	۵۵۳	نماز جمعہ کے بعد احتیاط الظہر پڑھنے کا حکم
۳۳	.....	۵۵۴	ایضاً
۳۸	.....	۵۵۵	ایضاً
۳۹	.....	۵۵۶	ائمہ مجتہدین سے احتیاط الظہر کا ثبوت یا عدم ثبوت
۴۰	.....	۵۵۷	ایضاً
۴۱	.....	۵۵۸	جمعہ کے دن معذوروں کا ظہر کی نماز باجماعت پڑھنا
۴۲	.....	۵۵۹	ایضاً
۴۴	.....	۵۶۰	ایضاً

- ۵۶۱ اگر عیدین بروز جمعہ واقع ہوں تو جمعہ کی نماز واجب رہتی ہے یا نہیں؟ ..... ۴۵
- ۵۶۲ دیہات میں اداۓ جمعہ کے مصالح کا جواب ..... ۴۶
- ۵۶۳ ظہر اور جمعہ کی سنن قبلہ کی بعد میں ادائیگی ..... ۴۷
- ۵۶۴ نوکر کو نماز جمعہ کی اجازت نہ ملے تو کیا کرے؟ ..... ۴۸
- ۵۶۵ غیر عربی میں خطبہ جمعہ کا حکم ..... ۵۰
- ۵۶۶ ایک شہر کے متعدد مقامات میں نماز عیدین کا حکم ..... ۵۲
- ۵۶۷ متعدد مسجد میں صلوٰۃ عیدین کا حکم ..... ۵۳
- ۵۶۸ عذر کی وجہ سے دوسرے دن تک عید الاضحیٰ مؤخر کرنا ..... ۵۴
- ۵۶۹ امام وقت کے نماز عید کے بعد دوسری جگہ نماز عید پڑھنے کا حکم ..... ۵۶
- ۵۷۰ اثنائے خطبہ، خطبہ کا ترجمہ کرنا ..... ۵۸
- ۵۷۱ ایضاً ..... ۵۸
- ۵۷۲ ایضاً ..... ۶۱
- ۵۷۳ خطبہ جمعہ میں غیر عربی میں اشعار پڑھنا ..... ۶۳
- (جواب دوم از حضرت مولانا مدظلہم بر جواب مولوی ارشاد حسین صاحب) ..... ۶۵
- ۵۷۴ ایضاً ..... ۶۶
- ۵۷۵ تعدد جمعہ کا حکم ..... ۶۹
- ۵۷۶ ایضاً ..... ۷۱
- ۵۷۷ بوقت خطبہ عصائہا تھ میں لینا ..... ۷۳
- ۵۷۸ جمعہ کی نماز کے تکرار کا حکم ..... ۷۵
- ۵۷۹ ایضاً ..... ۷۶
- ۵۸۰ غیر عربی میں خطبہ پڑھنے کا حکم ..... ۷۸
- ۵۸۱ ایضاً ..... ۸۱
- ۵۸۲ ایضاً ..... ۸۳
- ۵۸۳ اس کے بعد سائل بالا سے حسب ذیل مکاتبت ہوئی ..... ۸۸

۵۸۴	ایضاً.....	۹۱
۵۸۵	ایضاً.....	۹۳
۵۸۶	ایضاً.....	۹۵
۵۸۷	ایضاً.....	۹۶
۵۸۸	التقريظ على رسالة الأعجوبة في عربية خطبة العروبة.....	۹۸
۵۸۹	جمعہ میں قعدہ پانے والا جمعہ پورا کرے یا ظہر.....	۱۰۱
۵۹۰	جمعہ وعیدین اس گاؤں میں جس کے بہت قریب دوسرا گاؤں ہے اور دونوں مل کر قصبہ کے برابر ہیں.....	۱۰۳
۵۹۱	مصر کی تعریف میں کثرتِ سکان کی تحدید.....	۱۰۷
۵۹۲	تکبیراتِ عیدین میں رفعِ یدین کی دلیل.....	۱۰۸
۵۹۳	قریہ صغیرہ میں جمعہ نہ ہونا.....	۱۰۹
۵۹۴	بنگال کے گاؤں و دیہاتوں میں جمعہ کا حکم.....	۱۱۰
۵۹۵	قریہ کبیرہ کی تعریف.....	۱۱۲
۵۹۶	ایضاً.....	۱۱۳
۵۹۷	قبل صلوٰۃ عید اشراق پڑھنے کا حکم.....	۱۱۵
۵۹۸	جمعہ کے واسطے مصر کی شرط.....	۱۱۶
۵۹۹	ایضاً.....	۱۱۷
۶۰۰	جمعہ و صلوٰۃ عیدین میں امام و خطیب کا علیحدہ علیحدہ ہونا.....	۱۲۰
۶۰۱	اذان جمعہ کے بعد کھانا پینا.....	۱۲۱
۶۰۲	جمعہ کی سعی میں نخل ہونے والا ہر کام حرام ہے.....	۱۲۲
۶۰۳	خطبہ سننا واجب ہے.....	۱۲۳
۶۰۴	صلوٰۃ عیدین کا گرجا کے میدان میں یا رنڈی کی بنائی ہوئی عید گاہ میں پڑھنا.....	۱۲۵
۶۰۵	جمعہ کو فرض نہ جاننے والے اور احتیاط الظہر پڑھنے والے کی جمعہ میں امامت کا حکم.....	۱۲۷

- ۶۰۶ ..... قبل از جمعہ سنتیں مؤکدہ ہیں یا نہیں اور بعد جمعہ چار سنتیں مؤکدہ ہیں یا دو؟ ۱۲۸
- ۶۰۷ ..... جمعہ کے روز مردہ دعا کا حکم ۱۳۰
- ۶۰۸ ..... خطبہ میں جہرا بسم اللہ پڑھنے کا حکم ۱۳۲
- ۶۰۹ ..... اسکول کی طرف سے عدم اجازت کی وجہ سے طلبہ سے جمعہ کا ساقط نہ ہونا ۱۳۴
- ۶۱۰ ..... دوران خطبہ عصا لینے کا حکم ۱۳۵
- ۶۱۱ ..... ایضاً ۱۳۷
- ۶۱۲ ..... ایضاً ۱۳۸
- ۶۱۳ ..... شہر سے تین میل دور کا رخانہ میں نماز جمعہ کا حکم ۱۴۰
- ۶۱۴ ..... شہر کے ساحل پر کھڑے ہوئے جہاز کی چھت پر نماز جمعہ کا حکم ۱۴۱
- ۶۱۵ ..... جماعت کی رعایت پر جمعہ کی رعایت کو مقدم کرنا ۱۴۳
- ۶۱۶ ..... اگر سہو اعیادین میں تکبیرات زائدہ چھوڑ کر رکوع میں چلا جاوے اور پھر لقمہ دینے سے رکوع کے بعد ان کو ادا کرے اور پھر سجدہ سہو کرے تو نماز صحیح ہوگی یا نہیں؟ ۱۴۴
- ۶۱۷ ..... خطبہ الوداع کی تحقیق ۱۴۶
- ۶۱۸ ..... دیہات میں ترک جمعہ کی وجہ سے فتنہ کا خطرہ ہو تو احتیاط کا راستہ اختیار کرنا ۱۵۰
- ۶۱۹ ..... حنفی لوگوں کا شافعی مسلک کے مطابق دیہات میں جمعہ قائم کرنا ۱۵۲
- ۶۲۰ ..... حاکم کے حکم سے دیہات میں جمعہ کا جواز ۱۵۳
- ۶۲۱ ..... حنفی حاکم کے حکم سے دیہات میں جمعہ کا قیام ۱۵۷
- ۶۲۲ ..... دوسرے امام مجتہد کے قول پر دیہات میں قیام جمعہ ۱۵۸
- ۶۲۳ ..... مصر کی تعریف میں اختلافات سے متعلق سوال و جواب ۱۵۹
- ۶۲۴ ..... ایک سوال مع جواب آیا تھا اور یہاں اس پر تصحیح کی گئی تھی بوجہ مفید ہونے کے سب نقل کیا جاتا ہے ۱۶۰
- ..... الجواب من مخلص الرحمن موضع حافظ پورڈا کخانہ منہروی ضلع ڈھا کہ ۱۶۰
- ..... تصحیح الجواب من صاحب الفتاویٰ ۱۶۵
- ۶۲۵ ..... مصر کی تعریف میں اختلافات سے متعلق سوالات کے جواب ۱۶۶



۶۲۶	منبر کے سامنے امام کے محاذ میں اذان کا مسئلہ	۱۷۰
۶۲۷	خلاصة الكلام في اذان الجمعة بين يدي الإمام	۱۷۱
۶۲۸	جمعہ کی اذان ثانی کا مسجد میں ہونا	۱۷۸
۶۲۹	ایضاً	۱۸۲
۶۳۰	حدیث میں قصر خطبہ اور طول صلاۃ کا مطلب	۱۸۴
۶۳۱	جمعہ کی اذان ثانی کے مسجد کے اندر ہونے پر شبہ اور اس کا جواب	۱۸۵
۶۳۲	نماز عیدین کے بعد مصافحہ کے رواج کا حکم	۱۸۸
○	نماز عیدین کے بعد مصافحہ سے متعلق جامع فتویٰ	۱۸۸
○	عید کے دن معانقہ کی شرعی حیثیت	۱۹۶
۶۳۳	خطبہ جمعہ سے قبل وعظ کا جائز ہونا	۱۹۸
۶۳۴	جمعہ میں عورت کا خطبہ دینا کیسا ہے؟	۱۹۹
۶۳۵	لوگوں کے بیچ میں کھڑے ہو کر خطبہ جمعہ پڑھنا	۲۰۰
۶۳۶	معذور شخص کے لئے جمعہ میں حاضری لازم نہیں	۲۰۲
۶۳۷	تکبیر تشریق ایک مرتبہ سے زیادہ کہنا کیسا ہے؟	۲۰۴
۶۳۸	عیدین کے خطبہ کے دوران وعظ کہنا	۲۰۵

□	۱۸ / فصل في الاستسقاء	□
---	-----------------------	---

۶۳۹	نماز استسقاء میں تحویل رداء کب کی جائے؟	۲۰۷
-----	---	-----

□	۱۹ / باب مسائل منشوره متعلقة بكتاب الصلوة	□
---	---	---

۶۴۰	عمد نماز چھوڑنے والے کا حکم	۲۰۹
۶۴۱	تارک جماعت کا حکم	۲۱۳
۶۴۲	نابالغ کے طلوع فجر کے بعد منی کا اثر دیکھنے سے اعادہ صلاۃ کا حکم	۲۱۵
۶۴۳	جامع مسجد دہلی میں جواز نماز پر شبہ اور اس کا جواب	۲۱۷
۶۴۴	فجر و عصر میں امام کا دائیں بائیں مڑنا	۲۱۷

۶۱۹	..... نماز فجر وعصر کے بعد دوعائیں	۶۱۵
۶۲۱	..... قنوت نازلہ میں رفع یدین اور جہر و اخفاء و ارسال کے احکام	۶۱۶
۶۲۳	..... طاعون کے زمانہ میں قنوت نازلہ	۶۱۷
۶۲۵	..... قنوت نازلہ میں ہاتھ اٹھانے میں تحقیق طلب	۶۱۸
۶۲۷	..... قنوت نازلہ صلوٰۃ فجر کے ساتھ خاص ہے	۶۱۹
۶۲۹	..... مشغول بالذکر کو سلام کی ممانعت	۶۲۰
۶۳۱	..... حالت ذکر میں جواب	۶۲۱
۶۳۲	..... سجدہ دعاء	۶۲۲
۶۳۴	..... قیدیوں کی تیار کردہ جانماز کا حکم	۶۲۳
۶۳۶	..... تصویر دار مصلیٰ پر نماز کا حکم	۶۲۴
۶۳۷	..... نمازی کے سامنے بیٹھے ہوئے کا اٹھ کر چلا جانا مرد نہیں	۶۲۵
۶۳۸	..... مصلیٰ کے سامنے سے نماز کی ضرورت سے گزرنا	۶۲۶
۶۳۹	..... التحیات میں لفظ سیدنا کا اضافہ	۶۲۷
۶۴۰	..... کپڑا یا چھتری کو سترہ بنانا	۶۲۸
۶۴۱	..... مخمل کی جائے نماز پر نماز جائز ہے	۶۲۹
۶۴۲	..... چپل پہن کر نماز پڑھنا	۶۳۰
۶۴۴	..... بعد فرض کے اور ادو طائف	۶۳۱

### رِسَالَةُ اسْتِحْبَابِ الدَّعَوَاتِ عَقِيبَ الصَّلَوَاتِ

۶۲۷	..... نمازوں کے بعد دعاء مانگنے کے استحباب کا بیان	۶۲۲
۶۲۷	..... دعا و نیاز بعد انواع نماز	○
۶۲۱	..... مرد کے سن بلوغ کا بیان	۶۲۳
۶۲۲	..... ترک صلوٰۃ پر جرمانہ	۶۲۴
۶۲۴	..... صبح کے فرض اور سنن کے درمیان لیٹنے کا حکم	۶۲۵

- ۶۶۶ ..... بعد الصلوٰۃ کے وظیفہ کو قبل الصلوٰۃ پڑھنا۔ ۲۷۵
- ۶۶۷ ..... بے نمازی کی تکفیر میں اختلاف ۲۷۵
- ۶۶۸ ..... نماز کے بعد مصافحہ کا حکم ۲۷۸
- ۶۶۹ ..... آلہ مکبر الصوت کے استعمال کا حکم ۲۸۰

### التحقیق الفرید۔ فی حکم آلۃ تقرب الصوت البعید

- ۶۷۰ ..... نماز اور خطبہ میں آلہ مکبرات کے استعمال کا حکم ۲۸۲
- جواب بالا پر ذیل کا خط آیا جو مع جواب منقول ہے ۲۹۰
- اس کے بعد سوال بالا کا ایک جواب مدرسہ دارالعلوم دیوبند سے بغرض دریافت رائے ۲۹۸
- آیا وہ مع رائے ذیل میں منقول ہے ۲۹۸
- مکبر الصوت سے متعلق اہل سائنس کی تحقیقات ۳۰۱

### المقالات المفیدہ فی حکم أصوات آلات الجدیدہ

#### ضمیمہ امداد الفتاویٰ جلد اول

- بابت مسئلہ مکبر الصوت ۳۱۰

□	۲۰ / باب الجنائز	□
---	------------------	---

- ۶۷۱ ..... میت کے لئے ڈھیلہ اور سرمہ کا استعمال مشروع نہ ہوگا ۳۱۵
- ۶۷۲ ..... مرد کا عورت کو کفن پہنانے کا عدم جواز ۳۱۶
- ۶۷۳ ..... قبر میں مردہ کو دائیں پہلو پر لٹانے کی مسنونیت ۳۱۷
- ۶۷۴ ..... ایضاً ۳۱۹
- ۶۷۵ ..... رافضی شیعہ کی نماز جنازہ کا حکم ۳۲۰
- ۶۷۶ ..... بلا غسل و کفن دفن کردہ میت کا حکم ۳۲۱
- ۶۷۷ ..... عورت کو رنگین کپڑے میں کفن دینے کا حکم ۳۲۳

- ۶۷۸ نماز جنازہ میں دیگر جنازہ کے انتظار میں تاخیر کرنا کیسا؟ ..... ۳۲۴
- ۶۷۹ احرام کے کپڑے اور آب زمزم میں مبلول کپڑے میں کفن دینا ..... ۳۲۶
- ۶۸۰ شوہر کا اپنی بیوی کو غسل دینا ..... ۳۲۸
- ۶۸۱ عورتوں کا محرم مرد کو غسل دینا ..... ۳۳۱
- ۶۸۲ بوقت غسل میت کو کس طرف منہ کر کے لٹایا جائے؟ ..... ۳۳۲
- ۶۸۳ غسل کے وقت میت کا سر کس طرف ہونا چاہئے؟ ..... ۳۳۴
- ۶۸۴ جنازہ اٹھانے کا مسنون طریقہ ..... ۳۳۵
- ۶۸۵ جنازہ اٹھا کر لیجاتے وقت سر ہانے کو مقدم رکھنا ..... ۳۳۷
- ۶۸۶ میت کے سر ہانے اور پائٹانے سورہ آلہم کے شروع اور آخر کی آیت پڑھنا ..... ۳۳۸
- ۶۸۷ متعدد جنازہ کی نماز ایک ساتھ پڑھنے کا طریقہ ..... ۳۳۹
- ۶۸۸ امام کے سامنے جنازہ کو زمین پر رکھیں یا چار پائی پر؟ ..... ۳۵۲
- ۶۸۹ قبر میں لکڑی اور اینٹ یا پتھر رکھنے کی ممانعت کیسے؟ ..... ۳۵۶
- ۶۹۰ میت کے اوپر پیری کا تختہ رکھنا ..... ۳۵۸
- ۶۹۱ مسلم و کافر کے جنازے آپس میں مشتبہ ہو جائیں تو نماز جنازہ کیسے ادا کریں؟ ..... ۳۵۹
- ۶۹۲ امامت جنازہ کیلئے سلطان و امام حلی سے حق ہیں یا ولی زیادہ حقدار ہے؟ ..... ۳۶۱
- ۶۹۳ تلقین قبور کی تحقیق ..... ۳۶۲
- ۶۹۴ مردہ کے ہاتھ حضور ﷺ کی خدمت میں سلام کہنا ..... ۳۶۳
- ۶۹۵ وضو کا پانی قبر پر گرانا ..... ۳۶۴
- ۶۹۶ قبر کو مسجد کے اندر داخل کرنا ..... ۳۶۵
- ۶۹۷ قبرستان میں ہاتھ اٹھا کر دعا کرنا ..... ۳۶۶
- ۶۹۸ قبرستان میں جوتہ سمیت چلنا ..... ۳۶۷
- ۶۹۹ غسل کے وقت میت کے نجس کپڑے کو پاک کرنا ..... ۳۶۸
- ۷۰۰ ظاہری نجاست اگر نہ ہو تب بھی کپڑے پر اول جو تری لگے گی کپڑا ناپاک ہو جائیگا ..... ۳۶۸

۴۶۹	قبرستان میں نماز جنازہ پڑھنے کی تحقیق	۷۰۱
۳۷۱	ایضاً	۷۰۲
۳۷۱	ایضاً	۷۰۳
۳۷۳	ایضاً	۷۰۴
۳۷۵	قبرستان میں نماز جنازہ کے مکروہ ہونے کی تحقیق	○
۳۷۷	چادر نکالنے کیلئے قبر کھودنا	۷۰۵
۳۷۸	بچہ کافر پر نماز جنازہ کی تحقیق	۷۰۶
۳۷۹	مشرک کے بچہ پروردہ مسلم پر نماز جنازہ پڑھنا	۷۰۷
۳۸۱	جنازہ میں سلام سے قبل چوتھی تکبیر کے بعد ہاتھ چھوڑنا	۷۰۸
۳۸۲	نماز جنازہ میں سلام کے فوت ہونے کا حکم	۷۰۹
۳۸۳	شوہر کا مردہ بیوی کا چہرہ دیکھنا	۷۱۰
۳۸۵	پھانسی والے کی نماز جنازہ کا حکم	۷۱۱
۳۸۶	عورتوں کی قبروں میں بوریا رکھنا	۷۱۲
۳۸۷	ایسی جگہ نماز جنازہ کا حکم جہاں کے لوگ نماز سے واقف نہ ہوں	۷۱۳
۳۸۸	وقتیہ نماز اور جنازہ کی نماز میں کس کو مقدم کریں؟	۷۱۴
۳۸۹	سنت کو جنازہ پر مقدم کرنا	۷۱۵
۳۹۱	جنازہ پر نماز عید کو مقدم کرنا	۷۱۶
۳۹۲	جو شخص غرق ہو کر ریزہ ریزہ ہو گیا اس کے غسل و نماز جنازہ کا حکم	۷۱۷
۳۹۳	پاؤں سے روند کر قبر کو برابر کرنا	۷۱۸
۳۹۴	موت کے بعد بچہ کی آون نال کا ٹٹا	۷۱۹
۳۹۷	میت کے جسم کے بعض حصہ پر نماز جنازہ کا حکم	۷۲۰
۳۹۸	شوہر کا بیوی کو قبر میں اتارنا	۷۲۱
۴۰۰	کفن کے بند کو قبر میں چھوڑ دینا	۷۲۲
۴۰۱	نماز جنازہ میں ولایت کی ترتیب کا حکم	۷۲۳

- ۲۴۴ ..... کفن کے صرفہ کے وجوب میں ترتیب ..... ۴۰۳
- ۲۴۵ ..... لاش کے پوسٹ مارٹم کا حکم ..... ۴۰۴
- ۲۴۶ ..... ناپاک چارپائی پر نماز جنازہ کے عدم جواز کا حکم ..... ۴۰۷
- ۲۴۷ ..... خودکشی کرنے والے کی نماز جنازہ کا حکم ..... ۴۰۸
- ۲۴۸ ..... علماء اور سردار میت کے سر پر عمامہ کی کراہت ..... ۴۱۰
- ۲۴۹ ..... روضہ اقدس ﷺ پر بناء قبہ کے جواز کی دلیل ..... ۴۱۱
- ..... اس جواب پر ایک دوسرے مقام سے اور سوال آیا جو مع جواب ذیل میں مذکور ہے ..... ۴۱۴
- ۲۵۰ ..... ایصال ثواب سے ثواب پہنچانے والے کے اجر میں کمی آئی ..... ۴۱۶
- ..... اس جواب پر ایک دوسرے مقام سے اور سوال آیا جو مع جواب ذیل میں مذکور ہے ..... ۴۱۹
- ۲۵۱ ..... اولیاء کے مزاروں پر عمارت تعمیر کرنا کیسا ہے؟ ..... ۴۲۰
- ۲۵۲ ..... نماز جنازہ پڑھنے کے وقت میت کے مقروض ہونے کی تحقیق کرنا کا حکم ..... ۴۲۴
- ۲۵۳ ..... شہید حقیقی کیسے ہوتے ہیں؟ ..... ۴۲۵
- ۲۵۴ ..... قبر پر تعمیر کی کراہت ..... ۴۲۷
- ۲۵۵ ..... قبروں پر قلعی کرنا ..... ۴۲۸
- ۲۵۶ ..... اپنے فرض اور واجب عمل کا ثواب میت کو پہنچانا ..... ۴۲۹
- ۲۵۷ ..... تلاوت قرآن کا ثواب میت کو پہنچنا ہے یا نہیں؟ ..... ۴۳۰
- ۲۵۸ ..... عورتوں کے لئے زیارت قبور کا حکم ..... ۴۳۵
- ۲۵۹ ..... سوال (۷۰۸) ..... ۴۳۷
- ..... خلاصہ مضمون اخبار تہذیب نسواں جس کا حوالہ سوال میں ہے ..... ۴۳۸
- ۲۶۰ ..... ایضاً ..... ۴۳۹
- ۲۶۱ ..... کفار کی تعزیت ..... ۴۴۱
- ۲۶۲ ..... غیر مسلم کے نومولود بچے کے مسلمان کی پرورش میں فوت ہونے پر نماز جنازہ ..... ۴۴۲
- ۲۶۳ ..... ایضاً ..... ۴۴۴
- ۲۶۴ ..... صدقات و خیرات کا خصوصاً رمضان میں اہتمام کرنے کا حکم ..... ۴۴۷

- ۴۴۸ ..... قبر پر دوبارہ مٹی ڈالنے کا حکم ۴۴۵
- ۴۴۹ ..... میت کے ہاتھ کس جگہ رکھے جائیں ۴۴۶
- ۴۵۰ ..... قبرستان میں جو درخت لگائے جائیں وہ بھی وقف ہوں گے ۴۴۷
- ۴۵۱ ..... نقل درخواست مذکورہ سوال بالا ۴۴۸
- ۴۵۲ ..... سواری پر جنازہ لے کر جانا ۴۴۹
- ۴۵۳ ..... اجساد انبیاء کا عدم تغیر ۴۵۰
- ۴۵۸ ..... ضمیمہ از مولانا محمد اسحق صاحب بردوانی دام فیضہم ۴۵۱
- ۴۶۰ ..... ضمیمہ ثانیہ از مولوی عبد الماجد صاحب دریا آبادی ۴۵۲
- ۴۶۰ ..... قبرستان سے نکلتے وقت ادباً اس کی طرف پشت نہ کرنا ۴۵۳
- ۴۶۱ ..... حفاظت کی نیت سے قبر کے اوپر سائبان بنانا ۴۵۴
- ۴۶۲ ..... مسجد میں نماز جنازہ کی کراہت سے متعلق آٹھ سوال جواب ۴۵۵
- ۴۶۸ ..... روجوں کا شب جمعہ میں گھر آنے کی بات کہاں تک صحیح ہے؟ ۴۵۶
- ۴۶۹ ..... رات میں دفن کرنے کا حکم ۴۵۷
- ۴۷۵ ..... ایصال ثواب کا طریقہ ۴۵۸
- ۴۷۵ ..... نقل مکتوب ۴۵۹
- ۴۷۷ ..... تحقیق متعلق مکتوب ۴۶۰
- ۴۷۸ ..... ایصال ثواب کا طریقہ ۴۶۱
- ۴۷۹ ..... ایصال ثواب کے لئے کوئی خاص دن متعین کرنا ۴۶۲
- ۴۸۰ ..... خواب کی وجہ سے کسی میت کو اس کی قبر سے منتقل کرنا جائز نہیں ۴۶۳
- ۴۸۲ ..... مسلم یا غیر مسلم ولد الزناء پر نماز جنازہ پڑھی جائے گی یا نہیں؟ ۴۶۴
- ۴۸۷ ..... رسالة الصلوة علی المیت الصبی المتولد بین مسلم و کافرة بغی ۴۶۵
- ۴۸۹ ..... غیر مسلم ہندو کا میت کے وارث کو ایصال ثواب کے لئے روپیہ دینا ۴۶۶
- ۴۹۱ ..... قبر کھودنے کے آلات کو قبر کے پائینانہ میں ڈالنے کا حکم ۴۶۷

- ۴۶۳ ..... وباء میں مرنے والے کے شہید ہونے سے متعلق تحقیق ۴۹۲
- ۴۶۴ ..... کسی مصلحت کی وجہ سے شیعہ کے جنازہ میں شریک ہونا ۴۹۳
- ۴۶۵ ..... میت کا کھانا کھانے سے دل مرجاتا ہے اس قول کی تحقیق ۴۹۴
- ۴۶۶ ..... متعدد اموات کو ثواب بخشنے سے سب کو پورا ثواب ملے گا یا تقسیم ہو کر حصہ رسد ملے گا۔ ۴۹۵
- ۴۶۷ ..... کفن پر لکھنے کی روایت کی تحقیق ۴۹۶

## ۳/ کتاب الزکوٰۃ والصدقات

### ۱/ باب زکوٰۃ المال

- ۴۶۸ ..... نوٹ پر زکوٰۃ ہے یا نہیں؟ ۴۹۸
- ۴۶۹ ..... ایضاً ۴۹۹
- ۴۷۰ ..... ایضاً ۵۰۱
- ۴۷۱ ..... ایضاً ۵۰۳
- ۴۷۲ ..... ایضاً ۵۰۴
- ۴۷۳ ..... ایضاً ۵۰۵
- ۴۷۴ ..... ایضاً ۵۰۵
- ۴۷۵ ..... نوٹ کے ذریعہ زکوٰۃ صرف اس وقت ادا ہوگی جب کہ مسکین اس نوٹ کو نقد کر لے ۵۰۶
- ..... یا اس کی کوئی چیز خرید لے ۵۰۶
- ۴۷۶ ..... مسکین کو زکوٰۃ میں نوٹ دیا گیا پھر مسکین کو اس نوٹ کی قیمت کچھ کم ملی اس کا حکم ۵۰۷
- ۴۷۷ ..... گوٹہ وغیرہ کی خرید و فروخت بیع صرف ہے یا نہیں؟ اور اس میں زکوٰۃ کا حکم ۵۰۸
- ۴۷۸ ..... سونا چاندی میں کھوٹ کا حکم ۵۰۹
- ۴۷۹ ..... زکوٰۃ کی ادائیگی میں کھوٹ والا سکہ دینا ۵۱۱
- ۴۸۰ ..... زکوٰۃ کا نصاب تولہ کے حساب سے ۵۱۳
- ۴۸۱ ..... دین مہر مانع زکوٰۃ ہے یا نہیں؟ ۵۱۴



۵۱۵	..... ایضاً	۷۸۲
۵۱۷	..... ایضاً	۷۸۳
۵۱۷	..... ایضاً	۷۸۴
۵۱۹	..... ایضاً	۷۸۵
۵۲۰	..... تنخواہ اور رشوت ملے ہوئے مال میں زکوٰۃ کا حکم	۷۸۶
۵۲۰	..... امداد الفتاویٰ جلد اول ص ۱۵۶	○
۵۲۲	..... گوشت اور کلابتون کی زکوٰۃ اندازہ سے ادا کرنا	۷۸۷
۵۲۳	..... زرین اور ریشمی کپڑے کی زکوٰۃ	۷۸۸
۵۲۴	..... نصاب پر حوالانِ حول کا مطلب	۷۸۹
۵۲۶	..... بعض رشتہ داروں کو زکوٰۃ دینا	۷۹۰
۵۲۷	..... مقام مال کے فقراء کا زیادہ حقدار ہونا	۷۹۱
۵۲۹	..... غیر جنس سے زکوٰۃ ادا کرنا	۷۹۲
۵۳۰	..... خلاف جنس سے زکوٰۃ ادا کرنا	۷۹۳
۵۳۲	..... تحقیق حیلہ تملیک	۷۹۴
۵۳۳	..... مال حرام میں زکوٰۃ کا حکم	۷۹۵
۵۳۶	..... کاشتکار کے ذمہ جو رقم بطور قرض ہے اس کی زکوٰۃ کا حکم	۷۹۶
۵۳۸	..... جو شخص مالکِ نصاب نہ ہو اس کا زکوٰۃ لینے کا حکم	۷۹۷
	..... مدرسہ کی مد زکوٰۃ کی رقم کو دیگر مدت میں خرچ کرنے کی اور ایک مد کو دوسرے مد میں خرچ کرنے کا حکم	۷۹۸
۵۳۹	..... کرایہ کے مکانات پر زکوٰۃ کا حکم	۷۹۹
۵۴۳	..... مسافر مال دار طالب علم کے لئے زکوٰۃ لینا	۸۰۰
۵۴۵	..... شیرازی اصل اور نفع دونوں پر زکوٰۃ کا حکم	۸۰۱
۵۴۸	..... ایضاً	۸۰۲

۸۰۳	کمیٹی میں جو روپیہ لگائے اصل و نفع پر زکوٰۃ کا حکم	۵۵۰
۸۰۴	ایضاً	۵۵۵
۸۰۵	مال مفقود کی زکوٰۃ کا حکم	۵۵۶
۸۰۶	زیور، برتن اور غیر منقولہ جائیداد کی زکوٰۃ کا حکم	۵۵۸
۸۰۷	ادائے زکوٰۃ بذریعہ منی آڈر	۵۶۱
۸۰۸	تحقیق ادائے زکوٰۃ بذریعہ منی آڈر و جواب شبہ بریں مسئلہ	۵۶۳
۸۰۹	توکیل زکوٰۃ میں غلطی	۵۶۵
۸۱۰	وکیل زکوٰۃ کا زکوٰۃ کے روپیہ کو نوٹوں سے بدلنا	۵۶۷
۸۱۱	سادات کے لیے زکوٰۃ حرام ہے	۵۶۸
۸۱۲	جو سیّد مشہور ہو اس کو زکوٰۃ دینے کا حکم	۵۷۰
۸۱۳	نابالغ پر زکوٰۃ نہیں	۵۷۲
۸۱۴	نابالغ کے مال میں زکوٰۃ نہیں مگر عشر لازم ہے	۵۷۳
۸۱۵	عاریت کے مکان میں رہنے والے مالک نصاب پر زکوٰۃ واجب ہے	۵۷۴
۸۱۶	ایضاً	۵۷۵
۸۱۷	جائیداد غیر منقولہ میں مقدار غناء کی تحقیق	۵۷۶
۸۱۸	ختم ماہ و وجوب زکوٰۃ پر حساب دشوار ہو تو زکوٰۃ اداء کرنے کا طریق	۵۷۹
۸۱۹	زکوٰۃ کا حساب قمری سال سے ہونا چاہیے شمسی سے نہیں	۵۸۰
۸۲۰	ایضاً	۵۸۱
۸۲۱	معادن میں خمس واجب اور اسلامی بیت المال نہ ہونے کی صورت میں تصدق برفقراء لازم ہے	۵۸۳
۸۲۲	جس دین کے وصول ہونے کی امید نہ ہو اس پر وجوب زکوٰۃ کی تحقیق	۵۸۶
۸۲۳	قیمت جائیداد نصاب سے زائد ہو اور آمدنی بقدر گزر رہو تو اس پر زکوٰۃ ہے یا نہیں؟	۵۸۷
۸۲۴	ایضاً	۵۸۸
۸۲۵	سنین گزشتہ کی زکوٰۃ میں قدر واجب ہر سال منها کرنے کا حکم وجوب حج مانع زکوٰۃ نہیں	۵۹۰

۸۲۶ ..... بھیڑ اور بکری برابر ہونے کی صورت میں ہر ایک قسم سے زکوٰۃ ادا کر سکتا ہے؟ مگر جو زیادہ ہو

۵۹۱ ..... اس سے ادا کرنا چاہیے۔

۸۲۷ ..... زکوٰۃ سوائم میں تکمیل نصاب کے معنی اور بہشتی گوہر کی عبارت کی تحقیق جو اس کے خلاف

۵۹۵ ..... معلوم ہوتی ہے۔

۸۲۸ ..... طلباء علم دین پر زکوٰۃ خرچ کرنے کی افضلیت اگرچہ وہ دُور ہوں ..... ۵۹۶

۸۲۹ ..... اشرفیوں کی زکوٰۃ وزن کر کے دی جاوے یا اُن کو روپیہ سمجھ کر روپیہ کی زکوٰۃ دی جاوے ... ۵۹۷

۸۳۰ ..... تبدیلِ حول زکوٰۃ میں ایک اشکال ..... ۵۹۹

۸۳۱ ..... ادائے زکوٰۃ میں کوئی شرط فاسد لگا دی تو زکوٰۃ میں خلل نہیں وہ شرط لغو ہے ..... ۶۰۰

۸۳۲ ..... کرایہ یا تجارت کی کشتی پر زکوٰۃ کا حکم ..... ۶۰۲

۸۳۳ ..... سونے چاندی کو حساب زکوٰۃ میں باہم ملانے کی صورت ..... ۶۰۴

۸۳۴ ..... چندہ وصول کرنے والوں کو رقم زکوٰۃ دیدینے سے زکوٰۃ اداء نہیں ہوگی ..... ۶۰۶



## بقیہ کتاب الصلاة

### ۱۷ / باب الجمعة والعیدین

#### امام یا سلطان کی شرط کیسی اور کیوں؟

**سوال (۵۴۵):** قدیم ۱/۶۳۰ - نماز جمعہ کے انعقاد کے شرائط سے جو سلطان اور امام کا ہونا نزدیک احناف کے معتبر ہے اب زمانہ موجودہ میں یہ شرط نہیں پائی جاتی تو اس صورت میں جمعہ ہو سکتا ہے؟ اگر ہے تو وہ کیا اسباب ہیں کن احناف علماء نے اس شرط کو شرط نہ سمجھا؟ بحوالہ کتب واقوال تحریر فرمائیے۔ اگرچہ فی زمانہ مناسب جگہ جمعہ ہو رہا ہے؟

**الجواب:** في الهداية: ولا يجوز إقامتها إلا للسلطان أو لمن أمره السلطان؛ لأنها تقام بجمع عظيم وقد تقع المنازعة في التقديم والتقدم. الخ (۱)

(۱) ہدایہ، کتاب الصلاة، باب صلاة الجمعة، مکتبہ اشرفیہ دیوبند ۱/۱۶۸ -

و(من شرائط أدائها) السلطان أو نائبه..... لأنها تقام بجمع عظيم، فيقع الاختلاف في التقدم والتقديم ويرتفع ذلك بحضور من ذكر. (النهر الفائق، کتاب الصلاة، باب صلاة الجمعة، مکتبہ زکریا دیوبند ۱/۳۵۵)

والسلطان أو نائبه معطوف على المصير، وإنما كان شرطاً لصحة لأنها تقام بجمع عظيم، وقد تقع المنازعة في التقديم والتقدم، وقد تقع في غير فلا بد منه تنميماً لأمره. (البحر الرائق، کتاب الصلاة، باب صلاة الجمعة، مکتبہ زکریا دیوبند ۲/۲۵۲، کوئٹہ ۲/۱۴۳)

والسلطان أو نائبه أي شرط أدائها السلطان أو نائبه وهو معطوف على المصلي..... وقال الحسن البصري: أربع إلى السلطان فذكر منها الجمعة، ومثله لا يعرف إلا سماعاً فيحمل عليه ولأنها تؤدي بجمع عظيم فتقع المنازعة في التقديم والتقدم وفي أدائها في أول الوقت أو آخره فليها السلطان قطعاً للمنازعة وتسكيناً للفتنة. (تبیین الحقائق، کتاب الصلاة، باب صلاة الجمعة، مکتبہ زکریا دیوبند ۱/۵۲۸، امدادیہ ملتان ۱/۲۱۹)

وفي الدر المختار: ونصب العامة الخطيب غير معتبر مع وجود من ذكر امام مع عدمهم فيجوز للضرورة. (۱)

روایت اولیٰ سے معلوم ہوا کہ شرط وجود سلطان مقصود لزمانہ نہیں ہے بلکہ حکمت سدقنہ کے ہے پس اگر تراضی مسلمین سے یہ حکمت حاصل ہو جاوے تو معنی یہ شرط مفقود نہ ہوگی چنانچہ روایت ثانیہ میں اس کی تصریح موجود ہے البتہ جہاں اور کوئی شرط صحت جمعہ کی مفقود ہو وہاں جائز نہ ہوگا۔ واللہ اعلم، ۲۰ ذیقعدہ ۱۳۲۲ھ (امداد ج ۱ ص ۶۲)

## وقت نکل جانے کے بعد نماز کا اعادہ نہیں

**سوال (۵۴۶):** قدیم/۱-۶۳۱۔ بعد دو روز عید کے معلوم ہوا کہ نماز باطل ہوگئی تو دہرائیں یا نہیں؟  
**الجواب:** نہ دہرائیں۔ (\*)

(\*) یہاں پر الصحیح الاغلاط ص: ۹/۲ کا نمبر ۲ سے عبارت میں ترمیم کی گئی ہے۔ ۱۲ سعید احمد پالن پوری

(۱) الدر المختار مع الشامی، کتاب الصلاة، باب الجمعة، مکتبہ زکریا دیوبند ۱۴/۳، کراچی ۱۴۳/۲۔

ولو اجتمعت العامة على أن يقدموا رجلاً مع قيام واحد من هؤلاء الذين ذكرنا من غير أمره لم يجز إلا إذا لم يكن ثمة قاضي ولا خليفة الميت فحينئذٍ جاز للضرورة، ألا ترى أن علياً رضي الله عنه صلى بالناس يوم الجمعة، وعثمان رضي الله عنه محصور لأن الناس اجتمعوا على علي رضي الله عنه. (الفتاوى التاتارخانية، كتاب الصلاة، الفصل الخامس والعشرون شرائط الجمعة، مکتبہ زکریا دیوبند ۵۶/۲، رقم: ۳۲۸۱)

وإذا لم يكن أحد ممن ذكر فللناس أن يجتمعوا على واحد يصلي بهم للضرورة. (مجمع الأنهر، كتاب الصلاة، باب الجمعة، دار الكتب العلمية بيروت ۲۴۵/۱)

فإن لم يكن ثمة واحد منهم واجتمع الناس على رجل فصلى بهم جاز، كذا في السراجية: ولتعد الاستئذان من الإمام فاجتمع الناس على رجل يصلي بهم الجمعة جاز، كذا في التهذيب. (هندية، كتاب الصلاة، صلاة الجمعة، قدیم ۱۴۶/۱، جدید زکریا ۲۰۶/۱) شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

في الدر المختار: وتؤخر بعذر كمطر إلى الزوال من الغد فوقتها من الثاني كالأول تكون قضاء لا أداء. اه (۱)

اس سے معلوم ہوا کہ عید کی قضا صرف اگلے دن کے زوال تک ہے اس کے بعد نہیں۔ (\*)

وقال في الرد: تحت قوله مع الإمام متعلق بمحذوف حال من ضمير فانت لا بفاتت لأن المعنى ان الإمام أداها وفاتت المقتدى لأنها لو فاتت الإمام والمقتدى تقضى كما ياتي أفاده. في معراج الدراية: وقال تحت قوله بعذر كمطر دخل فيه ما إذا لم يخرج الإمام وما إذا غم الهلال فشهدوا به بعد الزوال أو قبله بحيث لا يمكن جمع الناس أو صلاحها في يوم غيم وظهر انها وقعت بعد الزوال كما في الدرر: وشرحه للشيخ إسماعيل وفيه عن الحجة إمام صلى العيد على غير وضوء ثم علم بذلك قبل أن يتفرق الناس يتوضأ ويعيدون وان تفرق الناس لم يعد بهم وجازت صلاتهم صيانة للمسلمين واعمالهم. اه (۲) والله تعالى اعلم وعلمه اتم

ذيقعه ۱۳۲۲ھ (امداد ص ۶۲ ج ۱)

(\*) یہ حکم عید الفطر کا ہے اور عید الاضحیٰ کا حکم سوال نمبر ۵۶۸ کے جواب میں ملاحظہ فرماویں۔ ۱۲ سید

احمد پالن پوری

(۱) الدر المختار مع الشامی، کتاب الصلاة، باب العیدین، مکتبہ زکریا دیوبند ۵۹/۳،

کراچی ۱۷۶/۲۔

(۲) الدر المختار مع الشامی، کتاب الصلاة، باب العیدین، مکتبہ زکریا دیوبند

۵۸/۳، ۵۹، کراچی ۱۷۶/۲۔

وتؤخر صلاة عيد الفطر بعذر كأن غم الهلال، وشهدوا بعد الزوال أو صلوا في غميم فظهر أنها كانت بعد الزوال، فتؤخر إلى الغد فقط لأن الأصل فيها أن لا تقضى كالجمعة إلا أنا تركنا بما روينا من أنه عليه السلام أخرها إلى الغد بعذر ولم يروا أنه أخرها إلى ما بعده فبقي على الأصل وقيد العذر للجواز لالنفى الكراهية، فإذا لم يكن عذر لا تصح في الغد (مراقي الفلاح) وفي الطحطاوي قوله: كأن غم الهلال الخ وكالمطر ونحوه كما في السراج: وكما لو صلى بالناس على غير طهارة ←

## جمعہ وعیدین کا خطبہ بیٹھ کر دینے کا حکم

**سوال (۵۴۷):** قدیم ۱/۲۳۱ - خطبہ جمعہ وعیدین بیٹھ کر جائز ہے یا نہیں۔ اگر خطیب ضعف کے سبب مجبور ہو تو کیا حکم ہے؟

**الجواب:** في الدر المختار: ويسن خطبتان إلى قوله وطهارة وستر عورة قائماً. (۱)

← ولم يعلم إلا بعد الزوال كما في الخانية. (حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، كتاب الصلاة، باب أحكام العیدین، مکتبہ دارالکتاب دیوبند ص: ۵۳۶)

وتؤخر بعذرٍ إلى الغد فقط (کنز) وفي النهر: وتؤخر أي صلاة العيد بعذرٍ كمطر ونحوه ومنه إذا غم الهلال، قيد به لأنه لو أخرها بلا عذرٍ لم يصلها إلى الغد، یعنی إلى الزوال منه، وأطلقه إحالة على ما مر "فقط" لأن الأصل فيها عدم القضاء كالجمعة غير أنا تركناه بماروينا من أنه عليه الصلاة والسلام أخرها إلى اليوم الثاني، فبقي مارواه على الأصل. (النهر الفائق، كتاب الصلاة، باب صلاة العیدین، مکتبہ زکریا دیوبند ۱/۳۷۰)

وان منع عذر عنها أي عن صلاة العيد في اليوم الأول صلوها في اليوم الثاني من ارتفاع الشمس إلى زوالها..... ولا نصلي بعده ولو بعذر لأن الأصل فيها أن لا تقضي لكن ورد الحديث بتأخيرها إلى الغد للعذر فيبقى ما عداه على الأصل. (مجمع الأنهر، كتاب الصلاة، باب صلاة العیدین، دار الكتاب العلمية بیروت ۱/۲۵۸)

الجوهرة النيرة، كتاب الصلاة، باب صلاة العیدین، مکتبہ دارالکتاب دیوبند ۱/۱۱۳ -  
البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب صلاة العیدین، مکتبہ زکریا دیوبند ۲/۲۸۴،  
کوئٹہ ۲/۱۶۲ - شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

(۱) الدر المختار مع الشامی، كتاب الصلاة، باب الجمعة، مکتبہ زکریا دیوبند  
۲۰/۲۳ - کراچی ۲/۱۴۸ - ۱۵۰

وسنن الخطبة ثمانية عشر شيئاً، الطهارة: وكذا الجلوس على المنبر قبل الشروع في الخطبة والأذان بين يديه كالإقامة بعد الخطبة، ثم قيامه بعد الأذان في الخطبتين ولو قعد فيهما أو في إحداهما أجزأ وكره من غير عذرٍ وإن خطب مضطجاً أجزأ. (حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، كتاب الصلاة، باب الجمعة، مکتبہ دارالکتاب دیوبند ص: ۵۱۴-۵۱۵) ←

اس سے معلوم ہوا کہ قیام خطبہ کا سنت موکدہ ہے اور اگر واجب بھی ہوتا تب بھی عذر میں ساقط ہو جاتا کہ قیام الصلوٰۃ اور عیدین کا خطبہ مثل خطبہ جمعہ کے احکام میں ہے پس عذر میں خطبہ جمعہ و عیدین بیٹھ کر پڑھنا جائز ہے۔ (امداد ص ۶۵ ج ۱)

## مسلم بادشاہ کی اجازت سے دیہات میں نماز جمعہ کا حکم

**سوال (\*) (۵۴۸):** قدیم ۱/۶۳۲ - درملک افغانستان اس قاعدہ است کہ بفرمائش امیر صاحب

**(\*) ترجمہ سوال:** افغانستان میں صورت یہ ہے کہ بعض علماء کی تحریک اور امیر کے حکم سے دیہاتوں میں جمعہ قائم کرتے ہیں اور چار پانچ دیہاتوں کے لئے بادشاہ کی طرف سے ایک خطیب مقرر ہوتا ہے، بادشاہ کی اجازت کی صورت میں ”مصر“ کی شرط کو ضروری نہیں سمجھتے اور اس علاقہ میں اگر کوئی جمعہ میں حاضر نہ ہو تو خطیب صاحب نکیر کرتے ہیں اور کبھی حاکم تک شکایت کی نوبت بھی آ جاتی ہے، اندریں صورت جمعہ کی دور کعتیں ظہر کے قائم مقام ہو جائیں گی یا نہ؟ اور اگر کوئی عذر و حیلہ کر کے ایسے جمعہ میں شریک نہ ہو تو گنہگار ہو گا یا نہ؟ ۱۲ سعید احمد پالن پوری

← وتسن خطبتان بجلسة بينهما وبطهارة قائماً بها ورد النقل المستفيض عنه عليه الصلاة والسلام ولو خطب خطبة واحدة أو لم يجلس بينهما أو بغير طهارة أو غير قائم جازت لحصول المقصود وهو الذكر والوعظ إلا أنه يكره لمخالفة التوارث. (تبيين الحقائق، كتاب الصلاة، باب صلاة الجمعة، مكتبة زكريا ديوبند ۱/۵۲۷-۵۲۸، امدادية ملتان ۱/۲۲۰)

وسننها أن يخطب قائماً قيد بقائماً لأنه لو خطب قاعداً يكره لمخالفته المتوارث. (مجمع الأنهر، كتاب الصلاة، باب الجمعة، دار الكتب العلمية بيروت ۱/۲۴۹)

ويخطب قائماً على طهارة لأن القيام فيهما متوارث، روى أن ابن مسعود لما سئل عن هذا، قال: أأستتلقوه قوله تعالى: "وتركوك قائماً" كان النبي صلى الله عليه وسلم يخطب قائماً حين انفض عنه الناس بدخول العير المدينة، والذي روي عن عثمان، أنه كان يخطب قاعداً إنما فعل ذلك لمرض أو كبر في آخر عمره. (عناية مع فتح القدير، كتاب الصلاة، باب صلاة الجمعة، مكتبة زكريا ديوبند ۲/۵۶، كوئٹہ ۲/۲۹)

الجوهر النيرة، كتاب الصلاة، باب صلاة الجمعة، مكتبة دار الكتاب ديوبند ۱/۱۰۷ -

شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ



\*\*\*\*\*  
 خلد اللہ تعالیٰ ملکہ تخریک بعض عالم در قرمی جمعہ قائم می کنند و برائے چار پنچ قریہ یک خطیب از طرف بادشاہ مقرر باشد فقط اذن بادشاہ را از اشتراط مصرعنی می پندارند دریں علاقہ اگر کدام یکے بجمعہ حاضر نشود خطیب صاحب انکار می کنند گاہے نوبت شکایت نزد حاکم ملک می رسد در صورت مذکورہ دور رکعت جمعہ از ظہر خلف می شود یا نہ در تاخیر از اں بعد روحیلہ آثم خواهد شد یا نہ؟

**الجواب (\*)**: قال الشامي: قال أبو القاسم: هذا بلا خلاف إذا أذن الوالي أو القاضي (إلى قوله) ولو صلوا في القرى لزهم أداء الظهر وهذا إذا لم يتصل به حكم فإن في فتاوى الدينارى: وإذا بنى مسجدا في الرستاق بأمر الإمام فهو أمر بالجمعة اتفاقاً. (۱)  
 پس در صورت مسئلہ جمعہ صحیح است، لکن وقت تبدیل حکومت اذن امیر سابق غیر سالہ غیر کافی ست اذن امیر جدید شرط ست۔

قال الشامي: لا يبقى إلى اليوم الإذن بعد موت السلطان الأذن بذلك إلا إذا أذن به أيضاً سلطان زماننا نصره الله. ص ۸۴۰ (۲) والله اعلم  
 ۲۰ محرم ۱۳۲۳ھ (امداد ص ۶۵ ج ۱)

اگر اثنائے خطبہ جمعہ وعیدین یاد آوے کہ صلوٰۃ فجر نہیں پڑھی تو کیا کرے؟

**سوال (۵۴۹)**: قدیم ۱/۶۳۳ - اگر خطبہ عیدین یا جمعہ میں امام کو خیال آیا کہ نماز فجر نہیں پڑھی تو کیا کرے؟

**(\*) ترجمہ جواب**: قال الشامي: ..... صورت مسئلہ میں جمعہ صحیح ہے؛ لیکن جب حکومت بدلے (یعنی بادشاہ بدلے) تب نئے امیر کی اجازت شرط ہوگی، امیر سابق کی اجازت کافی نہ ہوگی۔ واللہ اعلم  
**نوٹ**: اس جواب پر ایک شبہ اور اس کا جواب سوال نمبر ۶۶۰ پر آ رہا ہے، نیز اس سلسلہ میں سوال نمبر ۶۲۱ بھی ملاحظہ فرمایا جاوے۔ ۱۲ سعید احمد پالن پوری

(۱) شامي مع الدر المختار، كتاب الصلاة، باب الجمعة، مكتبة زكريا ديوبند ۷-۶/۳، کراچی ۱۳۸/۲۔  
 (۲) شامي مع الدر المختار، كتاب الصلاة، باب الجمعة، مكتبة زكريا ديوبند ۱۲/۳، کراچی ۱۴۲/۲۔ شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

\*\*\*\*\*

**الجواب:** فی الدر المختار: باب الجمعة ولو خطب جنبا ثم اغتسل وصلى جاز (۱) وفيه وإذا خرج الإمام فلا صلوة ولا كلام الى تمامها خلا قضاء فائتة لم يسقط الترتيب بينها وبين الوقتية فانها لا تكره سراج وغيره لضرورة صحة الجمعة. (۲)

اس سے معلوم ہوا کہ خطبہ تو درست ہو جائے گا لیکن نماز جمعہ نہ پڑھاوے اگر صاحب ترتیب ہو (\*) بلکہ دوسرے سے پڑھاوے اور خطبہ عیدین میں یاد آوے تو کچھ حرج نہیں کیونکہ ترتیب خود فرائض وعیدین کی نماز میں بھی واجب نہیں اور خطبہ میں تو کہیں بھی واجب نہیں ہوتی۔

(\*) صاحب ترتیب کی تعریف باب ادا رک الفریضہ وقضاء الفوائت کے پہلے سوال کے جواب میں ملاحظہ فرماویں۔ ۱۲ سعید احمد پالن پوری

(۱) الدر المختار مع الشامی، کتاب الصلاة، باب الجمعة، مکتبہ زکریا دیوبند ۲۴/۳، کراچی ۱۵۰/۲۔

ومنها (سنن الخطبة) الطهارة حال الخطبة فلو خطب محدثاً أو جنبا جاز. (حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، كتاب الصلاة، باب صلاة الجمعة، مکتبہ دار الكتاب دیوبند ص: ۵۱۴) وتسن خطبتان بجلسة بينهما وبطهارة قائماً بها ورد النقل المستفيض عنه عليه الصلاة والسلام ولو خطب خطبة واحدة أو لم يجلس بينهما أو بغير طهارة أو غير قائم جازت لحصول المقصود وهو الذكر والوعظ إلا أنه يكره لمخالفة التوارث. (تبیین الحقائق، کتاب الصلاة، باب صلاة الجمعة، مکتبہ زکریا دیوبند ۱/۵۲۹، امدادیہ ملتان ۱/۲۲۰)

وستنها أن يخطب قائماً على طهارة، فإن خطب على غير طهارة جاز؛ ولكنه يكره. (مجمع الأنهر، كتاب الصلاة، باب الجمعة، دار الكتب العلمية بيروت ۱/۲۴۹)

(۲) الدر المختار مع الشامی، کتاب الصلاة، باب الجمعة، مکتبہ زکریا دیوبند ۳۵-۳۴/۳، کراچی ۱۵۸/۲

وإذا خرج الإمام فلا صلوة ولا كلام سواء كانت قضاء فائتة أو صلاة جنازة أو سجدة تلاوة أو مندورة أو نفل إلا إذا تذكر فائتة ولو وترًا وهو صاحب ترتیب فلا يكره الشروع فيها حينئذ به يجب لضرورة صحت الجمعة. (حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، كتاب الصلاة، باب صلاة الجمعة، مکتبہ دار الكتاب دیوبند ص: ۵۱۸) ←

في الدر المختار: باب قضاء الفوائت الترتيب بين الفروض الخمسة والوتر أداء وقضاء لازم، وفي رد المحتار: ودخل فيه الجمعة فإن الترتيب بينها وبين سائر الصلوات لازم فلو تذكر أنه لم يصل الفجر يصلها ولو كان الإمام يخطب إسماعيل عن شرح الطحاوي. اه (۱) والله تعالى اعلم

ذيقعه ۱۳۲۲ھ (امداد؟؟ ج ۱)

## خطبہ کوئی دے اور نماز کوئی دوسرا پڑھائے تو کیا حکم؟

**سوال (۵۵۰):** قدیم ۱/۶۳۳ - جمعہ وعیدین میں امام اور ہو، اور خطیب دوسرا شخص ہو تو کچھ مضائقہ تو نہیں اگر عذر ہو مثلاً امام جماعت باعتبار تقویٰ طہارت قرآن وغیرہ کے افضل ہو اور خطبہ میں بوجہ عدم عربیت غلطیاں کرتا ہو تو ایسی صورت میں کیا حکم ہے؟

**الجواب :** في الدر المختار: في الشرط الخامس للجمعة لكن سيجيئ أنه لا يشترط اتحاد الإمام والخطيب (۲) ثم وفي وعده بقوله فيما بعد لا ينبغي

← إذا خرج الإمام فلا صلاة جائزة نفلًا وقدما أنه لو خرج وهو يصلي السنة القبلية يكملها على الأصح، أما الفرض فإن كانت فائتة والترتيب لم يسقط فتجوز لأنه مضطر إليها لصحة الجمعة وإلا فلا. (النهر الفائق، كتاب الصلاة، باب صلاة الجمعة، مكتبه زكريا ديوبند ۱/۳۶۴)

وإذا خرج الإمام فلا صلاة أصلاً خلافاً لفائتة لم يسقط الترتيب بينها وبين الوقتية لضرورة صحة الجمعة. (سكب الأنهر على هامش مجمع الأنهر، كتاب الصلاة، باب صلاة الجمعة، مكتبه دار الكتب العلمية بيروت ۱/۲۵۳)

(۱) الدر المختار مع الشامی، کتاب الصلاة، باب قضاء الفوائت، مكتبه زكريا ديوبند ۲/۵۲۳، کراچی ۲/۶۵ - شیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

(۲) الدر المختار مع الشامی، کتاب الصلاة، باب الجمعة، مكتبه زكريا ديوبند ۲/۱۵۱ - کراچی ۲/۱۵۱ -

\*\*\*\*\*

أن يصلى غير الخطيب (إلى قوله) جاز هو المختار. (۱)

اس سے معلوم ہوا کہ بلا عذر بھی جائز ہے مگر خلاف اولیٰ اور عذر سے خلاف اولیٰ بھی نہ ہوگا۔ واللہ تعالیٰ اعلم

محرم الحرام ۱۳۲۲ھ (امداد ص ۶۵ ج ۱)

## شہر سے متصل آبادی میں جمعہ کا حکم

**سوال (۵۵۱):** قدیم ۱/۶۳۴ - مدت سے اس بات میں شک ہے کہ جمعہ ہمارے محلہ میں جو کہ شہر الہ آباد سے ایک میل کے فاصلہ پر واقع ہے اور بالکل دیہات ہے اور ہم لوگوں کو تمام اشیاء ضروری استعمال کی شہر ہی سے لانا پڑتا ہے جائز ہے یا نہیں اور پھر لوگ جو چار رکعت بعد نماز جمعہ کے پڑھ لیتے ہیں

.....

(۱) الدر المختار مع الشامی، کتاب الصلاة، باب الجمعة، مکتبہ زکریا دیوبند ۳۹/۳، کراچی ۱۶۲/۲۔

وفي القنية: واتحاد الخطيب والإمام ليس بشرط على المختار، وفي الذخيرة: لو خطب صبي عاقل، وصلى بالغ جاز. (حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، كتاب الصلاة، باب صلاة الجمعة، مکتبہ دار الكتاب دیوبند ص: ۵۰۸)

لا ينبغي أن يصلى غير الخطيب لأنه الجمعة مع الخطبة كشيء واحد فإن فعل بأن خطب صبي بإذن السلطان وصلى بالغ جاز. (مجمع الأنهر، كتاب الصلاة، باب صلاة الجمعة، دار الكتب العلمية بيروت ۱/۲۵۴)

وفي الملتقى: صبي خطب بإذن السلطان وصلى الجمعة رجل بالغ يجوز. (خلاصة الفتاوى، كتاب الصلاة، الفصل الثالث والعشرون في صلاة الجمعة، مکتبہ اشرفیہ دیوبند ۱/۲۰۵)

وقد علم من تفاريعهم أنه لا يشترط في الإمام أن يكون هو الخطيب وقد صرح في الخلاصة بأنه لو خطب صبي بإذن السلطان وصلى الجمعة رجل بالغ يجوز. (البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب صلاة الجمعة، مکتبہ زکریا دیوبند ۲/۲۵۸، کوئٹہ ۱۴۷/۲) شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

\*\*\*\*\*

یہ کیسا ہے چنانچہ میں بھی ایک بزرگ کے کہنے سے اپنے محلہ میں بعد اوائے جمعہ چار رکعت فرض بھی پڑھ لیتا ہوں امید ہے کہ جواب ثانی سے مطلع فرمائیں؟

**الجواب:** في الدر المختار او فناءه وهو ماحوله اتصل به او لا كما حرره ابن كمال لأجل مصالحه كدفن الموتى ور كض الخيل وفي رد المحتار وان اعتبرت (التكية) قربة مستقلة فهي مصر على تعريف المصنف. (۱)

ان روایات سے مفہوم ہوا کہ اگر یہ مقام جس کی نسبت سوال ہے مستقل آبادی شمار کی جاتی ہے تب تو بوجہ قریہ ہونے کے اس میں جمعہ جائز نہیں اور اگر مستقل آبادی نہیں سمجھی جاتی بلکہ شہر کے متعلق قرار دی جاتی ہے اور شہر کے مصالح عامہ اس سے متعلق ہیں جیسے گھوڑ دوڑ اور چاند ماری اور لشکر کا پڑاؤ اور گورستان و مثل ذلک تو اس میں جمعہ جائز ہے اور ظہر احتیاطی کی ضرورت نہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم

۴/ربیع الاول ۱۳۲۲ھ (امداد ص ۱۶)

(۱) الدر المختار مع الشامی، کتاب الصلاة، باب الجمعة، مکتبہ زکریا دیوبند ۳/۷-۸، کراچی ۲/ -

وشرائط أداؤها المصر أو مصلاه أي فناءه وهو المكان المعد لمصالح المصر متصل به أو منفصل عنه، بغلوة كذا قرره محمد في النوادر: ..... وفي المضممرات يجب على أهل القرى القريبة الذين يسمعون النداء بأعلى الصوت وهو الصحيح والتقيد بالمصلى اتفاقي إذ الحكم غير مقصور عليها بل تجوز في جميع أقيته، وإن لم يكن بها مصلى. (النهر الفائق، كتاب الصلاة، باب صلاة الجمعة، مکتبہ زکریا دیوبند ۳۵۳/۱)

الشرط الأول اشتراطه الحنفية: وهو أن يكون المكان الذي تقام فيه مصرًا، ويلحق بالمصر ضاحيته أو فناءه، و ضواحي المصر هي القرى المنتشرة من حوله والمتصلة به والمعدودة من مصالحه بشرط أن يكون بينها وبينه من القرب ما يمكن أهلها من حضور الجمعة، ثم الرجوع إلى منازلهم في نفس اليوم بدون تكلف. (المؤسوعة الفقهية الكويتية ۲۷/۱۹۶)

و كما يجوز أداء الجمعة في المصر يجوز أداءها في فناء المصر وهو الموضع المعد ←

## دھوپ کی شدت کی وجہ سے کمزور شخص سے جمعہ معاف ہے یا نہیں؟

**سوال (۵۵۲):** قدیم ۱/۶۳۴- اگر کسی کو ایسا مرض ہو کہ اگر صبح کو وہ جامع مسجد جمعہ کے دن جانا چاہے تو جاسکتا ہے اور اگر دوپہر کے وقت یا ۱۰ بجے جانا چاہے تو نہیں جاسکتا اس وجہ سے کہ آج کل دھوپ سے اس کو سخت مضرت ہوتی ہے تو ایسے شخص کو جمعہ پڑھنے کیلئے صبح کو جانا واجب ہے یا نہیں یا جمعہ اس سے معاف ہے؟

**الجواب:** في رد المحتار: تحت قول الدر المختار: في أَعذار ترك الجماعة وبرد شديد مانصه لم يذكر الحر الشديد أيضاً ولم أر من ذكره من علمائنا ولعل وجهه إن الحر الشديد إنما يحصل غالباً في صلاة الظهر وقد كفينا مؤنته بسنية الأبراد نعم قد يقال لو ترك الإمام هذه السنة وصلى في أول الوقت كان الحر الشديد عذراً تأمل (۱) وفي أَعذار ترك الجماعة من الدر المختار ووحل وثلج ونحوهما وفي رد المحتار أي كبر شديد كما قدمناه في باب الإمامة (۲)

← لمصالح المصير متصلاً بالمصير. (هندية، كتاب الصلاة، الباب السابع عشر في صلاة الجمعة، قديم زكريا ۱/۱۴۵، جديد زكريا ۱/۲۰۵)

وشرط أدائها المصير أو مصلاه أي مصلى المصير لأنه من توابعه فكان في حكمه والحكم غير مقصور على المصلى بل يجوز في جميع أفنية المصير لأنها بمنزلة المصير في حوائج أهله. (البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب صلاة الجمعة، مكتبه زكريا ديوبند ۲/۲۴۷، كوئٹہ ۲/۱۴۰)

مجمع الأنهر، كتاب الصلاة، باب الجمعة، دار الكتب العلمية بيروت ۱/۲۴۴-

شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

(۱) الدر المختار مع الشامي، كتاب الصلاة، باب الإمامة، مكتبه زكريا ديوبند

۲/۲۹۲-۲۹۳، کراچی ۱/۵۵۶

(۲) الدر المختار مع الشامي، كتاب الصلاة، باب الإمامة، مكتبه زكريا ديوبند

۳/۲۹، کراچی ۲/۱۵۴- ←

اس سے معلوم ہوا کہ اگر دھوپ (\*) سخت مضر ہو اور چھتری کی حفاظت کافی نہ ہو تو ترک جمعہ کیلئے عذر ہوگا۔ واللہ تعالیٰ اعلم وعلمہ اتم

۵/ربیع الثانی ۱۳۲۲ھ (امداد ص ۱۷۱ ج ۱)

(\*) جمعہ کو جماعت پر قیاس کرنا صحیح نہیں معلوم ہوتا؛ کیونکہ جمعہ فرض ہے اور جماعت مستحب یا سنت مؤکدہ یا واجب فلا یقاس علیہا اور اگر صحیح ہو تو پھر یہ بھی دیکھنا چاہئے کہ ہندوستان میں ایسی گرمی ہوتی بھی ہے یا نہیں؟ کیونکہ اندیشہ ہے کہ نازک مزاج لوگ اس فتوے کو حیلہ بنا کر جمعہ و جماعت کا اہتمام چھوڑ دیں۔ (تصحیح الاغلاط ص: ۱۰) احقر کے خیال میں اس مسئلہ کو ترک جماعت کے اعذار پر قیاس کرنے کی حاجت ہی نہیں ہے؛ کیونکہ یہاں مسئلہ یہ ہے کہ مرض کی وجہ سے گرمی کا تحمل نہیں ہوتا تو کیا ایسے مریض پر جمعہ واجب ہے یا نہیں؟ جواب یہ ہے کہ جمعہ واجب نہیں ہے۔

ففي شرح المنية الكبير: الرابع: الصحة أي عدم المرض، فلا تجب على المريض إذا كان لا يقدر على الذهاب إلى الجامع، أو يقدر إلا أنه يخاف أن يزيد مرضه أو يبطئ براءه بسببه، لما مر في الحديث. ص: ۵۰۹، فصل في صلاة الجمعة، بيان شرائط الجمعة، مكتبة اشرفية ديوبند ص: ۵۲۸.

اس روایت سے معلوم ہوا کہ جب صورت مسئلہ میں دھوپ سے اس کو سخت مضرت ہوتی ہے تو اس پر جمعہ واجب نہیں ہے اور صبح سے جانا بھی واجب نہیں ہے لكون التكبیر مستحباً۔ واللہ اعلم ۱۲ سعید احمد پالن پوری

← والرابع: "الصحة" خرج به المريض لما روينا أي الذي لا يقدر على الذهاب إلى الجامع أو يقدر ولكن يخاف زيادة مرضه أو بقاء برئه بسبب جلي، وألحق بالمريض الممرض إن بقي المريض ضائعاً بخروجه على الأصح. (حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، كتاب الصلاة، باب صلاة الجمعة، مكتبة دار الكتاب ديوبند ص: ۵۰۵)

الشرط الثالث: الصحة، ويقصد بها خلو البدن عما يتعسر معه عرفاً الخروج لشهود الجمعة في المسجد كمرض وألم شديد فلا تجب صلاة الجمعة على من اتصف بشيء من ذلك. (الموسوعة الفقهية الكويتية ۲۷/۱۹۹)

وفي نوادر هشام عن محمد لا جمعة على الأعمى والشيخ الكبير الذي ضعف وعجز عن السعي لا يلزمه الجمعة، وفي الفتاوى العتابية: ولا على مفلوج، وفي الخلاصة والخانية: ←

## نماز جمعہ کے بعد احتیاط الظہر پڑھنے کا حکم

**سوال (۵۵۳):** قدیم ۱/۲۳۵ - بعد اداۓ صلوٰۃ جمعہ جو لوگ چار رکعت بوجہ اشتباہ اداۓ جمعہ و فقدان بعض شرائط جمعہ پڑھتے ہیں ان کا ادا کرنا احتیاط ہے یا ادا نہ کرنا احتیاط ہے یا خواص کو درست ہے اور عوام کو نہیں یا خواص و عوام دونوں کو درست ہے نفس مسئلہ کیا ہے اور آجکل کے اعتبار سے کیا حکم ہے؟

**الجواب:** رد المحتار میں بعد ایک بحث طویل کے بہت اچھا فیصلہ کیا ہے۔

نعم! أن أدى إلى مفسدة لا تفعل جهاراً أو الكلام عند عدمها ولذا قال المقدسي نحن لا نأمر بذلك أمثال هذه العوام بل ندل عليه الخواص ولو بالنسبة إليهم. اه (۱)

← وإن وجد حاملاً ومقطوع الرجل وكل من لا يقدر على المشي وإن لم يكن به وجع. (الفتاوى التاتارخانية، كتاب الصلاة، الفصل الخامس والعشرون، شرائط الجمعة، مكتبة زكريا ديوبند ۲/۵۷۸، رقم: ۳۳۴۹)

المحيط البرهاني، كتاب الصلاة، الفصل الخامس والعشرون، صلاة الجمعة، المجلس العلمي ۲/۴۶۶، رقم: ۲۲۰۱ - شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

(۱) شامی، کتاب الصلاة، باب الجمعة، مكتبة زكريا ديوبند ۳/۱۷، كراچی ۲/۱۴۶۔

وليس الاحتياط في فعلها لأن الاحتياط هو العمل بأقوى الدليلين وأقواهما إطلاق تعدد الجمعة، وبفعل الأربع مفسدة اعتقاد الجملة عدم فرض الجمعة أو تعدد المفروض في وقتها ولا يفتى بالأربع إلا للخواص ويكون فعلهم إياها في منازلهم. (حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، كتاب الصلاة، باب صلاة الجمعة، مكتبة دار الكتاب ديوبند ص: ۵۰۶)

أمر أئمتهم بأداء الأربع بعد الجمعة حتماً احتياطاً (إلى قوله) مبنى كله على القول الضعيف المخالف للمذهب، فليس الاحتياط في فعلها لأنه العمل بأقوى الدليلين وقد علمت أن مقتضى الدليل هو الإطلاق ..... ولأن الاحتياط هو العمل بأقوى الدليلين ولم يوجد دليل عدم جواز التعدد بل قضية الضرورة عدم اشتراطه، وقد قال الله تعالى: "لا يكلف الله نفساً إلا وسعها" وقال تعالى: "ما جعل عليكم في الدين من حرج" بلفظه مع ما لزم من فعلها ←



اور چونکہ اس میں کہا گیا ہے کہ لا نأمر العوام اس لئے میں بھی کہتا ہوں:

لم اترجم هذه العبارة لأنى لا أدل عيها العوام لأن الدلالة نوع من حملهم عليه. والله أعلم

۱۰/ جمادی الاولیٰ ۱۳۲۲ھ (امداد ص ۷۸ ج ۱)

**سوال (۵۵۴):** قدیم ۱/ ۶۳۸ - آیت پہلی وَمَنْ يَتَّبِعْ غَيْرَ الْإِسْلَامِ دِينًا فَلَنْ يُقْبَلَ مِنْهُ

وَهُوَ فِي الْآخِرَةِ مِنَ الْخَاسِرِينَ. (۱)

دوسری آیت: قُلْ يَا أَهْلَ الْكِتَابِ لَا تَغْلُوا فِي دِينِكُمْ. (۲)

تیسری آیت: الْيَوْمَ اكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ وَأَتِمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِي. (۳)

چوتھی آیت: أَمْ لَهُمْ شُرَكَاءُ شَرَعُوا لَهُمْ مِنَ الدِّينِ مَا لَمْ يَأْذَنْ بِهِ اللَّهُ. (۴)

← في زماننا من المفسدة العظيمة وهو اعتقاد الجهلة أن الجمعة ليست بفرض لما يشاهدون من صلاة الظهر فيظنون أنها الفرض، وأن الجمعة ليست بفرض فيتكاسلون عن أداء الجمعة، فكان الاحتياط في تركها، وعلى تقدير فعلها ممن لا يخاف عليه مفسدة منها فالأولى أن تكون في بيته خفية خوفاً من مفسدة فعلها. (البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب صلاة الجمعة، مكتبه زكريا ديوبند ۲/ ۲۵۰-۲۵۲، كوئٹہ ۲/ ۱۴۲-۱۴۳)

وتمام تحقيق المقام في رسالة المقدسي: وقد ذكر شذرة منها في إمداد الفتاح، وإنما أطلعنا في ذلك لدفع ما يوهمه كلام المؤلف من عدم طلب فعلها، نعم! إن أدي إلى مفسدة لا يفعل لكن الكلام عند عدمها ولذا قال المقدسي: نحن لا نأمر بذلك أمثال هذه العوام بل ندل عليه الخواص ولو بالنسبة إليهم. (منحة الخالق على البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب صلاة الجمعة، مكتبه زكريا ديوبند ۱/ ۲۵۱، كوئٹہ ۲/ ۱۴۳) شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

(۱) سورة آل عمران آیت: ۸۵.

(۲) سورة المائدة آیت: ۷۷.

(۳) سورة المائدة آیت: ۳.

(۴) سورة الشورى آیت: ۲۱.

پہلی حدیث: من أحدث في أمرنا هذا ما ليس منه فهو رد. (١)

دوسری حدیث: من عمل عملاً ليس عليه امرنا فهو رد. (٢)

تیسری حدیث: وإياكم ومحدثات الأمور فإن كل محدثة بدعة وكل بدعة ضلالة. (٣)

چوتھی حدیث: من ابتدع بدعة ضلالة لا يرضها الله ورسوله كان عليه من الإثم مثل

اثام من عمل بها لا ينقص ذلك من اوزارهم شيئاً. (٤)

(١) عن عائشة رضي الله تعالى عنها قالت: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: من أحدث في أمرنا هذا ما ليس منه فهو رد. (مسلم شريف، كتاب الأضحية، باب نقض الأحكام الباطلة ورد محدثات الأمور، النسخة الهندية، ٧٧/٢، بيت الأفكار رقم: ١٧١٨) أبوداؤد شريف، كتاب السنة، باب في لزوم السنة، النسخة الهندية ٦٣٥/٢، دارالسلام رقم: ٤٦٠٦

مسند أحمد بن حنبل ٢٤١/٦، رقم: ٢٦٥٦١

صحيح ابن حبان دار الفكر ٨٤/١، رقم: ٢٦

(٢) عن عائشة رضي الله تعالى عنها أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: من عمل عملاً ليس عليه أمرنا فهو رد. (مسلم شريف، كتاب الأضحية، باب نقض الأحكام الباطلة ورد محدثات الأمور، النسخة الهندية، ٧٧/٢، بيت الأفكار رقم: ١٧١٩)

(٣) عن عبد الله بن مسعود أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: إنما هما إثنان الكلام والهدى فأحسن الكلام كلام الله وأحسن الهدى هدى محمد صلى الله عليه وسلم، ألا وإياكم ومحدثات الأمور فإن شر الأمور محدثاتها، وكل محدثة بدعة وكل بدعة ضلالة الحديث. (ابن ماجه شريف، باب اجتناب البدع والجدل، النسخة الهندية ص: ٦، دارالسلام رقم: ٤٦٠٦)

أبوداؤد شريف، كتاب السنة، باب في لزوم السنة، النسخة الهندية ٦٣٥/٢، دارالسلام رقم: ٤٦٠٧

(٤) عن عبد الله عن أبيه عن جده أن النبي صلى الله عليه وسلم قال: لبلال بن الحارث اعلم قال: ما أعلم يا رسول الله! قال إنه من أحيى سنة من سنتي قدميت بعدي كان له ←

موافق مطلب ان آیت کریمہ اور احادیث صحیحہ کے نماز احتیاط الظہر پڑھنا منع ہوگا یا نہیں؟

**الجواب:** صحاح میں مروی ہے کہ سعد بن ابی وقاصؓ اور عبد اللہ بن زمعہؓ نے زمعہ کی لونڈی کے بچہ میں نزاع کیا جناب رسالت مآب ﷺ نے حسب قاعدہ شرعیہ الولد للفراش اس بچہ کو زمعہ کا بیٹا قرار دیا اور بسبب مشابہت عتبہ بن ابی وقاص کے آپ نے اپنی زوجہ مطہرہ حضرت ام المؤمنین سودہ بنت زمعہ کو اس سے حجاب کرنے کا حکم فرمایا (۱) اس حدیث سے ثابت ہوا کہ تعارض اولہ کے وقت گوان اولہ میں ایک دلیل ضعیف ہی ہو جمع بین الادلہ وعمل بمقتضیات کل منہا احتیاط مشروع و مسنون ہے پس اسی کی نظیر ہے جمع بین الجمعہ والظہر جس کو ظہر احتیاطی کہتے ہیں اور گو عدم صحت جمعہ کی کوئی دلیل ضعیف ہی ہو مگر حدیث مذکور نص ہے کہ مقتضا احتیاط کا دلیل ضعیف کا بھی اعتبار کرنا ہے جیسا کہ مشابہت دلیل ضعیف ہے

← من الأجر مثل من عمل بها من غير أن ينقص من أجورهم شيئاً ومن ابتدع بدعة ضلالة لا يرضاه الله ورسوله كان عليه مثل آثام من عمل بها لا ينقص ذلك من أوزار الناس شيئاً. (ترمذي شريف، أبواب العلم، باب اجتناب البدعة، النسخة الهندية، ۹۶/۲، دار السلام رقم: ۲۶۷۷)

(۱) عن عائشة زوج النبي صلى الله عليه وسلم أنها قالت: كان عتبة بن أبي وقاص عهد إلى أخيه سعد بن أبي وقاص: أن ابن وليدة زمعة مني، فاقبضه إليك فلما كان عام الفتح أخذه سعد فقال: ابن أخي قد كان عهد إلي فيه، فقام إليه عبد الله بن زمعة فقال: أخي وابن وليدة أبي، ولد على فراشه، فتساوقا إلي رسول الله صلى الله عليه وسلم، فقال سعد: يا رسول الله! ابن أخي كان عهد إلي فيه، وقال عبد الله بن زمعة: أخي وابن وليدة أبي، ولد على فراشه، فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم هو لك يا عبد الله بن زمعة، ثم قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: الولد للفراش وللعاهر الحجر، ثم قال: لسودة بنت زمعة احتجبي منه لما رأى من شبهه بعتبة فما رآها حتى لقي الله تعالى.

(بخارى شريف، كتاب الأحكام، باب من قضى له بحق أخيه فلا يأخذه فإن قضاء الحاكم لا يحل حراماً ولا يحرم حلالاً، النسخة الهندية، ۱۰۶۴/۲، رقم: ۶۸۹۵، ف: ۷۱۸۱)

مسلم شريف، كتاب الرضاع، باب الولد للفراش وتوقي الشبهات، النسخة الهندية

اور پھر بھی اس کا اعتبار کیا گیا پس ظہر احتیاطی کی اصل سنت سے نکل آئی تو اس کا پڑھنا آیات واحادیث مذکورہ سوال کے خلاف نہ ہوگا اور اس سے اصرح وہ حدیثیں اس کا مآخذ ہو سکتی ہیں جن میں وقوع شک کی صورت میں بناء علی الاقل کا اور صلوة مؤداة مع الکرہتہ کے اعادہ کا حکم ہے (۱) بناء علی الاقل میں احتمال تکرار رکعت کا ہے اس سے مشکوک کے تدارک بمثلہ کی مشروعیت ثابت ہوئی کیونکہ غیر مشروع کا تو احتمال بھی مانع جواز ہے اور اعادہ میں تو یہ تدارک یقینی پس جہاں جمعہ مشکوک ہو اس کا تدارک بالظہر بالیقین اس کی نظیر ہے۔

لأن الجمعة الفائتة تجبر بالظهر اجماعاً وههنا كالفائتة حيث احتمل فقد شرط او وجود مانع فافهم.

(۱) عن أبي سعيد الخدري قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم إذا شك أحدكم في صلاته فلم يدر كم صلى؟ ثلاثاً أم أربعاً؟ فليطرح الشك وليبن على ما استيقن، ثم يسجد سجدتين قبل أن يسلم فإن كان صلى خمسين شفعن له صلاته وإن كان صلى إتماماً لأربع كانتا ترغيماً للشيطان. (مسلم شريف، كتاب المساجد، باب السهو في الصلاة والسجود له، النسخة الهندية ۲۱۱/۱، بيت الأفكار رقم: ۵۷۱)

عن عبد الرحمن بن عوف قال: سمعت النبي صلى الله عليه وسلم يقول: إذا سها أحدكم في صلاته فلم يدر واحدة صلى أو ثنتين فليبن على واحدة فإن لم يدر ثنتين صلى أو ثلاثاً فليبن على ثنتين فإن لم يدر ثلاثاً صلى أو أربعاً فليبن على ثلاث وليسجد سجدتين قبل أن يسلم. (ترمذي شريف، كتاب الصلاة، باب فيمن يشك في الزيادة والنقصان، النسخة الهندية ۹۰/۱، دار السلام رقم: ۳۹۸)

أبو داود شريف، كتاب الصلاة، باب إذا شك في الثنتين والثلاث من قال يلقي الشك، النسخة الهندية ۱۴۷/۱، دار السلام رقم: ۱۰۲۷

كل صلاة أدت مع كراهة التحريم تجب إعادتها. (الدر المختار مع الشامی، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، مكتبه زكريا ديوبند ۱۴۷/۲ - ۱۴۸، كراچی ۴۵۷/۱)

اور یہ تقریر ظہر احتیاطی کی فی نفسہ مشروعیت کی ہے اور اگر کسی عارض خارجی سے منع کیا جاوے تو وہ اسکے منافی نہیں چنانچہ اس وقت اکثر علمائے محققین عوام کے غلو اعتقادی و عملی کو دیکھ کر منع فرماتے ہیں اور وجہ اس کی یہ ہے کہ مبنی اس کی مشروعیت کا محض احتیاط تھی جس سے معلوم ہوا کہ اصل مقصود احتیاط ہے جب غلو ہو گیا تو اب پڑھنے سے اصل مقصود فوت ہو گیا کہ اس احتیاط سے زیادہ بے احتیاطی ہو گئی اسلئے اب احتیاط نہ پڑھنے میں سمجھی جاوے گی۔ (۱) واللہ اعلم

۶/ محرم الحرام ۱۳۲۸ھ (تمہ اولیٰ ص ۲۶)

(۱) و ليس الاحتياط في فعلها لأن الاحتياط هو العمل بأقوى الدليلين وأقواهما إطلاق تعدد الجمعة، وبفعل الأربع مفسدة اعتقاد الجملة عدم فرض الجمعة أو تعدد المفروض في وقتها. ( حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، كتاب الصلاة، باب صلاة الجمعة، مكتبه دار الكتاب ديوبند ص: ۵۰۶ )

مبنیٰ کله علی القول الضعیف المخالف للمذهب، فليس الاحتياط في فعلها لأنه العمل بأقوى الدليلين وقد علمت أن مقتضى الدليل هو الإطلاق ..... مع ما لزم من فعلها في زماننا من المفسدة العظيمة وهو اعتقاد الجهلة أن الجمعة ليست بفرض لما يشاهدون من صلاة الظهر فيظنون أنها الفرض، وأن الجمعة ليست بفرض فيتكاسلون عن أداء الجمعة، فكان الاحتياط في تركها. (البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب صلاة الجمعة، مكتبه زكريا ديوبند ۲/ ۲۵۰-۲۵۲، كوئٹہ ۲/ ۱۴۲-۱۴۳)

وتمام تحقیق المقام فی رسالۃ المقدسی: وقد ذکر شذرة منها في إمداد الفتاح وإنما أطلنا في ذلك لدفع ما يوهمه كلام المؤلف من عدم طلب فعلها، نعم! إن أدى إلى مفسدة لا يفعل لكن الكلام عند عدمها ولذا قال المقدسي: نحن لا نأمر بذلك أمثال هذه العوام بل ندل عليه الخواص ولو بالنسبة إليهم. (منحة الخالق على البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب صلاة الجمعة، مكتبه زكريا ديوبند ۱/ ۲۵۱، كوئٹہ ۲/ ۱۴۳) ←

\*\*\*\*\*  
**سوال (۵۵۵):** قدیم ۱/۶۳۷ - کسی آیت کریمہ واحادیث صحیحہ واجماع قویہ و قیاس جلیہ سے نماز احتیاط ظہر پڑھنا ثابت ہے یا نہیں؟

**الجواب:** سوال اول کے جواب میں اس کا ماخذ سنت (یعنی قصہ زمعہ کا ۱۲) ہے مذکور ہو چکا ہے (۱) پس باعتبار ثبوت کے سنت سے ثابت ہے اور باعتبار ظہور کے قیاس سے ظاہر ہے۔ (تاریخ وحوالہ بالاص ۲۷)  
 .....

← الدر المختار مع الشامی، کتاب الصلاة، باب الجمعة، مكتبة زكريا دیوبند ۱۷/۳،  
 کراچی ۱۴۶/۲ - شمیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

(۱) عن عائشة رضي الله تعالى عنها أنها قالت: اختصم سعد ابن أبي وقاص، وعبد ابن زمعة في غلام، فقال سعد: هذا يارسل الله! ابن أخي عتبة ابن أبي وقاص عهد إلي أنه ابنه، أنظر إلي شبهه، وقال عبد الله ابن زمعة: هذا أخي يا رسول الله صلى الله عليه وسلم، فرأى شبهاً بيناً بعتبة، فقال: هولك يا عبد! الولد للفراش وللعاقر الحجر، واحتجبي منه يا سودة بنت زمعة، قالت: فلم ير سودة قط. (مسلم شريف، كتاب الرضاع، باب الولد للفراش وتوقي الشبهات، النسخة الهندية ۴۷۰/۱، بيت الأفكار رقم: ۱۴۵۷)

عن عائشة رضي الله عنها، اختصم سعد بن أبي وقاص وعبد الله ابن زمعة إلى رسول الله صلى الله عليه وسلم في ابن أمة زمعة، فقال سعد: أوصاني أخي عتبة إذا قدمت مكة أن أنظر إلى ابن أمة زمعة، فأقبضه فإنه ابنه، وقال عبد الله ابن زمعة: أخي، ابن أمة أبي، ولد على فراش أبي، فرأى رسول الله صلى الله عليه وسلم شبهاً بيناً بعتبة فقال: الولد للفراش وللعاقر الحجر، واحتجبي منه يا سودة. (أبوداؤد شريف، كتاب الطلاق، باب الولد للفراش، النسخة الهندية ۳۱۰/۱، دار السلام رقم: ۲۲۷۳)

بخاری شریف، کتاب الأحكام، باب من قضي له بحق أخيه فلا يأخذه فإن قضاء الحاكم لا يحل حراماً ولا يحرم حلالاً، النسخة الهندية، ۱۰۶۴/۲، رقم: ۶۸۹۵، ف: ۷۱۸۱ -  
 نسائي شريف، كتاب الطلاق، باب إلحاق الولد بالفراش إذا لم ينفعه صاحب الفراش،  
 النسخة الهندية ۹۴/۱، دار السلام رقم: ۳۵۱۴ -

ابن ماجه شريف، كتاب النكاح، باب الولد للفراش وللعاقر الحجر، النسخة الهندية  
 ص: ۱۴۴، دار السلام رقم: ۲۰۰۴ - شمیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

## ائمہ مجتہدین سے احتیاط الظہر کا ثبوت یا عدم ثبوت

**سوال (۵۵۶):** قدیم / ۱ - ۲۳۸ - امام ابو حنیفہؒ و مالکؒ و شافعیؒ و احمدؒ و محمدؒ و ابو یوسفؒ و زفرؒ و حسنؒ سے

خود احتیاط الظہر پڑھنا یا دیہات والوں کو حکم دینا ثابت ہے یا نہیں؟

**الجواب:** اور ائمہ کے مذہب پر تو نظر نہیں مگر امام صاحب کے قول معمول بہ جمع بین الوضوء بالماء المشکوک والتیمم کا اس کی نظیر ہونا معنی اس ظہر کا ان کی طرف منتسب ہونا ہے (۱) کیونکہ جو قول امام صاحب کے قواعد سے ماخوذ ہو وہ بھی حسب تصریح فقہاء ملحق باصل المذہب ہے اور صریحاً اس کا منقول نہ ہونا؛ اسلئے مضرب نہیں کہ اس وقت اس کا داعی پیش نہ آیا ہو۔ لعدم الشک فی الشروط

کتبہ اشرف علی، ۶ / محرم ۱۳۲۸ھ

(۱) سؤر الحمار و البغل مشکوک أي متوقف في كونه مطهراً توضأ به وتيمم أي جمع بينهما على معنى عدم خلو الصلوة الواحدة عنهما، إن فقد ماءً مطلقاً وأياً قدم صح. (النهر الفائق، كتاب الطهارة، قبيل باب التيمم، مكتبة زكريا ديوبند ۹۵/۱ - ۹۶)

والقسم الرابع سؤر مشکوک أي متوقف في حكم طهوريته فلم يحكم بكونه مطهراً جزماً ولم ينف عنه الطهوريته وهو سؤر البغل والحمار، فإن لم يجد المحدث غيره أي غير سؤر البغل والحمار توضأ به وتيمم والأفضل تقديم الوضوء، لقول زفر: بلزوم تقديمه. (حاشية الطحطاوي على مراقبي الفلاح، كتاب الطهارة، فصل في بيان أحكام السؤر، مكتبة دارالكتاب ديوبند ص: ۳۲ - ۳۳)

وسؤر حمار وبغل مشکوک في طهوريته لا في طهارته، فيتوضأ به أو يغتسل وتيمم أي يجمع بينهما احتياطاً في صلاة واحدة لا في حالة واحدة، إن فقد ماءً مطلقاً وصح تقديم أيهما شاء في الأصح. (الدر المختار مع الشامي، كتاب الطهارة، باب المياه، مكتبة زكريا ديوبند ۳۸۵/۱ - ۳۸۸، کراچی ۲۲۵ - ۲۲۷)

هداية، كتاب الطهارة، فصل في البئر، مكتبة اشرفية ديوبند ۴۶/۱ - ۴۷ - ←

\*\*\*\*\*  
**سوال (۵۵۷):** قدیم ۱/۳۳۸ - احتیاطی ظہر پڑھنا قرآن وحدیث کی رو سے جائز ہے یا نہیں؟

**الجواب:** جہاں صحت جمعہ میں شبہ ہوا ایسا کرنا جمع بین الادلہ ہے جو شرعاً ثابت ہے حدیث الولد

للفراش واحتجی منه یا سودۃ اس کی دلیل ہے۔ (۱)

(تمتہ خامسہ ص ۲۳۳)

← الجوهر النيرة، كتاب الطهارة، قبيل باب التيمم، مكتبة دارالكتاب ديوبند ۱/۲۳-۲۴۔

شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

(۱) عن عائشة رضي الله تعالى عنها أنها قالت: اختصم سعد ابن أبي وقاص، وعبد ابن زمعة في غلام، فقال سعد: هذا يارسول الله! ابن أخي عتبة ابن أبي وقاص عهد إلي أنه ابنه، أنظر إلي شبهه، وقال عبد الله ابن زمعة: هذا أخي يارسول الله صلى الله عليه وسلم! ولد علي فراش أبي من وليدته، فنظر رسول الله صلى الله عليه وسلم إلى شبهه، فرأى شبهاً بيناً بعتبة، فقال: هولك يا عبد! الولد للفراش وللعاهر الحجر، واحتجبي منه يا سودة بنت زمعة، قالت: فلم ير سودة قط. (مسلم شريف، كتاب الرضاع، باب الولد للفراش وتوقي الشبهات، النسخة الهندية ۱/۴۷۰، بيت الأفكار رقم: ۱۴۵۷)

عن عائشة رضي الله عنها، اختصم سعد بن أبي وقاص وعبد الله ابن زمعة إلى رسول الله صلى الله عليه وسلم في ابن أمة زمعة، فقال سعد: أوصاني أخي عتبة إذا قدمت مكة أن أنظر إلى ابن أمة زمعة فأقبضه فإنه ابنه، وقال عبد الله ابن زمعة: أخي، ابن أمة أبي، ولد علي فراش أبي، فرأى رسول الله صلى الله عليه وسلم شبهاً بيناً بعتبة فقال: الولد للفراش وللعاهر الحجر، واحتجبي منه يا سودة. (أبوداؤد شريف، كتاب الطلاق، باب الولد للفراش، النسخة الهندية ۱/۳۱۰، دار السلام رقم: ۲۲۷۳)

بخاری شریف، کتاب الأحکام، باب من قضی له بحق أخیه فلا يأخذه فإن قضاء

الحاکم لا یحل حراماً ولا یحرم حلالاً، النسخة الهندية، ۲/۱۰۶۴، رقم: ۶۸۹۵، ف: ۷۱۸۱۔

نسائی شریف، کتاب الطلاق، باب إلحاق الولد بالفراش إذا لم ینفه صاحب

الفراش، النسخة الهندية ۱/۹۴، دار السلام رقم: ۳۵۱۴۔

ابن ماجه شریف، کتاب النکاح، باب الولد للفراش وللعاهر الحجر، النسخة الهندية

ص: ۱۴۴، دار السلام رقم: ۲۰۰۴۔ شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ



## جمعہ کے دن معذوروں کا ظہر کی نماز باجماعت پڑھنا

**سوال (۵۵۸):** قدیم ۱/۲۳۸ - مسافرین خواہ مقیمین جنہوں نے کہ نماز جمعہ نہیں پائی ظہر کی

جماعت کر سکتے ہیں یا نہیں اور جامع مسجد میں بھی کر سکتے ہیں یا کسی دوسری مسجد میں۔ بینوا تو جروا؟

**الجواب:** في الدر المختار: وكره تحريماً لمعذور ومسجون ومسافر أداء ظهر بجماعة في مصر قبل الجمعة وبعدها لتقليل الجماعة وصورة المعارضة وأفاد ان المساجد تغلق يوم الجمعة إلا الجامع وكذا أهل مصر فاتتهم الجمعة فإنهم يصلون الظهر بغير أذان ولا إقامة ولا جماعة ويستحب للمريض تأخيرها إلى فراغ الإمام وكره إن لم يؤخر هو الصحيح. وفي رد المحتار: قوله الا الجامع أي الذي تقام فيه الجمعة فإن فتحه في وقت الظهر ضروري والظاهر أنه يغلق أيضاً بعد إقامة الجمعة لئلا يجتمع فيه احدبعدها إلى قوله لكن لا داعي إلى فتحه بعدها فيبقى مغلقاً إلى وقت العصر. ج ۱ ص ۸۵۶. (۱)

اس سے ثابت ہوا کہ یہ لوگ ظہر جماعت سے نہیں پڑھ سکتے نہ جامع مسجد میں نہ کسی دوسری مسجد میں۔

۱۷ شوال ۱۳۳۳ھ (تمتہ ثالثہ ص ۹۱)

(۱) الدر المختار مع الشامی، کتاب الصلاة، باب الجمعة، مکتبہ زکریا دیوبند

۳۲-۳۳، کراچی ۱۵۷/۲

وكره للمعذور كمريض، ورقيق، ومسافر، والمسجون أداء الظهر بجماعة في المصر يومها أي يوم الجمعة يروى ذلك عن عليٍّ ويستحب له تأخير الظهر عن الجمعة، فإنه يكره له صلاتها منفرداً قبل الجمعة في الصحيح (مراقي الفلاح) وفي الطحطاوي قوله: (أداء الظهر بجماعة) سواء كان قبل الجمعة أو بعدها، وإنما قيد بالمعذور ليعلم حكم غيره بالأولى، ووجه الكراهة أنها تفضي إلى تقليل جماعة الجمعة؛ لأنه ربما تطرق غير المعذور للإقتداء غير المعذور، ولأن فيه صورة المعارضة بإقامة غيرها. (حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، كتاب الصلاة، باب صلاة الجمعة، مکتبہ دارالکتاب دیوبند ۵۲۲)

وكره للمعذور والمسجون أداء الظهر قبل الجمعة وبعدها بجماعة في المصر، ←

## سوال (\*) (۵۵۹): قدیم ۱/۲۳۹ - اگر چند مسافر بروز جمعہ مجتمع شوند نماز ظہر را بجماعت

خواندن روا است یا نہ؟ اگر بارے کسے خواندہ بود اور اچہ حکم است و ہر جا کہ شرط جمعہ یافتہ نشود و دران جا مسجد جامع ہم نیست حکمش چیست؟

## الجواب (\*\*): في الدر المختار: وكره تحريماً لمعذور ومسجون ومسافر

أداء ظهر بجماعة في مصر قبل الجمعة وبعدها. وفي رد المحتار قوله: لمعذور وكذا غيره

## (\*) ترجمہ سوال: جمعہ کے روز اگر چند مسافر جمع ہو جائیں تو ان کے لئے ظہر کی نماز جماعت

سے پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟ اور جو کبھی کسی نے پڑھ لی تو اس کا کیا حکم ہے؟ اور جہاں شرائط جمعہ نہیں پائے جاتے اور وہاں جامع مسجد بھی نہیں ہے تو وہاں کے لئے کیا حکم ہے؟ ۱۲ سعید احمد پالن پوری

## (\*\*) (ترجمہ جواب: في الدر المختار..... ان روایات سے تینوں سوالات کے جوابات نکل

آئے، یعنی یہ جماعت جائز نہیں ہے، اور اگر جماعت کریں گے تو فرض ادا ہو جائے گا، اور جہاں جمعہ واجب نہیں ہے وہاں ظہر باجماعت ادا کی جائے گی۔ ۱۲ سعید احمد پالن پوری

← قیدہ لأن أهل السواد لا تكره الجماعة في حقهم وذلك لأنه في المصر ربما تطرق غير المعذور إلى الإقتداء بهم وفيه أيضاً صورة معارضة للجمعة بإقامة غيرها..... وفي الخلاصة: ويستحب للمريض أن يؤخر الصلاة إلى أن يفرغ الإمام من الجمعة، فإن لم يؤخره يكره هو الصحيح. (النهر الفائق، كتاب الصلاة، باب صلاة الجمعة، مكتبة زكريا ديوبند ۱/۳۶۳)

ويكره أن يصلي المعذورون الظهر بجماعة يوم الجمعة في المصر، وكذا أهل السجن لما فيه من الإخلال بالجمعة إذ هي جامعة للجامعات والمعذور قد يقتدي به غيره بخلاف أهل السواد، لأنه لا جمعة عليهم. (هداية، كتاب الصلاة، باب صلاة الجمعة، مكتبة اشرفية ديوبند ۱/۱۷۰)

البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب صلاة الجمعة، مكتبة زكريا ديوبند

۲۶۹/۲ - ۲۷۰، کوئٹہ ۲/۱۵۴ -

تبیین الحقائق، کتاب الصلاة، باب صلاة الجمعة، مكتبة زكريا ديوبند ۱/۵۳۴،

امدادية ١/ ٢٢٢ - شبير احمد قاسم عفا الله عنه

بالاولى قوله: في مصر بخلاف القرى لأنه لا جمعة عليهم، فكان هذا اليوم في حقهم كغيره من الأيام شرح المنية وفي المعراج عن المجتبى من لا تجب عليهم الجمعة لبعدها الموضوع صلوا الظهر بجماعة ج ١ ص ٨٥٦. (١)

(١) الدر المختار مع الشامي، كتاب الصلاة، باب صلاة الجمعة، مكتبه زكريا ديوبند

٣٢/٣ - ٣٣، كراچی ١٥٧/٢

ويكره للمعذورين والمسجونين أداء الظهر بجماعة في مصر يوم الجمعة سواء كان قبل الفراغ من الجمعة أو بعده لأن الجمعة جامعة للجامعات فينبغي أن لا تكون جماعة غيرها في المكان الذي هي فيه ولئلا يتطرق إلى الإقتداء بهم غيرهم بخلاف أهل القرى لأنهم لا جمعة عليهم، فكان هذا اليوم في حقهم كغيره من الأيام. (حلي كبير، كتاب الصلاة، فصل في صلاة الجمعة، مكتبه اشرفية ديوبند ص: ٥٦٣-٥٦٤)

وكره للمعذور كمريض، وراقق، ومسافر، والمسجون أداء الظهر بجماعة في مصر يومها أي يوم الجمعة يروى ذلك عن علي ويستحب له تأخير الظهر عن الجمعة، فإنه يكره له صلاتها منفرداً قبل الجمعة في الصحيح (مراقي الفلاح) وفي الطحطاوي قوله: (أداء الظهر بجماعة) سواء كان قبل الجمعة أو بعدها، وإنما قيد بالمعذور ليعلم حكم غيره بالاولى، ووجه الكراهة أنها تفضي إلى تقليل جماعة الجمعة؛ لأنه ربما تطرق غير المعذور للإقتداء غير المعذور، ولأن فيه صورة المعارضة بإقامة غيرها، قوله في المصر قيد به لاخراج أهل السواد فإنه لا يكره لهم الجماعة لعدم الجمعة على أهلها فلا يلزم ما ذكر. (حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، كتاب الصلاة، باب صلاة الجمعة، مكتبه دار الكتاب ديوبند ٥٢٢)

ومن لا تجب عليهم الجمعة من أهل القرى والبوادي لهم أن يصلوا الظهر بجماعة يوم الجمعة باذان وإقامة، والمسافرون إذا حضروا يوم الجمعة في مصر يصلون فرادى، وكذلك أهل المصر إذا فاتتهم الجمعة، وأهل السجن والمرضى، ويكره لهم الجماعة. (خانية على الهندية، كتاب الصلاة، باب صلاة الجمعة، قديم زكريا ١/ ١٧٧، جديد زكريا ١/ ١١٠)

هندية، كتاب الصلاة، الباب السادس عشر في صلاة الجمعة قديم زكريا ١/ ١٤٥،

جديد زكريا ١/ ٢٠٥ -

النهر الفائق، كتاب الصلاة، باب صلاة الجمعة، مكتبه زكريا ديوبند ١/ ٣٦٣ -

شبير احمد قاسم عفا الله عنه

ازیں روایات جواب ہر سہ سوال برآمد یعنی اس جماعت روانیت و اگر جماعت گزارند فرض ادا شد و جائیکہ جمعہ واجب نیست درالظہر جماعت گزارده شود۔

۱۹/ ذیقعدہ ۱۳۳۳ھ (تمتہ ثالثہ ص ۱۰۱)

**سوال (۵۶۰):** قدیم/۱/۶۳۹ - چونکہ بر مسافر جمعہ واجب نیست ہر جا کہ مقیمان و مسلمانان کثیر اند اور نماز ظہر منفرد خواندن ہیچ گناہ عند اللہ نہ دیا نہ؟

**الجواب (\*)** : نہ، لأن الإثم بتركها يستلزم وجوبها وقد فرض أنه لا وجوب. (۱) البتہ اگر در عین وقت جماعت در مسجد جمعہ حاضر باشد دریں صورت خاص تردد دارم۔

قیاساً علی توقف صاحب البحر فیما لو اقيمت وهو (أي الأعمى) حاضر في المسجد واجاب بعض العلماء بأنه إن كان متطهراً فالظاهر الوجوب لأن العلة الحرج وهو منتفٍ الخ، ص ۸۵۳ (۲) (تاریخ وحوالہ بالاص ۱۰۲)

**(\*)** ترجمہ جواب: نہیں..... البتہ اگر مسافر مسجد میں جمعہ کی جماعت کے وقت موجود ہو تو اس صورت میں مجھے تردد ہے۔ ۱۲ سعید احمد پالن پوری

(۱) و شرط وجوبها الإقامة فلا تجب على مسافرٍ الخ. (النهر الفائق، كتاب الصلاة، باب صلاة الجمعة، مكتبه زكريا ۱/۳۶۱)

و شرط وجوبها ستة: الإقامة بمصرٍ فلا تجب على المسافر، وإن عزم أن يمكث فيه يوم الجمعة. (مجمع الأنهر، كتاب الصلاة، باب صلاة الجمعة، دار الكتب العلمية بيروت ۱/۲۵۰)

ولا تجب الجمعة على مسافرٍ ولا امرأة ولا مريضٍ، ولا عبد، ولا أعمى؛ لأن المسافر يحرج في الحضور. (هداية، كتاب الصلاة، باب صلاة الجمعة، مكتبه اشرفية ديوبند ۱/۱۶۹)

الجوهر النيرة، كتاب الصلاة، باب صلاة الجمعة، مكتبه دار الكتاب ديوبند ۱/۱۰۸

شرح الوقاية، كتاب الصلاة، باب الجمعة، مكتبه بلال ديوبند ۱/۱۹۸

(۲) الد رالمختار مع الشامی، كتاب الصلاة، باب الجمعة، مكتبه زكريا ديوبند

۲۹/۳، کراچی ۱۵۴/۲

ولم أر حکم الأعمى إذا كان مقيماً بالجامع الذي تصلي فيه الجمعة وأقيمت وهو حاضر هل تجب عليه لعدم الحرج أولاً. (البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب صلاة الجمعة،

مكتبه زكريا ديوبند ۲/۲۶۴، كوئٹہ ۱۵۱/۲) شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

## اگر عیدین بروز جمعہ واقع ہوں تو جمعہ کی نماز واجب رہتی ہے یا نہیں؟

**سوال (۵۶۱):** قدیم ۱/۶۴۰ - اگر جمعہ کے روز عید الفطر یا عید الضحیٰ ہو تو جمعہ کی نماز واجب رہتی ہے یا نہیں؟

**الجواب:** دونوں واجب ہیں۔

في رد المحتار: أما مذهبننا فلزوم كل واحد منهما الخ (ج ۱ ص ۷۷) (۱)  
۱۸ شوال ۱۳۲۵ھ (امداد اول ص ۹۴)

(۱) الدر المختار مع الشامی، کتاب الصلاة، باب العیدین، مکتبہ زکریا دیوبند ۴/۵۵،  
کراچی ۱۶۶/۲

وتجب صلاة العيد على كل من تجب عليه صلاة الجمعة، وفي الجامع الصغير:  
عيدان اجتماعا في يوم واحد فالأول: سنة، والثاني: فريضة ولا يترك واحد منهما. (هداية،  
كتاب الصلاة، باب العیدین، مکتبہ اشرفیہ ۱/۱۷۲)

والمراد من اجتماع العیدین كون يوم الفطر أو الأضحى يوم الجمعة وغلب لفظ  
العيد لخفته كما في العمرين أو لذكورته كما في القمرين ولا يترك واحد منهما، أما  
الجمعة فلأنها فريضة، وأما العيد فإن تركها بدعة وضلال. (عناية مع فتح القدير، كتاب  
الصلاة، باب العیدین، مکتبہ زکریا دیوبند ۲/۶۹، کوئٹہ ۲/۳۹)

تجب صلاة العيد على من تجب عليه الجمعة بشرائطها سوى الخطبة (کنز) وفي  
البحر: تصريح بوجوبها وهو إحدى الروایتین عن أبي حنيفة وهو الأصح كما في الهداية،  
والمختار كما في الخلاصة، وهو قول الأكثرين كما في المجتبى..... ومن جهة الدليل  
مواظبته عليه الصلاة والسلام عليها من غير ترك وفي رواية أخرى أنها سنة لقول محمد في  
الجامع الصغير في العیدین يجتمعان في يوم واحد، قال: يشهد هما جميعاً ولا يترك واحداً  
منهما والأولى منهما سنة، والأخرى فريضة الخ. (البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب صلاة  
العیدین، مکتبہ زکریا ۲/۲۷۶، کوئٹہ ۲/۱۵۷-۱۵۸)

حلبی کبیری، کتاب الصلاة، فصل في صلاة العيد، مکتبہ اشرفیہ دیوبند ص: ۵۶۵۔

شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

## دیہات میں اداائے جمعہ کے مصالح کا جواب

**سوال (۵۶۲):** قدیم/۱۴۰- جن گاؤں اور قریوں میں سو سو پچاس پچاس نمازی ہوں ان کا جمعہ قائم کرنا مستحسن ہے یا نہیں نہ فرض اور واجب تجربہ سے ثابت ہے کہ ان کو جمعہ کی عظمت اور وقعت ہے اس کے ادا کرنے سے اور پنجگانہ نماز کا بھی شوق رہتا ہے ورنہ کسل اور سستی ہو جاتی ہے حتیٰ کہ نمازیں چھوڑ دیتے ہیں۔ ایسی حالت میں اگر ان کو کوئی منع کرے تو مصیب ہے یا خطی اور ایسے وقت پر حنفیہ کو مذہب شافعی جواز جمعہ فی القریٰ اور گاؤں پر عمل کرنا درست ہے یا نہیں؟

**الجواب:** في الدر المختار: نواقض الوضوء لكن يندب للخروج من الخلاف لاسيما للإمام لكن بشرط عدم لزوم ارتكاب مكروه مذهبه. وفي رد المحتار في بعض المسائل لوافتي به اى بمذهب مالک في موضع الضرورة. الخ (۱)

ان روایات سے معلوم ہوا کہ دوسرے مجتہد کے قول پر عمل کرنا یا تو اس وقت جائز ہے جب اپنے مذہب کے مکروہ کا ارتکاب لازم نہ آوے اور یا موضع ضرورت میں جائز ہے اور ظاہر ہے کہ جمعہ میں نہ تو کوئی ضرورت ہے اور جو مصلحتیں لکھی ہیں یہ حد ضرورت کو نہیں پہنچیں کیونکہ ضرورت کی حقیقت یہ ہے کہ بدون اس کے کوئی ضرر لاحق ہونے لگے اور ضرر سے مراد حرج اور تنگی اور مشقت ہے سو یہ امور متحقق نہیں اور جمعہ پڑھنے سے اپنے مذہب کے چند مکروہات کا ارتکاب بھی لازم آتا ہے۔ اول نفل کی جماعت، دوم نوافل نہار میں جہر، سوم غیر لازم کا التزام، چہارم ترک جماعت فرض ظہر، پنجم اگر کوئی ظہر نہ پڑھے تو ترک فریضہ کہ حرام اور فسق ہے اور یہ بھی معلوم ہے کہ مصر شرائط جواز جمعہ سے ہے (۲)

(۱) الدر المختار مع الشامی، کتاب الطہارۃ، نواقض الوضوء، مکتبہ زکریا دیوبند

۱/۲۷۸، کراچی ۱/۱۴۷

(۲) ویشرط لصحتها سبعة أشياء الأول: المصر الخ (الدر المختار مع الشامی،

کتاب الصلاة، باب الجمعة، مکتبہ زکریا دیوبند ۳/۵، کراچی ۲/ )

وشرط أدائها المصر: (النهر الفائق، کتاب الصلاة، باب صلاة الجمعة، مکتبہ

زکریا دیوبند ۱/۳۵۲) ←

شرائط وجوب سے نہیں پس یہ احتمال بھی دفع ہو گیا کہ اگر واجب نہیں تو جائز ہو جاوے گا؛ لہذا صورت مسئلہ میں جمعہ پڑھنا حنفیہ کے نزدیک ممنوع اور ناجائز ہے۔ واللہ اعلم

۱۶ ربیع الثانی ۱۳۲۵ھ (امداد ص ۸۹ ج ۱)

## ظہر اور جمعہ کی سنن قبلہ کی بعد میں ادائیگی

**سوال (۵۶۳):** قدیم ۱/۶۴۱ - ظہر کی چار سنتیں جو فرض سے پہلے پڑھی جاتی ہیں جماعت کے فوت ہونے کی وجہ سے اگر ان کے پڑھنے کی نوبت نہ آوے تو بعد ادا کئے فرض ان چار سنتوں کی نیت قضا کی جاوے گی یا ادا کی؟

**الجواب:** ان سنتوں میں ادا کی نیت ہوگی کیونکہ وقت ظہر باقی ہے صرف ترتیب بدلی ہے۔ (۱) فقط واللہ اعلم

۱۸ شوال ۱۳۲۵ھ (امداد ص ۹۴ ج ۱)

← ولا تصح الجمعة إلا في مصر جامع أو في مصلی المصر ولا تجوز في القرى. (هدایة، کتاب الصلاة، باب صلاة الجمعة، مکتبہ اشرفیہ دیوبند ۱/۶۸۱)

ویشترط لصحتها ستة أشياء الأول المصر أو فناء ه. (حاشیہ الطحطاوی علی مراقی الفلاح، کتاب الصلاة، باب الجمعة، مکتبہ دارالکتاب دیوبند ص: ۵۰۶)

الجوهره النيرة، کتاب الصلاة، باب صلاة الجمعة، مکتبہ دارالکتاب دیوبند ۱/۱۰۵ - شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

(۱) ثم الأداء فعل الواجب في وقته. (الدر المختار مع الشامی، کتاب الصلاة، باب قضاء الفوائت، مکتبہ زکریا دیوبند ۲/۵۱۹، کراچی ۲/۶۲)

فالأداء ابتداء فعل الواجب في وقته. (البحر الرائق، کتاب الصلاة، باب قضاء الفوائت، مکتبہ زکریا دیوبند ۲/۱۳۸، کوئٹہ ۲/۷۸)

الأداء فعل الواجب في وقته. (الفقه الإسلامي وأدلته، کتاب الصلاة، باب قضاء الفوائت، مکتبہ ہدیٰ انٹر نیشنل دیوبند ۲/۱۲۴) ←

## نوکر کو نماز جمعہ کی اجازت نہ ملے تو کیا کرے؟

**سوال (۵۶۴):** قدیم ۱/۶۴۱ - زید نے بوجہ تہی دستی و غریب الوطنی کے عمر کی نوکری کی لیکن عمر بوجہ حرج ہونے کام کے زید کو مہلت نماز جمعہ پڑھنے کی نہیں دیتا ہے اور زید مجبور ہے آیا اس حالت میں نماز ظہر مجبوراً پڑھنے سے فرض جمعہ کا اس سے ساقط ہوتا ہے یا نہیں؟

**الجواب:** مستاجر یعنی آقا کو جائز نہیں کہ اجیر یعنی نوکر کو نماز جمعہ سے کہ فرض ہے منع کرے اور نہ اجیر کو اس کا چھوڑنا جائز ہے اور اگر باوجود اسکے جمعہ میں حاضر نہ ہوا اور ظہر پڑھ لیا تو جمعہ ساقط ہو جائے گا؛ لیکن ترک جمعہ سے گنہگار ہوگا؛ البتہ اگر اجیر کو جمعہ میں آنے جانے سے چوتھائی دن خرچ ہو گیا تو چوتھائی اجرت اس دن کی کم کر دی جائے گی اور اگر اس سے کم صرف ہو تو پوری اجرت واجب ہے۔

والأصح وجوبها على مكاتب ومبعض وأجير ويسقط من الأجر بحسابه لو بعيداً وإلا لا درمختار: قوله: وأجير مفاده انه ليس للمستاجر منعه وهو احد قولين وظاهر المتن يشهد له كما في البحر: قوله: بحسابه لو بعيداً فإن كان قدر ربع النهار حط عنه ربع الأجرة وليس للأجير ان يطالبه من الربع المحطوط بمقدار اشتغاله بالصلوة تاتارخانية ردالمحتار (۱) واللہ اعلم

۱۹ صفر المظفر ۱۳۰۴ھ (امداد ص ۹۶ ج ۱)

← وقضي السنة التي قبل الظهر في وقته هذا قول الجمهور، وهو الصحيح لما عن عائشة رضي الله عنها أنه عليه الصلاة والسلام فاتته الأربع قبل الظهر فقضاها ومن المعلوم أن تسميته قضاءً مجاز ولذا لا ينوي القضاء فيها على الأصح كما في الكافي قبل شفعه. الخ (النهر الفائق، كتاب الصلاة، باب إدراك الفريضة، مكتبة زكريا ديوبند ۱/۳۱۱-۳۱۲)

مجمع الأنهر، كتاب الصلاة، باب إدراك الفريضة، دار الكتب العلمية بيروت ۱/۲۱۱۔

شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

(۱) الدر المختار مع الشامی، کتاب الصلاة، باب الجمعة، مكتبة زكريا ديوبند ۳/۲۸،

کراچی ۱۵۳-۱۵۴۔ ←



← وأشار باقتصاره على هذه الشروط إلى أنها لا تسقط عن الأجير. وفي الخلاصة: وللمستاجر منع الاجير عن حضور الجمعة وهذا قول الإمام أبي حفص، وقال الإمام أبو على الدقاق: ليس له أن يمنعه، لكن تسقط عنها الأجرة بقدر اشتغاله بذلك إن كان بعيداً، وإن كان قريباً لا يحط عنه شيء، وإن كان بعيداً واشتغل قدر ربع النهار حط عنه ربع الأجرة، فإن قال الأجير حط عني الربع بمقدار اشتغالي بالصلاة لم يكن له ذلك، وظاهر المتن يشهد للدقاق. (البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب صلاة الجمعة، مكتبه زكريا ديوبند ٢/٢٦٥، كوئته ١٥١/٢)

وعلى المكاتب الجمعة، وكذا معتق البعض إذا كان يسعى والعبد الذي حضر مع مولاه باب المسجد لحفظ الدابة..... وللمستاجر أن يمنع الأجير عن حضور الجمعة، وهذا قول الإمام أبي حفص الكبير، وقال أبو على الدقاق: ليس له أن يمنعه ولكن يسقط عنه الأجر بقدر اشتغاله بذلك إن كان بعيداً وإن كان قريباً لا يحط عنه شيء، وإن كان بعيداً واشتغل قدر ربع النهار حط عنه ربع الأجر، فإن قال الأجير حط عني الربع بمقدار اشتغالي بالصلاة لم يكن له ذلك. (خلاصة الفتاوى، الفصل الثالث والعشرون في صلاة الجمعة، مكتبه اشرفية ديوبند ١/٢١٠-٢١١) وأما الأجير: فقال أبو على الدقاق: ليس للمستاجر منعه منها؛ ولكن يسقط عنه من الأجرة بقدر اشتغاله بذلك إن كان بعيداً، وإن كان قريباً لا يسقط عنه شيء، قال في البحر: وظاهر المتن تشهد للدقاق. (حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، كتاب الصلاة، باب صلاة الجمعة، مكتبه دار الكتاب ديوبند ص: ٤٠٤)

حكى عن الشيخ الإمام أبي حفص الكبير أن للمستاجر أن يمنع الأجير من حضور الجماعة والجمعة، وكان الشيخ الفقيه أبو على الدقاق يقول ليس له أن يمنع الاجير في المصر من حضور الجمعة لكن سقط عنه الأجرة بقدر اشتغاله بذلك وإن كان بعيداً، وإن كان قريباً لا يحط شيء من الأجر، وإن كان بعيداً واشتغل قدر ربع النهار حط ربع الأجرة وليس للأجير أن يطالبه من الربع المحطوط بمقدار اشتغاله بالصلاة. (الفتاوى التاتارخانية، كتاب الصلاة، الفصل الخامس والعشرون في شرائط الجمعة، مكتبه زكريا ديوبند ٢/٥٧٩-٥٨٠، رقم: ٣٣٥٣) فتح القدير، كتاب الصلاة، باب صلاة الجمعة، مكتبه زكريا ديوبند ٢/٥٩-٦٠،

## غیر عربی میں خطبہ جمعہ کا حکم

**سوال (\*) (۵۶۵):** قدیم ۱/۶۲۲ - بسم اللہ الرحمن الرحیم، السلام علیکم ورحمة اللہ وبرکاتہ ما ترشدون أيها الکرام الراسخون في العلوم الدينية في قراءة الخطبة باللسان العجمی علی قوم لا یعلم العربی منهم إلا البعض فهل جائزة أم لا .

**الجواب:** مکروہہ (۱) والدوام علی المکروه یزیده کراهة والاكتفاء علی العجمی أشد في الکراهة من اختلاطه بالعربی .

**(\*) سوال نمبر ۱:** ایسے حاضرین کے سامنے جن میں کچھ ہی عربی جانتے ہوں عجمی زبان میں خطبہ دینا جائز ہے یا نہیں؟

**جواب:** مکروہ ہے اور مکروہ پر دوام کراہت بڑھا دیتا ہے اور صرف عجمی زبان پر اکتفاء کرنے کی کراہت عجمی اور عربی ملا کر پڑھنے کی کراہت سے شدید ہے۔

**سوال نمبر ۲:** پھر اگر جائز نہیں ہے تو مکروہ ہے یا کیسا ہے؟ اور ان صورتوں میں عربی میں خطبہ پڑھ کر عجمی زبان میں ترجمہ کرنے کا کیا حکم ہے؟

**جواب:** کسی ہنگامی ضرورت کی وجہ سے کبھی کبھار ترجمہ کو خطبہ کا جزء بنائے بغیر گنجائش ہے۔

**نوٹ:** اس سوال کا بقیہ حصہ سوال نمبر ۵۸۱ پر آ رہا ہے اور اس سلسلہ میں سوال ۵۷۱ اور ۵۷۲ بھی ملاحظہ فرمائے جاوے۔ سعید احمد پالن پوری

(۱) فإنه لا شك في أن الخطبة بغير العربية خلاف السنة المتوارثة من النبي صلى الله عليه وسلم والصحابة رضوان الله تعالى عليهم أجمعين، فيكون مكروهاً تحريمًا. (عمدة الرياعة على هامش شرح الوقاية، كتاب الصلاة، باب أحكام صلاة الجمعة، مكتبة اشرفية ديوبند ۱/۲۲۰)

الخطبة يوم الجمعة وفي العيدين بغير اللسان العربي أو ترجمتها بالعجمي أحد ثلث ذلك بعد قرون الخير فلا إثارة من علم. (مجموعة الفتاوى على هامش خلاصة الفتاوى، كتاب الصلاة، مكتبة اشرفية ديوبند ۱/۱۴۵)

الخطبة بالفارسية التي أحد ثلثها واعتقدوا حسننها ليس الباعث إليها إلا عدم فهم العجم اللغة العربية، وهذا الباعث قد كان موجوداً في عصر خير البرية، وإن كان فيه اشتباهاً ←

**سؤال (٢):** فإن لم تجز فهل هي كراهة أم غيرها وماذا حكم الترجمة بالعجمي مع قراءة العربى في هذه الصورة؟

**الجواب:** إن كان أحيانا لضرورة وقتيه بدون جعلها جزءاً من الخطبة فلا بأس - (١)

(تمتة خامسة ص ٣٥٨)

← فلا اشتباه في عصر الصحابة والتابعين، ومن بعدهم من الأئمة المجتهدين حيث فتحت الأمصار الشاسعة والديار الواسعة وأسلم أكثر الحبش والروم وغيرهم من الأعجم وحضروا مجالس الجمع والأعياد وغيرها من شعائر الإسلام، وقد كان أكثرهم لا يعرفون اللغة العربية ومع ذلك لم يخطب أحد منهم بغير العربية ولما ثبت وجود الباعث في تلك الأزمنة وفقدان المانع والتكاسل ونحوه معلوم بالقواعد المبرهنة لم يبق إلا الكراهة التي هي أدنى درجات الضلالة. (آكام النفائس ملحقة بمجموعة رسائل اللكهنوي ٤/٤٧، بحواله فتاوى محموديه ميرته ١٢/٣٥٠)

(١) ويكره للخطيب أن يتكلم في حال الخطبة إلا أن يكون أمراً بـمعروف كذا في القدير. (هندي، كتاب الصلاة، الباب السادس عشر في صلاة الجمعة، قديم زكريا ١/١٤٧، جديد زكريا ١/٢٠٨)

ولا ينبغي للخطيب أن يتكلم في خطبته بما هو من كلام الناس، لأن الخطبة كلام منظومة شرعت قبل الصلاة، فأشبهت الأذان، ولا ينبغي للمؤذن أن يتكلم في أذانه بما يشبه كلام الناس، ولا بأس بأن يتكلم بما يشبه الأمر بالمعروف، فقد صح أن رسول الله صلى الله عليه وسلم كان يخطب، فدخل سليك الغطفاني وجلس، فقال النبي صلى الله عليه وسلم، أركعت ركعتين؟ قال سليك: لا، فقال النبي عليه الصلاة والسلام: قم واركع ركعتين ثم اجلس، وعن عمر<sup>رضي</sup>، أنه كان يخطب يوم الجمعة فدخل عثمان<sup>رضي</sup>، فقال عمر<sup>رضي</sup>، أية ساعة المجبى هذه؟ فقال عثمان<sup>رضي</sup>، ما زدت حين سمعت النداء على أن توضأت، فقال عمر<sup>رضي</sup>: الوضوء أيضاً ورسول الله صلى الله عليه وسلم كان يأمر بالاغتسال يوم الجمعة، ولأن ما يشبه الأمر بالمعروف خطبة من حيث المعنى، وإن لم يكن خطبة من حيث النظم؛ لأن الخطبة في الحقيقة وعظ وأمر بالمعروف. (المحيط البرهاني، كتاب الصلاة، الفصل الخامس والعشرون، صلاة الجمعة، المجلس العلمي ٢/٤٥٩، رقم: ٢١٨٨) شبير احمد قاسى عفا الله عنه

## ایک شہر کے متعدد مقامات میں نماز عیدین کا حکم

**سوال (۵۶۶):** قدیم ۱/۶۴۳- کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک قصبہ میں نماز عید الضحیٰ دو مقام پر ہوتی ہے عید گاہ میں اور جامع مسجد میں اور ہر دو جگہ جماعت کثیر رہتی ہے چند لوگ نماز پڑھنے کیلئے عید الضحیٰ کی طرف چلے عید گاہ کے قریب پہونچے تو معلوم ہوا کہ نماز عید الضحیٰ ہوگئی وہاں سے واپس پلٹے اور طرف جامع مسجد کے چلے اور جب یہاں آئے تو جامع مسجد میں بھی نماز نہ ملی اور نماز کا وقت ابھی بہت باقی ہے پس یہ لوگ اور دوسرے لوگ جن کو نماز نہیں ملی سب ملکر کسی مسجد میں اسی قصبہ کے نماز عید الضحیٰ ساتھ جماعت و امام کے پڑھیں تو یہ نماز ان کی قضاء میں شمار کی جاوے گی یا ادا میں اور ان لوگوں نے نماز قبل زوال پڑھی ہے؟

**الجواب:** صورت مذکورہ میں نماز عید صحیح ہوگئی۔

و تودی بمصر واحد بمواضع كثيرة اتفاقا در مختار. (۱)  
اور ادا ہوگی کیونکہ ادا کہتے ہیں واجب کو اس کے وقت میں کرنے کو۔

(۱) الدر المختار مع الشامی، کتاب الصلاة، باب العیدین، مکتبہ زکریا دیوبند

۵۹/۳، کراچی ۱۷۶/۲

ویجوز تعددها فی مصر واحد فی موضعین وأكثر اتفاقاً إنما الخلاف فی الجمعة. (البحر الرائق، کتاب الصلاة، باب صلاة العیدین، مکتبہ زکریا دیوبند ۳۸۳/۲، کوئٹہ ۱۶۲/۲)

ولو قدر بعد الفوات مع الإمام علی إدراکها مع غیره فعله للاتفاق علی جواز تعددها .

(النهر الفائق، کتاب الصلاة، باب صلاة العیدین، مکتبہ زکریا دیوبند ۳۷۰/۱)

ولو قدر بعد الفوات مع الإمام علی إدراکها مع غیره فعل للاتفاق علی جواز

تعدددها. (حاشیة الطحطاوی علی مراقی الفلاح، کتاب الصلاة، باب صلاة العیدین،

مکتبہ دارالکتاب دیوبند ص: ۵۳۵)

ثم الأداء فعل الواجب في وقته در مختار. (۱)

اور وقت عیدین کا ارتفاع شمس سے قبل زوال تک ہے۔ و وقتها من الارتفاع إلى الزوال

باسقاط الغاية. در مختار (۲)

پس جب زوال سے پہلے پڑھے تو اپنے وقت میں واقع ہوئی اس لئے ادا ہوگی۔ واللہ اعلم،

۲۶/ ذی الحجہ ۱۴۰۲ھ (امداد ج ۱ ص ۹۷)

## متعدد مسجد میں صلوٰۃ عیدین کا حکم

**سوال (۵۶۷):** قدیم ۱/۶۲۳ - حضور کے رسالہ بہشتی گوہر میں تحریر ہے کہ نماز عیدین بالاتفاق

(۱) الدر المختار مع الشامی، کتاب الصلاة، باب قضاء الفوائت، مکتبہ زکریا دیوبند

۵۱۹/۲، کراچی ۶۲/۲

فالأداء ابتداء فعل الواجب في وقته. (البحر الرائق، کتاب الصلاة، باب قضاء الفوائت،

مکتبہ زکریا دیوبند ۱۳۸/۲، کوئٹہ ۷۸/۲)

(۲) الدر المختار مع الشامی، کتاب الصلاة، باب العیدین، مکتبہ زکریا دیوبند

۵۲/۳ - ۵۳، کراچی ۲/ )

و وقتها: من ارتفاع الشمس إلى زوالها. (النهر الفائق، کتاب الصلاة، باب صلاة

العیدین، مکتبہ زکریا ۳۶۸/۱)

وابتداء وقت صحة صلاة العيد من ارتفاع الشمس قدر رمح أو رمحين حتى تبيض

للنهي عن الصلاة وقت الطلوع إلى أن تبيض إلى قبيل زوالها. (حاشیہ الطحطاوی علی مراقی

الفلاح، کتاب الصلاة، باب صلاة العیدین، مکتبہ دار الكتاب دیوبند ص: ۵۳۲)

و وقتها من ارتفاع الشمس قدر رمح أو رمحين إلى زوالها أي إلى ما قبل زوال

الشمس والغاية غير داخله في المغيا بقريئة مأمرة إن الصلاة الواجبة لم تجز عند قيامها.

(مجمع الأنهر، کتاب الصلاة، باب العیدین، دار الكتب العلمية بیروت ۱/ ۲۵۶)

هدایہ، کتاب الصلاة، باب العیدین، مکتبہ اشرفیہ دیوبند ۱/ ۱۷۳ - شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

متعدد مساجد میں جائز ہے اور فقہاء نماز عیدین کیلئے خروج الی الجبانہ سنت مؤکدہ لکھتے ہیں اور خلاف سنت مؤکدہ مکروہ تحریمی ہے: لہذا حضور کی تحریر جواز میں شبہ پڑا کہ جائز مع الکرہت ہے یا بے کراہت اور کراہت بھی تحریمی ہے یا تنزیہی۔ اس شبہ کا دفعیہ فرمادیں؟

**الجواب:** بہشتی گوہر میں دیکھنے سے معلوم ہوا کہ یہ مسئلہ درمختار کا ہے اس میں بموضع کثیرہ کا لفظ ہے یہ مترجم کی لغزش ہے مقصود یہ ہے کہ جیسا جمعہ کے جواز تعدد میں اختلاف ہے اس میں وہ اختلاف نہیں (۱) اس لغزش کی یہ تاویل ہو سکتی ہے کہ مسجد کو معنی لغوی پر محمول کر لیا جاوے یا مساجد کو معنی شرعی پر محمول رکھ کر معذورین کے حق میں اس کو کہا جاوے جو عید گاہ نہ جاسکیں۔ فقط، واللہ اعلم

۳۰/ ذی الحجہ ۱۳۲۶ھ (تمتہ اولیٰ ص ۱۴)

## عذر کی وجہ سے دوسرے دن تک نماز عید الاضحیٰ مؤخر کرنا

**سوال (۵۶۸):** قدیم ۱/۶۴۴ - کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ نماز عید الاضحیٰ قصبہ ہسوہ میں روز سہ شنبہ ۱۰/ ذی الحجہ کو ہوئی اور شہر فتحپور میں کہ اس قصبہ سے تین کوس ہے وہاں نماز عید الاضحیٰ بروز چہار شنبہ ۱۱/ ذی الحجہ کو ہوئی چند شخص نمازی اس قصبہ کے کسی مقدمہ میں ماخوذ ہو کر عدالت فتحپور میں گئے اور بروز سہ شنبہ بسبب مقدمہ کے فتحپور میں رہے اور بروز چہار شنبہ ۱۱/ ذی الحجہ وقت صبح وہ لوگ قصبہ ہسوہ میں آئے پس ان سب بارہ تیرہ آدمیوں نے ایک شخص کو امام کیا اور نماز عید الاضحیٰ ۹ بجے دن ۱۱/ ذی الحجہ چہار شنبہ کو پڑھی موافق شہر فتحپور کے تو یہ نماز ان کی درست ہوئی یا نہیں یہ نماز عید الاضحیٰ کی نماز میں شمار ہوگی یا نفل میں۔ بینوا تو جروا؟

(۱) وتؤدی بمصر واحد بمواضع كثيرة اتفاقاً، والخلاف إنما هو في الجمعة. (الدر المختار مع الشامي، كتاب الصلاة، باب العيدين، مكتبة زكريا ديوبند ۳/ ۵۹، كراچی ۲/ ۱۷۶)

يجوز تعددها في مصر واحد في موضعين وأكثر اتفاقاً، إنما الخلاف في الجمعة. (البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب صلاة العيدين، مكتبة زكريا ديوبند ۲/ ۲۸۳، كوئٹہ ۲/ ۱۶۲)

ولو قدر بعد الفوائت مع الإمام على إدراكها مع غيره فعله للاتفاق على جواز تعددها. (النهر الفائق، كتاب الصلاة، باب صلاة العيدين، مكتبة زكريا ديوبند ۱/ ۳۷۰)

ولو قدر بعد الفوائت مع الإمام على إدراكها مع غيره فعل للاتفاق على جواز تعددها. (حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، كتاب الصلاة، باب صلاة العيدين، مكتبة دار الكتاب ديوبند ص: ۵۳۵)

**الجواب :** تاخیر نماز عید الاضحیٰ کی بارہویں تک اگر بعد زہر ہو تو بے کراہت اگر بے عذر ہو تو بکراہت جائز ہے۔

لکن ہنا يجوز تأخيرها إلى آخر ثلاثة أيام النحر بلا عذر مع الكراهة وبه بدونها. در مختار (۱)  
پس صورت مسئلہ میں نماز بلا کراہت صحیح ہوئی اور نفل شمار نہ کی جاوے گی۔ واللہ اعلم  
۲۶ ذی الحجہ ۱۴۰۲ھ، (امداد ص ۹۷ ج ۱)

(۱) الدر المختار مع الشامي، كتاب الصلاة، باب صلاة العيدين، مكتبه زكريا ديوبند  
۵۹/۳، کراچی ۱۷۶/۲۔

وتؤخر صلاة الأضحى بعذرٍ من الأعذار السابقة إلى ثلاثة أيام لأنها مؤقتة بوقت الأضحى فتجوز ما بقي وقتها، قيد بالعدر لأن تأخيرها عن اليوم الأول بغير عذر مكروه. (النهر الفائق، كتاب الصلاة، باب صلاة العيدين، مكتبه زكريا ديوبند ۳۷۱/۱)

وتؤخر صلاة عيد الأضحى بعذر، لنفي الكراهة وبلا عذر مع الكراهة لمخالفة المأثور إلى ثلاثة أيام لأنها مؤقتة بوقت الأضحى فيما بين الارتفاع إلى الزوال ولا تصح بعدها. (حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، كتاب الصلاة، باب صلاة العيدين، مكتبه دار الكتاب ديوبند ص: ۵۳۸)  
ويجوز تأخيرها أي صلاة الأضحى إلى الثاني والثالث بعذر وبغير عذر ولا يصلي بعد ذلك لأنها مؤقتة بوقت الأضحى وهو ثلاثة أيام؛ لكنه يسيئ بالتأخير من غير عذر لما فيه تأخير الواجب بلا ضرورة عند القائل بالوجوب فالعذر في الأضحى لنفي الكراهة. (مجمع الأنهر، كتاب الصلاة، باب صلاة العيدين، دار الكتب العلمية بيروت ۲۵۸/۱)

وتؤخر بعذر إلى ثلاثة أيام لأنها مؤقتة بوقت الأضحى فتجوز مادام وقتها باقيا ولا تجوز بعد خروجه لأنها لاتقضى قيد بالعدر لأن تأخيرها لغير عذر عن اليوم الأول مكروه بخلاف تأخير عيد الفطر لغير عذر، فإنه لايجوز ولا يصلي بعده فالتقييدها لنفي الكراهة وفي عيد الفطر للصحة. (البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب صلاة العيدين، مكتبه زكريا ديوبند ۲۸۵/۲، كوئٹہ ۱۶۳/۲)

تبیین الحقائق، كتاب الصلاة، باب صلاة العيدين، مكتبه زكريا ديوبند ۵۴۴/۱،  
امدادیہ ملتان ۲۲۶/۱۔ شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

## امام وقت کے نماز عید کے بعد دوسری جگہ نماز عید پڑھنے کا حکم

**سوال (۵۶۹):** قدیم/۱/۶۴۴ - حضور کا کارڈمرسلہ کمترین کے سوالات کے جوابات کا پہنچا کمترین کو سوال نمبر: کے جواب میں شبہ ہے (\*) امید ہے کہ حضور تسلی فرمائیں گے وہ شبہ یہ ہے کہ عبارت قدوری:

ومن فاتته صلوة العيد مع الإمام لم يقضها (ص ۳۸ باب صلوة العيدین)  
سے اس کے عدم جواز کا شبہ ہوتا ہے۔ اب اس میں حسب ذیل سوالات ہیں:

(۱) اس جملہ کے کیا معنی ہیں؟

(۲) اس جملہ سے عدم جواز ثابت ہوتا ہے یا نہیں؟

(۳) کمترین نے اس کے معنی یہ سمجھے ہیں کہ اگر کسی شخص کو عید کی نماز جماعت کے ساتھ نہ ملے تو مثل نماز جمعہ کے پھر اس کو نہیں پڑھ سکتا۔ اگر چہ وقت باقی ہو۔ کیونکہ لم يقضها سے مراد وقت گزرنے پر قضا کرنا ہوتا تو مع الإمام کی قید لا حاصل تھی اگر یہ کہا جائے کہ اگر ایک یا دو یا چار شخصوں کو جماعت عید نہ ملے تو ان کے لئے لم يقضها کا حکم ہے نہ کہ جماعت کثیر کیلئے تو کنز الدقائق کی عبارت: ولم تقض إن فاتت مع الإمام (باب العيدین) اس کی تائید کرتی ہے کہ فعل مجہول ذکر کیا گیا ہے یہ صحیح ہے یا نہیں؟

**الجواب:** درمختار میں بہت صاف عبارت ہے جس سے دوسری عبارات کی شرح ہو جاوے گی۔  
ولا یصلیہا وحده إن فاتت مع الإمام ولو بالافساد اتفاقاً فی الأصح ولو أمکنه الذهاب الی إمام اخر فعل لأنها تؤدی بمصر واحد بموضع كثيرة اتفاقاً فإن عجز صلی أربعاً كالضحی. وفي ردالمحتار قوله: مع الإمام متعلق بمحذوف حال من ضمیر فاتت لا بفاتت لأن المعنی أن الإمام أداها وفاتت المقتدی. (۱)

(\*) وہ سوال و جواب یہ ہے:

**سوال:** عید کی نماز ہونے کے بعد اگر بہت سے آدمی جمع ہو کر کسی دوسری مسجد یا جامع مسجد میں دوسری جماعت عید کریں تو جائز ہے یا نہیں؟

**الجواب:** جائز ہے۔ ۱۲ سعید احمد پالن پوری

(۱) الدر المختار مع الشامی، کتاب الصلاة، باب صلاة العيدین، مکتبہ زکریا



اس عبارت سے واضح ہو گیا کہ لایقضیٰ یا لم تقض کے یہی معنی ہیں کہ منفرداً نہ پڑھے اگرچہ شروع کر کے فاسد کر دی ہو باقی اگر ایک امام کے ساتھ نہ ملی ہو تو دوسرے امام کے ساتھ پڑھ لینا بہتر ہے اور اس تقریر میں سب نمبروں کا جواب ہو گیا۔

۱۹ ذیقعدہ ۱۳۳۳ھ (تمتہ ثالثہ ص ۱۰۲)

← ومن فاتته الصلاة فلم يدر كها مع الإمام لا يقضيها (مراقى الفلاح) وفي الطحاوي: قوله: (ومن فاتته الصلاة مع الإمام) أو بخروج وقتها سواء كان لعذر أم لا، إلا أنه يأتى في الثاني دون الأول، وكما إذا لم يشرع أصلاً، أو شرع ثم أفسده اتفاقاً على الأصح، وفيها يلغز أي رجل أفسد صلاة واجبة عليه ولا قضاء عليه در ولو قدر بعد الفوات مع الإمام على إدراكها مع غيره فعل للاتفاق على جواز تعددها. (حاشية الطحاوي على مراقى الفلاح، كتاب الصلاة، باب صلاة العيدين، مكتبة دار الكتاب ديوبند ص: ۵۳۵)

ولم تقض إن فاتت مع الإمام لأن الصلاة بهذه الصفة لم تعرف قربة إلا بشرائط لاتتم بالمنفرد فمراده نفي صلاتها وحده وإلا فإذا فاتت مع إمام وأمكته أن يذهب إلى إمام آخر، فإنه يذهب إليه لأنه يجوز تعددها في مصرٍ واحدٍ في موضعين وأكثر اتفاقاً إنما الخلاف في الجمعة، وأطلقه فشمّل ما إذا كان في الوقت أو خرج الوقت وما إذا لم يدخل مع الإمام أصلاً أو دخل معه وأفسدها فلا قضاء عليه أصلاً. (البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب صلاة العيدين، مكتبة زكريا ديوبند ۲/ ۲۸۳، كوئٹہ ۲/ ۱۶۲)

ولم تقض صلاة العيد منفرداً إذا فاتت الصلاة مع الإمام، وقوله مع الإمام: قيد للفاعل لا للفاعل لأن الصلاة بهذه الصفة لم تعرف قربة إلا بشرائط لاتتم بالمنفرد، وقال في البحر: أطلقه فشمّل ما إذا كان في الوقت أو خرج الوقت، وما إذا لم يدخل مع الإمام أصلاً أو دخل معه وأفسدها، وأقول: الأولى أن يراد بالقضاء الأداء مجازاً، ويعلم منه ما إذا خرج الوقت بالأولى، ولو قدر بعد الفوات مع الإمام على إدراكها مع غيره فعله للاتفاق على جواز تعددها. (النهر الفائق، كتاب الصلاة، باب صلاة العيدين، مكتبة زكريا ديوبند ۱/ ۳۷۰)

سكب الأنهر على هامش مجمع الأنهر، كتاب الصلاة، باب صلاة العيدين، دار الكتب

العلمية بيروت ۱/ ۲۵۷-۲۵۸-شیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

## اثنائے خطبہ، خطبہ کا ترجمہ کرنا

**سوال (۵۷۰):** قدیم ۱/۶۴۵ - جمعہ کے خطبوں کے درمیان میں یا آخر بطور وعظ خطبہ کا ترجمہ کر دینا جائز ہے یا نہیں؟

**الجواب:** جائز ہے۔ (\*)

هكذا يستفاد من العالمگیریة (۱) واللہ اعلم

۶/رمضان المبارک ۱۳۱۹ھ (امداد جلد اول ص ۹۶)

**سوال (۵۷۱):** قدیم ۱/۶۴۵ - کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ خطبہ جمعہ میں قرآن شریف اور احادیث کی عبارت پڑھ کے اس کا ترجمہ زبان ہندی میں سمجھانا جائز ہے یا نہیں؟

**الجواب:** جناب رسول اللہ ﷺ کے زمانہ مبارک سے اب تک امت میں یہی تعامل و توارث رہا کہ

(\*) تفصیل بعد والے سوال و جواب میں دیکھیں اور اس سلسلہ سوال نمبر ۵۶۵ اور ۵۸۴/بھی ملاحظہ فرماویں ۱۲ سعید احمد پالن پوری

(۱) وبكره للخطيب أن يتكلم في حال الخطبة إلا أن يكون أمراً بمعروف كذا في

فتح القدیر . (هندية، كتاب الصلاة، الباب السادس عشر في صلاة الجمعة، قدیم زکریا دیوبند

۱/۴۷، جدید زکریا ۱/۲۰۸)

فتح القدیر، كتاب الصلاة، باب صلاة الجمعة، مكتبه زکریا دیوبند ۲/۵۸،

کوئٹہ ۲/۳۰ - ۳۱۔

یہ فتویٰ حضرت والا تھانویؒ نے ۶/رمضان المبارک ۱۳۱۹ھ میں تحریر فرمایا ہے، اس کے بعد ایک فتویٰ ۲۴/جمادی الثانیہ ۱۳۴۹ھ میں تحریر فرمایا ہے جو سوال نمبر ۵۷۲ کے جواب میں آ رہا ہے، جس میں حضرت والا تھانویؒ نے سائل کے اس جواب کے بابت سوال کا جواب دیتے ہوئے تحریر فرمایا ہے، کہ یہ سوال ابتدائی زمانہ کا ہے اور مجمل ہے، پھر تفصیل کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ جمعہ کے خطبوں کے درمیان میں یا آخر میں بطور وعظ خطبہ کا ترجمہ کرنا چند شرائط کیساتھ جائز ہے اور اس کی عادت کر لینا بلا ضرورت خلاف سنت ہے۔ تفصیلی جواب اور اس کے دلائل سوال نمبر ۵۷۲ کے ذیل میں ملاحظہ فرمائیں۔ شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

خطبہ میں اور کوئی چیز لاحق نہیں کرتے اس لئے فقط خطبہ عربی پر اکتفا کرنا چاہئے ترجمہ وغیرہ کرنا بہتر نہیں (۱) ہاں اگر کوئی نصیحت مناسب وقت کسی واقعہ درپیش شدہ میں کر دے جائز ہے۔

(۱) فإنہ لا شک فی أن الخطبة بغير العربية خلاف السنة المتوارثة من النبي صلى الله عليه وسلم والصحابة رضوان الله تعالى عليهم أجمعين، فيكون مكروهاً تحريمًا. (عمدة الرباعة على هامش شرح الوقاية، كتاب الصلاة، باب أحكام صلاة الجمعة، مكتبه اشرفية ديوبند ۲۰۰/۱)

الخطبة يوم الجمعة وفي العيدين بغير اللسان العربي أو ترجمتها بالعجمي أحد ثوا ذلك بعد قرون الخير فلا إثارة من علم. (مجموعة الفتاوى على هامش خلاصة الفتاوى، كتاب الصلاة، مكتبه اشرفية ديوبند ۱۴۵/۱)

وكل ما حرم في الصلاة حرم فيها أي في الخطبة. (الدر المختار مع الشامي، كتاب الصلاة، باب الجمعة، مكتبه زكريا ديوبند ۳۵/۳، كراچی ۵۹/۲)

الكرهية إنما هي لمخالفة السنة؛ لأن النبي صلى الله عليه وسلم وأصحابه قد خطبوا دائماً بالعربية. (مجموعة رسائل اللكهنوي ۴/۴، بحواله فتاوى محموديه ذابھیل ۲۶۲/۸)

الخطبة بالفارسية التي أحد ثوا واعتقدوا حسننها ليس الباعث إليها إلا عدم فهم العجم اللغة الغربية، وهذا الباعث قد كان موجوداً في عصر خير البرية، وإن كان فيه اشتباهاً فلا اشتباه في عصر الصحابة والتابعين، ومن بعدهم من الأئمة المجتهدين حيث فتحت الأمصار الشاسعة والديار الواسعة وأسلم أكثر الحبش والروم وغيرهم من الأعجام وحضروا مجالس الجمع والأعياد وغيرها من شعائر الإسلام، وقد كان أكثرهم لا يعرفون اللغة العربية ومع ذلك لم يخطب أحد منهم بغير العربية ولما ثبت وجود الباعث في تلك الأزمنة وفقدان المانع والتكاسل ونحوه معلوم بالقواعد المبرهنة لم يبق إلا الكراهة التي هي أدنى درجات الضلالة. (آكام الفرائض ملحقة بمجموعة رسائل اللكهنوي ۴/۴، بحواله فتاوى محموديه ميرٹھ ۳۵۰/۱۲)

لما لاحظنا خطب النبي صلى الله عليه وسلم وخلفائه رضي الله عنهم وهلم جرا فنجد فيها وجود أشياء منها الحمد والشهادتين، والصلاة على النبي صلى الله عليه وسلم ←

يكره للخطيب أن يتكلم في حال الخطبة إلا أن يكون أمراً بمعروف. كذا في فتح  
القدير عالمگیری ج ١ ص ١٢٥ (١) ويروى رجوعه في اصل المسئلة الى قولهما وعليه  
الاعتماد والخطبة والتشهد على هذا الاختلاف ١٢ (٢) هداية أقول فلما ثبت الرجوع  
عنه في القراءة بالفارسية ثبت في الخطبة بها. فقط والله اعلم (امداد ص ١٠٣ ج ١)

← والأمر بالتقوى وتلاوة آية والدعاء للمسلمين وللمسلمات وكون الخطبة عربية (إلى  
أن قال) وأما كونها عربية فلا استمرار عمل المسلمين في المشارق والمغرب مع أن في  
كثير من الأقاليم كان المخاطبون أعجمين. (مصفى شرح الموطأ، كتاب الصلاة، باب التشديد  
على من ترك الجمعة بغير عذر مطبوعه دهلي ١/١٥٣)

(١) هندية، كتاب الصلاة، الباب السادس عشر في صلاة الجمعة، قديم زكريا  
١/١٤٧، جديد زكريا ١/٢٠٨ -

فتح القدیر، كتاب الصلاة، باب صلاة الجمعة، مكتبه زكريا ديوبند ٢/٥٨،  
كوئته ٢/٣٠ - ٣١ -

ولا ينبغي للخطيب أن يتكلم في خطبته بما هو من كلام الناس، لأن الخطبة كلام  
منظومة شرعت قبل الصلاة، فأشبهت الأذان، ولا ينبغي للمؤذن أن يتكلم في أذانه بما يشبه  
كلام الناس، ولا بأس بأن يتكلم بما يشبه الأمر بالمعروف، فقد صح أن رسول الله صلى الله  
عليه وسلم كان يخطب، فدخل سليك الغطفاني وجلس، فقال النبي صلى الله عليه وسلم،  
أركعت ركعتين؟ قال سليك: لا، فقال النبي عليه الصلاة والسلام: قم واركع ركعتين ثم  
اجلس، وعن عمر<sup>رضي</sup>، أنه كان يخطب يوم الجمعة فدخل عثمان<sup>رضي</sup>، فقال عمر<sup>رضي</sup>، أية ساعة المجيء  
هذه؟ فقال عثمان<sup>رضي</sup>، ما زدت حين سمعت النداء على أن توضأت، فقال عمر<sup>رضي</sup>، الوضوء أيضاً  
ورسول الله صلى الله عليه وسلم كان يأمر بالاعتسالة يوم الجمعة، ولأن ما يشبه الأمر  
بالمعروف خطبة من حيث المعنى، وإن لم يكن خطبة من حيث النظم؛ لأن الخطبة في  
الحقيقة وعظ وأمر بالمعروف. (المحيط البرهاني، كتاب الصلاة، الفصل الخامس والعشرون،  
صلاة الجمعة، شرائط الجمعة، المجلس العلمي ٢/٤٥٩، رقم: ٢١٨٨)

بدائع الصنائع، كتاب الصلاة، محظورات الخطبة، مكتبه زكريا ديوبند ١/٥٩٥ -

(٢) هداية، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، مكتبه اشرفية ديوبند ١/١٠٢ - شبير احمد قاسمي عفا الله عنه

**سوال (۵۷۲):** قدیم/۱/۶۴۶ - ماقولکم رحمکم اللہ ربکم اندریں مسئلہ، کہ خطبوں کے درمیان یا آخر بطور وعظ خطبہ کا ترجمہ کر دینا جائز ہے یا نہیں؟

**جواب سوال:** جائز ہے۔

هكذا يستفاد من العالمگیریة. واللہ اعلم

(فتاویٰ اشرفیہ حصہ اول مطبوعہ قیومی پریس ۱۳۴۵ھ ص ۳۴)

اس سوال و جواب مرقومہ بالا میں بندہ کوشبہ ہے کہ یہ جواب حضرت والا مقام کی تحریرات سے ہے یا نہیں؟

**الجواب:** اس وقت فتاویٰ اشرفیہ میرے پاس نہیں اس لئے وثوق سے کچھ نہیں کہہ سکتا لیکن

غالب یہ ہے کہ میرا ہی جواب ہے۔ (\*) مگر ابتدائی زمانہ کا ہوگا۔ اس لئے مجمل ہے میری بعد کی تحریرات میں اس کی تفصیل مذکور اور بذریعہ طباعت مشہور ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ ایسا کرنا (۱) گاہ گاہ (۲) کسی ضرورت سے (۳) قلیل مقدار سے مضائقہ نہیں۔ (۱)

(\*) دیکھئے سوال نمبر ۵۷۲ و ۵۶۵۔ ۱۲ سعید احمد پالن پوری

(۱) ویکرہ للخطیب أن يتكلم في حال الخطبة إلا أن يكون أمراً بمعروف كذا في

القدیر۔ (الفتاویٰ الہندیۃ، کتاب الصلاۃ، الباب السادس عشر فی صلاۃ الجمعة، قدیم زکریا ۱/۴۷، جدید زکریا ۱/۲۰۸)

ویکیرہ للخطیب أن يتكلم في حال الخطبة، ولو فعل لا تفسد الخطبة لأنها ليست بصلاة فلا يفسدها كلام الناس لكنه يكره لأنها شرعت منظومة كالأذان والكلام يقطع النظم إلا إذا كان الكلام أمراً بالمعروف فلا يكره. (بدائع الصنائع، کتاب الصلاۃ، محظورات الخطبة، مکتبہ زکریا دیوبند ۱/۵۹۵)

ولا ينبغي للخطیب أن يتكلم في خطبته بما هو من كلام الناس، لأن الخطبة كلام منظومة شرعت قبل الصلاۃ، فأشبهت الأذان، ولا ينبغي للمؤذن أن يتكلم في أذانه بما يشبه كلام الناس، ولا بأس بأن يتكلم بما يشبه الأمر بالمعروف، فقد صح أن رسول الله صلى الله عليه وسلم كان يخطب، فدخل سليك الغطفاني وجلس، فقال النبي صلى الله عليه وسلم، أر كعت ركعتين؟ قال سليك: لا، فقال النبي عليه الصلاۃ والسلام: قم وار كع ركعتين ثم اجلس، وعن عمرؓ، أنه كان يخطب يوم الجمعة فدخل عثمانؓ، فقال عمرؓ، أية ساعة المجيئ هذه؟ ←

باقی اس کی عادت کر لینا یا بلا ضرورت ایسا کرنا یا زیادہ حصہ کا ترجمہ یا طویل وعظ کہنا اثنائے خطبہ میں خلاف سنت ہے۔ (۱)

۲۴/ جمادی الثانی ۱۳۴۹ھ (النور ۶۱ ذیقعدہ ۱۳۴۹ھ)

← فقال عثمان، ما زدت حين سمعت النداء على أن توضأت، فقال عمر: الوضوء أيضًا ورسول الله صلى الله عليه وسلم كان يأمر بالاغتسال يوم الجمعة، ولأن ما يشبه الأمر بالمعروف خطبة من حيث المعنى، وإن لم يكن خطبة من حيث النظم؛ لأن الخطبة في الحقيقة وعظ وأمر بالمعروف. الخ (المحيط البرهاني، كتاب الصلاة، الفصل الخامس والعشرون، صلاة الجمعة، شرائط الجمعة، المجلس العلمي ۲/ ۵۹، رقم: ۲۱۸۸) فتح القدير، كتاب الصلاة، باب صلاة الجمعة، مكتبه زكريا ديوبند ۲/ ۵۸، كوئته ۳۰/ ۲ - ۳۱ -

(۱) فإنه لا شك في أن الخطبة بغير العربية خلاف السنة المتوارثة من النبي صلى الله عليه وسلم والصحابة رضوان الله تعالى عليهم أجمعين، فيكون مكروهاً تحريمًا. (عمدة الرياسة على هامش شرح الوقاية، كتاب الصلاة، باب أحكام صلاة الجمعة، مكتبه اشرفية ديوبند ۱/ ۲۰۰)

الخطبة يوم الجمعة وفي العيدين بغير اللسان العربي أو ترجمتها بالعجمي أحد ثواب ذلك بعد قرون الخير فلا إثارة من علم. (مجموعة الفتاوى على هامش خلاصة الفتاوى، كتاب الصلاة، مكتبه اشرفية ديوبند ۱/ ۱۴۵)

وكل ما حرم في الصلاة حرم فيها أي في الخطبة. (الدر المختار مع الشامى، كتاب الصلاة، باب الجمعة، مكتبه زكريا ديوبند ۳/ ۳۵، كراچی ۲/ ۵۹)

ولا ينبغي للإمام أن يتكلم في خطبته بشيء من حديث الناس لأنه ذكر منظوم. (مبسوط سرخسي، كتاب الصلاة، باب صلاة الجمعة، دار الكتب العلمية بيروت ۲/ ۲۷)

الكراهة إنما هي لمخالفة السنة؛ لأن النبي صلى الله عليه وسلم وأصحابه قد خطبوا دائماً بالعربية. (مجموعة رسائل اللكهنوي ۴/ ۴۴، بحواله فتاوى محموديه ذابهيل ۸/ ۲۶۲)

الخطبة بالفارسية التي أحد ثوابها واعتقدوا حسناتها ليس الباعث إليها إلا عدم فهم ←

## خطبہ جمعہ میں غیر عربی میں اشعار پڑھنا

**سوال (۵۷۳):** قدیم ۱/۶۳۶ - کیا فرماتے ہیں علمائے دین مسائل مفصلہ ذیل میں کہ خطبہ جمعہ مشتمل بر اشعار اردو و فارسی وغیرہ کے پڑھنا کیسا ہے جائز ہے یا نہیں اور اگر ہے تو بلا کراہت جائز ہے یا با کراہت اور در صورت جواز کے کہ بلا کراہت ہو اولیٰ کیا ہے اور کس طرح خطبہ کی عادت کرنی چاہئے یعنی اردو وغیرہ کے اشعار والا خطبہ پڑھا کرے یا فقط عربی کے الفاظ اور عبارات پر اقتصار لازم ہے کہ علی وجہ المسنون ادا ہووے اور طریقہ سلف صالحین اور عمل علمائے عالمین کیا ہے؟

**الجواب:** (از مولوی ارشاد حسین صاحب) واللہ سبحانہ الموفق للصواب.

اشعار فارسی وغیرہ خطبہ میں پڑھنا جائز ہے اس واسطے کہ جب خطبہ بقدر تشہد مسنون کے زبان عربی میں پڑھا اور کچھ اشعار فارسی یا اردو وغیرہ میں تو خطبہ بقدر تشہد مسنون زبان عربی میں ادا ہو گیا۔ اور اشعار فارسی وغیرہ واسطے تفہیم عوام کے اور پند و نصیحت کے کچھ منافی خطبہ کے نہیں۔ پس جواز اشعار فارسی وغیرہ میں کچھ تامل نہیں اور اگر بالفرض خطبہ کسی زبان میں سوائے عربی کے پڑھا جب بھی عند الامام ابی حنیفہ جائز ہوا اور اسی پر فتویٰ ہے۔

قال في الدر المختار: وكفت تحميدة أو تهليلة أو تسبيحة للخطبة المفروضة مع

← العجم اللغة الغربية، وهذا الباعث قد كان موجوداً في عصر خير البرية، وإن كان فيه اشتباهاً فلا اشتباه في عصر الصحابة والتابعين، ومن بعدهم من الأئمة المجتهدين حيث فتحت الأمصار الشاسعة والديار الواسعة وأسلم أكثر الحبش والروم وغيرهم من الأعجام وحضروا مجالس الجمع والأعياد وغيرها من شعائر الإسلام، وقد كان أكثرهم لا يعرفون اللغة العربية ومع ذلك لم يخطب أحد منهم بغير العربية ولما ثبت وجود الباعث في تلك الأزمنة، وفقد ان المانع والتكاسل ونحوه معلوم بالقواعد المبرهنة لم يبق إلا الكراهة التي هي أدنى درجات الضلالة. (آكام النفائس ملحقة بمجموعة رسائل اللكهنوي ۴/۷۷، بحواله فتاویٰ محمودیہ میرٹھ ۱۲/۳۵۰) شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

الکراهة، وقال: لابد من ذكر طويل وأقله قدر التشهد الواجب انتهى. (۱) وقال أيضاً وصح شروعه بتسييح وتهليل وسائر كلم التعظيم كما صح لو شرع بغير عربية أي لسان كان وشرطاً عجزه وعلى هذا الخلاف الخطبة وجميع اذكار الصلوة انتهى. وقال في رد المحتار وشرطاً عجزه أي التكبير بالعربية والمعتمد قوله: بل سيأتي ما يفيد الاتفاق على أن العجز غير شرط انتهى. (۲)

اور ان اشعار فارسی وغیرہ پڑھنے میں کراہت نہیں (\*) لیکن سلف صالحین اور علمائے معتمدین سے منقول خطبہ تمامہ زبان عربی میں ہے اور یہی اولیٰ ہے بسبب موافقت سنت کے اور اسی کی عادت کرنا چاہئے۔ فقط واللہ سبحانہ اعلم وعلمہ اتم، العبد محمد ارشاد حسین۔ (۳)

(\*) اگر کراہت تحریمی کی نفی مقصود ہے تو صحیح ہے اور اگر کراہت تنزیہی کی نفی مقصود ہے تو صحیح نہیں اور جب اس پر اصرار ہوگا تو کراہت میں شدت ہو جائے گی اور اوپر جو استدلال میں کہا گیا ہے کہ بقدر مسنون زبان عربی میں ادا ہو گیا الخ یہ اس لئے صحیح نہیں کہ خطبہ اگر قصیر ہو تو وہ تمام خطبہ ہے، اور اگر طویل ہو تو وہ بھی تمام خطبہ ہے جیسا کہ قراءۃ مفروضہ میں تصریح ہے کہ اگر قدرے فرض سے زائد قراءۃ ہو تو وہ مجموعہ فرض ہوگی اور امام صاحب کا رجوع جیسا صلوة میں ہے اسی کے حکم میں خطبہ کا ہونا بھی کتب فقہ میں مصرح ہے اور عبارت در مختار میں جو عجز کو غیر شرط کہا ہے تو نفس صحت یعنی اداے فرض کے لئے نہ کہ جواز بلا کراہت کے لئے ۱۲ اشرف علی غنی عنہ

(۱) الدر المختار مع الشامی، کتاب الصلاة، باب الجمعة، مکتبہ زکریا دیوبند ۲۰/۳، کراچی ۱۴۸/۲۔

(۲) الدر المختار مع الشامی، کتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، مکتبہ زکریا دیوبند ۱۸۲/۲-۱۸۳، کراچی ۱/۴۸۳-۴۸۴۔

(۳) فإنه لا شک في أن الخطبة بغير العربية خلاف السنة المتوارثة من النبي صلى الله عليه وسلم والصحابة رضوان الله تعالى عليهم أجمعين، فيكون مكروهاً تحريمًا. (عمدة الرياسة على هامش شرح الوقاية، کتاب الصلاة، باب أحكام صلاة الجمعة، مکتبہ بلال ۱/۲۰۰)

الکراهة إنما هي لمخالفة السنة؛ لأن النبي صلى الله عليه وسلم وأصحابه قد خطبوا دائماً بالعربية، ولم ينقل عن أحد منهم أنهم خطبوا خطبة ولو خطبة غير الجمعة بغير العربية. (مجموعة رسائل الكهنوي، رسالة آكام النفائس في أداء الأذكار بلسان الفارس ۴/۴، بحواله فتاویٰ محمودیہ ڈابھیل ۲۲۱/۸) ←



## (جواب دوم از حضرت مولانا مدظلہم بر جواب مولوی ارشاد حسین صاحب)

**اقول:** مستعیناً باللہ سبحانہ و تعالیٰ دونوں (\*) جواب صحیح ہیں (\*\*\*) واقعی خطبہ میں اشعار وغیرہ پڑھنا غیر مستحسن ہے اور مکروہ کے دو معنی ہیں ایک بوجہ دلیل مستقل کے دوسرے بوجہ مخالفت سنت کے پس اگر اشعار مذکورہ تغنی کے ساتھ پڑھے جاویں تو مکروہ بالمعنی الاول ہے ورنہ بالمعنی الثانی۔

(\*) سائل نے دو سوال کئے تھے، ایک خطبہ میں غیر عربی اشعار پڑھنے کے بارے میں اور دوسرا مولود خوانی میں قیام کے سلسلہ میں، مولوی ارشاد حسین صاحب نے دونوں کا جواب لکھا ہے، حضرت قدس سرہ دونوں کی تصحیح کر رہے ہیں، ترتیب میں ایک یہاں ہے اور دوسرا جلد پنجم (طبع کراچی) کے ص: ۲۵۹، سوال نمبر ۲۳ پر ہے۔

**نوٹ:** یہاں جواب کے آخر میں مطبوعہ کراچی میں جو زائد عبارت تھی وہ جلد پنجم میں مذکور جواب کے ابتدا کی تھی، مرتب کے تسامح سے وہ یہاں لکھی گئی تھی ہم نے اسے یہاں سے حذف کر دیا ہے اور وہاں لکھی ہے۔ ۱۲ سعید احمد پالن پوری

(\*\*) جواب اول کی تصحیح اس کے اس جزء مقصود کے اعتبار سے ہے ”لیکن سلف صالحین۔“ (الی قولہ۔ عادت کرنا چاہئے)۔ ۱۲ نمہ

← ومنہ يعلم حکم قراءة الأشعار الفارسية في الخطبة، والأولى ترك ذلك لمخالفة فعل صاحب الشرع. (حاشیۃ الهدایۃ، للکنوی، کتاب الصلاة، باب صلاة الجمعة، مکتبہ اشرفیۃ دیوبند ۱/ ۱۷۱، رقم الحاشیۃ: ۸)

الخطبة يوم الجمعة و في العیدین بغير اللسان العربی أو ترجمتها بالعجمی أحد ثوا ذلك بعد قرون الخیر بلا إثارة من علم. (مجموعۃ الفتاویٰ علی هامش خلاصۃ الفتاویٰ، کتاب الصلاة، مکتبہ اشرفیۃ دیوبند ۱/ ۱۴۵)

الخطبة بالفارسية وغيرها من اللغات الغير العربية، بدعة، وکل بدعة ضلالة، والضلالة أدنی درجاتها الکراهة..... ووجه کونه بدعة أنه لم یکن فی القرون الثلاثة. (مجموعۃ رسائل اللکھنوی، رسالۃ آکام النفائس فی أداء الأذکار بلسان الفارس ۴/ ۴، بحوالہ کفایت المفتی جدید مطول ۵/ ۲۰۳)

مجموعۃ الفتاویٰ علی هامش خلاصۃ الفتاویٰ، کتاب الصلاة، باب صلاة الجمعة، مکتبہ اشرفیۃ دیوبند ۱/ ۱۵۱۔ شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

یؤیدہ ما فی آکام النفائس و سئلت أيضاً عما اعتاده أكثر خطباء زماننا من قراءة الخطبة بالعربية وتضمن بعض الأشعار الفارسی أو الهندیة هل يجوز ذلك؟ فاجبت بأن قراءة الأشعار فیہا إن کان بالغناء الممنوع عنه فی الشریعة فلا ریب فی کراہتہا وإن کان بالعربیة لما فی نصاب الاحتساب هل يجوز للمذکر أن یقرء علی المنبر دو بیٹی کما اعتاده مذکر زماننا فالجواب أنه ورد فی الحدیث من اشتراط الساعة أن توضع الأخیار وترفع الأشرارو أن تقرأ المثناة علی رؤس الناس والمثناة هی التي تسمى بالفارسیة دو بیٹی من صحاح الجوهری والفقه فی منعه أنه غناء وأنه حرام فی غیر المنبر فما ظنک فی موضع یعد للوعظ والنصیحة قال العبد أصلحه الله وقد ظفرت علی هذا الحدیث بعد ما كنت اجلس للعامة فی المنابر بتوفیق الله أكثر من ثلاثین سنة فحمدت الله علی أنى و إن كنت لم أعلم بحرمة هذا الفعل ولكنى لم أذكر مثناة یعنى دو بیٹی قط فی منبر ما جلست فیہ انتہی کلامہ (۱)

وإن لم یکن بالغناء فالکراهة لکونه مخالفاً للسنة داخل فی أصناف البدعة و کذا قراءة بعض الخطبة بالعربیة وبعضها بالفارسیة لا تخلوا عن الکراهة للقرارات السابقة فلیحفظ هذا کله فإن الناس عنه غافلون یرتکبون أمراً شنیعاً و یحسبون أنهم یحسنون. کتبہ اشرف علی عفی عنه من اجاب فقد أجاد وأصاب فیما افاد حرره محمد عبد الغفار عفی عنه رب العباد بجاء الرسول واله الامجاد.

الجواب صحیح شریعی عفی عنه، قد أصاب من اجاب محمد صدیق دیوبندی (اداء ص ۲۳)

**سوال (۵۷۴):** قدیم ۱/۶۲۹ - کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین کہ جمعہ کے خطبہ کی اذان کے وقت سے پہلے چار پانچ منٹ منبر سے علیحدہ خطبہ کا ترجمہ سنانا حسب فرمائش مصلیان اور پھر فوراً اذان خطبہ کے وقت منبر پر جانا اور حسب معمول اذان خطبہ ہونا اور عربی میں خطبہ کا پڑھنا۔ اس میں کوئی کراہت یا مفسد نماز ہے یا نہیں؟ زیادہ ادب ۲۲ رذی الحجہ ۱۳۵۵ھ

(۱) مجموعة رسائل مولانا عبد الحي اللكنوي، رسالة آكام النفائس في أداء الأذكار

بلسان الفارس، مكتبة إدارة القرآن كراچی ۴/ ۴۸ -

**الجواب:** یہ خطبہ کا ترجمہ سنانا تذکیر ہے اور آیت: وَذَكِّرْ فَإِنَّ الذِّكْرَ تَنْفَعُ الْمُؤْمِنِينَ (۱) اپنے عموم سے ہر وقت کے تذکیر کی اجازت دیتی ہے بجز ان مواقع کے جو مستقل دلیل سے ممنوع ہیں اور جو قیود سوال میں مذکور ہیں ان میں دو قیدیں اور قابل اضافہ ہیں ایک یہ کہ عوام الناس اس کو ہمیشہ کیلئے لازم نہ سمجھیں دلیل اس کی مشہور ہے۔ (۲)

دوسرے یہ کہ مذکر اس وقت منبر سے دور ہوتا کہ بیت خطبہ کا ایہام نہ ہو۔ دلیل اس کی مجوزین تکرار جماعت کی یہ تنقید ہے کہ عدول عن المحراب ہو (۳) پس ان سب قیود کے ہوتے ہوئے کوئی امر جواز سے مانع نہیں لہذا جواز کا حکم کیا جائے گا اور کراہت کی کوئی وجہ نہیں نہ اس فعل میں اور نہ اس فعل سے نماز میں اور فساد صلوٰۃ میں تو وسوسہ کا بھی درجہ نہیں البتہ اگر خود خطبہ ہی غیر عربی میں ہو سو وہ چونکہ بقول رائج خطبہ ہی نہیں اور خطبہ شرط ہے نماز جمعہ کی اس لئے اس صورت میں فساد صلوٰۃ کے حکم کی گنجائش ہے اور اس جواز کی تائید شیخین کی احادیث سے بھی ہوتی ہے۔

(۱) سورة الذاریت آیت: ۵۵

(۲) من أصر على أمر مندوب وجعله عزماً ولم يعمل بالرخصة فقد أصاب منه الشيطان من الإضلال، فكيف من أصر على بدعة أو منكر. (مرقاۃ المفاتیح، كتاب الصلاة، باب الدعاء في التشهد، مكتبه امدادية ملتان ۲/۳۵۳)

الإصرار على المندوب يبلغه إلى حد الكراهة فكيف إصرار البدعة التي لا أصل لها في الشرع. (سعاية، مكتبه اشرفية دیوبند ۲/۲۶۵)

وما يفعل عقيب الصلاة فمكروه لأن الجاهل يعتقدونها سنة أو واجبة وكل مباح يؤدي إليه فمكروه. (الدر المختار مع الشامی، كتاب الصلاة، قبیل باب صلاة المسافرين، مكتبه زكريا دیوبند ۲/۵۹۸، كراچی ۱۲۰/۱)

(۳) وعن أبي يوسف أنه إذا لم تكن الجماعة على الهيئة الأولى لا تكره وإلا تكره وهو الصحيح وبالعدول عن المحراب تختلف الهيئة، كذا في البزازیة: انتهى. وفي الساتار خانية عن الولوالجية وبه نأخذ. (شامی، كتاب الصلاة، باب الإمامة، مكتبه زكريا دیوبند ۲/۲۸۹، كراچی ۱/۵۵۳) ←

روى مسلم عن جابر في قصة يوم الفطر ثم خطب النبي ﷺ الناس فلما فرغ نزل فأتى النساء فذكرهن الحديث. (۱) وروى البخارى عن ابن عباس بعد وعظ النساء ثم انطلق هو وبلال إلى بيته الحديث. (۲)

یہ احادیث اس میں نص ہیں کہ اس تذکیر کے وقت میں (جو کہ خطبہ نہ تھی جس کا قرینہ یہ ہے کہ یہ تذکیر بعد فراغ خطبہ تھی اور نیز منبر پر نہ تھی اور اس کے بعد عود الی المنبر نہیں ہوا) اور خطبہ کے وقت میں کوئی فصل نہ تھا جس سے معلوم ہوا کہ اس تذکیر کے اور خطبہ کے وقت میں فصل نہ ہونا مانع جواز نہیں اور تقدیم و تاخیر کو اس میں کوئی دخل نہیں پس اس کا جواز سنت سے بھی ثابت ہو گیا۔ واللہ اعلم،

۲۴/ ذی الحجہ ۱۳۵۵ھ (النور ربیع الاول ۱۳۵۵ھ)

← وعن أبي يوسف إذا لم تكن على الهيئة الأولى لا يكره وإلا يكره وهو الصحيح وبالعدل عن المحراب تختلف الهيئة كذا في فتاوى البزازی. (حلبی کبیری، کتاب الصلاة، مسائل متفرقة، مکتبہ اشرفیہ دیوبند ص: ۶۱۵)

بزازیة علی الهندیة، کتاب الصلاة، الفصل الخامس عشر فی الإمامة والإقتداء، نوع فیما یکره وما لا یکره قدیم ۵۶/۴، جدید زکریا ۳۹/۱۔

(۱) عن جابر بن عبد الله قال: إن النبي صلى الله عليه وسلم قام يوم الفطر فصلى، فبدأ بالصلاة قبل الخطبة، ثم خطب الناس، فلما فرغ نبي الله صلى الله عليه وسلم نزل وأتى النساء، فذكرهن، وهو يتكأ على يد بلال، وبلال باسط ثوبه يلقي النساء صدقة. (مسلم شریف، کتاب صلاة العید، النسخة الهندیة ۲۸۹/۱، بیت الأفكار رقم: ۸۸۵)

أبوداؤد شریف، کتاب الصلاة، باب الخطبة يوم العید، النسخة الهندیة ۱۶۲/۱، دار السلام رقم: ۱۱۴۱۔

بخاری شریف، کتاب العیدین، باب موعظة الإمام النساء يوم العیدین، النسخة الهندیة ۱۳۳/۱، رقم: ۹۶۸، ف: ۹۷۸۔

(۲) عن عبد الرحمن بن عابس قال: سمعت ابن عباس قيل له: أشهدت العید مع النبي صلى الله عليه وسلم؟ قال: نعم! ولولا مكاني من الصغر ما شهدته، حتى أتى العلم الذي عند دار كثير بن الصلت فصلى ثم خطب، ثم أتى النساء، ومعه بلال فوعظهن، ←

## تعدد جمعہ کا حکم

**سوال (۵۷۵):** قدیم ۱/۶۵۰ - کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ کمپ میرٹھ لال کورتی بازار میں دو مسجدوں یعنی سیدہ والی اور شیخ الہی بخش والی میں ہمیشہ سے جمعہ کی نماز ہوتی ہے اور اب قریب ایک ماہ کے چند اشخاص نے بوجہ نفسانیت چند اشخاص کوٹھی کے ضد میں مسجد کوٹلہ والی میں جمعہ پڑھنا شروع کر دیا ہے اور موجود لوگ اپنا کاروبار چھوڑ کر ہمہ دن درستی مسجد کوٹلہ والی میں مصروف ہیں اس مسجد میں جمعہ پڑھنا جائز ہے یا نہیں اور اگر یہ جمعہ بوجہ نفسانیت بھی ہو تو اس میں جمعہ پڑھ کر لال کورتی میں تین جگہ جمعہ کرنا کیسا ہے؟

**الجواب:** اول تو اسی میں اختلاف ہے کہ ایک بستی میں کئی جگہ جمعہ جائز ہے یا نہیں اگرچہ واسطے دفع حرج کے اکثر علماء اسی طرف ہیں کہ جائز ہے پھر مجوزین کی تعداد اس میں مختلف ہے کہ آیا دو جگہ سے زیادہ بھی جائز ہے یا نہیں اگرچہ بوجہ اطلاق دلیل رائج یہی ہے کہ جائز ہے۔

وتؤدی فی مصر واحد بمواضع كثيرة مطلقا علی المذهب وعلیہ الفتوی شرح المجمع للینی وإمامة فتح القدير دفعا للحرج وعلی المرجوح فالجمعة لمن سبق تحريمة وتفسد بالمعية والاشتباه. در مختار، وبما ذكرنا اندفع ما في البدائع من أن ظاهر الرواية: جوازها في موضعين لا في أكثر وعلیہ الاعتماد شامی مصری جلد اول ص ۵۴۱ (۱)

← وذكر هن وأمرهن بالصدقة، فرأيتهن يهوين بأيديهن، يقذفنه في ثوب بلال، ثم انطلق هو وبلال إلى بيته. (بخاري شريف، كتاب العيدين، باب العلم الذي بالمصلي، النسخة الهندية ۱/۱۳۳، رقم: ۹۶۷، ف: ۹۷۷) شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

(۱) الدر المختار مع الشامی، کتاب الصلاة، باب الجمعة، مکتبہ زکریا دیوبند

۱۵/۱۶ - ۱۴۴/۲ کراچی ۱۴۵

وتؤدی فی مصر فی مواضع (کنز) وفي البحر: (أي يصح أداء الجمعة في مصر واحد بمواضع كثيرة وهو قول أبي حنيفة، ومحمد وهو الأصح؛ لأن في الاجتماع في موضع واحد في مدينة كبيرة حرجاً بيناً وهو مدفوع كذا ذكر الشارح وذكر الإمام السرخسي أن الصحيح من مذهب أبي حنيفة جواز إقامتها في مصر واحد في مسجدين وأكثر، وبه نأخذ لإطلاق ←

یہ سب اختلاف اس صورت میں ہے کہ از راہ نفسانیت نہ ہو ورنہ کسی کے نزدیک جائز نہیں اگرچہ سقوط واجب ہو جائے گا پس صورت مسئلہ میں اگر از راہ نفسانیت بھی نہ ہوتا جب بھی بہتر نہ تھا کیونکہ خواہ مخواہ اختلاف علماء میں پڑنا کون ضرور ہے۔ دوسری وجہ جواز تعدد دفع حرج ہے کہ ایک مسجد میں دور و دراز سے سب کا آنا دشوار ہوگا اور لال کورتی جیسی چھوٹی جگہ میں یہ بھی حرج نہیں۔ فاذا فاتت العلة فات المعلول چر جائیکہ یہ تفریق از راہ نفسانیت ہو تو بہت بیجا اور مشابہت ہے اہل مسجد ضرار کے ساتھ کہ جن کی شان میں ہے۔ والذین اتخذوا مسجدا ضاراً و کفراً و تفریقاً بین المؤمنین الخ (۱) اعاذنا اللہ منہ و جمیع المسلمین

← لاجمعة إلا في مصر، شرط المصر فقط، وفي فتح القدير: الأصح الجواز مطلقاً خصوصاً إذا كان مصرًا كبيراً كمصرنا، فإن في إلزام اتحاد الموضع حرجاً بيناً لاستدعائه تطويل المسافة على الأكثر، وذكر في باب الإمامة أن الفتوى على جواز التعدد مطلقاً، وبما ذكرناه اندفع ما في البدائع من أن ظاهر الرواية جوازها في موضعين ولا يجوز في أكثر من ذلك وعليه الاعتماد الخ، فإن المذهب الجواز مطلقاً. (البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب صلاة الجمعة، مكتبة زكريا ديوبند ۲/۲۵۰، كوئٹہ ۲/۱۴۲)

وعن محمد بجوز تعددها مطلقاً، ورواه عن أبي حنيفة ولهذا قال السرخسي: الصحيح من مذهب أبي حنيفة جواز إقامتها في مصر واحد في مسجدين فأكثر وبه نأخذ لإطلاق "لاجمعة إلا في مصر" شرط المصر، فإذا تحقق تحقق في حق كل منها. (فتح القدير، كتاب الصلاة، باب الجمعة، مكتبة زكريا ديوبند ۲/۵۱-۵۲، كوئٹہ ۲/۲۵۰)

وتؤدى الجمعة في مصر في موضع منه رواه محمد عن الإمام، وهو الصحيح، وفي باب الإمامة من فتح القدير، وعليه الفتوى، دفعاً للخرج اللازم من إلزام الاجتماع في موضع واحد خصوصاً إذا كان مصرًا كبيراً كمصرنا، وخص الثاني: الجواز بموضعين وجعله في البدائع ظاهر الرواية، قال: وعليه الاعتماد وما عن محمد من إطلاق الجواز في ثلاث مواضع فمحمول على موضع الحاجة والضرورة. (النهر الفائق، كتاب الصلاة، باب صلاة الجمعة، مكتبة زكريا ۱/۳۵۴)

بدائع الصنائع، كتاب الصلاة، شرائط الجمعة، مكتبة زكريا ديوبند ۱/۵۸۶-۵۸۷

مجمع الأنهر، كتاب الصلاة، باب صلاة الجمعة، مكتبة دار الكتب العلمية بيروت ۱/۲۴۷

(۱) سورة التوبة آیت: ۱۰۷۔ شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

ہاں جس جگہ پہلے سے جمعہ ہوتا ہے اگر وہاں کوئی خرابی شرعی ہو اور اس کا تدارک بجز کنارہ کشی کے ممکن نہ ہو تو بیشک اس علیحدگی میں کچھ مضائقہ نہیں۔ واللہ اعلم

۱۳ شعبان ۱۴۰۲ھ (امداد ص ۱۰۲ ج ۱)

**سوال (۵۷۶):** قدیم ۱/۶۵۱- دیہاتوں میں جہاں چند جگہ جمعہ ہوتا ہے تو ان میں جہاں پہلے ہو ان کا جمعہ صحیح ہونا اور باقی کا غیر صحیح ہونا کسی ادلہ شریعت سے ثابت ہے یا نہیں؟ فقط،

**الجواب:** روی الشیخان عن ابن عباس، أن النبی ﷺ صلی یوم الفطر رکعتین لم یصل قبلها ولا بعدهما۔ (۱)

اس حدیث اور نیز دوسری بہت سی احادیث سے ثابت ہوتا ہے کہ سلف سے لیکر خلف تک جس طرح فعل نبوی سے کسی حکم پر استدلال کرتے رہے ہیں اسی طرح ترک سے بھی استدلال کیا کئے ہیں اسی بناء پر عمید کے قبل اور بعد کی نوافل کو فقہاء نے مکروہ کہا ہے اور اپنے محل میں ثابت ہے کہ آپ کے زمانہ میں قاطبہ کسی امر کا معمول ہونا یا عامۃ کسی امر کا متروک ہونا اور آپ کا اس پر سکوت فرمانا یہ حدیث تقریری اور مثل حدیث قولی یا فعلی کے اثبات حکم میں ہے اس کے بعد غور کرنا چاہئے کہ عہد نبوی یا خلفائے راشدین رضی اللہ تعالیٰ عنہم میں ایک مصرع میں چند مساجد میں جمعہ ہونا کہیں منقول نہیں دیکھا گیا اور اگر کہیں ہو تو کہا جاوے گا کہ مانع تعدد کو وہ روایت نہیں پہنچی۔ پس اس بناء پر نظر اُلی الامرین المذکورین مانع اس طرح استدلال کر سکتا ہے کہ آپ کے زمانہ میں تعدد کا بالعموم متروک ہونا دلیل اس کے عدم مشروعیت کی ہے اور مقصود اس استدلال کے نقل کرنے سے اس منع کی تقویت نہیں ہے کیونکہ خود علمائے مذہب نے اس قول کے مرجوح ہونے کی تصریح کر دی ہے۔

(۱) عن ابن عباس، أن النبی صلی اللہ علیہ وسلم صلی یوم الفطر رکعتین لم یصل قبلها ولا بعدها، ثم أتى النساء ومعه بلال، فأمرهن بالصدقة، فجعلن یلقین تلقی المرأة خرصها وسخابها (بخاری شریف، کتاب الصلاة، کتاب العیدین، باب الخطبة بعد العید، النسخة الهندية ۱/۱۳۱، رقم: ۹۵۴، ف: ۹۶۴)

مسلم شریف، کتاب صلاة العیدین، باب ترك الصلاة قبل العید وبعدها في المصلی، النسخة الهندية ۱/۲۹۱، بیت الأفكار رقم: ۸۸۴۔

ترمذی شریف، کتاب الصلاة، باب ما جاء لا صلاة قبل العیدین ولا بعدها، النسخة الهندية ۱/۱۲۰، دار السلام رقم: ۵۳۷۔

کما فی الدر المختار: وتؤدی فی مصر واحد بمواضع كثيرة مطلقاً علی المذهب وعلیه الفتوی۔ شرح المجمع للعینی وإمامة فتح القدير دفعا للخرج. (۱)

اور یہ مجوزین اس استدلال کا یہ جواب دے سکتے ہیں کہ ترک وہ حجت ہے جو قصداً ہو اور یہ امر مجتہد کو ذوقاً قرآن سے معلوم ہو جاتا ہے اور تعدد جمعہ کا ترک اتفاقاً تھا ادھر اجتماع کا شوق تھا اور حضور ﷺ کے

- (۱) الدر المختار مع الشامی، کتاب الصلاة، باب الجمعة، مکتبہ زکریا دیوبند ۱۶-۱۵/۳، کراچی ۱۴۴۲-۱۴۵
- وعن محمد يجوز تعددها مطلقاً، ورواه عن أبي حنيفة، ولهذا قال السرخسي: الصحيح من مذهب أبي حنيفة جواز إقامتها في مصر واحد في مسجدين فأكثر وبه نأخذ لإطلاق "لا جمعة إلا في مصر" شرط المصر، فإذا تحقق حقق في حق كل منها. (فتح القدير، كتاب الصلاة، باب الجمعة، مکتبہ زکریا دیوبند ۱۶/۲-۵۲، کوئٹہ ۲/۲۵)
- وتؤدی الجمعة في مصر في مواضع منه رواه محمد عن الإمام، وهو الصحيح، وفي باب الإمامة من فتح القدير، وعلیه الفتوی، دفعا للخرج اللازم من إلزام الاجتماع في موضع واحد خصوصاً إذا كان مصرًا كبيرًا كمصرنا، وخص الثاني: الجواز بموضعين وجعله في البدائع ظاهر الرواية، قال: وعلیه الاعتماد وما عن محمد من إطلاق الجواز في ثلاث مواضع فمحمول علی موضع الحاجة والضرورة. (النهر الفائق، کتاب الصلاة، باب صلاة الجمعة، مکتبہ زکریا ۱/۳۵۴)
- البحر الرائق، کتاب الصلاة، باب صلاة الجمعة، مکتبہ زکریا دیوبند ۲/۲۵۰، کوئٹہ ۲/۱۴۲
- بدائع الصنائع، کتاب الصلاة، شرائط الجمعة، مکتبہ زکریا دیوبند ۱/۵۸۶-۵۸۷
- مجمع الأنهر، کتاب الصلاة، باب صلاة الجمعة، مکتبہ دارالکتب العلمیة بیروت ۱/۲۴۷
- شامی مع الدر المختار، کتاب الصلاة، باب الجمعة، مکتبہ زکریا دیوبند ۱۶/۳، کراچی ۱۴۵۲-شیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ



ساتھ نماز پڑھنے کا ذوق تھا ہفتہ میں ایک بار ذرا اہتمام کر لینے میں کچھ حرج نہیں تھا اس لئے تعدد کی نوبت نہ آئی اس سے عدم مشروعیت ثابت نہیں ہوتی خصوص جبکہ اس میں حرج بھی ہو جو خود مستقل مقتضی ہے توسع کو چنانچہ دفعاً للخرج کہنا اس طرف مشیر ہے اور چونکہ اس جواب کے بعد دلیل منع کا ضعف خود ثابت ہو گیا اس ضعیف ہونے کو مثل دلیل مفقود ہونے کے کہہ دیا گیا ہے۔

كما في رد المحتار: ولم يوجد دليل عدم جواز التعدد بل قضية الضرورة عدم اشتراطه. اور اسی حرج کے مٹنے ہونے پر نظر کر کے موضعین یا مواضع کثیرہ کے اقوال میں بھی تطبیق ہو گئی کہ مختلف مقامات پر مختلف ضرورتیں معلوم ہوئیں اور گویہ دلیل منع کی ضعیف تھی مگر موقع احتیاط میں ضعیف پر نظر ہونا جواب (\*) سوال اول میں بیان ہو چکا ہے۔ فقط

۶/محرم الحرام ۱۳۲۸ھ (تمتہ اولیٰ ص ۲۸)

## بوقت خطبہ عصائہا تھ میں لینا

**سوال (۵۷۷):** قدیم ۱/۵۳ - خطیب کو وقت خطبہ عصاء یا لکڑی ہاتھ میں لینا سنت ہے یا مستحب؟

(۲) نیز دہنے ہاتھ میں لیوے یا بائیں میں، اگر دہنے ہاتھ میں عصاء لیوے اور بائیں میں خطبہ تو خلاف ادب تو نہیں؟

(۳) آں رسول مقبول ﷺ کا ایکا علی العصاء کبر سنی یا ضعف پر محمول ہے یا سنت مستمرہ؟

**الجواب:** عادت نہ کرے ضرورت میں مضائقہ نہیں۔

وهو وجه الجمع بين حديث أبي داود فقام ﷺ متوكئاً على عصي أو قوس. (۱)

(\*) مراد اس سے وہ سوال ہے جو اس سوال سے کچھ پہلے ۵۵۴/۵ پر درج ہے ۱۲ سعید احمد پالن پوری

(۱) عن شعيب بن زريق الطائفي قال: جلست إلى رجل له صحبة من رسول الله صلى الله عليه وسلم يقال له الحاكم بن حزن الكلبي (إلى قوله) فأقمنا بها أياما شهدنا فيها الجمعة مع رسول الله صلى الله عليه وسلم، فقام متوكئاً على عصا أو قوس فحمد الله وأثنى عليه الحديث. (أبو داود شريف، كتاب الصلاة، باب الرجل يخطب على قوس، النسخة الهندية

- وبین قول الفقهاء يكره أن يتكئ على قوس أو عصا. (۱)  
 (۲) ظاهراً کچھ حرج نہیں۔  
 (۳) استمرار کا کوئی صیغہ نظر سے نہیں گزرا۔

۲۳ رجب المرجب ۱۳۵۹ھ

← عن أبي جناب عن يزيد بن البراء عن أبيه أن النبي صلى الله عليه وسلم خطبهم يوم عيد وفي يده قوسٌ أو عصا. (مصنف لابن أبي شيبة، كتاب الصلاة، العشاء يتوكأ عليها إذا خطب مؤسسة علوم القرآن ۴/ ۱۷۷، رقم: ۵۶۰۸)

عن ابن جريج قال: قلت لعطاء: أكان رسول الله صلى الله عليه وسلم يقوم إذا خطب على عصا؟ قال: نعم! وكان يعتمد عليها اعتماداً. (السنن الكبرى للبيهقي، باب الإمام يعتمد على عصا أو قوس أو ما أشبههما، دار الفكر بيروت ۴/ ۴۴۷، رقم: ۵۸۴۸)

عبد الرزاق عن معمر قال: سمعت بعض أهل المدينة يذكر أن النبي صلى الله عليه وسلم، كان إذا خطب اعتمد على عصاه اعتماداً. (مصنف عبد الرزاق، باب اعتماد رسول الله صلى الله عليه وسلم على العصا، دار الكتب العلمية ۳/ ۸۱، رقم: ۵۲۶۰)

سنن ابن ماجه، كتاب الصلاة، باب ماجاء في الخطبة يوم الجمعة، النسخة الهندية ص: ۷۷، دار السلام رقم: ۱۱۰۷۔

المعجم الكبير للطبراني، دار إحياء التراث العربي ۶/ ۳۹، رقم: ۵۴۴۸، ۱۱/ ۳۱۰، رقم: ۱۲۰۹۸۔

مسند أحمد بن حنبل ۴/ ۲۸۲، رقم: ۱۸۶۸۲۔

(۱) الدر المختار مع الشامی، کتاب الصلاة، باب الجمعة، مکتبہ زکریا دیوبند ۴۱/ ۳، کراچی ۲/ ۱۶۳۔

ظاهر ما في الخلاصة كراهة ذلك فإنه قال: ويكره أن يخطب متكئاً على قوس أو عصا الخ. (البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب صلاة الجمعة، مکتبہ زکریا دیوبند ۲/ ۲۶۰، کوئٹہ ۲/ ۱۴۸)

خلاصة الفتاوى، كتاب الصلاة، الفصل الثالث والعشرون في صلاة الجمعة، مکتبہ اشرفیہ دیوبند ۱/ ۲۰۵۔ شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

## جمعہ کی نماز کے تکرار کا حکم

**سوال (۷۵۸):** قدیم ۱/۲۵۳ - تکرار جماعت نماز جمعہ جائز ہے یا نہیں اور اگر ہے تو بلا کراہت جائز ہے یا کراہت اور در صورت جواز کے کہ بلا کراہت ہو اولیٰ نماز جمعہ پڑھنا ہے یا نماز ظہر؟

**الجواب:** في الدر المختار: وكذا أهل مصر فاتتهم الجمعة فإنهم يصلون الظهر بغير أذان ولا إقامة ولا جماعة - وفيه قبل هذه العبارة وأفاد أن المسجد تغلق يوم الجمعة إلا الجامع. وفي رد المحتار: إلا الجامع أي الذي تقام فيه الجمعة فإن فتحه في وقت الظهر ضروري والظاهر أنه يغلق أيضاً بعد إقامة الجمعة. الخ (۱)

ان روایات سے واضح ہوتا ہے کہ تکرار جماعت نماز جمعہ مشروع نہیں ہے ورنہ فوت جمعہ سے علی التبعین ادائے ظہر کا امر اگرچہ کسی مجمع ہی کا جمعہ فوت ہو گیا ہونہ ہوتا اور خود جامع مسجد اور دوسری مساجد کا اغلاق بعد نماز جمعہ مامور بہ نہ ہوتا کیونکہ احتمال تکرار جمعہ کا رہتا۔

أما الصحة أو عدم الصحة فلم يتعرضوا لها وإن كان مقتضى القواعد هي الصحة مع الكراهة وأما التعدد فجوازه للضرورة ولا ضرورة في التكرار. (۲)

(۱) الدر المختار مع الشامي، كتاب الصلاة، باب الجمعة، مكتبه زكريا ديوبند ۳/۳۳،

کراچی ۲/۱۵۷ -

قال في الظهيرية: جماعة فاتتهم الجمعة في المصر فإنهم يصلون الظهر بغير أذان ولا إقامة ولا جماعة. (البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب صلاة الجمعة، مكتبه زكريا ديوبند ۲/۲۶۹، كوئٹہ ۲/۱۵۴)

وكره تحريماً للمعذور والمسجون والمسافر ومن فاتتهم الجمعة بمصر يومها قبل الجمعة وبعدها لتقليل الجماعة وصورة المعارضة. (سكب الأنهر على مجمع الأنهر، كتاب الصلاة، باب صلاة الجمعة، دار الكتب العلمية بيروت ۱/۲۵۲)

(۲) وتؤدي في مصر واحدٍ بمواضع كثيرة مطلقاً على المذهب وعليه الفتوى. شرح المجمع للعيني، وإمامة فتح القدير دفعا للحرَج. (الدر المختار مع الشامي، كتاب الصلاة، باب الجمعة، مكتبه زكريا ديوبند ۳/۱۵۰-۱۶، كراچی ۲/۱۴۴-۱۴۵) ←

پس ایسے لوگوں کو نماز ظہر ہی بلاجماعت پڑھنا چاہئے۔ واللہ اعلم

۲۵/شوال ۱۳۲۶ھ (تمہ اولیٰ ص ۱۳)

**سوال (۵۷۹):** قدیم ۱/۶۵۴ - چہ می فرماید علمائے دین اندرین مسئلہ کہ صلوٰۃ جمعہ از چند کس اگر اتفاقاً فوت شدہ باشد پس اوشاں صلوٰۃ جمعہ را خوانند یا نماز ظہر منفرداً و اساساً از بتقدیر اول نماز بصحن مسجد کہ برائے نماز موضوع نیست بلکہ در اں کشفہا میدارند جائز است یا نہ و دہلیز اوشاں ہم موجود است۔

← وتؤدی الجمعة في مصر في مواضع منه رواه محمد عن الإمام، وهو الصحيح، وفي باب الإمامة من فتح القدير، وعليه الفتوى، دفعاً للخرج اللازم من إلزام الاجتماع في موضع واحد خصوصاً إذا كان مصرًا كبيرًا كمصرنا، وخص الثاني: الجواز بموضعين وجعله في البدائع ظاهر الرواية، قال: وعليه الاعتماد وما عن محمد من إطلاق الجواز في ثلاث مواضع فمحمول على موضع الحاجة والضرورة. (النهر الفائق، كتاب الصلاة، باب صلاة الجمعة، مكتبة زكريا ديوبند ۱/۳۵۴)

وتؤدي في مصر في مواضع (كنز) وفي البحر: أي يصح أداء الجمعة في مصر واحد بمواضع كثيرة وهو قول أبي حنيفة، ومحمد وهو الأصح؛ لأن في الاجتماع في موضع واحد في مدينة كبيرة حرجًا بيّنًا وهو مدفوع كذا ذكر الشارح وذكر الإمام السرخسي أن الصحيح من مذهب أبي حنيفة جواز إقامتها في مصر واحد في مسجدين وأكثر، وبه نأخذ لإطلاق لا جمعة إلا في مصر، شرط المصر فقط، وفي فتح القدير: الأصح الجواز مطلقاً خصوصاً إذا كان مصرًا كبيرًا كمصرنا، فإن في إلزام اتحاد الموضع حرجًا بيّنًا لاستدعائه تطويل المسافة على الأكثر. (البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب صلاة الجمعة، مكتبة زكريا ديوبند ۲/۲۵۰، كوئثه ۲/۱۴۲)

مجمع الأنهر، كتاب الصلاة، باب صلاة الجمعة، مكتبة دار الكتب العلمية بيروت ۱/۲۴۷ -

حلبی کبیری، کتاب الصلاة، صلاة الجمعة، مكتبة اشرفية ديوبند ص: ۵۵۲ -

شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

وپوشیدہ نمائد کہ در ہمہ مسجد چا نگام بل بنگالہ جمعہ می شود؟ (\*)

**الجواب:** في الدر المختار: وأفاد أن المساجد تغلق يوم الجمعة إلا الجامع وكذا أهل مصر فاتتهم الجمعة فإنهم يصلون الظهر بغير أذان ولا إقامة ولا جماعة الخ

وفي رد المحتار قوله إلا الجامع أي الذي تقام فيه الجمعة (ج ۱ ص ۸۵۶) (۱)

اس روایت سے معلوم ہوا کہ جن مساجد میں جمعہ ہوتا ہے اگر ان سے کسی مسجد میں جمعہ مل سکے تو وہاں پڑھ لے لگواز تعدد الجمعة (۲) اور اگر ان میں سے کسی میں نہ ملے تو منفرداً ظہر پڑھے نئی جگہ جمعہ نہ پڑھے۔

۸/شعبان ۱۳۳۳ھ (تمہ ثالثہ ص ۵۹)

(\*) خلاصہ سوال: اگر اتفاقاً چند آدمیوں کی نماز جمعہ فوت ہو جائے تو وہ لوگ جمعہ کی نماز پڑھیں یا ظہر، تنہا تنہا پڑھیں؟ پہلی صورت میں مسجد کے صحن میں جو نماز کے لئے نہیں ہے؛ بلکہ وہاں جوتے رکھتے ہیں نماز جمعہ پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟ ان لوگوں کے گھر بھی موجود ہیں (تو کیا کسی گھر میں جمعہ کی نماز پڑھیں؟ واضح رہے کہ چا نگام کی تمام ہی مساجد میں جمعہ کی نماز ہوتی ہے۔ ۱۲ سعید احمد پالن پوری

(۱) الدر المختار مع الشامی، کتاب الصلاة، باب الجمعة، مکتبہ زکریا دیوبند ۳/۳۳،

کراچی ۲/۱۵۷۔

قال في الظهيرية: جماعة فاتتهم الجمعة في المصر فإنهم يصلون الظهر بغير أذان ولا إقامة ولا جماعة. (البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب صلاة الجمعة، مکتبہ زکریا دیوبند

۲/۲۶۹، کوئٹہ ۲/۱۵۴)

وكره تحريماً للمعذور والمسجون والمسافر ومن فاتتهم الجمعة بمصر أداء الظهر بجماعة في المصر يومها قبل الجمعة وبعدها لتقليل الجماعة وصورة المعارضة. (سكب الأنهر على مجمع الأنهر، كتاب الصلاة، باب صلاة الجمعة، دار الكتب العلمية بيروت ۱/۲۵۲)

(۲) وتؤدي في مصر واحد بمواضع كثيرة مطلقاً على المذهب وعليه الفتوى. شرح المجمع للعيني، وإمامة فتح القدير دفعا للحرج. (الدر المختار مع الشامی، کتاب الصلاة، باب الجمعة، مکتبہ زکریا دیوبند ۳/۱۵-۱۶، کراچی ۲/۱۴۴-۱۴۵)

وتؤدي الجمعة في مصر في مواضع منه رواه محمد عن الإمام، وهو الصحيح، ←

## غیر عربی میں خطبہ پڑھنے کا حکم

**سوال (۵۸۰):** قدیم ۱/۶۵۴ - حضرت والا السلام علیکم ورحمۃ اللہ، یہاں خطبہ غیر زبان عربی کے بارہ میں شبہ پیدا ہوا ہے بہشتی گوہر میں ہے کہ دونوں خطبوں کا عربی زبان میں ہونا اور کسی زبان میں خطبہ پڑھنا یا اس کے ساتھ کسی اور زبان کے اشعار وغیرہ ملا دینا جیسا کہ ہمارے زمانہ میں بعض عوام کا دستور ہے خلاف سنت مؤکدہ اور مکروہ تحریمی ہے آھ، اس وقت تک جن کتابوں میں دیکھا گیا یہ الفاظ بتصریح نہ ملے لہذا رجوع الی المؤلف کے سوا چارہ نہ دیکھ کر یہ عریضہ ارسال خدمت ہے امید کہ اصل منقول عنہ کی عبارت سے دستگیری فرمائی جائے تاکہ رفع نزاع ہو؟

← وفي باب الإمامة من فتح القدير، وعليه الفتوى، دفعًا للحرص اللازم من إلزام الاجتماع في موضع واحد خصوصًا إذا كان مصرًا كبيرًا كمصرنا. (النهر الفائق، كتاب الصلاة، باب صلاة الجمعة، مكتبة زكريا ديوبند ۱/۳۵۴)

وتؤدي في مصر في مواضع (كنز) وفي البحر: أي يصح أداء الجمعة في مصر واحد بمواضع كثيرة وهو قول أبي حنيفة، ومحمد وهو الأصح؛ لأن في الاجتماع في موضع واحد في مدينة كبيرة حرجًا بيننا وهو مدفوع كذا ذكر الشارح وذكر الإمام السرخسي أن الصحيح من مذهب أبي حنيفة جواز إقامتها في مصر واحد في مسجدين وأكثر، وبه نأخذ لإطلاق لا جمعة إلا في مصر، شرط المصر فقط، وفي فتح القدير: الأصح الجواز مطلقًا خصوصًا إذا كان مصرًا كبيرًا كمصرنا، فإن في إلزام اتحاد الموضع حرجًا بيننا لاستدعائه تطويل المسافة على الأكثر. (البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب صلاة الجمعة، مكتبة زكريا ديوبند ۲/۲۵۰، كوئٹہ ۲/۱۴۲)

حلبی کبیری، کتاب الصلاة، صلاة الجمعة، مكتبة اشرفية ديوبند ص: ۵۵۱ - مجمع الأنهر، كتاب الصلاة، باب صلاة الجمعة، مكتبة دارالكتب العلمية بيروت ۱/۲۴۷ - فتح القدير، كتاب الصلاة، باب الجمعة، مكتبة زكريا ديوبند ۲/۵۱-۵۲، كوئٹہ ۲/۲۵۰ -

شہیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

**الجواب:** رسول اللہ ﷺ کی مواظبت خطبہ بالعربیہ پر ظاہر ہے اور اس کی عربیہ کی مقصودیت حضرات صحابہؓ کے ممالک عجم میں باوجود بعض صحابہؓ کے عارف بالفارسیہ ہونے اور باوجود حاجت سامعین کے غیر عربی میں نہ پڑھنے سے ثابت ہے۔ (۱) جب یہ عربیہ مقصود بالمواظبت ہوئی تو اس قید کی رعایت سنت مؤکدہ ہو گئی اور سنت مؤکدہ کے ترک کو فقہاء نے موجب اثم (وإن كان دون اثم ترك الواجب) اور بعض جزئیات میں موجب فسخ قرار دیا ہے۔ جو کراہت تحریمیہ پر دلالت کے لئے کافی ہیں۔ اور اس کی بعض جزئیات کو خود اسی عنوان مکروہ تحریمی کا محکوم علیہ بنایا ہے وہ عبارات یہ ہیں:

(۱) الكراهة إنما هي لمخالفة السنة؛ لأن النبي صلى الله عليه وسلم وأصحابه قد خطبوا دائماً بالعربية ولم ينقل عن أحد منهم أنهم خطبوا خطبة ولو خطبة غير الجمعة بغير العربية. (مجموعة رسائل اللكنوي رسالة آكام النفائس في أداء الأذكار بلسان الفارس ۴/ ۴۴، بحوالہ فتاوی محمودیہ ڈابھیل ۲۲۱/ ۸)

فإنه لا شك في أن الخطبة بغير العربية خلاف السنة المتوارثة من النبي صلى الله عليه وسلم والصحابة رضوان الله تعالى عليهم أجمعين، فيكون مكروهاً تحريماً. (عمدة الرياسة على هامش شرح الوقاية، كتاب الصلاة، باب أحكام صلاة الجمعة، مكتبه اشرفية ديوبند ۲۰۰/ ۱)

الخطبة بالفارسية وغيرها من اللغات الغير العربية بدعة، وكل بدعة ضلالة، والضلالة أدنى درجاتها الكراهة..... ووجه كونه بدعة أنه لم يكن في القرون الثلاثة. (مجموعة رسائل اللكنوي، رسالة آكام النفائس في أداء الأذكار بلسان الفارس ۴/ ۴۴، بحوالہ كفايت المفتي جديد مطول ۲۰۳/ ۵)

الخطبة يوم الجمعة وفي العيدين بغير اللسان العربي أو ترجمتها بالعجمي أحد ثواب ذلك بعد قرون الخير بلا إثارة من علم. (مجموعة الفتاوى على هامش خلاصة الفتاوى، كتاب الصلاة، مكتبه اشرفية ديوبند ۱۴۵/ ۱)

قال العلامة اللكنوي في آكام النفائس: الخطبة بالفارسية التي أحد ثوابها واعتقدوا حسننها ليس الباعث إليها إلا عدم فهم العجم اللغة العربية، وهذا الباعث قد كان موجوداً ←

في الدر المختار: هي (أي السنة المؤكدة) كالواجبة في لحوق الإثم. وفي رد المحتار: يعني وإن كان مقولاً بالتشكيك نهر ج ۱ ص ۳۹۸ (۱) وفي رد المحتار: والصحيح أنه يَأْثَمُ (بترك سنن الصلوات الخمس) ذكره في فتح القدير: وتصريحهم بالإثم لمن ترك الجماعة مع أنها سنة مؤكدة على الصحيح ج ۱ ص ۱۰۸ (۲) وفيه أيضاً وصرحوا بفسق تاركها (أي الجماعة مع كونها سنة مؤكدة على الصحيح كما مر) وتعزيزه وأنه يَأْثَمُ إلى قوله مع أن صلاته منفرداً مكروهة تحريماً أو قريية في التحريم ج ۱ ص ۴۷۵ (۳) .....

← في عصر خير البرية، وإن كان فيه اشتباهاً فلا اشتباه في عصر الصحابة والتابعين، ومن بعدهم من الأئمة المجتهدين حيث فتحت الأمصار الشاسعة والديار الواسعة وأسلم أكثر الحبش والروم وغيرهم من الأعجام وحضروا مجالس الجمع والأعياد وغيرها من شعائر الإسلام، وقد كان أكثرهم لا يعرفون اللغة العربية ومع ذلك لم يخطب أحد منهم بغير العربية ولما ثبت وجود الباعث في تلك الأزمنة، وفقدان المانع والتكاسل ونحوه معلوم بالقواعد المبرهنة لم يبق إلا الكراهة التي هي أدنى درجات الضلالة. (مجموعة رسائل اللكنوي، آكام النفائس في أداء الأذكار بلسان الفارس، مكتبه إدارة القرآن كراچی ۴/۷۴، بحواله فتاوى محمودیه میرٹھ ۱۲/۳۵۰)

مجموعة الفتاوى على هامش خلاصة الفتاوى، كتاب الصلاة، باب صلاة الجمعة، مكتبه اشرفية ديوبند ۱/۱۵۱

(۱) الدر المختار مع الشامی، كتاب الصلاة، باب الأذان، مكتبه زكريا ديوبند

۲/۴۸، كراچی ۱/۳۸۴

(۲) شامي مع الدر المختار، كتاب الطهارة، مطلب في السنة وتعريفها، مكتبه

زكريا ديوبند ۱/۲۲۰، كراچی ۱/۱۰۴

(۳) شامي مع الدر المختار، كتاب الصلاة، صفة الصلاة، مطلب كل صلاة

أديت مع كراهة التحريم تجب إعادتها، مكتبه زكريا ديوبند ۲/۱۴۸،

كراچی ۱/۴۵۷ - شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ



اگر اس جواب سے اطمینان نہ ہو تو علم الفقہ کے (کہ بہشتی گو ہر اسی کا اختصار ہے جس میں سرسری نظر سے نشان بنانے سے کام لیا گیا ہے بوجہ اعتماد کے تعق نظر کی نوبت نہیں آئی) مصنف سے جو اس مضمون کے اصل کاتب ہیں تحقیق کر لیا جاوے امید ہے کہ اس سے زیادہ کافی و شافی جواب ملے۔

۲ جمادی الاول ۱۳۳۵ھ (تتمہ خامسہ ص ۱۰)

**سوال (۵۸۱):** قدیم ۱/۲۵۵ - فإن لم تجز أيضا فما المراد في هذه الصورة بالقول بأنها نصيحة ووعظ في كلا أسبوع بينوا بالدليل الشافي الكافي على مذهب الحنفية؟ (\*)

**الجواب (\*\*):** هذا بيان لحقيقة الخطبة ولا يلزم منها اختيار لسان المخاطب وليت شعري ماذا يفعل الخطيب لو حضر الخطبة جمع مختلف الألسنة على أنه منقوض بقوله تعالى في شأن القرآن: وانه لتذكرة للمتقين. (۱)

(\*) **ترجمہ سوال:** پس اگر جائز نہیں ہے، تو پھر خطبہ کو جو ہفتہ واری وعظ و پند کہا گیا ہے اس کا کیا

مطلب ہے؟

(\*\*) **ترجمہ جواب:** یہ خطبہ کی حقیقت کا بیان ہے؛ لیکن اس کی وجہ سے مخاطبین کی زبان کا اختیار کرنا لازم نہیں ہے، بھلا بتلائے تو سہی کہ جب حاضرین جمع مختلف زبانیں بولنے والے ہوں تو اس وقت پیچارہ خطیب کیا سبیل اختیار کرے گا؟

علاوہ بریں یہ دلیل اس لئے بھی غلط ہے کہ قرآن پاک کے متعلق ارشاد باری ہے: وَإِنَّهُ لَتَذْكُرَةٌ لِّلْمُتَّقِينَ. (اور بلاشبہ یہ قرآن متقیوں کے لئے نصیحت ہے) اور ارشاد ہے: إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَذِكْرًا (اس میں اس شخص کے لئے بڑی عبرت ہے) وغیرہ وغیرہ بے شمار آیات ہیں تو کیا پھر جب قرآن وعظ و نصیحت ہے؛ اس لئے نماز میں عجمی زبانوں میں قراءت کرنے کی اجازت دیدی جائے گی۔

مسئلہ کی (حقیقی) وجہ یہ ہے کہ خطبہ قراءت کی طرح تعبدی امر ہے؛ لہذا اس میں نقل کی اتباع لازم ہے ورنہ صحابہ سے۔ جب انہوں نے فارس فتح کیا اور وہاں جمعہ قائم کیا، اس وقت وہاں۔ فارسی میں خطبہ دینا ثابت ہوتا؛ لیکن کسی صحابی سے یہ منقول نہیں ہے، پس اس وقت معاملہ ہر ماہر کے لئے ظاہر ہے۔ واللہ اعلم

**نوٹ:** اس سوال و جواب کا ابتدائی حصہ ۵۶۵/ پر گزرا ہے۔ ۱۲ سعید احمد پالن پوری

وقوله تعالى: 'ان في ذلك لذكرى'. (١) ونحوهما من الآيات التي لا تحصى فهل يحكم بجواز قراءة في الصلوة باللسان العجمي بناء على أنه نصيحة ووعظ. وفقه المسئلة أن الخطبة أمر تعبدى كالقراءة فيجب فيها اتباع المنقول ولولا ذلك لنقل عن الصحابة قراءة بها بالفارسية لما فتح فارس وأقيم فيها الجمعة وكونها غير منقول ظاهر فاذن الأمر باهر على كل ماهر. (٢) والله اعلم

الثالث عشر من ربيع الاول ١٣٢٣هـ (تمتة خامسة ص ٣٥٨)

(١) سورة الزمر آيت: ٢١.

(٢) در كتاب آكام النفائس في أداء الأذكار بلسان الفارس مذکورست: الخطبة بالفارسية التي أحد ثوها واعتقدوا حسننها ليس الباعث إليها إلا عدم فهم العجم اللغة العربية، وهذا الباعث قد كان موجوداً في عصر خير البرية، وإن كان فيه اشتباهاً فلا اشتباه في عصر الصحابة والتابعين، ومن تبعهم من الأئمة المجتهدين حيث فتحت الأمصار الشاسعة والديار الواسعة وأسلم أكثر الحبش والروم وغيرهم من الأعجام وحضروا مجالس الجمع والأعياد وغيرها من شعائر الإسلام، وقد كان أكثرهم لا يعرفون اللغة العربية ومع ذلك لم يخطب أحد منهم بغير العربية ولما ثبت وجود الباعث في تلك الأزمنة، وفقدان المانع والتكاسل ونحوه معلوم بالقواعد المبرهنة لم يبق إلا الكراهة التي هي أدنى درجات الضلالة. (مجموعة الفتاوى على هامش خلاصة الفتاوى، كتاب الصلاة، الفصل الخامس عشر في الإمامة والإقتداء، في المانع من الإقتداء، مكتبة اشرفية ديوبند ١٥٠/١)

در كتاب آكام النفائس في أداء الأذكار بلسان الفارس مسطور ستوهذه عبارته الكراهة إنما هي لمخالفة السنة؛ لأن النبي صلى الله عليه وسلم وأصحابه قد خطبوا دائماً بالعربية ولم ينقل عن أحد منهم أنهم خطبوا خطبة ولو خطبة غير الجمعة بغير العربية. (مجموعة الفتاوى على هامش خلاصة الفتاوى، كتاب الصلاة، مكتبة اشرفية ديوبند ١٥٠/١)

فإنه لا شك في أن الخطبة بغير العربية خلاف السنة المتوارثة من النبي صلى الله عليه وسلم والصحابة رضوان الله تعالى عليهم أجمعين، فيكون مكروهاً تحريماً. (عمدة الرياسة على هامش شرح الوقاية، كتاب الصلاة، باب أحكام صلاة الجمعة، مكتبة بلال ديوبند ٢٠٠/١) شبير احمد قاسمي عفا الله عنه

**سوال (۵۸۲):** قدیم ۱/۶۵۷ - اگر خطبہ جمعہ وعیدین میں حمد ولعت عربی زبان میں پڑھ کر بقیہ تمام خطبہ مقتدیوں کے سمجھنے و فائدہ اٹھانے کی غرض سے اردو زبان میں پڑھا جائے تو کیا شرعاً جناب کے نزدیک جائز ہے خطبہ کا اصلی مقصد کیا ہے بعض لوگ اردو زبان کے داخل کرنے کو مکروہ تحریمی کہتے ہیں یہ کہاں تک جناب کے نزدیک صحیح ہے، براہ مہربانی نہایت ہی تفصیل کے ساتھ اس مسئلہ کو تحریر فرمائیے گا۔ جناب کی اس تکلیف فرمائی کا بہت ہی ممنون احسان ہوں گا؟

**الجواب:** قرآن مجید اور خطبہ کا دونوں کا اصلی مقصد ایک ہی ہے چنانچہ خطبہ کو قرآن مجید میں ذکر اللہ فرمایا ہے یہی لفظ ذکر قرآن مجید کیلئے فرمایا ہے: انا نحن نزلنا الذکر وانا له لحافظون۔ (۱) بلکہ قرآن مجید کیلئے لفظ ذِکْرَی بمعنی تذکر بھی وارد ہے۔ اِنْ هُوَ اِلَّا ذِکْرَی لِّلْعَالَمِیْنَ۔ (۲) پس اگر لفظ ذکر اس پر دال ہے کہ اس سے لوگوں کو ان کی زبان میں نصیحت کی جاوے تو چاہئے کہ قرآن مجید کی جگہ بھی یا اس کے ساتھ نماز میں حاضرین کی زبان میں ترجمہ پڑھا جاوے بلکہ لفظ ذِکْرَی اس پر زیادہ دال ہے اور اگر قرآن مجید سے تفہیم ناس کو خارج نماز کے ساتھ مخصوص کیا جاوے اور نماز میں محض تلاوت کا حکم کیا جاوے تو خطبہ سے تفہیم ناس کو بھی خارج بیعت خطبہ کہا جاوے۔ مثلاً خطبہ سے قبل یا نماز کے بعد پھر ضرورت تفہیم کو حضرات صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین ہم سے زیادہ جانتے تھے اور روم و فارس اس وقت فتح ہو چکا تھا اور حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم ان زبانوں کے جاننے والے بھی موجود تھے پھر کیا وجہ کہ اس وقت ایسا نہیں کیا گیا (۳) پھر اگر سامعین میں آٹھ دس زبانوں والے ہوں تو کیا خطیب کیلئے یہ شرط ہوگی کہ وہ سب زبانوں کا ماہر ہو اگر نہیں تو دوسری زبانوں والوں کی کیا رعایت ہوئی۔

۱۱ جمادی الاولیٰ ۱۳۴۳ھ (تمہ خامسہ ص ۳۶۲)

(۱) سورة الہود آیت: ۹۔

(۲) سورة الأنعام آیت: ۹۰۔

(۳) فی مجموعۃ الفتاویٰ لمولانا اللکنوی نقلًا عن آکام النفائس فی أداء الأذکار بلسان الفارس: الکراهۃ إنما هی لمخالفة السنة؛ لأن النبی صلی اللہ علیہ وسلم وأصحابہ قد خطبوا دائماً بالعربیۃ ولم ینقل عن أحد منهم أنهم خطبوا خطبۃ ولو خطبۃ غیر الجمعة بغیر العربیۃ - وفيہ - الخطبۃ بالفارسیۃ النبی أحد ثواہا واعتقدوا حسنہا لیس الباعث إلیہا ←

## سوال (۵۸۳): قدیم ۱/۶۵۷ - تمہید سوال وجواب آئندہ: فرمان شریعت

ایک عالم کا رسالہ ہے جس میں خطبہ کے عربی زبان میں ہونے کی ضرورت اور غیر عربی میں ہونے کی کراہت روایات فقہیہ سے ثابت کی گئی ہے اس پر احقر کی بھی تقریظ تھی ایک مقام سے احقر کے پاس

«إلا عدم فهم العجم اللغة العربية، وهذا الباعث قد كان موجوداً في عصر خير البرية، وإن كان فيه اشتباهاً فلا اشتباه في عصر الصحابة والتابعين، ومن تبعهم من الأئمة المجتهدين حيث فتحت الأمصار الشاسعة والديار الواسعة وأسلم أكثر الحبش والروم وغيرهم من الأعجام وحضروا مجالس الجمع والأعياد وغيرها من شعائر الإسلام، وقد كان أكثرهم لا يعرفون اللغة العربية ومع ذلك لم يخطب أحد منهم بغير العربية ولما ثبت وجود الباعث في تلك الأزمنة، وفقدان المانع والتكاسل ونحوه معلوم بالقواعد المبرهنة لم يبق إلا الكراهة التي هي أدنى درجات الضلالة - وفيه - ولا يتوهم أنه لم يكن النبي صلى الله عليه وسلم يعلم اللغة العجمية وغيرها من اللغات الغير العربية، ولو كان علمها لخطب بها، لأننا نقول بعد تسليم ذلك أن بعض الصحابة كزيد بن ثابت قد كان يعلم اللسان العجمي والرومي والحبشي وغيرها من الألسنة كما صرح به في الأعلام بسيرة النبي عليه الصلاة والسلام وغيره من كتب الأعلام فلم لم يأمره النبي صلى الله عليه وسلم بأن يخطبهم ويعظهم بألسنتهم، وبالجمله فالاحتياج إلى الخطبة بغير العربية لتفهيم أصحاب العجمية كان موجوداً في القرون الثلاثة، ومع ذلك فلم يرو واحد من أحد في تلك الأزمنة، وهذا أدل دليل على الكراهية. (مجموعة الفتاوى على هامش خلاصة الفتاوى، كتاب الصلاة، الفصل الخامس عشر في الإمامة والافتداء، في المانع من الافتداء، مكتبة اشرفية ديوبند ۱/ ۱۵۰-۱۵۱) آكام النفائس في أداء الأذكار بلسان الفارس مع مجموعة رسائل اللكنوي، فصل في الخطبة، مكتبة إدارة القرآن كراچی ۴/ ۴۴ تا ۴۷.

فإنه لا شك في أن الخطبة بغير العربية خلاف السنة المتوارثة من النبي صلى الله عليه وسلم والصحابة رضوان الله تعالى عليهم أجمعين، فيكون مكروهاً تحريمًا. (عمدة الرياسة على هامش شرح الوقاية، كتاب الصلاة، باب أحكام صلاة الجمعة، مكتبة بلال ديوبند ۱/ ۲۰۰)

شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

ایک خط آیا جس میں دو سوال تھے ایک میں حوالہ روایات کے متعلق خلط کا اثبات اور دوسرے میں غیر عربی سے کراہت کی نفی کی گئی ہے۔ احقر نے اس خط کا جواب لکھا یہ سب ذیل میں منقول ہے:

(سوال اول) اس کا خلاصہ تمہید میں لکھا جا چکا۔ اور چونکہ جواب میں بھی اس سے محض اجمالی

تعرض ہے؛ اس لئے اس سوال کو بعینہ نقل نہیں کیا گیا؟

(سوال ثانی) صاحبین نے عاجز عن العربیۃ کو معذور اور عاجز قرار دیا ہے (۱)

اور اس لئے غیر عربی دانوں کو غیر عربی میں خطبہ پڑھنا جائز ہو گیا نہیں؟ کیونکہ تکبیر تحریمہ کے متعلق قاضی خان نے لکھا ہے کہ اگر عربی نہیں جانتا تو فارسی میں نماز کو شروع کرے گا ورنہ غیر عربی میں نہیں شروع کر سکتا۔ (۲)

(۱) فإن افتتح الصلاة بالفارسية أو قرأ فيها بالفارسية أو ذبح وسمى بالفارسية وهو يحسن العربية أجزأه عند أبي حنيفة، وقالوا: لا يجزيه إلا في الذبيحة، وإن لم يحسن العربية أجزأه أما الكلام في الافتتاح محمد مع أبي حنيفة في العربية ومع أبي يوسف في الفارسية لأن لغة العرب لها من المزية ما ليس لغيرها، وأما الكلام في القراءة فوجه قولهما أن القرآن اسم لمنظوم عربي كما نطق به النص إلا أن عند العجز يكتفى بالمعنى كالإيماء بخلاف التسمية؛ لأن الذكر يحصل بكل لسان ولأبي حنيفة قوله تعالى: وإنه لفي زبر الأولين، ولم يكن فيها بهذه اللغة؛ ولهذا يجوز عند العجز إلا أنه يصير مسيئاً لمخالفة السنة المتوارثة ويجوز بأي لسان كان سوى الفارسية وهو الصحيح لما تلونا والمعنى لا يختلف باختلاف اللغات والخلاف في الاعتداد ولا خلاف في أنه لا فساد ويروى رجوعه في أصل المسئلة إلى قولهما وعليه الاعتماد، والخطبة والتشهد على هذا الاختلاف. (هداية، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، مكتبه اشرفية ديوبند ۱/ ۱۰۱-۱۰۲)

(۲) ولو قال بالفارسية: خدای بزرگ است أو قال: خدای بزرگ أو قال:

بنام خدای بزرگ يصير شارعاً في الصلاة في قول أبي حنيفة وقال صاحبه: لا يصير شارعاً إذا كان يحسن العربية. (خانية على الهندية، كتاب الصلاة، باب افتتاح الصلاة،

بالکل یہی اختلاف بقول درمختار خطبہ میں بھی ہے (۱) اس لئے عربی نہ جاننے والے کیا صاحبین کے نزدیک غیر عربی میں خطبہ نہیں پڑھ سکتے اور اگر بکراہت جائز ہے تو مکروہ تنزیہی مراد ہے یا مکروہ تحریمی کیا وہ مکروہ تنزیہی بحالت موجودہ نہ سمجھ میں آنے کے عذر سے معاف نہیں ہو سکتا اور زمانہ کی ضرورت ہم کو شرعی ضروریات کیلئے اردو میں خطبہ کو جائز قرار نہیں دیتی حضرت امام غزالیؒ نے احیاء العلوم میں آداب القراءۃ میں حضرت علیؓ کا مقولہ پیش فرمایا ہے کہ جو عبادت بے سمجھے ہو اس میں برکت نہیں ہوتی اور جو تلاوت بلا تامل ہو وہ تلاوت نہیں اس لئے اگر کوئی شخص خطبہ شریعہ کے حدود میں رہ کر اردو میں خطبہ پڑھتا ہے تو وہ مثاب ہوگا یا نہیں نیت اس کی یہ ہے کہ عبادت بے سمجھے نہ ہونی چاہئے خصوصاً خطبہ جو تذکیر کیلئے بھی ہو جس میں سامعین کو سنانا مقصود ہو؟

**الجواب:** تنبیہات سے ممنون ہوا۔ جزاکم اللہ تعالیٰ، غالباً اکثر اہل علم کا تصدیق رسائل کے باب میں یہی معمول ہے کہ نفس مسئلہ کا توافق پیش نظر رہتا ہے اور روایات کو بنا بر اعتماد صاحب رسالہ ماخذ پر منطبق نہیں کیا جاتا چنانچہ اس وقت آپ کی تحریر کی روایات میں بھی اسی اعتماد کی بناء پر تطبیق کا اہتمام نہیں کیا۔ اگر یہ کوتاہی ہے تو میں اپنی کوتاہی کا مقرر ہوں بلکہ اس کی اشاعت کی اجازت دیتا ہوں البتہ نفس مسئلہ میں اب بھی میرا یہی خیال ہے اگر اس میں مجھ کو اپنی غلطی معلوم ہو جاوے گی حسب معمول رجوع کر لوں گا۔ یہ تو سوال اول کا جواب ہے باقی سوال ثانی کے متعلق یہ عرض ہے کہ کلام غیر عاجز میں ہے اس کیلئے جواز یعنی صحت بلا کراہت نہیں اور عاجز کے معنی ہیں پڑھنے سے عاجز نہ کہ سمجھنے سے کماسیاتی رہا یہ امر کہ کون سی کراہت ہے سو تنزیہی بھی عوارض سے تحریمی ہو سکتی ہے مسئلہ متکلم فیہا میں بڑا عارض اس وقت میں یہ ہے کہ سنت پر اس مکروہ کو ترجیح دی جانے لگی؛ اس لئے تغیر مشروع کے سبب کراہت تحریمہ کا حکم بعید نہیں۔ (۲)

(۱) وصح شروعه بتسبیح وتہلیل کما صح لو شرع بغير عربیة أي لسان کان، وشرطاً عجزه وعلی هذا الخلاف الخطبة وجميع أذکار الصلاة. (الدرالمختار مع الشامی، کتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، مکتبہ زکریا دیوبند ۱۸۲/۲-۱۸۳، کراچی ۱/۴۸۳)

(۲) فإنه لا شک فی أن الخطبة بغير العربیة خلاف السنة المتوارثة من النبی صلی اللہ علیہ وسلم والصحابۃ رضوان اللہ تعالیٰ عنہم، فیکون مکروہاً تحریماً. (عمدة الریاسة علی هامش شرح الوقایة، کتاب الصلاة، باب أحكام صلاة الجمعة، مکتبہ بلال دیوبند ۱/۲۰۰) ←

اور یہ عجز اور عدم عجز عن القراءة ہے نہ کہ عن الفہم چنانچہ کسی سے بھی یہ احتمال اخیر منقول نہیں اور قیاس ایک کا دوسرے پر ہمارا منصب نہیں اور امام غزالیؒ سے جو قول نقل کیا گیا ہے یہاں سمجھنے سے مراد توجہ ہے چنانچہ اس قول کی عبارت اس عبادت کو بھی شامل ہے جس میں کوئی قراءۃ نہیں ورنہ اگر ترجمہ مراد ہو تو کیا تلاوت میں بھی ترجمہ پڑھنا اصل قرآن کے پڑھنے سے افضل ہوگا۔ رہا حکمت تذکیر سے استدلال یہ تو قرآن میں بھی جاری ہے بلکہ قرآن مجید میں خطبہ کا لقب تو ”ذکر“ آیا ہے اور قرآن کا ”ذکر“ تو کیا یہ حکم اس حکم میں بھی جاری ہوگا۔

۱۲ ربیع الاول ۱۴۷ھ

و ← في مجموعة الفتاوى لمولانا اللكنوي نقلا عن آكام النفائس في أداء الأذكار بلسان الفارس: الكراهة إنما هي لمخالفة السنة؛ لأن النبي صلى الله عليه وسلم وأصحابه قد خطبوا دائما بالعربية ولم ينقل عن أحد منهم أنهم خطبوا خطبة ولو خطبة غير الجمعة بغير العربية- وفيه- الخطبة بالفارسية التي أحدثوها واعتقدوا حسنها ليس الباعث إليها إلا عدم فهم العجم اللغة العربية، وهذا الباعث قد كان موجوداً في عصر خير البرية، وإن كان فيه اشتباهاً فلا اشتباه في عصر الصحابة والتابعين، ومن تبعهم من الأئمة المجتهدين حيث فتحت الأمصار الشاسعة والديار الواسعة وأسلم أكثر الحبش والروم وغيرهم من الأعجام وحضروا مجالس الجمع والأعياد وغيرها من شعائر الإسلام، وقد كان أكثرهم لا يعرفون اللغة العربية ومع ذلك لم يخطب أحد منهم بغير العربية ولما ثبت وجود الباعث في تلك الأزمنة، وفقدان المانع والتكاسل ونحوه معلوم بالقواعد المبرهنة لم يبق إلا الكراهة التي هي أدنى درجات الضلالة. (مجموعة الفتاوى على هامش خلاصة الفتاوى، كتاب الصلاة، الفصل الخامس عشر في الإمامة والإقتداء، في المانع من الإقتداء، مكتبته اشرفية ديوبند ۱/ ۱۵۰)

شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

## اس کے بعد سائل بالا سے حسب ذیل مکاتبت ہوئی

(سوال) حضور والا نے تحریر فرمایا ہے کہ عجز و عدم عجز عن القراءة مراد ہے نہ کہ عن الفہم صرف اتنی بات میں مجھے شبہ باقی رہ گیا ہے اس لئے مؤدبانہ طور پر چند جملے عرض کرنے کی جرأت کرتا ہوں تحقیق الخطبہ میں امام رافعی (شافعی المذہب) کی حسب ذیل عبارت نقل فرمائی گئی ہے:

وهل يشترط كون الخطبة كلها بالعربية وجهان الصحيح اشتراط فإن لم يكن فيهم من يحسن العربية خطب بغيرها ويجب عليهم التعلم والاعصوا ولا جمعة لهم (منقول من شرح الاحياء للسيد المرتضى الزبيدي ج ۳) (۱)

**الجواب:** اس عبارت کے معنی اول عرض کرتا ہوں اس سے آپ کو اپنے استدلال کا حال معلوم ہو جائے گا صحیح یہی ہے کہ عربیہ شرط ہے لیکن اگر ان حاضرین جمعہ میں کوئی ایسا شخص نہ ہو جو عربی میں پڑھ سکے تو فی الحال غیر عربیہ میں پڑھ لے لیکن آئندہ کیلئے ان لوگوں پر واجب (علی الکفایۃ) ہوگا کہ عربی سیکھیں کہ عربی میں خطبہ ہو سکے ورنہ سب عاصی ہوں گے اور ان کا جمعہ بھی صحیح نہ ہوگا (۲)

(۱) کتاب دستیاب نہ ہو سکی۔

(۲) ولا تصح صلاته إن أمكنه الإقتداء بمن يحسنه أو ترك جهده أو وجد قدر الفرض مما لا تلغ فيه هذا هو الصحيح المختار. الخ (الدر المختار مع الشامی، کتاب الصلاة، باب الإمامة، مکتبہ زکریا دیوبند ۲/۳۲۸، کراچی ۱/۵۸۲)

والمختار للفتوى في جنس هذه المسائل، أن هذا الرجل إن كان يجتهد آناء الليل وأطراف النهار في تصحيح هذه الحروف ولا يقدر على تصحيحها فصلاته جائزة، وإن ترك جهده فصلاته فاسدة، وإن ترك جهده في بعض عمره لا يسعه أن يترك في باقي عمره ولو ترك تفسد صلاته. (الفتاوى التاتارخانية، کتاب الصلاة، الفصل الثاني، مسائل زلة القاري، مکتبہ زکریا دیوبند ۲/۹۴، رقم: ۱۸۳۸)

المحيط البرهاني، کتاب الصلاة، الفصل الثاني في الفرائض والواجبات والسنن، المجلس العلمي ۲/۶۶، رقم: ۱۲۵۲۔



جیسا بعض فقہائے حنفیہ نے بعینہ اسی طرح تجوید کے متعلق فتویٰ دیا ہے کہ جب سیکھنا چھوڑ دیگا نماز صحیح نہ ہوگی اور عربی نہ سمجھنا مراد ہو تو کیا اس فتوے کو بھی مانا جاوے گا کہ عربی نہ سمجھنے والوں پر عربی کا سیکھنا واجب ہے ورنہ ان کا جمعہ نہ ہوگا۔ اگر یہ فتویٰ مانا جاتا ہے تو اس سے آپ کے خلاف مدعا ثابت ہے۔

۲ ربیع الثانی ۱۳۳۷ھ

**تتمہ سوال بالا:** رہا کلام مجید کے متعلق کہ اس کو ذکر کرتے کہا گیا ہے اور خطبہ کو ذکر۔ اس کے متعلق یہ عرض ہے کہ قرآن مجید کو بھی ذکر کہا گیا ہے جیسا کہ: وانزلنا الیک الذکر لتبین للناس (۱) معلوم ہوا کہ ذکر کیلئے تمیز کی ضرورت ہے۔ اسی طرح اگر خطبہ کو ذکر کہا گیا ہے تو اس کے لئے بھی تمیز کی ضرورت ہے بہتر صورت ذکر کی اور ذکر میں ارتفاع نہیں ہے بلکہ اجتماع ہے ورثۃ الانبیاء پر جس طرح قرآن کی تمیز عائد ہے اسی طرح خطبہ کی بھی اور تمیز مفہوم لغت ہی میں ممکن ہے۔

ولا تطع من اغفلنا قلبه عن ذکرنا (۲) فرمایا گیا ہے: ذکرنا سے مراد وانزلنا الیک الذکر کے مطابق کلام مجید ہی ہے؛ اسی لئے فاسئلوا اهل الذکر ای عالم القرآن (۳) فرمایا ہے۔ پس جب خطبہ بھی ملقب بہ ذکر اللہ ہے تو اس کو بھی مبین للناس ہونا ضروری ہے اس سے یہ بھی واضح ہوا کہ خطیب ذکر (قرآن) ہی سے نصائح کرے ورنہ خطبہ ذکر نہ ہوگا؟

**الجواب:** میرا یہ مطلب نہ تھا کہ قرآن کو ذکر نہیں کہا گیا بلکہ یہ مطلب تھا کہ ذکر کی بھی کہا گیا ہے اور خطبہ کو کہیں ذکر نہیں کہا گیا پس قرآن میں جب دونوں صفتیں ہیں تو ان دونوں کا حق ادا کرنا ضروری ہے تو پھر ترجمہ سمجھ کر کیوں نہیں پڑھا جاتا۔

**تتمہ سوال بالا:** جناب والا نے مکتوب گرامی میں ارشاد فرمایا ہے کہ اس مکروہ کو سنت پر ترجیح دی جاتی ہے اس لئے اس عارض سے مکروہ تحریمہ بعید نہیں مگر حضور والا جب اس نیت سے اسکو مادری زبان میں پڑھا جاوے کہ اس طرح بہت سی مردہ سنتوں کا احیاء کیا جاوے تو پھر مکروہ کیوں ہوگا۔

(۱) سورة النحل آیت: ۴۴۔

(۲) سورة الکہف آیت: ۲۸۔

(۳) سورة النحل آیت: ۴۳۔

بہت سے جہلاء ایسے ہیں جو نماز روزہ کی ضرورت سے بے خبر ہیں وہ صرف جمعہ میں آتے ہیں اگر خطبہ میں اسکی زبان میں سمجھا دیا جاوے تو کیا اثر کی امید نہیں ہے ممکن ہے کہ خدا کچھ لوگوں کو اس طریقہ سے ہدایت نصیب کرے؟

**الجواب:** امور تعبدیہ میں مصالح سے تغیر نہیں ہوتا۔ تاریخ بالا

**تتمہ سوال بالا:** اور پھر کیا خطبہ میں یہی ایک سنت ہے یہ بھی تو سنت ہی ہے کہ بلا کتاب خطبہ دیا جائے حضور ﷺ نے کبھی کتابی خطبہ نہیں دیا نہ صحابہ کرام نے ایسا کیا اس سنت کا ترک دھڑلے سے ہو رہا ہے اور کچھ خیال بھی نہیں ہوتا حالانکہ خطبہ میں مخاطبین کی طرف رخ اسی لئے ضروری ہے کہ مخاطبین کو باحسن پیرایہ نصیحت کی جائے مگر جب کتاب پر آنکھ لگی ہوگی تو ہرگز وہ توجہ الی مخاطبین نصیب نہ ہوگی جو مقصود ہے اور جو کیفیت آں ﷺ کی ہوتی تھی وہ یہ ہے کہ مسلم شریف کے الفاظ یہ ہیں:

إذا خطب أحمرت عيناه وعلا صوته وأشتد غضبه حتى كأنه منذر جيش يقول  
صبحكم ومساكم. الخ (۱)

بھلا اس طریقہ سے کون خطبہ دیتا ہے سب اس کو ترک کر رہے ہیں مگر کوئی اس کو مکروہ تحریمی نہیں کہتا؟

**الجواب:** یہ سنن مستحبہ ہیں اور عربیہ مؤکدہ (۲) فلا یقاس أحدهما علی الآخر.

تاریخ بالا (تتمہ خامسہ ص ۶۵۲)

(۱) مسلم شریف، کتاب الجمعة، باب تخفيف الصلاة والخطبة، النسخة الهندية

۸۶۷/۲، بیت الأفكار رقم: ۸۶۷

عن جابر بن عبد الله قال: كان رسول الله صلى الله عليه وسلم إذا خطب أحمرت عيناه وعلا صوته وأشتد غضبه كأنه منذر جيش. الحديث (ابن ماجه شريف، مقدمة، باب اجتناب البدع والجدل، النسخة الهندية ص: ۶، دار السلام رقم: ۴۵)

(۲) یہی وجہ ہے کہ فقہاء نے غیر عربی میں خطبہ دینے کو مکروہ تحریمی لکھا ہے ملاحظہ فرمائیے:

فإنه لا شك في أن الخطبة بغير العربية خلاف السنة المتوارثة من النبي صلى الله عليه وسلم والصحابة رضوان الله تعالى عليهم أجمعين، فيكون مكروهاً تحريماً. (عمدة الريعة على

هامش شرح الوقاية، كتاب الصلاة، باب أحكام صلاة الجمعة، مكتبة بلال ديوبند ۲۰۰/۱) ←

\*\*\*\*\*  
**سوال (۵۸۴):** قدیم/۶۶۱- کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں

کہ جمعہ کا خطبہ عربی زبان کے سوا کسی اور زبان میں پڑھنا یا عربی زبان کے ساتھ کسی اور زبان کے اشعار وغیرہ ملا دینا جس طرح بعض لوگوں کا اس زمانہ میں دستور ہے جائز ہے یا نہیں۔ مجوزین یہ حجت پیش کرتے ہیں کہ چونکہ خطبہ میں وعظ و پند بھی مسنون ہے اور عوام کے عربی نہ جاننے کے باعث عربی زبان میں خطبہ پڑھنے سے یہ وعظ و نصیحت کی غرض متروک ہوئی جاتی ہے لہذا ضروری ہے کہ وعظ و پند کا مضمون ہندوستان میں تو اردو ہی زبان میں ہونا چاہئے اس کا کیا جواب ہے۔ مینواتو جرو؟

.....

← وفي مجموعة الفتاوى لمولانا اللكنوي نقلا عن آكام النفائس في أداء الأذكار بلسان الفارس: الكراهة إنما هي لمخالفة السنة؛ لأن النبي صلى الله عليه وسلم وأصحابه قد خطبوا دائما باللغة العربية ولم ينقل عن أحد منهم أنهم خطبوا خطبة ولو خطبة غير الجمعة بغير العربية- وفيه- الخطبة بالفارسية التي أحد ثوها واعتقدوا حسننها ليس الباعث إليها إلا عدم فهم العجم اللغة العربية، وهذا الباعث قد كان موجوداً في عصر خير البرية، وإن كان فيه اشتباهاً فلا اشتباه في عصر الصحابة والتابعين، ومن تبعهم من الأئمة المجتهدين حيث فتحت الأمصار الشاسعة والديار الواسعة وأسلم أكثر الحبش والروم وغيرهم من الأعجام وحضروا مجالس الجمع والأعياد وغيرها من شعائر الإسلام، وقد كان أكثرهم لا يعرفون اللغة العربية ومع ذلك لم يخطب أحد منهم بغير العربية ولما ثبت وجود الباعث في تلك الأزمنة، وفقد ان المانع والتكاسل ونحوه معلوم بالقواعد المبرهنة لم يبق إلا الكراهة التي هي أدنى درجات الضلالة- وفيه- ولا يتوهم أنه لم يكن النبي صلى الله عليه وسلم يعلم اللغة العجمية وغيرها من اللغات الغير العربية، ولو كان علمها لخطب بها؛ لأننا نقول بعد تسليم ذلك أن بعض الصحابة كزيد بن ثابت قد كان يعلم اللسان العجمي والرومي والحبشي وغيرها من الألسنة كما صرح به في الأعلام بسيرة النبي عليه الصلاة والسلام وغيره من كتب الأعلام فلم لم يأمره النبي صلى الله عليه وسلم بأن يخطبهم ويعظهم بألسنتهم، وبالجملة فلا حجاج إلى الخطبة بغير العربية لفهم أصحاب العجمية كان موجوداً في القرون الثلاثة، ومع ذلك فلم يرو واحد من أحد في تلك الأزمنة، وهذا أدل دليل على الكراهة. (مجموعة الفتاوى على هامش خلاصة الفتاوى، كتاب الصلاة، الفصل الخامس عشر في الإمامة والافتداء، في المانع من الاقتداء، مكتبه اشرفية ديوبند ۱/ ۱۵۰-۱۵۱) شبير احمد قاسمي عفا الله عنه

\*\*\*\*\*

**الجواب:** خلاف سنت متوارثہ ہے اس لئے ممنوع ہے (۱) اور حجت کا جواب ظاہر ہے کہ اسی طرح

(۱) فإنه لا شك في أن الخطبة بغير العربية خلاف السنة المتوارثة من النبي صلى الله عليه وسلم والصحابة رضوان الله تعالى عليهم أجمعين، فيكون مكروهاً تحريماً. (عمدة الرباية على هامش شرح الوقاية، كتاب الصلاة، باب أحكام صلاة الجمعة، مكتبه بلال ديوبند ۱/ ۲۰۰)

وفي مجموعة الفتاوى لمولانا اللكنوي نقلاً عن آكام النفائس في أداء الأذكار بلسان الفارس: الكراهة إنما هي لمخالفة السنة؛ لأن النبي صلى الله عليه وسلم وأصحابه قد خطبوا دائماً بالعربية ولم ينقل عن أحد منهم أنهم خطبوا خطبة ولو خطبة غير الجمعة بغير العربية - وفيه - الخطبة بالفارسية التي أحد ثوها واعتقدوا حسننها ليس الباعث إليها إلا عدم فهم العجم اللغة العربية، وهذا الباعث قد كان موجوداً في عصر خير البرية، وإن كان فيه اشتباهاً فلا اشتباه في عصر الصحابة والتابعين، ومن تبعهم من الأئمة المجتهدين حيث فتحت الأمصار الشاسعة والديار الواسعة وأسلم أكثر الحبش والروم وغيرهم من الأعجام وحضروا مجالس الجمع والأعياد وغيرها من شعائر الإسلام، وقد كان أكثرهم لا يعرفون اللغة العربية ومع ذلك لم يخطب أحد منهم بغير العربية ولما ثبت وجود الباعث في تلك الأزمنة، وفقدان المانع والتكاسل ونحوه معلوم بالقواعد المبرهنة لم يبق إلا الكراهة التي هي أدنى درجات الضلالة - وفيه - ولا يتوهم أنه لم يكن النبي صلى الله عليه وسلم يعلم اللغة العجمية وغيرها من اللغات الغير العربية، ولو كان علمها لخطب بها لأننا نقول بعد تسليم ذلك أن بعض الصحابة كزيد بن ثابت قد كان يعلم اللسان العجمي والرومي والحبشي وغيرها من الألسنة كما صرح به في الأعلام بسيرة النبي عليه الصلاة والسلام وغيره من كتب الأعلام فلم لم يأمره النبي صلى الله عليه وسلم بأن يخطبهم ويعظهم بألسنتهم، وبالجملة فلا احتياج إلى الخطبة بغير العربية لتفهيم أصحاب العجمية كان موجوداً في القرون الثلاثة، ومع ذلك فلم يرو واحد من أحد في تلك الأزمنة، وهذا أدل دليل على الكراهة. (مجموعة الفتاوى على هامش خلاصة الفتاوى، كتاب الصلاة، الفصل الخامس عشر في الإمامة والاقتداء، في المانع من الاقتداء، مكتبه اشرفية ديوبند ۱/ ۱۵۰-۱۵۱)

قراءت قرآن مجید میں بھی وعظ و پند مقصود ہے؛ چنانچہ جابجا اس میں ذکرِی (۱) و تذکرة (۲) و ہدی للناس (۳) و موعظة (۴) وغیرہ الفاظ کا وارد ہونا اس کی واضح دلیل ہے پس چاہئے کہ نماز میں بھی قرآن کا ترجمہ پڑھا جاوے۔

۳۰ جمادی الاولیٰ ۱۳۳۲ھ (تمتہ ثانیہ ص ۱۳۸)

سوال (۵۸۵): قدیم/۱-۶۶۲ - کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ خطبہ جمعہ کے وجوب کے ساتھ کوئی خاص زبان بھی واجب ہے یا نہیں اگر کوئی خاص زبان واجب نہ ہو تو اپنی مادری زبان سے فائدہ اٹھانا نسب ہے یا کسی غیر زبان کو جس کے نہ سمجھنے سے مسلمانوں کو کوئی فائدہ نہ پہنچے اور مقصد خطبہ فوت ہونے کے باوجود ترجیح دینا بہتر ہے۔ بینوا تو جروا؟

**الجواب:** کیا واجب سے کم کوئی درجہ مؤکد نہیں ہو سکتا۔ ۴/رب جب ۵۳ھ

**نوٹ:** اس جواب میں اس طرف اشارہ ہے کہ سنت مؤکدہ بھی مؤکدہ ہے اور بوجہ مواظبت نبوی علی الخطبة العربیہ وہ سنت مؤکدہ ہے (۵) پس عدم وجوب مضرتا کید نہیں بلکہ بعض فقہاء کے قول پر ایسی مواظبت جس میں احیاناً بھی ترک نہ ہوا ہو وجوب کی دلیل ہے اس صورت میں وجوب کا حکم بھی کیا جاسکتا ہے۔

(۱) اِنْ هُوَ اِلَّا ذِكْرٌ لِّلْعَالَمِينَ. [سورة الأنعام: ۹۰]

(۲) وَاِنَّهُ لَتَذِكْرَةٌ لِّلْمُتَّقِينَ. [سورة الحاقة: ۴۸]

(۳) شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِي اُنْزِلَ فِيْهِ الْقُرْآنُ هُدًى لِّلنَّاسِ. [سورة البقرة: ۱۸۵]

(۴) مَّصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ مِنَ التَّوْرَةِ وَآتِيَانَهُ الْإِنْجِيلَ فِيْهِ هُدًى وَنُورٌ وَمُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ

يَدَيْهِ مِنَ التَّوْرَةِ وَهُدًى وَمَوْعِظَةٌ لِّلْمُتَّقِينَ. [سورة المائدة: ۴۶]

شیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

(۵) فیانہ لاشک فی أن الخطبة بغير العربیة خلاف السنة المتوارثة من النبی صلی اللہ علیہ وسلم والصحابہ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین، فیکون مکروہا تحریمًا. (عمدة الریاعة علی هامش شرح الوقایة، کتاب الصلاة، باب أحكام صلاة الجمعة، مکتبہ بلال دیوبند ۲۰۰/۱) ←

٥٠٥ رجب ١٣٥٣هـ (النور ٩ رجب ١٣٥٢هـ)

« في مجموعة الفتاوى لمولانا اللكنوي نقلاً عن آكام النفائس في أداء الأذكار بلسان الفارس: الكراهة إنما هي لمخالفة السنة؛ لأن النبي صلى الله عليه وسلم وأصحابه قد خطبوا دائماً بالعربية ولم ينقل عن أحد منهم أنهم خطبوا خطبة ولو خطبة غير الجمعة بغير العربية - وفيه - الخطبة بالفارسية التي أحدثوها واعتقدوا حسننها ليس الباعث إليها إلا عدم فهم العجم اللغة العربية، وهذا الباعث قد كان موجوداً في عصر خير البرية، وإن كان فيه اشتباهاً فلا اشتباه في عصر الصحابة والتابعين، ومن تبعهم من الأئمة المجتهدين حيث فتحت الأمصار الشاسعة والديار الواسعة وأسلم أكثر الحبش والروم وغيرهم من الأعجام وحضروا مجالس الجمع والأعياد وغيرها من شعائر الإسلام، وقد كان أكثرهم لا يعرفون اللغة العربية ومع ذلك لم يخطب أحد منهم بغير العربية ولما ثبت وجود الباعث في تلك الأزمنة، وفقدان المانع والتكاسل ونحوه معلوم بالقواعد المبرهنة لم يبق إلا الكراهة التي هي أدنى درجات الضلالة - وفيه - ولا يتوهم أنه لم يكن النبي صلى الله عليه وسلم يعلم اللغة العجمية وغيرها من اللغات الغير العربية، ولو كان علمها لخطب بها لأننا نقول بعد تسليم ذلك أن بعض الصحابة كزيد بن ثابت قد كان يعلم اللسان العجمي والرومي والحبشي وغيرها من الألسنة كما صرح به في الأعلام بسيرة النبي عليه الصلاة والسلام وغيره من كتب الأعلام فلم لم يأمره النبي صلى الله عليه وسلم بأن يخطبهم ويعظهم بألسنتهم، وبالجملة فالاحتياج إلى الخطبة بغير العربية لتفهم أصحاب العجمية كان موجوداً في القرون الثلاثة، ومع ذلك فلم يرو واحد من أحد في تلك الأزمنة، وهذا أدل دليل على الكراهة. (مجموعة الفتاوى على هامش خلاصة الفتاوى، كتاب الصلاة، الفصل الخامس عشر في الإمامة والاقتداء، في المانع من الاقتداء، مكتبه اشرفية ديو بند ۱۵۰/۱-۱۵۱)

(١) وتجب صلاة العيد على كل من تجب عليه صلاة الجمعة، وفي الجامع الصغير ←

**سوال (۵۸۶):** قدیم/۶۲۲- میں نے دریافت کیا تھا کہ ہمارے یہاں کے پیش امام یہ کہہ کر خطبہ کا ترجمہ ہر جمعہ میں کر رہے ہیں کہ آپ نے اس کو جائز لکھا ہے تو کیا یہ صحیح ہے آپ نے اس پر یہ تجویز فرمایا کہ جواز ترجمہ کو جو میری طرف منسوب کیا گیا ہے وہ عبارت پوری پیش کرنی چاہئے تو مولوی صاحب امام جامع مسجد نے آپ کے فتوے کی عبارت کی نقل علیحدہ پرچہ پر لکھ کر اس میں شامل کی ہے۔ بغرض ملاحظہ و تحقیق حقیقت حال ارسال خدمت ہے و ہونذا، فتاویٰ اشرفیہ حصہ اول مطبوعہ مطبع مجیدی واقع کانپور ص ۴۴۔

**سوال (۳۹):** (\*) مشتمل بر مسائل عدیدہ ماقولکم رحمکم ربکم، اندریں مسائل کہ جمعہ کے خطبوں کے درمیان یا آخر بطور وعظ خطبہ کا ترجمہ کر دینا جائز ہے یا نہیں۔ الخ؟

**الجواب (۳۹):** مشتمل بر چند جواب۔ جواب سوال (۱) جائز ہے۔

ہکذا يستفاد من العالمگیریة. واللہ اعلم۔

(\*) یہ سوال و جواب ص: ۵۷۰ پر گزرے ہیں اور وہیں بعد والے جوابات میں اس جواب کی شافی توضیح موجود ہے۔ ۱۲ سعید احمد پالن پوری

← عیدان اجتماع فی یوم واحد، فالأول: سنة. والثاني: فريضة. ولا يترك واحد منهما، قال وهذا تنصيص على السنة والأول على الوجوب وهو رواية عن أبي حنيفة وجه الأول مواظبة النبي صلى الله عليه وسلم عليها من غير ترك. (هداية، كتاب الصلاة، باب العیدین، مكتبة اشرفية دیوبند ۱/ ۱۷۲)

تجب صلاة العید للمواظبة من غیر ترک وهذا رواية الحسن عن الإمام وفي الهداية وغيرها أنه المختار على من تجب عليه الجمعة. (النهر الفائق، كتاب الصلاة، باب صلاة العیدین، مكتبة زكريا دیوبند ۱/ ۳۶۶)

مجمع الأنهر، كتاب الصلاة، باب صلاة العیدین، دار الكتب العلمية بیروت ۱/ ۲۵۵۔ شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

(۱) ويكره للخطيب أن يتكلم في حال الخطبة إلا أن يكون أمراً بمعروف كذا فتح القدير. (هنديّة، كتاب الصلاة، الباب السادس عشر في صلاة الجمعة، قديم زكريا ۱/ ۱۴۷، جديد زكريا ۱/ ۲۰۸)

فتح القدير، كتاب الصلاة، باب صلاة الجمعة، مكتبة زكريا دیوبند ۲/ ۵۸، كوئٹہ ۲/ ۳۰-۳۱۔

## الجواب من اصل السؤال: مراد بلا التزام وبلا اعتياد ہے "اعتماداً على الأصول"

اس قید کی تصریح نہیں کی جس کو عبارت کی کوتاہی بھی کہا جاسکتا ہے۔ (۱)

۱۳ شعبان ۱۳۲۹ھ (ترجیح خامس ص ۱۱۶)

**سوال (۵۸۷):** قدیم ۱/۶۲۳ - دوسری بات یہ ہے کہ اسی رسالہ مذکور کے ص: ۹۸ پر آپ نے

یہ تحریر فرمایا ہے کہ خطبہ جمعہ کا عربی ہی زبان میں ہونا ضروری ہے اور کسی دوسری زبان میں خطبہ پڑھنا مکروہ تحریمی ہے حالانکہ مولانا محمد علی شاہ مونگیری (سابق ناظم ندوہ) کے رسالہ القول الحکم فی خطاب المعجم میں آپ کے تائیدی دستخط خطبہ جمعہ کے اردو زبان میں ہونے کے جواز کے فتوے پر منقول و مندرج ہیں۔ ان دونوں میں سے کونسا قول صحیح ہے؟

(۱) ویکره للخطیب أن يتکلم في حال الخطبة، ولو فعل لا تفسد الخطبة لأنها ليست بصلاة فلا يفسدها كلام الناس لكنه يكره لأنها شرعت منظومة كالأذان والكلام يقطع النظم إلا إذا كان الكلام أمراً بالمعروف فلا يكره. (بدائع الصنائع، كتاب الصلاة، محظورات الخطبة، مكتبة زكريا ديوبند ۱/۵۹۵)

ولا ينبغي للخطيب أن يتکلم في خطبته بما هو من كلام الناس؛ لأن الخطبة كلمات منظومة شرعت قبل الصلاة، فأشبهت الأذان، ولا ينبغي للمؤذن أن يتکلم في أذانه بما يشبه كلام الناس، ولا بأس بأن يتکلم بما يشبه الأمر بالمعروف، فقد صح أن رسول الله صلى الله عليه وسلم كان يخطب، فدخل سليك الغطفاني وجلس، فقال النبي صلى الله عليه وسلم، أركعت ركعتين؟ قال سليك: لا، فقال النبي عليه الصلاة والسلام: قم واركع ركعتين ثم اجلس، وعن عمر<sup>رض</sup>، أنه كان يخطب يوم الجمعة فدخل عثمان<sup>رض</sup>، فقال عمر<sup>رض</sup>، أية ساعة المجيء هذه؟ فقال عثمان<sup>رض</sup>، ما زدت حين سمعت النداء على أن توضحأت، فقال عمر<sup>رض</sup>، والوضوء أيضاً ورسول الله صلى الله عليه وسلم كان يأمر بالاغتسال يوم الجمعة، ولأن ما يشبه الأمر بالمعروف خطبة من حيث المعنى، وإن لم يكن خطبة من حيث النظم؛ لأن الخطبة في الحقيقة وعظ وأمر بالمعروف. الخ (المحيط البرهاني، كتاب الصلاة، الفصل الخامس والعشرون، صلاة الجمعة، شرائط الجمعة، المجلس العلمي ۲/۴۵۹، رقم: ۲۱۸۸)

شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ



**الجواب:** اس تا ئیدی مضمون کی عبارت لکھئے۔ تو دیکھوں اس کے معارض ہے یا کیا۔ باقی بہشتی

گوہر میں جو لکھا ہے اس کو صحیح سمجھتا ہوں۔ (۱)

۱۹ شوال ۱۳۳۳ھ (ترجیح خامس ص ۱۵۹)

(۱) فإنہ لا شک فی أن الخطبة بغير العربية خلاف السنة المتوارثة من النبي صلى الله عليه وسلم والصحابة رضوان الله تعالى عليهم أجمعين، فيكون مكرهاً وتحريماً. (عمدة الرباعة على هامش شرح الوقاية، كتاب الصلاة، باب أحكام صلاة الجمعة، مكتبة بلال ديوبند ۲۰۰/۱)

وفي مجموعة الفتاوى لمولانا اللكنوي نقلاً عن آكام النفائس في أداء الأذكار بلسان الفارس: الكراهة إنما هي لمخالفة السنة؛ لأن النبي صلى الله عليه وسلم وأصحابه قد خطبوا دائماً بالعربية ولم ينقل عن أحد منهم أنهم خطبوا خطبة ولو خطبة غير الجمعة بغير العربية - وفيه - الخطبة بالفارسية التي أحد ثوها واعتقدوا حسننها ليس الباعث إليها إلا عدم فهم العجم اللغة العربية، وهذا الباعث قد كان موجوداً في عصر خير البرية، وإن كان فيه اشتباهاً فلا اشتباه في عصر الصحابة والتابعين، ومن تبعهم من الأئمة المجتهدين حيث فتحت الأمصار الشاسعة والديار الواسعة وأسلم أكثر الحبش والروم وغيرهم من الأعجام وحضروا مجالس الجمع والأعياد وغيرها من شعائر الإسلام، وقد كان أكثرهم لا يعرفون اللغة العربية ومع ذلك لم يخطب أحد منهم بغير العربية ولما ثبت وجود الباعث في تلك الأزمنة، وفقدان المانع والتكاسل ونحوه معلوم بالقواعد المبرهنة لم يبق إلا الكراهة التي هي أدنى درجات الضلالة - وفيه - ولا يتوهم أنه لم يكن النبي صلى الله عليه وسلم يعلم اللغة العجمية وغيرها من اللغات الغير العربية، ولو كان علمها لخطب بها؛ لأننا نقول بعد تسليم ذلك أن بعض الصحابة كزيد بن ثابت قد كان يعلم اللسان العجمي والرومي والحبشي وغيرها من الألسنة كما صرح به في الأعلام بسيرة النبي عليه الصلاة والسلام وغيره من كتب الأعلام فلم لم يأمره النبي صلى الله عليه وسلم بأن يخطبهم ويعظهم بألسنتهم، وبالجمله فاحتياج إلى الخطبة بغير العربية لتفهم أصحاب العجمية كان موجوداً في القرون الثلاثة، ومع ذلك فلم يرو واحد من أحد في تلك الأزمنة، ←

## التقریظ علی رسالۃ الأعجوبة فی عربیۃ خطبة العروبة

**سوال (۵۸۸):** قدیم ۱/۶۶۲ - بعد الحمد والصلوة میں نے یہ رسالہ مؤلفہ جامع الکمالات العلمیہ والعملیہ مولانا محمد شفیع صاحب و مفتی مدرسہ دارالعلوم دیوبند دام فیضہ، نہایت شوق و رغبت سے دیکھا بید پسند کیا۔ بلا تکلف کہہ سکتا ہوں کہ اس موضوع میں بے نظیر ہے (\*) اللہ تعالیٰ اس کو نافع اور شہادت کا دافع فرمادے۔ بطور تذنیب میں بھی بعض فوائد مناسبہ اس کے ساتھ ملحق کرنا چاہتا ہوں۔

(۱) بڑی بناء عقلی غیر عربی میں خطبہ جائز رکھنے والوں کی یہ ہے کہ یہ تذکیر مخاطبین کی زبان میں ہونا چاہئے ورنہ عبث ہے۔ اس کا ایک تحقیقی جواب ہے اور ایک الزامی، تحقیقی یہ ہے کہ اس کا تذکیر ہی ہونا مسلم نہیں خود قرآن مجید میں اس کو ذکر فرمایا گیا ہے:

قال الله تعالى: فاسعوا الى ذكر الله. (الآية) (۱)

خصوص مذہب حنفی کی اس تصریح پر و کفی تسبیحہ أو تحمیدة. (۲) اور تسبیح و تحمید کا تذکیر نہ ہونا ظاہر ہے معلوم ہوا کہ وہ صرف ذکر ہے تذکیر نہیں۔ الاتبعاً اور الزامی یہ ہے کہ قرآن مجید نص قرآنی تذکیر ہے۔

قال الله تبارک وتعالى: ان هو الاذکری للعلمین. (۳)

(\*) یہ رسالہ علیحدہ بھی طبع ہو چکا ہے، اور الخطب المأثورہ (مضنفہ حضرت علامہ مولانا شبیر احمد صاحب عثمانی قدس سرہ میں بھی شامل ہے جو بہت ہی مفید اور بصیرت افروز ہے۔ ۱۲ سعید احمد پالن پوری

← وهذا أدل دليل على الكراهة. (مجموعة الفتاوى على هامش خلاصة الفتاوى، كتاب الصلاة، الفصل الخامس عشر في الإمامة والاقتداء، في المانع من الاقتداء، مكتبه اشرفية ديوبند ۱/۱۵۰) شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

(۱) سورة الجمعة آیت: ۹.

(۲) وكفت تحميدة أو تهليلة أو تسبيحة بنيتها. (الدر المختار مع الشامي، كتاب الصلاة، باب الجمعة، مكتبه زكريا ديوبند ۳/۲۰، كراچی ۲/۴۸)

(۳) سورة الأنعام آیت: ۹۰.

تو چاہئے اس کو بھی نماز میں حاضرین کی زبان میں پڑھا کریں پس جس طرح اس کا عربی زبان میں پڑھنا امر تعبدی ہے اسی طرح خطبہ کا عربی زبان میں پڑھنا۔

(۲) اور بڑی بناء عقلی و دعویٰ مذکور کی یہ ہے کہ امام صاحب نے نماز میں قراءت کو فارسی میں جائز فرمایا ہے اس کا ایک جواب نقلی ہے ایک عقلی۔ نقلی جواب تو یہ ہے کہ امام صاحب نے اس قول سے رجوع فرمایا ہے (۱) پس اس سے استدلال کرنا ایسا ہے جیسا آیت منسوخہ یا حدیث منسوخہ سے استدلال کرنا۔ اور عقلی یہ ہے کہ امام صاحب کے اس قول مرجوح عنہ کی بناء یہ نہ تھی کہ قرآن تذکیر ہے اس لئے غیر عربی میں پڑھنا جائز ہے اگر یہ بناء ہوتی تو جزیئہ کفایت تسبیح یا تحمید کا اس سے تعارض ہوتا۔ وہو باطل، پس اس سے استدلال کرنا تاویل القول بما لا یرضی بہ القائل کی قبیل سے ہے۔

(۱) و صح شروع بتسبیح و تہلیل کما صح لو شرع بغير عربية أو قرأ بها عاجزاً فجائز اتفاقاً، قيد القراءة بالعجز لأن الأصح رجوعه إلى قولهما وعليه الفتوى. (تنوير الأبصار مع الدر المختار، كتاب الصلاة، صفة الصلاة، مكتبة زكريا ديوبند ۱۸۲/۱-۱۸۴، کراچی ۱/۴۸۳-۴۸۴)

إن افتتاح الصلاة بالفارسية أو قرأ فيها بالفارسية أو ذبح وسمى بالفارسية وهو يحسن العربية أجزاءه عند أبي حنيفة، وقال: لا يجزيه إلا في الذبيحة، وإن لم يحسن العربية أجزاءه..... وأما الكلام في القراءة فوجه قولهما أن القرآن اسم لمنظوم عربي كما نطق به النص إلا أن عند العجز يكتفى بالمعنى كالإيماء بخلاف التسمية؛ لأن الذكر يحصل بكل لسان ولأبي حنيفة قوله تعالى: وإنه لفي زبر الأولين، ولم يكن فيها بهذه اللغة؛ ولهذا يجوز عند العجز إلا أنه يصير مسيئاً لمخالفة السنة المتوارثة ويجوز بأي لسان كان سوى الفارسية وهو الصحيح لما تلونا والمعنى لا يختلف باختلاف اللغات والخلاف في الاعتداد ولا خلاف في أنه لا فساد ويروى رجوعه في أصل المسئلة إلى قولهما وعليه الاعتماد، والخطبة والتشهد على هذا الاختلاف. (هداية، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، مكتبة اشرفية ديوبند ۱۰۱/۱-۱۰۲)

(۳) رسالہ میں عیدین کے خطبہ عربی کے بعد اس کے ترجمہ وغیرہا کی اجازت دی ہے اس میں بھی ہیئت اوفق بالسنتہ یہ ہے کہ خطبہ سے فارغ ہو کر منبر سے نیچے اتر کر بیان کر دے اس کی دلیل اپنے ایک رسالہ سے بلفظہا نقل کرتا ہوں۔

وہو هذا تقرير الإمام أنه روى مسلم عن جابر<sup>رض</sup> في قصة يوم الفطر، ثم خطب النبي صلى الله عليه وسلم الناس فلما فرغ نزل فأتى النساء فذكرهن. الحديث (۱) وروى البخاري عن ابن عباس<sup>رض</sup> بعد وعظ النساء، ثم انطلق هو وبلال إلى بيته. (۲) فقولہ: فرغ ونزل وانطلق إلى بيته نص في كون هذا التذكير بعد الخطبة وأنه لم يكن على المنبر وأنه لم يعد إلى المنبر ولما كان هذا الكلام غير الخطبة لخلوه عن الخطاب العام الذي هو من خواص الخطبة ثبت به أن غير الخطبة لا ينبغي أن يكون في أثناء الخطبة

(۱) عن جابر بن عبد الله قال: إن النبي صلى الله عليه وسلم قام يوم الفطر فصلى فبدأ بالصلاة قبل الخطبة، ثم خطب الناس، فلما فرغ نبي الله صلى الله عليه وسلم نزل وأتى النساء فذكرهن وهو يتكأ على يد بلال، وبلال باسط ثوبه يلقي النساء صدقة. (مسلم شريف، كتاب صلاة العيدين، النسخة الهندية ۱/۲۸۹، بيت الأفكار رقم: ۸۸۵) بخاري شريف، كتاب العيدين، باب موعظة الإمام النساء يوم العيدين، النسخة الهندية ۱/۹۶۸، رقم: ۹۷۸، ف: ۹۷۸، أبو داؤد شريف، كتاب الصلاة، باب الخطبة يوم العيد، النسخة الهندية ۱/۱۶۲، دار السلام رقم: ۱۱۴۱

(۲) عن عبد الرحمن بن عباس قال: سمعت ابن عباس<sup>رض</sup> قيل له: أشهدت العيد مع النبي صلى الله عليه وسلم؟ قال: نعم! ولولا مكاني من الصغر ما شهدت، حتى أتى العلم الذي عند دار كثير بن الصلت، فصلى ثم خطب ثم أتى النساء، ومعه بلال، فوعظهن وذكرهن وأمرهن بالصدقة فرأيتهن يهوين بأيديهن يقذفنه في ثوب بلال، ثم انطلق هو وبلال إلى بيته. (بخاري شريف، كتاب العيدين، باب العلم الذي بالمصلى، النسخة الهندية ۱/۱۳۳، رقم: ۹۶۷، ف: ۹۷۷) شبير احمد قاسمی عفی اللہ عنہ

ولا على هيئة الخطبة ولا شك أن التذكير بالهندية ليس من الخطبة المسنونة في شيء لأن من خواصها المقصودة كونها بالعربية لعدم نقل خلافتها عن صاحب الوحي أو السلف فلما لم يكن هذا التذكير بالهندي خطبة مسنونة كان الاوفق بالسنة كونها بعد الفراغ عن الخطبة وتحت المنبر وهو المرام اهـ،  
شوال المکرم ۱۳۵۰ھ (النور ۸ ربيع الثاني ۱۳۸۱ھ)

## جمعہ میں قعدہ پانے والا جمعہ پورا کرے یا ظہر

**سوال (۵۸۹):** قدیم ۱/۶۶۵- میں نے ایک آدمی سے سنا ہے کہ مشکوٰۃ شریف میں ایک حدیث لکھی ہے کہ نماز جمعہ میں جس نمازی نے اخیر میں التحیات پائی تو اس کو چاہئے کہ بعد سلام امام کے اٹھ کر چار رکعت پڑھے؟  
**الجواب:** مشکوٰۃ میں حدیث مذکور اس طرح ہے۔

عن أبي هريرة قال: قال رسول الله ﷺ من أدرك من الجمعة ركعة فليصل إليها أخرى ومن فاتته الركعتان فليصل أربعاً أو قال الظهر. رواه الدارقطني (۱)  
سواس سے وہ مضمون جو کہ سوال میں لکھا ہے بالیقین ثابت نہیں ہاں محتمل ضرور ہے چنانچہ امام محمدؒ کا مذہب اسی احتمال کے موافق ہے شیخین کا مذہب دوسرے احتمال کے موافق ہے (۲) جس کی ترجیح کا قرینہ دوسری حدیث ہے جو اس سے ذرا اوپر مذکور ہے۔

(۱) مشکوٰۃ المصابیح، کتاب الصلاة، باب الخطبة والصلاة، مکتبہ اشرفیۃ دیوبند ۱/۱۲۴۔  
سنن الدارقطني، کتاب الجمعة، باب في من يدرك من الجمعة ركعة أو لم يدركها، دار الكتب العلمية بيروت ۲/۹، رقم: ۱۵۸۵۔

عن نافع عن ابن عمر قال: إذ أدركت من الجمعة ركعة فأضف إليها أخرى، وإن أدركتهم جلوساً فصل أربعاً. (السنن الكبرى للبيهقي، کتاب الجمعة، باب من أدرك ركعة من الجمعة، دار الفكر بيروت ۴/۴۴۲، رقم: ۵۸۳۳)

(۲) اس مسئلہ میں شیخین اور امام محمدؒ کے درمیان اختلاف ہے، شیخین کے نزدیک التحیات پانے والا ←

\*\*\*\*\*  
 وعن أبي هريرة<sup>رض</sup>، قال: قال رسول الله ﷺ من أدرك ركعة من الصلوة مع الإمام فقد أدرك الصلوة متفق عليه (۱)  
 \*\*\*\*\*

← جمع کی تکمیل کرے گا اور امام محمد کے نزدیک چار رکعت کے ذریعہ سے ظہر کی تکمیل کرے گا، فتویٰ شیخین کے قول پر ہے ملاحظہ فرمائیے:

ومن أدرك الإمام يوم الجمعة صلى معه ما أدركه وبنى عليه الجمعة، لقوله عليه السلام ما أدركتم فصلوا وما فاتكم فاقضوا، وإن كان أدركه في التشهد أو في سجود السهو بني عليها الجمعة عندهما، وقال محمد: إن أدرك معه أكثر الركعة الثانية بني عليها الجمعة، وإن أدرك أقلها بني عليها الظهر لأنه جمعة من وجه، ظهر من وجه لفوات بعض الشرائط في حقه فيصلّي أربعا اعتباراً للظهر، ويقعد لامحالة على رأس الركعتين اعتباراً للجمعة، ويقرأ في الآخرين لاحتمال النفلية، ولهما أنه مدرّك للجمعة في هذه الحالة حتى يشترط نية الجمعة وهي ركعتان، ولا وجه لما ذكر لأنهما مختلفان فلا يبنى أحدهما على تحريمة الآخر. (هداية، كتاب الصلاة، باب الجمعة، مكتبته اشرفية ۱/ ۱۷۰-۱۷۱)

ومن أدركها أي الجمعة في التشهد أو سجود السهو يتم جمعة عند الشيخين، وقال محمد: يتم ظهراً إن لم يدرك أكثر الثانية بأن أدركه بعد ما رفع رأسه الإمام من الركوع في الركعة الثانية. (مجمع الأنهر، كتاب الصلاة، باب صلاة الجمعة، مكتبته دار الكتب العلمية بيروت ۱/ ۲۵۲-۲۵۳)

ومن أدركها أي الجمعة في التشهد منه أو في سجود السهو أتم جمعة هذا عندهما، وقال محمد: يتمها ظهراً الخ. (النهر الفائق، كتاب الصلاة، باب صلاة الجمعة، مكتبته زكريا ديوبند ۱/ ۳۶۳)

البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب صلاة الجمعة، مكتبته زكريا ديوبند ۲/ ۲۷۰، كوئٹہ ۲/ ۱۵۴۔

(۱) مسلم شریف، كتاب المساجد، باب من أدرك ركعة من الصلاة، فقد أدرك

تلك الصلاة، النسخة الهندية ۱/ ۲۲۱، بيت الأفكار رقم: ۶۰۷۔

بخاري شریف، كتاب مواقيت الصلاة، باب من أدرك من الصلاة ركعة، النسخة

الهندية ۱/ ۸۲، رقم: ۵۷۲، ف: ۵۸۰۔

مشكوة المصابيح، كتاب الصلاة، باب الخطبة والصلاة، مكتبته اشرفية ديوبند

اور اگر دوسرے احتمال کو مدلول حدیث نہ کہا جاوے تب بھی تعارض کے وقت حدیث بخاری و مسلم کو ترجیح ہوگی اور ارباعاً والی حدیث کی نسبت حاشیہ میں شیخ سے نقل کیا ہے لم یثبت۔ (۱) پھر یہ کہ عوام کو تحقیق ادلہ کی ضرورت نہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

۲۶ رجب ۱۴۲۶ھ (تمتہ اولیٰ ص ۱۳)

جمعہ وعیدین اس گاؤں میں جس کے بہت قریب دوسرا گاؤں ہے

اور دونوں مل کر قصبہ کے برابر ہیں

**سوال (۵۹۰):** قدیم ۱/۶۶۶ - ایک گاؤں جس کی آبادی قریب ایک ہزار آدمی کے ہے اور اس کے اتنے قریب ایک دوسرا گاؤں ہے کہ اس بستی کی اذان کی آواز اس گاؤں میں جاتی ہے اور اس گاؤں اور دوسرے گاؤں کو ملا کر آبادی قریب چار پانچ ہزار کے آدمی ہیں بلکہ زائد ہوں لیکن رقبہ وڈا کخانہ بعض بستی کا علیحدہ ہے اور بعض گاؤں میں کافر بستے ہیں مسلمان نہیں ہیں ان سب تقادیر پر جمعہ وعیدین ہر گاؤں والے الگ الگ پڑھ سکتے ہیں یا نہیں۔ اس کے جواز کا شبہ فقہاء کے ایک جزئی سے ہوتا ہے فقہاء نے لکھا ہے کہ اگر کوئی مسافر دو گاؤں میں اقامت کی نیت کر لے اور دونوں گاؤں اتنے قریب ہوں کہ ایک گاؤں کی اذان کی آواز دوسرے گاؤں میں جاتی ہے تو وہ مسافر حد قصر سے خارج ہو جائے گا مثلاً ایک گاؤں میں دس یوم کی اقامت کی نیت کی اور دوسرے گاؤں میں پانچ دن کی لیکن چونکہ یہ دونوں قریب بہت ہیں کہ اذان کی آواز جاتی ہے اس لئے اس پر قصر جائز نہ ہوگا۔ تو اس جزئی سے معلوم ہوتا ہے کہ فقہاء نے دونوں گاؤں کو متحد قرار دیا ہے تو باب قصر میں متحد قرار دیکر اس پر قصر کو ناجائز کیا، اسی طرح باب جمعہ میں بھی متحد قرار دیا جاوے۔ اگر یہاں پر قرار نہ دیا جاوے تو دونوں میں مابہ الفرق کیا ہے۔

(۱) قال الشيخ ابن الهمام: ولهما إطلاق الحديث المذكورة وما رواه من أدرك ركعة من الجمعة أضاف إليها ركعة أخرى ثم صلى أربعاً لم يثبت ذكره الشيخ. (حاشية مشكوة المصابيح، كتاب الصلاة، باب الخطبة والصلاة، مكتبة اشرفية ۱/ ۱۲۴، رقم الحاشية: ۱)

شیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

اور بہشتی گوہر میں لکھا ہے کہ جس گاؤں کی آبادی تین یا چار ہزار ہو وہاں جمعہ جائز ہے ان دونوں تردیدوں میں بہت بڑا فرق ہے تو اگر صرف تین ہزار آبادی میں جمعہ جائز ہے تو چار ہزار کی قید کیسی۔ اور اگر کسی گاؤں میں صرف تین ہزار کی آبادی ہو اور حوائج ضروریہ کی چیزیں نہیں ملتی تو کیا اس گاؤں میں جمعہ وغیرہ جائز ہوگا اور اگر کوئی گاؤں ایسا ہو کہ وہاں تمام حوائج ضروریہ کی چیزیں ملتی ہیں لیکن آبادی تین ہزار سے کم ہے تو وہاں بھی جمعہ جائز ہوگا تو رفع حوائج اور تین ہزار آبادی دونوں شرط ہیں یا أحدهما لا علی التعمین۔ جواب مع حوالہ کتب تحریر ہو۔ فقط؟

**الجواب:** قصر وعدم قصر کا مدار تو بالاتفاق اتحاد موضعین پر ہے اور وجوب جمعہ وعدم وجوب کے مدار میں اختلاف ہے بعض اقوال میں اتحاد موضعین پر ہے اور سماع اذان وعدم سماع کا اس میں کوئی دخل نہیں جس کے کلام سے اس کے ساتھ تحدید مفہوم ہوتی ہو مقصود اس سے محض تمثیل کے طور پر امارۃ کا بیان کرنا ہے اور بعض اقوال میں عدم لحوق مشقت پر چنانچہ روایات ذیل شاہد ہیں۔

فی الدر المختار: باب صلوة المسافر. أو كان أحدهما تبعاً للآخر بحيث تجب الجمعة على ساكنه للاتحاد حكماً، وفي رد المحتار: قوله: أو كان أحدهما تبعاً للآخر كالقرية التي قربت من المصر بحيث يسمع النداء على ما يأتي في الجمعة وفي البحر لو كان الموضعان من مصر واحد أو قرية واحدة فإنها صحيحة لأنهما متحذان حكماً ألا ترى أنه لو خرج إليه مسافراً لم يقصر اه ج ۱ ص ۸۴۴ (۱)

(۱) الدر المختار مع الشامي، كتاب الصلاة، باب صلاة المسافر، مكتبه زكريا ديوبند

۶۰۷/۲، کراچی ۱۲۶/۲۔

وقيد بالمصريين ومراوده موضعان صالحان للإقامة لا فرق بين المصريين أو القريتين أو المصر والقرية للاحتراز عن نية الإقامة في موضعين من مصر واحد أو قرية واحدة فإنها صحيحة لأنهما متحذان حكماً، ألا ترى أنه لو خرج إليه مسافراً لم يقصر. (البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب المسافر، مكتبه زكريا ديوبند ۲/۳۳۳، كوئٹہ ۲/۳۳۲)

النهر الفائق، كتاب الصلاة، باب صلاة المسافر، مكتبه زكريا ديوبند ۱/۳۴۷۔



وفي الدر المختار: باب صلوة الجمعة، وأما المنفصل عنه (إى عن المصر) فإن كان يسمع النداء تجب عليه عند محمد وبه يفتى كذا في الملتقى وقدمنا عن الولوالجية تقديره بفرسخ ورجح في البحر اعتبار عوده لبيته بلا كلفة. وفي رد المحتار: وصح في مواهب الرحمن قول أبى يوسف بوجوبها على من كان داخل حد الإقامة أي الذى من فارقه يصير مسافراً وإذا وصل إليه يصير مقيماً وعلله في شرحه المسمى بالبرهان بأن وجوبها مختص بأهل المصر والخارج عن هذا الحد ليس أهلهم وفيه بعد أسطر عن الخانية والمقيم في موضع من أطراف المصر إن كان بينه وبين عمران المصر فرجة من مزارع لا جمعة عليه وإن بلغه النداء الخ. ثم قال: بعد تصحيح هذا القول وترجيحه وينبغي تقييد ما في الخانية والتتارخانية بما إذا لم يكن في فناء المصر لما مرانها تصح إقامتها في الفناء ولو منفصلاً بمزارع فإذا صحت في الفناء لأنه ملحق بالمصري يجب على من كان فيه أن يصلحها لأنه من أهل المصر كما يعلم من تعليل البرهان ج ١ ص ٨٥٢. (١)

(١) الدر المختار مع الشامي، كتاب الصلاة، باب الجمعة، مطلب في شروط وجوب الجمعة، مكتبة زكريا ديوبند ٢٧/٣، كراچی ١٥٣/٢

ومن هو خارج المصر منفصلاً عنه إن كان يسمع النداء من المنادي بأعلى صوت تحب عليه الجمعة عند محمد وبه يفتى فيه مخالفة لأنه صرح صاحب الفتح وغيره لأن هذا رواية عن أبي يوسف إلا أن يحمل على اختلاف الروايتين، وعن أبي يوسف أنها تجب في ثلاثة فراسخ. وقال بعضهم: قدر ميل، وقيل: قدر ميلين، قيل: ستة. وفي الولوالجية: إن المختار للفتوى قدر الفرسخ لأنه أسهل على العامة، وهو ثلاثة أميال، وقيل: إن أمكنه أن يحضر الجمعة ويبيت بأهلهم من غير تكلف تجب عليه الجمعة وإلا لا، قال في البدائع: وهو أحسن، وفي البحر: وكان أولى لأنه الأحوط. (ملتقى الأبحر مع مجمع الأنهر، كتاب الصلاة، باب صلاة الجمعة، مكتبة دار الكتب العلمية بيروت ٢٥١/١)

شرط أدائها المصر أو مصلاه أي فناءه متصل به أو منفصل عنه بغلوة كذا قرره محمد في النوادر: وشرط بعضهم عدم الفاصل من مزرعة واختاره في الخانية: قال: ←

پس قول اول پر ان دونوں موضوعوں کو دیکھا جاوے گا کہ عرفاً دونوں مستقل سمجھے جاتے ہیں یا متحد؟ پہلی صورت میں تو عدم صحت جمعہ ظاہر ہے اور دوسری صورت میں صرف اتحاد کافی نہیں غایت مافی الباب دونوں ملکر ایک قریہ ہو جاوے گا مگر جس قریہ کبیرہ میں جمعہ کو جائز کہا گیا ہے اس کی تفسیر التی فیہا أسواق سے کی گئی ہے۔ کمافی ردالمحتار الجلد الاول ص ۸۳۶ (۱)

جس کا حاصل یہ ہے کہ صورت اس کی قصبات کی سی ہو اگر یہ شان ہو تو جمعہ در صورت اتحاد ہما عرفاً جائز ہو جاوے گا والا فلا اور قول ثانی پر یعنی جبکہ مدار وجوب جمعہ کا عدم لحوق مشقت پر ہو وجوب جمعہ کا دونوں موضوعوں کے اتحاد کو مستلزم نہ ہونا اور بھی ظاہر ہے کیونکہ اس تقدیر پر جمعہ من آواہ اللیل پر واجب ہے اور یقیناً وہ موضع مصر سے متحد نہیں اور خود وہاں جمعہ جائز نہیں اور بہشتی گو ہر اصل میں کتاب علم الفقہ کا ملخص ہے اگر یہ مسئلہ اس میں ہے تو مجھ کو یاد نہیں کہ تنخیص کے وقت اس پر نظر پڑی ہے یا نہیں۔ بہر حال اس میں جو کچھ لکھا ہوا اس کو اس وقت کی تحریر پر منطبق کرنا چاہئے اگر انطباق نہ ہو تو میری رائے یہی ہے جو اس وقت لکھ رہا ہوں

← والمیل والغلوۃ والأمیال لیس بشیئ کذا روی عن الإمام، قدرہ بعضهم بمیلین قال فی المحيط: وعلیہ الفتوی، وآخرون بثلاثة أمیال قال الولوالجی: وهو المختار للفتوی، واعتبر بعضهم عودہ إلى مبیته من غیر کلفة قال فی البدائع: وهذا أحسن، وفي المصمرات: یجب علی أهل القرى القریة الذین یسمعون النداء بأعلى الصوت وهو الصحیح. (النهر الفائق، کتاب الصلاة، باب صلاة الجمعة، مکتبہ زکریا دیوبند ۱/۳۵۳)

الفتاویٰ التاتاریخانیہ، کتاب الصلاة، الفصل الخامس والعشرون، شرائط الجمعة، مکتبہ زکریا دیوبند ۲/۵۵۳، رقم: ۳۲۷۵-۳۲۷۶۔

خانیہ علی الہندیہ، کتاب الصلاة، باب صلاة المسافر، قدیم زکریا ۱/۱۶۵، جدید زکریا ۱/۱۰۳۔

البحر الرائق، کتاب الصلاة، باب صلاة الجمعة، مکتبہ زکریا دیوبند ۲/۲۴۷-۲۴۸، کوئٹہ ۲/۱۴۱۔  
(۱) وفي القهستاني: تقع فرضاً في القصبات والقرى الكبيرة التي فيه أسواق ..... ولا تجوز في الصغيرة التي ليس فيها قاضٍ ومنبرٍ وخطيبٍ كما في المصمرات. (شامي مع الدر المختار، کتاب الصلاة، باب الجمعة، مکتبہ زکریا دیوبند ۳/۶-۷، کراچی ۲/۱۳۸) شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

کہ کوئی تعداد خاص تحدید کیلئے نہیں بلکہ امارۃ ہے اور اصل مدار مصر یا قصبہ یا قریہ کبیرہ بالمعنی المذکور کا ہوتا ہے۔  
 ۱۸/ رمضان ۱۳۲۷ھ بعد تحریر جواب ہذا ایک ثقہ مشاہد سے معلوم ہوا کہ جن قریوں کی نسبت سوال ہے وہ باہم اتنے متقارب نہیں ہیں کہ ان کو متصل و متحد کہہ سکیں تو جواب اور بھی اظہر ہے کہ پھر احتمال ہی صحت جمعہ کا نہیں۔  
 ۲۰/ رمضان ۱۳۲۷ھ (تمتہ اولی ص ۱۹)

## مصر کی تعریف میں کثرت سکان کی تحدید

**سوال (\*) (۵۹۱):** قدیم ۶۶۹/۱ - دربارہ مصر و شہر فقہاء تعریفات فرمودہ اند و مرجع ہر یک کثرت مردمان معلوم می نماید لیکن تعداد کثرت معلوم نکرد و فلا جرم در اداء جمعہ اختلافات دفع نکرد و تعداد کثرت تعین فرمودہ دہند باللائل فقہاء پس ہر جاء موافق فرمودہ کثرت یافتہ شود جمعہ قائم کردہ شود و اگر نہ ترک کردہ شود اگر عرفاً و اصطلاحاً ہر جا را کہ شہر گویند آں را اختیار کردہ شود در بعض دہ چنان کثرت مردمان است کہ ہم برابر قصبہ کبیرہ گردد لیکن نامش دہ نہادہ اند الغرض تعین کثرت از دلیل فقہاء لازم و ضروری امر است؟ فقط  
**الجواب (\*\*):** عددے معین دریں باب از نظر مگزشتہ و کتب ہم نزد م اندک است

**(\*) خلاصہ سوال:** مصر کی حضرات فقہاء نے کئی تعریفیں کی ہیں، جن کا حاصل ”کثرت آبادی“ معلوم ہوتا ہے؛ لیکن کثرت کی تعداد معلوم نہیں ہوتی ہے، جس کی وجہ سے اداء جمعہ میں جو اختلاف ہو رہا ہے وہ ختم نہیں ہوتا، آپ دلائل فقہیہ سے کثرت کی تحدید و تعین فرمادیں تاکہ جہاں جناب کی تعین کے مطابق کثرت ہو وہاں جمعہ قائم کر دیا جائے، ورنہ ترک کر دیا جائے، اگر عرف و اصطلاح کا لحاظ کیا جاوے کہ لوگ جسے شہر کہیں (وہی شہر ہو تو) بعض دیہاتوں میں لوگوں کی اس قدر کثرت ہوتی ہے کہ وہ بڑے قصبہ کے برابر ہوتے ہیں؛ لیکن نام ان کا بھی دیہات ہی ہوتا ہے۔

الغرض کثرت کی تعین دلیل فقہی سے کرنا لازم ضروری ہے۔ ۱۲ سعید احمد پالن پوری

**(\*\*) ترجمہ جواب:** اس سلسلہ میں معین عدد میری نظر سے نہیں گزرا ہے، اور میرے پاس کتابیں بھی کم ہیں؛ لہذا قول فیصل نہیں کہہ سکتا، ہاں عرف اور اس ملک کے حکماء و حکام تمدن کی اصطلاح کے پیش نظر - کہ وہ چار ہزار کی آبادی کو قصبہ شمار کرتے ہیں - اور فقہاء کے ارشاد: النبی فیہا أسواق - جو اس قریہ کبیرہ کی تعریف میں کہا گیا ہے، جہاں جمعہ قائم کیا جاسکتا ہے - ملحوظ رکھ کر فتویٰ دینے میں اپنا معمول یہ کر لیا ہے کہ جہاں جہاں یہ دونوں شرطیں پائی جائیں وہاں اقامت جمعہ کی اجازت دے دیتا ہوں اور اس سے زیادہ تحقیق نہیں ہے۔ ۱۲ سعید احمد پالن پوری

لہذا قول فیصل نتوانم گفت آری نظر بر عرف واصطلاح حکماء وحکام تمدن ایں ملک کہ آبادی چہار ہزار مردم راقصبہ می شمارند مع نظر بر قول فقہاء اُلسی فیہا أسواق (۱) در تعریف قریہ کبیرہ کی صالح اقامت جمعہ است معمول خود در فتویٰ چینیں کردہ ام کہ ہر جا کہ ہر دو شرط یافتہ شود اجازت اقامت جمعہ میدہم و زیادہ ازین تحقیق نیست۔

۲۷ شوال ۱۳۲۷ھ (تمتہ اولی ص ۲۱)

## تکبیرات عیدین میں رفع یدین کی دلیل

**سوال (۵۹۲):** قدیم ۱/۶۷ - عیدین کی تکبیر میں ہاتھ اٹھانے کا کہیں ثبوت ہے، ہم لوگوں کو ملائیں اور یہاں غیر مقلدوں نے اشتہار چھاپا ہے کہ نماز جنازہ کی طرح تکبیر کہنا چاہئے یعنی ہاتھ نہ اٹھانا چاہئے اس کا کوئی ثبوت نہیں؟

**الجواب:** آثار السنن، ج ۲ ص ۱۸، میں باسناد صحیحہ طحاوی سے ابراہیم نخعی کا فتویٰ اس میں نقل کیا ہے۔ قال ترفع الأيدي في سبع مواطن في افتتاح الصلوة وفي التكبير للكنوت في الوتر وفي العیدین، (الحديث) (۲)

اور اجلہ تابعین کے فتویٰ کا حجت ہونا حنفیہ نے اپنے اصول فقہ میں بدلیل ثابت کیا ہے۔

۱۳ رزی الحج ۱۳۲۷ھ (تمتہ اولی ص ۲۲)

(۱) في رد المحتار نقلاً عن القهستاني: تقع فرضاً في القصابات والقرى الكبيرة التي فيها أسواق. (شامي مع الدر المختار، كتاب الصلاة، باب الجمعة، مكتبة زكريا ديوبند ۶/۳-۷، كراچی ۱۳۸/۲) شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

(۲) أخرج الطحاوي عن إبراهيم النخعي قال: ترفع الأيدي في سبع مواطن، في افتتاح الصلاة، وفي التكبير للكنوت في الوتر وفي العیدین وعند استلام الحجر وعلى الصفا والمروة وبجمع وعرفات وعند المقامين عند الجمرتين. (شرح معاني الآثار للطحاوي، كتاب مناسك الحج، باب رفع اليدين عند رؤية البيت، دار الكتب العلمية بيروت ۲/۴۸، رقم: ۳۷۴، مكتبة اشرفية ديوبند ۱/۴۱۷) ←

## قریہ صغیرہ میں جمعہ نہ ہونا

**سوال (۵۹۳):** قدیم ۱/۶۷ - ایک گاؤں میں تخمیناً چالیس گھر ہیں اور اس گاؤں میں فقط ایک ہی مسجد ہے اور وہ مسجد کی جگہ سرکار کی جانب سے وقف ہے اور پنجگانہ نماز جماعت کے ساتھ ادا کی جاتی ہے اور وہ مسجد اس قسم کی ہے کہ اگر فقط اس محلہ کے مصلیٰ لوگ حاضر ہو جائیں تو مسجد بھر جاتی ہے اور اس گاؤں میں سرکار کی طرف سے حاکم مقرر ہے وہ سرکار کے قانون کے مطابق انصاف کرتے ہیں اور اس گاؤں کے پورب کی طرف تخمیناً ایک میل کے فاصلہ پر دوسرا گاؤں ہے اس میں بھی اٹنی<sup>(۱)</sup> نو<sup>(۲)</sup> گھر ہونگے اور اسکے اتر کی طرف پاؤ میل فاصلہ پر دوسرا گاؤں ہے اسمیں بھی تخمیناً تیس گھر ہیں اور تینوں میں سے کسی میں بھی بازار نہیں ہے؛ بلکہ تین میل فاصلہ پر بازار موجود ہے تو اس گاؤں میں جمعہ کی نماز درست ہے یا نہیں۔ بیوا تو جروا؟

**الجواب:** گاؤں مذکور قریہ صغیرہ ہے اس لئے مذہب حنفی کے موافق اس میں جمعہ درست نہیں۔ (۱)

۱۳/زی الحجۃ ۱۳۲۷ (تتمہ اولیٰ ص ۲۲)

← وأخرج عبد الرزاق عن ابن جريج قال: قلت لعطاء: يرفع الإمام يديه كلما كبر هذا التكبير الزيادة في صلاة الفطر؟ قال: نعم! ويرفع الناس أيضاً. (مصنف عبد الرزاق، باب التكبير باليدين، دار الكتب العلمية بيروت ۳/ ۱۶۹، رقم: ۵۷۱۶)

وأخرج البيهقي في سننه عن بكر بن سواد أن عمر بن الخطاب رضي الله تعالى عنه كان يرفع يديه مع كل تكبيرة في الجنازة والعيدين. (السنن الكبرى للبيهقي، صلاة العيدين، باب رفع اليدين في تكبير العيد، دار الفكر ۵/ ۷۲، رقم: ۶۲۸۱) شبير احمد قاسمی عفا الله عنه

(۱) عن علي قال: لا جمعة، ولا تشريق، ولا صلاة فطر، ولا أضحي، إلا في مصر جامع، أو مدينة عظيمة. (مصنف ابن أبي شيبة، كتاب الصلاة، من قال لا جمعة، ولا تشريق إلا في مصر جامع، مؤسسة علوم القرآن ۴/ ۴۶، رقم: ۵۰۹۹)

عن حذيفة قال: ليس على أهل القرى جمعة، إنما الجمعة على أهل الأمصار مثل المدائن. (مصنف لابن أبي شيبة، كتاب الصلاة، من قال: لا جمعة، ولا تشريق إلا في مصر جامع، مؤسسة علوم القرآن ۴/ ۴۶، رقم: ۵۱۰۰) ←

## بنگال کے گاؤں و دیہاتوں میں جمعہ کا حکم

**سوال (۵۹۴):** قدیم/۱/۶۷۱- تمہید بندہ کو ذیقعدہ ۱۳۲۷ھ میں اتفاق سفر ڈھاکہ کا ہوا ایک ماہ بعد واپس آیا اس اثناء میں قصد آجاکر بعض دیہات کو دیکھا اور نیز وہاں کے فہیم اور ذی علم باشندوں سے بھی تحقیق کیا بعض دیہات کو اسٹیمر پر سے دیکھا اور بعض احباب اہل ملک سے جو کہ ہم سفر تھے اس کی حالت بھی سنی اس مجموعہ سے جو مستفاد ہوا، اس کو بطور کلیہ کے لکھتا ہوں تاکہ اس سے قرئی بنگال میں سے ہر جگہ کا حکم صحت و عدم صحت جمعہ جو عند الحفیہ ہے معلوم ہو جاوے۔ وہی ہذا اگر ایک قریہ اتنا بڑا ہے کہ اس میں تین چار ہزار کی مردم شماری ہے اور اس میں ضروری حوائج کے لئے بازار بھی ہے وہاں جمعہ بلا تکلف جائز ہے (۱)

← عن أبي بكر بن محمد بن عمرو بن حزم، أنه أمر أهل قباء وأهل ذي الحليفة، وأهل القرى الصغار حوله أن لا تجمعوا، وأن تشهدوا الجمعة بالمدينة. (مصنف عبد الرزاق، باب القرى الصغار، دار الكتب العلمية بيروت ۷۱/۳، رقم: ۵۱۹۴)

لا تصح الجمعة إلا في مصر جامع أو في مصلى المصر ولا تجوز في القرى. (هداية، كتاب الصلاة، باب صلاة الجمعة، مكتبة اشرفية ديوبند ۱۶۸/۱)

وفيما ذكرنا إشارة إلى أنه لا تجوز في الصغيرة التي ليس فيها قاض، ومنبر، وخطيب. كما في المضمرة. (شامي، كتاب الصلاة، باب الجمعة، مكتبة زكريا ديوبند ۷/۳، کراچی ۱۳۸/۲)

وكذا اتفق الجميع على عدم جواز إقامتها في البوادي والقرى التي يظن أهلها عنها صيفاً وشتاءً- إلى قوله- قال أبو بكر في "أحكامه" واتفق فقهاء الأمصار على أن الجمعة مخصوصة بمواضع لا يجوز فعلها في غيره؛ لأنهم مجمعون على أن الجمعة لا تجوز في البوادي ومناهل الأعراب، فقال أصحابنا: هي مخصوصة بالأمصار ولا تصح في السواد وهو قول الثوري وعبيد الله بن الحسن. (إعلاء السنن، كتاب الصلاة، باب صلاة الجمعة، دار الكتب العلمية بيروت ۷/۸) شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

(۱) وفي الشامي نقلاً عن القهستاني: تقع فرضاً في القصبات والقرى الكبيرة التي فيها أسواق. (الدر المختار مع الشامي، كتاب الصلاة، باب الجمعة، زكريا ۶۷/۳، کراچی ۱۳۸/۲)

اور اگر ایک قریہ اتنا بڑا نہیں ہے مگر اس کے قریب دوسرا قریہ بھی ہے کہ مجموعہ دونوں کا اس سابق ایک کے مثل ہے تو دیکھنا چاہیے کہ اس دوسرے قریہ کو پہلے قریہ سے کیسا اتصال ہے اگر ایسا اتصال ہو کہ دیکھنے والے کو اگر یہ نہ بتلادیا جاوے کہ فلاں جگہ سے دوسرا قریہ شروع ہوا ہے تو دونوں کو ایک ہی سمجھے ایسے اتصال سے ان دونوں کو متحد سمجھا جائے گا (۱) اور اس مجموعہ میں وہ دو پہلی قیدیں دیکھی جاویں گی اور ان کے تحقق کی صورت میں جمعہ صحیح ہوگا اور اگر ایسا اتصال نہیں ہے گویا یہ فصل بھی نہ ہو تو دونوں کو جدا جدا سمجھا جاوے گا اور جب کہ ہر واحد صغیرہ ہے تو جمعہ کسی میں صحیح نہ ہوگا۔ (۲) اور وہاں یہ بھی معلوم ہوا کہ بعض قریٰ متصل چلے گئے ہیں مگر مجموعہ سے دائرہ کی صورت بنتی ہے اور اس محیط کے درمیان میں بہت جگہ غیر آباد ہے جس میں کاشت و باغ وغیرہ ہے اور بازار کسی ایک حصہ میں نہیں ہے بلکہ منتقل ہوتا رہتا ہے سو عند التامل مجھ کو ان کا حکم بھی مثل واحد کے معلوم ہوتا ہے۔ (۳) البتہ اگر ایک قریہ سے دوسرے قریہ میں مفازہ قطع کر کے جاویں اور مفازہ مسافت قصر ہو تو قصر واجب ہو جاوے گا۔ (\*) (حوالہ بالا)

(\*) اس کے بعد وہاں کے علماء کی تحریرات سے قدرے تردد ہو گیا، جس کے بعد یہ معمول کر لیا کہ وہاں کے جمعہ کے باب میں لکھ دیا جاتا ہے کہ وہاں کے علماء سے پوچھنا بہتر ہے۔ ۱۲ منہ

(۱) القریتان المتدانیتان المتصل بناء إحداهما بالأخرى أو التي يرتفق أهل إحداهما بالأخرى فهما كالقرية الواحدة. (الموسوعة الفقهية الكويتية ۲۷/۲۷۹)

(۲) عن حذيفة قال: ليس على أهل القرى الجمعة، إنما الجمعة على أهل الأمصار مثل المدائن. (مصنف لابن أبي شيبة، كتاب الصلاة، من قال: لا الجمعة، ولا تشريق إلا في مصر جامع، مؤسسة علوم القرآن ۶/۴، رقم: ۵۱۰۰)

و کذا اتفق الجميع على عدم جواز إقامتها في البوادي والقرى التي يظعن أهلها عنها صيفاً وشتاءً— إلى قوله— قال أبو بكر في "أحكامه" واتفق فقهاء الأمصار على أن الجمعة مخصوصة بمواضع لا يجوز فعلها في غيره؛ لأنهم مجمعون على أن الجمعة لا تجوز في البوادي ومناهل الأعراب، فقال أصحابنا: هي مخصوصة بالأمصار ولا تصح في السواد وهو قول الثوري وعبيد الله بن الحسن. (إعلاء السنن، كتاب الصلاة، باب صلاة الجمعة، دار الكتب العلمية بيروت ۷/۸)

وفيما ذكرنا إشارة إلى أنه لا تجوز في الصغيرة التي ليس فيها قاض ومنبر وخطيب كما في المضمورات. (شامي، كتاب الصلاة، باب الجمعة، مكتبة زكريا ديوبند ۷/۳، کراچی ۱۳۸/۲)

(۳) حضرت والا تھانویؒ نے دو گاؤں کے درمیان کھیت اور باغ کو فاصل قرار نہ دے کر دونوں ←

## قریہ کبیرہ کی تعریف

**سوال (۵۹۵):** قدیم ۱/۲۷۶ - ایک بڑی ضروری بات قابل گزارش ہے جس سے سخت تشویش رہتی ہے کہ احقر کا مکان ایک موضع میں ہے جس کو عرفاً دیہات ہی کہتے ہیں گو اس کی آبادی تین چار ہزار کی ہے احقر کو معلوم تحقیقاً یہی تھا کہ جس کو عرفاً قصبہ یا شہر کہتے ہیں اس میں جمعہ فرض ہے اس بناء پر اس دفعہ مکان گیا تو جمعہ کی نماز میں شریک نہیں ہوا لوگ چونکہ مانتے ہیں اس لئے زیادہ الجھتے نہیں البتہ دریافت کیا ان کو نرمی سے سمجھا دیا اور کہہ دیا کہ میں آپ لوگوں کو منع نہیں کرتا ہاں مجھے معذور سمجھیں۔ مگر درمختار میں قریہ کبیرہ کو بھی داخل حکم قصبہ یا شہر لکھا ہے۔ اب سخت تردد ہے کہ کبیرہ صغیرہ کا معیار کیا ہے نیز قریہ خواہ کبیرہ ہو یا صغیرہ اس کو نص مصر جامع کے ہوتے ہوئے کیسے حکم دیا گیا؟ اب مشکل یہ ہوئی کہ احقر اپنے مکان پر کیا کرے تمام ہندو مسلمان ملکر کم از کم تین ہزار سے زیادہ ہوں گے

← گاؤں کو متحد اور ان کی آبادی کے مجموعہ کا اعتبار کیا ہے؛ جبکہ صریح جزئیات سے معلوم ہوتا ہے کہ باغ اور کھیت دو گاؤں کے درمیان فاصل قرار پائیں گے ملاحظہ فرمائیں:

من كان مقيماً في أطراف المصر ليس بينه وبين المصر فرجة بل الأبنية متصلة إليه فعليه الجمعة، وإن كان بينه وبين المصر فرجة من المزارع والمراعي فلا الجمعة عليه، وإن كان يسمع النداء. (حلي كبير، فصل في صلاة الجمعة، مكتبة اشرفية ديوبند ص: ۵۵۲)

ولو كان بين ذلك الموضع وبين عمران المصر فرجة من المزارع والمراعي لا الجمعة على أهل ذلك الموضع، وإن كان النداء يبلغهم. (الفتاوى التاتارخانية، كتاب الصلاة، الفصل الخامس والعشرون في شرائط الجمعة، مكتبة زكريا ديوبند ۲/۵۵۳، رقم: ۳۲۷۶)

ومن كان مقيماً بموضع بينه وبين المصر فرجة من المزارع والمراعي نحو القلع ببخارى لا الجمعة على أهل ذلك الموضع. (هندية، كتاب الصلاة، الباب السادس عشر في صلاة الجمعة، قدیم زکریا ۱/۱۴۵، جدید زکریا ۱/۲۰۵)

البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب صلاة الجمعة، مكتبة زكريا ديوبند ۲/۲۴۷،  
کوئٹہ ۱۴۱/۲ - شبیر احمد قاسمی عفی اللہ عنہ



نیز دوکان بھی پچیس تیس گھر موجود ہیں ہر قسم کی ضروری چیزیں بھی ملتی ہیں؛ البتہ کوئی تھانہ وغیرہ نہیں احقر کو سخت پریشانی ہے کہ خدا جانے کیا فرض ہے جمعہ چھوڑتے ہوئے پڑھتے ہوئے دونوں میں مشکل معلوم ہوتی ہے براہ شفقت جناب ہی اس کے متعلق دو چار حرف لکھتے تو تسکینی ہو جاتی؟

**الجواب:** میں قریہ کبیرہ کے معنی قصبہ کے سمجھتا ہوں قرینہ اسکا یہ ہے کہ فقہاء قریہ کبیرہ کی صفت میں التی فیہا أسواق بڑھاتے ہیں (۱) گویا یہ تفسیر ہے اور یہ شان قصبہ کی ہوتی ہے اور عرف میں مصر قصبہ کو بھی کہتے ہیں۔ (۲) (تمہ خامسہ ص ۲۵)

**سوال (۵۹۶):** قدیم ۱/۶۷ - کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک موضع کی آبادی تخمیناً چار ہزار (۴۰۰۰) کی ہے ضرورت کی ساری چیزیں حتیٰ کہ دوائیں بھی مل جاتی ہیں ڈاکخانہ ہے، سرکاری مدرسہ ہے پہلے تحصیلداری بھی تھی اب اٹھ کر دوسری جگہ چلی گئی، ہفتہ میں دو مرتبہ بازار لگتا ہے بازار میں دس بارہ دوکانیں ایسی ہیں جو مستقل طور سے

(۱) وفي رد المحتار نقلاً عن القهستاني: تقع فرضاً في القصبات والقرى الكبيرة التي فيها أسواق. (شامي مع الدر المختار، كتاب الصلاة، باب الجمعة، زكريا ۶/۳، كراچی ۱۳۸/۲)  
(۲) وأيضاً فإن المصر والقرية كلاهما حقيقة عرفية قد تميز مصداق كل منهما عن الآخر عند أهل العرف في كل زمان. (إعلاء السنن، كتاب الصلاة، باب عدم جواز الجمعة في القرى، دار الكتب العلمية بيروت ۱/۸)

واعلم أن القرية والمصر من الأشياء العرفية التي لا تكاد تنضبط بحال، وإن نص ولذا ترك الفقهاء تعريف المصر على العرف. (فيض الباري، باب الجمعة في القرى والمدن، مكتبه خضر دیوبند ۲/۳۲۹)

وليس هذا كله تحديداً له؛ بل إشارة إلى تعيينه وتقريب له إلى الأذهان، وحاصله إدارة الأمر على رأي أهل كل زمان في عدهم المعمورة مصرًا، فما هو مصر في عرفهم جازت الجمعة فيه وما ليس بمصر لم يجز فيه إلا أن يكون فناء المصر. (الكوكب الدرر، أبواب الجمعة، باب ما جاء في ترك الجمعة من غير عذر، مكتبه يحيويہ ۱/۹۹۹) شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

روزمرہ کھلی رہتی ہیں جن میں سے مسلسل پانچ چھ ایک طرف ہیں اور پانچ چھ دوسری طرف درمیان میں دس بارہ قدم کا فاصلہ ہے اور یہ دوکانیں بازار کے نام سے موسوم ہیں۔ سابق یعنی شاہی زمانہ میں یہاں قلعہ بھی تھا جس کے آثار اب تک کثرت سے موجود ہیں۔ باوجود نمازیوں کی قلت کے ہر جمعہ میں کم و بیش سو آدمی ہو جاتے ہیں اور رمضان شریف میں اس سے زیادہ۔ قاضی و ملا کے خاندان کے لوگ بھی ہیں، ان آثار سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ پہلے زمانہ میں کوئی بڑی جگہ تھی لہذا یہاں جمعہ جائز ہے یا نہیں؟

**الجواب:** اس کی موجودہ حالت مقتضی ہے جواز جمعہ کو۔ آبادی بھی چھوٹے قصبات کی سی ہے اور حوائج ضروریہ کی مستقل دوکانیں بھی ہیں جو عرف میں بازار کہلاتا ہے (۱) اور تحقیق شرط مصر کا مدار عرف ہی پر ہے علی الاصح۔ (۲) اور اس سے قطع نظر کر کے بھی جب آثار و قرائن قویہ سے اس کی حالت ماضیہ مصر جیسی تھی تو بعض آثار مصریہ کا باقی رہنا بھی (جیسا کہ چار ہزار کی آبادی مصریہ کا اثر اعظم ہے) صحت جمعہ کیلئے کافی ہے۔

(۱) وفي رد المحتار نقلاً عن القهستاني: تقع فرضاً في القصبات والقرى الكبيرة التي فيها أسواق. (شامي مع الدر المختار، كتاب الصلاة، باب الجمعة، زكريا ۶/۳، کراچی ۱۳۸/۲)

(۲) وأيضاً فإن المصر والقرية كلاهما حقيقة عرفية قديمية مصداق كل منهما عن الآخر عند أهل العرف في كل زمان. (إعلاء السنن، كتاب الصلاة، باب عدم جواز الجمعة في القرى، دار الكتب العلمية بيروت ۱۱/۸)

واعلم أن القرية والمصر من الأشياء العرفية التي لا تكاد تنضبط بحال، وإن نص ولذا ترك الفقهاء تعريف المصر على العرف. (فيض الباري، باب الجمعة في القرى والمدن، مكتبه خضر ديوبند ۳۲۹/۲)

وليس هذا كله تحديداً له؛ بل إشارة إلى تعيينه وتقريب له إلى الأذهان، وحاصله إدارة الأمر على رأي أهل كل زمان في عدهم المعمورة مصرًا، فما هو مصر في عرفهم جازت الجمعة فيه وما ليس بمصر لم يجز فيه إلا أن يكون فناء المصر. (الكوكب الدري، أبواب الجمعة، باب ما جاء في ترك الجمعة من غير عذر، مكتبه يحيويه سهارن پور ۱۹۹/۱)

شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

دلیلہ ما فی شرح السیر الکبیر ص ۸۱ ج ۳، فلا تنصیر دار السلام إلا بانقطاع يدأهل الحرب عنها من كل وجه وهذا لأن ما كان ثابتاً فإنه يبقى ببقاء بعض اثاره ولا يرتفع إلا باعتراض معنی هو مثله أو فوقه اه قلت وشمل هذا الکلی الجزئی المتکلم فیہ۔  
البتہ چونکہ ایسے امور میں اجتہاد کی گنجائش ہوتی ہے اس لئے فاعلین و تارکین اس اختلاف کو حد معارضہ و تشویش تک نہ پہنچادیں۔

۱۷/محررم ۱۳۵۳ھ (النور جمادی الاولیٰ)

## قبل صلوٰۃ عید اشراق پڑھنے کا حکم

**سوال (۵۹۷):** قدیم ۱/۴۷۷- بروز عیدین نماز اشراق وچاشت کیوں نہیں پڑھتے ممانعت کی وجہ کیا ہے۔ اگر یہ خیال کیا جاوے کہ وقت نماز عیدین کا اشراق سے لیکر چاشت یعنی زوال سے قبل تک ہے اس وجہ سے نہیں پڑھتے تو یہ بظاہر کوئی وجہ ممانعت کی معلوم نہیں کیونکہ ہر ایک کا وقت علیحدہ ہے تشابہ نماز عیدین نہیں ہو سکتا کہ وہ نماز بجماعت ہے اور یہ نمازیں فرادی فرادی ہیں؟  
**الجواب:** اس کی وجہ یہ ہے کہ حضور ﷺ سے اس روز پڑھنا اس کا ثابت نہیں اور چاشت پڑھنے کا بعد واپس آنے کے کچھ حرج نہیں۔ (۱)

۲۱/رمزی الحجۃ ۱۳۲۷ھ (تتمہ اولیٰ ص ۲۳)

(۱) أخرج ابن ماجة عن أبي سعيدن الخدري رضي الله تعالى عنه قال: كان رسول الله صلى الله عليه وسلم لا يصلي قبل العيد شيئاً، فإذا رجع إلى منزله صلى ركعتين. (سنن ابن ماجة، كتاب الصلاة العیدین، باب ما جاء في الصلاة قبل صلاة العيد وبعدها، النسخة الهندية ص: ۹۲، دار السلام رقم: ۱۲۹۳)

أخرج الطبراني عن إبراهيم، أن ابن مسعود كان لا يصلي قبلها، ويصلي بعدها أربع ركعات. (المعجم الكبير للطبراني، دار إحياء التراث العربي ۹/۳۰۶، رقم: ۹۵۲۸)  
أخرج ابن أبي شيبة عن يزيد بن أبي زياد قال: رأيت إبراهيم وسعيد بن جبیر ومجاهداً وعبد الرحمن بن أبي ليلى يصلون بعدها أربعاً.

وأخرج أيضاً عن إبراهيم عن علقمة وأصحاب عبد الله، أنهم كانوا يصلون بعد العيد أربعاً.

وأخرج أيضاً عن إبراهيم قال: كانوا يصلون بعد العیدین أربعاً ←

## جمعہ کے واسطے مصر کی شرط

**سوال (۵۹۸):** قدیم ۶۷۴/۱ - یا ایہا الذین امنوا إذا نودی للصلوة من يوم الجمعة فاسعوا الى ذکر اللہ. (۱)

اور حدیث الجمعة حق واجب علی کل مسلم فی جماعةٍ إلا علی أربعة عبد مملوک أو امرأة أو صبی أو مریض. (۲)

← ولا یصلون قبلہما شیئاً. (مصنف لابن أبی شیبہ، کتاب الصلاة، فیمن کان یصلي بعد العید أربعاً، مؤسسة علوم القرآن بیروت ۲۲۷/۴، رقم: ۵۸۰۰-۵۸۰۴-۵۸۰۵)

أخرج الطبرانی عن ابن سيرين وقتادة أن ابن مسعود كان یصلي بعدها أربع ركعات أو ثمان وكان لا یصلي قبلها. (المعجم الكبير للطبرانی دار إحياء التراث العربي ۳۰۶/۹، رقم: ۹۵۲۹)  
قال محمدٌ فی الأصل: وليس قبل العیدین صلاة یريد أنه لا يتطوع قبل صلاة العیدین ..... وفي الحجة: هذا فی الجبانة: أما فی البلدة لا بأس بها فی بيته أو فی ناحية المسجد، وقال أكثر المشايخ: يكره ما لم یصل العید، وإن شاء تطوع بعد الفراغ من الخطبة لحديث عليٍّ "من صلی بعد العید أربع ركعات كتب الله له بكل نبت وبكل ورقة حسنة. (الفتاوى التاتارخانية، کتاب الصلاة، الفصل السادس والعشرون، صلاة العیدین، مكتبه زكريا دیوبند ۶۲۲/۲، رقم: ۳۴۴۹) شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

(۱) سورة الجمعة آیت: ۹ -

(۲) أبوداؤد شریف، کتاب الصلاة، باب الجمع للمملوک، النسخة الهندية ۱/۵۳، دارالسلام رقم: ۱۰۶۷ -

إعلاء السنن، أبواب الجمعة، باب من لا تجب علیهم الجمعة، دار الكتب العلمية بیروت ۷۷/۸ -

أخرج عبد الرزاق عن الشعبي قال: ليس علی المرأة ولا علی المملوک ولا علی المسافر ولا علی الصبی جمعة. (مصنف عبد الرزاق، باب من تجب علیہ الجمعة، دار الكتب العلمية بیروت ۷۳/۳، رقم: ۵۲۱۳)

دوسری حدیث: من كان يوم من بالله واليوم الآخر فعليه الجمعة يوم الجمعة إلا لمريض أو مسافر أو امرأة أو صبي أو مملوك۔ (۱)

موافق مطلب آیت کریمہ اور ہر دو حدیث کے سوائے ان کے جن کو شارع نے استثناء کیا ہے نماز جمعہ ہر مسلمان پر فرض ہے یا فقط شہر والوں پر؟

**الجواب:** جس طرح احادیث مذکورہ سوال بعض کے استثناء کی دلیل ہیں اسی طرح اہل قرئی کے استثناء کی دوسری شرعی دلیل بھی موجود ہے (۲) پس وہ بھی مستثنیٰ ہوئی اس لئے صرف اہل مصر پر فرض رہی تحقیق اس کی مشیع و مبسوط و کافی رسالہ اوثق العری میں اور تدقیق اس کی رسالہ احسن القرئی میں موجود ہے۔  
۶ محرم ۱۳۲۸ھ (تمتہ اولیٰ ص ۲۷)

**سوال (۵۹۹):** قدیم ۶۷۴/۱ - گزشتہ خط میں اس مضمون کو لکھا تھا کہ کہاں پر جمعہ وعیدین درست ہے اور کہاں پر نہیں حضور نے ارشاد فرمایا کہ جس جگہ تقریباً چار ہزار کی کل مردم شماری ہو یعنی چھوٹے بڑے کافر مسلمان سب ملا کر اور بازار بھی ہو وہاں جمعہ وعیدین درست ہے اور جہاں یہ شرطیں نہ ہوں درست نہیں۔

(۱) عن محمد بن كعب القرظي قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: من كان يؤمن بالله واليوم الآخر فعليه الجمعة يوم الجمعة إلا على امرأة أو صبي أو مملوك أو مريض. (مصنف ابن أبي شيبة، كتاب الصلاة، فيم لاتجب عليه الجمعة، مؤسسة علوم القرآن بيروت ۶/۴، رقم: ۵۱۹۱)

(۲) عن حذيفة قال: ليس على أهل القرى الجمعة، إنما الجمعة على أهل الأمصار مثل المدائن. (مصنف ابن أبي شيبة، كتاب الصلاة، باب من قال: لا الجمعة، ولا تشريق إلا في مصر جامع. مؤسسة علوم القرآن ۶/۴، رقم: ۵۱۰۰)

وأخرج عبد الرزاق عن علي قال: لا الجمعة، ولا تشريق إلا في مصر جامع. وأخرج عن أبي بكر بن محمد بن عمرو بن حزم أنه أمر أهل قباء، وأهل ذي الحليفة، وأهل القرى الصغار حوله أن لا تجمعوا، وأن تشهدوا الجمعة بالمدينة. (مصنف عبد الرزاق، كتاب الصلاة، باب القرى الصغار، دار الكتب العلمية بيروت ۷۰/۳ - ۷۱، رقم: ۵۱۸۹ - ۵۱۹۴)  
عن علي قال: لا الجمعة ولا تشريق ولا صلاة فطر، ولا أضحي إلا في مصر جامع أو مدينة عظيمة. (مصنف ابن أبي شيبة، كتاب الصلاة، باب ما قال: لا الجمعة ولا تشريق إلا في مصر جامع، مؤسسة علوم القرآن ۶/۴، رقم: ۵۰۹۹) شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

اب عرض کرتا ہوں کہ آپ اس مضمون کو کون کون سی کتاب سے فرماتے ہیں بتلا دیجئے۔ درمختار و تنویر الابصار و بحر الرائق کی تحریر کہ ”المصر هو ما لا يسع أكبر مساجده أهله المكلفين بها وعليه فتوى أكثر الفقهاء. (۱) عن أبي يوسف أنه إذا اجتمعوا في أكبر مساجدهم للصلاة الخمس لم يسعهم وعليه الفتوى لأكثر الفقهاء“ (۲) کیوں معتبر نہیں؟

**الجواب:** میراخذ علامہ شامی کی نقل ہے خود امام صاحب سے

”هو بلدة كبيرة فيها سكك وأسواق. (۳)“

(۱) الدر المختار مع الشامي، كتاب الصلاة، باب الجمعة، مكتبه زكريا ديوبند

۵/۳، کراچی ۱۳۷/۲۔

(۲) البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب صلاة الجمعة، مكتبه زكريا ديوبند ۲/۲۴۷،

کوئٹہ ۱۴۰/۲۔

(۳) عن أبي حنيفة: أنه بلدة كبيرة فيها سكك، وأسواق، ولها رساتيق، وفيها وال يقدر على إنصاف المظلوم من الظالم بحشمته، وعلمه، أو علم غيره يرجع الناس إليه فيما يقع من الحوادث، وهذا هو الأصح. (شامي مع الدر المختار، كتاب الصلاة، باب الجمعة، مكتبه زكريا ديوبند ۵/۳، کراچی ۱۳۷/۲)

وفي حد المصر أقوال كثيرة، اختاروا منها قولين: أحدهما ما في المختصر، ثانيهما ما عزوة لأبي حنيفة: أنه بلدة كبيرة فيها سكك، وأسواق، ولها رساتيق، وفيها وال يقدر على إنصاف المظلوم من الظالم بحشمته، وعلمه، أو علم غيره والناس يرجعون إليه في الحوادث، قال في البدائع: وهو الأصح وتبعه الشارح وهو أخص ما في المختصر. (البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب صلاة الجمعة، مكتبه زكريا ديوبند ۲/۲۴۶، کوئٹہ ۱۴۰/۲)

حلبی کبیری، كتاب الصلاة، فصل في صلاة الجمعة، مكتبه اشرفية ديوبند ص: ۵۵۰۔

الفتاوى التاتارخانية، كتاب الصلاة، الفصل الخامس والعشرون في شرائط الجمعة،

مكتبه زكريا ديوبند ۵۴۹/۲، رقم: ۳۲۶۶۔

مجمع الأنهر، كتاب الصلاة، باب الجمعة، دار الكتب العلمية بيروت ۱/۲۴۷۔

اور بلده ایک امر عرفی ہے (۱)۔ خود امام صاحب کا قاعدہ ہے کہ جس میں تحدید شرعی نہ ہو رائے مبتلی بہ پر اس کا مدار ہوتا ہے اور جس طرح آب کثیر میں دہ دردہ انتظام کیلئے مقرر کیا گیا (۲)۔

(۱) واعلم أن القرية والمصر من الأشياء العرفية التي لا تكاد تنضبط بحال، وإن نص ولذا ترك الفقهاء تعريف المصر على العرف. (فيض الباري، باب الجمعة في القرى والمدن، مكتبة خضر دیوبند ۳۲۹/۲)

وأيضاً فإن المصر والقرية كلاهما حقيقة عرفية قد تميز مصداق كل منهما عن الآخر عند أهل العرف في كل زمان. (إعلاء السنن، كتاب الصلاة، باب عدم جواز الجمعة في القرى، دار الكتب العلمية بيروت ۱/۸)

وليس هذا كله تحديداً له؛ بل إشارة إلى تعيينه وتقريب له إلى الأذهان، وحاصله إدارة الأمر على رأي أهل كل زمان في عددهم المعمورة مصرًا، فما هو مصر في عرفهم جازت الجمعة فيه وما ليس بمصر لم يجز فيه إلا أن يكون فناء المصر. (الكوكب الدري، أبواب الجمعة، باب ما جاء في ترك الجمعة من غير عذر، مكتبة يحيويه ۱۹۹/۱)

(۲) والمعتبر في مقدار الراكذ أكبر رأي المبتلى به فيه، فإن غلب على ظنه عدم خلوص النجاسة إلى الجانب الآخر جاز وإلا لا هذا ظاهر الرواية عن الإمام وإليه رجع محمدٌ وهو الأصح كما في الغاية وغيرها وحقق في البحر: أنه المذهب وبه يعمل، وأن التقدير بعشرٍ في عشر لا يرجع إلى أصل يعتمد عليه؛ لكن في النهر، وأنت خبير بأن اعتبار العشر أضبط لا سيما في حق من لا رأي له من العوام؛ فلذا أفتى به المتأخرون الأعلام (درمختار) وفي الشامية: قوله: وهو الأصح: زاد في الفتح وهو الأليق بأصل أبي حنيفة، أعني عدم التحكم بتقدير فيما لم يرد فيه تقدير شرعي والتفويض فيه إلى رأي المبتلى ببناء على عدم صحة ثبوت تقديره شرعاً. (الدر المختار مع الشامي، كتاب الطهارة، باب المياه، مكتبة زكريا دیوبند ۳۴۰/۱-۳۴۱، کراچی ۱۹۱/۱-۱۹۲)

وبعضهم قدروا بالمساحة عشرًا في عشر بذراع الكرباس توسعه للأمر على الناس وعليه الفتوى. (هداية، كتاب الطهارة، باب الماء الذي يجوز به الوضوء وما لا يجوز به، مكتبة

اس طرح یہاں انتظام کیلئے حکمائے تمدن یعنی حکام وقت کی عرف و اصطلاح کا اعتبار ہوگا اور وہ چار ہزار آدمی کی آبادی کو قبضہ کہتے ہیں اور قبضہ بتصریح فقہاء حکم مصر میں ہے (۱)۔ اور یہ تعریف: ہو ما لایسع الخ۔ حدتام نہیں رسم ناقص ہے اس وقت یہ حالت امصار کی تھی۔ فقط

۱۰ شعبان ۱۳۲۹ھ (تمتہ اولیٰ ص ۳۶)

## جمعہ وصلوٰۃ عیدین میں امام و خطیب کا علیحدہ علیحدہ ہونا

**سوال (۶۰۰):** قدیم ۶۷۵/۱ - عیدین کی نماز ایک شخص یعنی قاضی شہر پڑھاتا ہے اور خطیب دوسرا آدمی ہے وہ خطبہ پڑھتا ہے اور اسی طرح زمانہ شاہی سے ہوتا آیا ہے لہذا ایسا فعل یعنی نماز ایک شخص پڑھاوے اور خطبہ دوسرا پڑھے شرعاً جائز ہے اور یہ فعل قرونِ ثلاثہ میں پایا گیا ہے؟

**الجواب:** فی الدر المختار: لا ینبغی أن یصلی غیر الخطیب لأنھما کشی واحد الخ (۲) اس روایت سے معلوم ہوا کہ ایسا فعل جائز تو ہے مگر خلافِ اولیٰ ہے اور قرونِ ثلاثہ میں پایا جانا نہ پایا جانا کسی روایت میں نہیں دیکھا۔

(۱) وفي الشامی نقلاً عن القهستانی: تقع فرضاً في القصبات والقرى الكبيرة التي فيها أسواق. (الدر المختار مع الشامی، کتاب الصلاة، باب الجمعة، زکریا ۶/۳، کراچی ۱۳۸/۲) شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

(۲) الدر المختار مع الشامی، کتاب الصلاة، باب الجمعة، مکتبہ زکریا دیوبند ۳۹/۳، کراچی ۱۶۲/۲

وفي القنية: واتحاد الخطيب والإمام ليس بشرط على المختار "نهر" وفي الذخيرة: لو خطب صبي عاقل، وصلى بالغ جاز؛ لكن الأولى الاتحاد كما في شرح الآثار. (حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، کتاب الصلاة، باب صلاة الجمعة، مکتبہ دارالکتاب دیوبند ص: ۵۰۸)

ولا ینبغی أن یصلی غیر الخطیب لأن الجمعة مع الخطبة کشی واحد، فإن فعل بأن خطب صبي بإذن السلطان وصلى بالغ جاز. (مجمع الأنهر، کتاب الصلاة، قبیل باب صلاة العیدین، دارالکتب العلمیة بیروت ۲۵۴/۱) ←



والرواية المذكورة وإن ذكرت في الجمعة لكن حكم خطبة العيدين كالجمعة لما في الدر المختار: وما يسن في الجمعة ويكره، يسن فيها ويكره ج ۱ ص ۸۷ (۱) والله اعلم  
 ۹/ صفر ۱۳۲۸ھ (تمتہ اولی ص ۲۹)

## اذان جمعہ کے بعد کھانا پینا

**سوال (۶۰۱):** قدیم ۱/۶۷- اذان جمعہ کے بعد اکل و شرب وغیرہ میں جو کہ باعث فوت جماعت ہو مصروف رہنے میں کیا حکم ہے؟  
**الجواب:** سب حرام ہے۔

لما في رد المحتار: تحت قوله: ووجب السعي إليها وترك البيع بالأذان الأول مانصه أراد به كل عمل ينافي السعي وخصه اتباعاً للآية. نهر ج ۱ ص ۸۶۰- (۲)  
 ۱۲/ ذی الحجہ ۱۳۲۸ھ (تمتہ اولی ص ۳۲)

← وقد علم من تفاريحهم أنه لا يشترط في الإمام أن يكون هو الخطيب وقد صرح في الخلاصة بأنه لو خطب صبي بإذن السلطان وصلى الجمعة رجل بالغ يجوز. (البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب صلاة الجمعة، مكتبه زكريا ديوبند ۲/ ۲۵۸، كوثه ۲/ ۱۴۷)  
 خلاصة الفتاوى، كتاب الصلاة، الفصل الثالث والعشرون في صلاة الجمعة، مكتبه اشرفية ديوبند ۱/ ۲۰۵۔

(۱) الدر المختار مع الشامی، كتاب الصلاة، باب العيدين، مكتبه زكريا ديوبند ۵۷/۳، كراچی ۲/ ۱۷۵۔ شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ  
 (۲) الدر المختار مع الشامی، كتاب الصلاة، باب الجمعة، مكتبه زكريا ديوبند ۴۱/۳، كراچی ۲/ ۱۶۳۔

ووجب السعي إليها أي لزم، وترك البيع أراد به كل عمل ينافيه وخصه اتباعاً للآية.  
 (النهر الفائق، كتاب الصلاة، باب صلاة الجمعة، مكتبه زكريا ديوبند ۱/ ۳۶۴)

”ويجب السعي وترك البيع“ والشراء أراد به كل عمل ينافيه ”بالأذان الأول“. (سكب الأنهر  
 على هامش مجمع الأنهر، كتاب الصلاة، باب صلاة الجمعة، دار الكتب العلمية بيروت ۱/ ۲۵۳) ←

## جمعہ کی سعی میں نخل ہونے والا ہر کام حرام ہے

**سوال (۶۰۲):** قدیم ۶/۱ - جمعہ کی پہلی اذان سن کر تمام کاموں کو چھوڑ کر جمعہ کی نماز کے واسطے جامع مسجد میں جانا واجب ہے خرید و فروخت یا اور کسی کام میں مشغول ہونا حرام ہے۔ یہ مسئلہ فقہی ہے تو کیا جمعہ کے روز ایسے وقت سونا اور قبیلولہ کرنا اور مطالعہ کتب دینی وغیرہ کرنا حرام ہوگا؟

**الجواب:** في الدر المختار: ووجب سعی إليها وترك البيع. وفي رد المحتار: قوله وترك البيع أراد به كل عمل ينافي السعي وخصه اتباعاً. للآية نهر ج ۱ ص ۸۶۰ (۱) اس سے معلوم ہوا کہ جس عمل میں مشغول ہونے سے سعی میں خلل پڑے وہ حکم بیع میں ہے۔  
۳/ جمادی الثانی ۱۳۳۱ھ (تمتہ ثانیہ ص ۳۸)

← والمراد من البيع ما يشغل عن السعي إليها حتى لو اشتغل بعمل آخر سوى البيع، فهو مكروه أيضاً كذا في السراج الوهاج..... وصرح بالوجوب ليفيد أن الاشتغال بعمل آخر مكروه كراهة تحريم؛ لأنه في رتبته ويصح إطلاق اسم الحرام عليه كما وقع في الهداية. (البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب صلاة الجمعة، مكتبة زكريا ديوبند ۲/ ۲۷۳ - ۲۷۴، كوئٹہ ۲/ ۱۵۶)

ويجب بمعنى يفترض ترك البيع وكذا ترك كل شيء يؤدي إلى الاشتغال عن السعي إليها أو يخل به كالبيع ماشياً إليها لإطلاق الأمر. (مراقي الفلاح مع الطحطاوي، كتاب الصلاة، باب صلاة الجمعة، مكتبة دار الكتاب ديوبند ص: ۵۱۷ - ۵۱۸) شبير احمد قاسمی عفا اللہ عنہ  
(۱) الدر المختار مع الشامی، کتاب الصلاة، باب الجمعة، مكتبة زكريا ديوبند ۲/ ۱۶۳ - ۴۱/۳

ووجب السعي إليها أي لزم، وترك البيع أراد به كل عمل ينافيه وخصه اتباعاً للآية. (النهر الفائق، كتاب الصلاة، باب صلاة الجمعة، مكتبة زكريا ديوبند ۱/ ۳۶۴)  
”ويجب السعي وترك البيع“ والشراء أراد به كل عمل ينافيه ”بالأذان الأول“.  
(سكب الأنهر على هامش مجمع الأنهر، كتاب الصلاة، باب صلاة الجمعة، دار الكتب العلمية بيروت ۱/ ۲۵۳)

## خطبہ سننا واجب ہے

**سوال (۶۰۳):** قدیم ۶۷۱/۱ - عیدین اور جمعہ میں خطبہ پڑھنا یا سننا واجب ہے یا کیا؟ اور خطبہ

اول و دوم کیلئے ایک حکم ہے یا علیحدہ یعنی اول واجب و دوم سنت ہے یا کیا؟

**الجواب:** في الدر المختار: ويشترط لصحتها (أي الجمعة) تسعة أشياء

إلى إن قال والرابع الخطبة، ثم قال ويسن خطبتان وفيه ( ۱ )

← والمراد من البيع ما يشغل عن السعي إليها حتى لو اشتغل بعمل آخر سوى البيع، فهو مكروه أيضاً كذا في السراج الوهاج..... وصرح بالوجوب ليفيد أن الاشتغال بعمل آخر مكروه كراهة تحریم؛ لأنه في رتبته ويصح إطلاق اسم الحرام عليه كما وقع في الهداية. (البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب صلاة الجمعة، مكتبه زكريا ديوبند ۲/۲۷۳ - ۲۷۴، كوئٹہ ۲/۱۵۶)

ويجب بمعنى يفترض ترك البيع وكذا ترك كل شيء يؤدي إلى الاشتغال عن السعي إليها أو يخل به كالبيع ماشياً إليها لإطلاق الأمر. (مراقي الفلاح مع الطحطاوي، كتاب الصلاة، باب صلاة الجمعة، مكتبه دارالكتاب ديوبند ص: ۵۱۷ - ۵۱۸) شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

(۱) الدر المختار مع الشامي، كتاب الصلاة، باب صلاة الجمعة، مكتبه زكريا ديوبند

۱۹/۳ - ۲۰، کراچی ۲/۱۴۷ - ۱۴۸

وشرط أدائها أيضاً إيقاع الخطبة قبلها أي قبل الجمعة في وقت الظهر وسن خطبتان.

(النهر الفائق، كتاب الصلاة، باب صلاة الجمعة، مكتبه زكريا ديوبند ۱/۳۵۷ - ۳۵۸)

وفرض الخطبة عند الإمام تسبيحة أو نحوها وعندهما لا بد من ذكر طويل يسمى خطبة عرفاً وسنتها أن يخطب قائماً على طهارة خطبتين يفصل بينهما بجلسة مشتملتين على تلاوة. (ملتقى الأبحر مع مجمع الأنهر، كتاب الصلاة، باب صلاة الجمعة، دارالكتب العلمية بيروت ۱/۲۴۹)

واعلم بأن الجمعة فريضة ولها شرائط منها الخطبة قال في الأصل: ويخطب الإمام ←

و یخطب بعدها (أی صلوٰۃ العیدین) خطبتین و هما سنة. (۱)

اس عبارت سے یہ امور ثابت ہوئے:

(۱) عیدین کا خطبہ سنت ہے۔

(۲) جمعہ کا خطبہ فرض ہے اور اس کے دو حصے ہونا سنت ہے۔

(۳) اول و ثانی میں دونوں کے کچھ فرق نہیں۔

← یوم الجمعة خطبتین و یجلس بینہما للاستراحة و ذلک لیس بشرط.

(خلاصۃ الفتاوی، کتاب الصلاۃ، الفصل الثالث والعشرون فی صلاۃ الجمعة، مکتبہ

اشرفیہ دیوبند ۱/۲۰۵)

البحر الرائق، کتاب الصلاۃ، باب صلاۃ الجمعة، مکتبہ زکریا دیوبند ۲/۲۵۸،

کوئٹہ ۲/۱۴۶-۱۴۷۔

(۱) الدر المختار مع الشامی، کتاب الصلاۃ، باب العیدین، مکتبہ زکریا دیوبند

۳/۵۷، کراچی ۲/۱۷۵۔

و یخطب بعدها خطبتین اقتداءً بفعله علیہ الصلاۃ والسلام بخلاف الجمعة، فإنه

یخطب قبلہا لأن الخطبة قبلہا شرط والشرط متقدم أو مقارن وفي العید لیست بشرط

ولهذا إذا خطب قبلہا صح وكره لأنه خالف السنة كما لو تركها أصلاً. (البحر الرائق،

کتاب الصلاۃ، باب صلاۃ العیدین، مکتبہ زکریا دیوبند ۲/۲۸۳، کوئٹہ ۲/۱۶۲)

کل ما یعتبر شرطاً فی صحة صلاۃ الجمعة فهو شرط فی صحة صلاۃ العیدین أيضاً

ماعدا الخطبة فهي هنا لیست شرطاً فی صحة العیدین، وإنما هي سنة. (الموسوعة الفقهية

الکویتية ۲۷/۲۴۲)

و یشتکر للعید ما یشرط للجمعة من المصمر والسلطان والإذن العام والجماعة

عندنا إلا الخطبة، فإن الجمعة بدون الخطبة لا یجوز وصلاۃ العیدین بدونہا جائزة.

(خلاصۃ الفتاوی، کتاب الصلاۃ، الفصل الرابع والعشرون فی صلاۃ العیدین، مکتبہ

اشرفیہ دیوبند ۱/۲۱۳)

(۴) سناسب خطبوں کا واجب ہے۔ (۱)

۵/ جمادی الاول ۱۳۲۹ھ (تتمہ اولی ص ۳۵)

## صلوة عیدین کا گرجا کے میدان میں یا رنڈی کی بنائی ہوئی عید گاہ میں پڑھنا

**سوال (۶۰۴):** قدیم ۱/۶۷ - کیا فرماتے ہیں اس مسئلہ میں کہ اس مقام میں نماز عیدین چند سال سے لوگ ایسے مقام میں پڑھتے ہیں جس کا نقشہ بھی منسلک استفتاء ہے بعض لوگوں کو اس وجہ سے کہ یہ میدان گرجا کا میدان کے نام سے مشہور ہے یہاں نماز پڑھنے میں شبہ اور اعتراض ہے اس سے اچھا اور صاف شہر کے قریب اور کوئی دوسرا میدان بھی نہیں ہے ایسی صورت میں یہاں نماز پڑھنا ممنوع ہے یا نہیں؟

(۱) إذا صعد الإمام المنبر للخطبة يجب على الحاضرين أن لا يشتغلوا عندئذ بصلاة ولا كلام إلى أن يفرغ من الخطبة، فإذا بدأ الخطيب بالخطبة تأكد وجوب ذلك أكثر قال في تنوير الأبصار: كل ما حرم في الصلاة حرم في الخطبة سواء أكان الجالس في المجلس يسمع الخطبة أم لا. (الموسوعة الفقهية الكويتية ۲۷/۲۰۴)

وإذا خرج الإمام فلا صلاة ولا كلام حتى يفرغ من خطبته وقال: يباح الكلام بعد خروجه ما لم يشرع في الخطبة لأن الكراهة للإخلال بفرض الاستماع ولا استماع هنا. (مجمع الأنهر، كتاب الصلاة، باب صلاة الجمعة، دار الكتب العلمية بيروت ۱/۲۵۳)

وَأما محظورات الخطبة فمنها: أنه يكره الكلام حالة الخطبة ..... وكذا كل ما شغل عن سماع الخطبة من التسييح والتلهيل والكتابة ونحوها بل يجب عليه أن يستمع ويسكت وأصله قوله تعالى: 'وإذا قرئ القرآن فاستمعوا له وانصتوا قيل: نزلت الآية في شأن الخطبة، أمر بالاستماع والإنصات، ومطلق الأمر للوجوب، وروي عن النبي صلى الله عليه وسلم أنه قال: من قال لصاحبه والإمام يخطب انصت فقد لغا ومن لغا فلا صلاة له الخ. (بدائع الصنائع، كتاب الصلاة، محظورات الخطبة، مكتبه زكريا

ديوبند ۱/۵۹۲ - ۵۹۳)

شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

اس میدان میں نماز پڑھنے کی کوئی ممانعت بھی حکام کی طرف سے اب تک نہیں ہوئی اور سابق سے جو عید گاہ ہے اولاً وہ شاید کسی رنڈی کی بنائی ہوئی ہے یہ بھی معلوم ہوا کہ عید گاہ قدیم اور اس کے متصل جو امام باڑہ ہے وہ کسی رنڈی کا بنایا ہوا ہے۔ پہلے وہ غیر مسقف تھی اب ایک دوسری رنڈی نے اس کو مسقف کر دیا ہے۔ ثانیاً عیدین میں وہاں رنڈیوں کا اس قدر ہجوم ہوتا ہے کہ نعوذ باللہ مقام مذکور جو گر جا کے نام سے مشہور ہے گر جا کا حلقہ محدود ہے باقی میدان میں گھوڑ دوڑ ہوتا ہے یہ بھی ارقام فرمایا جاوے کہ صورت مسئلہ میں سابق عید گاہ میں نماز پڑھنا افضل ہے یا گر جا کے میدان میں یا دونوں مقام سے مساجد شہر کے اندر نماز عیدین پڑھنا افضل واولیٰ ہے؟

**الجواب:** اگر کوئی میدان تجویز کر لیا جانا ممکن ہو تو سب سے زیادہ بہتر ہے اور اگر ایسا موقع نہ ملے تو رنڈیوں کی عید گاہ میں نماز کی کراہت فی نفسہ ہے، اس سے اس میدان میں نماز پڑھنا غنیمت ہے؛ کیونکہ اس میں کراہت محض لعارض ہے اور وہ عارض عوام کی تشویش ہے جس کے لئے جناب رسول اللہ ﷺ نے ترمیم خانہ کعبہ کو موقوف رکھا تھا (۱)

(۱) عن عروة عن عائشة<sup>ؓ</sup>، أن النبي صلى الله عليه وسلم قال لها: يا عائشة لولا أن قومك حديث عهد بجاهلية لأمرت بالبيت فهدم، فأدخلت فيه ما أخرج منه، والزقته بالأرض، وجعلت له بابين باباً شرقياً وباباً غربياً، فبلغت به أساس إبراهيم فذلك الذي حمل ابن الزبير<sup>ؓ</sup> على هدمه. (بخاري شريف، كتاب الحج، باب فضل مكة وبنائها، النسخة الهندية ۲۱۵/۱، رقم: ۱۵۶۲، ف: ۱۵۸۶)

عن عائشة<sup>ؓ</sup> قالت: سئلت النبي صلى الله عليه وسلم عن الجدر أمن البيت هو؟ قال: نعم! قلت فما لهم لم يدخلوه في البيت؟ قال: إن قومك قصرت بهم النفقة، قلت فما شأن بابيه مرتفعاً قال: فعل ذلك قومك ليدخلوا من شاءوا ويمنعوا من شاءوا، ولولا أن قومك حديث عهدهم بالجاهلية فأخاف أن تنكر قلوبهم أن أدخل الجدر في البيت وأن ألصق بابيه بالأرض. (بخاري شريف، كتاب الحج، باب فضل مكة وبنائها، النسخة الهندية ۲۱۵/۱، رقم: ۱۵۶۰، ف: ۱۵۸۴)

عن سعيد قال: سمعت عبد الله بن الزبير يقول: حدثني خالتي "يعني عائشة" قالت: ←

اس پر نظر کر کے میرے نزدیک مساجد شہر میں پڑھ لینا رنج ہے کہ صرف ایک سنت یا مستحب کا ترک ہے اور ترک بھی مصلحت شرعیہ سے جو کہ عذر معتبر ہے اس لئے غائلہ (۱) ترک سنت کا بھی لازم نہ ہوگا۔

۲۲ رمضان ۱۴۳۹ھ (تمہ اولیٰ ص ۳۸)

## جمعہ کو فرض نہ جاننے والے اور احتیاط الظہر پڑھنے والے کی جمعہ میں امامت کا حکم

**سوال (۶۰۵):** قدیم ۱/۶۷۸ - جمعہ کے بعد احتیاط الظہر پڑھنے والوں کے دو فریق ہیں ایک تو جمعہ کو بالکل فرض نہیں کہتا اس واسطے کہ بادشاہ اسلام شرط ہے اور وہ مفقود ہے اور جمعہ کو شعائر اسلام سے بتلاتا ہے اور دوسرا فریق ایسا ہے کہ جمعہ کو تو فرض مانتا ہے اور احتیاط الظہر بھی پڑھتا ہے۔

اب یہ امر قابل استفسار ہے کہ دونوں فریق کے پیچھے اس شخص کی نماز جو جمعہ کو فرض مانتا ہے اور احتیاط الظہر نہیں پڑھتا ہو جائے گی یا نہیں یا کس فریق کے پیچھے ہوگی اور کس کے پیچھے نہ ہوگی اقتداء قوی بالضعیف کسی صورت میں لازم آتی ہے یا نہیں؟

**الجواب:** في الدر المختار: باب الإمامة صح اقتداء متنفل بمتنفل ومن يرى الوتر واجباً بمن يراه سنة ومن اقتدى في العصر وهو مقيم بعد الغروب بمن احرم قبله للاتحاد. وفي رد المحتار: قوله: للاتحاد أي اتحاد صلاة الإمام مع صلاة المقتدى في الصور الثلث أما في الأولى فظاهر وأما في الثانية فلان ما أتى به كل واحد منهما

← قال رسول الله صلى الله عليه وسلم يا عائشة! لولا أن قومك حديث عهد بشرك لهدمت الكعبة، فألزقتها بالأرض، وجعلت لها بابين، باباً شرقياً وباباً غربياً وزدت فيها ستة أذرع من الحجر، فإن قريشاً اقتصرتها حيث بنت الكعبة. (مسلم شريف، كتاب الحج، باب نقض الكعبة وبناءها، النسخة الهندية ۱/ ۴۳۰، بيت الأفكار، رقم: ۱۳۳۳)

ترمذي شريف، كتاب الحج، باب ما جاء في كسر الكعبة، النسخة الهندية ۱/ ۱۷۶، دار السلام رقم: ۸۷۵.

(۱) غائلہ کے معنی شر اور برائی کے ہیں۔ شیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

هو الوتر في نفس الأمر واعتقاد أحدهما سنية والآخر وجوبه أمر عارض لا يوجب اختلاف الصلاتين وأما الثالثة فلان كلامهما عصر يوم واحد الخ (ج ۱ ص ۶۱۸) (۱)  
اور اقتداء الاتوی بالاضعف کا اثر عدم اتحاد صلاتین میں ظاہر ہوتا ہے پس صورت مسئلہ میں ہر ایک کی نماز دوسرے کے پیچھے درست ہو جائے گی۔ فقط

۱۵/ ذی الحجہ ۱۳۲۹ھ (تمتہ اولیٰ ص ۴۰)

**قبل از جمعہ سنتیں مؤکدہ ہیں یا نہیں اور بعد جمعہ چار سنتیں مؤکدہ ہیں یا دو؟**

**سوال (۶۰۶):** قدیم ۱/۶۷۸ - جمعہ کی پہلی سنتیں مؤکدہ ہیں یا نہیں، اور بعد کی سنتوں میں سے چار مؤکدہ ہیں یا دو یا سب؟

(۱) الدر المختار مع الشامی، کتاب الصلاة، باب الإمامة، مکتبہ زکریا دیوبند ۳۳۹/۲، کراچی ۱/۵۹۱  
وأما اقتداء من يرى الوتر واجباً بمن يراه سنة فجوزہ الإمام أبو بكر محمد بن الفضل لأن كلا يحتاج إلى نية الوتر فلم يختلف نيتهما فاهدر اختلاف الاعتقاد في صفة الصلاة واعتبر مجرد اعتبار النية. (حلبی کبیری، کتاب الصلاة، من لا یصح الإقتداء به، مکتبہ زکریا دیوبند ص: ۵۱۷)

صح إقتداء متنفل بمفترض ومن يرى الوتر واجباً بمن يراه سنة ومن اقتدى في العصر وهو مقيم بعد الغروب بمن أحرم قبله للاتحاد (در مختار) وقال السيد أحمد الطحطاوي تحت قول صاحب الدر المختار للاتحاد علة لجميع ما قبله من الصور الثلاث أما الأولى فظاهر، وأما الثانية لأن ما أتى به كل واحد منهما هو الوتر في نفس الأمر واعتقاد أحدهما سنيته والآخر وجوبه أمر عارض لا يوجب اختلاف الصلاتين، وأما الثالثة فلأن كلامهما عصر يوم واحد. (حاشية الطحطاوي على الدر المختار، كتاب الصلاة، باب الإقامة، مکتبہ کوئٹہ ۱/۲۵۳)

شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ



**الجواب:** جمعہ کی پہلی سنتیں مؤکدہ ہیں۔ کذا فی الدر المختار، اور بعد کی چار مؤکدہ

ہیں، کذا فی الدر المختار (۱) (حوالہ بالا)

(۱) عن ابن عباس رضي الله تعالى عنهما قال: كان النبي صلى الله عليه وسلم يركع قبل الجمعة أربعاً لا يفصل في شيء منهن. (ابن ماجه شريف، كتاب الصلاة، باب ماجاء في الصلاة قبل الجمعة، النسخة الهندية ص: ۷۹، دار السلام رقم: ۱۱۲۹)

عن أبي هريرة<sup>رضي</sup> قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم إذا صليتم بعد الجمعة فصلوا أربعاً. (ابن ماجه شريف، كتاب الصلاة، باب ماجاء في الصلاة بعد الجمعة، النسخة الهندية ص: ۷۹، دار السلام رقم: ۱۱۳۲)

عن أبي هريرة<sup>رضي</sup> قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم من كان منكم مصلياً بعد الجمعة فليصل أربعاً. (ترمذي شريف، كتاب الصلاة، باب ماجاء في الصلاة قبل الجمعة وبعدها، النسخة الهندية ۱/ ۱۱۷، دار السلام رقم: ۵۲۳)

مسلم شريف، كتاب الجمعة، باب الصلاة بعد الجمعة، النسخة الهندية ۱/ ۲۸۸، بيت الأفكار رقم: ۸۸۱۔

عن إبراهيم أن عبد الله بن مسعود كان يصلي قبل الجمعة أربعاً وبعدها أربعاً لا يفصل بينهما بتسليم. الحديث (طحاوي شريف، ۱/ ۴۳۶، رقم: ۱۹۲۵)

عبد الرزاق عن معمر عن قتادة أن ابن مسعود<sup>رضي</sup> كان يصلي قبل الجمعة أربع ركعات وبعدها أربع ركعات. (مصنف عبد الرزاق ۳/ ۲۴۷، رقم: ۵۵۲۴)

عن عبد الله عن النبي صلى الله عليه وسلم أنه كان يصلي قبل الجمعة أربعاً وبعدها أربعاً. الحديث (المعجم الأوسط ۴/ ۵۶۸، رقم: ۳۹۷۱)

عن عبد الله بن عمر أنه كان يصلي قبل الجمعة أربعاً لا يفصل بينهما بسلام، ثم بعد الجمعة ركعتين، ثم أربعاً. الحديث (طحاوي شريف ۱/ ۴۳۵، رقم: ۱۹۱۹)

شیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

## جمعہ کے روز مروجہ دعاء کا حکم

**سوال (۶۰۷):** قدیم ۱/۶۷ - ہماری مسجد محلّہ میں ہمیشہ پنجوقتہ تو نہیں خاص جمعہ کے روزیہ دستور قرار پاچکا ہے کہ پیش امام بعد ادائے سنن و نوافل ختم نماز پڑھیں اور رہتا ہے جب سب نمازی فارغ ہو جاتے ہیں سب ملکر دعا کرتے ہیں اگر اس کے خلاف ہو جائے تو اس پر اعتراض بھی ہوتا ہے اس مسئلہ میں حکم شرع لطیف کیا ہے؟

**الجواب:** تخصیص عام اور تنقید مطلق ایک حکم ہے اور ہر حکم کیلئے دلیل شرط ہے اور اس تخصیص و تنقید مذکور فی السؤال کی کوئی دلیل نہیں لہذا اس کی مشروعیت کا اعتقاد اور اس سے بڑھ کر لزوم کا اعتقاد یا عمل اختراع و احداث فی الدین ہے (۱) اور ایک بار دعاء کرنا جو کہ منقول بھی ہے مگر بلاتا کد خود اس کے تاکد کا اعتقاد احداث ہے لیکن چونکہ مشاہد ہے کہ اس کے ترک پر کوئی ملامت نہیں کرتا جو قرینہ ہے عدم اعتقاد تاکد کا اس کے اس پر دوام کی اجازت دی جاتی ہے (۲) بخلاف عمل مذکور فی السؤال کے کما ذکر فافترق. واللہ اعلم

۱۹ ذیقعدہ ۱۳۲۶ھ (تمہ خامسہ ص ۶۰۷)

(۱) عن عائشة رضي الله تعالى عنها قالت: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: من أحدث في أمرنا هذا ما ليس منه فهو رد. (مسلم شريف، كتاب الأفضية، باب نقض الأحكام الباطلة ورد محدثات الأمور، النسخة الهندية، ۲/۷۷، بيت الأفكار رقم: ۱۷۱۸)

صحيح البخاري، كتاب الصلح، باب إذا اصطلحو على جور فالصلح مردود، النسخة الهندية ۱/۳۷۱، رقم: ۲۶۱۹، ف: ۲۶۹۷-

مسند أحمد بن حنبل ۶/۷۳، رقم: ۲۴۹۵۴-

ابن ماجه شريف، كتاب السنة، باب تعظيم حديث رسول الله صلى الله عليه وسلم والتغليظ على من عارضه، النسخة الهندية ص: ۳، دار السلام رقم: ۱۴-

صحيح ابن حبان، باب الاعتصام بالسنة وما يتعلق بها نقلاً وأمرًا وزجرًا، دار الفکر ۱/۸۴، رقم: ۲۶-۲۷-

(۲) عن أبي أمامة رضي الله تعالى عنه قال: قيل: يا رسول الله صلى! أي الدعاء أسمع؟ قال: جوف الليل الآخر ودبر الصلوات المكتوبات. (ترمذي شريف، أبواب الدعوات، ←

← باب بلا ترجمة، النسخة الهندية ١٨٧/٢، دار السلام رقم: (٣٤٩٩)

السنن الكبرى للنسائي، باب ما يستحب من الدعاء دبر الصلوات المكتوبات، دار الكتب العلمية بيروت ٣٢/٦، رقم: ٩٩٣٦-٩٩٣٧.

عن ورّاد كاتب المغيرة بن شعبة قال: أملي علي المغيرة بن شعبة في كتاب إلي معاوية أن النبي صلى الله عليه وسلم يقول في دبر كل صلاة مكتوبة: لا إله إلا الله وحده لا شريك له، له الملك وله الحمد، وهو على كل شيء قدير، اللهم لا مانع لما أعطيت ولا معطي لما منعت، ولا ينفع ذا الجَد منك الجَد. (بخاري شريف، كتاب الصلاة، باب الذكر بعد الصلاة، النسخة الهندية ١١٧/١، رقم: ٨٣٦، ف: ٨٤٤)

عن معاذ بن جبل رضي الله عنه أن رسول الله صلى الله عليه وسلم أخذ بيده وقال: يا معاذ! والله إنني لأحبك، فقال: أوصيك يا معاذ! لاتدعن في دبر كل صلاة تقول: اللهم أعني على ذكرك وشكرك وحسن عبادتك. (سنن أبي داود، كتاب الصلاة، باب في الاستغفار، النسخة الهندية ٢١٣/١، دار السلام رقم: ١٥٢٢)

عن فضالة بن عبيد قال: بينا رسول الله صلى الله عليه وسلم قاعد ..... عجلت أيها المصلي إذا صليت فقعدت فاحمد الله بما هو أهله، وصل علي ثم أدعه قال: ثم صلى رجل آخر بعد ذلك فحمد الله وصلى على النبي صلى الله عليه وسلم، فقال له النبي صلى الله عليه وسلم: أيها المصلي أدع تجب. (ترمذي شريف، أبواب الدعوات باب بلا ترجمة، النسخة الهندية ١٨٥/٢-١٨٦، دار السلام رقم: ٣٤٧٦)

عن أنس بن مالك رضي الله عنه قال: قال النبي صلى الله عليه وسلم: ما من عبد يبسط كفيه في دبر كل صلاة، ثم يقول: اللهم إلهي وإله إبراهيم وإسحاق ويعقوب، وإله جبرئيل، وميكائيل، وإسرافيل عليهم السلام، أسألك أن تستجيب دعوتي، فإني مضطر وتعصمني في ديني، فإني مبتلي، وتنانني برحمتك، فإني مذنب، وتنفي عني الفقر، فإني متمسك إلا كان حقاً على الله عز وجل أن لا يرد يديه خائبتين. (عمل اليوم والليلة لابن السني، باب ما يقول في دبر صلاة الصبح؟ مؤسسة علوم القرآن بيروت ص: ١٢١، رقم: ١٣٨)

عن العرباض بن سارية رضي الله عنه عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: من صلى صلاة فريضة فله دعوة مستجابة. (المعجم الكبير للطبراني، دار أحياء التراث العربي ٢٥٩/١٨، رقم: ٦٤٧) شبير احمد قاسمي عفا الله عنه

## خطبہ میں جہرا بسم اللہ پڑھنے کا حکم

**سوال (۶۰۸):** قدیم/۱/۶۷۹ - کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک صاحب خطبہ اولیٰ کے شروع میں بسم اللہ الرحمن الرحیم باواز بلند پڑھتے ہیں ایسا کرنا چاہئے کہ نہیں؟ اگر کرنا چاہئے تو یہ طریقہ مستحب ہے یا سنت مؤکدہ یا کیا۔ اور اگر نہیں کرنا چاہئے تو مکروہ ہے یا کیسا؟ جواب کیلئے جوابی کارڈ ارسال خدمت ہے۔ بینواتوجروا، مستحب اور سنت طریقہ سے بحوالہ کتب اگر ممکن ہو تو سرفراز فرمائیے اور قبل خطبہ اعوذ باللہ و بسم اللہ آہستہ پڑھنا مسنون ہے اور مستحب یا جہر کے ساتھ؟

**الجواب:** في البحر الرائق: وأما سننها فخمسة عشر (الى قوله) رابعها قال أبو يوسف في الجوامع: التعوذ في نفسه قبل الخطبة، ثم قال: وهي تشتمل على عشرة أحدها البداءة بحمد الله الخ ج ۲ ص ۵۹ (۱) وفي الدر المختار: ويبدأ بالتعوذ سرًا وفي رد المحتار: أي قبل الخطبة الأولى بالتعوذ سرًا، ثم بحمد الله الخ (۲) ان عبارات سے معلوم ہوا کہ خطبہ کے قبل صرف اعوذ باللہ آہستہ پڑھے نہ تو بسم اللہ پڑھے اور نہ اعوذ باللہ پکار کر پڑھے اور کسی نے قبل خطبہ بسم اللہ پڑھنے کو نہیں لکھا جس سے معلوم ہوا خود بسم اللہ پڑھنا مطلوب ہی نہیں اور بعض نے جو لکھا ہے کہ بجز قرآن کے اور کسی کلام پر اعوذ نہ پڑھے سو دوسرے دلائل سے ثابت ہے کہ خطبہ بحکم قرآن ہے لہذا خطبہ اس عموم میں داخل نہ ہوگا۔

۲۹ رمضان ۱۳۳۲ھ (تمتہ ثانیہ ص ۱۷۱)

(۱) البحر الرائق، کتاب الصلاة، باب صلاة الجمعة، مکتبہ زکریا دیوبند ۲/۲۵۸،

کوئٹہ ۲/۱۴۷۔

(۲) الدر المختار مع الشامی، کتاب الصلاة، باب الجمعة مکتبہ زکریا دیوبند ۳/۲۱،

کراچی ۲/۱۴۹۔

خطبہ کے شروع میں بسم اللہ پڑھنے کے جواز کی تحقیق: شامی وغیرہ بعض کتب فقہ میں اس بات کو واضح کیا گیا ہے کہ خطبہ میں جب آیت قرآنی پڑھنی ہو تو سرًا اعوذ باللہ من الشیطان پڑھے، اور بعض کے الفاظ ہیں کہ سرًا تعوذ سے خطبہ شروع کیا جائے، پھر حمد و ثناء وغیرہ پڑھا جائے اور محیط کے حوالے سے یہ بھی لکھا ہے کہ جب پوری ←

← سورۃ پڑھے تو تعوذ اور بسملہ دونوں پڑھ کر سورۃ پڑھے اور اگر کوئی آیت پڑھے تو بعض کے قول کے مطابق تعوذ اور بسملہ دونوں پڑھے اور اکثر کے قول کے مطابق تعوذ پڑھے اور بسم اللہ نہ پڑھے، مگر ان تمام جزئیات میں غور کیا جائے تو خطبہ کے شروع میں بسم اللہ نہ پڑھنے کا ذکر کہیں بھی نہیں ہے، بعض عبارات میں ”یبدأ قبل الخطبة الأولى بالتعوذ سرّاً“ کے الفاظ ہیں کہ پہلا خطبہ شروع کرنے سے پہلے سرّاً تعوذ پڑھا جائے، مگر تمام جزئیات پر غور کرنے کے بعد خطبہ کے شروع میں بسم اللہ نہ پڑھنے کی کوئی صراحت نہیں ہے۔ ملاحظہ فرمائیے درمختار مع الشامی، کتاب الصلوٰۃ، باب الجمعۃ، مکتبہ ذکر یاد یوبند ۲۱/۳، کراچی ۱۴۹/۲۔

اس کے برخلاف بعض کتب فقہ میں خطبہ کے شروع میں بسم اللہ پڑھنے کو مستحب اور کارثواب لکھا ہے، اور حدیث کے منطوق سے بھی یہی بات واضح ہوتی ہے کہ خطبہ کے شروع میں بسم اللہ پڑھنا مستحب اور افضل ہوگا؛ اس لئے فقہاء کی دونوں طرح کی عبارات کی روشنی میں کوئی تعارض نہیں ہے، حضرت والا تھانویؒ نے شامی کی عبارت کے پیش نظر تعوذ پڑھنے کو لکھا ہے اور چوں کہ شروع میں بسم اللہ پڑھنے یا نہ پڑھنے کا ذکر شامی میں نہیں ہے، اس لئے حضرت نے نفی میں جواب دیا ہے، اسی طرح حضرت مفتی عزیز الرحمن صاحب کے سامنے بھی شامی کی عبارت رہی اور مفتی رشید احمد صاحب لدھیانوی کی نگاہ میں بھی شامی کی عبارت رہی ہے؛ اس لئے ان سب حضرات نے بسم اللہ کے بارے میں نفی میں جواب دیا ہے، اگر ان حضرات کے سامنے فقہاء کی دوسری عبارات جن میں خطبہ کے شروع میں بسم اللہ پڑھنے کی صراحت ہے موجود ہوتی تو ہرگز نفی میں جواب نہ دیتے اور اس کی دلیل حضرت والا تھانویؒ کی ترجیح الراجح ہے کہ حضرت کے سامنے اپنی رائے کے خلاف جب کوئی دلیل ہوتی تو فوراً رجوع کر کے دوسری رائے کو اختیار فرمالیا کرتے تھے۔

حاصل یہ ہے کہ خطبہ کے شروع میں بسم اللہ جہراً پڑھنا بلا تردد جائز اور مستحب ہے اب روایات اور جزئیات ملاحظہ فرمائیے حدیث شریف کے الفاظ مختلف ہیں، کنز العمال میں حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت ان الفاظ کے ساتھ ہے:

کل أمر ذي بال لا يبدأ فيه ببسم الله الرحمن الرحيم أقطع. (کنز العمال جدید

۱/۲۷۷، رقم: ۲۴۸۸)

امام سیوطیؒ نے جامع الاحادیث عن الصغیر میں ان الفاظ سے نقل فرمایا ہے:

عن أبي هريرةؓ قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: كل أمر ذي بال لا يبدأ فيه

ببسم الرحمن الرحيم أقطع. (جامع الأحادیث عن الصغیر ۶/۴۳۰، رقم: ۱۵۷۶۱)

## اسکول کی طرف سے عدم اجازت کی وجہ سے طلبہ سے جمعہ کا ساقط نہ ہونا

**سوال (۶۰۹):** قدیم ۱/۶۸۰ - عبداللہ نامی ایک شخص انگریزی مدرسہ میں پڑھتا ہے اور اس میں جمعہ کی نماز کے واسطے چھٹی نہیں ملتی ایسی صورت میں اس کو ترک اسکول کرنا موافق شرع کے ضروری ہے یا نہیں۔ مکرر یہ ہے کہ ایک بزرگ اس کے بزرگوں میں سے یہ کہتا ہے کہ بضرورت امتحان کے سال میں چار جمعہ چھوڑ دینا جائز ہے ایسے شخص کی نسبت آپ کیا فتویٰ دیتے ہیں؟

**الجواب:** جو عذر سقوط جمعہ کے فقہاء نے لکھے ہیں یہ عذر ان میں سے نہیں ہے لہذا اس پر اسکول کا ترک کر دینا ضرور ہے اور اس بزرگ کا قول محض غلط ہے۔

قلت هذا لا يفوق في الحبس على مديون موسر حبس في الدين وقد وجب عليه الجمعة كما في ردالمحتار على قوله وعدم حبس مانصه ينبغي تقييده بكونه مظلوما كمديون معسر فلو موسرا قادر على الأداء حالا وجبت ج ۱ ص ۸۵۳ (۱) وكذا لا يفوق عذره على عذر الأجير وقد يجب عليه الجمعة كما في الدر المختار: .....

← فقہی جزئیہ ملاحظہ فرمائیے:

اتفق أكثر الفقهاء على أن التسمية مشروعة لكل أمر ذي بالٍ عبادة أو غيرها، فتقال عند البدء في تلاوة القرآن الكريم والأذكار وركوب سفينة ودابة ودخول المنزل ومسجد أو خروج منه، وعند إيقاد مصباح أو إطفائه وقبل وطئ مباح وصعود خطيب منبراً ونوم والدخول في صلاة النفل، وتغطية الإناء وفي أوائل الكتب وعند تغميض ميت ولحده في قبره ووضع اليد على موضع ألم بالجسد، وصيغتها بسم الله والأكمل بسم الله الرحمن الرحيم، فإن نسي التسمية أو تركها عمداً فلا شيء ويثاب إن فعل، ومما ورد، حديث كل أو أمر ذي بال لا يبدأ فيه باسم الله فهو أبتر، وفي رواية فهو أقطع وفي أخرى فهو أجزم الخ. (الموسوعة الفقهية الكويتية ۸/۹۲) شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

(۱) الدر المختار مع الشامی، کتاب الصلاة، باب الجمعة، مکتبہ زکریا دیوبند

أَجِيرُ وَتَسْقُطُ مِنَ الْأَجْرِ بِحَسَابِهِ لَوْ بَعِيدًا وَإِلَّا لَا، ج ۱ ص ۸۵۲ (۱) وَاللَّهُ أَعْلَمُ  
۱۲ ذی قعدہ ۱۳۳۲ھ (تمتہ ثانیہ ص ۱۸۲)

## دوران خطبہ عصا لینے کا حکم

**سوال (۶۱۰):** قدیم ۱/۶۸۰- الخطب الماثورہ میں مذکور ہے کہ امام خطبہ کے وقت عصا ہاتھ میں لے کر کھڑا ہوا اور بہشتی زیور سے ممانعت مفہوم ہے۔ فکیف التوفیق وعلى أي القولین العمل؟  
**الجواب:** در مختار میں قوس یا عصا پر سہارا لگانے کو مکروہ کہا ہے اور ردالمحتار میں اس پر دو اشکال کئے ہیں ایک ابوداؤد کی روایت سے کہ حضور ﷺ نے عصا یا قوس کا سہارا لیا ہے دوسرا محیط کی روایت سے کہ اخذ عصاء کو سنت کہا ہے مثل قیام کے۔ ج ۱ ص ۸۶۲ (۲)

(۱) الدر المختار مع الشامی، کتاب الصلاة، باب الجمعة، مکتبہ زکریا دیوبند ۲۸/۳، کراچی ۱۵۴/۲  
وأشار باقتصاره على هذه الشروط إلى أنها لا تسقط عن الأجير. وفي الخلاصة:  
وللمستأجر منع الأجير عن حضور الجمعة، وهذا قول الإمام أبي حفص، وقال الإمام أبو علي الدقاق: ليس له أن يمنعه ولكن تسقط عنه الأجرة بقدر اشتغاله بذلك إن كان بعيداً، وإن كان قريباً لا يحط عنه شيء. (البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب صلاة الجمعة، مکتبہ زکریا دیوبند ۲۶۵/۲، کوئٹہ ۱۵۱/۲)

حاشیہ الطحطاوی علی مراقی الفلاح، کتاب الصلاة، باب صلاة الجمعة، مکتبہ دارالکتاب دیوبند ص: ۵۰۴۔

فتح القدیر، کتاب الصلاة، باب صلاة الجمعة، مکتبہ زکریا دیوبند ۵۹/۲-۶۰، کوئٹہ ۳۲/۲۔

خلاصۃ الفتاویٰ، کتاب الصلاة، الفصل الثالث والعشرون في صلاة الجمعة، مکتبہ اشرفیہ دیوبند ۲۱۰-۲۱۱۔ شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

(۲) ویکرہ أن یتکي على قوس أو عصا (در مختار) وفي الشامية: قوله: ←

اور ترجیح ردالمختار کے قول کو ہے (۱) پس بہشتی زیور میں گواہ مسئلہ کا ہونا بعید ہے (\*) اس لئے کہ اس میں احکام مختصہ بالرجال نہیں لئے گئے لیکن اگر کہیں ایسا ہے تو غالباً درمختار کی روایت کی بناء پر لکھ دیا ہوگا جس کا مرجوح ہونا ابھی معلوم ہوا۔

۱۵/ ذیقعدہ ۱۳۳۲ھ (تمتہ ثانیہ ص ۱۸۵)

(\*) یہ مسئلہ بہشتی گوہر میں ”جمعے کے خطبے کے مسائل“ میں ہے، بہشتی زیور میں نہیں ہے۔ ۱۲ سعید احمد پالن پوری

← (وفي الخلاصة الخ) استشكله في الحلية بأنه في رواية أبي داؤد أنه صلى الله عليه وسلم قام أي في الخطبة متكئاً على عصاً أو قوس، ونقل القهستاني عن عبد المحيط أن أخذ العصا سنة كالقيام. (الدر المختار مع الشامى، كتاب الصلاة، باب الجمعة، مكتبة زكريا ديوبند ۴۱/۳، كراچی ۱۶۳/۲)

(۱) أخرج أبو داؤد عن شعيب بن رزيق الطائفي حديثاً طويلاً وفيه، فأقمنا بها أياماً شهدنا فيها الجمعة مع رسول الله صلى الله عليه وسلم، فقام متكئاً على قوس أو عصاً الحديث. (أبو داؤد، كتاب الصلاة، باب الرجل يخطب على قوس، النسخة الهندية ۱/۱۵۶، دار السلام رقم: ۱۰۹۶)

صحيح ابن خزيمة، باب الاعتماد على القسي أو العصا على المنبر في الخطبة. (المكتب الإسلامي ۷۰۳/۱، رقم: ۱۴۵۲)

حدثني أبي، عن أبيه، عن جده أن رسول الله صلى الله عليه وسلم كان إذا خطب في الحرب خطب على قوس، وإذا خطب في الجمعة خطب على عصاً. (سنن ابن ماجه، كتاب الصلاة، باب ماجاء في الخطبة يوم الجمعة، النسخة الهندية ص: ۷۷، دار السلام رقم: ۱۱۰۷)

السنن الكبرى للبيهقي، باب الإمام يعتمد على عصاً أو قوسٍ أو ما أشبههما إذا خطب، دار الفكر بيروت ۴/۴۷، رقم: ۵۸۴۷۔

المعجم الكبير للطبراني، دار إحياء التراث العربي ۳۹/۶، رقم: ۵۴۴۸۔  
وأخرج أبو داؤد في مراسيله عن ابن شهاب حديثاً طويلاً، وفيه قال ابن شهاب: وكان إذا قام أخذ عصاً، وهو قائم على المنبر، ثم كان أبو بكرؓ، وعمر بن الخطابؓ، وعثمان بن عفانؓ يفعلون ذلك. (مراسيل أبي داؤد ص: ۷)



**سوال (۶۱۱):** قدیم ۱/۶۸۱ - کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس بارے میں کہ یہاں رنگون کی اکثر مساجد میں قاعدہ یہ ہے کہ بروز جمعہ خطیب اپنے ہاتھ میں عصا لیکر خطبہ پڑھا کرتا ہے پس ارشاد ہو کہ اگر امام وقت خطبہ عصا کے بجائے تلوار ہاتھ میں لیکر خطبہ پڑھے تو شرعاً کیا حکم ہے اور اگر تلوار کو ہاتھ میں لینے کی صورت میں نئی بات دیکھ کر کچھ لوگ اعتراض کرنے لگیں تو ان کے اعتراض کرنے کی وجہ سے آیا اس فعل کو چھوڑ دینا چاہئے یا نہیں؟ بینوا تو جروا؟

**الجواب:** في الدر المختار: يخطب الإمام بسيف في بلدة فتحت به كمكة وإلا لا كالمدينة. وفي رد المحتار: قوله: في بلدة فتحت به أي بالسيف ليريهام أنها فتحت بالسيف فإذا رجعتهم عن الإسلام فذلك باق في أيدي المسلمين حتى ترجعوا إلى الإسلام، در ص ۸۲۲ ج ۱ (۱)

← عن يزيد بن البراء عن أبيه أن النبي صلى الله عليه وسلم خطب على قوس أو عصا. (مسند أحمد بن حنبل ۴/۳۰، رقم: ۱۸۹۱۸، ۴/۲۸۲، رقم: ۱۸۶۸۲)

عن جرير قال: قلت لعطاء: أكان رسول الله صلى الله عليه وسلم يقوم إذا خطب على عصا؟ قال: نعم! وكان يعتمد عليه اعتماداً. (السنن الكبرى للبيهقي، باب الإمام يعتمد على عصا أو قوس أو ما أشبههما، دار الفكر ۴/۴۷، رقم: ۵۸۴۸) شبير احمد قاسمی عفا الله عنه

(۱) الدر المختار مع الشامی، کتاب الصلاة، باب صلاة الجمعة، مکتبہ زکریا دیوبند ۴۰/۴۱ - کراچی ۱۶۳/۲

وإذا قام يكون السيف بيساره متكئاً عليه في كل بلدة فتحت عنوة ليريهام أنها فتحت بالسيف، فإذا رجعتهم عن الإسلام فذلك باق بأيدي المسلمين يقاتلونكم به حتى ترجعوا إلى الإسلام. (حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، كتاب الصلاة، باب صلاة الجمعة، مکتبہ دار الكتاب دیوبند ص: ۵۱۵)

وفي المصمرات معزياً إلى روضة العلماء، الحكمة في أن الخطيب يتقلد سيفاً ما قد سمعت الفقيه أبا الحسن الرستغفني يقول: كل بلدة فتحت عنوة بالسيف يخطب الخطيب على منبرها متقلداً بالسيف، يريهم أنها فتحت بالسيف، فإذا رجعتهم عن الإسلام فذلك السيف باق في أيدي المسلمين نقاتلكم به حتى ترجعوا إلى الإسلام. (البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب صلاة الجمعة، مکتبہ زکریا دیوبند ۲/۲۵۹، کوئٹہ ۱۴۸/۱) ←

متن کی قید اور حاشیہ کی حکمت صاف بتلا رہی ہے کہ یہ فعل مخصوص ہے امام المسلمین یعنی سلطان اسلام یا اس کے نائب کے ساتھ پس دوسرے خطیبوں کیلئے مشروع نہیں۔ (۱)

۲۶ رمضان المبارک ۱۳۴۶ھ (تمہ خامسہ ص ۵۹۲)

**سوال (۶۱۲):** قدیم ۶۸۱/۱ - ماقولکم رحمکم اللہ تعالیٰ فی الدارین۔ اندریں کہ بوقت خطبہ پڑھنے کے لاٹھی ہاتھ میں لینا زید مننون کہتا ہے مگر عمر و بحوالہ عالمگیری مکروہ تحریمی بتاتا ہے (۲) اب مصلی طرفین اور زید و عمر و متفق الرائے ہو کر جناب فیض مآب سے مسئلہ طلب کرتا ہے کہ اگر قول و فعل زید کا معتبر ہو تو اس پر عمل کرے گا ورنہ نہیں؟

**الجواب:** کیا عالمگیری میں تحریم کی تصریح ہے (\*) مدعی سے پوچھو ذرا شامی بھی دیکھ لی ہوتی کہ اس میں سنیت کا بھی قول ہے اور حدیث بھی نقل کی ہے۔ (۳)

(\*) عالمگیری میں یکبرہ ہے جو تحریمی اور تنزیہی دونوں کو شامل ہے۔ ۱۲ سعید احمد پالن پوری

← و سن خطبتان بجلسة بينهما و طهارة قائماً مستقبلاً للقوم بوجهه متعوذاً في ابتدائها في نفسه مقلداً سيفاً في بلدة فتحت عنوة لا صلحاً إعلاماً بأنكم متى رجعتن عن الإسلام فهذا السيف باق، كذا في المضممرات. (النهر الفائق، كتاب الصلاة، باب صلاة الجمعة، مكتبة زكريا ديوبند ۳۵۹/۱)

ہندیہ، کتاب الصلاة، الباب السادس عشر في صلاة الجمعة قدیم زکریا ۱/۴۸، جدید زکریا ۱/۲۰۹۔

(۱) اگلے والے فتویٰ میں حضرت والا نے توجیہ فرمائی ہے کہ عصا ہاتھ میں لینا سنت غیر مؤکدہ ہے، اگر مؤکدہ سمجھا جائے، تو مکروہ ہوگا؛ لہذا سلطان کے علاوہ کے لئے اختیاری عمل ہے سنت مؤکدہ سمجھے بغیر درست ہے ورنہ مکروہ ہے۔ شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

(۲) ہندیہ کی پوری عبارت ملاحظہ فرمائیں:

ویکبرہ أن یخطب متکئاً علی قوس أو عصاً کذا فی الخلاصة. (ہندیہ، کتاب الصلاة،

الباب السادس عشر في صلاة الجمعة، قدیم زکریا ۱/۴۸، جدید زکریا ۱/۲۰۹)

(۳) وفي الخلاصة: ویکبرہ أن یتکئ علی قوس أو عصاً (درمختار) وفي الشامية:

قوله: وفي الخلاصة: استشكله في الحلية بأنه في رواية أبي داود أنه صلى الله عليه وسلم قام ←

اب صورت تطبیق کی یہ ہے کہ فی نفسہ سنت ہے مگر غیر مؤکدہ۔ اگر مؤکدہ سمجھا جائے گا تو مکروہ ہے میرا یہی اعتقاد ہے۔

کیم صفر ۱۳۵۱ھ (النور، رمضان ۱۳۵۱ھ (ص ۷)

← أي في الخطبة متكناً على عصاً أو قوس، ونقل القهستاني عن عبد المحيط أن أخذ العصا سنة كالقيام. (الدر المختار مع الشامی، كتاب الصلاة، باب الجمعة، مكتبة زكريا ديوبند ۴۱/۳، کراچی ۱۶۳/۲)

أخرج أبو داود عن شعيب بن رزيق الطائفي حديثاً طويلاً وفيه، فأقمنها بها أياماً شهدنا فيها الجمعة مع رسول الله صلى الله عليه وسلم، فقام متكناً على قوس أو عصاً الحديث. (أبو داود، كتاب الصلاة، باب الرجل يخطب على قوس، النسخة الهندية ۱/۵۶، دار السلام رقم: ۱۰۹۶) صحيح ابن خزيمة، باب الاعتماد على القسي أو العصا على المنبر في الخطبة. (المكتب الإسلامي ۱/۷۰۳، رقم: ۱۴۵۲)

حدثني أبي، عن أبيه، عن جده أن رسول الله صلى الله عليه وسلم كان إذا خطب في الحرب خطب على قوس، وإذا خطب في الجمعة خطب على عصاً. (سنن ابن ماجه، كتاب الصلاة، باب ماجاء في الخطبة يوم الجمعة، النسخة الهندية ص: ۷۷، دار السلام ۱۱۰۷) السنن الكبرى للبيهقي، باب الإمام يعتمد على عصاً أو قوسٍ أو ما أشبههما إذا خطب. دار الفكر بيروت ۴/۴۷، رقم: ۵۸۴۷)

المعجم الكبير للطبراني، دار إحياء التراث العربي ۶/۳۹، رقم: ۵۴۴۸ وأخرج أبو داود في مراسيله عن ابن شهاب حديثاً طويلاً، وفيه قال ابن شهاب: وكان إذا قام أخذ عصاً، وهو قائم على المنبر، ثم كان أبو بكرؓ، وعمر بن الخطابؓ، وعثمان بن عفانؓ يفعلون ذلك. (مراسيل أبي داود ص: ۷)

عن يزيد بن البراء عن أبيه أن النبي صلى الله عليه وسلم خطب على قوسٍ أو عصاً. (مسند أحمد بن حنبل ۴/۳۰۴، رقم: ۱۸۹۱۸، ۴/۲۸۲، رقم: ۱۸۶۸۲)

عن جرير قال: قلت لعطاء: أكان رسول الله صلى الله عليه وسلم يقوم إذا خطب على عصاً؟ قال: نعم! وكان يعتمد عليه اعتماداً. (السنن الكبرى للبيهقي، باب الإمام يعتمد على عصاً أو قوسٍ أو ما أشبههما، دار الفكر ۴/۴۷، رقم: ۵۸۴۸) شبير احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

## شہر سے تین میل دور کارخانہ میں نماز جمعہ کا حکم

**سوال (۶۱۳):** قدیم ۶۸۲/۱ - یہاں کارخانہ میں جس میں ملازم ہوں شہر جہلپور سے قریب تین میل کے فاصلہ پر واقع ہے اور وہ اشخاص جو باہر کے رہنے والے ہیں کارخانہ کے پاس سرکاری مکانوں میں اقامت گزریں ہیں سوء اتفاق سے یہاں مسلمانوں کیلئے کوئی مسجد وغیرہ نہیں ہے جس میں وہ سب ملکر نماز باجماعت ادا کر سکیں۔ اب چونکہ گورنمنٹ نے ازراہ عنایت فریضہ جمعہ ادا کرنے کی چھٹی عطا فرمائی ہے اس لئے ہم یہاں یہ نماز ادا کرنے کا یہ انتظام کر رہے ہیں کہ ایک معمولی لکڑی کا جنگلہ لگا کر ایک احاطہ بنالیا جاوے اور اس میں نماز جمعہ ادا کی جاوے لیکن اس پر بعض معترض ہیں کہ اس جگہ نماز درست نہیں اس لئے مکلف خدمت ہوں کہ اپنی رائے روشن سے مطلع فرما کر ممنون فرماویں کہ آیا حالت مذکورہ الصدر میں نماز جمعہ درست ہے یا نہیں ہمارے پاس اتنا وقت نہیں ہے کہ شہر جا کر کسی مسجد میں نماز ادا کر سکیں۔ اور آدمی تقریباً سو سے زیادہ ہی نماز کیلئے جمع ہوں گے۔ امید ہے کہ جواب سے بہت جلد سرفراز فرماویں؟

**الجواب:** جبل پور جیسے بڑے شہر کا فناء تین میل ہونا ممکن ہے اور کارخانہ چونکہ مصالح بلد سے ہے اس لئے اس مقام کا فناء ہونا واقع بھی ہے لہذا نماز جمعہ صحیح ہے۔ (۱)

۱۸ شعبان ۱۳۳۱ھ (حوادث ۲ ص ۱۱۳)

(۱) ویشت شرط لصحتها سبعة أشياء: الأول: المصّر أو فناءه وهو ما حوله اتصل به أولاً كما حرره ابن الكمال وغيره لأجل مصالحه كدفن الموتى، ورخص الخيل. (تنوير الأبصار مع الدر المختار، كتاب الصلاة، باب صلاة الجمعة، مكتبة زكريا ديوبند ۷-۵/۳، کراچی ۱۳۷/۲-۱۳۹)

لاتصح الجمعة إلا بستة شروط: المصّر أو فناءه ..... والمصّر كل موضع له أمير وقاضٍ ينفذ الأحكام ويقيم الحدود وقيل مالو اجتمع أهلہ في أكبر مساجده لا يسعهم وفناءه أي المصّر ما اتصل به أي بالمصّر معداً لمصالحه يعني لحوائج أهلہ من دفن الموتى، ورخص الخيل ورمي السهم ونحو ذلك. (ملتقي الأبحر مع مجمع الأنهر، كتاب الصلاة، باب صلاة الجمعة، دار الكتب العلمية ۱/۱۴۴-۲۴۷) ←

## شہر کے ساحل پر کھڑے ہوئے جہاز کی چھت پر نماز جمعہ کا حکم

**سوال (۶۱۴):** قدیم ۱/۶۸۳ - میں ایک انگریز کمپنی کی طرف سے ایک چھوٹے آگٹ کی آمد و رفت کا اسٹیشن ماسٹر اور مختار ہوں اور وہ آگٹ موافق حکم کمپنی کے ٹھیک آٹھ بجے صبح کو صدر گھاٹ سے روانہ ہوتا ہے شام کے وقت پھر لوٹ آتا ہے اس جلدی کی وجہ سے ہم کو عید گاہ میں ایک جم غفیر کے انتظار کے ساتھ نماز ادا کر کے جہاز چھوڑنے کا وقت نہیں ملتا ہے اس واسطے ہم اپنے نوکروں کے ساتھ جوتیس یا چالیس آدمی تک ہیں نماز عیدین جہاز کی چھت پر جو دھودھا کر بہت پاک و صاف کیا جاتا ہے جس وقت جہاز خشکی کے ساتھ خوب مضبوطی سے بندھا ہوا رہتا ہے ادا کرتے ہیں اور یہ گھاٹ شہر کے بالکل متصل ہے۔ اب اس صورت میں نماز عیدین ادا کرنا درست ہوگی یا نہیں مگر اگر جائز نہ ہو ہم کو یا نوکری چھوڑ دینا پڑے گا یا کہ عیدین کی نماز حلال ہو جائیگی۔ کیونکہ یہ جہاز کی روانگی روزانہ جاری ہے؟

**الجواب:** فی الدر المختار: (و السفینة) المربوطة فی الشط کا لشط فی الأصح اه (۱)

← شرط أدائها المصّر أو مصلاه أي فناءه وهو المكان المعد لمصالح المصّر متصل به أو منفصل عنه بغلوة كذا قرره محمد في النوادر. (النهر الفائق، كتاب الصلاة، باب صلاة الجمعة، مكتبة زكريا ديوبند ۱/۳۵۲-۳۵۳)

شرط أدائها المصّر أو مصلاه أي مصلی المصّر لأنه من توابعه فكان في حكمه والحكم غير مقصور على المصلی بل يجوز في جميع أافية المصّر لأنها بمنزلة المصّر في حوائج أهله. (البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب صلاة الجمعة، مكتبة زكريا ديوبند ۲/۲۴۵-۲۴۷، كوئٹہ ۲/۱۴۰)

حاشیہ الطحطاوی علی مراقی الفلاح، کتاب الصلاة، باب صلاة الجمعة، مكتبة دارالكتاب ديوبند ص: ۵۰۶۔

الفتاویٰ الہندیہ، کتاب الصلاة، الباب السادس عشر فی صلاة الجمعة، قدیم زکریا ۱/۱۴۵، جدید زکریا ۱/۲۰۵۔ شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

(۱) الدر المختار مع الشامی، کتاب الصلاة، باب صلاة المریض، مطلب فی الصلاة فی

السفينة، مكتبة زكريا ديوبند ۲/۵۷۳، کراچی ۲/۱۰۱۔ ←

وفي الدر المختار: أيضاً فنائه وهو ماحوله لأجل مصالحه، وفي رد المحتار: وكما أن المصر أوفنائه شرط جواز الجمعة فهو شرط جواز صلاة العيد. ج ۱ ص ۸۳ (۱) ان روایات سے معلوم ہوا کہ صورت مسئلہ میں نماز عیدین درست ہے۔

۱۳/ ذیقعدہ ۱۳۳۱ھ (حوادث ج ۲ ص ۱۲۳)

← وأجمعوا أن السفينة إذا كانت مربوطة في الشط أنه لا تجوز الصلاة فيها قاعداً، وفي الطحطاوي: المربوطة كالشط هو الصحيح. (الفتاوى التاتارخانية، كتاب الصلاة، الفصل الرابع والعشرون الصلاة في السفينة، مكتبه زكريا ديوبند ۲/ ۵۴۰، رقم: ۳۲۴۵) والخلاف في غير المربوطة، والمربوطة كالشط هو الصحيح. (هداية، كتاب الصلاة، باب صلاة المريض، مكتبه اشرفية ديوبند ۱/ ۱۶۲) حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، كتاب الصلاة، فصل في الصلاة في السفينة، مكتبه دارالكتاب ديوبند ص: ۴۰۹۔

(۱) الدر المختار مع الشامی، کتاب الصلاة، باب الجمعة، مكتبه زكريا ديوبند ۳/ ۷، کراچی ۱۳۸-۱۳۹۔

صلاة العيد واجبة على من تجب عليه الجمعة بشرائطها وقد علمتها فلا بد من شرائط الوجوب جميعها وشرائط الصحة سوى الخطبة الخ. (حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، كتاب الصلاة، باب صلاة العيدين، مكتبه دارالكتاب ديوبند ص: ۵۲۸)

تجب صلاة العيد وشرائطها كشرائط الجمعة وجوباً وأداءً سوى الخطبة، فإنها تجب في الجمعة لا في العيدين. (ملتقى الأبحر مجمع الأنهر، كتاب الصلاة، باب صلاة العيدين، دارالكتب العلمية بيروت ۱/ ۲۵۴)

تجب صلاة العيدين على من تجب عليه الجمعة بشرائطها سوى الخطبة. (النهر الفائق، كتاب الصلاة، باب صلاة العيدين، مكتبه زكريا ۱/ ۳۶۵) البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب صلاة العيدين، مكتبه زكريا ديوبند ۲/ ۲۷۵،

کوئٹہ ۲/ ۱۵۷۔

شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

## جماعت کی رعایت پر جمعہ کی رعایت کو مقدم کرنا

**سوال (۶۱۵):** قدیم ۱/۶۸۳ - جب سے دیہات میں رہنے کا اتفاق ہوا ہے تو نماز جمعہ کیلئے الہ آباد جایا کرتا ہوں لیکن ایک وقت کی جماعت کم از کم ضرور راستہ میں فوت ہو جاتی ہے کیونکہ اکثر دیہات میں نماز کی جماعت کا اہتمام نہیں جس سے قلق بھی ہوتا ہے اس صورت میں کوئی صورت اختیار کرنا بہتر ہوگا؟

**الجواب:** جزئیہ تو دیکھا نہیں مگر فقہاء نے ایک کلیہ لکھا ہے کہ خلافیات میں مراعات خلاف کی اولیٰ ہے بشرطیکہ اپنے مذہب کے مکروہ کا ارتکاب لازم نہ آوے (۱)۔ سو چونکہ فرضیت جمعہ قرئی میں مختلف فیہ ہے (۲)۔ تو شہر میں جا کر جمعہ پڑھنے میں اس کی رعایت ہے اور اپنے مذہب کا کوئی مکروہ لازم نہیں آیا اس لئے جمعہ کی رعایت اولیٰ معلوم ہوتی ہے۔

۲۹ ربیع الثانی ۱۳۳۳ھ (تتمہ ثالثہ ص ۳۲)

(۱) لا ینقصہ مس ذکر لکن یغسل یدہ ندباً وامرأة وأمرّد لکن یندب للخروج من الخلاف لاسیما للإمام؛ لکن بشرط عدم لزوم ارتکاب مکروہ مذہبہ. (الدر المختار مع الشامی، کتاب الطہارۃ، نواقض الوضوء، مطلب فی ندب مراعاة الخلاف إذا لم یرتکب مکروہ مذہبہ، مکتبہ زکریا دیوبند ۱/۲۷۸-۲۷۹، کراچی ۱/۱۴۷)

ولامس بشرة امرأة ولو بشهوة؛ لکن قال بعضهم: ینبغي للإمام أن یحتاط لقوة الخلاف بین الصحابة فی النقض به وعدمه ولا یخفی أن الخروج من الخلاف مندوب لكل أحد بشرط أن لا یلزم منه ارتکاب مکروہ فی مذہبہ. (النہر الفائق، کتاب الطہارۃ، مکتبہ زکریا دیوبند ۱/۶۰)

(۲) الشرط الأول: اشترطه الحنفية وهو أن يكون المكان الذي تقام فيه مصرًا ..... ویلحق بالمصر صاحيته أو فناءه ..... ولم تشترط المذاهب الأخرى هذا الشرط، فأما الشافعية: فاکتفوا باشتراط إقامتها في خطة أبنية سواء كانت من بلدة أو قرية قال صاحب المذهب: لا تصح الجمعة إلا في أبنية يستوطنها من تنعقد بهم الجمعة من بلد أو قرية، ←

اگر سہواً عیدین میں تکبیرات زائدہ چھوڑ کر رکوع میں چلا جاوے اور پھر لقمہ دینے

سے رکوع کے بعد ان کو ادا کرے اور پھر سجدہ سہو کرے تو نماز صحیح ہوگی یا نہیں؟

**سوال (۶۱۶):** قدیم ۱/۶۸۴ - اگر نماز عید النضحیٰ میں امام کو سہو ہوا اور رکعت ثانیہ میں بعد قراءت بلا تکبیر کہے رکوع میں چلا گیا اور جماعت میں سے کسی مقتدی نے سبحان اللہ کہہ کر امام کو اس سہو پر آگاہ کیا اور امام متنبہ ہو کر رکوع سے پھر کھڑا ہوا، اور ہر سہ تکبیرات کہی اور پھر رکوع کیا اور سجدہ سہو بھی کیا۔ تو کیا اس صورت میں نماز عید ہوئی یا نہیں اور اگر نماز عید نہیں ہوئی تو قربانی بھی ہوئی یا نہیں ہوئی۔ اس قصبہ میں دو جگہ نماز اور بھی ہوتی ہے مگر اس امام کے مقتدیوں نے اپنی نماز پڑھ کر قربانی بھی کر لی اس وقت تک اور کہیں نماز نہیں ہوئی تھی تو قربانی بھی ہوئی یا نہیں؟

.....

← وأما الحنابلة: فلم يشترطوا ذلك أيضاً، وصححوا إقامتها في الصحارى، وبين مضارب الخيام، قال صاحب المغني: ولا يشترط لصحة الجمعة إقامتها في البنيان ويجوز إقامتها فيما قاربه من الصحراء، وأما المالكية: فإنما شرطوا أن تقام في مكان صالح للاستيطان، فتصح إقامتها في الأبنية أو الأخصاص لصالحها للاستيطان فيها مدة طويلة ولا تصح في الخيم لعدم صلاحيتها لذلك في الغالب. (الموسوعة الفقهية الكويتية ۲۷/۱۹۶)

قال أبو بكر: في "أحكامه" واتفق فقهاء الأمصار على أن الجمعة لا تجوز في البوادي بموضع لا يجوز فعلها في غيره، لأنهم مجمعون على أن الجمعة لا تجوز في البوادي ومناهل الأعراب، فقال أصحابنا: هي مخصوصة بالأمصار ولا تصح في السواد وهو قول الثوري وعبيد الله بن الحسن، وقال مالك: تصح الجمعة في كل قرية فيها بيوت متصلة وأسواق متصلة، يقدمون رجلاً يخطب ويصلي بهم الجمعة إن لم يكن لهم إمام، وقال الأوزاعي: لا الجمعة إلا في مسجد جماعة مع الإمام، وقال الشافعي: إذا كانت قرية مجتمعة البناء والمنازل، وكان أهلها لا يظعنون عنها إلا ظعن حاجة وهم أربعون رجلاً حراً بالغاً غير مغلوب على عقله وجبت عليهم الجمعة. (إعلاء السنن، أبواب الجمعة، باب عدم جواز

الجمعة في القرى، دار الكتب العلمية بيروت ۷/۸) شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ



**الجواب:** في الدر: المختار: كما لور كع الإمام قبل أن يكبر فإن الإمام يكبر

في الركوع ولا يعود إلى القيام ليكبر في ظاهر الروايات: فلو عاد ينبغي الفساد وفي رد المحتار: قوله: في ظاهر الرواية: تبع فيه المصنف في المنح والذي في البحر والحلية أن ظاهر الرواية: أنه لا يكبر في الركوع ولا يعود إلى القيام زاد في الحلية وعلى ما ذكره الكرخي ومشى عليه في البدائع وهو رواية النوادر يعود إلى القيام ويكبر ويعيد الركوع دون القراءة. اه وهذه الرواية أيضاً تخالف ما في المتن نعم صرح بمثله في البحر والحلية والفتح والذخيرة في باب الوتر والنوافل الخ. قوله فلو عاد ينبغي الفساد تبع فيه صاحب النهر: وقد علمت أن العود رواية النوادر على أنه يقال عليه ما قاله ابن الهمام في ترجيح القول بعدم الفساد فيما لو عاد إلى القعود الأول بعد ما استتم قائماً بأن فيه رفض الفرض لأجل الواجب وهو وإن لم يحل فهو بالصحة لا يخل ج ١ ص ٨٤٣ و ٨٤٤ (١) وفي الدر المختار: والسهو في صلوة العيد والجمعة والمكتوبة والتطوع سواء والمختار عند المتأخرين عدمه في الأوليين لدفع الفتنة كما في جمعة البحر وأقره المصنف وبه جزم في الدر. وفي رد المحتار: قوله: عدمه في الأوليين الظاهر ان الجمع الكثير فيما سواهما كذلك كما بحثه بعضهم (ط) وكذا بحثه الرحمتي وقال خصوصاً

(١) الدر المختار مع الشامي، كتاب الصلاة، باب العيدين، مكتبه زكريا ديوبند ٥٧/٣،

كراچی ١٧٥/٢

ولور كع الإمام قبل أن يكبر كبر راکعاً ولا يعود إلى القيام ليكبر في ظاهر الرواية: ولو عاد لا تفسد كما في شرح السيد. (حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، كتاب الصلاة، باب صلاة العيدين، مكتبه دار الكتاب ديوبند ٥٣٤)

لور كع الإمام قبل أن يكبر فإن الإمام لا يكبر في الركوع ولا يعود إلى القيام ليكبر في ظاهر الرواية. (البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب صلاة العيدين، مكتبه زكريا ديوبند ٢٨٢/٢، كوئته ١٦١/٢)

ففي زماننا وفي جمعة حاشية أبي السعود عن الغرمية أنه ليس المراد عدم جوازه بل الأولى تركه لتلايقع الناس في فتنه اه، ج ۱ ص ۸۷ (۱)

ان روایات سے یہ امور مستفاد ہوئے:

(۱) رکوع سے لوٹنا نہ چاہئے تھا بلکہ وہ تکبیرات رکوع میں کہہ لینا چاہئے تھا۔

(۲) لیکن لوٹنے سے نماز فاسد نہیں ہوئی۔

(۳) سجدہ سہو بھی مناسب نہ تھا۔

(۴) لیکن کر لیا تو بھی جائز ہو گیا۔ خلاصہ جواب یہ کہ نماز اور قربانی سب صحیح ہو گئی۔

۱۵/زی الحجۃ ۱۳۳۳ھ (تمتہ ثالثہ ص ۱۱۹)

## خطبہ الوداع کی تحقیق

**سوال (\*) (۶۱۷):** قدیم/۱/۲۸۵ - چہ می فرماید علمائے دین و مفتیان شرع متین اندریں کہ در خطبہ عید و آخر جمعہ ماہ رمضان لفظ الوداع و الفراق و السلام خواندن موافق سنت نبوی است یا بدعت سیئہ و ناجائز بر تقدیر عدم جواز بر مجوزین و معتقدین آں کہ بجان و دل در ابقاء ایں رسم قدیم کوشند حسب شریعت غراء و ملت بیضاء چہ حکم نافذ کرد و منسوب بفسق خواہند شد یا نہ، بینوا تو جروا؟

**(\*) ترجمہ سوال:** عید الفطر کے خطبہ میں اور رمضان شریف کے آخری جمعہ کے خطبہ میں ”الوداع و الفراق و السلام“ پڑھنا سنت کے مطابق ہے یا ناجائز اور بدعت سیئہ ہے؟ عدم جواز کی صورت میں جائز ماننے والوں پر جو دل و جان سے اس قدیم رسم کے باقی رکھنے میں کوشاں ہیں شریعت غراء کا کیا حکم نافذ ہوگا؟ فاسق ہوں گے یا نہ؟ ۱۲ سعید احمد پالن پوری

(۱) الدر المختار مع الشامی، کتاب الصلاة، باب سجود السهو، مکتبہ زکریا دیوبند

۵۶۰/۲، کراچی ۹۲/۲

السهو في الجمعة والعیدین والمکتوبة والتطوع واحد إلا أن مشايخنا قالوا: لا يسجد للسهو في العیدین، والجمعة لتلايقع الناس في الفتنة كذا في المضممرات نقلاً عن المحيط.

(ہندیہ، کتاب الصلاة، الباب الثانی عشر فی سجود السهو، قدیم زکریا ۱/۲۸، جدید زکریا ۱/۱۸۷) ←

**الجواب (\*)**: حاصل خطبۃ الوداع اظہار تاسف است برانقضاء رمضان وایں چنین تاسف از حضرت نبویہ یا از سلف صالحین در خیر القرون جائے منقول نشدہ؛ البتہ تنویہ بمجیی رمضان و تنبیہ بر فضل آں در احادیث آمدہ است کہ در آخر جمعہ شعبان در خطبہ فرمودند (۱)

**(\*) ترجمہ جواب**: خطبۃ الوداع کا حاصل ”رمضان کے پورا ہو جانے پر تأسف کا اظہار کرنا“ ہے اور اس طرح کا تأسف حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم اور صالحین سے خیر القرون میں کسی جگہ منقول نہیں ہوا ہے۔ البتہ رمضان شریف کی آمد کا اہتمام اور اس کے فضائل پر تنبیہ حدیث میں وارد ہوئی ہے کہ شعبان کے آخری جمعہ کے خطبہ میں (تنبیہ) فرمائی گئی؛ لہذا اسے چھوڑ کر اخیر رمضان کے لئے خاص خطبہ مقرر کرنا ظاہر ہے کہ مشروع میں تغیر کرنا اور معاملہ کو الٹا کر دینا ہے۔

بلکہ غور کریں تو تأسف کے بجائے ایک گونہ سرور و مسرت، رمضان کے ختم ہونے پر مطلوب معلوم ہوتی ہے؛ چنانچہ حدیث میں صراحت ہے کہ ”للسائم الخ“ روزہ رکھنے والے کو دو خوشیاں حاصل ہوتی ہیں: ایک افطار کے وقت اور دوسری اللہ سے ملاقات کے وقت، اور یہ بات بالکل واضح ہے کہ اگر رمضان کے پورا ہو جانے پر تأسف کرنا مشروع ہوتا تو اس تأسف کا کچھ نہ کچھ حصہ ضرور رمضان کے اجزاء (ہر دن کے روزے) کے پورا ہونے پر بھی مشروع ہوتا؛ لیکن جب اجزاء رمضان (ہر دن) کے پورا ہونے پر جو افطار صغیر ہے، ہمیشہ خوشی اور سرور مشروع ہوتا لامحالہ مجموعہ کے تمام ہونے پر بھی۔ جو کہ افطار کبیر ہے۔ خوشی و مسرت مقصود ہوگی، پس افسوس ظاہر کرنا اس مامور بہ کے ساتھ مزاحم ہوا۔

اسی طرح عید کے آنے پر جس مغفرت کی بشارت اور وعدہ نصوص میں وارد ہوا ہے، وہ بھی ←

← ولا یأتی الإمام بسجود السهو فی الجمعة، والعیدین دفعا للفتنة بکثرة الجماعة وبطلان صلاة من یری لزوم المتابعة وفساد الصلاة بترکہ. (مراقی الفلاح مع الطحطاوی، کتاب الصلاة، باب سجود السهو، مکتبہ دارالکتاب دیوبند ص: ۴۶۵ - ۴۶۶) شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ (۱) عن سلمان رضي الله عنه قال: خطبنا رسول الله عليه وسلم في آخر يوم من شعبان قال: يا أيها الناس قد أظلمكم شهر عظيم مبارك. الحديث (الترغيب والترهيب، کتاب الصوم، الترغيب في صيام رمضان احتساباً، وقيام ليله سيما ليلة القدر وما جاء في فضله، دارالکتب العلمیة بیروت ۲/ ۵۷)

مشکوٰۃ شریف، کتاب الصوم، مکتبہ اشرفیہ دیوبند ۱/ ۱۷۳ -

پس اور اگر اگزا شتہ برائے آخر جمعہ رمضان خطبہ خاص مقرر نمودن ظاہر است کہ تغیر مشروع و قلب موضوع است بلکہ اگر نیک نکرند بجائے تاسف گو نہ سرور و فرح بر ختم آں مطلوب می نماید چنانچہ در حدیث منصوص است۔

للصائم فرحتان فرحة عند الافطار وفرحة عند لقاء ربه. (۱)

← اسی طرف مشیر ہے کہ اس کے مقدمہ (رمضان شریف کے پورے ہونے) پر تأسف مستحسن نہیں۔

لأن مقدمة الشيء في حكم ذلك الشيء.

(کسی شے کا مقدمہ اسی شے کے حکم میں ہوتا ہے) اور اگر ان دلائل سے قطع نظر کر کے خطبہ الوداع کی اباحت میں دلیل جو زائد سے زائد اس کی اباحت مطلقہ ماننا ہوگی؛ لیکن جب اس میں منکرات علمیہ اور عملیہ (شامل اور عوام میں اس کے لزوم کا ارتقاء و التزام) مل جائیں گے تو لامحالہ وہ مثل دیگر بدعات کے (کہ بعضے ان میں سے فی نفسہ مباح ہیں؛ لیکن اس طرح کے مفاہیل جانے کی وجہ سے واجب الانکار ہو گئے ہیں) یہ بھی قبیح و شنیع ہو جائے گا، اور چونکہ بعضے بدعات کی برائی غامض و خفی ہوتی ہے؛ اس لئے مصلحین و منکرین پر لازم ہے کہ اس قسم کی بدعات میں عمل کرنے والوں اور التزام کرنے والوں پر تشدد اور سختی نہ کریں؛ کیونکہ یہ عام طور پر اصرار کو بڑھا دیتا ہے۔

وَإِذَا قِيلَ لَهُ اتَّقِ اللَّهَ أَخَذَتْهُ الْعِزَّةُ بِالْإِثْمِ - [سورة البقرة: ۲۰۶]

کا مضمون واقع ہو جاتا ہے؛ اس لئے نرمی اور مہربانی سے ان لوگوں کو راہ راست پر لانا چاہئے۔ واللہ اعلم

سعید احمد پالن پوری

(۱) عن أبي هريرة عن النبي صلى الله عليه وسلم قال: يقول الله عز وجل، الصوم لي وأنا أجزى به، يدع شهوته وأكله وشربه من أجلي، والصوم جنة، وللصائم فرحتان فرحة حين يفطر وفرحة حين يلقي ربه ولخلاف فم الصائم أطيب عند الله من ريح المسك. (بخاري شريف، كتاب التوحيد، باب قول الله تعالى: يريدون أن يبدلوا كلام الله، النسخة الهندية، ۱/۱۱۶، رقم: ۷۱۹۲، ف: ۷۴۹۲)

آخر ج المسلم عن أبي هريرة، حديثاً طويلاً—فيه— وللصائم فرحتان فرحة عند فطره وفرحة عند لقاء ربه ولخلاف فيه أطيب عند الله من ريح المسك. (مسلم شريف، كتاب الصيام، باب فضل الصيام، النسخة الهندية ۱/۳۶۳، بيت الأفكار رقم: ۱۱۵۱)

ترمذی شریف، کتاب الصوم، باب ما جاء في فضل الصوم، النسخة الهندية

۱/۱۵۹، دار السلام رقم: ۷۶۶)

و ظاہر است کہ اگر تاسف وقت انقضاء رمضان مشروع بود حصہ ازاں تاسف وقت انقضاء اجزائش کہ صوم ہر روزہ است نیز مشروع بودے ہر گاہ وقت انقضائے اجزائش کہ افطار صغیر است فرح و سرور محمود شد لامحالہ وقت انقضائے مجموعہ کہ افطار کبیر است نیز فرح و سرور مقصود شد پس اظہار تاسف مزاحمت است بدیں مامور بہ۔ و نیز وعدہ و بشاورت مغفرت کہ متعلق بقدم عید در نصوص وارد شدہ مشعر است بعدم استحسان تاسف بمقدمہ اش کہ انقضائے رمضان است۔ (۱) لأن مقدمة الشئى في حكم ذلك الشئى۔

و اگر ازیں دلائل قطع کردہ قائل باباحت او شوند غایت مافی الباب اباحت مطلق آں مسلم خواهد شد مگر ہر گاہ در آن منکرات علمیہ و عملیہ از التزام و اعتقاد لزوم آں در عامل و عوام منضم شدہ لامحالہ مثل دیگر بدعات کہ بعضے ازاں فی نفسہ مباح باشند لیکن بانضمام ایں چنین مفاسد واجب الانکار می شود ایں ہم قبیح و شنیع خواهد بود (۲) و چون قبیح بعضے بدعات عامض می باشد مصلحین و منکرین را لازم است کہ در ہنجو ایں بدعات بر عامل و ملتزم عفو و تشدد نہ کنند کہ اکثر منجر بزیادت اصرار و وقوع مضمون اذا قیل له اتق الله أخذته العزة بالإثم می شود بلکہ برفق و لطف ایثاں را برہ آرند۔ واللہ الموفق واللہ اعلم

۲۸ رمضان ۱۳۳۳ھ (حوادث ثالث ص ۱۵۲)

(۱) عن سعيد بن أوس الأنصاري عن أبيه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: إذا كان يوم الفطر وقفت الملائكة على أبواب الطرق فنادوا أغدوا يا معشر المسلمين إلي رب كريم يمن بالخير ثم يثيب عليه الجزيل، لقد أمرتم بقيام الليل فقمتم وأمرتم بصيام النهار فصمتتم وأطعتم ربكم فاقبضوا جوائزكم، فإذا صلوا نادي منادٍ ألا إن ربكم قد غفر لكم فارجعوا راشدين إلى رحالكم فهو يوم الجائزة، ويسمي ذلك اليوم في السماء يوم الجائزة. (المعجم للطبراني، دار إحياء التراث العربي ۱/ ۲۲۶، رقم: ۶۱۷)

الترغيب والترهيب، كتاب العيدين والأضحية، الترغيب في التكبير في العيد وذكر فضله، دار الكتب العلمية بيروت ۹۸/۲

(۲) من أصرّ على أمر مندوب وجعله عزماً ولم يعمل بالرخصة فقد أصاب منه الشيطان من الإضلال، فكيف من أصرّ على بدعة أو منكر. (مرقاة المفاتيح، كتاب الصلاة، باب الدعاء في التشهد، مكتبة امدادية ملتان ۳۵۳/۲) ←

## دیہات میں ترک جمعہ کی وجہ سے فتنہ کا خطرہ ہو تو احتیاط کا راستہ اختیار کرنا

**سوال (۶۱۸):** قدیم ۱/۶۸۷۔ یہاں مبتدعین کا ازدور ہے چنانچہ شدت بدعت کی یہ حالت ہے کہ ہر کام میں ایک نئی ہی صورت پیدا کر رکھی ہے میرے رفیع سبابہ سے بھی بہت کچھ ناک بھوں چڑھاتے ہیں چونکہ یہ ایک گاؤں ہے اس لئے یہاں جمعہ جائز نہیں اور یہ لوگ پڑھتے ہیں میں نہیں پڑھتا اس لئے انہوں نے مجھے غیر مقلد قرار دیا ہے ممکن ہے کہ کچھ عرصہ بعد یہ منافرت اور مخالفت نازک صورت اختیار کر لے دعا فرمادیں کہ خداوند کریم اس فرقہ کے مکائد سے مامون رکھیں۔ نیز مجھے جمعہ پڑھنے کے بارے میں کیا حکم ہے؟

← الإصرار على المندوب يبلغه إلى حد الكراهة، فكيف إصرار البدعة التي لا أصل لها في الشرع. (سعاية، مكتبه اشرفية ديوبند ۲/۲۶۵)

وما يفعل عقيب الصلاة فمكروه لأن الجهال يعتقدونها سنة أو واجبة وكل مباح يؤدي إليه فمكروه. (الدر المختار مع الشامی، کتاب الصلاة، قبیل باب صلاة المسافر، مكتبه زكريا ديوبند ۲/۵۹۸، كراچی ۲/۱۲۰)

الوداع یا الفراق در خطبہ جمعہ آخر رمضان خواندن و کلمات حسرت و رخصت ادا کردن فی نفسہ امر مباح است بلکہ ای کلمات باعث ندامت و توبہ سامعان شود، امید ثواب است، مگر ثبوت ای طریق در قرون ثلاثہ نیست..... و شاید کہ ایجاد ای طریق کردہ خطبہ آخر رمضان را بر خطبہ استقبال قیاس کردہ، لیکن اہتمام خطبہ و داع کردن چنانچہ دریں زمانہ مروج است و آن را تا بعد التزام رسانیدن خالی از ابتداء نیست، علماء معتدین را لازم است کہ التزام این طریق را ترک کنند تا عوام از اعتقاد و استحباب و سنیت بلکہ از ضروری بودن این طریق خاص نجات یابند۔ (مجموعۃ الفتاوی علی ہامش خلاصۃ الفتاوی، کتاب الکرامیۃ ۴/۳۲۹)

ومن الأمور المحدثه ما ذاع في أكثر بلاد الهند والدكن وغيرهما من تسمية خطبة الجمعة الأخيرة بخطبة الوداع وتضمنها جملاً دالاً على التحسر بذهاب ذلك الشهر فيدرجون فيها جملاً دالاً على فضائل ذلك الشهر ويقولون بعد جملة أو جملتين: "الوداع والوداع" أو الفراق والفراق لشهر رمضان أو الوداع والوداع يا شهر رمضان ونحو ذلك من الألفاظ الدالة على ذلك. (مجموعۃ رسائل اللكنوي ردع الإخوان عن محدثات آخر

جمعة رمضان ۲/۲۴، بحوالہ فتاوی محمودیہ ذابھیل ۱۱/۲۹۶)

\*\*\*\*\*  
**الجواب:** اگر فتنہ ناقابل تحمل کا احتمال قوی ہو مقتدی بن کر جمعہ پڑھ لیجئے پھر منفرداً ظہر

پڑھ لیجئے۔ (۱) (تمتہ خامسہ ص ۴۶)

.....  
 (۱) کل موضع وقع الشک فی کونه مصرّاً ینبغي لهم أن یصلوا بعد الجمعة أربعاً بنية الظہر احتیاطاً حتی أنه لو لم تقع الجمعة موقعها یخرجون عن عہدة فرض الوقت بأداء الظہر۔ إلى قوله۔ نعم! إن أدى إلى مفسدة لا تفعل جهازاً والكلام عند عدمها ولذا قال المقدسي: نحن لا نأمر بذلك أمثال هذه العوام بل ندل عليه الخواص ولو بالنسبة إليهم. (شامي، کتاب الصلاة، باب الجمعة، مطلب فی نية آخر ظہر بعد صلاة الجمعة، مكتبه زکریا ۱۷/۳، کراچی ۱۴۶/۲)

ولیس الاحتیاط فی فعلها لأن الاحتیاط هو العمل بأقوی الدلیلین، وأقواهما إطلاق جواز تعدد الجمعة، وبفعل الأربع مفسدة اعتقاد الجهلة عدم فرض الجمعة أوتعدد المفروض فی وقتها ولا یفتی بالأربع إلا للخواص، وفعلهم إياها فی منازلهم. (حاشیة الطحطاوي علی مراقی الفلاح، کتاب الصلاة، باب صلاة الجمعة، مكتبه دارالکتاب دیوبند ص: ۵۰۶)

مع ما لزم من فعلها فی زماننا من المفسدة العظيمة وهو اعتقاد الجهلة أن الجمعة لیست بفرض لما یشهدون من صلاة الظہر فیظنون أنها الفرض وأن الجمعة لیست بفرض فیتکاسلون عن أداء الجمعة فكان الاحتیاط فی ترکها وعلى تقدير فعلها ممن لا یخاف علیه مفسدة منها فالأولی أن تكون فی بیتہ خفیة خوفاً من مفسدة فعلها. (البحر الرائق، کتاب الصلاة، باب صلاة الجمعة، مكتبه زکریا دیوبند ۲/۲۵۱-۲۵۲، کوئٹہ ۱۴۳/۲)

والاحتیاط فی القرئ أن یصلی السنة أربعاً ثم الجمعة، ثم ینوي أربعاً سنة الجمعة، ثم یصلی الظہر، ثم رکعتین سنة الوقت، فهذا هو الصحیح المختار، فلو کان أداء الجمعة صحیحاً فقد أداها وسنتها، وإن لم تكن الجمعة صحیحة فقد صلی الظہر، فالأربع سنة والأربع فريضة والركعتان بعد هذا سنة. (الفتاوى التاتارخانية، کتاب الصلاة، الفصل الخامس والعشرون شرائط الجمعة، مكتبه زکریا دیوبند ۲/۵۵۵، رقم: ۳۲۷۹) شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

## حنفی لوگوں کا شافعی مسلک کے مطابق دیہات میں جمعہ قائم کرنا

**سوال (\*) (۶۱۹):** قدیم ۱/۶۸۸ - چرمی فرماینڈ علمائے دین و مفتیان شرع متین دریں مسئلہ کہ در بعض دیار بہ ہر قریہ نماز جمعہ کی گزاردن خواہ دروشا مردماں و مکانان کثیر باشد یا نہ و گروہے از علمائے احناف می گویند کہ گرچہ بمذہب مادر قریٰ جمعہ روانیست مگر مایاں دریں مسئلہ بر مسلک ائمہ دیگر ایں عمل می نمایم قول او شاں چہ چگونه است و اگر کسے از احناف در قریٰ صلوٰۃ جمعہ ادا کند پس از ذمہ اش نماز ظہر اوسا قاطب خواہد شد یا نہ جوابے صافی مدلل تحریر فرمایند؟

**الجواب (\*\*):** عدم صحت جمعہ در قریٰ عند الاحناف ظاہر است (۱) و آنانکہ بر مذہب شافعی می گزاردند

**(\*) ترجمہ سوال:** بعض علاقوں میں ہر گاؤں میں نماز جمعہ پڑھتے ہیں خواہ وہاں لوگوں کی اور مکانات کی کثرت ہو یا نہ ہو، علماء احناف کی ایک جماعت کہتی ہے کہ اگرچہ ہمارے مذہب میں گاؤں میں جمعہ جائز نہیں ہے؛ لیکن ہم اس مسئلہ میں دیگر ائمہ کے مسلک پر عمل کرتے ہیں، ان حضرات کا یہ کہنا کیسا ہے؟ اور اگر کوئی حنفی گاؤں میں جمعہ کی نماز پڑھے تو اس کے ذمہ سے ظہر کی نماز ساقط ہوگی یا نہیں؟ ۱۲ سعید احمد پالن پوری

**(\*\*):** ترجمہ جواب: دیہاتوں میں احناف کے نزدیک جمعہ کا صحیح نہ ہونا ظاہر و باہر ہے اور جو لوگ مذہب شافعی کے پیش نظر پڑھتے ہیں اور یہ بات ظاہر ہے کہ وہ لوگ نماز کے وہ تمام فرائض جو امام شافعیؒ کے نزدیک ثابت ہیں بجا نہیں لاتے جیسے قرات خلف امام اور نماز جمعہ کی صحت کے لئے نمازیوں کی جو تعداد ان کے یہاں معتبر ہے، اس کی رعایت بھی نہیں کرتے، تو ان کا جمعہ نہ احناف کے نزدیک درست ہوتا ہے؛ اس لئے کہ احناف گاؤں میں جمعہ کے قائل ہی نہیں ہیں اور نہ شافعیہ کے نزدیک درست ہوتا ہے؛ کیونکہ ان کے یہاں جو صحت کے شرائط ہیں وہ نہیں پائے جاتے اور اس کا نام تلفیق ہے جسے فقہاء باطل کہتے ہیں فافہم ۱۲ سعید احمد پالن پوری

(۱) عن علي قال: لا جمعة، ولا تشریق، ولا صلاة فطر، ولا أضحي، إلا في مصر جامع، أو في مدينة عظيمة. (مصنف ابن أبي شيبة، كتاب الصلاة، باب من قال لا جمعة، ولا تشریق إلا في مصر جامع، مؤسسة علوم القرآن ۴/ ۶۷، رقم: ۵۰۹۹)

عن علي قال: لا جمعة، ولا تشریق، إلا في مصر جامع. (مصنف عبد الرزاق،

كتاب الجمعة، باب القرئ الصغار، المجلس العلمي بیروت ۳/ ۱۶۷، رقم: ۵۱۷۵) ←



\*\*\*\*\*  
 و ظاہر است کہ ایشان سائر فرائض صلوٰۃ کہ نزد شافعیہ ثابت اند بعمل نمی آرند مثل قراءۃ خلف الإمام او ہم  
 چنین رعایت عدد مصلین کہ عند الشافعیہ معتبرست بجائی آرند پس جمعہ ایناں نہ عند الحنفیہ درست شد لعدم  
 قول الحنفیہ بالجمعة فی القرئی و نہ عند الشافعیہ درست باشد لعدم شرائط صحۃ الصلوٰۃ و این را تلفیق می گویند کہ  
 فقہاء آں را باطل گفته فافہم۔ (۱)

۹ ربیع الاول ۱۳۳۲ھ (تمہ الرابعہ ص ۱۶)

## حاکم کے حکم سے دیہات میں جمعہ کا جواز

**سوال (۶۲۰):** قدیم ۱/۶۸۹ - امداد الفتاویٰ جلد اول ص: ۶۵/سطر: ۱۶/میں جو مسئلہ دربارہ جواز  
 جمعہ فی القرئی بامر سلطان مذکور ہے اس میں مجھ کو اشکال ہوا ہے۔

← ویشترط لصحتها سبعة أشياء. الأول: المصبر. (الدر المختار مع الشامی،  
 کتاب الصلاة، باب الجمعة، مکتبہ زکریا ۵/۳، کراچی ۱۳۷/۲)

شرط أداؤها المصبر، فلا تصح في قرية ولا مفازة لما رواه ابن أبي شيبة موقوفًا عن علي.  
 (النهر الفائق، کتاب الصلاة، باب صلاة الجمعة، مکتبہ زکریا دیوبند ۳۵۲/۱)

مجمع الأنهر، کتاب الصلاة، باب صلاة الجمعة، دارالکتب العلمیہ بیروت ۲۴۴/۱۔  
 (۱) وأن الحكم الملق باطل بالإجماع، وأن الرجوع عن التقليد بعد العمل باطل  
 اتفاقاً وهو المختار في المذهب (در مختار) وفي الشامية: مثاله: متوضئ سال من بدنه دم  
 ولمس امرأته ثم صلى، فإن صحة هذه الصلاة ملفقة من مذهب الشافعي، والحنفي والتلفيق  
 باطل فصحته منتفية. (الدر المختار مع الشامی، مقدمة، مطلب في حكم التقليد والرجوع عنه،  
 مکتبہ زکریا دیوبند ۱/۱۷۷، کراچی ۷۵/۱)

والحاصل أن جميع هذه الوجوه ألتی استدل بها هذا القائل بالتلفيق الخارج للإجماع  
 المعتبر بذلك فاسدة لا اعتداد بها، ولا يجوز اعتبار ذلك منه لمخالفة الصريح في منع  
 التلفيق. (خلاصة التحقيق ص: ۱۶)

و كذا صلاة من أخذ بقول الشافعي في الاحتجام وبقول أبي حنيفة في عدم  
 ركنية الفاتحة للصلاة، فاكتمل بآية من القرآن ولم يقرأ الفاتحة فإنها باطلة اجماعاً.  
 (مقدمة إعلاء السنن ۲/۱۹۷) شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

عبارت امداد الفتاویٰ یہ ہے۔ (\*) درملک افغانستان ایں قاعدہ است کہ بفرمائش امیر صاحب خلد اللہ تعالیٰ ملکہ بتریک بعض عالم درقریٰ جمعہ قائم می کنند و برائے چار پنچ قریہ یک خطیب از طرف بادشاہ مقرر باشد فقط اذن بادشاہ را از اشتراط مصرعنی می پندارند۔ دریں علاقہ اگر کدام یکجا بجمعہ حاضر نشود خطیب صاحب انکار می کند گاہے نوبت بشکایت نزد حاکم ملک می رسد در صورت مذکورہ دورکعت جمعہ از ظہر خلف میشود یا نہ۔ در تاخیر اذال بعد روحیلہ آثم خواهد شد یا نہ؟

**الجواب:** قال الشامي: قال أبو القاسم: هذا بلا خلاف إذا أذن الوالي أو القاضي (إلى قوله) ولو صلوا في القرى لزمهم أداء الظهور وهذا إذا لم يتصل به حكم فإن في فتاوى الديناري: إذا بنى مسجد في الرستاق بأمر الإمام فهو أمر بالجمعة اتفاقاً. (۱) پس در صورت مسؤلہ جمعہ صحیح است لکن وقت تبدیل حکومت اذن امیر سابق غیر کافی ست اذن امیر جدید شرط است۔

قال الشامي: لا يبقى إلى اليوم الإذن بعد موت السلطان الإذن بذلك إلا إذا أذن به أيضاً سلطان زماننا نصره الله. (۲) ص ۸۴۰، والله اعلم،  
اشکال اس میں مجھ کو یہ ہے کہ جب از روئے فقہ بڑے شہروں میں بھی اذن بادشاہ جمعہ کیلئے شرط ہے تو اگر وہاں بادشاہ کسی عناد وغیرہ کے سبب اذن جمعہ کا نہ دیوے یا بادشاہ غیر مسلم ہو تو مسلمین آپس میں اتفاق کر کے ایک کو امام بنا کر جمعہ ادا کر لیں۔ پس صورت مذکورہ امداد الفتاویٰ سے لازم آتا ہے کہ فقط بادشاہ کا امر برائے جمعہ ضروری ہے شہر ہو یا نہ ہو۔ لہذا جب شہر میں بغیر اذن بادشاہ کے بھی اتفاق سے جمعہ ہو جاتا ہے تو گاؤں میں بھی بغیر اذن بادشاہ کے (کیونکہ اس وقت خصوص مسلم بادشاہ نہیں ہے) اگر قوم اتفاق کر کے جمعہ پڑھ لیں تو اس میں جواز کی گنجائش ہے یا نہیں؟

(\*) یہ سوال وجواب نمبر ۵۴۸ پر درج ہو چکے ہیں اور وہیں ان کا ترجمہ بھی دیا گیا ہے۔ ۱۲ سعید احمد پالن پوری

(۱) شامي مع الدر المختار، كتاب الصلاة، باب الجمعة، مكتبة زكريا ديوبند  
۶/۳-۷، کراچی ۱۳۸/۲۔  
(۲) شامي مع الدر المختار، كتاب الصلاة، باب الجمعة، مكتبة زكريا ديوبند  
۱۲/۳، کراچی ۱۴۲/۲۔

کیونکہ فقہ میں اتفاق قوم کو اذن بادشاہ کے قائم مقام کیا گیا تو جیسا اذن بادشاہ سے صورت مذکورہ میں گاؤں میں جمعہ ہوتا ہے ایسا ہی اب اس زمانہ میں اتفاق قوم سے گاؤں میں جمعہ ہونا چاہئے بس یہی اشکال ہے جواب تحریر فرما کر اشکال دفع فرمادیں۔ فقط

**الجواب عن الاشکال:** اقامۃ جمعۃ فی القریٰ باذن السلطان کا مبنیٰ یہ مسئلہ ہے کہ فصل مجتہد فیہ یعنی مسائل مختلف فیہا کے ساتھ جب امر سلطان یا قضائے قاضی ملاتی ہوتا ہے تو پھر مامور کو اس مسئلہ میں اپنے مجتہد کی تقلید ترک کر دینا واجب ہوتی ہے۔ (۱) اور ظاہر ہے کہ اس امر میں جماعت مسلمین قائم مقام سلطان کے نہیں چنانچہ اگر جماعت مسلمین کسی مسئلہ میں ترک تقلید کا امر کریں وہاں ترک تقلید جائز نہیں اور نیا بتہ جماعت کی مناب سلطان کے صرف امور انتظامیہ میں ہے سو چونکہ جمعہ کیلئے وجود سلطان کا مقصود شرط نہیں صرف رفع نزاع فی التقدیم والتقدم ہے۔

(۱) نعم أمر الأمير متى صادف فصلاً مجتهداً فيه نفذ أمره كما في سير التاتار خانية (در مختار) وفي الشامية: إن كان المراد بالأمر الطلب بلا قضاء فظاهر، وعليه فالمراد بالنفاذ وجوب الامتثال، وهذا الذي رأيته في سير التاتار خانية، ونصه قال محمد: وإذا أمر الأمير العسكر بشيء كان على العسكر أن يطيعوه في ذلك إلا أن يكون المأمور به معصية بيقين. (الدر المختار مع الشامی، مقدمة، قبیل مطلب في طبقات الفقهاء، مكتبه زكريا ديوبند ۱/۱۷۹، كراچی ۱/۷۶)

إذن الحاكم ببناء الجامع في الرستاق إذن بالجمعة اتفاقاً على ما قاله السرخسي: وإذا اتصل به الجمعة، لأن هذا مجتهد فيه فإذا اتصل به الحكم صار مجتمعاً عليه، قال أبو القاسم: هذا بخلاف إذا أذن الوالي أو القاضي ببناء المسجد الجامع وأداء الجمع لأن هذا مجتهد فيه فإذا اتصل به الحكم صار مجتمعاً عليه وهذا إذا لم يتصل به حكم، فإن في فتاوى الديناري: إذا بنى مسجد في الرستاق بأمر الإمام فهو أمر بالجمعة اتفاقاً، على ما قال السرخسي: فافهم..... وقوله: (وإذا اتصل به لحكم الخ) قد علمت أن عبارة القهستاني صريحة في أن مجرد الأمر رافع للخلاف بناء على أن مجرد أمره حكم. (الدر المختار مع الشامی، كتاب الصلاة، باب الجمعة، مكتبه زكريا ديوبند ۳/۶-۷، كراچی ۲/۱۳۸)

كشف الاسرار میں لکھا ہے کہ حاکم کے فیصلہ کے بعد مخالفت کرنے والے کو بھی اس کو ماننا لازم ہو جاتا ہے۔ ←

← کشف الاسرار کی عبارت ملاحظہ فرمائیے:

وإذا قضی القاضي برأي نفسه في حادثة اختلف فيه الفقهاء نفذ على الكل وثبت صحته في حق من يخالفه۔ (کشف الأسرار ۲۶/۴)  
اس کو الموسوع الفقہیہ میں ان الفاظ کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔

إن قضاء القاضي في المجتهدات بما غلب على ظنه وأدى إليه اجتهاده ينفذ ظاهراً وباطناً ويرفع الخلاف فيصير المقضى به هو حكم الله تعالى باطناً وظاهراً. (الموسوعة الفقهية الكويتية ۳۳/۳۳۸)

اور تاتارخانیہ میں اس سے بھی زیادہ وضاحت کے ساتھ اس حکم شرعی کو واضح کیا گیا ہے ملاحظہ فرمائیے:  
وفي الولوالجية: القاضي إذا قضى بقول مرجوع عنه جاز قضاءه، وكذا لو قضى بقول يخالف قول علمائنا إذا كان القاضي من أهل الرأي والاجتهاد، وفي النوازل: قال الفقيه أبو الليث: وقد قال في رواية محمد بن الحسن أن كل شيء قد اختلف الفقهاء فيه فقضى القاضي بذلك جاز قضائه، ولم يكن لقاض آخر أن يبطله ولم يذكره فيه الاختلاف وبه نأخذ. (الفتاوى التاتارخانية، كتاب أدب القاضي، الفصل التاسع عشرة، القضاء في المجتهدات ۱۱/۱۳۲، رقم: ۱۵۶۷۷)

اس حکم کو الفقہ الحنفی وادلہ میں اس طرح کے الفاظ سے نقل کیا گیا ہے:

إذا قضی القاضي بقضية يسوغ فيها الاجتهاد لم يجز لأحد من القضاة نقض قضاء لأن الاجتهاد الثاني مثله، والأول: ترجح بالسبق لاتصال القضاء بخ. (الفقه الحنفی وادلہ، كتاب أدب القاضي، هل ينقض قضاء القاضي، وحيدى كتب خانه پشاور ۳/۱۹)  
اور تكملة فتح الملمم میں اس کو ان الفاظ کے ساتھ نقل کیا گیا ہے:

فكما أن النزاع يرتفع بالتعامل السابق، فإنه يرتفع أيضاً بتقنين من قبل الحكومة - إلى قوله - ثم إن حكم الحاكم رافع للخلاف في الأمر المجتهد فيها (مكتبة اشرفية ديوبند ۱/۶۳۶)

تفصیل کے لئے ملاحظہ فرمائیے: فتاویٰ قاسمیہ ۱۲/۳۷ تا ۳۷۹۔

چنانچہ ہدایہ میں مصرح ہے (۱)۔ اور یہ امر انتظامی ہے اس میں جماعت قائم مقام امام کے ہو جاوے گی پس ایک امر کا قیاس دوسرے پر مع الفارق ہے۔

۳۰ رمضان ۱۳۳۶ھ (تتمہ خامسہ ص ۶۴)

## حنفی حاکم کے حکم سے دیہات میں جمعہ کا قیام

**سوال (۶۲۱):** قدیم ۱/۶۹۱ - جب سلطان اور والی مقلد امام ابوحنیفہؒ ہوں تو ان کو اپنے امام کے مذہب کے خلاف کسی مبنی پر اذن اقامت جمعہ فی القرئ کی گنجائش ہوگی۔

كما في الدر المختار: وأما المقلد فلا ينفذ قضائه بخلاف مذهبه أصلاً كما في القنية قلت ولا سيما في زماننا. (۲)

اور اگر خلاف مذہب امامؒ کے یا شافعیؒ مذہب وغیرہ ہونے کی وجہ سے اذن اقامت جمعہ فی القرئ دیں تو مقلد حنفیہ کیلئے بھی یہی اذن صحت جمعہ فی القرئ کافی ہوگا یا نہ؟

(۱) ولا يجوز إقامتها إلا للسلطان أو لمن أمره السلطان؛ لأنها تقام بجمع عظيم وقد تقع المنازعة في التقديم والتقديم، وقد تقع في غيره فلا بد منه تتيماً لأمرها. (هداية، كتاب الصلاة، باب صلاة الجمعة، مكتبه اشرفية ديوبند ۱/۱۶۸)

و(من شرائط أدائها) السلطان أو نائبه..... لأنها تقام بجمع عظيم، فيقع الاختلاف في التقديم والتقديم ويرفع ذلك بحضور من ذكر. (النهر الفائق، كتاب الصلاة، باب صلاة الجمعة، مكتبه زكريا ديوبند ۱/۳۵۵)

قوله: (والسلطان أو نائبه) معطوف على المصير، وإنما كان شرطاً لصحة لأنها تقام بجمع عظيم، وقد تقع المنازعة في التقديم والتقديم، وقد تقع في غيره فلا بد منه تتيماً لأمره. (البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب صلاة الجمعة، مكتبه زكريا ديوبند ۲/۲۵۲، كوئٹہ ۲/۴۳۱) تبیین الحقائق، كتاب الصلاة، باب صلاة الجمعة، مكتبه زكريا ديوبند ۱/۵۲۸،

امدادية ملتان ۱/۲۱۹ - شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

(۲) الدر المختار مع الشامي، مقدمة، مطلب في حكم التقليد والرجوع عنه، مكتبه

زكريا ديوبند ۱۷۹۸۱، کراچی ۱/۷۵-۷۶۔

**الجواب (\*):** یہ الگ بات ہے کہ خود سلطان وغیرہ کیلئے یہ فعل کس حالت میں کیسا ہے اس حکم کا حاصل تو صرف یہ ہے کہ اگر سلطان ایسا کرے تو اس کا اثر کیا ہوگا سو اثر اس کا صحت جمعہ ہے (۱) اور اس اثر کو قبول کرنا خود اتباع ہے مذہب حنفیہ کا گو وہ فعل سلطان کا مذہب کے موافق کسی خاص حالت میں نہ ہو اور درمختار کی عبارت اس کے معارض نہیں کیونکہ مراد اس سے وہ مقلد ہے جس کو سلطان نے تولیت کے وقت قضا بخلاف مذہبہ سے منع کر دیا صراحتاً یا دلالتاً ورنہ اگر سلطان اس کا اذن دیدے تو اس کا بھی یہی حکم ہے اور سلطان پر چونکہ کوئی والی نہیں ہوتا اس کا اذن مطلقاً نافذ ہے۔

۱۳/ ذیقعدہ ۱۳۳۶ھ (تمتہ خامسہ ص ۷۲)

## دوسرے امام مجتہد کے قول پر دیہات میں قیام جمعہ

**سوال (۶۲۲):** قدیم ۱/۶۹۱ - وہ کون سے قریٰ ہیں جن میں اذن سے صحت جمعہ ہوتی ہے علی العموم خواہ دس بارہ گھر ہی ہوں یا ان کی کوئی تخصیص ہے؟

**الجواب:** صرف ایک تخصیص ہے یعنی وہ قریہ ایسا ہو جہاں کسی نہ کسی مجتہد کے نزدیک جمعہ صحیح ہوتا ہو اور یہ امر مذاہب اربعہ کی کتب دیکھنے سے معلوم ہو سکتا ہے کیونکہ مبنی اس فرع کا یہ اصل ہے کہ:

الحکم إذا لا قی فصلاً مجتہداً فیہ نفذ. (۲)

۱۳/ ذیقعدہ ۱۳۳۶ھ (تمتہ خامسہ ص ۷۳)

(\*) اس سلسلہ میں سوال نمبر ۵۴۸ بھی ملاحظہ فرمائیں۔ ۱۲ سعید احمد پالن پوری

(۱) وفي القهستاني: إذن الحاكم ببناء الجامع في الرستاق إذن بالجمعة اتفاقاً على ما قاله السرخسي: وإذا اتصل به الحكم صار مجمعاً عليه فليحفظ. (الدر المختار مع الشامی، کتاب الصلاة، باب الجمعة، مکتبہ زکریا دیوند ۶/۷-۷، کراچی ۱۳۸/۲) شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

(۲) نعم أمر الأمير متى صادف فصلاً مجتهداً فيه نفذ أمره كما في سير التاتارخانية وفي شرح السير الكبير فليحفظ (درمختار) وفي الشامية: إن كان المراد بالأمر الطلب بلا قضاء فظاهر، وعليه فالمراد بالنفاذ وجوب الامتثال، وهذا الذي رأيته في سير التاتارخانية، في الفصل العاشر فيما يجب فيه طاعة الأمير وما لا يجب ونصه، قال محمد: وإذا أمر الأمير العسكر بشيء كان على العسكر ←

## مصر کی تعریف میں اختلافات سے متعلق سوال و جواب

**سوال (۶۲۳):** قدیم ۱/۶۹۲ - ایک چھوٹا گاؤں ہے جس کو ہر شخص گاؤں کہتا ہے کوئی بھی شہر یا قصبہ نہیں کہتا ہے اس میں تین مسجدیں ہیں اور اگر وہاں کے رہنے والے وہاں کی بڑی مسجد میں نہ سما سکیں تو وہاں جمعہ قائم کرنا بحسب روایت ذیل کے صحیح ہوگا یا نہیں؟ درمختار میں ہے:

المصر وهو مالا یسع أكبر مساجد أهله الخ (۱)

یا علاوہ اس تعریف کے کوئی اور قید بھی ہے تو بیان فرماویں تتمہ سوال قول قول البدیع ص: ۱۳/س: ۶/۱ میں ہے کہ یہ اختلاف عنوان ہے نہ مضمون اور علامہ شامیؒ نے تحت قول درمختار یہ لکھا ہے:

(قوله مالا یسع الخ) هذا یصدق علی كثير من قری. (۲)

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ دوسری تعریفیں ان اکثر قریٰ پر صادق نہیں آتیں تو اگر مابین اس تعریف اور دوسرے تعریفوں کے تباہ نہیں ہے تو عموم و خصوص ضرور ہے اس سے ثابت ہوا کہ یہ اختلاف معنوں میں بھی ہے نہ فقط عنوان، اس کا تصفیہ فرماویں؟

← أن یطیعوه فی ذلك إلا أن یكون المأمور به معصية یقین. (الدر المختار مع الشامی، مقدمة، قبیل مطلب فی طبقات الفقهاء، مکتبہ زکریا دیوبند ۱/۱۷۹، کراچی ۱/۷۶)

وفي القهستانی: إذن الحاکم ببناء الجامع فی الرستاق إذن بالجمعة اتفاقاً علی ما قاله السرخسی: وإذا اتصل به الحکم صار مجمعاً علیہ (در مختار) وفي الشامیة: قال أبو القاسم: هذا بلا خلاف إذا أذن الوالی أو القاضي ببناء المسجد الجامع وأداء الجمعة لأن هذا تجتهد فیہ فإذا اتصل به الحکم صار مجمعاً علیہ. (الدر المختار مع الشامی، کتاب الصلاة، باب الجمعة، مکتبہ زکریا دیوبند ۳/۶-۷، کراچی ۲/۱۳۸) شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

(۱) الدر المختار مع الشامی، کتاب الصلاة، باب صلاة الجمعة، مکتبہ زکریا دیوبند

۳/۵، کراچی ۲/۱۳۷

(۲) شامی مع الدر المختار، کتاب الصلاة، باب صلاة الجمعة، مکتبہ زکریا دیوبند ۳/۵،

کراچی ۲/۱۳۷ - شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

**الجواب:** ان تعریفات میں احتمال دونوں ہیں اختلاف عنوان و اختلاف معنوں تو شامی یا طحاوی کا اختلاف معنوں سمجھنا دوسروں پر حجت نہیں کیونکہ یہ ایک توجیہ ہے فتویٰ اور حکم نہیں ہے پس وہ تطبیق کے قائل نہ ہونگے ہم تطبیق کے قائل ہیں۔ رہا یہ کہ عدم قول بالتطبیق کے بعد ان کا فتویٰ کیا ہے یہ الگ بات ہے اور بعد الستی والتی خلاصہ یہ ہے کہ احقر کی توجیہ کا حاصل یہ ہے کہ مصر کی تعریف فقہائے حنفیہ میں مختلف نہیں ہے سوا اگر کسی مصنف و محشی کے نزدیک مختلف فیہ ہو تو ہم کو کیا مضر ہوا ہم اس مختلف فیہ میں بدلیل ایک کو ترجیح دیں گے۔

۱۳/ ذیقعدہ ۱۳۳۷ھ (تمتہ خامسہ ص ۷۲)

ایک سوال مع جواب آیا تھا اور یہاں اس پر تصحیح کی گئی تھی

بوجہ مفید ہونے کے سب نقل کیا جاتا ہے

**سوال (۶۲۴):** قدیم ۱/۶۹۲ - کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ جن مقاموں پر اسلامی آبادی کو اتنی وسعت ہو کہ وہاں کی بڑی مسجد میں سب مسلمان سمانہ سکیں (عام اس سے کہ وہاں کی بڑی سے بڑی مسجد دوسرے مقاموں کی چھوٹی سے چھوٹی مسجد ہو اور اس مقام پر لفظ گاؤں ہی کیوں نہ اطلاق کیا جاتا ہے) ایسے مقام کو بقول أصح المصرم لا یسع أكبر مساجد أہلہ کے مصر شرعی کہا جاوے گا اور جمعہ وہاں درست ہوگا یا نہیں؟ فناء مصر کی تعریف اور اس کی مسافت کیا ہے اور مصر اور فناء مصر کے خارج باشندوں پر جمعہ واجب ہے یا نہیں؟ بینوا تو جروا؟

الجواب من مخلص الرحمن موضع حافظ پور ڈاکخانہ منہروی ضلع ڈھاکہ

حامداً و مصلیاً، مصر کی تعریف میں جو اقوال مذکور ہیں ان میں سے کوئی حد مصر نہیں جو اس شان کی ہو کہ: کل ما صدق علیہ الحد صدق علیہ المحدود وبالعکس أي کل ما صدق علیہ المحدود صدق علیہ الحد.

بلکہ وہ سب تعریفیں رسوم ہیں کیونکہ حد کا تعدد محال ہے اور رسوم کا جائز۔ مصر کی تفسیر میں جو فقہاء نے



مختلف تعریفیں بیان فرمائی ہیں (۱) اس میں بغور ملاحظہ کرنے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ سب اختلافات اختلاف عنوان ہے نہ اختلاف معنوں یعنی الفاظ کا بیان جدا جدا ہے اور مصداق سب کا ایک ہے سب لوگوں نے اپنے اپنے زمانہ کے اعتبار سے جو علامات کہ مصری پائی جاتی تھیں بیان کر دی ہیں زمانہ اول میں امصار میں اکثر اوقات حدود اور قصاص ہوتا تھا اور فیصل خصوصیات کیلئے قاضی ہوتا تھا دیہات میں یہ امور نہ تھے جیسے آجکل کچھری فوجداری منصفی وغیرہ دیہاتوں میں نہیں ہوتی ہے؛ اس لئے اگلے لوگوں نے یہی علامات بیان کیں، پھر جب زمانہ میں تغیر ہوا تو وہ علامات زائل ہو گئیں اور مختلف تعریفیں لوگوں نے کیں بلکہ ایک نہ ایک شخص سے کئی کئی تعریفیں فقہ کی کتابوں میں مروی ہیں

(۱) وأما المصر الجامع فقد اختلفت الأقاويل في تحديده. ذكر الكرخي: أن المصر الجامع ما أقيمت فيه الحدود ونفذت فيه الأحكام. وعن أبي يوسف روايات: ذكر في الإملاء، كل مصر فيه منبر وقاضٍ ينفذ الأحكام ويقيم الحدود فهو مصر جامع تجب على أهله الجمعة، وفي رواية قال: إذا اجتمع في قرية من لا يسعهم مسجد واحد بني لهم الإمام جامعاً ونصب لهم من يصلي بهم الجمعة، وفي رواية: لو كان في القرية عشرة آلاف أو أكثر أمرتهم بإقامة الجمعة فيها، وقال بعض أصحابنا المصر الجامع ما يتعیش فيه كل محترف بحرفته من سنة إلى سنة من غير أن يحتاج إلى الانتقال أي حرفة أخرى، وعن أبي عبد الله البلخي أنه قال: أحسن ما قيل فيه إذا كانوا بحال لو اجتمعوا في أكبر مساجد هم لم يسعهم ذلك حتى احتاجوا إلي بناء مسجد الجمعة، فهذا مصر تقام فيه الجمعة، وقال سفيان الثوري: المصر الجامع ما يعده الناس مصرًا عند ذكر الأمصار المطلقة، وسئل أبو قاسم الصفار، عن حد المصر الذي تجوز فيه الجمعة فقال: أن تكون لهم منعة لو جاءهم عدو قدروا على دفعه، فحينئذٍ جاز أن يمصر، وتمصره أن ينصب فيه حاكم عدل يجري فيه حكمًا من الأحكام وهو أن يتقدم إليه خصمان فيحكم بينهما، وروي عن أبي حنيفة: أنه بلدة كبيرة فيها سكك وأسواق، ولها رساتيق، وفيها والٍ يقدر على إنصاف المظلوم من الظالم بحكمه وعلمه أو علم غيره، والناس يرجعون إليه في الحوادث، وهو الأصح. (بدائع الصنائع، كتاب الصلاة، شرائط الجمعة، مكتبه زكريا ديوبند ۱/ ۵۸۴-۵۸۵)

اور یہ تعریف: المصر ما لا یسع أكبر مساجده أهله. (۱) بھی اسی بناء پر صحیح ہے؛ جبکہ اس کو رسم ناقص اور علامت کہا جاوے اور اگر حد کہا جاوے تو اس تقدیر پر لازم آتا ہے کہ مکہ اور مدینہ مصر نہ رہے اور ان دونوں جگہ میں جمعہ درست نہ ہو کیونکہ موسم حج میں تمام دنیا کے حجاج جمع ہوتے ہیں پھر بھی مسجد خالی رہتی ہے تو لا یسع کہاں ہوا بلکہ یسع صادق آگیا اور جو تعریف مکہ مدینہ پر صادق نہ آوے وہ صحیح نہیں جیسا کہ کبیری میں ہے۔

اختلفوا في تفسير المصر اختلافاً كثيراً والفصل في ذلك أن مكة والمدينة مصر أن تقام بهما الجمعة من زمانه عليه الصلوة والسلام إلى اليوم فكل موضع كان مثل أحدهما فهو مصر وكل تفسير لا يصدق على أحدهما فهو غير معتبر حتى التعريف الذي اختاره جماعة من المتأخرين كصاحب المختار: والوقاية: وغيرهما وهو ما لو اجتمع أهله في أكبر مساجده لا يسعهم فإنه منقوض بهما إذ مسجد كل منهما يسع أهله وزيادة ولم يعلم أن مكة والمدينة كانت في زمان النبي ﷺ والصحابه أكبر مما هي الآن ولا أن مسجد هما كان اصغر مما هو الآن فلا يعتبر هذا التعريف. اس کے بعد فرماتے ہیں: والحد الصحيح ما اختاره صاحب الهداية أنه الذي له أمير وقاض ينفذ الأحكام و يقيم الحدود و تزييف صدر الشريعة له عند اعتذاره عن صاحب الوقاية حيث اختار الحد المتقدم ذكره لظهور التواني في أحكام الشرع سيما في إقامة الحدود في الأمصار مزيف. (۲)

اور جو اس تعریف میں اقامت حدود کی قید لگائی ہے ان کی مراد قدرت اقامت حدود ہے نہ اجراء حدود بالفعل کما فی الشامی بان المراد القدرة على إقامة الحدود. (۳)

(۱) الدر المختار مع الشامی، کتاب الصلاة، باب الجمعة، مکتبہ زکریا

دیوبند ۴۶/۳، کراچی ۱۶۷/۲۔

(۲) حلبی کبیری، کتاب الصلاة، فصل فی صلاة الجمعة، مکتبہ اشرفیہ

دیوبند ص: ۵۵۰۔

(۳) الدر المختار مع الشامی، کتاب الصلاة، باب العیدین، مکتبہ زکریا

دیوبند ۶/۳، کراچی ۳۸/۲۔

ہاں تعریف مذکور یعنی المصر ما لایسع الخ کی صحت کی صورت یہ ہو سکتی ہے کہ جب اس کو رسم ناقص اور علامات مصر کہا جاوے کیونکہ مصر میں اکثر متعدد مساجد ہوا کرتی ہیں اور ایک اکبر مساجد بھی ایسی ہوتی ہے وہاں کے لوگ اس میں سامانہ سکیں یہ علامات و عارض سے ہیں نہ حقیقت مصر تا کہ لازم آوے کہ ان کے ارتفاع سے وہ بلاد مصر نہ رہے بلکہ مصر اور قریہ ہونے کا مدار عرف پر ہے کہ عرف میں جو آبادی بڑی ہو اس قدر کہ لوگ اسے شہر یا قصبہ کہتے ہوں اور وہ بڑا قریہ جو مشابہ قصبہ کے ہو اور وہاں بازار اور دوکانیں اور مسلمان کثرت سے ہوں اور اس شان کی ہو کہ اطلاق کے وقت اگرچہ فلاں گاؤں یا بازار سے موسوم کرتے ہیں لیکن اگر کوئی اس کو شہر کہدے تو اس کو تسلیم کرتے ہیں اور کوئی اس کو رداور تکذیب نہیں کرتے ہیں۔ (۱)

خلاصہ یہ کہ آبادی کے علاوہ جہاں بازار اور دوکانیں ہوں اور خرید و فروخت کیلئے کہیں باہر دوسری جگہ نہ جانا پڑتا ہو ایسی آبادی کو قریہ کبیرہ اور مصر شرعی کہتے ہیں عرف بھی اس کے مصر ہونے کا انکار نہیں کرتا ہے ایسی آبادی میں جمعہ جائز ہے:

کما فی الشامی وتقع فرضاً فی القصبات والقری التي فیها أسواق. (۲)

(۱) واعلم القرية والمصر من الأشياء العرفية التي لا تكاد تنضبط بحالٍ وإن نص ولذا ترك الفقهاء تعريف المصر على العرف. (فیض الباری، باب الجمعة فی القرى والمدن، مکتبہ خضر دیوبند ۳۲۹/۲)

ولیس هذا كله تحديداً له بل إشارة إلى تعيينه وتقريب له إلى الأذهان، وحاصله إدارة الأمر على رأي أهل كل زمان في عدهم المعمورة مصرًا، فما هو مصر في عرفهم جازت الجمعة فيه وماليس بمصر لم يجز فيه إلا أن يكون فناء المصر. (الكوکب الدرې، أبواب الجمعة، باب ما جاء في ترك الجمعة من غير عذر، مکتبہ یحویة سهارن پور ۱۹۹/۱)

وأيضاً فإن المصر والقرية كلاهما حقيقة عرفية قد تميز مصداق كل منهما عن الآخر عند أهل العرف في كل زمان. (إعلاء السنن، کتاب الصلاة، باب عدم جواز الجمعة فی القرى، دارالکتب العلمیة بیروت ۱۱/۸)

(۲) شامی مع الدر المختار، کتاب الصلاة، باب الجمعة، مکتبہ زکریا دیوبند ۶/۳،

اور جو گاؤں اس شان کا نہ ہو اس پر لفظ شہر اطلاق کرنے سے ہر خاص و عام رد کرتے ہوں اور وہ قائل اگر اس پر اصرار کرے تو کذاب اشرا و مجنون فیداوی کہہ کر دفع کرتا ہو ایسی آبادی کو عرفاً و شرعاً گاؤں کہتے ہیں ایسے گاؤں میں اگر اکبر مساجد ہو تو اتفاقی امر ہے کہ اس کا کچھ اعتبار نہیں از روئے مذہب حنفیہ نماز جمعہ اور عیدین ایسے گاؤں میں ناجائز اور مکروہ تحریمی ہے۔

كما في القنية صلوة العيد في القرى تكره تحريماً، اور شامی میں ہے قوله صلوة العيد الخ ومثله الجمعة. (۱)

یعنی عیدین کی طرح نماز جمعہ بھی مکروہ تحریمی ہے۔ فناء مصر کی تعریف یہ ہے کہ جس موضع سے مصر کے باشندوں کے مصالح و اغراض متعلق ہوں کسی مقدار اور مسافت کی تحدید نہیں ہے۔ علامہ شامی فرماتے ہیں:

والتعريف أحسن من التحديد لأنه لا يوجد ذلك في كل مصر وإنما هو بحسب كبر المصر وصغره بيانه أن التقدير بغلوة أو ميل لا يصح في مثل مصر لأن القرافة والترب التى يلي باب النصر يزيد كل منهما على فراسخ من كل جانب نعم هو ممكن لمثل بولاق فالقول بالتحديد بمسافة يخالف التعريف المتفق على ما صدق عليه بأنه المعد لمصالح مصر فقد نص أئمة على أن الفناء ما أعد لدفن الموتى وحوائج المصر كركض الخيل والدواب وجمع العساكر والخروج للرمى وغير ذلك. (۲)

مصر اور فناء مصر کے باہر کے باشندوں پر جمعہ واجب ہیں جیسا کہ فتاویٰ خانہ میں ہے۔

ومن كان مقيماً عمران أطرافه وليس بين ذلك الموضع وبين المصر فرجة فعليه الجمعة ولو كان بين ذلك الموضع وبين عمران المصر فرجة من المزارع والمراعي نحو القلع ببخارا لاجمعة على أهل ذلك الموضع، وإن كان النداء يبلغهم والغلوة والميل والأميال ليس بشئ.

(۱) الدر المختار مع الشامی، کتاب الصلاة، باب العیدین، مکتبہ زکریا دیوبند

۴۶/۳، کراچی ۱۶۷/۲۔

(۲) الدر المختار مع الشامی، کتاب الصلاة، باب الجمعة، مکتبہ زکریا دیوبند

۸/۳، کراچی ۱۳۹/۲۔

هكذا روى الفقيه أبو جعفر عن أبي حنيفة وأبي يوسف رحمهم الله تعالى: وهو اختيار شمس الأئمة الحلواني. (١) والله اعلم وعلمه اتم.

## تصحیح الجواب من صاحب الفتاوى

نعم التحقيق ونعم التطبيق في الجزء الأول يعنى ما يتعلق بتعريف المصر واما الجزء الثانى اى وجوب الجمعة او عدم وجوبها على أهل الفناء فمختلف فيه ونقل هذا الاختلاف مع تصحيح بعضها في ردالمحتار ص ٨٥٢ ج ١. (٢) ولم يحضرنى الى الآن التنقيح فيه لكن يلتصق بالقلب وجوبها عليهم، والله اعلم

١٢/شوال ١٣٣٣هـ (تمتة خامسة ص ٩٦)

(١) خانية على الهندية، كتاب الصلاة، باب صلاة الجمعة، قديم زكريا ١٧٤/١، جديد زكريا ١٠٩/١ -

وفناء المصر هو الموضع المعد لمصالح المصر متصل به ومن كان مقيما في عمران المصر وأطرافه وليس بين ذلك الموضع وبين المصر فرجة فعليه الجمعة، ولو كان بين ذلك الموضع وبين عمران المصر فرجة من مزارع ومزارع كالقلاع ببخاري لاجمعة على أهل ذلك الموضع وإن سمعوا النداء والغلوة والميل والأميال ليس بشرط روى الفقيه أبو جعفر، هذا عن أبي حنيفة، وأبي يوسف وهو اختيار شمس الأئمة الحلواني. (خلاصة الفتاوى، كتاب الصلاة، الفصل الثالث والعشرون في صلاة الجمعة، مكتبه اشرفية ديوبند ٢٠٧/١)

البحر الرائق كتاب الصلاة، باب صلوة الجمعة، مكتبه زكريا ديوبند ٢٤٧/٢، كوئته ١٤١/٢ -

هندية، كاب الصلاة، الباب السادس عشر في الصلاة الجمعة قديم زكريا ١٤٥/١، جديد ٢٠٥/١ -

(٢) أوفناؤه وهو ما حوله اتصل به أولا كما حرره ابن كمال وغيره لأجل مصالحه كدفن الموتى وركض الخيل (ردالمختار) وفي الشامية: قوله كما حرره ابن الكمال: حيث قال: واعتبر بعضهم قيد الاتصال وقد خطأه صاحب الذخيرة قائلاً، فعلى قول هذا القائل لا تجوز إقامة الجمعة ببخاري في مصلى العيد؛ لأن بين المصلى وبين المصر مزارع، ووقعت هذه المسئلة مرة، وأفتى بعض مشايخ زماننا بعدم الجواز؛ ولكن هذا ليس بصواب، فإن أحداً لم ينكر جواز صلاة العيد في مصلى العيد ببخاري لا من المتقدمين ولا من المتأخرين، وكما أن المصر أوفناءه ←

## مصر کی تعریف میں اختلافات سے متعلق سوالات کے جواب

**سوال (۶۲۵):** قدیم ۱/۶۹۶ - ایک شرمزہ قلیلہ اور فتنہ شاذہ کا دعویٰ یہ ہے کہ عملداری نصاریٰ میں جیسے بھارت کے ہندوستان و بنگالہ میں خواہ عربی شہر ہو یا قصبہ و قریہ کبیرہ کہیں جمعہ کی نماز صحیح نہیں اور پڑھنے والے خطی اور مغالطہ میں ہیں اور ان کا مستدل یہ ہے کہ صحت جمعہ کیلئے مصر شرط ہے اور مصر کی تعریف ظاہر الروایۃ میں یہ ہے۔

المصر کل موضع له امیر وقاض . ۱۵ (۱)

جس سے صاف سمجھا جاتا ہے کہ امیر وقاضی کے بغیر مصر نہیں ہو سکتا خواہ کتنی بڑی آبادی ہو چنانچہ قاضی خان کی عبارت ہمارے دعوے کو صاف طور سے واضح کر دیتی ہے کیونکہ قاضی خان میں حصر کے ساتھ لکھا گیا۔

ولا یكون الموضع مصرافي ظاهر الرواية الا أن يكون فيه مفتي وقاض . ۱۵ (۲)

اور نیز مالا بدمنہ کی عبارت بھی اس مدعا پر صاف دلیل ہے حیث قال یکے مصر یعنی شہر یکہ در آن امیر وقاضی باشد۔ اور اکبر مساجد والا قول اولاً اس کا مصداق مکہ معظمہ بھی نہیں ہوتا ہے اس لئے کہ وہاں کے سب مصلی حرم شریف میں سما جاتے ہیں علاوہ بریں اکبر مساجد کی کوئی تعیین نہیں۔ سو بعض چھوٹی بستی باعتبار صغر مسجد مصر کہلا سکتی ہے اور بعض بڑی بستی بھی کبر مسجد کی تقدیر پر گواں کہلائے گی۔ اور سب سے بڑی بات تو یہ ہے کہ ظاہر الروایۃ کے مقابلہ میں اس کی کوئی ہستی ہی نہیں کیونکہ بنا بر قواعد فقہیہ ظاہر روایت ہمیشہ مطلقاً ماخوذ بہا ہوتی ہے اور اس کی مخالف جانب مرجوح۔ اور عمل بالمرجوح خرق الاجماع ہے اور نیز اکبر مساجد کے قول پر جن فقہیوں نے فتویٰ دیا ان میں سے ایک تن بھی اصحاب ترجیح اور ار باب تصحیح میں سے نہیں ہے۔ لہذا ساقط عن الاعتبار ہے اور صاحب ہدایہ جو اصحاب ترجیح میں ہیں، انہوں نے بھی ظاہر روایت والے قول ہی کو ترجیح دی۔

← شرط جواز الجمعة فهو شرط جواز صلاة العيد الخ (الدر المختار مع الشامی، کتاب الصلاة،

باب صلاة الجمعة، مکتبہ زکریا دیوبند ۷/۳، کراچی ۱۳۸/۲ - ۱۳۹) شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

(۱) الدر المختار مع الشامی، کتاب الصلاة، باب الجمعة، مکتبہ زکریا دیوبند

۳/۵ - ۶، کراچی ۱۳۷/۲ - ۱۳۸

(۲) خانیۃ علی الہندیۃ، کتاب الصلاة، باب صلاة الجمعة، قدیم زکریا ۱/۱۷۴،

جدید زکریا ۱/۱۰۹

حيث قال والأول اختيار الكرخي والثاني اختيار الثلجي. (۱)

اس لئے کہ نقل اقوال میں ماہو المذکور أولاً ان کا مختار ہوتا ہے چنانچہ ان کے مصطلحات سے واقف کار بخوبی واقف ہیں اور مختار کرخی مختار ثلجی سے یوں بھی بدرجہا مختار ہونا چاہئے اس لئے کہ بینہما تفاوت فی المراتب بسیار ہے۔ اور بلاد کفر میں جمعہ پڑھنے کی جو صورت معراج الدرایہ میں بیان کی گئی ہے اس میں بھی شرط یہ ہے کہ مسلمان والی مسلم کا التماس کر کے والی مسلم مقرر کریں اور پھر بتراضی مسلمین ایک قاضی بھی معین ہو اور ہمارے دیار میں یہ بھی نہیں۔ بہر حال شہر یا قصبہ یا قریہ کبیرہ میں جواز جمعہ کی بابت اذن حاکم ضروری ٹھہرا اور نیز جمعہ کی صحت کیلئے سلطان ایک جداگانہ مستقل شرط ہے یہ بھی نہیں۔ علاوہ بریں اذن عام جو ایک تیسری شرط ہے صحت جمعہ کیلئے اس کا وجود بھی متعلقات سلطان میں سے تھا۔ واذلیس فلیس لہذا بھارت میں جمعہ قائم کرنا شرط ثلاثہ کے خلاف پر کمر باندھنا ہے بلکہ فقہ حنفیہ کی سخت مخالفت کرنی ہے۔ پس بحسب فقہ حنفیہ عملداری نصاریٰ میں جو کہ اکثر کی رائے کے بموجب دار الحرب ہے جواز جمعہ کی صحیح دلیلیں بیان فرما کر مانعین کے شبہات کے کافی و ثانی جواب عنایت فرمائیں؟

**الجواب:** فی النہایۃ شرح الہدایۃ للعینی: قوله: والمصر الجامع الخ قد اختلفوا فیہ فعن أبي حنیفۃؒ ہو ما یجمع فیہ مرافق اہلہ وعن أبي یوسفؒ کل موضع فیہ امیر وقاض ینفذ الأحکام ویقیم الحدود. وهکذا روی الحسن عن أبي حنیفۃؒ فی کتاب صلاتہ وفیہ. أيضاً قال سفیان الثوریؒ: المصر الجامع ما یعد الناس مصرًا عند ذکر الأمصار المطلقة کبخاری وسمرقند وقال الکرخيؒ: هو ما أقيمت فیہ الحدود ونفذت فیہ الأحکام وهو اختیار الزمخشريؒ، وعن أبي عبد اللہ البلخيؒ: أنه قال أحسن ما سمعت أنه إذا اجتمعوا فی أكبر مساجدہم لم یسعوا فیہ فهو مصر جامع وعن أبي حنیفۃؒ: هو بلدة كبيرة فیہا سکک وأسواق ولها رساتيق ويرجع الناس إلیہ فی ما وقعت لہم من الحوادث. ۱۵ (۲)

(۱) ہدایۃ، کتاب الصلاة، باب صلاة الجمعة، مکتبہ زکریا اشرفیۃ دیوبند ۱/ ۱۶۸۔

(۲) البنایۃ، کتاب الصلاة، باب صلاة الجمعة، مکتبہ اشرفیۃ دیوبند ۳/ ۴۵۔

وفي الهداية: في علة اشتراط السلطان لأنها تقام بجمع عظيم وقد تقع المنازعة في التقديم وقد تقع في غيره فلا بد منه تتيما لأمرها. (١)

← وأما المصر الجامع فقد اختلفت الأقاويل في تحديده. ذكر الكرخي: أن المصر الجامع ما أقيمت فيه الحدود ونفذت فيه الأحكام. وعن أبي يوسف روايات: ذكر في الإملاء، كل مصر فيه منبر وقاضٍ ينفذ الأحكام ويقيم الحدود فهو مصر جامع تجب على أهله الجمعة، وفي رواية قال: إذا اجتمع في قرية من لا يسعهم مسجد واحد بني لهم الإمام جامعاً ونصب لهم من يصلي بهم الجمعة، وفي رواية: لو كان في القرية عشرة آلاف أو أكثر أمرتهم بإقامة الجمعة فيها، وقال بعض أصحابنا المصر الجامع ما يتعيش فيه كل محترف بحرفته من سنة إلى سنة من غير أن يحتاج إلى الانتقال أي حرفة أخرى، وعن أبي عبد الله البلخي أنه قال: أحسن ما قيل فيه إذا كانوا بحال لو اجتمعوا في أكبر مساجد هم لم يسعهم ذلك حتى احتاجوا إلى بناء مسجد الجمعة، فهذا مصر تقام فيه الجمعة، وقال سفيان الثوري: المصر الجامع ما يعده الناس مصرًا عند ذكر الأمصار المطلقة، وسئل أبو قاسم الصفار، عن حد المصر الذي تجوز فيه الجمعة فقال: أن تكون لهم منعة لوجاءهم عدو قدروا على دفعه، فحينئذٍ جاز أن يمصر، وتمصره أن ينصب فيه حاكم عدل يجري فيه حكمًا من الأحكام وهو أن يتقدم إليه خصمان فيحكم بينهما، وروي عن أبي حنيفة: أنه بلدة كبيرة فيها سكك وأسواق، ولها رساتيق، وفيها وال يقدر على إنصاف المظلوم من الظالم بحكمه وعلمه أو علم غيره، والناس يرجعون إليه في الحوادث، وهو الأصح. (بدائع الصنائع، كتاب الصلاة، شرائط الجمعة، مكتبته زكريا ديوبند ٥٨٤/١-٥٨٥)

(١) هداية، كتاب الصلاة، شرائط الجمعة، مكتبته زكريا ديوبند ٥٨٤/١-٥٨٥ -

و(من شرائط أدائها) السلطان أو نائبه..... لأنها تقام بجمع عظيم، فيقع الاختلاف في التقديم والتقدم ويرتفع ذلك بحضور من ذكر. (النهر الفائق، كتاب الصلاة، باب صلاة الجمعة، مكتبته زكريا ديوبند ٣٥٥/١) ←



وفي رد المحتار عن التحفة: بعد نقل تعريف أبي حنيفة وهذا هو الأصح اه إلا ان صاحب الهداية ترك ذكر السكك والرساتيق لأن الغالب أن الأمير والقاضي الذي شأنه القدرة على تنفيذ الأحكام وإقامة الحدود لا يكون إلا في بلد كذلك. اه (۱) وفي الدر المختار: ونصب العامة الخطيب غير معتبر مع وجود من ذكر اما مع عدمهم فيجوز للضرورة (۲) وفيه السابع الإذن العام من الإمام وفي رد المحتار قوله من الإمام قيده بالنظر إلى المثل الأتى (من قوله دخل أمير حصنا الخ) وإلا فالمراد الإذن من مقيمها لما في البرجندی: من أنه لو اغلق جماعة باب الجامع وصلوا فيه الجمعة لا يجوز اسمعيل اه. (۳) مجموع روايات بالاسه امور ذیل مستفاد ہوئے:

**اول:** مصر کی تعریف ائمہ سے مختلف عبارات میں منقول ہے اور اصل کلام ائمہ میں عدم تعارض ہے إلا أن يتعذر پس اس کی صورت یہی ہے کہ ان سب تعریفات کو معنون واحد کے عنوانات کہا جاوے جس کا حاصل یہ ہوگا کہ جو عرفاً شہر کہا جاوے وہ شہر ہے اور وجود قضاة وغیرہ سب امارات ہیں بس اس بناء پر

← والسلطان أو نائبه معطوف على المصر، وإنما كان شرطاً للصحة لأنها تقام بجمع عظيم، وقد تقع المنازعة في التقديم والتقدم، وقد تقع في غيره فلا بد منه تسميماً لأمره. (البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب صلاة الجمعة، مكتبه زكريا ديوبند ۲/۲۵۲، كوئٹہ ۲/۱۴۳)

تبیین الحقائق، کتاب الصلاة، باب صلاة الجمعة، مكتبه زكريا ديوبند ۱/۵۲۸، امدادیہ ملتان ۱/۲۱۹۔

(۱) شامی مع الدر المختار، کتاب الصلاة، باب صلاة الجمعة، مكتبه زكريا ديوبند ۳/۵-۶، کراچی ۲/۱۳۷۔

(۲) الدر المختار مع الشامی، کتاب الصلاة، باب صلاة الجمعة، مكتبه زكريا ديوبند ۳/۱۴، کراچی ۲/۱۴۳۔

(۳) الدر المختار مع الشامی، کتاب الصلاة، باب صلاة الجمعة، مكتبه زكريا ديوبند ۳/۲۵، کراچی ۲/۱۵۱-۱۵۲۔

ہندوستان میں صد ہا امصار ہیں اور قصابات بھی امصار میں داخل ہیں کیونکہ عوام اپنے محاورات میں ان کو بھی شہر کہتے ہیں، محاورہ میں فرق کرنا یہ عادت خواص کی ہے۔

**دوم:** سلطان کا اشتراط معلل ہے قطع تنازع کے ساتھ پس اگر عامہ مسلمین ملکر کسی پر اتفاق کر لیں گو وہ حاکم نہ ہو تو کافی ہے؛ البتہ امام کے ہوتے ہوئے عامہ کا مقرر کر لینا کافی نہیں۔

**سوم:** اذن عام میں امام شرط نہیں پس ہندوستان میں بہت سے مواقع میں تینوں شرطیں پائی جاتی ہیں اسلئے بلاشبہ جمعہ صحیح ہے یہ تو رفع ہے سلب کلی کا جو کہتے ہیں کہ جمعہ کہیں جائز نہیں۔ باقی رفع سلب کلی سے تحقیق ایجاب کلی کا لازم نہیں کہ ہر جگہ جمعہ کو صحیح کہیں بلکہ صرف ایجاب جزئی لازم ہے کہ جہاں یہ شرائط مع دیگر شرائط کے پائے جاویں گے وہاں جمعہ صحیح ہے۔ والا فلا

۱۱/ رجب المرجب ۱۳۵۲ھ (النور ص ۸ جمادی الاخریٰ ۱۳۵۳ھ)

## منبر کے سامنے امام کے محاذ میں اذان کا مسئلہ

**سوال (۶۲۶):** قدیم ۱/۶۹۹ کیا تحقیق ہے علماء کی اس باب میں کہ اذان ثانی جمعہ کا فعل جو عند المنبر یا مابین یدی خطیب لکھا ہے آیا مراد اس سے مطلق قرب ہے خواہ بالمعنی المتبادر یا عام اس سے اور خواہ مع المحاذ یا عام اس سے افید و نادئم مفیدین؟

**الجواب:** اکثر کتب کی عبارت تو محتمل و جہین کو ہے (۱) مگر جامع الرموز کی عبارت صریح ہے قرب متبادر و محاذات میں۔

(۱) وکان الحسن بن زیاد یقول: المعتبر هو الأذان علی المنارة لأنه لو انتظر الأذان عند المنبر یفوته أداء السنة وسماع الخطبة وربما تفوته الجمعة إذا کان بیته بعيداً من الجامع، وکان الطحاوی یقول: المعتبر هو الأذان عند المنبر بعد خروج الإمام، فإنه هو الأصل الذی کان للجمعة علی عهد رسول الله صلی الله علیہ وسلم، وكذلك فی عهد أبی بکرؓ، وعمرؓ، وهو اختیار شیخ الإسلام. (عناية مع فتح القدير، کتاب الصلاة، باب صلاة الجمعة، مکتبه زکریا دیوبند ۶/۲، کوئٹہ ۳۸/۲) ←

وہو ہذا بین یدی آئی بین الجہتین المسماتین لیمین المنبر أو الإمام ویساره قریباً  
منہ ووسطہما بالسکون فیشتمل ما إذا أذن فی زاویة قائمة أو حادة أو منفرجة الحادثة  
من خطین خارجین من ہاتین الجہتین اه، قلت: تحدث القائمة إذا کان المؤمن حذاء  
وسط المنبر بالحركة والمنفرجة والحادة إذا کان فی غیر حدائہ وصورتهما ہکذا  
وقلت دلیل ذلک کلہ التوارث. (۱) قرب ۱۳۳ھ (تمتہ خامتہ ص ۷۷)

## خلاصۃ الکلام فی اذان الجمعة بین یدی الإمام

سوال (۶۲۷): قدیم ۱/۷۰ - یہ امر تو متحقق ہے کہ اذان ثانی یوم الجمعة کی داخل مسجد جائز ہے  
بلکہ یہی متوارث ہے؟

إِذَا نُودِيَ لِلصَّلَاةِ مِنْ يَوْمِ الْجُمُعَةِ الْآيَةُ . (۲)

النداء الأذان اه تفسیر نسفی آئی إذا أذن لها اه بیضاوی أطلقہ ولہ أذانان أذان  
خارج المسجد وأذان بعده بین یدی المنبر إذا جلس الخطيب على المنبر اه تبصرة  
الرحمن والمعتبر أول أذان بعد زوال الشمس سواء كان على المنبر أو على الزوراء  
.....

← ذکر فی باب الأذان من المبسوط: واختلفوا فی الأذان المعتبر الذي يحرم عنده  
البيع ويجب السعي إلى الجمعة، فكان الطحاوي يقول: هو الأذان عند المنبر بعد خروج  
الإمام، فإنه هو الأصل الذي كان على عهد رسول الله صلى الله عليه وسلم، وكذا في عهد  
أبي بكرؓ، وعمرؓ..... وري الحسن عن أبي حنيفةؒ أن المعتبر في وجوب السعي وحرمة البيع  
الأذان على المنارة لأنه لو انتظر الأذان عند المنبر يفوته أداء السنة واستماع الخطبة وربما  
تفوته الجمعة إذا كان بيته بعيداً من الجامع. (كفاية مع فتح القدير، كتاب الصلاة، باب صلاة  
الجمعة، مكتبة زكريا ۱۹/۲، كوئٹہ ۳۸/۲)

(۱) جامع الرموز للقهستاني، كتاب الصلاة، فصل في صلاة الجمعة، مكتبة نول  
كشور لكهنؤ ۱/۱۱۷. شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ  
(۲) سورة الجمعة آیت: ۹.

يجب السعي وترك البيع بالأذان الأول لقوله تعالى: 'فاسعوا إلى ذكر الله وذروا البيع، واختلف المراد بالأذان الأول قيل الأول باعتبار المشروعية وهو الذي بين يدي المنبر لأنه كان أولاً في زمنه عليه السلام وزمن أبي بكر<sup>رض</sup>، وعمر<sup>رض</sup>، حتى أحدث عثمان<sup>رض</sup> الأذان الثاني على الزوراء حين كثر الناس والأصح أن الأول باعتبار الوقت وهو الذي يكون على المنارة بعد الزوال انتهى مستملى. (١) وكذلك في الهداية وحاشية الكفاية (٢) والعناية (٣) وغيرها من المتون والشروح والحواشي والفتاوى. وفي حاشية الشيخ: وجه الدين على شرح الوقاية أذن ثانياً بذلك جرى التوارث من لدن رسول الله ﷺ إلى هذا الزمان الأذان أمام المنبر. اه وفي العناية شرح الهداية: .....

(١) حلبى كبرى، كتاب الصلاة، فصل في صلاة الجمعة، مكتبه اشرفية

ديوبند ص: ٥٦٠ -

وإذا أذن المؤذنون الأذان الأول ترك الناس البيع والشراء، وتوجهوا إلى الجمعة. لقوله تعالى: 'فاسعوا إلى ذكر الله وذروا البيع. (هداية، كتاب الصلاة، باب صلاة الجمعة، مكتبه اشرفية ديوبند ١/١٧١)

(٢) وري الحسن عن أبي حنيفة<sup>رض</sup> أن المعتبر في وجوب السعي وحرمة البيع الأذان على المنارة لأنه لو انتظر الأذان عند المنبر يفوته أداء السنة واستماع الخطبة وربما تفوته الجمعة إذا كان بينه بعيداً من الجامع. (كفاية مع فتح القدير، كتاب الصلاة، باب صلاة الجمعة، مكتبه زكريا ٢/١٩، كوثه ٢/٣٨)

(٣) الأصح أن المعتبر هو الأول أي الأذان الأول، إذا كان ذلك بعد الزوال لحصول الإعلام به (هداية) وفي البناية: أي بالأذان الأول وهو اختيار شمس الأئمة السرخسي<sup>رض</sup>، وإسحاق بن زياد<sup>رض</sup>. وفي المبسوط: الأصح أن كل أذان يكون قبل الزوال فذلك غير معتبر، والمعتبر أول الأذان بعد زوال الشمس، سواء كان على المنبر أو على النور. قلت: هذا الذي ذكره موافق رواية الهداية وهذا أوفق وأحوط. (بنائة، كتاب الصلاة،

باب صلاة الجمعة، مكتبه اشرفية ديوبند ٣/٩١)

وكان الحسن بن زياد يقول المعتبر هو الأذان على المنارة لأنه لو انتظر الأذان عند المنبر تفوته أداء السنة وسماع الخطبة، (۱) كذا في تنشيط الأذان (ص ۱۰) وفيه أيضاً عن مبسوط السرخسي والمعتبر اول اذان بعد زوال الشمس سواء كان على المنبر او على الزوراء. اه (۲)

ان عبارات میں علی المنبر، عند المنبر، أمام المنبر، بین یدی المنبر۔ یہ سب الفاظ اس کو ظاہر کرتے ہیں کہ اذان ثانی منبر کے سامنے اور اس کے نزدیک ہونا چاہئے۔ باقی اس قرب کو صف اول کے ساتھ محدود کرنا صحیح نہیں۔

قال في جامع الرموز: إذا جلس الإمام على المنبر أذن أذاناً ثانياً بين يديه أي بين الجهتين المسامتين ليمين المنبر أو الإمام ويساره قريباً منه ووسطهما بالسكون فيشتمل ما إذا أذن في زاوية قائمة أو حادة أو منفرجة. اه من التنشيط (ص ۱۰) (۳)

اس میں قریباً منہ کی قید تو ہے لیکن صف اول کی قید نہیں اور جس عبارات خلاصہ سے بعض مفتیان رامپور نے صف اول کی قید کو ثابت کیا ہے اس سے استدلال نہیں ہو سکتا؛ کیونکہ خلاصہ کی صحیح عبارت یہ ہے:

ويكره البيع والشراء يوم الجمعة إذا أذن المؤذن والبيع جائز والأذان المعتبر أذان الخطبة الصف الأول في المقصورة ومنهم من قال ما يلي المقصورة وبه أخذ الفقيه اه (ص ۲۱۳ ج ۱) (۴)

(۱) عناية مع فتح القدير، كتاب الصلاة، باب صلاة الجمعة، مكتبه زكريا ديوبند ۶۶/۲، كوئٹہ ۳۸/۲۔

(۲) المبسوط للسرخسي، باب الأذان، دار الكتب العلمية بيروت ۱۳۴/۱۔

(۳) جامع الرموز للقهستاني، كتاب الصلاة، فصل في صلاة الجمعة، مكتبه نول كشور لكهنؤ ۱۱۷/۱۔

(۴) خلاصة الفتاوى، كتاب الصلاة، قبيل الفصل الرابع والعشرون في صلاة العيدین، مكتبه اشرفية ديوبند ۱۱۳/۱۔

اور بعض نسخوں میں جو یہ عبارت زیادة لفظی کے ساتھ اس طرح ہے۔

والأذان المعتبر أذان الخطبة في الصف الأول في المقصورة الخ  
سویہ زیادة فی صحیح نہیں ہے کیونکہ اس صورت میں مطلب یہ ہوگا کہ اذان خطبہ صف اول میں  
ہو اور مقصورہ میں ہو۔ حالانکہ مقصورہ میں اذان ہونے سے امام اور منبر کی مسامتت بالکل فوت ہو جائے گی  
اور فقہاء کے الفاظ مذکورہ سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اذان امام اور منبر کے سامنے ہو۔

كما صرح به في جامع الرموز: وقد مر. قال الشامي: أقول والظاهر ان المقصورة  
في زمانهم اسم لبيت في داخل الجدار القبلي من المسجد كان يصلى فيها الأمراء  
الجمعة و يمنعون الناس من دخولها خوفا من العدو فعلى هذا اختلف في الصف الأول  
هل هو مايلي الإمام من داخلها أم مايلي المقصورة من خارجها فأخذ الفقيه بالثاني  
توسعةً على العامة كي لا تفوتهم الفضيلة اه (ص ۵۹۵ ج ۱) (۱)

اور ظاہر ہے کہ منبر خارج مقصورہ ہوتا ہے پس اذان اگر داخل مقصورہ ہوگی تو اس پر بین یدی الإمام،  
وبین یدی المنبر، وعند المنبر، وغیرہ کا اطلاق صحیح نہ ہوگا۔ بلکہ عبارت صحیح وہی ہے جو بدون لفظ فی کے  
اول لکھی گئی ہے اور الصف الاول في المقصورة یہ کلام مستقل ہے جس میں صاحب خلاصہ نے اول  
صف جمعہ کی بحث کو بیان کرنا چاہا ہے کیونکہ یہ مسئلہ اس وقت متکلم فیہ تھا چنانچہ بحر میں بھی اس بحث کو لکھا ہے۔

قال ثم تكلموا في الصف الأول قيل هو خلف الإمام في المقصورة وقيل ما  
يلي المقصورة وبه اخذ الفقيه ابو الليث لأنه يمنع العامة عن الدخول في المقصورة  
فلا تتوصل العامة الى نيل فضيلة الصف الاول اه (ص ۵۷۷ ج ۲) (۲)

اس بحث کو دیکھتے ہوئے کوئی عاقل ہرگز الصف الاول في المقصورة کو اذان خطبہ سے متعلق  
نہیں کہہ سکتا بلکہ یقیناً اس کو کلام مستقل مانا جائے گا۔

(۱) شامی مع الدر المختار، کتاب الصلاة، باب الإمامة، مکتبہ زکریا دیوبند

۳۱۱/۲، کراچی ۱/۵۶۹۔

(۲) البحر الرائق، کتاب الصلاة، قبیل باب صلاة العیدین، مکتبہ زکریا دیوبند

۲۷۴-۲۷۵، کوئٹہ ۲/۱۵۷۔

اب رہی یہ بات کہ خطبہ جمعہ کی اذان کے سوا دیگر اذانیں مسجد میں بلا کراہت جائز ہیں یا اس میں کچھ کراہت ہے، اس کے متعلق روایات ذیل ہیں:

قال في الدر المختار: لأنه صلی اللہ علیہ وسلم صلی آخر صلوٰتہ قاعدًا وهم قیام وأبو بکر یبلغهم تكبیره وبه علم جواز رفع المؤذنین اصواتهم في جمعة وغيرها (أي في تبليغ تكبير الإمام) یعنی أصل الرفع أما ما تعارفوه في زماننا فلا یبعد أنه مفسد إذا الصیاح ملحق بالكلام. اه من التنشيط (ص: ۸) (۱)

وفیه أيضاً من السعاية شرح شرح الوقایة. لغز أي أذان لا يستحب رفع الصوت فيه قل هو الأذان الثاني يوم الجمعة الذي يكون بين يدي الخطيب لأنه كالإقامة لإعلام الحاضرين. اه (ص: ۹) (۲)

وفیه أيضاً عن فتح القدير، فالأولى ما عينه في الكافي جامعاً وهو ذكر الله في المسجد أي في حدوده لكرهه الأذان في داخله. ويزاد أيضاً فيقال: ذكر في المسجد يشترط لها الوقت فيستحب الطهارة، وفيه تعاد استحباباً إذا كان جنباً كالأذان. انتهى ص: ۲۴. (۳)

وفیه أيضاً عن جامع الرموز وفيه إيذان بوجوب الجهر بالأذان لإعلام الناس فلو أذن لنفسه خافت لأنه الأصل في الشرع كما في كشف المنار وبأنه يؤذن في موضع عالٍ وهو سنة كما في القنية وبأنه لا يؤذن في المسجد فإنه مكروه كما في النظم لكن في الجلالی أنه يؤذن في المسجد أو ما في حكمه لا في البعيد منه. اه (ص: ۲۵)

(۱) الدر المختار مع الشامی، کتاب الصلاة، باب الإمامة، مطلب في رفع المبلغ صوته زیادة علی الحاجة، مکتبه زکریا دیوبند ۳۳۶-۳۳۷، کراچی ۱/۵۸۸-۵۸۹۔

(۲) السعاية، کتاب الصلاة، باب الأذان، المقام الثاني في ذکر أحوال المؤذن، مکتبه أشرفیة دیوبند ۳۸/۲۔

(۳) فتح القدير، کتاب الصلاة، باب صلاة الجمعة، مکتبه زکریا دیوبند ۵۶/۲، کوئٹہ ۲۹/۲۔

وفي العالمگیریة: وينبغي أن يؤذن على المئذنة أو خارج المسجد ولا يؤذن في المسجد كذا في فتاوى قاضى خان والسنة أن يؤذن في موضع عال يكون أسمع لجيرانه ويرفع بها صوته. كذا في البحر الرائق. اه (ص ۳۴ جلد ۱). (۱)

ان سب میں غور کرنے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ بقیہ اذانیں مسجد میں کہنا کراہت تنزیہیہ یعنی خلاف اولیٰ ہونے سے خالی نہیں اور علت غالباً یہ ہو کہ اذان میں رفع صوت زائد اور صیاح ہوتا ہے اور صیاح خود ملحق بالکلام ہے گو صیاح بالذکر ہی ہو نیز صیاح ادب مسجد کے بھی خلاف ہے۔

قال اللہ تعالیٰ: لا ترفعوا أصواتكم فوق صوت النبی ولا تجهروا له بالقول كجهر بعضكم لبعض أن تحبط أعمالكم. (۲) والمسجد محل مناجاة الحق ويكون الحق فيه تجاه العبد فلا ينبغي الصیاح فيه وروی عن واثلة بن الأسقع مر فو عاً جنبوا مساجدكم صیبا نكم ومجانينكم وقال ورفع أصواتكم وإقامة حدودكم الخ من الترغيب (رواه البيهقي والطبراني وغيرهما ص: ۲۵). (۳)

(۱) الفتاوى الهندية، كتاب الصلاة، الباب الثاني في الأذان، الفصل الثاني في كلمات الأذان والإقامة قديم زكريا ۵۵/۱، جديد زكريا ۱۱۲/۱۔

خانية على الهندية، باب الأذان، مسائل الأذان قديم زكريا ۷۸/۱، جديد زكريا ۵۱/۱۔  
البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب الأذان، مكتبه زكريا ديوبند ۴۴۴/۱، كوئٹہ ۲۵۵/۱۔  
(۲) سورة الحجرات آيت: ۲۔

(۳) وروي عن واثلة بن الأسقع أن النبي صلى الله عليه وسلم قال: جنبوا مساجدكم صيانتكم ومجانينكم وشراءكم وبيعكم وخصوماتكم ورفع أصواتكم وإقامة حدودكم وسل سيفكم واتخذوا على أبوابها المطاهر. (الترغيب والترهيب، كتاب الصلاة، الترغيب في تنظيف المساجد وتطهيرها، دار الكتب العلمية بيروت ۱۲۳/۱)

السنن الكبرى للبيهقي، كتاب أدب القاضي، باب ما يستحب للقاضي من أن لا يكون قضاء في المسجد، دار الفكر بيروت ۶۹/۱۵، رقم: ۲۰۸۴۹۔

المعجم الكبير للطبراني، دار إحياء التراث العربي ۵۷/۲۲، رقم: ۱۳۶۔



اور اذان جمعہ وقت خطبہ میں اس قدر جہر و صیاح نہیں ہوتا بلکہ وہ تو مثل اقامت کے ہوتی ہے؛ اسلئے وہ مسجد میں جائز ہے علاوہ ازیں وہ مسجد ہی میں متواتر ہے۔ رہا یہ کہ حدیث زید بن ثابت سے معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں بلالؓ سقف مسجد پر اذان دیتے تھے (۱) تو اس کا جواب یہ ہے کہ ان کیلئے سقف مسجد پر کچھ حصہ بلند بنا دیا گیا تھا جو منہ نہ تھا اور منہ نہ پر اذان دینا داخل مسجد بھی بلا کراہت جائز ہے۔

كما يشعربه ما مرفي عبارة العالم كيرية: ينبغي أن يؤذن على المئذنة أو خارج المسجد. الخ (۲) من التقابل بين المئذنة وخارج المسجد والله أعلم ولعل السرفيه كون المئذنة خارجاً عن المسجد في نية الباني أو الواقف فلا يكون لها حكم المسجد نقل في السعاية عن طبقات ابن سعد حدثني محمد بن عمر قال حدثني معاذ بن محمد عن يحيى بن عبد الله بن عبد الرحمن بن سعد بن زرار قال أخبرني من سمع النوارم زید بن ثابت تقول كان بيتي حول المسجد فكان بلال يؤذن فوقه من أول ما يؤذن إلى أن بنى رسول الله ﷺ المسجد، فكان يؤذن بعد على سقف المسجد وقد رفع له شيء فوق ظهره. اهـ (۳) من التنشيط (ص: ۱۹) ومافي حديث عبد الله بن زيد أنه عليه السلام قال له: فأخرج مع بلال إلى المسجد

(۱) عن معاذ بن محمد قال: أخبرني من سمع النوارم زید بن ثابت تقول: كان بيتي حول المسجد فكان بلال يؤذن فوقه من أول ما يؤذن إلى أن بنى رسول الله صلى الله عليه وسلم المسجد فكان يؤذن بعد على سقف المسجد وقد رفع له شيء فوق ظهره. (الطبقات الكبرى لابن سعد، دار الكتب العلمية بيروت ۳۰۹/۸)

(۲) الفتاوى الهندية، كتاب الصلاة، الباب الثاني في الأذان، الفصل الثاني في كلمات الأذان قديم زكريا ۵۵/۱، جديد زكريا ۱۱۲/۱۔

(۳) سعاية، كتاب الصلاة، باب الأذان، مكتبه أشرفية ديوبند ۱۹/۲۔

الطبقات الكبرى لابن سعد، دار الكتب العلمية بيروت ۳۰۹/۸۔

فالقها عليه وليناد بلال فإنه أُنْدى صوتاً منك قال: فخرجت مع بلال إلى المسجد فجعلت القِيها عليه وهو ينادى بها. اه (۱)

فيحمل على ما في حدود المسجد أو يراد به سقف المسجد وما رفع له فوقه. والله تعالى أعلم. قلت وقال: في رد المحتار: في تعريف المكروه وهو ضد المحبوب قد يطلق على الحرام وعلى المكروه تحريماً وعلى المكروه تنزيهاً وهو ما تركه أولى من فعله ويرادف خلاف الأولى. اه (۲) من التنشيط (ص ۲۰)

اور عذر کی حالت میں یہ کراہت مرتفع ہو جائے گی۔ مثلاً مسجد کے سوا اذان کیلئے قریب مسجد کے کوئی جگہ نہ ہو۔

قال في الدر بعد بيان كراهة قيام الإمام في المحراب وانفراده على الدكان وعكسه أن هذا كله عند عدم العذر (وأما عند العذر) كجمعة وعيد فلو قاموا على الرفوف والإمام على الأرض أو في المحراب لضيق المكان لم يكره. اه قال الشامي: حكى الحلواني عن أبي الليث لا يكره قيام الإمام في الطاق عند الضرورة بأن ضاق المسجد على القوم. اه (۳) (ص ۶۷۶ جلد ۱) ره الاحقر ظفر احمد عفا الله عنه ۲۷ شعبان ۱۳۴۲ھ (تمتہ خامسہ ص ۲۲۵)

## جمعہ کی اذان ثانی کا مسجد میں ہونا

**سوال (۶۲۸):** قدیم ۱/۴۰۲۔ حضرت اقدس مرشدی و مولائی ادام اللہ ظلہم، بعد اذانے

(۱) ابن ماجہ شریف، کتاب الصلاة، أبواب الأذان والسنة فيها، النسخة الهندية ص: ۵۱، دار السلام رقم: ۷۰۶۔

(۲) شامي مع الدر المختار، کتاب الصلاة، مطلب في تعريف المكروه، وأنه قد يطلق علي الحرام والمكروه تحريماً وتنزيهاً، مكتبة زكريا ديوبند ۱/۲۵۷-۲۵۸، كراچی ۱/۱۳۱۔

(۳) الدر المختار مع الشامي، کتاب الصلاة، باب ما يفسد الصلاة، وما يكره فيها، مكتبة زكريا ديوبند ۲/۴۱۵، كراچی ۱/۶۴۶-۶۴۷۔ شبیر احمد قاسمی عفا الله عنه

آداب فدویانہ التماس ہے مدرسہ ہدائیں پہلے یہ استفتاء (۱) آیا تھا جس کا جواب مندرجہ پر چہ  
 (\*) ہذا لکھ کر بھیج دیا تھا اب دوبارہ اس پر چند شکوک لکھ کر رسائل نے بھیجے ہیں اصل استفتاء کی نقل اور وہ  
 شکوک بعینہ مرسل خدمت خدام عالی ہیں۔ نیز سنن ابی داؤد پر جو حاشیہ غیر مقلدین کا عون المعبود نام سے ہے  
 اس کی عبارت کی نقل بھی بھیجی جاتی ہے انہوں نے خارج مسجد ہونے پر بہت زور دیا ہے (۲) عنایہ اور کفایہ (۳)

(\*) وہ استفتاء اور پرچہ یہاں منقول نہیں، مگر اصل مضمون جواب ذیل سے معلوم ہو جائے گا۔ منہ

(۱) وهذا الحديث أخرجه أيضاً الطبراني من طريق محمد بن إسحاق بلفظ "إن بلالا" كان يؤذن على باب المسجد، والحاصل أن بين يديه يستعمل لكل شيء يكون قدامه وأمامه، سواء كان قريبه أو بعيد، والمعنى أن بلالا كان يؤذن قدام النبي صلى الله عليه وسلم وأمامه إذا جلس النبي صلى الله عليه وسلم على المنبر يوم الجمعة؛ لكن لا يؤذن قدامه عند المنبر متصلاً به كما هو المتعارف الآن في أكثر بلاد الهند إلا ما عصمه الله تعالى؛ لأن هذا ليس موضع الأذان، وتفوت منه فائدة الأذان؛ بل كان يؤذن على باب المسجد. (عون المعبود، تفریع أبواب الجمعة، باب النداء يوم الجمعة، مكتبه أشرفیہ دیوبند ۳/ ۴۰۳)

(۲) وكان الحسن بن زياد يقول: المعتبر هو الأذان على المنارة لأنه لو انتظر الأذان عند المنبر يفوته أداء السنة وسماع الخطبة وربما تفوته الجمعة إذا كان بيته بعيداً من الجامع، وكان الطحاوي يقول: المعتبر هو الأذان عند المنبر بعد خروج الإمام، فإنه هو الأصل الذي كان للجمعة على عهد رسول الله صلى الله عليه وسلم، وكذلك في عهد أبي بكر، وعمر، وهو اختيار شيخ الإسلام. (عنایہ مع فتح القدير، كتاب الصلاة، باب صلاة الجمعة، مكتبه زكريا دیوبند ۲/ ۶۶، كوئٹہ ۲/ ۳۸)

(۳) ذكر في باب الأذان من المبسوط: واختلفوا في الأذان المعتبر الذي يحرم عنده البيع ويجب السعي إلى الجمعة، فكان الطحاوي يقول: هو الأذان عند المنبر بعد خروج الإمام، فإنه هو الأصل الذي كان على عهد رسول الله صلى الله عليه وسلم، وكذا في عهد أبي بكر، وعمر..... وري الحسن عن أبي حنيفة أن المعتبر في وجوب السعي وحرمة البيع الأذان على المنارة لأنه لو انتظر الأذان عند المنبر يفوته أداء السنة واستماع الخطبة وربما تفوته الجمعة إذا كان بيته بعيداً من الجامع. (كفاية مع فتح القدير، كتاب الصلاة، باب صلاة الجمعة، مكتبه زكريا ۲/ ۱۹، كوئٹہ ۲/ ۳۸)

کی عبارت سے بظاہر قریب منبر کے معلوم ہوتا ہے اس میں تاویل خارج مسجد کی مشکل ہے اس کی عبارت بھی منضم ہے نیز مولوی احمد رضا خان صاحب کا ایک استفتاء مطبوعہ بھی منسلک ہے اگر اس موقع پر آثار السنن جلد دوم صفحہ ۹۴ و ۹۵ کو ملاحظہ فرمایا جاوے تو مناسب ہے۔ انہوں نے مسجد کے اندر قریب منبر کے ہونے کی تائید کی ہے اور حدیث ابی داؤد پر جرح کیا ہے۔ فقہاء سے یہ تعجب ہے کہ جہاں اذان سے مسجد کے اندر ممانعت کرتے ہیں وہاں اگر اذان ثانی مسجد میں ہوتی تھی تو اس کا استفتاء کیوں نہیں کرتے اگرچہ ان تمام طویل تحریروں کا دیکھنا حضرت اقدس کا وقت عزیز ضائع کریگا لیکن چونکہ آجکل اس کی نسبت اختلاف پھیل رہا ہے اس لئے توجہ از بس ضرور ہے مولوی عبدالحی صاحب مرحوم نے حاشیہ شرح وقایہ میں خارج مسجد ہونے کی نسبت ترجیح دی ہے (۱) اس کو بھی ملاحظہ فرمالیا جائے سب کی نقل موجب تطویل تھی؛ اس لئے اس پر اختصار کیا گیا بین ید یہ میں تو خیر تاویل بھی ہو سکتی ہے لیکن عند المنبر کے الفاظ جو عنایہ و کفایہ میں مذکور ہیں اس کی تاویل از بس دشوار ہے؟

**الجواب:** عزیزم، السلام علیکم ورحمۃ اللہ، میں نے سب تحریرات کو گور سے تو نہیں مگر سرسری نظر سے کسی قدر زیادہ دیکھا آثار السنن کو بھی دیکھا مجموعہ کو دیکھ کر بشہادت ذوق میرے ذہن میں جو بات آئی ہے وہ یہ ہے کہ اذان ثانی جمعہ کی افضل و اولیٰ مسجد ہی کے اندر ہے اور ابوداؤد کی روایت اگر مجروح بھی نہ ہو تو اس کی وجہ یہ ہے کہ اس وقت یہی اذان اعلان عام کیلئے تھی؛ لہذا مسجد سے خارج ہونا مناسب تھا کہ بہ نسبت داخل مسجد کے اس میں اعلان زیادہ ہو سکتا تھا جب حضرت عثمانؓ کے زمانہ میں باتفاق صحابہؓ اذان اول بڑھائی گئی (۲) تو اب جو علت خارج مسجد ہونے کی اس ثانی میں تھی وہ اول میں متحقق ہوگئی۔

(۱) قوله: بین یدیه أي مستقبل الإمام في المسجد كان أو خارجه والمسنون وهو الثاني .

(عمدة الرعاية على هامش شرح الوقاية، كتاب الصلاة، باب صلاة الجمعة، مكتبة بلال

ديوبند ۱/ ۲۰۲، رقم الحاشية: ۱)

(۲) عن السائب بن يزيد قال: كان النداء يوم الجمعة أوله إذا جلس الإمام على

المنبر على عهد النبي صلى الله عليه وسلم، وأبي بكرؓ، وعمرؓ، فلما كان عثمانؓ، وكثر الناس ←

اس لئے اس کا خارج مسجد ہونا مناسب ہوگا اور وہ علت خارج مسجد ہونے کی اس ثانی سے منثقی ہوگی؛ اسلئے خارج مسجد ہونے کا حکم بھی اس سے منثقی ہو جائے گا اور بجائے حکمت اعلان عام کے اب حکمت اس میں صرف توجہ الحاضرين الى الخطبة ہے تو جو لوگ محل خطبہ یعنی مسجد میں موجود ہیں ان کو متوجہ کرنے کی مصلحت زیادہ مقتضی اس کی ترجیح کو ہے کہ داخل مسجد ہو جس طرح اقامت کہ متوجہ الی الصلوة کرنے کیلئے بالاجماع مسجد کے اندر ہی ہوتی ہے (۱) اور فقہاء نے جواذان کو داخل مسجد کے منع فرمایا ہے وہ بھی محمول ہے خلاف اولیٰ پر اور حکمت اس میں وہی اعلان کا بلوغ ہونا ہے (۲) اور گو فقہاء نے تصریحاً اذان ثانی جمعہ کو اس سے مستثنیٰ نہیں کیا لیکن لفظ بین یدی بالمعنی المتبادر اور عند المنبر اور علت اعلان کا اس میں نہ پایا جانا یہ دلیل استثناء کی کافی ہے۔

هذا ما اطمأن إليه قلبي ولعل الله يحدث بعد ذلك أمراً. فقط واللہ اعلم

۲۸/ جمادی الاولیٰ ۱۴۲۶ھ (تمتہ اولیٰ ص ۱۱)

← زاد النداء الثالث على الزوراء. (بخاري شريف، كتاب الجمعة، باب الأذان يوم الجمعة، النسخة الهندية ۱/ ۱۲۴، رقم: ۹۰۲، ف: ۹۱۲)

أبو داود شريف، كتاب الصلاة، باب النداء يوم الجمعة، النسخة الهندية ۱/ ۱۵۵، دار السلام رقم: ۱۰۸۸۔

(۱) أي أذان لا يستحب رفع الصوت فيه؟ قال هو الأذان الثاني يوم الجمعة الذي يكون بين يدي الخطيب؛ لأنه كالأقامة لإعلام الحاضرين صرح به جماعة من الفقهاء. (سعاية، باب الأذان، المقام الثاني في ذكر أحوال المؤذن، مكتبه أشرفية ديوبند ۲/ ۳۸)

(۲) واعلم أن الأذان لا يكره في المسجد مطلقاً كما فهم بعضهم من بعض العبارات الفقهية، وعمومه هذا الأذان؛ بل مقيداً بما إذا كان المقصود إعلام ناس غير حاضرين كما في رد المحتار، وفي السراج، ينبغي للمؤذن أن يؤذن في موضع يكون أسمع للجيران ويرفع صوته ولا يجهد نفسه لأنه يتضرر ..... قال الشيخ: فقله: في المسجد صريح في عدم كراهة الأذان في داخل المسجد، وإنما هو خلاف الأولى إذا مست الحاجة إلى الإعلان البالغ، وهو المراد بالكراهة المنقولة ←

**سوال (۶۲۹):** قدیم/۷۰۶- کیا فرماتے ہیں علمائے دین و شرع متین اس مسئلہ میں کہ جواز ان حضرت عثمانؓ نے مروج کیا ہے وہ اذان مسجد کے باہر سامنے یا بغل میں ہوتی ہے اور مسجد سے کتنے فاصلے پر ہوتی ہے اور اذان کا مقام جو حضرت عثمانؓ نے مقرر کیا ہے وہ صحن سے کتنے فاصلہ پر ہے فاصلہ کا حساب شرعی گز سے لکھنا؟

**الجواب:** وہ مقام زوراء ہے، جیسا صحیح بخاری وغیرہ میں ہے (۱) مجمع البحار میں اس کے متعلق یہ اقوال لکھے ہیں:

← فی بعض الكتب فافهم. (إعلاء السنن، أبواب الجمعة، باب التأذین عند الخطبة کراچی ۶۹/۸، دارالکتب العلمیہ بیروت ۸/۸۷)

منها أن يجهر بالأذان، فيرفع به صوته لأن المقصود وهو الإعلام يحصل به؛ ولهذا كان الأفضل أن يؤذن في موضع يكون أسمع للجيران كالمئذنة ونحوها ..... ولأن الأذان لإعلام الغائبين بهجوم الوقت. (بدائع الصنائع، كتاب الصلاة، فصل في بيان الأذان بیروت ۱/۶۴۲-۶۴۳، زکریا ۱/۳۶۹، کراچی ۱/۱۴۹)

وينبغي أن يؤذن على المئذنة أو خارج المسجد ولا يؤذن في المسجد، والسنة أن يؤذن في موضع عالٍ يكون أسمع لجيرانه ويرفع صوته. (هندية، باب الأذان، الفصل الثاني في كلمات الأذان قدیم زکریا ۱/۵۵، جدید زکریا ۱/۱۱۲)

البنایة، کتاب الصلاة، باب الأذان، مکتبہ اشرفیہ دیوبند ۲/۹۵-

شامی، کتاب الصلاة، باب الأذان، مکتبہ زکریا دیوبند ۲/۴۸، کراچی ۱/۳۸۴-

البحر الرائق، کتاب الصلاة، باب الأذان، مکتبہ زکریا دیوبند ۱/۴۴، کوئٹہ ۱/۲۵۵-

شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

(۱) عن السائب بن يزيد قال: كان النداء يوم الجمعة أوله إذا جلس الإمام على المنبر على عهد النبي صلى الله عليه وسلم، وأبي بكرؓ، وعمرؓ، فلما كان عثمانؓ، وكثر الناس زاد النداء الثالث على الزوراء. (بخاري شريف، كتاب الجمعة، باب الأذان يوم الجمعة، النسخة الهندية ۱/۱۲۴، رقم: ۹۰۲، ف: ۹۱۲) ←

(۱) موضع بسوق المدينة. (۲) وقيل: أنه مكان مرتفع كالمنارة. (۳) وقيل حجرة كبيرة عند باب المسجد. (۴) الزوراء هو دار في سوق المدينة يقف المؤذن على سطحه للنداء الثالث (۱) (أي باعتبار الشرعية وهو الأول باعتبار الوقوع)

باقی سامنے ہونا یا بغل میں ہونا اور فاصلہ کی مقدار اور صحن سے اس کی سمت اور بعد خصوص گزروں سے یہ نظر سے نہیں گزرانہ اس تحقیق کی کوئی ضرورت شاید سائل کا یہ خیال ہو کہ اب جو مسجد میں ہوتی ہے یہ خلاف سنت ہو سو اس کا جواب یہ ہے کہ اصل تو یہی ہے کہ نداء سے جس مقام کی طرف بلایا جاتا ہے اسی مقام پر ہو مگر اس اصل سے عدول اس لئے کیا گیا تھا کہ نئی چیز تھی لوگوں کو اطلاع ہو جاوے کہ نماز جمعہ کے بہت قبل بھی اذان ہوتی ہے جس سے جمعہ کی تیاری شروع کر دیں اس لئے ایسے مقام پر اس کا ہونا مناسب تھا کہ سب متوجہ ہو جاویں پھر جب اس کا معمول ہو گیا اب لوگ خود بخود اس کے استماع کی کوشش کرنے لگے پھر اصل کے موافق تعامل ہو گیا جو ایک قسم کا اجماع ہے اب اس کی مخالفت جائز نہیں۔

۱۳ ربیع الثانی ۱۳۵۱ھ (النور ماہ محرم ص: ۷۵۲ھ)

← عن السائب بن يزيد قال: ما كان لرسول الله صلى الله عليه وسلم إلا مؤذن واحد، إذا خرج أذن وإذا نزل أقام وأبو بكر، وعمر كذلك، فلما كان عثمان، وكثر الناس زاد النداء الثالث على دار في السوق يقال لها الزوراء، فإذا خرج أذن وإذا نزل أقام. (ابن ماجه شريف، كتاب الصلاة، باب ماجاء في الأذان يوم الجمعة، النسخة الهندية ص: ۷۹، دار السلام رقم: ۱۱۳۵)

أبو داود شريف، كتاب الصلاة، باب النداء يوم الجمعة، النسخة الهندية ۱/ ۱۵۵، دار السلام رقم: ۱۰۸۸۔

(۱) مجمع بحار الأنوار، مكتبه دار الإيمان المدينة المنورة ۲/ ۴۴۸-۴۴۹۔

شیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

## حدیث میں قصر خطبہ اور طول صلاۃ کا مطلب

**سوال (۶۳۰):** قدیم ۱/۷۰۶۔ خطبات الاحکام جو حضور والا نے تصنیف فرمائے ہیں اول تو وہ سب مختصر ہیں جب ضعفاء کی رعایت سے قراءت مختصر کی جاوے اور دو چار سطر خطبہ کی بڑھ جاویں تو اس میں کوئی کراہت وغیرہ تو نہیں ہے اور تعمیلاً خطبہ میں اختصار کیا جاوے گا آئندہ جو ارشاد ہو خادم تو یہی خطبہ پڑھتا ہے؟

**الجواب:** حدیث میں جو قصر خطبہ و طول صلاۃ وارد ہے کما رواہ مسلم عن عمار۔ (۱) اس میں صلوٰۃ سے مراد پوری نماز ہے نہ کہ صرف قراءۃ۔ سو میرے خطبات جن میں کوئی خطبہ سورۃٴ مرسلات سے بڑا نہیں مسنون قراءت اور مسنون اذکار کی حالت میں اگرچہ چھوٹی ہی سورتیں ہوں مجموعی نماز سے عادتہ بڑھ نہیں سکتے البتہ صرف عیدین کے خطبہ کی مقدار بہ نسبت دوسرے سات آٹھ تکبیر کی قدر زیادہ ہے مگر مسنون قراءت و اذکار کی حالت میں وہ بھی مجموعی نماز سے نہیں بڑھ سکتے اس لئے قراءت وغیرہا کے اختصار کی حالت میں بھی جبکہ سنت کے موافق ہو خطبات مذکورہ میں تصرف اختصار کی حاجت نہیں۔ واللہ اعلم،  
۸ صفر ۱۳۵۵ھ (النور ص ۲۶ ذیقعدہ ۱۳۵۵ھ)

(۱) عن واصل بن حیان قال: قال أبو وائل: خطبنا عمار فأوجز وأبلغ، فلما نزل قلنا: يا أبا اليقظان! لقد أبلغت وأوجزت، فلو كنت تنفست! فقال: إني سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول: إن طول صلاة الرجل وقصر خطبته مئنة من فقهه، فأطيلوا الصلاة، واقصروا الخطبة، وإن من البيان سحراً. (مسلم شريف، كتاب الجمعة، باب تخفيف الصلاة والخطبة، النسخة الهندية ۲۸۶/۱، بيت الأفكار رقم: ۸۶۹)

عن يحيى بن عقيل قال: سمعت عبد الله بن أبي أو في يقول: كان رسول الله صلى الله عليه وسلم يكثر الذكر، ويقل اللغو ويطول الصلاة، ويقصر الخطبة، ولا يأنف أن يمشي مع الأرملة والمسكين فيقضي له الحاجة. (نسائي شريف، أبواب الجمعة، باب ما يستحب من تقصير الخطبة، النسخة الهندية ص: ۱۵۹، دار السلام رقم: ۱۴۱۵)

أخرج البزار في مسنده عن عبد الله عن النبي صلى الله عليه وسلم قال: إن قصر الخطبة ←



## جمعہ کی اذان ثانی کے مسجد کے اندر ہونے پر شبہ اور اس کا جواب

**سوال (۶۳۱):** قدیم ۱/۷۰۷- فی زماننا اکثر مقامات میں اذان ثانی جمعہ کی جوین ید یہ کہی جاتی تھی اب مسجد کے دروازہ کے قریب یا کسی دوسرے مقام پر امام کے محاذی کہی جاتی ہے اور اس کی تائید ابوداؤد کی روایت:

كان يؤذن بين يدي رسول الله ﷺ إذا جلس على المنبر يوم الجمعة على

باب المسجد الخ (۱)

نیز طبرانی کی روایت بھی جسے عینی نے شرح بخاری میں نقل کی ہے۔ (۲)

← و طول الصلاة مئنة من فقه الرجل فأطيلوا الصلاة واقصروا الخطب، وإن من البيان لسحراً، وإنه سيأتي بعدكم قوم يطيلون الخطب ويقصرون الصلاة. (البحر الزخار المعروف بمسند البزار، مكتبة العلوم والحكم المدينة المنورة ۵/ ۲۸۹، رقم: ۱۹۰۸)

وأخرج البيهقي عن عمرو بن شرجيل قال: قال عبد الله: إن طول الصلاة، وقصر الصلاة مئنة من فقه الرجل يقول علامة. (السنن الكبرى للبيهقي، باب ما يستحب من القصد في الكلام وترك التطويل، دار الفكر ۴/ ۴۵۱، رقم: ۵۸۵۹)

المعجم الكبير للطبراني، دار إحياء التراث العربي ۹/ ۲۹۸، رقم: ۹۴۹۳ -

شہیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

(۱) عن السائب بن يزيد قال: كان يؤذن بين يدي رسول الله صلى الله عليه وسلم إذا جلس على المنبر يوم الجمعة على باب المسجد، وأبي بكر، وعمر، ثم ساق نحو حديث يونس. (أبوداؤد شريف، كتاب الصلاة، باب النداء يوم الجمعة، النسخة الهندية ۱/ ۱۵۵، دار السلام رقم: ۱۰۸۸)

(۲) وفي رواية أبي داؤد: كان يؤذن بين يدي رسول الله صلى الله عليه وسلم على باب المسجد، وأبي بكر، وعمر، وكذا في رواية الطبراني. (عمدة القاري، كتاب الجمعة، باب

الأذان يوم الجمعة، مكتبه أشرفية ديوبند ۵/ ۷۲، رقم: ۹۱۲)

\*\*\*\*\*  
 وھكذا في فتح الباري پورے طور سے کرتی ہے (۱) اور اس کے جواز و ثبوت کیلئے کافی شاہد ہے  
 لیکن روایات فقہیہ متناوٹ و شراً ایک ہی پکار پکار کہہ رہی ہے۔

وإذا صعد الإمام المنبر جلس وأذن المؤذنون بين يدي المنبر انتهی، هداية (۲)  
 ويؤذن ثانياً بين يديه أي الخطيب در مختار. (۳)

اگر صرف بین یدیدہ پر اکتفاء کیا جاتا تو بالفرض ہو بھی سکتا تھا مگر جبکہ بین یدى المنبر  
 کہا جا رہا ہے اور مؤذنون لفظ جمع لایا گیا ہے اس سے اعلام بھی کافی ہو جاتا ہے پھر باب مسجد  
 یا اور کسی مقام پر اذان کرنے کی ضرورت بھی نہیں معلوم ہوتی اور کلام کو مؤول بھی نہیں کر سکتے  
 مشکل ہے، حاشیہ عون المعبود جواب دہ پر غیر مقلدین کا ہے اس میں بہت زور دیا گیا ہے کہ  
 اذان خارج مسجد ہونی چاہئے۔ (۴)

.....  
 (۱) فإن في سياق ابن إسحاق عند الطبراني وغيره عن الزهري في هذا الحديث ”إن  
 بلاً كان يؤذن على باب المسجد“. (فتح الباري، كتاب الجمعة، باب الأذان يوم الجمعة،  
 مكتبه أشرفية ديوبند ۲/۵۰۰، رقم: ۹۱۲)

(۲) هداية، كتاب الصلاة، باب صلاة الجمعة، مكتبه أشرفية ديوبند ۱/۱۷۱۔  
 (۳) الدر المختار مع الشامی، كتاب الصلاة، باب الجمعة، مكتبه زكريا ديوبند  
 ۳/۳۸، کراچی ۲/۱۶۱۔

(۴) وهذا الحديث أخرجه أيضاً الطبراني من طريق محمد بن اسحاق بلفظ  
 ”إن بلاً كان يؤذن على باب المسجد، والحاصل أن بين يديه يستعمل لكل شيء  
 يكون قدامه وأمامه، سواء كان قريبه أو بعيد، والمعنى أن بلاً كان يؤذن قدام النبي  
 صلى الله عليه وسلم وأمامه إذا جلس النبي صلى الله عليه وسلم على المنبر يوم  
 الجمعة؛ لكن لا يؤذن قدامه عند المنبر متصلاً به كما هو المتعارف الآن في أكثر بلاد  
 الهند إلا ما عصمه الله تعالى؛ لأن هذا ليس موضع الأذان، وتفوت منه فائدة الأذان؛  
 بل كان يؤذن على باب المسجد. (عون المعبود، تفريع أبواب الجمعة، باب النداء يوم  
 الجمعة، مكتبه أشرفية ديوبند ۳/۳۰۴)

\*\*\*\*\*

مولانا عبدالحی صاحب نے بھی حاشیہ شرح وقایہ میں اسی کی تائید کی ہے (۱) اور روایت کا لکھنا خدام کے وقت عزیز کو ضائع کرتا ہے اس لئے اسی پر اکتفاء کرتا ہوں گویہ بھی تطویل محل سے خالی نہیں مگر مجبوراً عرض کیا؟

**الجواب:** فقہاء پر شبہ جب ہوتا جبکہ حضور پر نور ﷺ کے زمانہ میں اذان بین یدی الإمام اذان ثانی ہوتی مگر اس وقت تو یہ اذان اول تھی تو خارج مسجد ہونا اس کا ضروری تھا اور جب باجماع صحابہ اس کے قبل ایک اذان اور بڑھادی گئی اور اذان بین یدی الإمام کا کام اس سے لیا گیا تو صرف اس کا خارج عن المسجد ہونا کافی ہوا اب ثانی کا خارج عن المسجد ہونا کیا ضرور۔ (۲) پس اس تبدل حالت کے سبب جس کا ماخذ اجماع ہے اذان ثانی کی ہیئت منقولہ فی عہد النبی ﷺ اس کی ہیئت متاخرہ کا مقیس علیہ نہیں بن سکتا اگر اب بھی کوئی شبہ باقی ہو تو بلحاظ تقریر مذکور مکرر لکھئے۔

۲۸ محرم ۱۳۳۰ھ (تمتہ اولیٰ ص ۲۲۷)

(۱) قوله: بین یدیه أي مستقبل الإمام في المسجد كان او خارجه، والمستنون هو الثاني ففي سنن أبي داؤد بسنده عن السائب بن يزيد أن الأذان كان أوله حين يجلس الإمام على المنبر يوم الجمعة في عهد النبي صلى الله عليه وسلم، وأبي بكرؓ، وعمرؓ، فلما كان خلافة عثمانؓ وكثر الناس أمر بالأذان الثالث وأذن به على الزوراء فثبت الأمر على ذلك الخ. (عمدة الرعاية على هامش شرح الوقاية، كتاب الصلاة، باب صلاة الجمعة، مكتبه بلال ديوبند ۱/۲۰۲، رقم: ۱)

(۲) عن السائب بن يزيد قال: كان النداء يوم الجمعة أوله إذا جلس الإمام على المنبر على عهد النبي صلى الله عليه وسلم، وأبي بكرؓ، وعمرؓ، فلما كان عثمانؓ، وكثر الناس زاد النداء الثالث على الزوراء. (بخاري شريف، كتاب الجمعة، باب الأذان يوم الجمعة، النسخة الهندية ۱/۱۲۴، رقم: ۹۰۲، ف: ۹۱۲)

أبو داؤد شريف، كتاب الصلاة، باب النداء يوم الجمعة، النسخة الهندية ۱/۱۵۵، دار السلام رقم: ۱۰۸۸۔

شیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

## نماز عیدین کے بعد مصافحہ کے رواج کا حکم

**سوال (۶۳۲):** قدیم ۱/۷۰۸- عیدین میں مصافحہ و معانقہ روا ہے یا نہیں؟

**الجواب:** قاعدہ کلیہ ہے کہ عبادات میں حضرت شارع علیہ السلام نے جو ہیئت و کیفیت معین فرمادی ہے اس میں تغیر و تبدل جائز نہیں (۱) اور مصافحہ چونکہ سنت ہے اسلئے عبادات میں سے ہے تو حسب قاعدہ مذکورہ اس میں ہیئت و کیفیت منقولہ سے تجاوز جائز نہ ہوگا اور شارع علیہ السلام سے صرف اول لقاء کے وقت بالاجماع یا واداع کے وقت بھی علی الاختلاف منقول ہے و بس اب اس کیلئے ان دو وقتوں کے سوا اور کوئی محل و موقع تجویز کرنا تغیر عبادت کرنا ہے جو ممنوع ہے لہذا مصافحہ بعد عیدین یا بعد نماز پنجگانہ مکروہ و بدعت ہے شامی میں اس کی تصریح موجود ہے۔ فقط واللہ اعلم

۲ شعبان ۱۳۲۰ھ (امداد ص ۸۰ ج ۳)

(۱) عیدین کی نماز کے بعد مصافحہ سے متعلق حضرت والا تھانویؒ کا زیر نظر فتویٰ قاعدہ کلیہ پر محمول ہے، جس کو حضرت نے خود اپنی تحریر میں فرمایا ہے، جزئیات پر مبنی نہیں ہے اور عیدین کے نمازوں کے بعد مصافحہ سے متعلق احقر نے ایک تحقیقی فتویٰ لکھا تھا جو فتاویٰ قاسمیہ میں شامل ہے، اس کو یہاں حاشیہ میں مکمل سوال و جواب کے ساتھ نقل کر دینا مناسب معلوم ہوتا ہے؛ تاکہ مسئلہ کا ہر گوشہ ناظرین کے سامنے آجائے۔ ملاحظہ فرمائیے:

## نماز عیدین کے بعد مصافحہ سے متعلق جامع فتویٰ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ عیدین کی نماز کے بعد لوگوں میں مصافحہ کا معمول ہے، خاص طور پر عید کی نماز پڑھانے والے امام صاحب سے مصافحہ کے لئے لوگوں کی بھیر لگتی ہے؛ اس لئے مفتی صاحب سے صحیح مسئلہ کی وضاحت مطلوب ہے کہ عیدین کی نمازوں کے بعد عید گاہ میں یا عید گاہ سے نکل کر باہر لوگوں کا آپس میں مصافحہ کرنا کیسا ہے؟ اور مصافحہ کے ساتھ عید کی مبارک باد بھی پیش کرتے ہیں، اسی طرح اگر عید کی نماز مسجدوں میں ہوتی ہے، تو وہاں بھی یہ منظر دیکھنے میں آتا ہے، اس کا شرعی حکم واضح فرمائیں۔

المستفتی: عبد اللہ، بھگلپوری

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

**الجواب وبالله التوفیق:** عید کی نماز کے بعد مصافحہ سے متعلق تفصیلی بات دلائل کے ساتھ ضروری معلوم ہوتی ہے، اس مسئلہ میں احقر نے بعض بڑوں اور بعض اہل فتاویٰ کی تحریروں کو دیکھ کر نمازوں کے بعد کے مصافحہ کو کہیں مکروہ اور کہیں بدعت لکھا ہے، اسی طرح عید کی نمازوں کے بعد کے مصافحہ کو بھی مطلقاً مکروہ لکھ دیا اور اردو کے فتاویٰ کے حوالہ کو بھی پیش کر دیا اور شامی کا حسب ذیل جزئیہ بھی دلیل کے طور پر لکھ دیا۔

ونقل في تبیین المحارم عن الملتقط: أنه تكره المصافحة بعد أداء الصلوة بكل حال؛ لأن الصحابة رضي الله عنهم ما صافحوا بعد أداء الصلوة؛ ولأنها من سنن الروافض، ثم نقل عن ابن حجر عن الشافعية أنها بدعة مكروهة لا أصل لها في الشرع، وإنه ينهه فاعلها أولاً ويعزر ثانياً، ثم قال وقال ابن الحاج من المالكية في المدخل: إنها من البدع، وموضع المصافحة في الشرع إنما هو عند لقاء المسلم لأخيه، لا في أدبار الصلوات، فحيث وضعها الشرع يضعها فينهى عن ذلك، ويزجر فاعله لما أتى به من خلاف السنة. (شامي، كتاب الحظر والإباحة، باب الاستبراء وغيره، كراچی ۳۸۱/۶، زکریا دیوبند ۵۴۷/۹)

مگر اس موضوع سے متعلق مختلف کتب فقہ، کتب حدیث کی مراجعت اور شیعوں اور روافض کے عمل اور محل مصافحہ کو دیکھنے کے بعد ضرورت محسوس ہوئی کہ اس مسئلہ سے متعلق ہر گوشہ کو پیش نظر رکھ کر مسئلہ کو سمجھنے کی ضرورت ہے، یہاں یہ بات یاد رکھیں کہ جو مسئلہ اب لکھا جا رہا ہے احقر نے جتنے بھی فتاویٰ اس موضوع سے متعلق اس سے قبل لکھے ہیں، ان میں سے جو بھی فتویٰ اس تحریر کے خلاف ہوگا اس کے بارے میں یہ سمجھا جائے کہ یہی تحریر صحیح ہے اور اس کے خلاف دیئے گئے فتوؤں سے اس تحریر کے ذریعہ رجوع کیا جا رہا ہے؛ لہذا مختلف کتابوں کی مراجعت کے بعد جو کچھ بھی اس نا اہل نے سمجھا ہے وہ پیش کیا جا رہا ہے۔

(۱) نماز کا سلام پھیرتے ہی فوراً دائیں بائیں جانب کے لوگوں سے بیٹھے بیٹھے ہاتھ بڑھا کر مصافحہ کیا جائے، جیسا کہ حرمین شریفین میں ایران سے آئے ہوئے شیعہ و رافضی اور اسی طرح انڈونیشیا اور ملیشیا سے آئے ہوئے بعض لوگ اس طرح سلام کے معاً بعد مصافحہ کرتے ہوئے کثرت کے ساتھ دیکھنے میں آتے ہیں، یہی شیعوں اور رافضیوں کا شعار ہے اور اسی کو علماء نے من سنن الروافض کہہ کر بدعت

اور مکروہ قرار دیا ہے، جیسا کہ شامی کی مذکورہ عبارت میں موجود ہے؛ لہذا شیعوں اور رافضیوں کا شعار صرف یہی ایک شکل قرار دی جاسکتی ہے، دیگر شکلوں کو ان کا شعار نہیں قرار دیا جاسکتا ہے۔

و ذکر أن منهم من كرهها؛ لأنها من سنن الروافض. (الموسوعة الفقهية

الكويتية ۳۶۳/۳۷)

(۲) چند افراد نماز کے لئے مسجد جارہے ہوں اور انہوں نے آپس میں ملاقات کے وقت مصافحہ نہیں کیا اور اسی طرح گفتگو کرتے ہوئے مسجد پہنچ جائیں، پھر نماز سے فراغت کے بعد آپس میں مصافحہ کرنے لگیں، تو اس کو بھی علماء نے مکروہ اور بدعت مذمومہ قرار دیا ہے؛ اس لئے کہ اس صورت میں یہ بات لازم آتی ہے کہ ان لوگوں نے نمازوں کے بعد ہی مصافحہ کو لازم اور مسنون سمجھا ہے؛ اس لئے علماء نے اس طرح کے مصافحہ کو مکروہ اور بدعت قرار دیا ہے۔

جو ذیل کی عبارات سے واضح ہوتا ہے۔

وقد يكون جماعة يتلاقون من غير مصافحة ويتصاحبون بالكلام و مذاكرة العلم وغيره مدة مديدة، ثم إذا صلوا يتصافحون، فأين هذا من السنة المشروعة ولذا صرح بعض علمائنا بأنها مكروهة حينئذٍ وأنها من البدع المذمومة. (مراجعة المفاتيح، كتاب الآداب، باب المصافحة والمعانقة، مكتبة امداديه ملتان ۷۴/۹)

عون المعبود، باب المصافحة، دار الكتاب العربي ۵۲۱/۴، رقم: ۵۲۱۱۔

حاشیہ سنن أبی داؤد ہندی ۷۰۸/۲۔

(۳) نمازوں کے سلام کے بعد متصلاً بیٹھے بیٹھے دائیں بائیں کے لوگوں سے مصافحہ نہیں کیا جاتا ہے اور نہ ہی نمازوں کے بعد اسے مسنون سمجھا جاتا ہے، اسی طرح نماز سے قبل ملاقات پر مصافحہ نہیں ہوا اور گفتگو کرتے ہوئے مسجد پہنچ کر نماز ادا کرنے کے بعد مصافحہ نہیں ہوا اور نہ ہی نمازوں کے بعد مصافحہ کی مواظبت اور پابندی کا اہتمام ہے؛ بلکہ کبھی کبھار نماز کے بعد امام صاحب سے مصافحہ کا اہتمام ہے جیسا کہ ہماری مغربی یوپی کی عام مساجد کا یہی حال ہے، تو ایسی صورت میں کبھی کبھار کسی سے محبت میں مصافحہ کر لیا جائے یا کسی سے چند دنوں کے بعد ملاقات ہوئی ہے، اس سے نماز کے بعد مصافحہ کر لیا جائے، چاہے عصر یا فجر کی نماز کے بعد ہی کیوں نہ ہو، تو اس طرح کا مصافحہ شرعاً مسنون اور مستحب ہے۔ صاحب درمختار نے اپنی عبارت کے ذریعہ سے اسی شکل کی طرف اشارہ فرمایا ہے۔

در مختار کی عبارت ملاحظہ ہو۔

تجوز المصافحة؛ لأنها سنة قديمة متواترة، بقوله عليه الصلاة والسلام: من صافح أخاه المسلم وحرك يده..... تناثرت ذنوبه، وإطلاق المصنف تبعاً للدرر والكنز والوقاية والنقاية والمجمع والملتقى وغيرها يفيد جوازها مطلقاً ولو بعد العصر. (در مختار مع رد المحتار، كتاب الحظر والإباحة، باب الإستبراء وغيره، كراچی ۳۸۱/۶، زکریا ۵۴۷/۹) اور یہ حکم مرقاة کی اس عبارت سے بھی مستفاد ہوتا ہے۔

نعم لو دخل أحد في المسجد والناس في الصلاة، أو على إرادة الشروع فيها، فبعد الفراغ لو صافحهم؛ لكن بشرط سبق الكلام على المصافحة، فهذا من جملة المصافحة المسنونة بلا شبهة. (مرقاۃ المفاتیح، کتاب الأدب، باب المصافحة والمعانقة، مکتبہ امدادیہ ملتان ۷۴/۹)

اور بلا مواظبت نماز عصر کے بعد بھی مصافحہ کا ثبوت اس حدیث شریف سے ہوتا ہے۔ حدیث شریف ملاحظہ فرمائیے:

عن الحكم قال سمعت أبا حنيفة قال: خرج رسول الله صلى الله عليه وسلم بالهاجرة إلى البطحاء، فتوضأ، ثم صلى الظهر ركعتين والعصر ركعتين، وبين يديه عنزة، قال شعبة: وزاد فيه عون عن أبيه عن أبي حنيفة قال: كان تمر من ورائها المرأة وقام الناس فجعلوا يأخذون يديه فيمسحون بهما وجوههم، قال: فأخذت بيده فوضعتها على وجهي، فإذا هي أبرد من الثلج، وأطيب رائحة من المسك. (صحيح البخاري، كتاب المناقب، باب صفة النبي صلى الله عليه وسلم، النسخة الهندية ۵۰۲/۱، رقم: ۳۴۲۸، ف: ۳۵۵۳) مسند أحمد بن حنبل ۳۰۹/۴، رقم: ۱۸۹۷۴۔

المعجم الكبير للطبراني، دار إحياء التراث العربي ۱۱۵/۲۲، رقم: ۲۹۴۔

(۴) عیدین کی نماز کے بعد مصافحہ کے بارے میں غور کرنا ہے؛ چنانچہ عید کی نماز کو جاتے ہوئے آپس میں ایک دوسرے سے ملاقات ہو جائے اور اس میں سلام و مصافحہ نہ ہو پھر عید کی نماز کے بعد وہی لوگ جو ساتھ میں گفتگو کرتے ہوئے آتے ہیں آپس میں مصافحہ کرنے لگیں تو یہ محض رسمی مصافحہ ہے، شریعت میں اس کی کوئی اصل نہیں ہے۔

وقد يكون جماعة..... إلى..... من البدع المذمومة. (مرفقة المفاتيح ملتان ۷۴/۹، عون

المعبود ۵۲۱/۴، حاشية أبوداؤد ۷۰۸/۲)

لیکن اگر عید کو جاتے وقت راستہ میں ملاقات پر سلام مصافحہ ہو چکا ہے، پھر عید کی نماز کے بعد عید کی مبارک باد پیش کرنے کے ساتھ ساتھ مصافحہ بھی ہو جائے تو یہ شکل نماز کے بعد کی خصوصیت اور اہتمام کے دائرہ میں شامل نہ ہوگی؛ بلکہ ہر ملاقات پر مصافحہ کے حکم میں شامل ہوگی؛ اس لئے کہ نماز سے پہلے کی ملاقات میں بھی مصافحہ ہوا ہے اور بعد کی ملاقات میں بھی مصافحہ ہوا ہے؛ لہذا اس کو بدعت یا مکروہ کہنا درست نہیں اور درمختار کی ذیل کی عبارت کے حکم میں شامل ہو جائے گا۔

عبارت ملاحظہ فرمائیے:

تجوز المصافحة؛ لأنها سنة قديمة متواترة لقوله عليه السلام من صافح أخاه المسلم وحرک يده تناثر ذنوبه. (در مختار مع الرد، کتاب الحظرو الإباحة، باب الاستبراء وغیرہ کراچی ۳۸۱/۶، زکریا ۵۴۷/۹)

عید کی مبارک باد پیش کرنے کا جواز ذیل کی احادیث اور جزئیات سے ہوتا ہے۔  
احادیث شریفہ ملاحظہ فرمائیں:

حدثني حبيب بن عمر الأنصاري، أخبرني أبي قال: لقيت وائلة يوم عيد فقلت: تقبل الله منا و منك فقال: نعم! تقبل الله منا و منك. (المعجم الكبير للطبراني، دار إحياء التراث العربي ۵۲/۲۲، رقم: ۱۲۳)

عن خالد بن معدان قال: لقيت وائلة بن الأسقع في يوم عيد، فقلت: تقبل الله منك، فقال: نعم! تقبل الله منا و منك، قال وائلة: لقيت رسول الله صلى الله عليه وسلم يوم عيد فقلت: تقبل الله منا و منك، قال: نعم! تقبل الله منا و منك. (السنن الكبرى للبيهقي، باب ما روي في قول الناس يوم العيد بعضهم لبعض: تقبل الله منا و منك ۱۱۱/۵، رقم: ۶۳۸۷، دار الفكر بيروت، كتاب صلاة العيدين)

عن أدهم مولى عمر بن عبد العزيز، قال: كنا نقول لعمر بن عبد العزيز في العيدين: تقبل الله منا و منك يا أمير المؤمنين، فيرد علينا ولا ينكر ذلك علينا. (شعب الإيمان للبيهقي، باب في الصيام، في ليلة العيدين، ويومها ۳/۳۴۵، رقم: ۳۷۲۰)



المعجم الكبير للطبراني، ۵۳/۲۲، رقم: ۱۲۳۔

السنن الكبرى للبيهقي، كتاب صلاة العيدين، باب ما روي في قول الناس يوم العيدين بعضهم لبعض: تقبل الله منا ومنك، جديد ۱۱۱/۵، رقم: ۶۳۸۹، دار الفكر بيروت۔  
اور شامی وغیرہ میں اس حکم کو ان الفاظ میں بیان کیا گیا ہے:

والمتعامل في البلاد الشامية، والمصرية عيد مبارك عليك ونحوه، وقال: يمكن أن يلحق بذلك في المشروعية والاستحباب لما بينهما من التلازم، فإن من قبلت طاعته في زمان كان ذلك الزمان عليه مباركاً على أنه قد ورد الدعاء بالبركة في أمور شتى فيؤخذ منه استحباب الدعاء بها هنا أيضاً. (شامي، كتاب الصلاة، باب العيدين مطلب يطلق المستحب على السنة و بالعكس، زكريا ۵۰/۳، كراچی ۱۶۹/۲)

ومثله في حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، كتاب الصلاة، باب أحكام العيدين، دار الكتاب ديوبند ۵۳۰۔

حلبی کبیر، صلاة العيد، فروع خروج إلى المصلی، مطبع لاهور ۵۷۳، الموسوعة الفقهية الكويتية ۹۹/۱۴۔

(۵) عید کی نماز کے بعد لوگوں کا آپس میں ایک دوسرے سے ملاقات کے وقت مصافحہ کرنا؛ جبکہ اس میں کسی کی کسی سے مہینہ بھر کے بعد ملاقات ہو رہی ہے، کسی کی ہفتوں اور کسی کی ایک دو دن کے بعد ملاقات ہو رہی ہے، تو ایسی صورت میں عید کی نماز اور خطبہ کے بعد واپسی کے موقع پر ایک دوسرے سے ملاقات پر مصافحہ کرنا نہ صرف جائز اور درست ہے؛ بلکہ ایک دوسرے سے فرط محبت میں اس موقع پر مصافحہ کرنا باعث اجر و ثواب اور گناہوں کے جھڑنے اور معاف ہونے کا سبب بنے گا۔

عن أنس<sup>ؓ</sup> قال: كان أصحاب النبي صلى الله عليه وسلم إذا تلاقوا تصافحوا.

الحديث (المعجم الأوسط، دار الكتب العلمية بيروت ۴۱/۱، رقم: ۹۷)

عن أيوب بن بشير عن رجل من عنزة أنه قال: قلت لأبي ذر..... هل كان رسول الله صلى الله عليه وسلم يصافحكم إذا لقيتموه؟ قال: ما لقيته قط إلا صافحني. (سنن أبي داود،

كتاب الأدب، باب في المعانقة، النسخة الهندية ۷۰۸/۲، دار السلام رقم: ۵۲۱۴)

مسند أحمد بن حنبل ۱۶۳/۵، رقم: ۲۱۷۷۴، ۲۱۷۷۵۔

عن حذيفة بن اليمان عن النبي صلى الله عليه وسلم قال: إن المؤمن إذا لقي المؤمن فسلم عليه، وأخذ بيده، فصافحه، تناثر خطاياهما كما يتناثر ورق الشجر. (المعجم الأوسط للطبراني، دار الفكر بيروت ۸۵/۱، رقم: ۲۴۵)

عن البراء قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم، مامن مسلمين يلتقيان، فيتصافحان إلا غفر لهما قبل أن يفترقا. (سنن أبي داود، كتاب الأدب، باب في المصافحة، النسخة الهندية ۷۰۸/۲، دار السلام رقم: ۵۲۱۲)

جامع الترمذي، كتاب الاستئذان، باب ماجاء في المصافحة، النسخة الهندية ۱۰۲/۲، دار السلام رقم: ۲۷۲۷۔

(۶) عید کی نماز کے بعد امام صاحب سے مصافحہ کرنا، یہاں یہ بات واضح رہے کہ امام صاحب سے کسی شخص کی ملاقات سال بھر کے بعد کسی کی مہینہ، کسی کی ہفتہ اور کسی کی چند دنوں کے بعد ہوتی ہے، اب اگر محض امام صاحب سے محبت اور امام صاحب کے مصافحہ سے برکت حاصل کرنے کے ارادہ سے عید کی نماز کے بعد امام صاحب سے مصافحہ کریں تو اس میں کوئی قباحت اور کراہت نہیں ہے؛ بلکہ بلا کراہت و بلا شبہ جائز ہے اور یہ مصافحہ اول ملاقات پر مصافحہ کے حکم میں ہے؛ اس لئے امام صاحب سے عید کی نماز کے بعد مصافحہ کرنا ہر حال میں بلا کراہت جائز ہے۔

عن الحكم قال: سمعت أبا جحيفة قال: خرج رسول الله صلى الله عليه وسلم بالهاجرة إلى البطحاء فتوضأ، ثم صلى الظهر ركعتين، والعصر ركعتين، وبين يديه عنزة، قال شعبة: وزاد فيه عون عن أبيه عن أبي جحيفة قال: كان تمر من ورائها المرأة، وقام الناس فجعلوا يأخذون يديه فيمسحون بهما وجوههم، قال: فأخذت بيده فوضعتها على وجهي، فإذا هي أبرد من الثلج، وأطيب رائحة من المسك. (صحيح البخاري، كتاب المناقب، باب صفة النبي صلى الله عليه وسلم، النسخة الهندية ۵۰۲/۱، رقم: ۳۴۲۸، ف: ۳۵۵۳)

مسند أحمد بن حنبل ۳۰۹/۴، رقم: ۱۸۹۷۴۔

المعجم الكبير للطبراني، دار إحياء التراث العربي ۱۱۵/۲۲، رقم: ۲۹۴۔

عن البراء بن عازبؓ قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم إذا التقى المسلمان، فتصافحا وحمدا الله واستغفراه غفر لهما. (سنن أبي داود، كتاب الأدب، باب في المصافحة، النسخة الهندية ۷۰۸/۲، دارالسلام رقم: ۵۲۱۱)

عن أنسؓ أن أصحاب رسول الله صلى الله عليه وسلم كان يصفح بعضهم بعضاً. (سنن الترمذي، كتاب الاستئذان والأدب، النسخة الهندية ۱۰۳/۲، دارالسلام رقم: ۲۷۲۹)

مصنف لابن أبي شيبة، مؤسسة علوم القرآن جديد ۱۸۵/۱۳، رقم: ۲۶۲۳۳ - صحيح البخاري، كتاب الاستئذان، باب في المصافحة، النسخة الهندية ۹۲۶/۲، رقم: ۶۰۲۲، ف: ۶۲۶۳ -

عن أنسؓ قال: كان أصحاب النبي صلى الله عليه وسلم إذا تلاقوا تصافحوا. الحديث (المعجم الأوسط للطبراني، دارالفكر بيروت ۴۱/۱، رقم: ۹۲) ومثله في شرح معاني الآثار، كتاب الكراهة، باب المعانقة، دارالكتب العلمية بيروت ۹۲/۴، رقم: ۶۷۶۶ -

مصنف لابن أبي شيبة، مؤسسة علوم القرآن جديد تحقيق شيخ محمد عوامه ۱۸۵/۱۳، رقم: ۲۶۲۳۴ - فقط واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ  
۱۷/ ذی قعدہ ۱۴۳۵ھ

الجواب صحیح:  
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ  
۱۷/۱۱/۱۴۳۵ھ

## عید کے دن معافہ کی شرعی حیثیت

حضرت والا تھانویؒ سے سائل نے عیدین کی نمازوں کے بعد معافہ سے حکم بھی معلوم کیا تھا، مگر حضرتؒ کے جواب میں اس کا حکم لکھنے سے رہ گیا ہے؛ اس لئے معافہ سے متعلق ایک تحقیقی جواب فتاویٰ قاسمیہ میں ہے، اس کو بھی یہاں حاشیہ میں شامل کر دینا مناسب سمجھا گیا۔ ملاحظہ فرمائیے:

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ عوام الناس میں عید کے دن عید کی نماز کے بعد اور پھر پورے دن آنے جانے والے ملاقات کرنے والوں کے ساتھ معافہ کا بازار گرم رہتا ہے، راستہ میں گھروں میں، ہوٹلوں میں، چوراہوں پر، غرضیکہ عید کے دن جہاں کہیں ایک دوسرے سے ملاقات ہو رہی ہے، تو لوگ معافہ کرتے نظر آ رہے ہیں، مفتی صاحب! دریافت طلب یہ ہے کہ کیا اس طرح عید کے دن معافہ کا التزام و اہتمام شریعت سے ثابت بھی ہے یا نہیں؟ اگر نہیں تو اس معافہ کا شرعی حکم کیا ہے؟

المستفتی: عبد اللہ بھگل پوری

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وبالله التوفیق:** عید کے دن معافہ کرنا محض رسمی معافہ ہے، شریعت میں کہیں سے بھی اس کا ثبوت نہیں ملتا۔ اور اس رسمی معافہ کی وجہ سے بہت سے لوگوں کو خواہ مخواہ بہ تکلف مشقت اٹھانی پڑتی ہے کہ ہر آنے جانے والے سے گلے ملنے کے لئے کھڑے ہونا پڑتا ہے۔ اور راستوں میں بھی رسمی معافہ کا عجیب و غریب سلسلہ دیکھنے میں آتا ہے، خاص طور پر نوجوان طبقہ یہ سمجھتا ہے کہ معافہ کے بغیر عید کے دن کی ملاقات مکمل نہیں ہوتی ہے؛ اس لئے یہ معافہ مکروہ اور بدعت ہے؛ لہذا اس بات کی کوشش کرنی چاہئے کہ یہ رسمی معافہ لوگوں کے درمیان سے ختم ہو جائے، ہاں البتہ عید کے دن اگر کوئی رشتہ دار یا دوست و احباب دوسری جگہ سے یا دور دراز سفر سے آجائیں، تو ان کے ساتھ معافہ کرنا نہ صرف بلا کراہت جائز بلکہ مسنون ہے۔ عبارت ملاحظہ فرمائیے:

والمعافاة بعد صلوة العیدین من البدع المذمومة المخالفة للشرع،

والله أعلم. (عون المعبود، کتاب الأدب، باب فی المصافحة تحت رقم الحدیث: ۵۲۱۱،

حدیث پاک کے اندر موجود ہے کہ صحابہ کرام جب دور دراز سے سفر سے آتے یا دیرینہ ملاقات ہوتی تو آپس میں معافقہ کرتے تھے، اسی طرح حضور ﷺ نے حضرت زید بن حارثہؓ کی آمد پر ان کی پیشانی کو بوسہ دیا اور معافقہ کیا اور حضرت جعفرؓ جب حبشہ سے تشریف لائے تو ان کی پیشانی کو بوسہ دیا اور ان سے معافقہ فرمایا؛ لہذا اس طرح دور دراز سفر سے آمد پر یا دیرینہ ملاقات پر معافقہ مسنون ہے، مگر خاص طور پر عید کے دن معافقہ کو لازم سمجھ کر کرنا بدعت ہے جیسا کہ اوپر لکھا گیا۔

حدیث شریف ملاحظہ فرمائیے:

عن أنس قال: كان أصحاب النبي صلى الله عليه وسلم إذا تلاقوا تصافحوا، وإذا قدموا من سفر تعانقوا. (المعجم الأوسط للطبراني، دار الكتب العلمية بيروت ٤١/١، رقم: ٩٧، اسنادہ صحیح انظر مجمع الزوائد ٣٩/٨)

عن عائشة قالت: قدم زيد بن حارثة المدينة ورسول الله صلى الله عليه وسلم في بيتي، فأتاه، ففرع الباب، فقام إليه رسول الله صلى الله عليه وسلم عرياناً يعجُرُ ثوبه، والله ما رأيته عرياناً قبله ولا بعده، فاعتنقه وقبله. (سنن الترمذي، كتاب الآداب، باب ماجاء في المعانقة والقبلة، ١٠٢/٢، رقم: ٢٧٣٢)

عن عون بن أبي جحيفة عن أبيه، قال: لما قدم جعفر من هجرة الحبشة تلاقاه النبي صلى الله عليه وسلم فعانقه وقبل ما بين عينيه. الحديث (المعجم الكبير للطبراني ١٠٨/٢، رقم: ١٤٧٠)

مصنف لابن أبي شيبة، مؤسسة علوم القرآن ١٨٨/١٣، رقم: ٢٦٢٤٣۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

الجواب صحیح:

کتبہ: بشیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ

۱۹/ ذی قعدہ ۱۴۳۵ھ

۱۴۳۵/۱۱/۱۹ھ

## خطبہ جمعہ سے قبل وعظ کا جائز ہونا

**سوال (۶۳۰):** قدیم ۱/۷۸ - کسی شہر کی جامع مسجد میں جو ایسی وسیع ہے کہ جس کی نصف تک نمازی نماز جمعہ میں جمع ہوتے ہیں اس کے علاوہ مسجد کے متصل دالان وغیرہ موجود ہیں کہ جس میں سنت پڑھنے والے سنت پڑھ سکتے ہیں۔ مطلب یہ کہ قبل جمعہ وعظ ہونے سے کسی کی نماز میں خلل نہیں پڑتا۔ مبتدعین نے اپنا برا اثر عام مسلمانوں پر ڈال رکھا ہے یہ ضرورت ہے وعظ کی اس پر کوئی واعظ یا مولوی مبتدعین کی تردید یا دینی فوائد کی ضروری باتیں مسلمانوں کو قبل نماز جمعہ وعظ میں بیان کرتا ہے عام مسلمانوں بوجہ پیشور ہونے کے بعد نماز جمعہ نہیں ٹھہر سکتے پس ایسی حالت میں واعظ یا مولوی صاحب کا وعظ بیان کرنا اور ضروری عقائد سے واقف کرنا اور اسلام کے فوائد بیان کرنا قبل خطبہ جائز ہے یا نہیں؟ اور یہ وعظ ہمیشہ اور ہر جمعہ میں نہیں ہوتا بلکہ گاہ بگاہ؟

**الجواب:** في الدر المختار: أحكام المسجد ويحرم فيه السؤال الى قوله ورفع صوت بذكر إلا للمتفقهة. وفي رد المحتار قوله ورفع صوت بذكر الى قوله اجمع العلماء سلفاً وخلفاً على استحباب ذكر الجماعة في المساجد وغيرها الا ان يشوش جهرهم على نائم أو مصلٍ أو قارئ الخ (ج ۱ ص ۶۹۰) (۱) استثناء إلا للمتفقهة واستثناء الا ان يشوش الخ سے معلوم ہوا کہ جب در صورت عدم تشویش مصلین ذکر جائز ہے تو مسائل دین کا بیان کرنا عدم تشویش کی صورت میں بدرجہ اولیٰ جائز ہے (۲) اور صورت مسئلہ میں عدم تشویش ظاہر ہے کہ مسجد بھی وسیع ہے اور دالان وغیرہ بھی موجود ہیں خصوص جبکہ کبھی ہو کبھی نہ ہو۔

۶/رمضان ۱۳۳۳ھ (تمتہ ثالثہ ص ۷۱)

(۱) الدر المختار مع الشامی، کتاب الصلاة، باب ما یفسد الصلاة وما یکرہ فیہا، مکتبہ

زکریا دیوبند ۲/۴۳۳-۴۳۴، کراچی ۱/۶۵۹

(۲) عن عاصم بن محمد عن أبيه قال: رأيت أبا هريرة رضي الله تعالى عنه يخرج يوم

الجمعة فيقبض على رمانتي المنبر قائماً ويقول: حدثنا أبو القاسم رسول الله الصادق

## جمعہ میں عورت کا خطبہ دینا کیسا ہے؟

**سوال (۶۴۱):** قدیم/۱۰۹- جمعہ میں خطبہ اگر عورت مردوں کے بیچ میں مسجد میں عام مسلمانوں کے سامنے منبر پر بیٹھ کر پڑھے تو یہ کیسا ہے۔ عورت گنہگار ہوگی یا نہیں؟ اور خطبہ دوبارہ پڑھا جاوے یا کہ وہی خطبہ کافی ہے اور نماز میں کچھ نقص ہوا یا نہیں کیونکہ نماز جمعہ عورت نے نہیں پڑھائی مرد نے پڑھایا۔ یہ معاملہ ایسا ہوا ہے یہاں پر کیونکہ اس دن جمعہ کے روز کوئی شخص خطبہ کا پڑھانے والا نہ تھا۔ مجبوری درجہ عورت کو خطبہ پڑھانا پڑھا۔ یہ معاملہ غیر مقلد کے ہاں ہوا ہے؟

← المصدوق صلی اللہ علیہ وسلم فلا يزال يحدث حتى إذا سمع فتح باب المقصورة لخروج الإمام للصلاة جلس. (المستدرک للحاكم، كتاب معرفة الصحابة قديم ۵۱۲/۳، مكتبة نزار مصطفى الباز جديد ۶/۲۲۲، رقم: ۶۱۷۳)

عن السائب بن يزيد قال: لم يقص على عهد رسول الله صلى الله عليه وسلم ولا أبي بكر، وعمر حتى كان أول من قص تميم الداري، واستأذن عمر رضي الله عنه، فأذن له، فقص قائماً. (المعجم الكبير للطبراني، دار إحياء التراث العربي ۷/۱۴۹، رقم: ۶۶۵۶)

عن السائب بن زيد أنه لم يكن على عهد رسول الله صلى الله عليه وسلم ولا أبي بكر وكان أول من قص تميم الداري استأذن عمر بن الخطاب أن يقص على الناس قائماً، فأذن له عمر. (مسند أحمد بن حنبل ۳/۴۴۹، رقم: ۱۵۸۰۷)

مصنف عبد الرزاق، باب ذكر القصص، المجلس العلمي ۳/۲۱۹، رقم: ۵۴۰۰۔

وأخرج ابن عساکر، عن حميد بن عبد الرحمن أن تميم الداري رضي الله عنه استأذن عمر في القصص سنين فأبى أن يأذن له فاستأذن في يوم واحد، فلما أكثر عليه قال له: ماتقول؟ قال: أقرأ عليهم القرآن وأمرهم بالخير، وأنها هم عن الشر، قال عمر رضي الله عنه: ذلك الذبح، ثم قال: عظ قبل أن أخرج في الجمعة، فكان يفعل ذلك يوماً واحداً في الجمعة. (الموضوعات الكبرى لملا علي قاري، مقدمة، فصل ولما كان أكثر القصص والوعاظ، مكتبة نور محمد أصح المطابع كراچی ص: ۱۰، بحواله فتاویٰ محمودیة ڈاہیل ۸/۲۵۴)

شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

**الجواب:** في العالمگیریة: وأما الخطيب فيشترط فيه أن يتأهل للإمامة في الجمعة كذا في الزاهدی وفيها في شرائط صلوة الجمعة ومنها الخطبة قبلها حتى لوصلوا بلا خطبة أو خطب قبل الوقت لم يجز. كذا في الكافي: وفيها فرائض الخطبة والثاني ذكر الله تعالى كذا في البحر الرائق: وكفت تحميدة أو تهليلة أو تسبيحة كذا في المتون ج ۱ ص ۹۴- (۱)

ان روایات سے ثابت ہوا کہ عورت کا خطبہ صحیح نہیں ہوا۔ اور جب خطبہ شرائط صحت جمعہ سے ہے تو جمعہ بھی صحیح نہیں ہوا۔ ان سب لوگوں کو ظہر کی نماز قضا پڑھنی چاہئے۔ اگر کوئی خطبہ پڑھنے والا نہ تھا تو جس نے نماز پڑھائی ہے وہی کچھ ذکر اللہ یا کچھ قرآن پڑھ دیتا۔ حتیٰ کہ سبحان اللہ الحمد للہ اللہ اکبر ہی کہہ لیتا تو فرض خطبہ کا ادا ہو جاتا جس سے فرض نماز ادا ہو جاتی۔

۲۱/رمضان المبارک ۱۳۴۲ھ (تمہ خامسہ ص ۳۰۴)

## لوگوں کے بیچ میں کھڑے ہو کر خطبہ جمعہ پڑھنا

**سوال (۶۳۵):** قدیم ۱/۷۰۹- اب کے جامع مسجد میں امام صاحب نے یہ جدت کی کہ بجائے منبر کے باہر کے درجہ میں خطبہ جمعۃ الوداع پڑھا اور عذر یہ کیا کہ تاکہ لوگ سن سکیں۔ اگر یہ دلیل خطبہ کیلئے ہے تو نماز کیلئے بھی کہ بجائے آگے کھڑے ہونے کے امام بیچ میں کھڑا ہو بہر حال یہ کہاں تک جائز ہے اس کے متعلق اطلاع فرمائی جاوے تو مناسب ہوگا؟

(۱) الفتاویٰ الہندیۃ، کتاب الصلاۃ، الباب السادس عشر فی صلاۃ الجمعة، قدیم زکریا

۱/۱۴۶-۱۴۷، جدید زکریا ۱/۲۰۵-۲۰۶.

(ومن شرط صحتها) الخطبة قبلها وسن خطبتان بجلسة بينهما وطهارة قائماً وكفت تحميدة أو تهليلة أو تسبيحة (كنز) وفي البحر: وأما الخطيب فيشترط فيه أن يتأهل للإمامة في الجمعة. (البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب صلاة الجمعة، مكتبه زکریا دیوبند ۲/۲۵۸-۲۶۰، کوئٹہ ۲/۱۴۶-۱۴۹)

شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ



## الجواب: في العالمگیریة: أحكام الخطبة وأما سننها فخمسة عشر وثالثها

استقبال القوم بوجهه ج ۱ ص ۹۴ (۱)

اس میں تصریح ہے کہ تمام قوم کا خطیب کے سامنے ہونا سنت ہے پس بعض کا پشت پر ہونا بدعت ہوگا۔ اور ظاہر ہے کہ ایسا اتفاقاً نہیں کیا گیا بلکہ اس کو سنت استقبال پر ترجیح دی گئی اور اس کے مقابلہ میں مستحسن سمجھا گیا تو بدعت عملیہ کے ساتھ بدعت اعتقادیہ منضم ہو کر کراہت و شناعۃ میں اشد و قبح ہو گیا۔ خطیب پر واجب ہے کہ اس بدعت کی ترک کے ساتھ اپنی غلطی کا اعلان بھی کرے؛ (۲) تاکہ آئندہ اس کا بالکل انسداد ہو جاوے۔

۱۱/شوال ۱۳۴۲ھ (تمہ خامسہ ص ۳۱۳)

(۱) الفتاویٰ الہندیۃ، کتاب الصلاۃ، الباب السادس عشر فی صلاۃ الجمعة، قدیم زکریا

۱/۱۶۶، جدید زکریا ۱/۲۰۷.

ویسن استقبال القوم بوجهہ کما استقبال الصحابة النبی صلی اللہ علیہ وسلم.

(حاشیۃ الطحطاوی علی مراقی الفلاح، کتاب الصلاۃ، باب صلاۃ الجمعة، مکتبہ دارالکتاب

دیوبند ص: ۵۱۵)

وأما سننها (الخطبة) فخمسة عشر: ..... وثالثها: استقبال القوم بوجهه. (البحر الرائق،

کتاب الصلاۃ، باب صلاۃ الجمعة، مکتبہ زکریا دیوبند ۲/۲۵۸، کوئٹہ ۲/۱۴۷)

وسن خطبتان بجلسة بينهما وطهارة قائماً مستقبلاً للقوم بوجهه الخ. (النهر الفائق،

کتاب الصلاۃ، باب صلاۃ الجمعة، مکتبہ زکریا ۱/۳۵۹)

وسننها أن يخطب قائماً على طهارة خطبتين خفيفتين بقدر سورة من طوال المفصل،

وزيادة التطويل مكروهة، مستقبلاً للقوم بوجهه فيهما الخ. (مجمع الأنهر مع ملتقى الأبحر،

کتاب الصلاۃ، باب صلاۃ الجمعة، دارالکتب العلمیۃ بیروت ۱/۲۴۹)

والسنة أن يخطب قائماً على المنبر مقبلاً بوجهه إلى الناس. (خلاصة الفتاوی،

کتاب الصلاۃ، الفصل الثالث والعشرون فی صلاۃ الجمعة، مکتبہ اشرفیۃ دیوبند ۱/۲۰۵)

(۲) عن عائشة رضي الله تعالى عنها أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: ←

## معذور شخص کے لئے جمعہ میں حاضری لازم نہیں

**سوال (۶۳۶):** قدیم ۱۰/۷۱- اگر کوئی نمازی آدمی بوجہ ضعیفی یا بیماری کے جامع مسجد میں پیادہ پا جانے سے مجبور ہو۔ مگر اس کو اس قدر مقدرت ہے کہ وہ کرایہ کی سواری پر جاسکتا ہے، پس ایسی حالت میں اگر نہ جائے تو کیا گنہگار ہوگا اور فرض نماز ترک کر دینا سمجھا جائے گا؟

**الجواب:** في الدر المختار: شروط الجمعة صحة وألحق بالمریض الممرض والشيخ الفانی وفي رد المحتار فلو وجد المریض ما یرکبه ففي القنیة هو كالاعمى على الخلاف إذا وجد قائدا وقيل لا يجب علیه اتفاقا كالمقعد وقيل هو كالقادر على المشی فتجب في قولهم وتعقبه السروجی بانه ینبغی تصحیح عدمه لأن في التزامه الركوب والحضور زیادة المرض قلت فينبغی تصحیح عدم الوجوب إن كان الأمر في حقه. كذلك حلیة ج ۱ ص ۸۵۲ (۱)

وفي الدر المختار: أيضاً باب الجماعة ولا تجب على المریض إلى قوله: وشيخ كبير

← من عمل عملاً ليس عليه أمرنا فهو رد، عنها أنها قالت: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: من أحدث في أمرنا هذا ما ليس منه فهو رد. (مسلم شريف، كتاب الأقضية، باب نقض الأحكام الباطلة ورد محدثات الأمور، النسخة الهندية، ۲/۷۷، بيت الأفكار رقم: ۱۷۱۸)

عن عبد الله بن مسعود أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: إنما هما اثنتان الكلام والهدي، فأحسن الكلام كلام الله، وأحسن الهدي هدي محمد صلى الله عليه وسلم، ألا وإياكم ومحدثات الأمور، فإن شر الأمور محدثاتها وكل محدثة بدعة وكل بدعة ضلالة الحديث. (سنن ابن ماجه، مقدمة، باب اجتناب البدع والجدل، النسخة الهندية ص: ۶، دار السلام رقم: ۴۶)

شیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

(۱) الدر المختار مع الشامی، کتاب الصلاة، باب الجمعة، مکتبہ زکریا دیوبند

عاجز و اعمیٰ وان وجد قاعدا۔ وفي رد المحتار وكذا الزمن لو كان غنيا وله مركب وخادم فلاتجب عليهما عنده خلافا لهما محلية عن المحيط وذكر في الفتح أن الظاهر أنه اتفاق والخلاف في الجمعة لا في الجماعة اه، ولكن السطور في الكتب المشهورة خلافه حلية ج ۱ ص ۵۸۰ (۱)

ان عبارات سے معلوم ہوا کہ اس میں اقوال مختلفہ ہیں قواعد سے تفصیل یہ معلوم ہوتی ہے کہ اگر کوئی کلفت نہ ہو تو حاضر ہونا چاہئے ورنہ معذور ہے۔ واللہ اعلم  
۶ صفر ۱۳۴۳ھ (تمہ خامسہ ص ۳۲۱)

(۱) الدر المختار مع الشامی، کتاب الصلاة، باب الإقامة، مکتبہ زکریا دیوبند ۲۹۲/۲، کراچی ۱/۵۵۵۔

وشرط وجوبها: الإقامة والذكورة والصحة فلا تجب على مريض ساء مزاجه وأمكن في الأغلب علاجه فخرج المقعد والأعمى ولذا عطفه عليه فلا تكرر في كلامه كما توهمه في البحر: وأما الشيخ الفاني فملحق بالمريض واختلفوا فيما إذا وجد مايركبه كالأعمى يجد القائد، قيل: لا تجب عليه اتفاقاً، وقيل: تجب في قولهم وهو الصحيح، كذا في القنية: وسيأتي خلافه. (النهر الفائق، كتاب الصلاة، باب صلاة الجمعة، مکتبہ زکریا دیوبند ۱/۳۶۱)

والرابع الصحة: خرج به الذي لا يقدر على الذهاب إلى الجامع أو يقدر ولكن يخاف زيادة مرضه أو ببطء برئه بسبب جلي لما روينا، والشيخ الكبير الذي ضعف ملحق بالمريض. (حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، كتاب الصلاة، باب صلاة الجمعة، مکتبہ دار الكتاب دیوبند ص: ۵۰۵)

وتسقط بالأعذار كالريح في الليلة المظلمة لا بالنهار كما في السراج والمطر والطين والبرد الشديد، والظلمة الشديدة في الأصح، والخوف من غريم أو ظالم وكونه مقطوع اليد أو الرجل من خلاف أو شيخاً عاجزاً وكونه أعمى عند الإمام، قال في الفتح: والظاهر أنه اتفاق وأن الخلاف في الجمعة لا الجماعة، ففي الدراية: قال محمد: لا تجب على الأعمى انتهى. وأقول: الذي رأيته في الدراية ما لفظه: قال محمد: لا تجب الجماعة والجمعة على الأعمى. وفي البدائع: وأما الأعمى فأجمعوا على أنه إذا لم يجد قائداً لا تجب عليه وإن وجد قائماً فكذلك عند أبي حنيفة وعندهما تجب انتهى. (النهر الفائق، كتاب الصلاة، باب الإمامة، مکتبہ زکریا دیوبند ۱/۲۳۹)

## تکبیر تشریق ایک مرتبہ سے زیادہ کہنا کیسا ہے؟

**سوال (۶۳۷):** قدیم ۱/۷۱- ہمارے یہاں تکبیر تشریق کے متعلق دو فریق ہو گئے بعض کہتے ہیں کہ تکبیر تشریق نماز کے بعد صرف ایک مرتبہ اللہ اکبر لا إله إلا الله الخ کہنا ہے اس سے زیادہ کہنا خلاف سنت ہے اور بعض کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ کہنا واجب ہے اگر اس پر زیادہ کیا تو مستحب ہوگا۔ اب دونوں فریق حضرت والا کے دستخط شدہ جواب کے منتظر ہیں اس لئے امید ہے کہ براہ کرم صورت مسئلہ کا مدلل جواب باصواب سے ممنون فرمائیں؟

**الجواب:** في الدر المختار: بعد قوله: مرة وإن زاد عليها يكون فضلا قاله العيني: وفي رد المحتار: تحت قوله زاد الخ أفاد أن قوله مرة بيان للواجب لكن ذكر أبو السعود الحموي نقل عن القراحصاري أن الاتيان به مرتين خلاف السنة اه قلت وفي الأحكام عن البرجندي: ثم المشهور من قول علمائنا أنه يكبر مرة وقيل ثلاث مرات. (۱)

← فتح القدير، كتاب الصلاة، باب الإمامة، مكتبه زكريا ديوبند ۱/۳۵۳، كوئٹہ ۱/۳۰۰۔ خلاصۃ الفتاویٰ، كتاب الصلاة، الفصل الثالث والعشرون في صلاة الجماعة، مكتبه اشرفية ديوبند ۱/۲۱۰۔ شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

(۱) الدر المختار مع الشامی، كتاب الصلاة، باب العیدین، مكتبه زكريا ديوبند ۱/۶۱-۶۲، کراچی ۲/۱۸۷

و يجب تكبير التشريق من بعد فجر عرفة إلى عقب صلاة العصر مرة بشرط أن يكون فور كل فرضٍ أدي بجماعة (مراقی الفلاح) وفي حاشية الطحطاوي: قوله: ويأتي به مرة وما زاد فهو مستحب، قال البدر العيني في شرح التحفة: وأقره في الدر: وفي الحموي: عن القراحصاري الإتيان به مرتين خلاف السنة. وفي مجمع الأنهر: إن زاد فقد خالف السنة، ولعل محله ما إذا أتى به على أنه سنة، وأما إذا أتى به على أنه ذكر مطلق فلا. (حاشية الطحطاوي على مراقی الفلاح، كتاب الصلاة، باب صلاة العیدین، مكتبه دار الكتاب

اس عبارت سے معلوم ہوا کہ مسئلہ مختلف فیہا ہے اور یہ بھی معلوم ہوا کہ مشہور قول مرۃ ہی کا ہے۔ اور قول مقابل ضعیف ہے۔ اور قطع نظر ضعف سے مرۃ والے زیادت کو خلاف سنت کہتے ہیں اور اہل زیادت مرۃ کے سنت ہونے پر متفق ہیں پس احتیاط مرۃ ہی میں ہوئی۔

۱۵ محرم الحرام ۱۳۴۷ھ (تمتہ خامسہ ص ۶۲۹)

## عیدین کے خطبہ کے دوران وعظ کہنا

**سوال (۶۳۸):** قدیم ۱/۱۱- عیدین میں ضروری مسائل اور وعظ کہنا ہو تو بعد ختم خطبہ کہے یا وسط خطبہ میں؟

**الجواب:** وسط میں اگر ہو قلیل ہونا چاہئے۔

لأنه تكلم في اثناء الخطبة ولو أمرا بالمعروف فلا يعتاده ولا يكثره. (۱)  
اور بعد میں ہو تو کوئی قید نہیں۔

۱۵ رمضان ۱۳۳۲ھ

← ويجب تكبير التشريق من فجر عرفة إلى عصر يوم العيد على المقيم بالمصر عقيب فرض أدى بجماعة مستحبة وبالإقتداء يجب على المرأة والمسافر، وعندهما إلى عصر آخر أيام التشريق على من يصلي الفرض وعليه العمل، وصفته أن يقول مرۃً أكبر الله أكبر لا إله إلا الله والله أكبر والله الحمد (ملتقى الأبحر) وفي المجمع: حتى لو زاد لقد خالف السنة، وفي سكب الأنهر، وإن زاد عليها يكون نفلاً. قاله العيني. (سكب الأنهر مع مجمع الأنهر، كتاب الصلاة باب صلاة العیدین، دارالکتب العلمیة بیروت ۱/ ۲۵۹-۲۶۰)

شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

(۱) ویکرہ للخطیب أن یتکلم فی حال الخطبة إلا أن یکون أمراً بمعروف، کذا فی فتح القدیر. (ہندیہ، کتاب الصلاة، الباب السادس عشر فی صلاة الجمعة، قدیم زکریا ۱/ ۴۷، جدید زکریا ۱/ ۲۰۸)

فتح القدیر، کتاب الصلاة، باب صلاة الجمعة، مکتبہ زکریا دیوبند ۲/ ۵۸، کوئٹہ ۲/ ۳۰-۳۱.

← ويكره للخطيب أن يتكلم في حالة الخطبة، ولو فعل لا تفسد الخطبة لأنها ليست بصلاة، فلا يفسدها كلام الناس؛ لكنه يكره لأنها شرعت منظومة كالأذان والكلام يقطع النظم إلا إذا كان الكلام أمراً بالمعروف فلا يكره. (بدائع الصنائع، كتاب الصلاة، محظورات الخطبة، مكتبه زكريا ديوبند ٥٩٥/١)

ولا ينبغي للخطيب أن يتكلم في خطبته بما هو من كلام الناس؛ لأن الخطبة كلمات منظومة شرعت قبل الصلاة، فأشبهت الأذان ولا ينبغي للمؤذن أن يتكلم في أذانه بما يشبه كلام الناس، ولا بأس بأن يتكلم بما يشبه الأمر بالمعروف، فقد صح أن رسول الله صلى الله عليه وسلم كان يخطب فدخل سليك الغطفاني وجلس، فقال النبي صلى الله عليه وسلم: أركعت ركعتين؟ قال سليك: لا، فقال النبي صلى الله عليه وسلم: قم واركع ركعتين، ثم اجلس، وعن عمر<sup>رضي</sup> أنه كان يخطب يوم الجمعة، فدخل عثمان<sup>رضي</sup>، فقال عمر<sup>رضي</sup>: أية ساعة المجيئ هذه؟ فقال عثمان<sup>رضي</sup>: ما زدت حين سمعت النداء على أن توضأت، فقال عمر<sup>رضي</sup>: والوضوء أيضاً، وكان رسول الله صلى الله عليه وسلم يأمر بالاغتسال يوم الجمعة - ولأن ما يشبه الأمر بالمعروف خطبة من حيث المعنى وإن لم يكن خطبة من حيث النظم، لأن الخطبة في الحقيقة وعظ وأمر بالمعروف. (المحيط البرهاني، كتاب الصلاة، الفصل الخامس والعشرون صلاة الجمعة، شرائط الجمعة، المجلس العلمي ٤٥٩/٢، رقم: ٢١٨٨)

الفتاوى التاتارخانية، كتاب الصلاة، الفصل الخامس والعشرون: شرائط الجمعة، مكتبه زكريا ديوبند ٥٧٣/٢، رقم: ٣٣٢٩.

أخرج حديث سليك الغطفاني. (مسلم في صحيحه، النسخة الهندية ٢٨٧/١، بيت الأفكار رقم: ٨٧٥ -

وأبوداؤد شريف، النسخة الهندية ١٥٩/١، دار السلام رقم: ١١١٥ -

وابن ماجه، النسخة الهندية ص: ٧٨، دار السلام رقم: ١١١٤ -

شبير احمد قاسمي عفا الله عنه



## ۱۸ / فصل في الاستسقاء

### نماز استسقاء میں تحویل رداء کب کی جائے؟

**سوال (۶۳۹):** قدیم ۱۱/۷- نماز استسقاء میں قلب رداء کا وقت کون ہے دعاء کے قبل یا بعد؟  
**الجواب:** یاد پڑتا ہے کہ بالکل اخیر میں ہے (\*) یعنی بعد دعاء کے۔  
 إشارة إلى التناول لقبول الدعاء. (۱)

۱۲ شوال ۱۳۳۹ھ (تمتہ خامسہ ص ۹۶)

(\*) شامی میں حضرت امام محمد سے قلب رداء کا مکمل خطبہ کا شروع حصہ گزر جانے کے بعد نقل کیا ہے۔  
 خلافاً لمحمد فإنه يقول: يقلب الإمام رداءه إذا مضى صدر من خطبته. (شامی ۷۹۱/۱، کتاب الصلاة، باب الاستسقاء، مكتبة زكريا ديوبند ۷۱/۳، کراچی ۱۸۴/۲)  
 وفي العالمگیریة: فإذا مضى صدر من خطبته قلب رداءه. (هندية، كتاب الصلاة، الباب التاسع عشر في الاستسقاء قدیم زکریا ۱۵۴/۱، جدید زکریا ۲۱۴/۱)  
 اور خطبہ دعاء سے پہلے ہوتا ہے ۱۲ سعید احمد پالن پوری

(۱) عن عبد الله بن زيد الأنصاري، أن رسول الله صلى الله عليه وسلم خرج إلى المصلى يصلي، وأنه لما دعا أو أراد أن يدعو استقبال القبلة وحول رداءه. (بخاري شريف، كتاب الاستسقاء، باب استقبال القبلة في الاستسقاء، النسخة الهندية ۱۴۰/۱، رقم: ۱۰۱۸، ف: ۱۰۲۸)

عن عباد بن تميم المازني أنه سمع عمه، وكان من أصحاب رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول: خرج رسول الله صلى الله عليه وسلم يوماً يستسقى، فجعل إلى الناس ظهره، يدعو الله واستقبل القبلة وحول رداءه ثم صلى ركعتين. وعن عبد الله بن زيد الأنصاري أن رسول الله صلى الله عليه وسلم خرج إلى المصلى يستسقى، وأنه لما أراد أن يدعو استقبال القبلة وحول رداءه. (مسلم شريف، كتاب صلاة الاستسقاء، النسخة الهندية ۲۹۳/۱، بيت الأفكار رقم: ۸۹۴)

← أخرج أبو داؤد عن عبد الله بن زيد المازني<sup>رض</sup>، يقول: خرج رسول الله صلى الله عليه وسلم إلى المصلي فاستسقى، وحول رداءه حين استقبل القبلة. (أبو داؤد شريف، صلاة الاستسقاء، باب في أي وقت يحول رداءه إذا استسقى، النسخة الهندية ١/١٦٤، دار السلام رقم: ١١٦٧)

عن أبي هريرة<sup>رض</sup> قال: خرج رسول الله صلى الله عليه وسلم يومًا يستسقي، فصلى بنا ركعتين بلا أذان ولا إقامة، ثم خطبنا ودعا الله، ثم حول وجهه نحو القبلة رافعًا يديه، ثم قلب رداءه فجعل الأيمن على الأيسر واليسر على الأيمن. (ابن ماجه شريف، كتاب الصلاة، باب ما جاء في صلاة الاستسقاء، النسخة الهندية ص: ٩٠، دار السلام رقم: ١٢٦٨)

وفي التحفة: وإذا فرغ الإمام من الخطبة يجعل ظهره إلى الناس ووجهه إلى القبلة ويقلب رداءه. (الفتاوى التاتارخانية، كتاب الصلاة، الفصل الثلاثون، صلاة الاستسقاء، مكتبة زكريا ديوبند ٦٦٢/٢، رقم: ٣٥٣٠)

شبير احمد قاسمي عفا الله عنه





## ۱۹/ باب مسائل منثورة

### متعلقة بكتاب الصلوة

#### عمد نماز چھوڑنے والے کا حکم

**سوال (۶۴۰):** قدیم ۱/۸۴- کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس شخص کے حق میں جو بلا عذر شرعی فرض نماز کو ترک کرے شرعاً (۱) اس کا کیا حکم ہے اور (۲) اس کے ساتھ اختلاط اور ساتھ کھانا پینا اور بولنا کیسا ہے؟ اور (۳) اگر زوجین میں ایک ایسا ہو تو نکاح باقی رہے گا یا نہیں اور صحبت حلال ہوگی یا حرام اور اولاد کیسی ہوگی اور (۴) اگر بعد مرنے اس شخص کے زجر اس کے جنازہ کی نماز نہ پڑھیں تو کیسا ہے؟ (۵) اگر نصیحت نماز سے برامانے یا کوئی کلمہ استخفاف و انکار کا کہے تو کیا حکم ہے؟ بینوا تو جروا فقط

**الجواب:** تارک الصلوة عمدہ کے باب میں علماء کے دو اقوال مختلف ہیں صحابہ میں سے

- (۱) حضرت عمر رضی اللہ عنہ و (۲) حضرت عبداللہ بن مسعود و (۳) حضرت عبداللہ بن عباسؓ
- (۴) حضرت معاذ بن جبلؓ (۵) حضرت جابر بن عبداللہؓ (۶) حضرت ابوالدرداءؓ (۷) حضرت ابو ہریرہؓ
- (۸) حضرت عبدالرحمن بن عوفؓ اور غیر صحابہ میں سے (۱) امام احمد بن حنبل (۲) اسحاق بن راہویہؒ (۳) نخعی (۴) ایوب السختیانی (۵) ابوداؤد الطیالسیؒ (۶) ابوبکر بن ابی شیبہؒ کا قول ہے کہ وہ شخص کافر ہو جاتا ہے۔
- (۱) حماد بن زیدؒ (۲) مکحول و (۳) امام شافعی (۴) امام مالکؒ کے نزدیک کافر تو نہیں ہوتا مگر قتل کیا جاوے اور امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک کفر اور قتل کا حکم نہیں کیا جاتا مگر (۱) قید شدید میں رکھنا چاہیے اور خوب سزا دینا چاہیے اور اس قدر ماریں کہ بدن سے خون بہنے لگے یہاں تک کہ توبہ کرے یا اسی حالت میں مر جاوے (تفسیر مظہری (۱) نفع المفتی و درمختار)

(۱) وأما تارک الصلاة عمدًا، فقال: أحمدٌ يكفر، وقال مالكٌ والشافعي، ←

(۲) اس سے اختلاط و خوردنوش و گفتگو ترک کر دینا چاہیئے کہ اس وقت بجائے جس اس قدر ممکن ہے اور جس کی غرض بھی یہی ہے کہ تنگ ہو کر توبہ کرے (حدیث کعب بن مالک کی اس باب میں دلیل ہے) (۱) اور ابن مسعودؓ سے روایت ہے کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جب بنی اسرائیل معاصی میں واقع ہوئے عالموں نے منع کیا وہ باز نہ آئے پس ان کے پاس بیٹھنے لگے اور ان کے ساتھ کھانے پینے لگے

← وهو رواية عن أحمد أنه لا يكفر؛ لكن يستتاب فإن تاب وإلا قتل، وقال أبو حنيفة: لا يقتل لكن يحبس أبداً حتى يموت أو يتوب الخ. (تفسير مظہری، سورة البقرة: ۲۳۸) و تار کھا عمدًا مجاناً أي تكاسلاً فاسق يحبس حتى يصلي لأنه يحبس لحق العبد فحق الحق أحق، قيل يضرب حتى يسيل منه الدم قائله الإمام المحبوبي ح، عن المنح: و ظاهر الحلية أنه المذهب فإنه قال: وقال أصحابنا في جماعة منهم الزاهدي لا يقتل؛ بل يعذر ويحبس حتى يموت أو يتوب. وعند الشافعي يقتل بصلاة واحدة حدًا و قيل كفراً و كذا عند مالك، وأحمد. وفي رواية عن أحمد وهي المختارة عند جمهور أصحابه أنه يقتل كفراً وبسط ذلك في الحلية. (الدر المختار مع الشامي، كتاب الصلاة، مكتبة زكريا ديوبند ۶-۵/۲، كراچی ۱/۳۵۲-۳۵۳)

و أما الحالة الثانية: فقد اختلف الفقهاء فيها وهي ترك الصلاة تهاوناً وكسلاً لاجهوداً، فذهب المالكية والشافعية إلى أنه يقتل حدًا أي أن حكمه بعد الموت حكم المسلم فيغسل، ويصلى عليه ويدفن مع المسلمين..... وذهب الحنفية إلى أن تارك الصلاة تكاسلاً عمدًا فاسق لا يقتل بل يعزر ويحبس حتى يموت أو يتوب، وذهب الحنابلة: إلى أن تارك الصلاة تكاسلاً يدعى إلى فعلها ويقال له: إن صليت وإلا قتلناك، فإن صلى وإلا وجب قتله. (الموسوعة الفقهية الكويتية ۲۷/۵۳-۵۴)

(۱) حدیث کعب بن مالک أخرجه البخاري في صحيحه بطوله - وفيه - ونهى رسول الله صلى الله عليه وسلم المسلمين عن كلامنا أيها الثلاثة من بين من تخلف عنه فاجتنبنا الناس وتغيروا لنا، حتى تنكرت في نفسي الأرض فما هي التي أعرف، فلبثنا على ذلك خمسين ليلة الحديث. (بخاري شريف، كتاب المغازي، باب حديث كعب بن مالك، النسخة الهندية ۲/۶۳۴، رقم: ۲۴۰، ف: ۴۱۸) شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

پس ان کے دلوں کا ان کے دلوں پر اثر پڑ گیا پس لعنت کی ان پر اور پر بان داؤد اور عیسیٰ بن مریم کے یہ اس وجہ سے ہوا کہ انہوں نے نافرمانی کی اور حد سے تجاوز کرتے تھے۔ راوی کہتے ہیں کہ آپ تکیہ لگائے بیٹھے تھے اُٹھ بیٹھے فرمایا کبھی تم کو نجات نہ ہوگی جب تک اہل معاصی کو مجبور نہ کرو گے (رواہ الترمذی وابوداؤد) (۱) اور جن علماء نے اس شخص کو کافر کہا ہے ان کے نزدیک نکاح باقی نہ رہے گا اور صحبت حرام ہوگی اور اولاد و ولد حرام ہوگی معاذ اللہ منہ اور زجر کے لئے اگر اہل علم و فضل (\*) اس کے جنازہ کی نماز نہ پڑھیں تو جائز ہے جیسا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مدیون و قاتل نفس پر نماز نہ پڑھی تھی (۲)

(\*) مگر اور کسی شخص سے نماز پڑھو ادیس ۱۲ سعید احمد پالن پوری

(۱) عن عبد الله بن مسعود قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم إن أول ما دخل النقص على بني إسرائيل كان الرجل يلقي الرجل، فيقول: يا هذا! اتق الله ودع ما تصنع فإنه لا يحل لك، ثم يلقاه من الغد فلا يمنعه ذلك أن يكون أكيله وشريبه وقعيده، فلما فعلوا ذلك ضرب الله قلوب بعضهم ببعض، ثم قال: لعن الذين كفروا من بني إسرائيل على لسان داود، وعيسى ابن مريم، ثم قال: كلا والله! لتأمرن بالمعروف ولتنهون عن المنكر ولتأخذن على يدي الظالم ولتأطرنه على الحق أطرا، ولتقصرنه على الحق قصرا. (أبوداؤد شريف، كتاب الملاحم، باب الأمر والنهي، النسخة الهندية ۲/ ۵۹۶، دار السلام رقم: ۴۳۳۶)

ترمذی شریف، کتاب التفسیر، ومن سورة المائدة، النسخة الهندية ۲/ ۱۳۵، دار السلام رقم: ۳۰۴۷۔ شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

(۲) عن جابر بن سمرة أن رجلا قتل نفسه، فلم يصل عليه النبي صلى الله عليه وسلم. (ترمذی شریف، تاب الجنائز، باب ماجاء فيمن يقتل نفسه لم يصل عليه، النسخة الهندية ۲۰۵/۱، دار السلام رقم: ۱۰۶۸)

عن عثمان بن عبد الله بن موهب قال: سمعت عبد الله بن أبي قتادة يحدث عن أبيه أن النبي صلى الله عليه وسلم أتى برجل ليصلي عليه، فقال النبي صلى الله عليه وسلم: صلوا على صاحبكم فإن عليه دينًا. (ترمذی شریف، کتاب الجنائز، باب ماجاء في المديون، النسخة الهندية ۲۰۵/۱، دار السلام رقم: ۱۰۶۹)

اور جیسا فقہاء حنفیہ نے قاطع طریق و مکابرو باغی و قاتل اُحد ابویں پر نماز پڑھنے سے بغرض ان کی اہانت کے منع کیا ہے۔ درمختار (۱)

اور امام مالکؒ سے منقول ہے کہ اہل فضل فساق پر (جیسے بے نماز) نماز نہ پڑھیں تاکہ اُن کو عبرت ہو۔ نووی شرح مسلم شریف (۲)

اور اگر نماز سے تنفر یا اعراض ظاہر کیا یا تحقیر و استہزاء سے پیش آیا کافر ہو جائے گا کیونکہ اہانت حکم شرعی کی کفر ہے۔ (۳) واللہ اعلم و علمہ اتم و احکم

کتبہ اشرف علی عفی عنہ ہوا لعلم النجیر۔

صد آفریں مجیب مصیب کو کہ امر حق نوک زیر قلم فرمایا:

جزاه اللہ سبحانہ خیر الجزاء حررہ العبد الخامل محمد عادل عاملہ اللہ تعالیٰ بفعلة الشامل واصلح حاله ملطفه الكامل في العاجل والآجل.

محمد عادل حاکم محکمہ شرعیہ

(۱) وہی فرض علی کل مسلم مات، خلا أربعة: بغاة وقطاع طریق فلا يغسلوا ولا يصلي عليهم إذا قتلوا في الحرب، وكذا مكابر في مصر ليلا بسلاح وخناق..... ولا يصلي على قاتل أحد أبويه إهانة له وألحقه في النهر بالبغيعة. (الدر المختار مع الشامی، کتاب الصلاة، باب صلاة الجنابة، مكتبة زكريا ديوبند ۱۰۷/۳ تا ۱۰۹، کراچی ۲/۲۱۰-۲۱۲)

(۲) وعن مالک وغيره أن الإمام يجتنب الصلاة على مقتول في حد وأن أهل الفضل لا يصلون على الفساق زجراً لهم. (شرح النووي على المسلم، النسخة الهندية ۱/۳۱۴)

(۳) اتفق الفقهاء على كفر من استخف بالأحكام الشرعية من حيث كونها أحكاماً شرعية مثل الاستخفاف بالصلاة أو الزكاة أو الحج أو الصيام أو الاستخفاف بحدود الله كحد السرقة والزنى. (الموسوعة الفقهية الكويتية ۳/۲۵۰)

شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

**صح الجواب:** حررہ سید محمد احسان الحق عفی عنہ۔ سید محمد احسان الحق

ہوا مصیب واقعی نماز کا ترک کرنے والا بحیثیت ترک صلوٰۃ ایسی ہی زجر و توبیخ کا مستحق ہے جو موجب مصیب نے تحریر فرمایا ہے۔ کتبہ العبد الضعیف محمد علی عفی عنہ۔ محمد علی عفا اللہ

ذلک الجواب لاریب فیہ حررہ العبد الراجی غفران اللہ القوی محمد عبد الغفار اللکھنوی عفی عنہ۔

الجواب صحیح: واللجب شیخ احمد حسن عفی عنہ  
مدرس مدرسہ دارالعلوم کانپور۔ (امداد ص ۲۷ ج ۱)

**تارک جماعت کا حکم**

**سوال (۶۴۱):** قدیم ۱/۸۶- کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص آزاد و خود مختار نہ کسی کا تابع ہے بلکہ متبوع ہے دس بارہ برس سے اس ملک جنوبی افریقہ میں پیری مریڈی اور تالیف و تصنیف کا شغل رکھتا ہے اور اکثر ایک ہی جگہ پر برس ڈیڑھ برس سے زائد قیام رکھتا ہے سال دو سال کے بعد اپنے مریدوں میں ایک دو ماہ کے لئے دورہ کرتا ہے پھر وہیں اپنی جگہ پر آ کر وہی تالیفات کے کام میں مشغول رہتا ہے یہ شخص اپنے محلہ کی مسجد میں نہ نماز پنج گانہ کے لئے آتا ہے نہ جمعہ و تراویح بلکہ عیدین میں بھی نہیں آتا گھر پر ہی نماز پنج گانہ پڑھ لیا کرتا ہے اور جمعہ کے بجائے ظہر اپنے گھر پڑھ لیتا ہے ان سے جب دریافت کیا جاتا ہے کہ آپ نماز جماعت اور جمعہ مسجد میں کیوں نہیں آتے جواب یہ دیتے ہیں کہ میں تو مسافر ہوں مجھ پر مسجد میں جا کر جماعت سے نماز ادا کرنا لازم نہیں ہے میں تو بوجہ مسافر ہونے کے قصر ادا کر لیا کرتا ہوں لہذا کیا یہ جواب اس شخص کا موافق کتاب و سنت کے ہے یا برخلاف؟ بینوا تو جروا۔

**الجواب:** فی الدر المختار: اعذار ترک الجماعة: وأرادة سفر. وفي رد المحتار: أي وأقيمت الصلوة ويخشى أن تفوته القافلة. وأما السفر نفسه فليس بعذر كما في القنية ص ۵۸۱ ج ۱. (۱)

اس روایت سے معلوم ہوا کہ مسافر ہونا ترک جماعت کے لئے عذر نہیں۔ (۱)  
 البتہ جمعہ وعیدین مسافر پر واجب نہیں؛ لیکن منجملہ احکام شرعیہ کے ایک حکم یہ بھی ہے۔  
 اتقوا مواضع التهم۔ (۲)

چنانچہ حدیث میں حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کا قصہ وارد ہے کہ وہ حضور اقدس ﷺ کے اعتکاف کی حالت میں مسجد میں آپ کی زیارت کے لئے تشریف لائی تھیں سامنے سے دو شخص گزرنے لگے آپ نے ان کو پردہ کیوجہ سے اول روک دیا اس کے بعد فرمایا کہ یہ میری بی بی صفیہ تھیں۔ (۳)

← وتسقط الجماعة بعذر البرد الشديد والظلمة الشديدة (إلى قوله) أو يريد سفرًا وأقيمت الصلاة، فيخشي أن تفوته القافلة. (البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب الإمامة، مكتبة زكريا ديوبند ۱/ ۶۰۶، كوئٹہ ۱/ ۳۴۶)

ہندیہ، کتاب الصلاة، الباب الخامس في الإمامة، الفصل الأول في الجماعة، قديم زكريا ۸۳/، جديد زكريا ۱/ ۱۴۰.

(۱) وشرط وجوبها ستة: الإقامة بمصر فلا تجب على المسافر وإن عزم أن يمكث فيه يوم الجمعة. (مجمع الأنهر، كتاب الصلاة، باب لجمعة، دار الكتب العلمية بيروت ۱/ ۲۵۰)  
 وشرائط العيد كشرائط الجمعة وجوبًا وأداء، تمييز أي كشرائط وجوب الجمعة، ووجوب أدائها من نحو الإقامة والمصر الخ. (مجمع الأنهر، كتاب الصلاة، باب صلاة العيدين، دار الكتب العلمية بيروت ۱/ ۲۵۵)

النهر الفائق، كتاب الصلاة، باب صلاة الجمعة، مكتبة زكريا ۱/ ۳۶۱، باب صلاة العيدين ۱/ ۳۶۶.

(۲) کتاب دستیاب نہ ہو سکی۔

(۳) عن علي بن الحسن رضي الله عنهما أن صفية زوج النبي صلى الله عليه وسلم أخبرته: أنها جاءت إلى رسول الله صلى الله عليه وسلم تزوره في اعتكافه في المسجد في العشر الآواخر من رمضان، فتحدثت عنده ساعة، ثم قامت تنقلب، فقام النبي صلى الله عليه وسلم معها يقلبها، حتى إذا بلغت باب المسجد عند باب أم سلمة، مر رجلان من الأنصار فسلما على رسول الله صلى الله عليه وسلم، فقال لهما النبي صلى الله عليه وسلم ←

یعنی کوئی شبہ نہ کرنا اس سے معلوم ہوا کہ مقتدا کو شبہات سے بھی بچنا واجب ہے پس جب اس شخص کی ظاہری حالت مسافرت کی نہیں ہے تو اس شخص کے تخلف عن الجماعة سے لوگوں کو دین کا ضرر ہوتا ہے معتقدین کو جماعت کی سستی کا اور غیر معتقدین کو طعن و غیبت کا لہذا اس شخص کو جمعہ وعیدین میں بھی حاضر ہونا ضروری ہے کیونکہ ایسی حالت قیام مقیمانہ میں اس شخص کی نیت سفر کی تصدیق نہایت مستبعد ہے۔

۳ شوال ۱۳۴۵ ہجری (تمہ خامسہ ص ۵۳۲)

## نابالغ کے طلوع فجر کے بعد منی کا اثر دیکھنے سے اعادہ صلوٰۃ کا حکم

**سوال (۶۴۲):** قدیم ۱/۷۸- کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ بہشتی گوہر مطبوعہ امداد المطالع ص ۶۱ پر یہ مسئلہ چھپا ہوا ہے کہ اگر کوئی لڑکا عشاء کی نماز پڑھ کر سوئے اور بعد طلوع فجر کے بیدار ہو کر منی کا اثر دیکھے جس سے معلوم ہو کہ اس کو احتلام ہو گیا ہے تو اس کو چاہیے کہ عشاء کی نماز کا پھر اعادہ کرے (۱)۔ (فتاویٰ قاضی خان)

← ”علیٰ رسلکما إنما ہی صفیۃ بنت حبیب“ فقالا: سبحان اللہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، وکبر علیہما، فقال النبی صلی اللہ علیہ وسلم: إن الشیطان یبلغ من الإنسان مبلغ الدم وإنی خشیت أن یقذف فی قلوبکما شیئاً. (بخاری شریف، کتاب الاعتکاف، باب هل یرج المعتکف لحوادثه إلی باب المسجد، النسخة الهندیة ۱/۲۷۲، رقم: ۱۹۸۹، ف: ۲۰۳۵) مسلم شریف، کتاب السلام، باب بیان أنه یرتجب لمن رئی خالیاً بأمرأة وکانت زوجته أو محرماً له أن یقول: هذه فلانة لیدفع ظن السوء به، النسخة الهندیة ۲/۲۱۶، بیت الأفكار رقم: ۲۱۷۵. شیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

(۱) غلام احتلام بعد ما صلی العشاء ولم یرتقیظ حتی طلع الفجر اختلفوا فیہ، قال بعضهم: لیس علیہ قضاء العشاء، وقال بعضهم: علیہ إعادة العشاء وهو المختار، وإن استیقظ قبل طلوع الفجر علیہ قضاء العشاء اجماعاً وهذه واقعة محمد سألها أبا حنیفة فأجابہ بما ذکرنا فأعاد العشاء. (خانیة علی الهندیة، فصل فی الترتیب وقضاء المتروکات، قبیل فصل فی الاستخلاف، قدیم زکریا ۱/۱۱۴-۱۱۵، جدید زکریا ۱/۷۲)

دریافت طلب یہ امر ہے کہ اس جگہ لڑکے سے مراد نابالغ لڑکا ہے یا بالغ؟

**الجواب:** ہاں نابالغ لڑکا مراد ہے اگر یہ قید الفاظ میں بھی ہوتی تو بہتر ہوتا غالباً محاورہ و مقام کے قرینہ سے ضرورت نہ سمجھی یہ تو سوال کا جواب ہوا اب تبرعاً خود مسئلہ کی بھی ضروری تفصیل لکھتا ہوں۔ بحر الرائق میں خلاصہ سے نقل کیا ہے کہ اگر طلوع صبح کے قبل ایسا واقعہ ہوا تب تو بالاتفاق عشاء کی قضا واجب ہے اور اگر بعد طلوع صبح صادق ایسا ہوا تو ایک روایت یہ ہے کہ اس پر قضاء عشاء واجب نہیں۔

لأن الحادث يضاف إلى أقرب الأوقات. اور ایک روایت یہ ہے کہ یہ بھی عشاء کی قضا کرے اور اس کو مختار کہا ہے (۲)۔ (لعل مبناه الاحتياط) ص ۹۰ واللہ اعلم۔

کتبہ اشرف علیؒ

۷/ محرم الحرام ۱۳۳۹ھ (ترجیح الرائج خامس ص ۱۱۱)

(۲) وفي الخلاصة: غلام احتلم بعد ما صلى العشاء ولم يستيقظ حتى طلع الفجر ليس عليه قضاء العشاء، والمختار أن عليه قضاء العشاء، وإذا استيقظ قبل الطلوع عليه قضاء العشاء بالإجماع، وهي واقعة محمد بن الحسن سألها أبا حنيفة فأجابته بما ذكرنا فأعاد العشاء. (البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب قضاء الفوائت، قبيل باب سجود السهو، مكتبة زكريا ديوبند ۱۵۹/۲ - ۱۶۰، كوئٹہ ۹۰/۲)

غلام احتلم بعد ما صلى العشاء ولم يستيقظ حتى طلع الفجر، قال بعضهم: ليس عليه قضاء العشاء، والمختار أن عليه قضاء العشاء، وإن استيقظ قبل طلوع الفجر عليه قضاء العشاء بالإجماع، وهي واقعة محمد بن الحسن سألها أبا حنيفة فأجابته بما ذكرنا وأعاد العشاء وعبارة شرح الطحاوي: نام صبي فاحتلم بالليل إن انتبه قبل طلوع الفجر أو مع طلوع الفجر يلزمه قضاء العشاء، ولو انتبه بعد طلوع الفجر اختلف المشايخ فيه. (خلاصة الفتاوى، كتاب الصلاة، الفصل التاسع عشر في قضاء الفوائت، مكتبة اشرفية ديوبند ۱۹۲/۱)

شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ



## جامع مسجد دہلی میں جواز نماز پر شبہ اور اس کا جواب

**سوال (۶۴۳):** قدیم ۱/۷۸- سنا ہے دہلی کی جامع مسجد میں تمام پتھر وغیرہ راجاؤں کے شاہی نذرانہ کا مال لگایا گیا ہے؛ لہذا دہلی جامع مسجد میں نماز پڑھنی درست ہے یا نہیں؟

**الجواب:** اگر وہ لوگ حربی تھے تب تو یہ لینا جائز ہی تھا اور ایسے ہی مواقع اس کے مصارف ہیں۔

فی رد المحتار: باب المغنم وما أخذ منهم بلا حرب ولا قهر كا لهدية والصلح فهو لا غنیمة ولا فنی و حکمہ حکم الفنی لا یخمس ویو ضعیف فی بیت المال. (۱)  
اور اگر وہ ذمی تھے تو یہ ہدیہ جائز نہیں ہو سکتا لیکن خود اسی کا کیا ثبوت ہے کہ ایسا ہوا تھا شہرت عوام کا اعتبار نہیں اور اس وقت کے علماء سے نکیر کا منقول نہ ہونا موید ہے اس روایت کے غلط ہونے کو اس لئے ہر حال میں جامع مسجد دہلی میں نماز درست ہے۔

کیم جمادی الاولیٰ ۱۳۲۲ھ (امداد ص ۵۱ ج ۱)

## فجر وعصر میں امام کا دائیں بائیں مڑنا

**سوال (۶۴۴):** قدیم ۱/۷۸- قال كان رسول الله صلى الله عليه وسلم

يؤمنا فينصرف على 'جانبه جميعا على يمينه وعلى شماله كذا في الترمذی ص: ۷۰

مطبوعه أصح المطابع صغيری. (۲)

شرح منیہ میں انصراف نماز عصر و فجر میں قرار دیا ہے اس تخصیص کی کیا دلیل ہے۔

(۱) شامی، کتاب الجہاد، باب المغنم وقسمته، مكتبة زكريا ديوبند ۶/۲۲۴،

کراچی ۴/۱۳۸.

(۲) ترمذی شریف، أبواب الصلاة، باب ماجاء في الإنصراف عن يمين وعن يساره،

النسخة الهندية ۱/۶۶، دار السلام رقم: ۳۰۱.

شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

**الجواب:** في رد المحتار: عن البدائع أن المقصود من الانحراف هو زوال

الإشتهاء أي اشتباه أنه في الصلوة ج اص ۷۵۴. (۱)

قلت ويؤيده ما رواه مسلم عن الصائب أن رسول الله صلى الله عليه وسلم امر أن

لا نوصل بصلوة حتى نتكلم أو نخرج مشكوة باب السنن (۲)

وما رواه أبو داود عن أبي رزمة في حديث طويل أنه قام الرجل الذي أدرك معه

أي مع رسول الله صلى الله عليه وسلم التكبير الأولى من الصلوة يشفع فوثب عمر

فأخذ بمنكبيه فهزه ثم قال اجلس فإنه لم يهلك أهل الكتاب إلا أنه لم يكن بين

صلواتهم فصل فرفع النبي صلى الله عليه وسلم بصره، فقال أصاب الله بك يا ابن

الخطاب مشكوة باب الذكر بعد الصلوة. (۳)

اس روایت سے حکمت انحراف کی معلوم ہوئی کہ زوال اشتباه ہے اور جن نمازوں کے بعد تطوع

م شروع ہے وہاں زوال اشتباه تبدیل مکان کر کے تطوع شروع کرنے سے ہو سکتا ہے اور جس نماز کے بعد

تطوع نہیں جیسے فجر اور عصر وہاں ازالہ اشتباه انحراف سے سہل ہے اس لئے ان دو نمازوں کی تخصیص کی گئی

لیکن تخصیص بایں معنی نہیں کہ ان میں مؤکد ہو اوروں میں مشروع نہ ہو۔

(۱) شامی، کتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، مكتبة زكريا ديوبند ۲/۲۴۸،

کراچی ۱/۵۳۱۔

بدائع الصنائع، کتاب الصلاة، فصل في بيان ما يستحب للإمام أن يفعل عقيب الفراغ

من الصلاة، مكتبة زكريا ديوبند ۱/۳۹۳-۳۹۴۔

(۲) مشكوة شريف، کتاب الصلاة، باب السنن وقضاءها، مكتبة اشرفية ديوبند ۱/۱۰۵۔

مسلم شريف، کتاب الجمعة، قبيل كتاب صلاة العيدين، النسخة الهندية ۱/۲۸۸،

بيت الأفكار رقم: ۸۸۳۔

(۳) مشكوة شريف، کتاب الصلاة، باب الذكر بعد الصلاة، مكتبة اشرفية ديوبند ۱/۸۹۔

أبو داود شريف، کتاب الصلاة، باب في الرجل يتطوع في مكانه الذي يصلي فيه المكتوبة،

النسخة الهندية ۱/۱۴۴، دار السلام رقم: ۱۰۰۷۔

في رد المحتار: عن المنية إن كان في صلوة لا تطوع بعدها فإن شاء انحرف عن يمينه أو يساره أو ذهب إلى حوائجه أو استقبل الناس بوجهه وإن كان بعد ها تطوع وقام يصليه يتقدم أو يتأخر أو ينحرف يمينا أو شمالا أو يذهب إلى بيته فيتطوع ثمه الخ ج ۱ ص ۵۵۴ (۱)

۱۵ ربیع الاول ۱۳۲۵ھ (امداد ص ۸۷ ج ۱)

## نماز فجر وعصر کے بعد دودعائیں

**سوال (۶۳۵):** قدیم ۱/۸۹- ایک صورت تو یہ کہ فجر اور عصر کی نمازوں سے فارغ ہوتے ہی سلام پھیرنے کے معاً قبلہ رو بیٹھے بیٹھے امام اور مقتدی دونوں ہاتھ اٹھا کر مختصر سی مثلاً اللہم أنت السلام الخ دعاء کر کے ہاتھوں کو منھ پر پھیر کر امام بائیں یا دائیں طرف مڑ کر بیٹھے۔ اور پھر امام اور مقتدی تسبیح فاطمہ وغیرہ پڑھ کر پھر دونوں امام و مقتدی ہاتھوں کو اٹھا کر طول طویل دعاء کر کے مسجد سے رخصت ہوں جیسا کہ تمام

(۱) شامی، کتاب الصلاة، باب في الرجل يتطوع في مكانه الذي صلى فيه المكتوبة،

النسخة الهندية ۱/۱۴۴، دار السلام رقم: ۱۰۰۷

حلبی کبیری، کتاب الصلاة، صفة الصلاة، مكتبة اشرفية دیوبند ص: ۳۴۰

ولم يذكر المصنف ما يفعله بعد السلام وقد قالوا: إن كان إماماً وكانت الصلاة يتنفل بعدها فإنه يقوم ويتحول عن مكانه إما يمنة أو يسرة وخلفه، والجلوس مستقبلاً بدعة، وإن كان لا يتنفل بعدها يقعد مكانه وإن شاء انحرف يميناً أو شمالاً، وإن شاء استقبلهم بوجهه إلا أن يكون بحذاء مصل، سواء كان في الصف الأول أو الأخير، والاستقبال إلى المصلي مكروه هذا ما صححه في البدائع، واختار في الخانية والمحيط استحباب أن ينحرف عن يمين القبلة وأن يصلي فيها، ويمين القبلة ما بحذاء يسار المستقبل، ويشهد له ما في صحيح مسلم من حديث البراء كنا إذا صلينا خلف النبي صلى الله عليه وسلم أحببنا أن نكون عن يمينه يقبل علينا بوجهه. (البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، مكتبة زكريا

دیوبند ۱/۵۸۵، کوئٹہ ۱/۳۳۵) شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

ملکِ گجرات میں مروج ہے دوسری صورت یہ کہ مذکورہ نمازوں سے فارغ ہو کر سلام پھیرنے کے ساتھ ہی بغیر دعاء مانگے ہوئے امام صاحب دائیں یا بائیں مڑ کر تسبیح و تہلیل کر کے طویل دعاء ہاتھوں کو اٹھا کر امام و مقتدی مانگیں۔ جیسا کہ تمام ہندوستان دہلی، سہارنپور، دیوبند، امر وہہ، مراد آباد، کانپور، لکھنؤ، الہ آباد، پٹنہ، بہار، لاہور، پانی پت، وغیرہ میں دستور ہے۔

اب عرض یہ ہے کہ دونوں صورتوں میں کونسا طریقہ موافق سنت کے ہے۔ پہلی صورت میں اول و آخر دعائیں ہیں، اور یہ دودعائیں ہوں گی۔ اور ان کے بیچ میں تسبیح وغیرہ۔

دوسری صورت میں اول تسبیح وغیرہ پھر دعا اس میں ایک ہی دفعہ دعاء ہوئی مینو او عند اللہ تو جروا؟  
**الجواب:** کوئی خاص ہیئت خصوص اس کا التزام تو منقول نہیں۔ لیکن خصوصیت مقصود ہی نہیں۔ اصل فرق کہ وہی مقصود بھی ہے۔ دعاء کا تو حد و تعدد ہے۔ سو کسی نماز کے بعد تعدد ثابت نہیں اور مطلق دعاء ثابت ہے کہ ادنیٰ اس کا توحد ہے (۱)

(۱) عن أبي أمامة قال: قيل يا رسول الله! أي الدعاء أسمع؟ قال: جوف الليل الآخر ودبر الصلوات المكتوبات. (ترمذي شريف، أبواب الدعوات، باب بلا ترجمة، النسخة الهندية ۱۸۷/۲، دار السلام رقم: ۳۴۹۹)

السنن الكبرى للنسائي، باب ما يستحب من الدعاء دبر الصلوات المكتوبات، دار الكتب العلمية بيروت ۳۲/۶، رقم: ۹۹۳۶

عن فضالة بن عبيد قال: بينما رسول الله صلى الله عليه وسلم قاعد إذ دخل رجل فصلى، فقال: اللهم اغفر لي وارحمني فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم: عجلت أيها المصلي، إذا صليت فقل فحمد الله بما هو أهله وصل على ثم أدعه: قال: ثم صلى رجل آخر بعد ذلك فحمد الله وصلى على النبي صلى الله عليه وسلم، فقال له النبي صلى الله عليه وسلم: أيها المصلي أدع تحب. (ترمذي شريف، أبواب الدعوات، باب بلا ترجمة، النسخة الهندية ۱۸۵/۲، دار السلام رقم: ۳۴۷۶)

عن معاذ بن جبل أن رسول الله صلى الله عليه وسلم أخذ بيده وقال: يا معاذ! والله إنني لأحبك، فقال: أو صيكت يا معاذ! لا تدعن في دبر كل صلاة تقول: ←

اس لئے أقرب إلى السنة دوسری صورت ہے اور پہلی صورت کے ترک پر اگر طعن و ملامت ہو تو وہ بدعت ہے۔ (۲)

۶ جمادی الاول ۱۳۳۹ھ (النور ۷ شعبان ۱۳۴۹ھ)

## قنوت نازلہ میں رفع یدین اور جہر و اخفاء و ارسال کے احکام

**سوال (۶۴۶):** قدیم ۱/۸۹- ایام نازلہ میں دعاء قنوت کا پڑھنا نماز فجر میں بعد الرکوع عند الحفیہ عام فتاویٰ فقہ مثل در مختار فتح القدیر و شامی وغیرہا میں ثابت ہے لیکن ہاتھوں کا اٹھانا بطور دعاء کے ثابت ہے یا نہیں اور حدیث ابی ہریرہؓ کی جس کو حاکم نے صحیح کہا ہے۔

← اللّٰهُمَّ أعني على ذكرك وشكرك وحسن عبادتك. (أبو داؤد شريف، كتاب الصلاة، باب في الاستغفار، النسخة الهندية ۱/۲۱۳، دار السلام رقم: ۱۵۲۲)

عن أنس بن مالك عن النبي صلى الله عليه وسلم أنه قال: ما من عبد بسط كفيه في دبر كل صلاة ثم يقول: اللّٰهُمَّ إلهي، وإله إبراهيم، وإسحاق، ويعقوب، وإله جبريل، وميكائيل، وإسرافيل عليهم الصلاة والسلام، أسئلك أن تستجيب دعوتي فإني مضطر، وتعصمني في ديني فإني مبتلى وتوالي برحمتك فإني مذنب، وتنفي عني الفقر فإني متمسك إلا كان حقاً على الله عز وجل أن لا يرد يدي خائبتين. عمل اليوم والليلة لابن السني، باب ما يقول في دبر صلاة الصبح، مؤسسة علوم القرآن بيروت ص: ۱۲۱، رقم: ۱۳۸)

(۲) من أصر على مندوب وجعله عزماً ولم يعمل بالرخصة فقد أصاب منه الشيطان من الإضلال فكيف من أصر على بدعة أو منكر. (مرقاة المفاتيح، كتاب الصلاة، باب الدعاء في التشهد، مكتبة امدادية ملتان ۲/۳۵۳)

فكم من مباح يصير بالالتزام من غير لزوم والتخصيص من غير مخصص مكروهاً. (مجموعة رسائل اللكهنوي، سباحة الفكر في الجهر بالذكر ۳/۳، بحوالہ فتاویٰ محمودیہ ڈابھیل ۱۱/۲۰۳)

كل مباح يؤدي إلى زعم الجهال سنية أمر أو وجوبه فهو مكروه. (تنقيح الفتاوى الحامدية ۲/۳۶۷) شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

عن أبي هريرة رض كان النبي ﷺ إذا رفع رأسه من الركوع من صلوة الصبح في الركعة

الثانية يرفع يديه فيدعو. (۱)

آیا یہ ہاتھوں کا اٹھانا کانوں تک ہے واسطے تکبیر قنوت کے، یا ہاتھوں کا پھیلا نا واسطے دعا کے اور نیز ہاتھوں کو بعدہ سینہ یا منہ پر پھیرنا چاہئے یا نہیں؟

**الجواب:** حدیث دونوں کو محتمل ہے اور حنفیہ میں سے صرف ابو یوسف کے نزدیک قنوت پڑھنے کی

حالت میں رفع یدین مشروع ہے جمہور اس کے قائل نہیں کمافی رد المحتار۔ (۲)

۲۶ ربیع الثانی ۱۳۲۸ھ (تتمہ اول ص ۳۰)

(۱) زاد المعاد في هدي خير العباد، كتاب الصلاة، فصل في قنوته صلى الله عليه وسلم

في الصلاة، دار الفكر ص: ۱۰۰.

(۲) قوله: (قيل كالداعي) أي عن أبي يوسف أنه يرفعهما إلي صدره وبطونهما إلى

السماء، امداد، والظاهر أنه يقيهما كذلك إلى تمام الدعاء على هذه الرواية. (الدر المختار

مع الشامی، كتاب الصلاة، باب الوتر والنوافل، مكتبة زكريا ديوبند ۴/۲، ۴۴۲، کراچی ۶/۲)

فقلنا بأن الوضع سنة قيام فيه ذكر مسنون طويل فيضع يديه في القنوت النازلة أيضاً

لكونه ذكراً طويلاً، ولا يرفعهما حذاء الوجه..... فما ورد عن النبي صلى الله عليه وسلم أنه

رفع يديه يدعو في القنوت للنازلة، وما ورد عن عمر مثله محمول على الرفع القصير الذي

يكون قبل القنوت وهذا هو الأمر التاسع، وقال الطحاوي: حدثنا ابن أبي عمران حدثنا فرج

مولي أبي يوسف قال: رأيت مولاي أبا يوسف إذا دخل في القنوت للوتر رفع يديه في الدعاء،

قال الطحاوي: قال لنا ابن أبي عمران لم يحدثنا بهذا عن أبي يوسف غير فرج وكان ثقة كذا

في الجوهرة المضيئة، وهذا يفيد الرفع في دعاء القنوت كمثل الرفع في الدعاء خارج

الصلاة، كما يشعره قول ابن أبي عمران لم يحدثنا بهذا عن أبي يوسف غير فرج ولا يخفي

أن رفع اليدين قبل القنوت حيال الأذنين مشهور عن أئمتنا في ظاهر الرواية فالرفع الذي

ذكره فرج غير هذا الرفع وقد تفرد بذكره والمشهور عن أبي يوسف إنما هو وضع اليدين

فيه كقول أبي حنيفة..... قلت وفي هذه الرواية الشاذة عن أبي يوسف يجوز رفع اليدين ←

## طاعون کے زمانہ میں قنوت نازلہ

**سوال (۶۳۷):** قدیم ۹۰/۷۱- طاعون کے زمانہ میں حنفیہ کے نزدیک قنوت ہے باقی جہر سے پڑھے یا آہستہ ہاتھ اٹھاوے یا نہیں قبل رکوع کے یا بعد رکوع کے اولیٰ ہے؟

**الجواب:** جہر و اخفاء میں اختیار ہے (۱) اور رکوع کے بعد ہے۔

← حذاء الوجه في القنوت للنازلة أيضاً عنده لكونه دعاءً وعليه عمل الشافعية. (إعلاء السنن، كتاب الصلاة، باب إخفاء القنوت في الوتر الخ، تنمة في بقية أحكام قنوت على النازلة، دارالكتب العلمية بيروت ۱۲۴/۸)

وعند الإمام يضع يمينه على يساره وعن أبي يوسف يرفعهما كما كان ابن مسعود يرفعهما إلى صدره، وبطونهما إلى السماء وروي فرج مولى أبي يوسف قال: رأيت مولاي أبا يوسف إذا دخل في القنوت للوتر رفع يديه في الدعاء، قال ابن أبي عمران: كان فرج ثقة، قال الكمال: ووجهه عموم دليل الرفع للدعاء ويجاب بأنه مخصوص بما ليس في الصلاة للإجماع على أنه لا رفع في دعاء التشهد. (مراقى الفلاح مع حاشية الطحطاوي، كتاب الصلاة، باب الوتر وأحكامه، مكتبة دار الكتاب ديوبند ص: ۳۷۶) شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

(۱) قلت: وإنما كان الراجح عندنا في قنوت النازلة الجهر بحديث أبي هريرة عند البخاري أن النبي صلى الله عليه وسلم كان إذا أراد أن يدعو على أحد أو يدعو لأحد قلت بعد الركوع الحديث وفيه يجهر بذلك كما ذكرنا في المتن، وقال الحافظ في التلخيص الحبير بعد ذكره ذلك مانصه ويمكن الفرق بين القنوت الذي في النوازل فيستحب الجهر فيه كما ورد وبين الذي هو راتب إن صح فليس في شيء من الأخبار ما يدل على أنه جهر به بل القياس أنه يسريه كباقي الأذكار التي تقال في الأذكار، قلت وأيضاً فإن قنوت النوازل لا يعلمه العوام؛ بل كثير من الخواص أيضاً فالأفضل الجهر به كما هو مقتضى تفصيل البعض من فقهاءنا، وهو تفصيل حسن، وقد ذكر القاضي في شرح مختصر الطحاوي، ←

\*\*\*\*\*  
 على الأرجح كذا في رد المحتار. (١) اوررنغ يدين نيس لعدم الرواية. (٢) (تتمه اولي ص ٣٢)  
 \*\*\*\*\*

← أن الإمام يجهر به قولاً واحداً كما مر فرجحنا من الروايات في المذهب ما وافقت الحديث المرفوع وهي رواية الجهر للإمام؛ ولكن لا مطلقاً بل في قنوت النازلة للعلة التي ذكرناها وهي كون الحديث وارداً فيها. (إعلاء السنن، كتاب الصلاة، قبيل تنمة في بقية أحكام قنوت النازلة، دار الكتب العلمية بيروت ١٤/٦)

(١) وهل القنوت هنا قبل الركوع أو بعده؟ لم أره والذي يظهر لي أن المقتدي يتابع إمامه إلا إذا ظهر فيؤمن وأنه يقنت بعد الركوع لا قبله بدليل أن ما استدل به الشافعي على قنوت الفجر وفيه التصريح بالقنوت بعد الركوع حمله علماءنا على القنوت للنازلة ثم رأيت الشرنبلالي في مراقي الفلاح صرح بأنه بعده، واستظهر الحموي أنه قبله، والأظهر ما قلناه والله أعلم. (شامي، كتاب الصلاة، باب اوتر ووالنوافل، مطلب في القنوت للنازلة، مكتبة زكريا ديوبند ٤٩/٢، كراچی ١١/٢)

وقال الإمام أبو جعفر الطحاوي: إنما لا يقنت عندنا في الفجر من غير بلية فإن وقعت بلية أو فتنة فلا بأس به فعلة رسول الله صلى الله عليه وسلم أي بعد الركوع كما تقدم. (حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، كتاب الصلاة، باب الوتر وأحكامه، مكتبة دار الكتاب ديوبند ص: ٣٧٧)

إعلاء السنن، كتاب الصلاة، تنمة في بقية أحكام قنوت النازلة، دار الكتب العلمية بيروت ١٢٠/٦

قال البيهقي؛ صح أنه عليه السلام قنت قبل الركوع لكن رواة القنوت بعده أكثر وأحفظ فهو أولى وعليه درج الفقهاء الراشدون في أشهر الروايات عنهم وأكثرها. (مرقاة المفاتيح، كتاب الصلاة، باب القنوت، مكتبة امدادية ملتان ١٧٨/٣)

(٢) فقلنا بأن الوضع سنة قيام فيه ذكر مسنون طويل، فيضع يديه في القنوت للنازلة أيضاً لكونه ذكراً طويلاً، ولا يرفعهما حذاء الوجه، فقد روي مسلم عن حصين عن عمارة بن روية رأيت بشر بن مروان على المنبر رافعاً يديه، فقال: قبح الله هاتين اليدين، لقد رأيت رسول الله صلى الله عليه وسلم ما يزيد على أن يقول بيده هكذا وأشار بإصبعه المسبحة، ←



## قنوت نازلہ میں ہاتھ اٹھانے میں تحقیق طلب

**سوال (۶۳۸):** قدیم ۱/۹۰ء۔ میرے موضع کے ایک شخص نے حضور سے چند مسائل دریافت کئے تھے اور حضور نے اُس کا جواب بھی تحریر فرمایا تھا۔ خادم نے جواب دیکھا تھا ایک امر اس میں اور بھی دریافت طلب ہے جو فہم ناقص میں نہیں آیا جو درج ذیل ہے۔

**سوال (۱):** نماز فجر کے قنوت میں ہاتھ اٹھانے چاہیئے یا نہیں؟ حضور کا جواب یہ ہے کہ حدیث میں اٹھانا آیا نہیں۔ (۱)

← فلما أنكر على الرفع في حال الخطبة التي هي مشابهة بالصلاة، فكيف في عين الصلاة؟ فما ورد عن النبي صلى الله عليه وسلم أنه رفع يديه يدعو في القنوت للنازلة، وما ورد عن عمر مثله محمول على الرفع القصير الذي يكون قبل القنوت وهذا هو الأمر التاسع فافهم. (إعلاء السنن، كتاب الصلاة، تنمة في بقية أحكام قنوت النازلة، دار الكتب العلمية بيروت ۱۲۴/۶)

وعند الإمام يضع يمينه على يساره، وعن أبي يوسف يرفعهما كما كان ابن مسعود يرفعهما إلى صدره وبطنهما إلى السماء روي فرج مولى أبي يوسف قال: رأيت مولاي أبا يوسف إذا دخل في القنوت للوتر رفع يديه في الدعاء، قال ابن أبي عمران كان فرج ثقة، قال الكمال: ووجه عموم دليل الرفع للدعاء، ويجاب بأنه مخصوص بما ليس في الصلاة للإجماع على أنه لا رفع في دعاء التشهد. (حاشية الطحطاوي على المراقي، كتاب الصلاة، باب الوتر وأحكامه، مكتبة دار الكتاب ديوبند ص: ۳۷۶) شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

(۱) فقلنا بأن الوضع سنة قيام فيه ذكر مسنون طويل، فيضع يديه في القنوت للنازلة أيضاً لكونه ذكراً طويلاً، ولا يرفعهما حذاء الوجه، فقد روي مسلم عن حصين عن عمار بن ربيعة رأي بشر بن مروان على المنبر رافعاً يديه، فقال: قبح الله هاتين اليدين، لقد رأيت رسول الله صلى الله عليه وسلم ما يزيد على أن يقول بيده هكذا وأشار بإصبعه المسبحة، فلما أنكر على الرفع في حال الخطبة التي هي مشابهة بالصلاة، فكيف في عين الصلاة؟ ←

**سوال (۲):** قبرستان میں ہاتھ اٹھا کر دعا مانگنی جائز ہے یا نہیں۔

**(جواب):** ہاتھ اٹھانا جائز ہے اس لئے کہ حدیث میں مطلق دُعائیں ہاتھ اٹھانا آیا ہے۔ (۱)

← فما ورد عن النبي صلى الله عليه وسلم أنه رفع يديه يدعو في القنوت للنازلة، وما ورد عن عمر مثله محمول على الرفع القصير الذي يكون قبل القنوت. (إعلاء السنن، كتاب الصلاة، تمتة في بقية أحكام قنوت النازلة، دار الكتب العلمية بيروت ۱۲۴/۶)

وعند الإمام يضع يمينه على يساره، وعن أبي يوسف يرفعهما كما كان ابن مسعود يرفعهما إلى صدره وبطنهما إلى السماء روي فرج مولى أبي يوسف قال: رأيت مولاي أبا يوسف إذا دخل في القنوت للوتر رفع يديه في الدعاء، قال ابن أبي عمران كان فرج ثقة، قال الكمال: ووجهه عموم دليل الرفع للدعاء، ويجب بأنه مخصوص بما ليس في الصلاة للإجماع على أنه لا رفع في دعاء التشهد. (حاشية الطحطاوي على المراقي، كتاب الصلاة، باب الوتر وأحكامه، مكتبة دار الكتاب ديوبند ص: ۳۷۶)

(۱) عن سلمان رضي الله تعالى عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم إن ربكم حي كريم يستحيي من عبده إذا رفع يديه إليه أن يردهما صفراً. (أبو داود شريف، كتاب الصلاة، باب الدعاء، النسخة الهندية ۱/۹۰، دار السلام رقم: ۱۴۸۸)

ترمذي شريف، أبواب الدعوات، باب بلا ترجمة، النسخة الهندية ۲/۹۶، دار السلام رقم: ۳۵۵۶

المعجم الكبير للطبراني، دار إحياء التراث العربي ۲/۹۲-۹۳، رقم: ۸۷۳-۸۷۷

عن الزهري قال: كان رسول الله صلى الله عليه وسلم يرفع يديه عند صدره في الدعاء، ثم يمسح بهما وجهه. (مصنف ابن عبد الرزاق، المجلس العلمي بيروت ۲/۲۴۷، رقم: ۳۲۳۴، ۱۲۲/۳، رقم: ۵۰۰۳)

عن أنس بن مالك عن النبي صلى الله عليه وسلم أنه قال: ما من عبد بسط كفيه في دبر كل صلاة ثم يقول: اللهم إلهي، وإله إبراهيم، وإسحاق، ويعقوب، وإله جبريل، وميكائيل، وإسرافيل عليهم الصلاة والسلام، أسئلك أن تستجيب دعوتي فأني مضطر، وتعصمني في ديني فأني مبتلى وتنانني برحمتك فأني مذنب، وتنفي عني الفقر ←

شبه یہ ہوتا ہے کہ جب حدیث شریف میں مطلق ہاتھ اٹھانا آیا ہے تو سوال نمبر ۱ کے جواب میں عدم جواز اور سوال نمبر ۲ کے جواب میں جواز کی صورت بتائی گئی ہے تو دونوں میں تطبیق کیونکر ہوگی۔ فقط

**الجواب:** نماز میں رفع یدین محتاج دلیل مستقل ہے خارج نماز کے اطلاق کافی دلیل ہے دیکھئے آخر صلوٰۃ میں جو عاڑھی جاتی ہے بالاجماع اُس میں رفع یدین مشروع نہیں۔ (۱)

۲۹ ربیع الثانی ۱۳۲۹ھ حوالہ بالا

## قنوت نازلہ صلوٰۃ فجر کے ساتھ خاص ہے

**سوال (۶۳۹):** قدیم ۷۹۰/۱۔ کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ حنفیوں کے صحیح مذہب کے اعتبار اور رائج قول کے لحاظ سے قنوت نازلہ صرف فجر کی نماز میں پڑھنی چاہئے یا تمام جہری نمازوں میں پڑھنا ضروری ہے اگر کوئی امام صرف فجر کی نماز میں قنوت پڑھے اور دوسری جہری نمازوں میں نہ پڑھے تو کیا باعتبار صحیح و رائج مذہب حنفی کے اس پر جبر کر کے تمام جہری نمازوں میں قنوت پڑھنا چاہئے یا نہیں؟ قنوت نازلہ علاوہ فجر کی نماز کے اور نمازوں میں حنفیوں کے یہاں منسوخ ہے یا نہیں طحاوی بردر مختار اور تحریر مختار وغیرہ کتابوں میں جو حنفی مذہب کی کتابیں ہیں یہ لکھا ہے کہ صرف فجر کی نماز میں قنوت نازلہ حنفیوں کے مذہب میں ہے اور کسی نماز میں نہیں یہ قول صحیح ہے یا نہیں۔

← فإني متمسكن إلا كان حقا على الله عز وجل أن لا يرد يديه خائبتين. (عمل اللبوم والليله، دار الكتب العلميه بيروت ص: ۱۲۱، رقم: ۱۳۸)

(۱) ويجاب بأنه مخصوص بما ليس في الصلاة للإجماع على أنه لا رفع في دعاء التشهد. (حاشية الطحاوي على مراقي الفلاح، كتاب الصلاة، باب الوتر وأحكامه، مكتبة دار الكتاب ديوبند ص: ۳۷۶)

فتح القدیر، کتاب الصلاة، باب الوتر والنوافل، مكتبة زكريا ديوبند ۱/ ۴۴۶،  
کوئٹہ ۱/ ۳۷۵

إعلاء السنن، كتاب الصلاة، باب إخفاء القنوت في الوتر الخ، تمتة في بقية أحكام قنوت على النازلة، دار الكتب العلميه بيروت ۶/ ۱۲۴

شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

آنحضرت ﷺ نے جو قنوت نازلہ پڑھی ہے کیا اس وقت تک آپ پڑھتے رہے جب تک وہ کام پورا نہیں ہوا جس کے واسطے شروع کی تھی یا اس سے پہلے ترک کر دی حنفی مذہب کی معتبر کتابوں سے جواب تحریر فرمانا چاہیے۔ مینو اتو جروا۔

**الجواب:** مراجعت کتب مذہب سے اصل مذہب حنفیہ کا یہی معلوم ہوتا ہے کہ قنوت نازلہ صرف صلوٰۃ فجر کے ساتھ مخصوص ہے دوسری نمازوں میں مطلقاً یا صرف جہریات میں پڑھنے کا قول ضعیف ہے (۱) اور اصل مذہب کے خلاف ہے اور اس قنوت کے پڑھنے کا منتهی کہیں روایت حدیثیہ یا فقہیہ میں نظر سے نہیں گزرا (اور میرے پاس سامان تتبع کا کم ہے) لیکن اصول درایت سے یوں سمجھ میں آتا ہے کہ منتهی اس کا حصول مقصود یا قنوت من حصول المقصود ہے۔ واللہ اعلم

۲۰ شعبان ۱۳۳۹ھ (تمہ خامسہ ص ۱۶۲)

(۱) عن محمد قال: قلت لأنس هل قنت رسول الله صلى الله عليه وسلم في صلاة الصبح؟ قال: نعم! بعد الركوع يسيراً. (إعلاء السنن، كتاب الصلاة، باب إخفاء القنوت في الوتر، مكتبة دار الكتب العلمية بيروت ۹۴/۶)

عن أنس بن مالك قال: قنت رسول الله صلى الله عليه وسلم شهراً بعد الركوع في صلاة الصبح يدعو على رعل وذكوان ويقول: عصية عصت الله ورسوله. (إعلاء السنن، كتاب الصلاة، باب إخفاء القنوت في الوتر، دار الكتب العلمية بيروت ۹۵/۶)

ولا يقنت لغيره إلا لنزالة، فيقنت الإمام في الجهرية (در مختار) وفي الشامية: قوله (فيقنت الإمام في الجهرية) يوافقه ما في البحر والشرنبلالي عن شرح النقاية عن الغاية: وإن نزل بالمسلمين نازلة قنت الإمام في الصلاة الجهرية: وهو قول الثوري وأحمد: وكذا ما في شرح الشيخ إسماعيل عن البنانية: إذا وقعت نازلة قنت الإمام في الصلاة الجهرية؛ لكن في الإشباه عن الغاية: قنت في صلاة الفجر، ويؤيده ما في شرح المنية حيث قال بعد كلام فتكون شرعيته: أي شرعية القنوت في النوازل مستمرة، وهو محمل قنوت من قنت من الصحابة بعد وفاته عليه الصلاة والسلام وهو مذهبنا وعليه الجمهور، وقال حافظ أبو جعفر الطحاوي: إنما لا يقنت عندنا في صلاة الفجر من غير بلية، فإن وقعت قننة أو بلية فلا بأس به، ←

## مشغول بالذکر کو سلام کی ممانعت

**سوال (۶۵۰):** قدیم ۱/۷۹- اگر کچھ لوگ مسجد میں ذکر اذکار میں مشغول ہوں ایسے وقت میں مسجد میں آنے والے کو یا جانے والے کو السلام علیکم کہنا سنت ہے یا نہیں؟

**الجواب:** نہیں۔

← فعلہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، وأما القنوت في الصلوات كلها للنوازل فلم يقل به إلا الشافعي..... وهو صريح في أن قنوت النازلة عندنا مختص بصلاة الفجر دون غيرها من الصلوات الجهرية والسرية. (منحة الخالق على البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب الوتر والنوافل، مكتبة زكريا ديوبند ۲/۷۷-۷۸، كوئٹہ ۲/۴۴)

الدر المختار مع الشامی، كتاب الصلاة، باب الوتر والنوافل، مكتبة زكريا ديوبند ۲/۴۴، کراچی ۲/۱۱

وأجاب أصحابنا الحنفية عن تلك الروايات بما في شرح المنية: ونصه: وأما القنوت في الصلوات كلها عند النوازل فلم يقل به إلا الشافعي، وكأنهم حملوا ما روي عنه عليه الصلاة والسلام، أنه قنت في الظهر والعشاء على ما في مسلم، وأنه قنت في المغرب أيضاً على ما في البخاري على النسخ لعدم ورود المواظبة والتكرار الواردين في الفجر عنه عليه الصلاة والسلام، وقال ابن عابدين في رد المحتار بعد ذكره قول الشارح "المنية" هذا هو صريح في أن قنوت النازلة عندنا مختص بصلاة الفجر دون غيرها من الصلوات الجهرية والسرية. (إعلاء السنن، كتاب الصلاة، تنمة في بقية أحكام قنوت النازلة، دار الكتب العلمية بيروت ۶/۱۱۸)

حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، كتاب الصلاة، باب الوتر وأحكامه، مكتبة دار الكتاب ديوبند ص: ۳۷۷-

شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

في الدرالمختار: مفسدات الصلوة: سلامك مكروه إلى قوله وصل  
وتال وذاكر ومحدث آه. (١) (تمت اول ص ٣٢)

(١) الدرالمختار مع الشامي، كتاب الصلاة، باب ما يفسد الصلاة وما يكره فيها، مطلب  
المواضع التي يكره فيها الصلاة، مكتبة زكريا ديوبند ٣٧٣/٢، كراچی ١١٦/١  
مر على من يقرأ القرآن أو يؤذن أو يقيم أو يخطب في الجمعة أو العيدين أو على  
جماعة يشتغلون بالصلاة لا يسلم إلا إذا كان فيهم من لا يصلي، وكذا في الدرس والاشتغال  
بفصل القضايا. (بزازية على الهندية، كتاب الكراهية، نوع في السلام، قديم زكريا ٣٥٤/٦،  
جديد زكريا ٢٠٠/٣)

السلام تحية الزائرين والذين جلسوا في المسجد للقراءة والتسبيح أو لا انتظار  
الصلاة ما جلسوا فيه لدخول الزائرين عليهم، فليس هذا أوان السلام فلا يسلم عليهم، ولهذا  
قالوا: لو سلم عليهم الداخل وسعهم أن لا يحيوه كذا في الفنية، ويكره السلام عند قراءة  
القرآن جهراً، وكذا عند مذاكرة العلم وعند الأذان والإقامة والصحيح أنه لا يرد في هذه  
المواضع أيضاً كذا في الغياثية. (هندية، كتاب الكراهية، الباب السابع في السلام، قديم زكريا  
٣٣٥/٥، جديد زكريا ٣٧٧/٥)

أما السلام على المنشغل بالذكر من دعاء وتدبر فهو كالسلام على المنشغل  
بالقراءة والأظهر كما ذكر النووي أنه إن كان مستغرقاً بالدعاء مجمع القلب عليه  
فالسلام عليه مكروه للمشقة التي تلحقه من الرد والتي تقطعه عن الاستغراق  
بالدعاء وهي أكثر من المشقة التي تلحق الآكل إذا سلم عليه ورد في حال أكله.  
(الموسوعة الفقهية الكويتية ١٦٤/٢٥)

ويكره السلام عند قراءة القرآن جهراً وكذلك عند مذاكرة العلم ولا يسلم على  
قوم هم في مذاكرة العلم أو أحدهم وهم يسمعون وإن سلم فهو آثم وكذا عند الأذان  
والإقامة والصحيح أنه لا يرد أيضاً في هذه المواضع. (الفتاوى التاتارخانية، كتاب الكراهية،  
الفصل الثامن في السلام، مكتبة زكريا ديوبند ٨٢/١٨، رقم: ٢٨١٠٤)

شبير احمد قاسمي عفا الله عنه

## حالت ذکر میں جواب

**سوال (۶۵۱):** قدیم ۱/۹۱- ایسے سلام کرنے والوں کو جواب سلام کا دینا بعد فارغ ہونے کے چاہیے یا نہیں؟

**الجواب:** واجب نہیں۔

فی رد المحتار ولو سلم علیہم لا یجب علیہم الرد ص ۲۴۵ ج ۱ ص ۳۴ (۱)۔ (تمتہ اول)

(۱) شامی، کتاب الصلاة، باب ما یفسد الصلاة وما یکرہ فیہا، مطلب المواضع التي یکرہ فیہا السلام، مکتبہ زکریا دیوبند ۲/۳۷۶، کراچی ۱/۱۱۸

وفي شرح الشرعة: صرح الفقهاء بعدم وجوب الرد في بعض المواضع، القاضي إذا سلم عليه الخصمان والأستاذ الفقيه إذا سلم عليه تلميذه أو غيره أو ان الدرس، وسلام السائل، والمشتغل بقراءة القرآن والدعاء حال شغله، والجالسين في المسجد لتسبيح أو قراءة أو ذكر حال التذكير الخ. (شامی، کتاب الصلاة، باب ما یفسد الصلاة وما یکرہ فیہا، مطلب المواضع التي لا یجب فیہا رد السلام، مکتبہ زکریا دیوبند ۲/۳۷۶، کراچی ۱/۶۱۸)

ویکرہ السلام عند قراءة القرآن جهراً وكذا عند مذاكرة العلم وعند الأذان والإقامة والصحيح أنه لا يرد أيضاً في هذه المواضع، أيضاً كذا في الغياثية ..... حكى عن الشيخ الإمام الجليل أبي بكر محمد بن الفضل البخاري أنه كان يقول فيمن جلس للذكر أي ذكر كان فدخل عليه داخل وسلم عليه وسعه أن لا يرد كذا في المحيط. (هندي، كتاب الكراهية، الباب السابع في السلام، قديم زکریا ۵/۳۲۵-۳۲۶، جديد زکریا ۵/۳۷۷)

ولا یجب رد السلام في الخطبة: ویکرہ السلام عند قراءة القرآن جهراً وكذلك عند مذاكرة العلم ولا یسلم علی قوم هم في مذاكرة العلم أو أحدهم وهم یسمعون وإن سلم فهو آثم، وكذا عند الأذان والإقامة والصحيح أنه لا يرد أيضاً في هذه المواضع. (الفتاویٰ التاتارخانية، كتاب الكراهية، الفصل الثامن في السلام،

مکتبہ زکریا دیوبند ۱۸/۸۲، رقم: ۲۸۱۰۴) ←

## سجدة دعاء

**سوال (۶۵۲):** قدیم ۱/۹۱- مسلم میں ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔

أقرب ما يكون العبد من ربه وهو ساجد فأكثر والدعاء. (۱)

حالانکہ سجدہ میں سبحان ربی الاعلیٰ تین بار پانچ بار یا زیادہ کہا جاتا ہے اس کا مطلب میری سمجھ میں نہیں آیا کہ وہ کون سا سجدہ ہے اور کیا دعا کرے اور محض دعا کے لئے جدا گانہ سجدہ کرنے کا کیا حکم ہے؟

**الجواب:** نفل نماز کے سجدہ میں دعا درست ہے مگر عربی زبان میں ہو اور آخرت کی ہو جیسے رحمت مغفرة اور ایک معنی بعض نے یہ کہے ہیں کہ تسبیح کو دعا اس لئے فرمایا کہ کریم کی مدح کرنا گویا سوال کی غرض سے ہوتا ہے۔ (۲)

← ثم أعلم أنه يكره السلام على المصلي والقارئ والجالس للقضاء أو البحث في الفقه أو التخلي ولو سلم عليهم لا يجب عليهم الرد لأنه في غير محله. (البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب ما يفسد الصلاة وما يكره فيها، مكتبة زكريا ديوبند ۲/۱۶، كوثه ۹/۲)

حكي عن الشيخ الإمام الجليل أبي بكر محمد بن الفضل البخاري أنه كان يقول: من جلس لتعليم تلامذته فدخل عليهم داخل وسلم وسعه أن لا يرد لأنه جلس للتعليم لا لرد السلام فلا يكون السلام في أوانه، وكذلك كان يقول فيمن جلس للذكر أي ذكر كان فدخل عليه داخل وسلم عليه وسعه أن لا يرد لأنه جلس للذكر لا لرد السلام فلا يكون السلام في أوانه. (المحيط البرهاني، كتاب الكراهية، الفصل الثامن في السلام، المجلس العلمي ۲۲/۸، رقم: ۹۵۰۳)

شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

(۱) مسلم شریف، کتاب الصلاة، باب ما يقال في الركوع والسجود، النسخة

الهندية ۱/۹۱، بيت الأفكار رقم: ۴۸۲

(۲) عن عائشة ؓ قالت: فقدت رسول الله صلى الله عليه وسلم ذات ليلة فلمست

المسجد، فإذا هو ساجد وقدماه منصوبتان وهو يقول: أعوذ برضاك من سخطك وأعوذ بمعافاتك من عقوبتك وأعوذ بك منك لا أحصي ثناء عليك أنت كما



\*\*\*\*\*  
 .....  
 .....  
 ← أثبتت على نفسك. (أبوداؤد شريف، كتاب الصلاة، باب الدعاء في الركوع والسجود،  
 النسخة الهندية ۱/ ۱۲۸، دار السلام رقم: ۸۷۹)

عن عبد الرحمن بن أبي ليلى عن أبيه قال: صليت إلى جنب رسول الله صلى الله عليه وسلم في صلاة تطوع فسمعتة، يقول: أعوذ بالله من النار ويل لأهل النار. (أبوداؤد شريف، كتاب الصلاة، باب الدعاء في الصلاة، النسخة الهندية ۱/ ۱۲۸، دار السلام رقم: ۸۸۱)

واعلم أنه قد تقدم من حديث عقبة بن عامر قال: لما نزلت فسيح باسم ربك العظيم قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: اجعلوها في ركوعكم، فلما نزلت سبح اسم ربك الأعلى قال اجعلوها في سجودكم؛ فهذا بظاھرہ يخالف الآحادیث التي وردت في الدعاء في السجود فالجواب عنه أنه لو كان معنى الدعاء عامًا للاستغاثة والسؤال واطھار التذلل بذكر أسمائه ونعوته فليس فيها معارضة أصلاً، فإن التسيبحات أيضاً من الدعاء ولو كان المراد بالدعاء السؤال الصريح كما في الآحادیث الواردة في الباب فعلى هذا، الجواب عنه أن الأمر بالدعاء في التطوعات والأمر بالتسيبحات عام في الفرائض والتطوعات فإن أمر التطوعات واسع والله اعلم. (بذل المجهود، كتاب الصلاة، باب الدعاء في الركوع والسجود، مكتبة يحيوي سھارن پور قديم ۲/ ۸۰)

ودعا بما يشبه ألفاظ القرآن لفظاً ومعنى بكونه فيه نحو ”ربنا آتنا في الدنيا حسنة“ وليس منه لأنه إنما أراد به الدعاء لا القراءة. والسنة: أي بما يشبه ألفاظ السنة نحو ما في المسلم ”اللهم إني أعوذ بك الخ“ لا يدعو بما يشبه كلام الناس، قال في الدراية: فسرہ أصحابنا بما لا يستحيل سؤاله من غير الله تعالى كأعطني كذا وزوجني امرأة وبما لا يشبه كلام الناس بما يستحيل سؤاله منهم كقوله: اللهم اغفر لي كذا في الإيضاح. (النهر الفائق، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، مكتبة زكريا ديوبند ۱/ ۲۲۴-۲۲۵)

ولا يجوز أن يدعو في صلاته بما يشبه كلام الناس لأنه يبطلها إن وجد قبل القعود وقدر التشهد ويفوت الواجب لوجوده بعده قبل السلام بخروجه به دون السلام وهو مثل قوله: اللهم زوجني فلانة أعطني كذا من الذهب والفضلة لأنه لا يستحيل حصوله ←

اور جدا گانہ سجدہ کہیں منقول نہیں دیکھا گیا لیکن ظاہراً کچھ حرج بھی نہیں کیونکہ صورت تذلّل کی ہے مگر عادت نہ کرے اور سنت نہ سمجھے۔ (۱) فقط

۱۳ شعبان ۱۳۲۹ھ (تتمہ اولیٰ ص ۳۷)

## قیدیوں کی تیار کردہ جانماز کا حکم

**سوال (۶۵۳):** قدیم ۱/۹۲- جیل خانہ میں درمی وغیرہ اور اکثر چیزیں قیدیوں سے تیار کرائی جاتی ہیں جس کی اُجرت و معاوضہ کچھ نہیں مقرر ہے بلکہ سزائے جرم میں یہ امر مفہوم ہوتا ہے اس صورت میں جیل خانہ کی بنی ہوئی جائے نماز یا مکمل وغیرہ پر نماز درست ہوگی یا نہیں؟

← من العباد وما يستحيل مثل العفو والعافية. (مراقی الفلاح مع الطحطاوی، کتاب الصلاة، سنن الصلاة، دارالکتاب ص: ۲۷۳)

الدر المختار مع الشامی، کتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، مطلب في الدعاء بغير العربية، مكتبة زكريا دیوبند ۲/۲۳۴، کراچی ۱/۵۲۱

(۱) عن علي رضي الله تعالى عنه قال: لما كان يوم بدرٍ قاتلت شيئاً من قتال، ثم جئت إلى رسول الله صلى الله عليه وسلم أنظر ما صنع، فجئت فإذا هو ساجد يقول: يا حي يا قيوم، يا حي يا قيوم، ثم رجعت إلى القتال، ثم جئت فإذا هو ساجد لا يزيد على ذلك، ثم ذهبت إلى القتال، ثم جئت، فإذا هو ساجد لا يزيد على ذلك، ففتح الله عليه. (السنن الكبرى للبيهقي، كتاب عمل اليوم والليلة، الانصار عند اللقاء، دار الكتب العلمية بيروت ۶/۱۵۶-۱۵۷، رقم: ۱۰۴۴۷)

مسند البزار، مكتبة العلوم والحكم ۲/۲۵۴، رقم: ۶۶۲

عن علي بن أبي طالب قال: لما كان يوم بدرٍ قاتلت شيئاً من قتال، ثم جئت مسرعاً إلى النبي صلى الله عليه وسلم لأنظر ما فعل، فإذا هو ساجد يقول: يا حي يا قيوم، يا حي يا قيوم، لا يزيد عليهما، ثم رجعت إلى القتال، ثم جئت هو ساجد يقول ذلك، ففتح الله عليه. (الطبقات الكبرى، دار الكتب العلمية بيروت ۲/۱۹)

البداية والنهاية، دار الفكر بيروت ۳/۲۷۳

شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

**الجواب:** استیلاء سے سرکار مالک ہو جاتی ہے لہذا اس کا خریدنا اور برتناسب جائز ہے۔ (۱)

۱۳/رمضان ۱۳۳۱ھ (حوادث ص ۱۲۰ ج ۲۱)

(۱) إن الكفار يملكون أموال المسلمين بالاستيلاء عليها شرط أحرازها بدارهم وهو مذهب الحنفية والمالكية، ورواية عن أحمد ودليله قول النبي صلى الله عليه وسلم يوم فتح مكة، وهل ترك لنا عقيل من ربا ع ولأن العصمة تنزل بالاحراز بدار الحرب إذ المالك لا يمكنه الانتفاع به إلا بعد الدخول لما فيه من مخاطرة إذا الدار دارهم فإذا زال معنى الملك أو ما شرع له الملك بزوال الملك ضرورة فباسترداد المسلمين لذلك يكون غنيمة الخ. (الموسوعة الفقهية الكويتية ۴/ ۱۶۱)

وإن غلبوا على أموالنا ولو عبدًا مؤمنًا وأحرزوها بدارهم ملكوها، وفي الشامية: هو قول مالك وأحمد، أيضًا فيحل الأكل والوطء لمن اشتراه منهم الخ. (در مختار مع الشامی، کتاب الجہاد، باب استیلاء الکفار، مکتبۃ زکریا دیوبند ۶/ ۲۶۷، کراچی ۴/ ۱۶۰)

عن اسامة بن زيد أنه قال زمن الفتح يارسول الله! أين تنزل غداً قال النبي صلى الله عليه وسلم وهل ترك لنا عقيل من منزل ثم قال لا يرث المؤمن الكافر ولا يرث الكافر المؤمن، قيل للزهري ومن ورث أبا طالب قال ورثه عقيل وطالب الحديث. (بخاري شريف، كتاب المغازي، باب غزوة الفتح، النسخة الهندية ۲/ ۶۱۴، رقم: ۴۱۱۷، ف: ۴۲۲۸)

دوسری روایت الفاظ کے فرق کے ساتھ ملاحظہ فرمائیے:

عن اسامة بن زيد أنه قال يارسول الله! أين تنزل في دارك بمكة، فقال: وهل ترك عقيل من ربا ع أو دور، وكان عقيل ورث أبا طالب وهو طالب ولم يرثه جعفر ولا علي شيئا لأنهما كانا مسلمين وكان عقيل وطالب كافرين فكان عمر بن الخطاب يقول لا يرث المؤمن الكافر. الحديث (بخاري شريف، كتاب المناسك، النسخة الهندية ۱/ ۲۱۶، رقم: ۱۵۶۴، ف: ۱۵۸۸)

شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

## تصویر دارِ مصلیٰ پر نماز کا حکم

**سوال (۶۵۴):** قدیم ۱/۹۲- جس کپڑے پر تصویر چوسر یا شطرنج یا شوالہ کی ہو اس کو مصلیٰ بنانا جائز ہے یا نہیں۔

**الجواب:** یہ اشیاء چونکہ شعائر کفر و فسق سے ہیں اس لئے شرعاً قابلِ اہانت ہیں اور مصلیٰ پر ہونا موجب تعظیم ہے اس لئے نماز میں کراہت ہوگی چنانچہ تصویر سے کراہت صلوٰۃ کی علت بھی مشابہت عبادت یا تعظیم ہے اور وجوب اہانت میں تصویر کی روح کی اور ان اشیاء کی صورت مساوی ہے۔

في رد المحتار: وقد ظهر من هذا ان علّة الكراهة في المسائل كلها أما التعظيم أو التشبه الخ. (۱)

۲۷/۲ ذی قعدہ ۱۳۲۲ھ (امداد ص ۱۶۷ ج ۲)

(۱) شامی، کتاب الصلاة، باب ما یفسد الصلاة وما یکرہ فیہا، مکتبہ زکریا دیوبند ۶۴۸/۱، کراچی ۱۷/۲۱، کوئٹہ ۲۸/۲

وإن علل بالتشبه بعبادة الأصنام فممنوع فإنهم لا یسجدون علیہا وإنما ینصبونها ویتوجهون إلیہا إلا أن یقال: إن فیہا صورة التشبه بعبادتها حال القيام والركوع وفيه تعظیم لها إن سجد علیہا، ولهذا أطلق الكراهة في الأصل فیما إذا كان علی البساط المصلی علیہ صورة لأن الذي یصلی علیہ معظم فوضع الصورة فیہ تعظیم لها بخلاف البساط الذي لیس بمصلی. (البحر الرائق، کتاب الصلاة، باب ما یفسد الصلاة وما یکرہ فیہا، مکتبہ زکریا دیوبند ۶۴۸/۱، کوئٹہ ۲۸/۲)

ولو صلی علی هذا البساط فإن كانت الصورة فی موضع سجوده یکرہ لما فیہ من التشبه بعبادة الصور والأصنام، وكذا إذا كانت أمامه فی موضع لأن معنى التعظیم یحصل بتقريب الوجه من الصورة، فأما إذا كانت فی موضع قدمیه فلا بأس به لما فیہ من الإهانة دون التعظیم. (بدائع الصنائع، کتاب الصلاة، شرائط أركان الصلاة، مکتبہ زکریا دیوبند ۳۰۵/۱)

والوجه أن یقال: لما فیہ من التعظیم لها، والتشبه بعبادتها فلذا قالوا: وأشدّها کراهة ←

## نمازی کے سامنے بیٹھے ہوئے کا اٹھ کر چلا جانا مرد نہیں

**سوال (۶۵۵):** قدیم ۱/۹۲- ایک شخص کے پیچھے کسی نے نماز کی نیت باندھ لی تو کیا وہ اس کے سامنے سے اٹھ سکتا ہے ایک مولوی صاحب فرماتے تھے کہ حدیث میں تو مرد کی ممانعت آئی ہے اور یہ مرد نہیں تو کیا ان کا یہ فرمانا صحیح ہے؟

**الجواب:** في رد المحتار: أراد المر ورين يدي المصلي فإن كان معه شئ يضعه بين يديه، ثم يمرر ويأخذه ولو مرر إثنان يقوم أحدهما امامه ويمر الآخر ويفعل الآخر هكذا يمران وان معه دابة فمرر راكبا ثم وإن نزل وتستر بالدابة ومر لم يأثم ولو مر رجلان متحاذيين فالذي يلي المصلي هو الآثم قنية اقول وإذا كان معه عصا لا تقف على الأرض بنفسها فأمسكها بيده ومر من خلفها هل يكفي ذلك لم أره ج اص ۲۶۵. (۱)

← أن تكون أمام المصلي، ثم فوق رأسه، ثم عن يمينه ثم عن يساره ثم خلفه، فلا يكره إن كانت تحت قدميه لعدم التعظيم تأمل. (مجمع الأنهر، كتاب الصلاة، باب ما يفسد الصلاة وما يكره فيها، دار الكتب العلمية بيروت ۱/ ۱۸۸)

قوله: (وأطلق الكراهة في الأصل) أي لم يفصل في المبسوط في حق الكراهة بين أن يسجد على الصورة أو لا يسجد، والمذكور في الجامع الصغير أنه إن كان في موضع سجوده يكره لما فيه من التعظيم له، وإذا كان في موضع جلوسه وقيامه لا يكره لما فيه من الإهانة، وجه ما في الأصل ما ذكره أن المصلي إليه معظم بلفظ المفعول فيهما، ومعناه أن البساط الذي أعد للصلاة معظم من بين سائر البسط، فإذا كان فيه صورة كان نوع تعظيم لها ونحن أمرنا بإهانتها، فلا ينبغي أن يكون في المصلي مطلقاً سجدة عليها أو لم يسجد. (عناية مع فتح القدير، كتاب الصلاة، باب ما يفسد الصلاة وما يكره فيها، مكتبة زكريا ديوبند ۱/ ۴۲۸، كوئٹہ ۱/ ۳۶۲)

شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

(۱) شامی، کتاب الصلاة، باب ما يفسد الصلاة وما يكره فيها، مطلب إذا قرأ تعالى جدك

بدون ألف لتفسد، مكتبة زكريا ديوبند ۲/ ۴۰۱، کراچی ۱/ ۶۳۶ ←

ان مجموعی روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ مولوی صاحب کا قول صحیح ہے مگر مجھ کو اس میں شرح صدر نہیں ہوا لیکن عمل کرنے والے پر ملامت بھی نہیں کرتا۔

۱۳ صفر ۱۳۳۳ھ (تمتہ ثالثہ ص ۱۸)

## مصلیٰ کے سامنے سے نماز کی ضرورت سے گزرنا

**سوال (۶۵۶):** قدیم ۱/۹۳- ایک شخص مسجد کے اندر نماز پڑھ رہا ہے اور صحن مسجد میں جماعت ہونے لگی، اب جس وقت وہ بغرض شرکت جماعت باہر نکلا کسی نمازی کے سامنے ہو کر گزرنا پڑا تو کیا وہ ایسا کرنے سے گنہگار ہوگا اور ضرورت شرکت جماعت اُس کے اس فعل کا عذر نہیں ہو سکتی؟

**الجواب:** فی رد المحتار: الرابعة أن لا يتعرض المصلي ولا يكون للممار مندوحة فلا يأنم واحد منها الخ ج ۱ ص ۲۶۲. (۱)

← ولو مر رجلان متحاذيان فالكرهية تلحق الذي يلي المصلي، وكذا في السراج والوهاج. قالوا: حيلة الراكب إذا أراد أن يمر أن يصير وراء الدابة، ويمر فتصير الدابة سترة ولا يأنم، وكذا في النهاية: ولو مر اثنان يقوم أحدهما أمامه ويمر الآخر ويفعل الآخر هكذا ويمران كذا في القنية. (هندية، كتاب الصلاة، الباب السابع، فيما يفسد الصلاة، الفصل الأول قديم زكريا ۱/۱۰۴، جديد زكريا ۱/۱۶۳)

ولو مر رجلان بين يدي المصلي متحاذيين فالذي يليه هو المار بين يديه، ولو مر بين يدي المصلي خلف الدابة، فليس بمار بين يديه. وفي الفتاوى العتابية: ولو كان المار اثنان يقوم أحدهما أمامه، فيمر الآخر، ويفعل الآخر هكذا. وفي السفناقي: وإن استتر بدابة فلا بأس به. (الفتاوى التاتارخانية، كتاب الصلاة، الفصل التاسع في مسائل السترة، مكتبة زكريا ديوبند ۲/۲۸۶، رقم: ۲۴۳۸)

المحيط البرهاني، كتاب الصلاة، الفصل التاسع اتخاذ السترة ومسائلها، المجلس العلمي

۲/۲۱۶، رقم: ۱۵۹۶

شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

(۱) شامی، کتاب الصلاة، باب ما يفسد الصلاة وما يكره فيها، مكتبة زكريا ديوبند

۲/۳۹۹، کراچی ۱/۶۳۵ ←

اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ ضرورت میں گزر جانا درست ہے اور یہاں ادراک جماعت کی

ضرورت ظاہر ہے۔ (۱)

۸/رمضان المبارک ۱۳۳۳ھ (تتمہ ثالثہ ص ۷۲)

## التحیات میں لفظ سیدنا کا اضافہ

**سوال (۶۵۷):** قدیم ۱/۹۳- نماز کے درود میں بھی قعدہ میں لفظ سیدنا کا اضافہ مستحب ہے؟

**الجواب:** في الدرا المختار: و ندب السيادة (إلى قوله) ذكره الرملة الشافعي وغيره. وفي رد المحتار: وان تردد في أفضليته الإسني (إلى قوله) نعم ينبغي على هذا عدم ذكرها في واشهد أن محمداً عبده ورسوله وأنه يأتي بها مع إبراهيم عليه السلام ج ۱ ص ۵۳۵ و ۵۳۶. (۲)

اس عبارت سے یہ امور معلوم ہوئے بعض علماء نے اس اضافہ کے افضل ہونے میں تردد کیا ہے اور اکثر نے افضل کہا ہے اور تشہد میں یہ اضافہ نہ کیا جاوے اور ابراہیم علیہ السلام کے نام کے ساتھ اضافہ کا یہی حکم ہے۔  
۱۹/ذیقعدہ ۱۳۳۳ھ (تتمہ ثالثہ ص ۱۰۱)

(۱) عن ابن عباس رضي الله تعالى عنه عن النبي صلى الله عليه وسلم من نظر إلى فرجة في صف فليسدها بنفسه، فإن لم يفعل فمر مار فليخط على رقبته فإنه لا حرمة له. (المعجم الكبير للطبراني، دار إحياء التراث العربي ۸۵/۱۱، رقم: ۱۱۱۸۴)

مجمع الزوائد، دار الكتب العلمية بيروت ۹۵/۲، رقم: ۲۵۳۰

عن ابن عباس رضي الله تعالى عنهما عن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: من نظر إلى فرجة في صف فليسترها بنفسه، فإن لم يفعل فمر مار عليه فليطأه على رقبته فإنه لا حرمة له. (المعجم الكبير للطبراني، دار إحياء التراث العربي ۹۳/۱۱، رقم: ۱۱۲۱۵)

شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

(۲) الدر المختار مع الشامي، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، مطلب في جواز الترحم

على النبي ابتداء، مكتبة زكريا ديوبند ۲۲۳/۲-۲۲۴، کراچی ۱/۵۱۳

شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

## کپڑا یا چھتری کو سترہ بنانا

**سوال (۶۵۸):** قدیم ۱/۹۳ء۔ مصلیٰ اگر اپنے آگے کپڑا یا چھتری کھول کر رکھ دے تو بجائے سترہ کے کافی ہوگا یا نہ اور غلط انگشت کی قید سے نفی کپڑے کے سترہ کی ہو سکتی ہے یا نہ؟

**الجواب:** کپڑا چونکہ مرتفع نہیں ہوتا اس لئے وہ سترہ سترہ نہ ہوگا اور چھتری کھلنے کے بعد اگر ایک ہاتھ اونچی ہو جاوے تو وہ سترہ ہو جاوے گی اسی طرح اگر کپڑا پردہ کے طور پر سامنے لٹکا دیا جاوے تو وہ بھی سترہ ہو جاوے گا اور اشتراط غلط اصبع خود مقصود نہیں بلکہ امتیاز و استبانت کے لئے مقصود ہے اور پردہ میں استبانت ظاہر ہے۔ (۱)

۸/ محرم ۱۳۳۲ھ (حوادث رابعہ ص ۶۰)

(۱) ویغرز الإمام وكذا المتفرد في الصحراء ونحوها سترة بقدر ذراع طولاً وغلظ إصبع لتبدو للناظر بقربه على أحد حاجبيه ولا يكفى الوضع ولا الخط (در مختار) وفي الشامية: وقوله: (وغلظ إصبع) كذا في الهداية: لكن جعل في البدائع بيان الغلط قولاً ضعيفاً وأنه لا اعتبار بالعرض. وظاهره أنه المذهب ”بحر“ ويؤيده ما رواه الحاكم، وقال علي شرط مسلم أنه صلى الله عليه وسلم قال: يجزئ من السترة قدر مؤخرة الرجل ولو بدقة شعرة، مؤخرة بضم الميم وهمزة ساكنة وكسر الخاء المعجمة، العود الذي في آخر رجل البعير كما في الحلية. (الدر المختار مع الشامي، كتاب الصلاة، باب ما يفسد الصلاة وما يكره فيها، مكتبة زكريا ديوبند ۲/ ۴۰۱-۴۰۲، كراچی ۱/ ۶۳۷)

ويستحب له أن يغرز ستره تكون طول ذراع فصاعداً في غلظ الإصبع وذلك أدناه لأن مادونه ربما لا يظهر للناظر فلا يحصل المقصود منها (مراقي الفلاح) وفي الطحطاوي: وقوله: في غلظ الإصبع خلاف المذهب، فلا حد لما روي الحاكم عن أبي هريرة رضي الله عنه مرفوعاً، يجزئ من السترة قدر مؤخرة الرجل ولو بدقة شعرة كذا في البحر عن البدائع. (حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، كتاب الصلاة، فصل في اتخاذ السترة، مكتبة دار الكتاب ديوبند ص: ۳۶۶) ←



## مُحَل کی جائے نماز پر نماز جائز ہے

**سوال (۶۵۹):** قدیم ۱/۹۴- کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ کے بارے میں کہ مُحَل کی جائے نماز پر نماز پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟

**الجواب:** في الدر المختار (\*): ويحل تو سده (ای الحریر) وافتراشه والنوم عليه وقالوا والشافعي ومالك: حرام وهي الصحيح كما في المواهب قلت فليحفظ هذا لكنه خلاف المشهور. في ردالمحتار وقال في الشر نبلا لية قلت هذا التصحيح خلاف ما عليه المتون المعتمدة المشهورة والشروح- (\*\*\*) (۱)

(\*) رد المحتار ۵/۵۱۱، کتاب الحظر والإباحة في فصل اللبس. ۱۲ سعید احمد پالن پوری  
(\*\*) یہ حکم اس مُحَل کا ہے جو خالص ریشم کا ہو یا اس میں ریشم غالب ہو ورنہ یہ حکم نہیں؛ بلکہ جائز ہے۔  
واللہ اعلم ۱۲ محمد رفیع عثمانی

← الخامس: أن المستحب أن يكون مقدارها ذراعًا فصاعدًا لحديث مسلم عن عائشة رضي الله عنها سئل رسول الله صلى الله عليه وسلم عن سترة المصلي، فقال: بقدر مؤخرة الرجل..... وفسرها عطاء بأنها ذراع فما فوقه كما أخرجه أبو داود.

السادس: اختلفوا في مقدار غلظها ففي الهداية: وينبغي أن تكون في غلظ الإصبع لأن مادونه لا يبدو للناظر وكأن مستنده مارواه الحاكم مرفوعًا "استتروا في صلاتكم ولوبسهم" ويشكل عليه مارواه الحاكم.

عن أبي هريرة رضي الله عنه مرفوعًا "يجزئ من السترة قدر مؤخرة الرجل ولوبدقة شعرة" ولهذا جعل بيان الغلظ في البدائع قولاً ضعيفاً وأنه لا اعتبار بالعرض وظاهره أنه المذهب. (البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب ما يفسد الصلاة وما يكره فيها، مكتبة زكريا ديوبند ۳۰/۳۱-، كوئٹہ ۱۷/۲)

شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

(۱) الدر المختار مع الشامی، کتاب الحظر والإباحة، فصل في اللبس، مكتبة زكريا ديوبند

۵۱۲/۹، کراچی ۳۵۵/۶ -

اس سے معلوم ہوا کہ اسمیں اختلاف ہے؛ لیکن ترجیح جواز کو ہے (۱) اور احتیاط ترک میں ہے۔

۱۰/شوال ۱۳۴۹ھ (النور جمادی الاخریٰ ص: ۶۰۱۳۵ھ)

## چیل پہن کر نماز پڑھنا

**سوال (۶۱۰):** قدیم/۹۴-۷ درمختار میں ہے ”وصلو ته فيهما أفضل“ تو اس میں کیا تحقیق ہے؟

**الجواب:** رد المحتار میں ہے۔

(قوله وصلاته فيهما) أي في النعل والخف الطاهرين أفضل مخالفة لليهود. تاتارخانية

(۱) ولا بأس للرجال والنساء بتوسده أي باتخاذ الحرير وسادة وافتراشه أي اتخاذه فراشاً والنوم عليه، وكذا تعليق الحرير والأستار على الجدر والأبواب عنده خلافًا لهما، وبقولهما أخذ أكثر المشايخ كما في القهستاني عن الكرمانی وهو الصحيح كما في البرهاني، قلنا النهي ورد في اللبس وهذا دونه فلا يتحقق به، وعليه المتون والشروح فليحفظ وفيه إشارة إلى أنه لا يكره الاستناد إلى وسادة من ديباج وهو منقش من الحرير، وكذا وضع ملاء الحرير على سرير الصبي، وكذا الجلوس على بساط الحرير والصلاة على سجادة من أبريسم لأن الحرام هو اللبس، أما الانتفاع بسائر الوجوه فليس بحرام كما في صلاة الجواهر وأقره القهستاني وغيره. (سكب الأنهر على هامش مجمع الأنهر، كتاب الكراهية، فصل في اللبس، دار الكتب العلمية بيروت ۱۹۴/۴)

والثوب الحرير والمغصوب وأرض الغير تصح فيها الصلاة مع الكراهة (مراقی الفلاح) وفي الطحطاوي: قوله: (والثوب الحرير الخ) جعل الكلام فيما إذا صلى فيه، وأما إذا صلى عليه، فقال القهستاني: من كتاب الحظر معزيا بالصلاة الجواهر مانصه: وتجاوز الصلاة على السجادة من الأبريسم لأن الحرام هو اللبس، أما الإنتفاع بسائر الوجوه فليس بحرام. (حاشية الطحطاوي على مراقی الفلاح، كتاب الصلاة، باب شروط الصلاة، مكتبة دارالكتاب

دیوبند ص: ۲۱۱)

شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

وفي الحديث صلوا في نعالكم ولا تشبهوا باليهود. رواه الطبراني كما في الجامع الصغير: رامزاً للصحة وأخذ منه جمع من الحنابلة أنه سنة ولو كان يمشى بها في الشوارع لأن النبي ﷺ وصحبه كانوا يمشون بها في طرق المدينة ثم يصلون بها قلت لكن إذا خشي تلويث فرش المسجد بها ينبغي عدمه وإن كانت طاهرة وأما المسجد النبوي فقد كان مفروشا بالحصى في زمنه ﷺ بخلافه في زماننا ولعل ذلك محمل ما في عمدة المفتي من أن دخول المسجد متنعلاً من سوء الأدب تأمل.

ج ۱ ص: ۲۸۷، مطلب في أحكام المسجد. (۱)

اس عبارت سے چند امور مستفاد ہوئے۔

**نمبر ۱:** یہ حکم مقصود بالذات نہیں بلکہ معلّل ہے مخالفت یہود کے ساتھ (۲) اور اب مخالفت عدم نعل میں ہے جیسا کہ ظاہر ہے کہ وہ لوگ کنائس میں مع نعلین جاتے ہیں۔ (۳)

(۱) الدر المختار مع الشامی، کتاب الصلاة، باب ما یفسد الصلاة، وما یکره فیها، مطلب فی أحكام المسجد، مکتبۃ زکریا دیوبند ۴۲۹/۲، کراچی ۱/۶۵۷

(۲) عن یعلی بن شداد بن أوس عن أبیه قال: قال رسول الله صلی الله علیه وسلم: خالفوا اليهود فإنهم لا یصلون فی نعالهم ولا خفافهم. (أبو داؤد شریف، کتاب الصلاة، فی النعل، النسخة الهندیة ۱/۹۵، دار السلام رقم: ۶۵۲)

أخرج الطبرانی عن یعلی بن شداد عن أبیه أو غیره من أصحاب النبی صلی الله علیه وسلم -شک هلال- قال: قال رسول الله صلی الله علیه وسلم صلوا فی نعالکم ولا تشبهوا بالیهود. وأخرج أيضاً عن هلال بن میمون عن یعلی بن شداد بن أوس عن أبیه قال: قال رسول الله صلی الله علیه وسلم صلوا فی نعالکم خالفوا الیهود. (المعجم الكبير للطبرانی، دار إحياء التراث العربی ۷/۲۹۰، رقم: ۷۱۶۴-۷۱۶۵)

(۳) قلت دل هذا الحديث على أن الصلاة في النعال كانت مأمورة لمخالفة اليهود، وأما في زماننا فينبغي أن تكون الصلاة مأمورة بها حافياً لمخالفة النصارى فإنهم يصلون متنعلين لا يخلعونها عن أرجلهم. (بذل المجهود، کتاب الصلاة، باب الصلاة في النعل، قديم ۱/۳۵۸، جدید دار البشائر الإسلامية ۳/۵۹۹)

شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

**نمبر ۲:** علّتِ مذکورہ کے تحقق کے وقت بھی مقید ہے عدم تلویتِ فرش کے ساتھ اور یہاں اس قید کا انتفاء ظاہر ہے اور مسجد نبوی ملوث نہ ہوتی تھی فلا یصح القیاس مع الفارق۔

**نمبر ۳:** مثل لزوم تشبہ بابل الکتاب وخوف تلویتِ مسجد کے سوء ادب بھی مانع مستقل ہے اور معیار ادب وسوء ادب کا محض عرف وعادت ہے اور اس ہیئت کا سوء ادب ہونا ظاہر ومشاہد ہے بس ہمارے دیار میں اس فعل سے تین امر مانع ہیں لزوم تشبہ وتلویتِ مسجد وسوء ادب لہذا ہرگز اس کی اجازت نہیں ہو سکتی۔

۲۴ ربیع الاول ۱۳۳۵ھ (تمتہ خامسہ ص ۸)

## بعد فرائض کے اوراد و وظائف

**سوال (۶۶۱):** قدیم ۱/۹۵- اوراد و وظائف مسنونہ بعد مکتوبہ پڑھنے کو فقہاء نے مکروہ فرمایا:

كما في الكبيرى وغيره من الكتب الفقهية (۱) اور احادیث میں تصریح فرائض کی مذکور ہے

(۱) فإن كان بعدها أي بعد المكتوبة تطوع يقوم إلى التطوع بلا فصل إلا مقدار ما يقول: اللهم أنت السلام ومنك السلام تبارك يا ذا الجلال والإكرام، ويكره تأخير السنة عن حال أداء الفريضة بأكثر من نحو ذلك القدر لما روي مسلم والترمذي عن عائشة قالت: كان رسول الله صلى الله عليه وسلم إذا سلم لم يقعد إلا مقدار ما يقول اللهم أنت السلام ومنك السلام تباركت يا ذا الجلال والإكرام. (حلبى كبيرى، كتاب الصلاة، وأما بيان صفة الصلاة، مكتبة اشرفية ديوبند ص: ۳۴۱-۳۴۲)

ويكره تأخير السنة إلا بمقدار اللهم أنت السلام الخ. قال الحلواني: لا بأس بالفصل بالأوراد، واختاره الكمال، قال الحلبي: إن أريد بالكرهية التنزيهة ارتفع الخلاف، قلت وفي حفظي حملة على القليلة (در مختار) وفي الشامية: قوله: (ارتفع الخلاف) لأنه إذا كانت الزيادة مكروهة تنزيهاً كانت خلاف الأولى الذي هو معنى لا بأس وقوله: وفي الحفظي الخ. توفيق آخر بين القولين المذکورين، وذلك بأن المراد في قول الحلواني لا بأس بالفصل بالأوراد أي القليلة التي بمقدار اللهم أنت السلام الخ. لما علمت من أنه ليس المراد خصوص ذلك بل هو أو ما قاربه في المقدار بلا زيادة كثيرة فتأمل وعليه ←

بالخصوص حدیث عمرؓ دال علی الندب ہے (۱) رفع تعارض کیسے ہوگا؟

**الجواب:** یا تو حدیث میں تاویل ہو کہ احیاناً ایسا ہوا ہو یا فقہاء کا قول ماوّل ہو کہ منقول سے زیادہ فصل مکروہ ہے۔

فقط ۱۹/ ذی الحجہ ۱۳۲۹ھ (تمہ اولیٰ ص ۴۰)

← فالکراهة على الزيادة تنزيهية لما علمت من عدم دليل التحريم. (الدر المختار مع الشامي، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، فصل إذا أراد الشروع، مكتبة زكريا ديوبند ۲/ ۲۴۶-۲۴۷، کراچی ۱/ ۵۳۰) حاشیة الطحطاوي على مراقي الفلاح، كتاب الصلاة، فصل في صفة الأذكار والواردة بعد صلاة الفرض، مكتبة دار الكتاب ص: ۳۱۱ تا ۳۱۳

(۱) عن الأزرقي بن قيس قال: صلى بنا إمام لنا يكنى أبا رمنة فقال: صليت هذه الصلاة أو مثل هذه الصلاة مع النبي صلى الله عليه وسلم قال: وكان أبوبكرؓ، وعمرؓ يقومان في الصف المقدم عن يمينه وكان رجل قد شهد التكبيرة الأولى من الصلاة، فصلى نبي الله صلى الله عليه وسلم ثم سلم عن يمينه وعن يساره حتى رأينا بياض خديه، ثم انتقل كانتقال أبي رمنة يعني نفسه، فقام الرجل الذي أدرك معه التكبيرة الأولى من الصلاة يشفع، فوثب إليه عمرؓ، فأخذ بمنكبه فهزه ثم قال: اجلس فإنه لم يهلك أهل الكتاب إلا أنهم لم يكن بين صلواتهم فصل فرفع النبي صلى الله عليه وسلم بصره فقال: أصاب الله بك يا ابن الخطاب. (أبو داود شريف، كتاب الصلاة، باب في الرجل يتطوع في مكانه الذي صلى فيه المكتوبة، النسخة الهندية ۱/ ۱۴۴، دار السلام رقم: ۱۰۰۷)

السنن الكبرى للبيهقي، كتاب الصلاة، باب الإمام يتحول عن مكانه إذا أراد أن يتطوع في المسجد، دار الفكر ۳/ ۲۱، رقم: ۳۱۲۹۔

المعجم الكبير للطبراني، دار إحياء التراث العربي ۲۲/ ۲۸۴، رقم: ۷۲۸۔

عن ورّاد مولى المغيرة بن شعبة قال: كتب مغيرة بن شعبة إلى معاوية أن رسول الله صلى الله عليه وسلم كان إذا فرغ من الصلاة وسلم قال: لا إله إلا الله وحده لا شريك له، له الملك وله الحمد وهو على كل شيء قدير، اللهم لا مانع لما أعطيت، ولا معطي لما منعت، ←

❖ ولا ينفع ذا الجد منك الجد. (مسلم شريف، كتاب المساجد، باب استحباب الذكر بعد الصلاة وبيان صفته، النسخة الهندية ٢١٨/١، بيت الأفكار رقم: ٥٩٣)

بخاري شريف، كتاب الصلاة، باب الذكر بعد الصلاة، النسخة الهندية ١١٧/١، رقم: ٨٣٦، ف: ٨٤٤ -

عمل اليوم والليلة لابن السني باب ما يقول في دبر صلاة الصبح - (مؤسسة علوم القرآن بيروت ص: ١٢١، رقم: ١٣٨ -

مصنف ابن أبي شيبة، كتاب الدعاء، مؤسسة علوم القرآن بيروت ٧٥/١٥، رقم: ٢٩٧٤٨ -

شبير احمد قاسمي عفا الله عنه



# رسالة استجاب الدعوات عقيب الصلوات

## نمازوں کے بعد دعاء مانگنے کے استجاب کا بیان

**سوال (۶۲۲):** قدیم ۱/۹۵- بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ۵ ونحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم، وبعدُ فهذا بعض من أجزاء کتاب مسلك السّادات إلى سبیل الدعوات، الذی ألفه الفاضل الشیخ محمد علی بن المرحوم الشیخ حسین مفتی المالکیہ بمکة المحمية سابقا فی تحقیق أحكام الدعاء عموما واستجابہ أثر الصلوات للفظ ولأئمة المساجد والجماعات خصوصاً فی عام الألف والثلاث مائة والإحدى والعشرين من الهجرة كما صرح فی آخر الكتاب لخصتها منه سداً لنکیر بعض المتهورین وحکمهم بالبدعة علیه ولقبتها باستجاب الدعوات عقيب الصلوات نفع الله تعالى بها المسلمين وجعلها لی ذخرًا لیوم الدين وأنا اشرف علی التهانوی عفی عنه وحررتها فی أوائل رجب الا صم ۱۳۵۲هـ من الهجرة النبویة علی صاحبها الف الف سلام وتحية.

## دعا و نیاز بعد انواع نماز

بسم الله الرحمن الرحيم. الحمد لله وكفى وسلام على عباده الذين اصطفى. اما بعد.  
یہ رسالہ ترجمہ ہے۔

رسالہ استجاب الدعوات عقيب الصلوات کا جس کو بقية السلف حجة الخلف اية من ايات الله من الذين اذاروا ذكر الله مجدداً الملة حکیم الامہ سیّدی وسندی کہفی ومعتمدی حضرت مولانا اشرف علی صاحب تہانوی متعنا الله تعالى وسائر المسلمين بطول بقاءہ بالخیر نے۔

مفتی مالکیہ علامہ شیخ محمد علی مکی کے رسالہ مسلك السادات سے انتخاب و تلخیص کر کے تالیف فرمایا ہے

کرمی مولوی محمد شفیع صاحب دیوبندی نے حسب ایماء حضرت والا اس کا اردو ترجمہ نفع عوام کے لئے لکھ دیا ترجمہ میں بغرض سہولت عوام تحت اللفظ کی رعایت چھوڑ کر خلاصہ مطلب لیا گیا ہے۔ حق تعالیٰ اس کو بھی مسلمانوں کے لئے مفید اور سب کے لئے ذخیرہ آخرت بنادے۔ واللہ ولی التوفیق وهو حسبی ونعم الوکیل۔

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم۔

بعد حمد و صلوة کے واضح ہو کہ یہ رسالہ کتاب مسلک السادات الی سبیل الدعوات کا خلاصہ ہے جس کو علامہ فاضل شیخ محمد علی بن حسین مرحوم مفتی مالکیہ مقیم مکہ مکرمہ نے ۱۳۲۱ھ میں تالیف فرمایا ہے اور اس میں عموماً احکام دُعاء کی تحقیق اور بالخصوص دُعاء کا مستحب ہونا ہر منفرد اور امام اور جماعت کے لئے (احادیث معتبرہ اور مذاہب اربعہ کی روایات فقہیہ سے) ثابت فرمایا ہے میں نے اس رسالہ کا خلاصہ لکھ دیا تاکہ اُن بیباک لوگوں کی زبان بند ہو جو دُعاء بعد نماز پر بدعت ہونے کا حکم کرتے ہیں اور اس تلخیص کا نام استجاب الدعوات عقیب الصلوات رکھ دیا اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو اس سے نفع دے اور میرے لئے اس کو روز قیامت کے واسطے ذخیرہ بنادے اور میرا نام اشرف علی تھانوی ہے اللہ تعالیٰ میرے گناہوں کو معاف فرمادے اور میں نے یہ رسالہ اوائل رجب ۱۳۵۲ھ میں تحریر کیا ہے و صلی اللہ تعالیٰ علی سیدنا و مولانا محمد وآلہ وصحبہ أجمعین ألف سلام وتحیہ۔

الجزء الأول: روی الحافظ أبو بکر

أحمد بن اسحاق المعروف بابن السني

في كتابه عمل اليوم والليلة (حدثنا)

أحمد بن الحسن (حدثنا) أبو اسحاق

يعقوب بن خالد بن يزيد البالسي (حدثنا)

عبد العزيز بن عبد الرحمن القرشي

(عن) خصيف (عن) أنس رضي الله

عنه أن النبي صلى الله عليه وسلم قال

ما من عبد يسط كفيه من دبر كل صلوة

ترجمہ: پہلا جز: (امام نسائی کے

شاگرد) ابن سنی نے اپنی کتاب عمل اليوم

والليلة میں اسناد مندرجہ متن کے ساتھ حضرت

انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ نبی کریم

ﷺ نے فرمایا کہ جب کوئی اللہ کا بندہ ہر نماز

کے بعد ہاتھ پھیلا کر یہ دعا مانگتا ہے تو حق تعالیٰ

اپنے ذمہ لازم کر لیتے ہیں کہ اس کے ہاتھوں کو

محروم کر کے نہ لوٹائیں (بلکہ اس کی دُعا قبول

فرماتے ہیں اور ترجمہ دُعاء کا یہ ہے)



یا اللہ میرے معبود اور حضرت ابراہیم و اسحاق و یعقوب کے معبود اور جبریل و میکائیل و اسرافیل کے معبود میں تجھ سے سوال کرتا ہوں کہ میری دعا قبول فرما سئلے کہ میں مضطر (مجبور) ہوں اور دین کے معاملہ میں میری حفاظت فرما کیونکہ مثلاً معاصی ہوں اور مجھے اپنی رحمت کے اندر لے لیجئے کیونکہ میں گناہ گار ہوں اور مجھ سے فقر محتاجی کو دور کر دیجئے کیونکہ میں مسکین ہوں اس حدیث کی اسناد میں ایک راوی عبدالعزیز بن عبدالرحمن بھی ہیں جن کے بارہ میں علماء کو کلام (اختلاف) ہے اور میزان الاعتدال وغیرہ میں اس کی تصریح کی ہے کہ یہ حدیث ضعیف ہے لیکن فضائل اعمال میں اس پر عمل کیا جاوے گا جیسا کہ ہر اہل علم جانتا ہے اور اس حدیث کی تقویت اس روایت سے بھی ہوتی ہے جو حافظ ابوبکر ابن ابی شیبہ نے اپنے مصنف میں بروایت اسود عامری عن ابیہ نقل کیا ہے کہ انہوں نے بیان کیا کہ میں نے آنحضرت ﷺ کے ساتھ صبح کی نماز پڑھی جب آپ نے سلام پھیرا تو جانب قبلہ سے ہٹ کر دونوں ہاتھ اٹھائے اور دعا کی (آگے دعاء وہی ذکر کی ہے جو اوپر والی حدیث میں گزری) اور یہ بات مخفی نہیں ہے کہ ائمہ حدیث نے ذکر فرمایا ہے کہ ایک ضعیف روایت کے ساتھ جب دوسری ضعیف روایت (اس کی موید) مل جاتی ہے تو وہ ساقط وغیرہ معتبر ہونے کے درجہ سے ترقی کر کے درجہ اعتبار و اعتماد پر پہنچ جاتی ہے۔

يقول اللهم الهی و اله ابراهيم و اسحاق و يعقوب و اله جبرئيل و ميكائيل و اسرافيل اسئالك أن تستجيب دعوتي فإنی مضطر و تعصمني في دينی فإنی مبتلى و تنالنی برحمتك فإنی مذنب و تنفسي عنی الفقر فإنی متمسك إلا كان حقاً على الله أن لا يرد يديہ خائبتين (۱) و في اسنادہ عبدالعزیز بن عبدالرحمن فيه مقال و صرح في میزان الاعتدال و غیرہ، بأنه حدیث ضعیف لكنه يعمل به في الفضائل كما عرفت و يقويه ما أخرجه الحافظ أبو بكر بن أبي شيبة في مصنفه عن الأسود العامري عن أبيه قال صليت مع رسول الله صلى الله عليه وسلم الفجر فلما سلم إنحرف و رفع يديه و دعا. (۲) الحديث و لا يخفى أن ائمة الحديث ذكر و أن رواية الضعيف مع الضعيف توجب الارتفاع من درجة السقوط إلى درجة الاعتبار.

(۱) عمل اليوم و الليلة لابن السني، باب ما يقول في دبر صلاة الصبح، دار الكتب العلمية

بيروت ص: ۱۲۱، رقم: ۱۳۸

(۲) مصنف ابن أبي شيبة، كتاب الصلاة، من كان يستحب إذا سلم أن يقوم أو ينحرف،

شمير احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

مؤسسة علوم القرآن بيروت ۳/۶۷، رقم: ۳۱۱۰

وقال الحافظ السيوطي: في فض الوعاء في أحاديث رفع اليدين في الدعاء أخرجه ابن أبي شيبة قال حدثنا محمد يحيى الأُسلمي قال رأيت عبد الله بن الزبير ورأى رجلاً رافعاً يديه يدعو قبل أن يفرغ من صلوته فلم يفرغ منها قال له أن رسول الله صلى الله عليه وسلم لم يكن يرفع يديه حتى يفرغ من صلاته رجاله ثقات ٥١.

هكذا في الأصل ١٢ أفاده العلامة السيّد محمد بن عبد الرحمن بن سليمان يحيى بن عمر بن مقبول الأهدل الزبيدي رحمه الله تعالى وفي المعيار أخرجه عبد الرزاق عن النسي صلى الله عليه وسلم أي الدعاء أسمع أي أقرب إلى الإجابة قال شطر الليل الأخير وأدبار المكتوبة (١)

اور حافظ (جلال الدین) سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے رسالہ ”فض الوعاء في أحاديث رفع اليدين في الدعاء“ میں بحوالہ ابن ابی شیبہ محمد یحییٰ اسلمی سے نقل کیا ہے کہ میں نے ایک مرتبہ حضرت عبد اللہ ابن زبیر کو اس طرح دیکھا کہ انھوں نے ایک شخص کو دیکھا کہ نماز سے فارغ ہوئے سے پہلے ہی ہاتھ اٹھا کر دعاء مانگ رہا ہے جب وہ شخص نماز سے فارغ ہوا تو اس سے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب تک نماز سے فارغ نہ ہو جاتے تھے دعاء کے لئے ہاتھ نہ اٹھاتے اور سب راوی اس روایت کے ثقہ ہیں اہ یہ تحقیق علامہ سیّد محمد بن عبد الرحمن بن سلیمان بن یحییٰ بن عمر بن مقبول اہل زبیدی رحمۃ اللہ نے بیان فرمائی ہے اور کتاب المعیار میں ہے کہ (امام حدیث) عبد الرزاق نے یہ روایت نقل کی ہے کہ نبی کریم ﷺ سے کسی نے دریافت کیا کہ کون سی دعا زیادہ سنی جاتی ہے (یعنی زیادہ قبولیت کے قریب ہے) آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ آخری نصف رات کے وقت اور فرض نمازوں کے بعد روایت کے ثقہ ہیں اہ

(١) عن أمانة قال: قيل: يا رسول الله! أي الدعاء أسمع؟ قال: جوف الليل الآخر ودبر الصلوات المكتوبات. (ترمذي شريف، أبواب الدعوات، باب بلا ترجمة، النسخة الهندية ١٨٧/٢، دار السلام رقم: ٣٤٩٩)

السنن الكبرى للنسائي، باب ما يستحب من الدعاء دبر الصلوات المكتوبات، دار الكتب العلمية بيروت ٣٢/٦، رقم: ٩٩٣٦ -

اس حدیث کو محدث عبدالحق اور ابن قطان نے صحیح کہا ہے اور امام محدث ابوالریع نے اپنی کتاب مصباح الظلام میں نبی کریم ﷺ سے روایت کیا ہے کہ آپ نے فرمایا ہے کہ جس شخص کو اللہ تعالیٰ سے کوئی حاجت مانگنا ہو وہ نماز فرض کے بعد مانگے اھ۔

وصححه عبدالحق وابن القطان وذكر الإمام المحدث أبو الریعی فی کتاب مصباح الظلام عن النبی علیہ الصلوٰۃ والسلام أنه قال من كانت له إلی الله حاجة فلیسأ لها دبر صلاة مكتوبة. اه (۱)

### الجزء الثانی : وروی ابن

السني أيضا عن أبي أمانة مادنوت من رسول الله صلى الله عليه وسلم في دبر صلاة مكتوبة ولا تطوع الا سمعته يقول اللهم اغفر لي ذنوبي وخطاياي كلها اللهم انعشني واجبرني واهدني لصالح الاعمال والا خلاق إنه لا يهدي لصالحها ولا يصرف سيئها إلا أنت (۲) وروی النسائي وغيره

**جزو دوم:** امام ابن سنی نے حضرت ابوامامہ سے روایت کیا ہے کہ میں جب کبھی نماز فرض یا نفل کے بعد آں حضرت ﷺ سے قریب ہوا تو ہمیشہ یہ دعا کرتے ہوئے سنا کہ یا اللہ میری سب گناہ اور خطائیں معاف فرما دیجئے یا اللہ مجھے بلند کیجئے اور میرا جبر نقصان کر دیجئے اور مجھے عمدہ اخلاق و اعمال کی طرف ہدایت فرمائیے کیونکہ اچھے اعمال و اخلاق کی طرف آپ کے سوا کوئی ہدایت نہیں کر سکتا اور نہ بُرے اعمال و اخلاق سے آپ کے سوا کوئی ہٹا سکتا ہے۔ اور امام نسائی (\*) نے حضرت کعب (احبار) سے روایت کیا ہے

(\*) اصل رسالہ میں چونکہ نسائی کی حدیث نا تمام لکھی تھی، جس کو تلخیص میں بعنوان فائدہ مکمل لکھا گیا ہے؛ اس لئے ترجمہ میں مکمل حدیث کا ترجمہ لے لیا گیا، پھر اصل رسالہ میں جس قدر جزو لیا گیا ہے، اس کے ترجمہ کی حاجت نہ رہی۔ ۱۲ منہ

(۱) عن أبي بردة رضي الله عنه عن أبي موسى قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: من كانت له إلی الله حاجة فليدع بها في دبر الصلاة مفروضة. (البداية والنهاية، دار الفكر بيروت ۹/ ۱۱۷)

(۲) عمل اليوم واليلة لابن السني، باب ما يقول في دبر الصلاة الصبح۔ دار الكتب العلمية بيروت

اللّٰهُم اِصْلَح لِي دِيْنِي الَّذِي جَعَلْتَهُ لِي عَصْمَةً وَاِصْلَح لِي دُنْيَايَ الَّتِي جَعَلْتَ فِيْهَا مَعَاشِيْ اَعُوْذُ بِرِضَاكَ مِنْ سَخَطِكَ وَاَعُوْذُ بِعَفْوِكَ مِنْ نَقْمَتِكَ وَاَعُوْذُ بِكَ مِنْكَ لَا مَانِعَ لِمَا اَعْطَيْتَ وَلَا مَعْطٰى لِمَا مَنَعْتَ وَلَا يَنْفَعُ ذَا الْجَدِّ مِنْكَ الْجَدُّ (۱) وَاَبُو دَاوُدَ اِذَا اِنْصَرَفَتْ مِنَ الْمَغْرَبِ فَقَالَ اللّٰهُمَّ اَجْرْنِيْ مِنَ النَّارِ سَبْعَ مَرَّاتٍ اِذَا قُلْتَ ذٰلِكَ ثُمَّ مِتَ مِنْ لَيْلَتِكَ كَتَبَ لَكَ جَوَّازَ مِنْهَا وَاِذَا صَلَّيْتَ الصُّبْحَ فَقُلْ كَذٰلِكَ اِنْ مِتَ مِنْ يَوْمِكَ كَتَبَ لَكَ جَوَّازَ مِنْهَا (۲) (ف) قَالَ الْجَامِعُ وَحَدِثَ النَّسَائِيُّ اَخْرَجَهُ فِيْ كِتَابِ الصَّلَاةِ بَابِ نَوْعِ اٰخِرٍ مِنَ الدُّعَاءِ عِنْدَ الْاِنْصِرَافِ مِنَ الصَّلَاةِ وَتَمَامِهِ عَنْ عَطَّابِ بْنِ مَرْوَانَ عَنْ اَبِيْهِ اَنْ كَعْبًا حَلَفَ لَهُ بِاللّٰهِ الَّذِيْ فَلَقَ الْبَحْرَ لِمَوْسٰى اَنَا لَنْجِدَ فِيْ التَّوْرَةِ اَنْ دَاوُدَ نَبِيَّ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ اِذَا اِنْصَرَفَ مِنْ صَلَاتِهِ

کہ اُنھوں نے فرمایا کہ قسم ہے اللہ کی جس نے موسیٰ علیہ السلام کے لئے دریا کو شق کر دیا تھا کہ ہم تو رات میں یہ لکھا ہوا پاتے ہیں کہ نبی اللہ حضرت داؤد علیہ السلام جب اپنی نماز سے فارغ ہوتے تھے تو یہ دُعا کرتے تھے اے اللہ میرے دین کو درست فرما دے جس کو آپ نے میرے لئے پناہ بنایا ہے اور میری دنیا کو درست کر دیجئے جس میں آپ نے میرا گزارہ رکھا ہے یا اللہ میں آپ کے غصہ سے آپ کی رضا کے ساتھ پناہ لیتا ہوں اور آپ کے عذاب سے آپ کی معافی کے ساتھ پناہ پکڑتا ہوں اور میں آپ سے آپ ہی کے ساتھ پناہ لیتا ہوں جو کچھ آپ عطا فرمادیں اس کو کوئی روکنے والا نہیں اور جو آپ روکیں اس کو کوئی عطا کرنے والا نہیں اور آپ کے مقابلہ میں کسی کوشش کرنے والے کی کوشش نہیں چلتی۔ راوی کہتا ہے کہ حضرت کعبؓ نے حضرت صہیبؓ سے روایت کی انہوں نے فرمایا کہ آنحضرت ﷺ بھی نماز ختم کرنے کے بعد یہ دعا فرمایا کرتے تھے۔

(۱) نسائی شریف، کتاب الصلاة، نوع آخر من الدعاء عند الانصراف من الصلاة،

النسخة الهندية ۱/۱ ۱۵۱، دار السلام رقم: ۱۳۴۷۔

(۲) أبو داؤد شریف، کتاب الأدب، باب ما يقول إذا أصبح، النسخة الهندية ۲/۶۹۳،

دار السلام رقم: ۵۰۷۹۔

قال اللهم اصلح لي ديني الذي جعلته لي عاصمة واصلح لي دنياي التي جعلت فيها معاشي اللهم اني أعوذ برضاك من سخطك وأعوذ يعني بعفوك من نقمتك وأعوذ بك منك لا مانع لما أعطيت ولا معطي لما منعت ولا ينفع ذا الجد منك الجد، قال وحدثني كعب أن صهيباً حدثه أن محمد صلى الله عليه وسلم كان يقولهن عند انصرافه من صلاته. (۱)

قال الجامع وأخرج الحاكم في باب الدعاء بعد الصلوة عن معاذ بن جبل أنه قال إن رسول الله صلى الله عليه وسلم أخذ بيدى يوم مات قال يا معاذ والله اني لا حبك، فقال معاذ بأبي أنت وأمي يا رسول الله (صلى الله عليه وسلم) وأنا والله أحبك فقال أوصيك يا معاذ لا تدعن في دبر كل صلوة أن تقول اللهم أعني على ذكرك وشكرك وحسن عبادتك

اور تلخیص رسالہ میں بضمن فائدہ مستدرک حاکم باب الدعاء بعد الصلوة سے اس روایت کا بھی اضافہ کیا گیا ہے کہ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک روز نبی کریم ﷺ نے میرا ہاتھ پکڑا اور فرمایا اے معاذ خدا کی قسم میں تم سے محبت رکھتا ہوں معاذ نے عرض کیا یا رسول اللہ میرے ماں باپ آپ پر قربان خدا کی قسم میں بھی آپ سے محبت رکھتا ہوں پھر فرمایا اے معاذ میں تمہیں وصیت کرتا ہوں کہ ہر نماز کے بعد اس دعاء کو کبھی نہ چھوڑنا (دعا یہ ہے) یا اللہ اپنے ذکر اور شکر اور اچھی طرح عبادت کرنے پر میری مدد فرما۔ راوی کہتا ہے کہ پھر حضرت معاذ نے یہی وصیت صناجی کو فرمائی اور صناجی نے ابو عبد الرحمن کو اور ابو عبد الرحمن نے عقیقہ بن مسلم کو حاکم نے اس حدیث کو علی شرط البخاری و مسلم صحیح کہا ہے اور علامہ ذہبی نے بھی تلخیص میں اس کو تسلیم کیا ہے (تمت الفائدة) اور ابوداؤد نے روایت کیا ہے کہ (آنحضرت ﷺ نے فرمایا)

(۱) نسائی شریف، کتاب الصلاة، نوع آخر من الدعاء عند الإنصراف من الصلاة،

جب تم مغرب کی نماز سے فارغ ہو تو سات مرتبہ یہ دعاء پڑھو یا اللہ مجھے آگ سے نجات دیجئے اگر تم نے یہ دعاء پڑھ لی اور پھر اسی رات میں تمہیں موت آگئی تو تمہارے لئے جہنم کی آگ سے نجات لکھ دی جاوے گی اور جب صبح کی نماز پڑھ چکو جب بھی یہی دعاء اسی طرح پڑھو اگر اس دن میں تمہیں موت آگئی تو تمہارے لئے جہنم سے نجات لکھ دی جاوے گی۔

**تیسرا جزو:** خوب سمجھ لیجئے کہ مذاہب اربعہ (یعنی حنفیہ، شافعیہ، مالکیہ، حنابلہ) میں اس بارہ میں کوئی اختلاف نہیں کہ (نماز کے بعد) آہستہ دعاء مانگنا امام اور منفرد کے لئے مستحب ہے اور مالکیہ اور شافعیہ امام کے لئے اس کی بھی اجازت دیتے ہیں کہ دعاء جہراً پڑھے تاکہ مقتدیوں کو تعلیم ہو یا وہ اس کی دعاء پر آمین کہہ سکیں، مالکیہ کی روایات فقہیہ اس بارے میں یہ ہیں، معیار میں ہے کہ ابن عرفہ نے کہا ہے کہ علم اور دین میں جن ائمہ کی اقتداء کی جاتی ہے ان کا عمل اس پر رہا ہے کہ نماز ختم کرنے کے بعد اذعیہ یا ثورہ پڑھتے تھے اور میں نے کسی کو نہیں سنا جو اس سے انکار کرتا ہو بجز اس جاہل کے جس کا اتباع نہیں کیا جاسکتا اور اللہ تعالیٰ رحم فرمائے بعض علماء اندلس پر کہ

قال: وأوصی بذلك معاذ الصنابحي وأوصی الصنابحي أبا عبد الرحمن الحبلي وأوصی أبو عبد الرحمن عقبة بن مسلم هذا حديث صحيح على شرط الشيخين ولم يخرجاه (وقال الذهبي في التلخيص على شرطهما) مستدرک ص ۲۷۳ ج ۱ (۱)

**الجزء الثالث:** أعلم أنه لا خلاف بان المذاهب الأربعة في ندب الدعاء سر الإمام والمنفرد وأجاز المالكية والشافعية جهرًا لإمام به لتعليم المأمومين أو تأمينهم على دعائه فاما نصوص المالكية ففي المعيار، قال ابن عرفة مضي عمل من يقتدى به في العلم والدين من الأئمة على الدعاء بأثر الذكرا لوارد إثر تمام الصلاة وما سمعت من ينكره إلا جاهل غير مقتدى به ورحم الله بعض الأندلسيين

- (۲) المستدرک علی الصحیحین، کتاب الصلاة، مکتبۃ نزار مصطفیٰ الباز ۱/۳۹۹، رقم: ۱۰۱۰۔  
 أبو داؤد شریف، کتاب الصلاة، باب فی الاستغفار، النسخة الهندیة ۱/۲۱۳، دار السلام رقم: ۱۵۲۲۔  
 السنن الکبریٰ للنسائی، کتاب عمل الیوم واللیلۃ، دار الکتب العلمیۃ بیروت ۶/۳۲، رقم: ۹۹۳۷۔  
 المعجم الکبیر للطبرانی، دار احیاء التراث العربی ۲۰/۶۰، رقم: ۱۱۰۔  
 صحیح ابن حبان، دار الفکر بیروت ۳/۱۸۳، رقم: ۲۰۱۷۔

جب انھوں نے یہ سنا کہ بعض لوگ اس کا انکار کرتے ہیں تو ایک رسالہ اس کی تردید میں تصنیف فرمایا۔ الخ اور (کتاب معیار کے) نوازل الصلوٰۃ میں مرقوم ہے ان امور میں سے جن کا ثبوت مثل ضروریات و بدیہیات کے ہے تمام اطراف دنیا میں ائمہ کرام کا یہ عمل بھی ہے کہ نمازوں کے بعد مساجد اور جماعات میں دعا مانگتے تھے اور استصحاب حال ایک حجتہ شرعیہ ہے اور مشرق و مغرب میں تمام مسلمانوں کا اس پر قدیم زمانہ سے مجتمع اور متفق ہو جانا اور کسی کا انکار نہ کرنا اس عمل کے جائز اور اس کو اختیار کرنے کے مستحب و مستحسن ہونے اور علماء مذہب کے نزدیک اس کے مؤکد ہونے کے دلائل میں سے ہے۔ انتہی باختصار۔

اور قاضی محمد ابن العربیؒ فرماتے ہیں کہ دعاء بعد نماز فرض کے افضل ہے دعاء بعد النفل سے۔ اور اکمال میں ہے کہ عبدالحق رحمۃ اللہ علیہ نے ان مواضع کو جمع کیا ہے جن میں دُعا قبول ہوتی ہے اُن میں سے ایک دعاء بعد نماز بھی ہے اور امام ابن عرفہؒ نے اس بارہ میں کسی کا خلاف ہونے کا انکار فرمایا ہے اور کہا ہے کہ میں اس میں کسی قسم کی کراہت نہیں سمجھتا میں کہتا ہوں کہ امام ابن عرفہؒ نے اگر اپنے قول میں کسی قسم کی کراہت نہ سمجھنے سے یہ مراد لی ہے کہ کسی مقدم بزرگ نے اس کو مکروہ نہیں کہا تو صحیح ہے اور اگر مطلقاً مکروہ نہ کہنا مراد ہے تو اس میں ایک تردد ہے وہ یہ ہے کہ شیخ شہاب الدین قرانی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے قواعد کے آخر میں کراہت ذکر کی ہے

فإنه لما انتهی إليه ذلك أَلَفَ جزءً رَدًّا اعلیٰ منکره. اه وفي نوازل الصلاة منه أيضا من الأمور التي هي كالمعلوم بالضرورة استمرار عمل الائمة في جميع الاقطار على الدعاء أدبار الصلوات في مساجد الجماعات واستصحاب الحال حجة واجتماع الناس عليه في المشارق والمغارب منذ الأزمنة المتقدمة من غير نكير إلى هذه المدة من الأدلة على جوازه واستحسان الأخذ به وتأكده عند علماء الملة. اه باختصار.

وقال القاضي محمد بن العربي: والدعاء بعد المكتوبة أفضل من الدعاء بعد النافلة. وفي الاكمال ذكر عبدالحق اما كن قبول الدعاء وان منها الدعاء أثر الصلاة وانكر الإمام ابن عرفة وجود الخلاف في ذلك وقال: لا، اعراف فيه كراهة، قلت إن عني بقوله: لا اعراف فيه كراهة أي لم تقدم فصحيح وان عني به مطلقا ففيه شئ لأن الشيخ شهاب الدين القرافي رحمه الله تعالى ذكره في آخر قواعده.



وعللها بما يقع بذلك في نفس  
الإمام من التعظيم. اه

وأقول مقتضاه ان القرا في  
كرهه مطلقا سرا أو جهر أو ليس  
كذلك ففي أبي الحسن علي  
الرسالة مانصه القرا في كره مالک  
رضی اللہ عنہ وجماعة من العلماء  
لائمة المساجد والجماعات الدعاء  
عقيب الصلوات المكتوبة جهرًا  
للحاضرين فيجتمع لهذا الإمام  
التقدم وشرف كونه نصب نفسه  
واسطة بين الله تعالى وعباده في  
تحصيل مصالحهم على يديه في  
الدعاء فيوشك ان تعظم نفسه  
ويفسد قلبه ويعصى ربه في هذه  
الحالة أكثر مما يطيعه ف قال  
الجامع الكراهة لوجود العارض  
الغیر الغالب لاينفي الإباحة  
إذا انعدم العارض.

**الجزء الرابع:** وقد أكثر الناس  
في هذه المسئلة اعنى دعاء الإمام  
عقب الصلاة وتأمين الحاضرين  
على دعائه وحاصل ما انفصل عنه  
الإمام ابن عرفة والغبريني

اور علت کراہت کی یہ بیان کی ہے کہ امام کے نفس میں  
اس کی وجہ سے تعظیم و تکریم پیدا ہوتا ہے انتہی۔

اور میں کہتا ہوں کہ مقتضا اس کا یہ ہے کہ علامہ  
قرانی نے اس کو مطلقاً مکروہ کہا ہے خواہ سرّاً ہو یا جہراً  
حالانکہ واقعہ ایسا نہیں ہے کیونکہ ابوالحسن کے حاشیہ رسالہ  
میں یہ الفاظ ہیں قرانی کہتے ہیں کہ امام مالک اور علماء کی  
ایک جماعت نے ائمہ مساجد و جماعات کے لئے فرض  
نمازوں کے بعد حاضرین کو سُننا کے لئے جہراً  
دعا مانگنا مکروہ سمجھا ہے کیونکہ اس صورت میں اس کے  
لئے دو چیزیں بڑائی اور سیادت کی جمع ہو جائیں گی بوجہ  
امامت کے سب کے آگے ہونا دوسرے یہ کہ اس نے  
آپ کو اللہ تعالیٰ اور اس کے بندوں کے درمیان  
دعا میں ایک واسطہ بنا کر قائم کر دیا ہے تو عجب نہیں کہ اس  
کے نفس میں تکریم پیدا ہو جاوے اور اس کا قلب فاسد ہو  
جاوے اور اس حالت میں حق تعالیٰ کی جتنی عبادت کر  
رہا ہے اس سے زیادہ گناہ میں مبتلا ہو جاوے۔ (ف)  
حضرت جامع (رسالہ استجاب الدعوات میں) فرماتے ہیں  
کہ جو کراہت کسی ایسے عارض کی وجہ سے ہو کہ اس کا وجود  
اکثر اور غالب نہ ہو وہ کراہت عارض کے معدوم ہونے  
کے وقت اباحت فی نفسہ کی معارض و مخالف نہیں۔

**چوتھا جزو:** لوگوں نے اس مسئلہ میں بہت  
بحث و گفتگو کی ہے یعنی نماز کے بعد امام کا دُعا کرنا  
اور حاضرین کا اس پر آمین کہتے رہنا اور خلاصہ اس تحقیق کا  
جو امام ابن عرفہ اور غبرینی نے فرمائی ہے۔



یہ ہے کہ ایسی دعا اگر اس نیت سے ہو کہ یہ نماز کی سنتوں اور مستحبات میں سے ایک سنت و مستحب ہے تب تو ناجائز ہے اور اگر اس عقیدہ سے سلامتی کے ساتھ (محض ایک دعا مستجاب ہونے کی حیثیت سے) ہے تو وہ اصل دعا کے حکم میں ہے اور دعا ایک عبادت شرعیہ ہے جس کی فضیلت نصوص شریعت سے معروف و مشہور ہے آہ۔ یہاں تک عدوی کا کلام ختم ہوا کسی قدر تصرف و زیادت کے ساتھ۔

### پانچواں جزو: اور مذہب شافعیہ کی

روایات فقہیہ (اس مسئلہ میں) یہ ہیں فتح المعین اور اس کے متن میں ہے اور مسنون ہے ذکر اور دعا بعد نماز کے آہستہ یعنی دُعا کا آہستہ پڑھنا مسنون ہے منفرد کے لئے بھی اور امام اور مقتدی کے لئے بھی اور اس امام کے لئے بھی جو اس کا ارادہ نہ رکھے کہ حاضرین کو تعلیم ہو یا حاضرین اس کی دُعا سُکر پھر آمین کہیں اھ

اور ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ کی شرح عباب میں اور ان کے فتاویٰ کبریٰ میں ہے مسنون ہے نمازی کے لئے جبکہ وہ منفرد یا مقتدی ہو (جیسا کہ کتاب مجموع میں بحوالہ نص مذکور ہے) یہ کہ نماز سے سلام پھیرنے کے بعد کثرت سے ذکر اللہ کرے اور پست آواز سے دعا مانگے جیسا کہ احادیث صحیحہ میں وارد ہوا ہے لیکن امام اسنوی فرماتے ہیں کہ حق یہ ہے کہ امام کے لئے مسنون یہ ہے کہ مقتدیوں کے ساتھ ذکر و دعا میں اختصار کرے جب وہ چلے جائیں (یا منتشر ہو جائیں) پھر طویل ذکر و دعا کر سکتا ہے۔

ان ذلک ان کان علی نية أنه من سنن الصلاة وفضائلها فهو غير جائز وإن کان مع السلامة من ذلک فهو باق علی حکم أصل الدعاء والدعاء عبادة شرعية فضلها من الشريعة معلوم عظمه الجزء الخامس: وأما

نصوص الشافعية ففي فتح المعين مع المتن وسن ذكر و دعاء سرا عقبها أي الصلاة أي یسن الا سرار بهما لمنفرد و مأ موم و إمام لم یرد تعلیم الحاضرین ولا تامينهم لدعائه بسما عه. اه

وفي شرح العباب لابن حجر و فتاویہ الكبرى ویسن للمصلی إذا كان منفردا أو مأ موما كما في المجموع عن النص بعد السلام عن الصلوة إكثار ذکر اللہ تعالیٰ والدعاء سرالأخبار الصحيحة؛ لكن قال الاسنوی الحق أنه یسن للإمام أن یختصر في الذکر والدعاء بحضرة الما مومین فإذا انصرفوا طول .

**الجزء السادس: بعد قوله**

وأما نص الحنابلة باسطر فيؤخذ من مجموع ذلك ان الدعاء إثر الصلوات مسنون عند الحنابلة؛ لأنه من ساعات الإجابة كما دلت عليه الأحاديث المارة، بل قال الشيخ منصور بن إدریس الحنبلي: في شرح الاقناع مع المتن يسن ذكر الله والدعاء والاستغفار عقب الصلوة المكتوبة الى ان قال ويدعو الإمام بعد فجر وعصر لحضور الملكة فيهما فيؤمنون على الدعاء فيكون أقرب للإجابة وكذا يدعو بعد غيرهما من الصلوة لأن من اوقات الاجابة أدبار المكتوبات ويبدأ الدعاء بالحمد لله والثناء عليه ويختم به ويصلي على النبي صلى الله عليه وسلم أوله وآخره ووسطه ويستقبل الداعي غير الإمام هنا القبلة لأن خير المجالس ما استقبل به القبلة ويكره للإمام استقبال القبلة. بل يستقبل لمامومين لما تقدم أنه ينحرف اليهم إذا سلم ويلح الداعي في الدعاء.

**چھٹا جزو: اور مذہب حنابلہ کی روایات فقہیہ**

کے متعلق کچھ عبارات صاحب رسالہ نے نقل کرنے کے بعد فرمایا ہے کہ ان عبارات کے مجموعہ سے یہ سمجھا جاتا ہے کہ دعاء بعد تمام نمازوں کے حنابلہ کے نزدیک مسنون ہے اس لئے کہ یہ وقت ساعات اجابت میں سے ہے جیسا کہ احادیث مذکورہ اس پر دلالت کرتی ہیں؛ بلکہ شیخ منصور ابن ادریس حنبلیؒ نے شرح اقناع میں فرمایا ہے کہ مسنون ہے ذکر اللہ اور دعاء واستغفار بعد نماز فرض کے یہاں تک فرمایا اور دعاء کرے امام بعد نماز فجر وعصر کیونکہ ان دونوں نمازوں میں فرشتے حاضر ہوتے ہیں تو وہ اس کی دعا پر آمین کہیں گے جس سے وہ اقرب الی القبول ہو جاوے گی اور اسی طرح ان دونوں نمازوں کے علاوہ اور نمازوں میں دعا کرے کیونکہ اوقات اجابت میں سے ایک وقت فرض نمازوں کے بعد بھی ہے اور چاہیئے کہ دعا کو حمد و ثنا سے شروع کرے اور اسی پر ختم کرے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجے دُعا کے اوّل و آخر میں بھی اور وسط میں بھی اور سب دُعا کرنے والے اس وقت قبلہ کی طرف کو منہ کریں علاوہ امام کے کیونکہ بہترین مجلس وہ ہے جس میں استقبال قبلہ ہو لیکن امام کے لئے استقبال قبلہ (بعد ختم نماز کے) مکروہ ہے بلکہ متقدیوں کی طرف توجہ کر کے بیٹھے کیونکہ اوپر گزر چکا ہے کہ امام کو بعد سلام کے مقتدیوں کی طرف پھر جانا چاہیئے اور چاہئے کہ دُعا کرنے والا دعاء میں الحاح و اصرار کرے

ویکوره ثلاثاً لأنه نوع من  
الالاحاح والدعاء سراً أفضل  
منه جهراً لقوله تعالى: أَدْعُوا  
رَبَّكُمْ تَضَرُّعاً وَخَفِيَّةً (۱)  
لأنه أقرب إلى الإخلاص .

قال ويكره رفع الصوت به في  
الصلاة وغيرها الاحاح فإن  
رفع الصوت له أفضل لحديث  
أفضل الحج العج والشج. ۵۱ (۲)  
المراد والظاهر أنهم لا يكرهون  
الجهر بالدعاء لقصد التعليم  
والتأمين فتدبر -

**الجزء السابع:** وأما نص  
الأحناف ففي شرح نور الإيضاح  
للشيخ حسن الشرنبلالی الحنفی  
مع المتن يستحب للامام بعده

(۱) سورة الأعراف: الآية ۵۵ -

(۲) عن عبد الله قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: أفضل الحج العج والشج،  
فأما العج: فالتلبية، وأما الشج فنحر البدن. (مسند أحمد أبو يعلى الموصلي، دار الكتب العلمية  
بيروت ۴/ ۳۶۳، رقم: ۵۰۶۴ -

مجمع الزوائد، كتاب الحج، باب الاهلال والتلبية، دار الكتب العلمية بيروت ۳/ ۲۲۴ -  
ترمذي شريف، كتاب الحج، باب في فضل التلبية والنحر، النسخة الهندية ۱/ ۱۷۰،  
دار السلام رقم: ۸۲۷۰ -

اور دُعا کو تین مرتبہ مکرر کرے کیونکہ مکرر کرنا بھی صورت الحاح  
کی ہے اور دُعا پست آواز سے بہ نسبت جہر کے افضل ہے  
کیونکہ حق تعالیٰ کا ارشاد ہے: ادعوا ربکم تضرعاً  
وخفیة یعنی اپنے رب کو پکارو الاحاح وزاری کے ساتھ خفی آواز  
سے کیونکہ خفیہ اور سر آدعا کرنا اخلاص کی طرف اقرب ہے۔  
فرمایا (یعنی شیخ منصور نے) اور دُعا میں جہر اور بلند آوازی  
نماز اور غیر نماز میں مکروہ ہے مگر حج کرنے والا اس سے  
مستثنیٰ ہے کہ اس کے لئے آواز بلند کرنا ہی افضل ہے بوجہ اس  
حدیث کے کہ افضل حج وہ ہے جس میں آوازیں (دعا  
وتلبیہ کی) بلند ہوں اور خون (قربانیوں کے) بہائے جائیں  
مراد بظاہر یہ ہے کہ اگر دعا کا جہر تعلیم حاضرین اور ان کے  
آمین کہنے کے قصد سے ہو تو علماء اس کو مکروہ نہیں کہتے۔

**ساتواں جزو:** اور مذہب حنفیہ کی روایات  
فقہیہ یہ ہیں علامہ شرنبلانی کی شرح نور الایضاح اور اس  
کے متن میں ہے مستحب ہے امام کے لئے بعد نفل کے

مجمع الزوائد، کتاب الحج، باب الاهلال والتلبية، دار الكتب العلمية بيروت ۳/ ۲۲۴ -  
ترمذي شريف، كتاب الحج، باب في فضل التلبية والنحر، النسخة الهندية ۱/ ۱۷۰،  
دار السلام رقم: ۸۲۷۰ -

أي بعد التطوع وعقب الفرض إن لم يكن بعده نافلة أن يستقبل الناس إن شاء إن لم يكن في مقابله مصل لما في الصحيحين كان النبي صلى الله عليه وسلم إذا صلى اقبل علينا بوجهه وإن شاء الإمام إنحرف عن يساره وجعل القبلة عن يمينه وإن شاء إنحرف عن يمينه وجعل القبلة عن يساره وهذا أولى لما في مسلم كذا إذا صلينا خلف رسول الله صلى الله عليه وسلم احببنا أن نكون عن يمينه حتى يقبل علينا بوجهه وإن ذهب لحوائجه، قال تعالى: فاذا قضيت الصلوة فانثيروا في الأرض وابتغوا من فضل الله والأمر للاباحة إلى قوله: رافعي أيديهم حذاء الصدور وبطونها ممائلي الوجه بخشوع وسكون الخ۔ (۱)

### الجزء الثامن: فتحصل من

هذا كله ان الدعاء دبر الصلوات

اور بعد فرض کے اگر بعد اس فرض کے کوئی نفل نہ ہو یہ کہ اگر چاہے لوگوں کی طرف متوجہ ہو کر بیٹھ جائے بشرطیکہ اس کے مواجہہ میں کوئی شخص نماز نہ پڑھ رہا ہو۔ کیونکہ صحیحین (بخاری و مسلم) میں ہے کہ نبی کریم ﷺ جب نماز پڑھ لیتے تھے تو ہماری طرف متوجہ ہو جاتے تھے اور اگر چاہے تو امام یہ بھی کر سکتا ہے کہ اپنی بائیں جانب کی طرف پھر جائے اور قبلہ کو اپنی دائیں جانب کرے اور اگر چاہے تو اپنی دائیں جانب پھر جائے اور قبلہ کو اپنی بائیں جانب کرے اور یہ اخیر صورت اولیٰ و بہتر ہے اسلئے کہ مسلم کی حدیث میں ہے جب ہم نبی کریم ﷺ کے پیچھے نماز پڑھتے تھے تو یہ چاہتے تھے کہ ہم آپ کی دائیں جانب میں کھڑے ہوں تاکہ آپ کا چہرہ مبارک ہماری طرف ہو اور امام کو یہ بھی اختیار ہے کہ بعد نماز کے نہ بیٹھے بلکہ اپنی حاجات کے لئے اٹھ کھڑا ہو حق تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ جب نماز پوری ہو جائے تو اطراف زمین میں منتشر ہو جاؤ اور اللہ تعالیٰ کے رزق و روزی کو طلب کرو اور یہ حکم (منتشر ہو جانے کا) اباحت و جواز کے لئے ہے (الی قولہ) دعا کے وقت ہاتھ اٹھائے ہوئے ہوں اپنے سینوں کے برابر اور ہاتھ کی اندرونی جانب یعنی ہتھیلی کی طرف اپنے چہرہ کی جانب ہو اور یہ تمام افعال خشوع و سکون کے ساتھ ہونا چاہئیں۔

### آٹھواں جزو: پس ان تمام احادیث اور

عبارات مذاہب سے یہ حاصل ہوا کہ تمام نمازوں کے بعد

(۱) مراقی الفلاح مع الطحطاوی، کتاب الصلاة، فصل في صفة الأذکار الواردة بعد

## ظن الجھول بان مطلق عقله

يهديه يوما للسبيل المستوي

## فاضله حتى الشريعة ردها

بمجر دالبهتان والسفه القوى

يارب سلمنا وسلم ديننا

## واهد العباد لمنهج الحق السوى

**ترجمہ نظم:** جاہل نے یہ سمجھ لیا کہ محض اس کی عقل کسی وقت اسکو سیدھے راستہ کی ہدایت کر دے گی۔ اُس کے اس گمان نے اسے گمراہ کر دیا یہاں تک کہ شریعت پر محض بہتان اور اپنی انتہائی بیوقوفی سے رد کرنے لگا، اے ہمارے پروردگار! ہمیں اور ہمارے دین کو سلامت رکھ اور اپنے بندوں کو صحیح اور سیدھے راستہ کی ہدایت فرما۔

## الجزء التاسع: فيما يتعلق برفع

## اليدين عند الدعاء قال السيد محمد

بن عبدالرحمن الاهدل اعلم وفقني

اللّٰهُ وَإِيَّاكَ لِمَرْضَاتِهِ أَنْ رَفَعَ الْيَدَيْنِ

في الدعاء أي دعاء كان في أي وقت كان

## بعد الصَّلوات الخمس وغيرها دلت

عليه الأحاديث خصوصاً وعموماً

فمن العموم ما أخرجه أبو داود

## والترمذی وحسنه وابن ماجه

وابن حبان في صحيحه والحاكم

وقال صحيح على شرط

الشيخين من حديث سلمان قال:

**نواں جزو :** دعا کے وقت ہاتھ اٹھانے کے متعلق سید محمد ابن عبدالرحمن اہل فرماتے ہیں سمجھ لو حق تعالیٰ مجھے اور تمہیں اپنی رضا کی توفیق عطا فرمائے کہ دُعا کے وقت خواہ وہ کوئی دُعا ہو، اور کسی وقت ہو نمازوں کے بعد ہو یا ان کے سوا دوسرے اوقات میں ہاتھ اُٹھانے پر احادیث نبویہ دلالت کرتی ہیں خاص خاص اوقات کے لئے بھی اور عام اوقات کے لئے بھی الفاظ عموم کی روایات تو یہ ہیں: ابو داؤد و ترمذی وابن ماجہ نے روایت کیا ہے اور ترمذی نے اس روایت کو حسن کہا ہے اور حبان نے اس روایت کو اپنی صحیح میں درج کیا ہے اور حاکم نے مستدرک میں اس کو صحیح علی شرط الشیخین لکھا ہے وہ حدیث یہ ہے حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ

الشيخين من حديث سلمان قال:

فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ اللہ تعالیٰ بہت حیا کرنے والے اور کریم ہیں وہ اس سے حیا کرتے ہیں کہ کوئی شخص اس کی طرف دعاء کے لئے ہاتھ اٹھائے اور وہ انھیں خالی اور محروم لوٹا دے

اور حاکم نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے اور اس کو صحیح الاسناد کہا ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ رحیم و کریم ہے اس بندہ سے حیا کرتا ہے جو اس کی طرف ہاتھ اٹھائے کہ اس کے ہاتھوں پر کوئی خیر و عطا نہ رکھے

اور امام احمد اور ابوداؤد نے حضرت مالک بن یسار سے روایت کیا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ جب تم اللہ تعالیٰ سے سوال کرو تو ہاتھوں کے باطنی جانب سے سوال کرو ظاہری طرف سے نہ کرو (یعنی ہتھیلیاں چہرہ کی طرف ہوں اور پشت دست نیچے کی طرف)

قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ اللَّهَ حَيُّ كَرِيمٌ يَسْتَحْيِي إِذَا رَفَعَ الرَّجُلُ إِلَيْهِ يَدَيْهِ أَنْ يَرُدَّهُمَا صَفْرًا خَائِبَتَيْنِ. (۱)

وَأَخْرَجَ الْحَاكِمُ وَقَالَ صَحِيحُ الْأَسْنَادِ مِنْ حَدِيثِ أَنَسٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ ﷺ إِنَّ اللَّهَ رَحِيمٌ كَرِيمٌ يَسْتَحْيِي مِنْ عَبْدِهِ أَنْ يَرْفَعَ إِلَيْهِ يَدَيْهِ ثُمَّ لَا يَضَعُ فِيهِمَا خَيْرًا (۲)

وَأَخْرَجَ أَحْمَدُ وَأَبُو دَاوُدَ مِنْ حَدِيثِ مَالِكِ بْنِ يَسَارٍ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا سَأَلْتُمُ اللَّهَ فَاسْأَلُوهُ بَبْطُونِ أَكْفَكُمْ وَلَا تَسْأَلُوهُ بظهورها. (۳)

(۱) أبو داؤد شریف، کتاب الصلاة، باب الدعاء، النسخة الهندية ۲۰۹/۱، دار السلام رقم: ۱۴۸۶۔

ترمذی شریف، أبواب الدعوات، باب بلاترجمہ، النسخة الهندية ۱۹۶/۲، دار السلام رقم: ۳۵۵۶۔

صحیح ابن حبان، دار الفکر بیروت ۹۲/۲-۹۳۔

المعجم الكبير للطبراني، دار إحياء التراث العربي ۲۵۶/۶، رقم: ۶۱۴۸۔

مصنف عبد الرزاق، المجلس العلمي بیروت ۲۵۱/۲، رقم: ۳۲۵۰۔

المستدرک علی الصحیحین، کتاب الدعاء والتکبیر، مکتبة نزار مصطفى الباز ۶۹۹/۲، رقم: ۱۸۳۱۔

(۲) المستدرک علی الصحیحین، کتاب الدعاء والتکبیر، مکتبة نزار مصطفى الباز

۶۹۹/۲، رقم: ۱۸۳۲۔

(۳) أبو داؤد شریف، کتاب الصلاة، باب الدعاء، النسخة الهندية ۲۰۹/۱، دار السلام رقم: ۱۴۸۶۔

وأخرج أيضا من حديث ابن عباس نحوه وزاد فيه فإذا فرغتم فامسحوا بها وجوهكم. (۱)

وأخرج الترمذی من حديث عمر بن الخطاب رضي الله عنه قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم إذا رفع يديه في الدعاء لم يحطهما حتى يمسح بهما وجهه (۲)

اور حضرت ابن عباسؓ سے بھی ایسی ہی روایت نقل کی ہے اور اس میں یہ زیادہ کیا ہے کہ جب دعا سے فارغ ہو جاؤ تو ہاتھ اپنے منہ پر پھیر لو۔ اور ترمذی نے حضرت عمر بن خطابؓ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب دعاء کے لئے ہاتھ اٹھاتے تھے تو ان کو نہ ڈالتے تھے جب تک کہ ان سے چہرہ مبارک پر مسح نہ فرمالیں۔

وقال في فتح الباري في كتاب الدعوات في باب رفع اليدين في الدعاء وقد وردت الاخبار في مشروعية الرفع، وقد أخرج أبو داود والترمذی وحسنه وغيرهما من حديث سلمان رفعه ان ربكم حيي كريم يستحيي من عبده إذا رفع يديه ان يردهما صفر ابكسر المهملة وسكون الفاء اى خالية وسنده جيد ۵۱. (۳) و من الخصوص ما مر في الفصل الأول.

اور فتح الباری کتاب الدعوات باب رفع الیدین فی الدعاء میں ہے کہ وارد ہوئی ہیں بہت سی احادیث ہاتھ اٹھانے کی مشروعیت میں اور حضرت ابو داؤد نے حضرت سلمانؓ سے روایت کیا ہے اور ترمذی نے روایت کر کے حسن کہا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ تمہارا رب، حیا کرنے والا کریم ہے اپنے بندہ سے حیا کرتا ہے کہ جب وہ ہاتھ اٹھائے ان کو خالی لوٹا دے اور سند اس حدیث کی عمدہ ہے اور وہ روایات جن میں خاص خاص اوقات کی دعاؤں میں ہاتھ اٹھانے کا ارشاد ہے وہ اس رسالہ کی فصل اول میں گزر گئی ہیں۔

(۱) أبو داؤد شریف، کتاب الصلاة، باب الدعاء، النسخة الهندية ۲۰۹/۱، دار السلام رقم: ۱۴۸۵۔

(۲) ترمذی شریف، أبواب الدعوات، باب ماجاء في رفع الأيدي عند الدعاء، النسخة الهندية

۱۷۶/۲، دار السلام رقم: ۳۳۸۶۔

(۳) فتح الباري، کتاب الدعوات، باب رفع الیدین فی الدعاء، مكتبة اشرفية ديوبند

۱۷۲/۱۱، رقم: ۶۳۴۱، دار إحياء التراث العربي ۱۱/۱۴۷۔

**ف ۱:** اس رسالہ کی تلخیص کرنے والے حضرت حکیم الامت دامت برکاتہم فرماتے ہیں کہ فصل اوّل سے اصل رسالہ مسلک السادات کی فصل اول مُراد ہے اور اس تلخیص رسالہ میں یہ روایات جز اوّل کے زیر عنوان گزری ہیں۔

**ف ۲:** حضرت جامع فرماتے ہیں کہ مصنف کا یہ فرمانا کہ دُعا کے وقت ہاتھ اٹھانا ہر حال اور ہر وقت میں بعد نماز ہو یا دوسرے اوقات میں بہر حال مستحب ہے یہ اس وقت ہے جبکہ الفاظ دُعا کو طلب حاجت کے قصد و نیت سے پڑھے لیکن جب یہ قصد نہ ہو بلکہ بطور ذکر مسنون کے پڑھنا ہو جیسے صبح و شام اور خواب و بیداری کے اوقات کی دُعا ئیں یا بیت الخلاء میں جانے اور نکلنے کی اور مسجد میں جانے اور نکلنے کی اور وضو کی دُعا ئیں اور مجلس سے اُٹھنے اور بازار میں داخل ہونے وغیرہ کی دُعا ئیں جیسا کہ کتاب عمل الیوم واللیہ اور اذکار نووی اور حصن حصین میں دُعا ئیں مفصل مذکور ہیں

تو ان دُعاؤں میں ہاتھ اٹھانا مسنون نہیں اور سلف و خلف میں کسی عالم یا فقیہ کو نہیں سنا گیا کہ وہ ان میں ہاتھ اٹھانے کے مستحب یا مسنون ہونے کا قائل ہو اور کیسے ہو سکتا ہے کیونکہ اگر ایسا ہوتا تو مسلمان کا کوئی وقت بھی ہاتھ اٹھانے سے خالی نہ رہتا کیونکہ یہ دُعا ئیں تو انسان کی ہر نقل و حرکت پر مسنون ہیں۔

**ف ۱:** قال جامع: أي من أصل الكتاب وهو ما سبق في الجزء الأول من هذا الانتخاب.

**ف ۲:** قال الجامع: أما استحباب رفع الأيدي للدعاء على كل حال فمراده إذا قرء الفاظ الدعاء وبنية الدعاء وطلب الحاجة كما هو دأب الداعي وأما إذا ذكر بعض الأدعية الماثورة بنية الذكر والاستئناس بسنة النبي صلى الله عليه وسلم كما في أدعية الصباح والمساء والنوم واليقظة ودخول الخلاء والخروج عنه ودخول المسجد والخروج عنه والدعاء عند الوضوء والقيام من المجلس ودخول السوق وامثال ذلك على ما بسطه علماء هذا الفن كما في عمل اليوم واليلية لابن السني. والأذكار للنووي والحصن الحصين وغيرها

فلم يسمع بمن قال بسنية رفع اليدين في هذه المواضع ولم يسمع في السلف والخلف بمن يفعل ذلك كيف ولو كان كذلك لرأيت الناس في عامة أحيانهم وأحوالهم رافعي أيديهم



اور یہ فرق جو مذکور ہوا حضرات فقہانے اس کی رعایت دوسرے موقع پر بھی فرمائی ہی مثلاً جنبی کیلئے حکم ہے کہ اگر تلاوت قرآن بہ نیت تلاوت کرے تو جائز نہیں اور اگر بہ نیت ذکر ماثور یا طلب حاجت کرے تو جائز ہے جیسا کہ عام کتب فقہ میں موجود ہے۔

وهذا الفرق في ذكر الفاظ الأدعية قدر عاه الفقهاء حق الرعاية حيث قالوا في الجنب أنه لا يجوز له قراءة الأدعية إذا كان بنية التلاوة وأما إذا ذكرها بنية الدعاء فيجوز كما في عامة كتب الحنفية انتهى.

**دسواں جزو:** رفع یدین فی الدعاء کے متعلق مذاہب اربعہ کی تصریحات (حضرات مالکیہ کی روایات تو یہ ہیں عتبہ میں ہے کہ امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ میں نے عامر بن عبداللہؓ کو دیکھا کہ نماز کے بعد بیٹھے ہوئے ہاتھ اٹھا کر دعا مانگ رہے ہیں امام مالکؒ سے کسی نے سوال کیا کہ کیا آپ اس میں کچھ کراہت سمجھتے ہیں فرمایا کہ میں اس میں کوئی کراہت نہیں سمجھتا البتہ ہاتھوں کو بہت زیادہ نہ اٹھائے

**الجزء العاشر:** في حكم رفع اليدين على المذاهب الأربعة أما عند المالكية ففي عتبية قال مالك: رأيت عامر بن عبد الله يرفع يديه وهو جالس بعد الصلاة يدعو فقليل لمالك أترى بهذا بأساً، قال: لا، أرى به بأساً ولا يرفعهما جداً.

اور یہ بھی فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف ہاتھ اٹھانا بوقت رغبت کے اظہار عاجزی و طلب کے طور پر محمود و مستحسن ہے اور قاضی ابومحمد ابن العربیؒ فرماتے ہیں کہ علماء کا اس بارہ میں اختلاف ہے کہ رفع یدین کس حد تک ہونا چاہیئے بعض نے فرمایا ہے کہ سینہ تک اور بعض نے چہرہ تک اور نبی کریم ﷺ سے منقول ہے کہ آپ دُعا میں اس حد تک ہاتھ اٹھاتے تھے کہ آپ کی بغل مبارک کی سفیدی ظاہر ہو جاتی تھی۔

وقال أيضاً رفع اليدين الى الله تعالى عند الرغبة على وجه الاستكانة والطلب محمود. وقال القاضي أبو محمد ابن العربي: اختلفوا في الرفع إلى أين يكون فقليل إلى الصدر وقيل إلى الوجه وجاء عن النبي صلى الله عليه وسلم أنه كان يرفع يديه في الدعاء حتى يبد وبياض ابطنيه. (۱)

(۱) مشکوٰۃ شریف، کتاب الدعوات، باب ذکر اللہ، مکتبۃ اشرفیہ دیوبند ۱/ ۱۹۶۔

مسلم شریف، کتاب صلاۃ الاستسقاء، باب رفع یدین فی الدعاء فی الاستسقاء، النسخۃ الہندیہ

**الجزء الحادى عشر: واما عند**

الشافعية ففي فتح المبين على الأربعين  
لابن حجر و رفع اليدين في الدعاء سنة  
في غير الصلوة وفيها في القنوت  
اتباعا له صلى الله عليه وسلم۔

**الجزء الثانى عشر: واما عند**

الاحناف فقد مر عن الشر نبالى  
طلب رفعهما في الدعاء دبر الصلوة  
حذاء الصدر و بطونهما مما يلي  
الوجه بخشوع و سُكُون. (۱)

ف: قال الجامع و سبق ماعن  
الشر نبالى في الجزء السابع.

**الجزء الثالث عشر: وأما**

عند الحنابلة فمقتضى قول الشيخ  
البهوتى في شرح المقنع في باب  
الاستسقاء و يرفع يديه استحبابا في  
الدعاء لقول أنس كان النبى صلى  
الله عليه وسلم لا يرفع يديه في شئ  
من دعائه إلا في الاستسقاء و كان  
يرفع حتى يرى بياض ابطه متفق عليه

**گیار ہواں جزو: اور مذاہب شوافع**

کی روایت فقہی یہ ہے کہ فتح المبین حاشیہ اربعین  
ابن حجر میں ہے اور اٹھانا ہاتھوں کا دعائیں سنت ہے  
غیر نماز میں اور نماز میں صرف قنوت کے وقت  
حسب اتباع نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم۔

**بارہواں جزو: اور مذاہب حنفیہ کی روایات**

فقہی بحوالہ شرح نور الایضاح شرنبلالی او پر گزر چکی ہے  
جس میں تمام نمازوں کے بعد خشوع و خضوع کے ساتھ  
سیدہ تک ہاتھ اٹھانے اور ان کے اندرونی حصہ کو چہرہ کی  
طرف کرنے کا مطلوب و مستحب ہونا مذکور ہے۔

ف: حضرت جامع مدظلہم فرماتے ہیں کہ شرنبلالی کی یہ  
عبارت ساتویں جزو میں مذکور ہوئی ہے۔

**تیسر ہواں جزو: اور حنابلہ کی روایات**

مذہب یہ ہیں شرح مقنع باب الاستسقاء میں شیخ  
بہوتی کا قول ہے کہ اٹھائے اپنے دونوں ہاتھ  
دعائیں استجاباً بوجہ ارشاد حضرت انس رضی اللہ عنہ  
کے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نہیں اٹھاتے تھے  
ہاتھ کسی دعائیں سوائے استسقاء کے اور آپ  
(استسقاء میں) اس حد تک ہاتھ اٹھاتے تھے کہ بغل  
مبارک کی سفیدی ظاہر ہو جاتی تھی۔

(۱) مراقی الفلاح مع الحاشیة الطحطاوی، کتاب الصلاة، فصل في صفة الأذكار الواردة

بعد صلاة الفرض وفضلها وغیره، مکتبہ، دار الکتاب دیوبند ص: ۳۱۷

یہ روایت بخاری و مسلم میں ہے اور (استسقاء میں) پشت ہاتھوں کی آسمان کی طرف رہنا چاہیے روایت کیا اس کو مسلم نے، اور مقتضی اس قول کا یہ ہے کہ اٹھانا ہاتھوں کا نماز استسقاء کے سوا دوسرے مواقع میں مکروہ ہے لیکن خود شیخ بہوٹی کا قول یہ بھی گزر چکا ہے کہ قنوت میں بھی ہاتھ اٹھائے جاویں بلکہ شیخ منصور بن ادریس حنبلی شرح اقیاع میں فرماتے ہیں کہ آداب دعا میں سے ہے پھیلانا ہاتھوں کا اور اٹھانا ان کا اپنے سینہ تک بوجہ حدیث حضرت مالک بن یسار رضی اللہ عنہ کے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جب تم اللہ تعالیٰ سے سوال کرو تو ہاتھوں کی باطنی جانب سے سوال کرو ظاہری جانب سے نہ کرو روایت کیا اس کو ابوداؤد نے اسناد حسن سے اور ہاتھ ملے ہوئے ہونے چاہئیں اس لئے کہ طبرانی نے معجم کبیر میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب دعا فرماتے تھے تو دونوں ہتھیلیوں کو ملاتے تھے اور ہاتھوں کی اندرونی جانب اپنے چہرہ کی طرف کرتے تھے اور مواہب میں اس روایت کو ضعیف کہا ہے۔

(۱) وظہور ہما نحو السماء حدیث رواہ مسلم. (۲) ان رفعہما مکروہ فی غیر الاستسقاء لکن مرعہ رفعہما فی القنوت؛ بل قال الشیخ منصور بن ادریس الحنبلی: فی شرح الاقناع مع المتن ومن آداب الدعاء بسط یدیه و رفعہما إلی صدرہ لحديث مالک بن یسار مرفوعاً إذا سألتم اللہ فاسئلوه ببطون اکفکم ولا تسألوها بظہورہا. رواہ أبو داؤد بإسناد حسن (۳) وتكون یدہ مضمومتین لماروی الطبرانی فی الکبیر عن ابن عباس کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم إذا دعا ضم کفیه وجعل بطونہما مایلی وجہہ وضعفہ فی المواہب۔

(۱) بخاری شریف، کتاب المناقب، باب صفة النبي صلى الله عليه وسلم، النسخة الهندية ۵۰۳/۱، رقم: ۳۴۴۰، ف: ۳۵۶۵۔

مسلم شریف، کتاب صلاة الاستسقاء، باب رفع الیدین بالدعاء فی الاستسقاء، النسخة الهندية ۲۹۳/۱، بیت الأفكار رقم: ۸۹۵۔

(۲) عن أنس بن مالک رضي الله تعالى عنه أن النبي صلى الله عليه وسلم استسقى فأشار بظهر كفيه إلى السماء. (مسلم شریف، کتاب صلاة الاستسقاء، باب رفع الیدین بالدعاء فی الاستسقاء، النسخة الهندية ۲۹۳/۱، بیت الأفكار رقم: ۸۹۴)

(۳) أبوداؤد شریف، کتاب الصلاة، باب الدعاء، النسخة الهندية ۲۰۹/۱،

دار السلام رقم: ۱۴۸۶۔

### چود ہواں جزو: دُعاء کے بعد چہرہ پر

ہاتھ پھیرنے کے متعلق وہ احادیث و روایات اوپر گزر چکی ہیں جن سے دعا کے بعد چہرہ پر ہاتھ پھیرنے کا مستحب ہونا معلوم ہوتا ہے اب رہا چاروں مذاہب میں اس کا حکم سو مالکیہ کے مذہب کی روایت تو یہ ہے کہ معیار میں ابن زرقون کا قول نقل کیا ہے کہ حدیث میں آیا ہے مسح کرنا اپنے چہرہ کا دونوں ہاتھوں سے بوقت اختتام دعاء کے اور اس کے ساتھ تمام عوام و خواص اور علماء کا عمل مل گیا جس سے اس روایت کی تقویت ہوگئی اور ابن رشد فرماتے ہیں کہ: امام مالکؒ نے دونوں ہاتھوں کے چہرہ پر پھیرنے کا، بایں وجہ انکار کیا ہے کہ اس کے لئے کوئی حدیث نہیں آئی؛ البتہ اس حدیث سے اس کو لیا جاتا ہے جو حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے منقول ہے۔

میں کہتا ہوں کہ امام استاد ابوسعید بن لبؒ اور ابوعبداللہ بن علاقؒ اور ابوالقاسم بن سراجؒ جو متاخرین علماء غرناطہ میں سے ہیں اور ابن عرفہؒ اور برزلیؒ اور غبرینیؒ جو ائمہ تونس میں سے ہیں اور سید ابویکیؒ شریف اور ابوالفضل عقبائیؒ جو ائمہ تلمسان میں سے ہیں یہ سب حضرات دعاء کے بعد چہرہ پر دونوں ہاتھ پھیرنے کے جواز کے قائل ہیں اور اسی پر ائمہ فاس کا عمل رہا ہے۔

### الجزء الرابع عشر: فیما

یتعلق بمسح الوجه بالیدین بعد الدعاء قد مر ما يدل على طلبه من الأحاديث وأما حكمه على المذاهب الأربعة فعند المالكية قال في المعيار: قال ابن زرقون: ورد الخبر بمسح الوجه باليدین عند انقضاء الدعاء واتصل به عمل الناس والعلماء.

وقال ابن رشد أنكر مالک مسح الوجه بالكفين لكونه لم يرد به أثر وإنما أخذ من فعله عليه الصلوة والسلام للحديث الذي جاء عن عمر رضي الله تعالى عنه (۱)

قلت قال بجواز مسح الوجه باليدین عند ختم الدعاء، الإمام الأستاذ أبو سعيد بن لب وأبو عبد الله بن علاق وأبو القاسم بن سراج من متأخري أئمة غرناطة وابن عرفة والبرزلي والغبريني من أئمة تونس والسيد أبو يحيى الشريف وأبو الفضل العقباني من أئمة تلمسان وعليه مضى عمل أئمة فاس. اه

(۱) عن عمر بن الخطابؓ قال: كان رسول الله صلى الله عليه وسلم إذا رفع يديه في

الدعاء لم يحطهما حتى يمسح بهما وجهه، قال محمد بن المثنى في حديثه، لم يردهما حتى يمسح بهما وجهه. (ترمذي شريف، أبواب الدعوات، باب ما جاء في رفع الأيدي عند الدعاء،

والممراد بالحديث الذي جاء عن عمر رضي الله عنه ما أخرجه الترمذی عنه قال كان رسول الله صلى الله عليه وسلم إذا رفع يديه في الدعاء لم يحطهما حتى يمسح بهما وجهه. (۱)

اور مراد اس حدیث سے جو حضرت عمرؓ سے منقول ہوئی ہے وہ ہے جو ترمذی نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب اٹھاتے اپنے ہاتھوں کو دُعا میں تو نہ ڈالتے تھے جب تک کہ نہ پھیر لیتے تھے ان کو اپنے چہرہ مبارک پر۔ اہ

نقل ذلك المارزی وغيره كذا في شرح الشيخ محمد بن أبي القاسم المالکی علی نظمه للمسائل التي جرى بها عمل الائمة قال الشيخ أبو القاسم البرزلی وهذا يرد انكار عز الدين بن عبد السلام المسح اه وعند الشافعية والأحناف أنه سنة في كل دعاء الا في القنوت كما في كتبهم. ومرو عن الحنابلة أنه سنة في كل دعاء حتى في القنوت وقد عده ابن حجر في شرح العباب كما مر من آداب الدعاء وقال قال الحليمي والمعنى فيه التفاؤل بان كفيه قد ملئتا خيراً فيفيض منه على وجهه. والله اعلم

اس کو مارزئی وغیرہ نے نقل کیا ہے ذکر کیا اس کو شیخ محمد بن ابی القاسم مالکیؒ نے شرح نظم میں جس میں وہ مسائل جمع کئے ہیں جن پر ائمہ امت کا عمل رہا ہے شیخ ابوالقاسم برزلیؒ فرماتے ہیں کہ اس سے حضرت عزالدین بن عبدالسلامؒ کے انکار مسح وجہ کی تغلیط ہوتی ہے اور مذہب شافعیہؒ کا اس میں یہ ہے کہ وہ سنت ہے ہر دعا میں سوائے دعائوت کے جیسا کہ شوافع کی کتابوں میں اس کی تصریح ہے اور مذہب حنابلہ کی نقل گزر چکی ہے کہ وہ سنت ہر دعا میں بجز دعائوت کے اور ابن حجر نے شرح عباب میں اس کو آداب دعا میں شمار کیا ہے اور کہا ہے کہ حلیمیؒ فرماتے ہیں کہ راز اس فعل کے مستحب ہونے میں نیک فال لینا ہے کہ گویا اس کے ہاتھ خیر سے بھر گئے ہیں اس کو اپنے چہرہ پر ڈالتا ہے۔ اھ واللہ اعلم۔

ف: حضرت جامع دامت برکاتہم فرماتے ہیں کہ یہ قول مسح وجہ في القنوت کا اصل کتاب میں مطلب ثانی

(۱) ترمذی شریف، أبواب الدعاء، باب ماجاء في رفع الأيدي عند الدعاء، النسخة

من الفصل الأول تحت عنوان نص  
الحنابلة بهذه العبارة وفيه أيضاً في  
مبحث صلاة الوتر و يفتت فيها اى  
في الثالثة الى قوله ويمسح وجهه  
بيديه إذا فرغ من دعائه هنا وخارج  
الصلاة اه..... الرسالة تمت

فصل اول میں زیر عنوان نص الحنابلة اسی عبارت مذکورہ  
کے ساتھ منقول ہے اور اس میں صلوٰۃ وتر کی بحث میں  
بھی یہ مذکور ہے کہ تیسری رکعت میں دُعا قنوت کرے  
(الی قولہ) اور مسح کرے اپنے دونوں ہاتھوں سے اپنے  
چہرہ پر جبکہ اپنی دعا سے فارغ ہو اس موقعہ (قنوت)  
میں بھی اور خارج نماز بھی اھ۔

رساله استحباب الدعوات عقيب الصلوات والحمد لله الذى لعزته وجلاله  
تتم الصالحات.

(النور ۹ ربيع الثاني ۱۳۵۵ھ تا النور ۴ شعبان ۱۳۵۵ھ)



## مرد کے سن بلوغ کا بیان

**سوال (۶۶۳):** قدیم ۸۱۶/۱ - سن بلوغ شریعت نے کیا مقرر کیا ہے؟

**الجواب:** بارہ برس کے بعد جب علامات بلوغ کی ظاہر ہو جائیں بلوغ کا حکم کر دیا جائیگا اگر کوئی علامت ظاہر نہ ہو تو بقول مفتی بہ پندرہ سال کی عمر میں بلوغ کا حکم کر دیا جائے گا۔ (۱) واللہ اعلم، اشرف علی سلخ ذی الحجہ ۱۳۵۵ھ والمسئلۃ مشہورۃ فی کتب الفقہ مذکورۃ۔ (النور ربیع الاول ص ۱۵/۱۵۷ھ)

(۱) بلوغ الغلام بالاحتلام..... والجارية بالاحتلام والحیض والحبل، فإن لم يوجد فيهما شيء فحتى يتم بكل منهما خمس عشرة سنة به يفتى. (الدر المختار مع الشامی، کتاب الحجر، فصل بلوغ الغلام بالاحتلام، مكتبة زكريا ديوبند ۲۲۵/۹، كراچی ۱۵۳/۶)

لمن بلغ بالسن وهو خمس عشرة سنة على المفتی به في الغلام والجارية وهو قولهما ورواية عن الإمام إذا العلامة تظهر في هذه المدة غالباً، فجعلوا المدة علامة في حق من لم تظهر له العلامة الخ. (مراقي الفلاح مع الطحطاوي، كتاب الطهارة، فصل یسن الاغتسال لأربعة أشياء، مكتبة دار الكتاب ديوبند ص: ۱۰۸)

والبلوغ بالسن: يكون عند عدم وجود علامة من علامات البلوغ قبل ذلك، واختلف الفقهاء في سن البلوغ فيرى الشافعية، والحنابلة، وأبو يوسف، ومحمد من الحنفية أن البلوغ بالسن يكون بتمام خمس عشرة سنة قمرية للذكر والأنثى. (الموسوعة الفقهية الكويتية بيروت ۱۹۲/۸)

وأما بلوغهما بالسن: فعلى قول أبي يوسف، ومحمد، والشافعي في الغلام والجارية يتقدر بخمس عشرة سنة لحديث ابن عمر قال عرضت على رسول الله صلى الله عليه وسلم يوم أحد وأنا ابن أربع عشر سنة فردني ثم عرضت عليه يوم الخندق وأنا ابن خمس عشر سنة فأجازني، لما سمع عمر بن عبد العزيز هذا الحديث قال هذا هو الفصل بين البالغ وغير البالغ. (مبسوط سرخسي، كتاب الطلاق، باب العدة، وخروج المرأة من بيتها، دار الكتب العلمية بيروت ۵۳/۶)

شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

## ترک صلوٰۃ پر جرمانہ

**سوال (۶۶۴):** قدیم ۱/۸۱۷- خادم جس موضع میں رہتا ہے لوگوں نے بے نمازی مسلمانوں پر جرمانہ مقرر کر رکھا ہے ابھی چند روز سے اہتمام بعض نمازیوں نے یہ کیا ہے جس کی وجہ سے اور لوگ جو بے نمازی تھے نماز پڑھنے لگے اور جرمانہ کے متعلق آنحضور نے کانپور میں وعظ میں کچھ تحقیقات بیان فرمائی تھی جو یاد نہیں رہا یعنی وہ حدیثیں جن سے جرمانہ مقرر کرنا اپنے نفس پر جو کہ جائز ہے اور دوسرے لوگ کسی پر مقرر کریں اس کا ناجائز ہونا پھر اس مال جرمانہ کا وصول کر کے کسی نیک کام میں صرف کرنا اس کا ناجائز ہونا غرض اس کے متعلق جو حدیثیں یا دلائل فقہیہ ہیں آنحضور ان دلائل کو تحریر فرمادیں تاکہ صورت جواز و عدم جواز سے لوگ مطلع کر دیئے جائیں اور دلائل کی خادم نے اپنی یاد کے لئے تکلیف دی ہے کہ تحریر فرمادیں؟

**الجواب:** جرمانے کے مسئلہ کو فقہاء نے تعزیر کے باب میں لکھا ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ حنفیہ اس کے قائل نہیں ہیں اور جو آثار صحابہ کے اس بارہ میں ہیں یا اجتہاد ہے یا اگر مرفوع حکمی ہیں تو منسوخ ہیں (۱)

(۱) لا بأخذ مال في المذهب بحر وفيه عن البزازیة: وقيل يجوز ومعناه أن يمسكه مدة لينزجر ثم يعيده له، فإن آيس من توبته صرفه إلى ما يرى، وفي المجتبى أنه كان في ابتداء الإسلام، ثم نسخ (درمختار) وفي الشامية: قوله: لا بأخذ مال في المذهب، قال في الفتح: وعن أبي يوسف يجوز التعزير للسلطان بأخذ المال، وعندهما وباقي الأئمة لا يجوز. اهـ

ومثله في المعراج: وظاهره أن ذلك رواية ضعيفة عن أبي يوسف قال في الشرع نبالية: لا يفتى بهذا لما فيه من تسليط الظلمة على أخذ مال الناس فيأكلونه. اهـ

ومثله في شرح الوهبانية عن ابن وهبان وقوله: وفيه الخ. أي في البحر: حيث قال: وأفاد في البزازیة أن معنى التعزير بأخذ المال على القول به إمساك شيء من ماله عند مدة لينزجر ثم يعيده الحاكم إليه، لا أن يأخذه الحاكم لنفسه أو لبيت المال كما يتوهمه الظلمة إذ لا يجوز لأحد من المسلمين أخذ مال أحد بغير سبب شرعي. وفي المجتبى لم يذكر كيفية الأخذ، وأرى أن يأخذها فيمسكها، فإن آيس من توبته يصرفها إلى ما يرى، وفي شرح الآثار: التعزير بالمال كان في ابتداء الإسلام ثم نسخ اهـ، ←



اور ناسخ یہ حدیث ہے: لا یحل مال امرء إلا بطیب نفسه. (۱)

اور یہ آیت: لا تأکلوا أموالکم بینکم بالباطل. (۲)

(تمتہ اولی ص ۲۰۰)

← والحاصل أن المذهب عدم التعزير بأخذ المال. (الدر المختار مع الشامي، كتاب الحدود، باب التعزير، مطلب في التعزير بأخذ المال، مكتبة زكريا ديوبند ۱۰۵/۶-۱۰۶، کراچی ۶۱/۴)

ذهب جمهور الفقهاء إلى أنه لا يجوز أخذ مال المسلم أو إتلافه أو إخراجہ عن ملكه بالبيع عقوبة بلا سبب شرعي، لأن الشرع لم يرد بشيء من ذلك عن أحد يقتدى به ولأن المقصود بالعقوبة التأديب، والأدب لا يكون بالإتلاف، أما النصوص الواردة في العقوبة بالمال إنما كان في أول الإسلام ثم نسخ ..... وروي عن النبي صلى الله عليه وسلم "ليس في المال حق سوى الزكاة" وقال بعض مشايخ الحنفية: إن ماروى عن أبي يوسف من جواز التعزير بمصادرة الأموال فمعناه: إمساك شيء من ماله عنه مدة لينزجر، ثم يعيده له الحاكم، لا أن يأخذه الحاكم لنفسه أو لبيت المال كما يتوهمه الظلمة، إذ لا يجوز لأحد من المسلمين أخذ مال أحد من المسلمين بغير سبب شرعي، قال ابن عابدين: أرى أن يأخذها الحاكم فيمسكها، فإن يئس من توبته يصرفها على ما يراه، وقال: والحاصل أن المذهب عدم التعزير بأخذ المال. (الموسوعة الفقهية الكويتية ۳۷/۳۵۴)

ہندیہ، کتاب الحدود، الباب السابع في حد القذف والتعزير، قديم زكريا ۱۶۷/۲، جديد

زكريا ۱۸۱/۲

البحر الرائق، كتاب الحدود، فصل في التعزير، مكتبة زكريا ديوبند ۶۷/۵، كوئٹہ ۴۱/۵

(۱) عن علي بن زيد عن أبي حرة الرقاشي<sup>رض</sup> عن عمه: أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: ألا! لا يحل مال امرئ مسلم إلا بطيب نفس منه. (شعب الإيمان للبيهقي، باب في قبض اليد عن الأموال المحرمة، دار الكتب العلمية بيروت ۴/۳۸۷، رقم: ۵۴۹۲)

(۲) سورة النساء: ۲۹.

شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

## صبح کے فرض اور سنن کے درمیان لیٹنے کا حکم

**سوال (۶۶۵):** قدیم ۱/۸۱۷- صبح کی فرضوں اور سنتوں کے درمیان قدرے دابہنی کروٹ پر لیٹنا اس کے منسون وغیرہ ہونیکی کیا اصل ہے؟

**الجواب:** منسون بایں معنی تو ہے نہیں کہ شرع میں مقصود ہو اور بایں معنی کہ آپ ﷺ سے منقول ہے گو بطور عادت ہی سہی۔ (۱)

۹ رمضان المبارک ۱۳۲۷ھ (تمتہ اولی ص ۲۰۱)

(۱) عن عائشة رضي الله عنها قالت: كان النبي صلى الله عليه وسلم إذا صلى ركعتي الفجر اضطجع على شقه الأيمن. (بخاري شريف، أبواب التهجد، باب الضجعة على الشق الأيمن بعد ركعتي الأيمن، النسخة الهندية ۱/۱۵۵، رقم: ۱۱۴۷، ف: ۱۱۶۰)

وأخرج المسلم في صحيحه عن عائشة رضي الله عنها زوج النبي صلى الله عليه وسلم حديثاً طويلاً - وفيه - فإذا سكت المؤذن من صلاة الفجر، وتبين له الفجر وجاءه المؤذن، قام فركع ركعتين خفيفتين، ثم اضطجع على شقه الأيمن حتى يأتيه المؤذن للإقامة. (مسلم شريف، كتاب الصلاة، باب صلاة الليل الخ، النسخة الهندية ۱/۲۵۳، بيت الأفكار رقم: ۷۳۶)

عن أبي هريرة قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم إذا صلى أحدكم ركعتي الفجر، فليضطجع على يمينه، وقد روي عن عائشة رضي الله عنها أن النبي صلى الله عليه وسلم كان إذا صلى ركعتي الفجر في بيته اضطجع على يمينه. (ترمذي شريف، كتاب الصلاة، باب ما جاء في الاضطجاع بعد ركعتي الفجر، النسخة الهندية ۱/۹۶، دار السلام رقم: ۴۲۰)

أبو داود شريف، كتاب الصلاة، باب الاضطجاع بعدها، النسخة الهندية ۱/۱۷۹، دار السلام رقم: ۱۲۶۳-

ابن ماجه شريف، كتاب الصلاة، باب ما جاء في الضجعة بعد الوتر وبعد ركعتي الوتر، النسخة الهندية ص: ۸۳، دار السلام رقم: ۱۱۹۸ - شبير احمد قاسمي عفا الله عنه

## بعد الصلوٰۃ کے وظیفہ کو قبل الصلوٰۃ پڑھنا

**الجواب (۶۶۶):** قدیم ۱/۹۷۸ - اکثر مسجدوں میں نماز کا وقت مقرر نہیں جب چار آدمی ہوئے جماعت ہو گئی اگر دیر سے جاوے تو جماعت نہیں ملتی اور اگر پہلے چلا جاوے تو بیٹھے بیٹھے تھکن سی معلوم ہوتی ہے تو اس بیٹھنے میں جو اپنا وظیفہ پڑھے جو بعد نماز پڑھا کرتا ہے تو کیا نہیں ہو سکتا؟

**الجواب:** ہو سکتا ہے۔ (۱)

۱۰/۱ رجب ۱۳۳۵ھ (تمتہ خامسہ ص ۱۹)

## بے نمازی کی تکفیر میں اختلاف

**سوال (۶۶۷):** قدیم ۱/۸۱۷ - کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مقدمہ میں کہ جس شخص کی زوجہ نماز نہ پڑھتی ہوگی تو اس کی اولاد حرامی ہوگی یا کیا؟

(۱) مسجد میں آکر نماز کے انتظار میں بیٹھے رہنے میں بڑی فضیلت آئی ہے کہ جب تک بیٹھے بیٹھے نماز کا انتظار کرتا رہے گا ملائکہ رحمت حق کے لئے دعاء کرتے رہتے ہیں، اے اللہ اس کا گناہ معاف فرما، اے اللہ اس کی مغفرت کا فیصلہ فرما دے اور جتنی دیر بیٹھا رہے گا اتنی دیر کا وقت نماز ہی میں شمار کیا جائے گا۔

حدیث شریف ملاحظہ فرمائیے:

عن أبي هريرة رضي الله عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم لا يزال العبد في صلوٰۃ ما كان في المسجد ينتظر الصلاة ما لم يحدث. (بخاري شريف، كتاب الوضوء، باب من لم ير الوضوء إلا من المخرجين، النسخة الهندية ۱/۳۰، رقم: ۱۷۶)

عن أبي هريرة أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: الملائكة تصلي على أحدكم ما دام في مصلاه ما لم يحدث اللهم اغفر له اللهم ارحمه لا يزال أحدكم في صلوٰۃ ما كانت الصلاة تحبسه لا يمنعه أن ينقلب إلى أهله إلا الصلاة. الحديث. (بخاري شريف، كتاب الاذان، باب من جلس في المسجد ينتظر الصلاة، النسخة الهندية ۱/۹۰، رقم: ۶۵۰، ف: ۶۵۹)

شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

**الجواب:** صحابه وتابعين وتبع تابعين نے تارك صلوة کے كفر میں اختلاف کیا ہے۔

في التفسير المظهری تحت قوله تعالى: حافظوا على الصلوات وأما تارك الصلوة عمداً، فقال أحمد يكفر. وقال مالك والشافعي: وهو رواية عن أحمد أنه لا يكفر لكن يستتاب، فإن تاب وإلا قتل. وقال أبو حنيفة: لا يقتل لكن يحبس أبداً حتى يموت أو يتوب. آه (١) وفي نفع المفتي والسائل: وقد اختلف الصحابة والتابعون في كفر من ترك الصلوة متعمداً وجزائره، فقال من الصحابة سيدنا عمر وعبد الله بن مسعود وعبد الله بن عباس ومعاذ بن جبل وجابر بن عبد الله وأبو الدرداء وأبو هريرة وعبد الرحمن بن عوف رضي الله عنهم ومن غير الصحابة أحمد بن حنبل وإسحاق بن راهويه والنخعي وأيوب السختياني وأبو داود الطيالسي وأبو بكر بن أبي شيبة أن من ترك الصلوة في وقت عمداً بلا عذر يكفر. وقال حماد بن زيد ومكحول والشافعي ومالك: لا يكفر ولكن يقتل وعندنا لا يكفر ولا يقتل ويعزرتعزيزاً (٢)

(١) تفسير مظهری، مكتبة زكريا ديوبند ١/٣٦٩، سورة البقرة: ٢٣٨

(٢) وتاركها عمداً مجانة أي تكاسلاً فاسق يحبس حتى يصلي لأنه يحبس لحق العبد فحق الحق أحق، قيل يضرب حتى يسيل منه الدم قاله الإمام المحبوبي عن المنح: وظاهر الحلية أنه المذهب فإنه قال: وقال أصحابنا في جماعة منهم الزاهدي: لا يقتل بل يعزرت ويحبس حتى يموت أو يتوب. وعند الشافعي يقتل بصلوة واحدة حداً، وقيل كفراً وكذا عند مالك وأحمد وهي المختارة عند جمهور أصحابه أنه يقتل كفراً وبسط ذلك في الحلية. (الدر المختار مع الشامي، كتاب الصلاة، مكتبة زكريا ديوبند ٢/٥٠٦، كراچی ١/٣٥٢-٣٥٣) وأما الحالة الثانية: فقد اختلف الفقهاء فيها، وهي ترك الصلاة تهاونا وكسلاً لاجحوداً، فذهب المالكية والشافعية إلى أنه يقتل حداً أي أن حكمه بعد الموت حكم المسلم فيغسل ويصلى عليه ويدفن مع المسلمين ..... وذهب الحنفية إلى أن تارك الصلاة تكاسلاً عمداً فاسق لا يقتل بل يعزرت ويحبس حتى يموت أو يتوب، وذهب الحنابلة أي أن تارك الصلاة تكاسلاً يدعى إلى فعلها ويقال له: إن صليت وإلا قتلناك، فإن صلى وإلا وجب قتله. (الموسوعة الفقهية الكويتية ٢٧/٥٣-٥٤)

پس جنہوں نے تارک صلوٰۃ کو کافر کہا ہے چونکہ ارتداد احد الزوجین مبطل نکاح ہے (۱) ان کے نزدیک نکاح ٹوٹ جائے گا اس کے بعد جو وطی کرے گا حرام ہے اور جو اولاد ہو ولد الحرام ہے اور جمہور کہ ترک صلوٰۃ کو موجب کفر نہیں کہتے ان کے نزدیک نکاح باقی ہے اور وطی حلال اور اولاد ولد الحلال اور مذہب جمہور کا رائج ہے۔

لقوله عليه السلام في حديث طويل ومن لم يفعل أي احسان الوضوء والصلوة بوقتها واتمام الركوع والخشوع فليس على الله عهد إن شاء غفر له وإن شاء عذبه رواه أحمد وأبو داود والنسائي نحوه. تفسير مظہری. (۲)

پس ہمارا مذہب یہی ہے کہ صورت مسئلہ میں اولاد حرامی نہ ہوگی۔ واللہ اعلم۔ (امداد ص ۱۲۴ ج ۴)

(۱) وارتداد أحدهما أي الزوجين فسخ عاجل. (الدر المختار مع الشامي، كتاب النكاح، باب نكاح الكافر، مطلب في الصبي والمجنون، مكتبة زكريا ديوبند ۳۶۶/۴، کراچی ۱۹۳/۳)

وارتداد أحد الزوجين فسخ. (مجمع الأنهر، كتاب النكاح، باب نكاح الكافر، دار الكتب العلمية بيروت ۵۴۶/۱)

النهر الفائق، كتاب النكاح، باب نكاح الكافر، مكتبة زكريا ديوبند ۲۹۰/۲

(۲) عن عبادة بن الصامت قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم خمس صلوات افترضهن الله تعالى من أحسن وضوء هن و صلاهن لوقتتهن وأتم ركوعهن وخشوعهن كان له على الله عهد أن يغفر له ومن لم يفعل فليس على الله عهد إن شاء غفر له وإن شاء عذبه. (أبوداؤد شريف، كتاب الصلاة، باب المحافظة على الصلوات، النسخة الهندية ۶۱/۱، دار السلام رقم: ۴۲۵)

نسائي شريف، كتاب الصلاة، باب المحافظة على الصلوات الخمس، النسخة الهندية ۵۴/۱، دار السلام رقم: ۴۶۲۔

تفسير مظہری، سورة البقرة: ۲۳۸، مكتبة زكريا ديوبند ۳۶۹/۱۔

شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

## نماز کے بعد مصافحہ کا حکم

**سوال (۶۶۸):** قدیم ۱/۸۱۸۔ بعض احباب نے کتاب طحاوی کی عبارت جو کہ مطبع مصر صفحہ ۳۰۸ میں واقع ہے۔

و کذا تطلب المصافحة فهي سنة عقيب الصلوة كلها وعند كل لقي. (۱)  
مصافحہ بعد صلوٰۃ فجر و عید وغیرہ سنت ہونے کا دعویٰ کیا مگر میں چونکہ اس کو خلاف جانتا ہوں اور یقینی خلاف جانتا ہوں؛ لہذا جو کچھ بن پڑا اس کا جواب دیا مگر خود اپنے کو اس جواب سے اطمینان نہیں ہوا؛ لہذا خدام آستانہ سے خواستگار ہوں کہ کوئی تشفی بخش جواب مرحمت ہو؟

**الجواب:** میرے پاس طحاوی نہیں کہ اس میں دیکھتا؛ لیکن اگر اس میں یہ عبارت ہو تو یہ اس شخص کے حق میں ہے جو ہر ملاقات کے وقت مصافحہ کرتا ہو کیونکہ اس صورت میں تخصیص نہ رہے گی جو علت تھی بدعت ہونے کی عند کل لقی اس کا قرینہ ہے اس مصافحہ کا حکم سلام کا سا ہو جاوے گا؛ اس لئے کہ حسب حدیث:  
إن من تحياتكم المصافحة. (۲) مصافحہ متمم ہے سلام کا اور سلام کا افشاء اس حد تک وارد ہے کہ سلام کے بعد اگر درمیان میں دیوار حائل ہو جاوے پھر سلام کر لے (۳)

(۱) حاشیۃ الطحاوی علی مراقی الفلاح، کتاب الصلاۃ، باب أحكام العیدین، مکتبۃ دارالکتاب دیوبند ص: ۵۳۰۔

(۲) عن أبي أمامة رضي الله عنه أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: من تمام عيادة المريض أن يضع أحدكم يده على جبهته أو قال على يده فيسأله كيف هو، وتمايم تحتكم بينكم المصافحة. (ترمذي شريف، كتاب الاستئذان، باب ما جاء في المصافحة، النسخة الهندية ۱۰۲/۲، دار السلام رقم: ۲۷۳۱)

مشکوٰۃ شریف، کتاب الآداب، باب المصافحة والمعانقة، مکتبۃ اشرفیۃ دیوبند ۴۰۲/۲۔  
(۳) عن أبي هريرة رضي الله تعالى عنه قال: إذا لقي أحدكم أخاه فليسلم عليه، فإن حالت بينهما شجرة أو جدار أو حجر ثم لقيه فليسلم عليه أيضاً قال معاوية <sup>رض</sup> وحدثني ←

اسی طرح اس کے متم میں عموم ہو جاوے گا اور جوان اوقات کی تخصیص کرتا ہو اس کے حق میں بدعت ہونا دوسرے محققین کی تصریحات سے ثابت ہے چنانچہ شامی جلد ۵ میں ہے۔

في تبئين المحارم عن الملتقط انه تكره المصافحة بعد أداء الصلوة. بكل حال لأن الصحابة رضي الله تعالى عنهم ما صافحوا بعد أداء الصلوة الخ. (۱)

۲۷ جمادی الاولیٰ ۱۳۲۳ھ (تمہ خامسہ ص ۳۶۳)

← عبد الوهاب بن بخت عن أبي الزناد عن الأعرج عن أبي هريرة <sup>رض</sup> مثله سواء. (أبو داؤد شریف، کتاب الأدب، أبواب السلام، باب في في الرجل يفارق الرجل ثم يلقاه أيسلم عليه، النسخة الهندية ۷۰۷/۲، دار السلام رقم: ۵۲۰۰)

(۱) شامی، کتاب الحظر والإباحة، باب الاستبراء وغيره، مكتبة زكريا ديوبند ۵۴۷/۹، کراچی ۳۸۱/۶

وقد يكون جماعة يتلاقون من غير مصافحة ويتصاحبون بالكلام ومذاكرة العلم وغيره مدة مديدة، ثم إذا صلوا يتصافحون فأين هذا من السنة المشروعة؛ ولذا صرح بعض علمائنا بأنها مكروهة حينئذ وأنها من البدع المذمومة. (مرقاة المفاتيح، كتاب الآداب، باب المفاحة والمعانقة، مكتبة امدادية ملتان ۷۴/۹)

عون المعبود، باب المصافحة، بيروت ۵۲۱/۴، رقم: ۵۲۱۱

حاشیہ سنن أبي داؤد، النسخة الهندية ۷۰۸/۲

قال الطيبي: من أصر على أمر مندوب وجعله عزماً ولم يعمل بالرخصة فقد أصاب منه الشيطان من الإضلال، فكيف من أصر على بدعة أو منكر. (مرقاة المفاتيح، كتاب الصلاة، باب الدعاء في التشهد، مكتبة امدادية ملتان ۳۵۳/۲)

شرح الطيبي، كتاب الصلاة، باب الدعاء في التشهد، مكتبة کراچی ۳۷۴/۳، رقم: ۹۴۲۔

الإصرار على المندوب يبلغه إلى حد الكراهة فكيف إصرار البدعة التي لا أصل لها

في الشرع. (السعاية، كتاب الصلاة، فصل في القراءة، مكتبة اشرفية ديوبند ۲۶۵/۲)

شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

## آلہ مکبر الصوت کے استعمال کا حکم

**سوال (۶۶۹):** قدیم ۸۱۹/۱- کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں ایک مشین ایسی ایجاد ہوئی ہے کہ مقرر کی آواز کو بہت فاصلہ تک اسی طرح پہنچا دیتی ہے جس طرح پاس کے اشخاص کو پہنچتی ہے پس کیا یہ جائز ہے کہ ان مشینوں کے ذریعہ سے خطیب کی آواز کو تمام سامعین تک پہنچا دی جائے؟

**الجواب:** اول ایک قاعدہ سمجھ لیا جاوے جو کہ عقلی بھی ہے اور نقلی بھی اور فقہاء حنفیہ نے اس قاعدہ پر بہت احکام کو متفرع کیا ہے وہ یہ کہ جو مباح یا مندوب درجہ ضرورت و مقصودیت فی الشرع تک نہ پہنچا ہو اور اس میں کوئی مفسدہ با احتمال قریب محتمل ہو تو اس مباح یا مندوب کا ترک اور اس سے منع کرنا لازم ہے عقلی ہونا تو اس کا ظاہر ہے اور قول فقہاء کے بعد اس کے ماخذ نقلی کے نقل کی ضرورت نہ تھی مگر تبرعاً اس کو بھی نقل کرتا ہوں سو اس کے نقلی ہونے کی تقریر یہ ہے کہ حق تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے:

وَلَا تَسْبُوا الَّذِينَ يَدْعُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ فَيَسْبُوا اللَّهَ عَدُوًّا بِغَيْرِ عِلْمٍ. (۱)

ظاہر ہے کہ سب الہم باطلہ مباح تو ضرور ہی ہے اور بعض حالات میں مندوب بھی مگر مقصود مستقل نہیں؛ کیونکہ اس کی غایت دوسرے طریق سے بھی حاصل ہو سکتی ہے یعنی حکمت و موعظت و مجادلہ حسنہ سے اور اس میں مفسدہ تھا ”سب مشرکین للہ الحق“ کا اس لئے اس سے نہی فرمادی گئی، اب اس قاعدے کی تمہید کے بعد جواب ظاہر ہے کہ تبلیغ صوت سامعین بعید تک شرعاً غیر ضروری ہے کیونکہ بعیدین کو دوسرے غیر مخدوش ذریعہ سے تبلیغ ممکن ہے اور اس میں یہ مفسدہ محتمل کہ لوگ اس سے گنجائش سمجھ جاویں گے اس آلہ کو لوہو میں استعمال کرنے کی یا دوسرے آلات لہو کے استعمال کرنے کی لہذا ترک اور منع لازم ہوگا یہ تو اس وقت ہے جب خطیب سے مراد مطلق واعظ و لیکچرار ہو اور اگر اس سے مراد خطیب جمعہ و عیدین کا ہے تو اس وقت تبلیغ صوت کا غیر ضروری ہونا ظہر ہے اس لئے کہ خطبہ میں حضور مقصود ہے نہ کہ سماع صوت (۲)



اور مفسدہ اقویٰ ہے کیونکہ اس آلہ کو مسجد میں داخل کرنا ہوگا جو کہ اس کے احترام کے خلاف ہے نیز تشبیہ ہے مجالس غیر مشرورہ کے ساتھ اس تشبیہ کی بنا پر فقہاء نے ”غرس اشجار فی المسجد“ کو منع فرمایا ہے اور ”تشبیہ بالبیعة والکنیسہ“ سے معلل کیا۔ (۱) واللہ اعلم

۱۳/ رمضان ۱۳۴۶ھ (تمتہ خامسہ ص ۵۹۱)

← (در مختار) وفي الشامية: قوله: (ولو كانوا صمًا أو نيامًا) أشار إلى أنه لا يشترط لصحتها كونها مسموعة لهم بل يكفي حضورهم حتى لو بعدوا عنه أو ناموا أجزأت. (الدر المختار مع الشامي، كتاب الصلاة، باب الجمعة، مكتبة زكريا ديوبند ۱۹/۳، کراچی ۱۴۷/۲)

حلبی کبیری، کتاب الصلاة، فصل في صلاة الجمعة، مكتبة اشرفية ديوبند ص: ۵۵۵

(۱) قال في الخلاصة: غرس الأشجار في المسجد لا بأس به إذا كان فيه نفع للمسجد بأن كان المسجد ذائزاً والأسطوانات لا تستقر بدونها، وبدون هذا لا يجوز اه وفي الهندية عن الغرائب: إن كان لنفع الناس بظله، ولا يضيق على الناس، ولا يفرق الصفوف لا بأس به، وإن كان لنفع نفسه بورقه أو ثمره أو يفرق الصفوف أو كان في موضع تقع به مشابهة بين البيعة والمسجد يكره. ۵۱. (شامي، كتاب الصلاة، باب ما يفسد الصلاة وما يكره فيها، مطلب في الغرس في المسجد، مكتبة زكريا ديوبند ۴۳۵/۲، کراچی ۶۶۱/۱)

شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ



## التحقیق الفرید. فی حکم آلۃ تقرب الصوت البعید

بسم اللہ الرحمن الرحیم

حامداً ومصلیاً

### نماز اور خطبہ میں آلۃ مکبرات کے استعمال کا حکم

**سوال (۶۷۰):** قدیم ۱/۸۲۰- استفتاء، عالم و اشیاء عالم اور ان کے خالق اعظم کے علم و معرفت کا آخری اور کامل ذریعہ خاتم الانبیاء حضرت رسول اکرم رومی فداہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جن ذوات علیہ کو انبیاء بنی اسرائیل کا ہم سنگ رتبہ عطا فرمایا ہے اور حضرت شیخ شہاب الدین سہروردی رحمۃ اللہ علیہ سے ان کے ایک غلبہ عبادت میں فیلسوف ارسطاطالیس نے جن نفوس قدسیہ کو ”اولئک ہم الفلاسفة حقاً“ کہا ہے ان کی خدمات عالیہ میں بلحاظ تحقیق حق و اطمینان اہل دین و دیانت عرض ہے۔

**اَوَّل:** یہ کہ آپ اور کسی شخص سے یہ امر پوشیدہ نہیں ہے کہ نماز عیدین میں عموماً ہر جگہ اور خصوصاً بڑے بڑے شہروں میں مصلیوں کی تعداد اور ان کی جماعت کا سلسلہ اس قدر طول طویل ہوتا ہے (\*) کہ امام کی آواز تو کل مصلیوں تک پہنچتی ہی نہیں لیکن بسا اوقات مکبرین کے متعین و مقرر کرنے کے بعد ان کی آواز سے تمام مصلیوں کو صحیح طور پر اس کا علم نہیں ہوتا کہ امام نے نیت کب باندھی؟ رکوع و سجدہ کب کیا؟ اور امام کس وقت کیا پڑھ رہا اور کیا کر رہا ہے؟ اور وہ محض اپنے آگے کے مصلیوں کی حرکات کو دیکھ کر یا اپنے خیال سے ایک اندازہ لگا کر ارکان نماز ادا کرتے ہیں۔

تاہم اس میں بھی غلطی ہوتی ہے اور اکثر و بیشتر ایسا ہوتا ہے کہ امام ابھی قرأت کر رہا ہے اور پچھلے مصلی رکوع میں چلے گئے یا امام رکوع میں گیا ہے اور آخری مصلی سجدہ میں چلے گئے اور اسی طرح اور غلطیاں بھی

(\*) یہ کوئی نئی چیز نہیں جو ابھی پیش آئی ہو، عہد نبوت میں بھی عظیم الشان اجتماع ہوتے تھے اور مکبرین کے درمیان میں قائم کردینے کو کافی سمجھا جاتا تھا اور اس کے باوجود اگر کبھی کوئی غلطی ہو جائے تو اتفاقی غلطی کے لئے انتظام نہیں بدلا جاسکتا۔ ۱۲ محمد شفیع عفی عنہ

ہوتی ہیں بالخصوص تکبیرات واجبہ عیدین تو تقریباً ہمیشہ اور ہر جگہ دھوکہ ہوا ہی کرتا ہے۔ اور یہ حال بھی وہاں کا ہے جہاں امام اور منتظمین مصلے (عید گاہ) کو مسلمانوں کے اجتماع اور جماعت کی بڑائی کا پہلے سے اندازہ ہوتا ہے اور وہ اس کے لحاظ سے مکبرین کے تعین و تقرر کا پیشتر سے انتظام کر سکتے ہیں اور جہاں آخر نماز تک مصلیوں کے آنے کا سلسلہ جاری رہتا ہے اور نیت باندھنے کے بعد سے آخر نماز تک بمقابلہ ابتداء کے ہزاروں مصلیوں کی تعداد بڑھ جاتی ہے اور امام اور منتظمین مصلے ان کے خیال سے مکبروں کے مزید تعین و تقرر کا انتظام پہلے سے کر نہیں سکتے وہاں کا حال تو قابل ذکر ہی نہیں وہاں کوئی نظام (\*) اور باقاعدگی ممکن ہی نہیں اسی طرح ایسے مواقع و مجامع میں اور بالخصوص عیدین (\*\*\*) کے موقع پر خطیب کا خطبہ بھی بجز تھوڑے سے لوگوں کے کسی کو سنائی نہیں دیتا اور وہاں اس وقت لوگ اپنا بیٹھنا بیکار سمجھ کر وہاں سے اٹھ جاتے ہیں اور خطبہ سننے کے فوائد اور خطبہ ہونے تک بیٹھے رہنے کے ثواب سے محروم رہتے ہیں بلکہ اس سے زیادہ یہ کہ ایک امر شرعی مؤکد اور ضروری کے ترک کرنے کے مرتکب ہوتے ہیں۔

(\*) بعد میں مجمع کا بڑھ جانا اور پہلے سے اس کا اندازہ ہونا بھی کوئی جدید واقعہ نہیں قرون سلف میں بھی ایسے واقعات پیش آتے تھے، مگر اس کے باوجود انہوں نے کسی جدید انتظام کی ضرورت محسوس نہ فرمائی یہ نہیں کہا جاسکتا کہ ان کے زمانہ میں آلات مکبر الصوت نہ تھے؛ اس لئے توجہ نہ ہوئی؛ کیونکہ اول تو اس کے نظائر مثلاً مکبرین کا احتیاطی طور پر زیادہ مقرر کر دینا آخری صفوف میں دو چار آدمیوں کو اس کی ہدایت کر دینا کہ اگر صفوف بڑھ جاویں تو تم تکبیر بآواز بلند کہہ دینا وغیرہ

دوسرے اس کے تو یہ معنی ہوئے کہ اسلامی عبادات میں سے سب سے بڑی اور اہم عبادت اور اس کے انتظام کی تکمیل آلہ مکبر الصوت کی ایجاد پر موقوف تھی اور تمام قرون اسلامیہ اسی بدظمی و نقصان پر چلتے رہے تا آنکہ موجودہ زمانہ کے نصاریٰ یا دہریوں نے اسلام پر احسان کیا کہ ان کی عبادت کا انتظام صحیح کر دیا۔ ۱۲ محمد شفیع عفی عنہ

(\*\*) اس کا بھی یہی جواب ہے کہ یہ کوئی نئی ضرورت نہیں اور یہ اعتقاد رکھنا کہ ضرورت تو پہلے سے تھی اور بغیر اس آلہ کے ان عبادات کے انتظام میں نقص بھی تھا، مگر وہ قرون خیر میں پوری نہ ہو سکی عہد حاضر کے نصاریٰ نے پوری کی کسی مسلمان سے متصور نہیں؛ بلکہ اس سے کھلے طور پر یہ سمجھا جاوے گا کہ ضرورت ہی نہ تھی ورنہ حق تعالیٰ اس ایجاد کو اسی وقت ظاہر فرمادیتے۔ ۱۲ محمد شفیع عفی عنہ

دوم: یہ کہ علامہ شیخ محمد نجیب المصطفیٰ رئیس مجلس علمی محکمہ شرعیہ اور مفتی دیار مصریہ کے قول کے مطابق افلاطون کے مخترعات قدیم میں سے اور مشاہدہ و رواج عام کے مطابق مخترعات جدیدہ میں سے ایک شے ایسی بھی موجود ہے جس کو آلہ مکبر الصوت کہتے ہیں اور جس کا ہم معنی انگریزی نام لاؤڈ اسپیکر ہے اور جو علم البرق اور علم الصوت کے اختلاط و ترکیب سے صوت و برق کے فلسفہ کو پیش نظر رکھ کر اس لئے اختراع کیا گیا ہے کہ اس کے ذریعہ لاسلکی سے یا برقی تاروں سے وصول شدہ آواز کو دور و نزدیک دونوں جگہ نہایت صاف اور واضح طریق سے بلا کسی تغیر و تبدل کے اصلی حالت میں سنا جاسکے اس کی ظاہری صورت و شکل متوسط درجہ کے اس ٹائم پیس (گھڑی) سے بہت کچھ ملتی جلتی ہے جس کے ڈائل پر سوئیں اور ہند سے نہ ہوں۔

اس کے نصب و استعمال کا طریقہ یہ ہے کہ اس کو بولنے والے سے دو چار گز کے فاصلے پر بلار عایت تقابل و تواجدہ کے کسی ایسی جگہ رکھ دیا جاتا ہے کہ بولنے والے کے منہ سے الفاظ نکلتے وقت ہوا میں جو لہریں پیدا ہوں وہ اس آلہ کی بیرونی سطح تک (جس کو ڈائل کہتے ہیں) پہنچ کر اس سے ٹکرائیں۔

پھر دور و نزدیک جہاں تک آواز کا پہنچانا مقصود ہوتا ہے اس کے وسط میں یا آخر میں یا کسی دوسرے مناسب مقام پر قد آدم سے تقریباً سہ چند بلند چند بلایاں حسب ضرورت نصب کی جاتی ہیں پھر اس آلہ کی پشت سے بجلی کے چند ایسے تار لگا دیئے جاتے ہیں جو متذکرہ بلیوں کے بالائی حصے سے بھی بندھے ہوئے ہوں، پھر ان تاروں کے اس آخری حصے میں جو بلیوں کے سرے سے بندھے ہوئے ہیں گاؤدم یا سینک کے ساخت کے کہنے یا مخروطی شکل کے کہنے ہر چہار جانب یا جس جانب آواز پہنچانا مقصود ہو تو نہایت چوڑے منہ کے ایسے چونگے لگا دیئے جاتے ہیں جن کو عربی میں انبؤ بہ اور انگریزی میں ہارن کہتے ہیں جس کے لفظی معنی ہی سینک ہیں۔

اس کے بعد اگر اس مقام پر بجلی کا کوئی اسباب کارخانہ ہوتا ہے جس سے بجلی کے پٹھے چلتے اور روشنی وغیرہ ہوتی ہے تو اس آلہ کو وہاں کے کارخانہ کے بجلی کے رول یعنی کرنٹ سے ورنہ بجلی کی ایسی مشین سے جو اپنے اندر اسی وقت بجلی پیدا کرنے کی قوت رکھتی ہو و ابستہ کر کے بجلی کو جاری کر دیا جاتا ہے۔ اب یہ سب ہو چکنے کے بعد جب بولنے والا کچھ بولتا ہے اور اس کی زبان کی حرکت سے ہوا میں تموج پیدا ہوتا ہے تو وہ اس آلہ کے بیرونی حصے یعنی ڈائل سے ٹکراتا ہے اور چونکہ وہ ڈائل نہایت درجہ سبک اور نازک ہوتا ہے اس لئے وہ اسے بہت زیادہ محسوس کرتا اور اس سے بہت زیادہ متاثر ہوتا ہے اور اسی تاثر کی زیادتی و کمی پر

اُس میں قوت بلندی اور بڑائی پیدا ہوتی ہے مگر چونکہ واضح نے اس کی زیادتی و کمی کو بھی قانونِ فلسفہ کے ماتحت اختیاری بنا کر اس کے مدارج قائم کر دیئے ہیں اس لئے اس وقت آواز کو جس قدر بلند و بڑا کرنا منظور ہوتا ہے اس کے لحاظ سے اس کا ایک درجہ قائم کر دیا جاتا ہے۔ بالآخر یہ ٹکراہٹ مع فرط تاثر جس کا نام قرع قوی ہے جب برقی قوت کے ذریعہ اس ہوا تک منتقل ہوتی ہے جو متذکرہ مخروطی شکل کے چوٹوں سے خارج فضا میں پھیلی ہوئی ہے اور وہ انسانی قوت سماعت تک پہنچتی ہے تو وہ زیادہ بلند اور زیادہ بڑی ہو کر سُنی جاتی ہے۔ اور یہ تمام باتیں کتبِ فلسفہ میں اپنی اپنی جگہ قدیم سے ثابت ہیں اور تفسیرِ کبیر و شرح موافق میں بھی صوت و سماعت کی بحث کے ماتحت ان میں سے حسب ذیل امور پر روشنی پڑ سکتی ہے۔

- (۱) قارِع و مقروع کے درمیان کی رُک ہوئی ہوا کی لہروں سے پیدا شدہ کیفیت کا نام آواز ہے
- (۲) قارِع کے قرع میں جس قدر زیادہ قوت ہوگی اسی قدر زیادہ قوی اس سے تہوج پیدا ہوگا اور اس تہوج سے اس قدر زیادہ قوی وہ کیفیت بھی پیدا ہوگی جس کی حامل ہوا اور جس کا نام آواز ہے۔
- (۳) اس تہوج میں جس قدر زیادہ قوت ہوگی اسی قدر اس کی موجیں زیادہ ضخیم و عریض ہوں گی۔
- (۴) ان موجوں میں جس قدر زیادہ ضخامت و عرض ہوگا اسی قدر وہ زیادہ دور تک پھیلیں گی۔
- (۵) جہاں تک وہ پھیلیں گی چونکہ ان کے ساتھ وہ کیفیت جس کا نام آواز ہے وہ بھی ہوگی اس لئے وہاں تک وہ سُنی جائے گی۔

اور کتبِ فلسفہ کی اس تصریح سے یہ عیاں ہے کہ آلہ زیر بحث یعنی مکبر الصوت کے ذریعہ بولنے والے کی آواز کا بلند ہونا اور دور تک سنا جانا ایک فلسفی و قدرتی امر ہے جسمیں بولنے والے کو کوئی تکلف و مشغولیت نہیں ہوتی اور اس کی طرف کسی قسم کی توجہ و تقابل کی بھی ضرورت نہیں پڑتی اور آلہ زیر بحث نہ آلہ سرور و غنا ہے اور نہ آلہ لہو و لعب الا یہ کہ کوئی شخص اس کو اس کام میں استعمال کرے مگر اس سے اس کا آلہ غنا و سرور اور آلہ لہو و لعب ہونا لازم نہیں آتا۔

**سوم:** یہ کہ اس موقع محل پر حسب ذیل چھ شرعی اصلیں بھی جاذب توجہ ہیں۔

**اصل اول:** آیت کریمہ۔ ھو الذی خلق لکم مافی الارض جمیعاً۔ جس سے فقہائے اسلام نے اصلاً ہر شے کی اباحت پر استدلال کیا ہے۔ (\*)

(\*) یہ استدلال یہاں بھی صحیح ہے کہ فی نفسہ اس کا استعمال مباح ہے، مگر اس آیت سے یہ کس طرح لازم

آیا کہ نماز میں بھی مباح ہو؟ ۱۲ محمد شفیق عفی عنہ

## اصل دوم: أصل كل شئى إباحة إلا أن يرد عليه المنع.

جو اصل فقہ کا ایک مشہور کلیہ ہے ان دونوں اصولوں سے یہ مفہوم ہو سکتا ہے کہ آلہ مکبر الصوت (\*) اصلاً مباح ہے کیونکہ اس کے حق میں نہ رأسا کوئی منع وارد ہے اور نہ ضمناً وہ کسی امر ممنوع کے تحت میں شمار کیا جاتا ہے۔

**اصل سوم:** اذان دینا پھر اذان کا مینارہ پر چڑھ کر دینا امام کے پیچھے مکبرین کا باواز بلند تکبیرات کہنا پھر مکبرین کا بعض مواقع میں مکبرہ پر چڑھ کر تکبیرات کہنا میدان عرفات میں یوم النحر کو امیر الحج کا اونٹنی پر چڑھ کر خطبہ دینا پھر اس اونٹنی کا جبل رحمت پر چڑھا کر خطبہ دینا جمعہ اور عیدین کے خطبہ کے وقت خطیب کا ممبر پر چڑھ کر خطبہ دینا۔ پھر قبلہ کی طرف رخ پھیر کر قوم کی طرف منہ کر کے خطبہ دینا وغیرہ جیسے احکام شریعت میں موجود ہیں اور ان سب کا مقصد سوائے اس کے کچھ نہیں ہے کہ اس وقت مصلیوں کو جو کچھ سنانا مطلوب ہے اس کو وہ سُن سکیں اور آواز میں اتنی رفعت (\*\*) پیدا ہو جائے کہ بلا تکلف وہ اُن تک پہنچ سکے۔

اس سے یہ مستفاد ہو سکتا ہے کہ جہاں اللہ کے ذکر کی طرف دوسروں کو متوجہ کرنا مقصود ہو وہاں اللہ کے ذکر کو بلند آواز سے کرنا چاہیئے اور اس بلندی آواز میں سوائے ان صورتوں کے جن کی ممانعت کی شریعت میں تصریح موجود ہے (\*\*\*) ہر وہ صورت اختیار کی جاسکتی ہے جس کی اصل کسی طرح بھی شریعت میں پائی جاتی ہو یا اس کی طرف سے سکوت کلی ہو۔ (\*\*\*)

**اصل چہارم:** تفسیر کبیر جلد چہارم صفحہ ۳۴۳ میں ”وَإِذَا قَرَأَ الْقُرْآنَ فَاسْتَمِعُوا لَهُ وَأَنْصِتُوا“ کے ماتحت عبارت ذیل مرقوم ہے۔

(\*) صحیح ہے مگر گفتگو مطلق اباحت میں نہیں بلکہ عبادت اصلہ کے اندر اباحت میں بحث ہے اور ان دونوں اصولوں سے کسی طرح عبادات میں اباحت پر استدلال نہیں ہو سکتا۔ ۱۲ محمد شفیع عفی عنہ

(\*\*) مگر اسی سادہ طریق پر آلات کے ذریعہ رفعت پیدا کرنے پر اس سے استدلال نہیں ہو سکتا۔ ۱۲

(\*\*\*) تصریح کی قید قابل غور ہے کیا وہ احکام شرعیہ ماننے کے قابل نہیں جو قواعد شرعیہ سے مستنبط ہیں اور اگر وہ مانے جاسکتے ہیں تو اس کی ممانعت بھی ان سے مستفاد ہے جیسا اصل رسالہ میں موجود ہے۔ ۱۲

(\*\*\*\*) صحیح مگر اس جگہ سکوت کلی نہیں۔ ۱۲ محمد شفیع عفی عنہ

إعلم أن قارئاً يقرأ القرآن بصوت عال حتى يمكنهم استماع القرآن ومعلوم أن ذلك القارئ ليس إلا الرسول عليه الصلوة والسلام وكانت هذه الآية جارية مجرى أمر الله محمداً صلى الله عليه وسلم بأن يقرأ القرآن على القوم بصوت عال رفيع وإنما أمره بذلك ليحصل المقصود من تبليغ الوحي والرسالة.

اس سے مستخرج یہ ہو سکتا ہے کہ قراۃ قرآن کی ایک غرض یہ بھی ہے کہ دوسرے اسے سنیں اور جہاں یہ غرض ہو وہاں اس کو بلند آواز سے ہی پڑھنا چاہئے (\*) تاکہ سامعین اس کو فہم کریں اور اس کے سنانے کی اصل غرض حاصل ہو۔

**اصل پنجم:** فتاویٰ عالمگیری جلد اول صفحہ ۷۷ مطبوعہ مصر میں عبارت ذیل مسطور ہے۔

لأن الإمام إنما يجهر لا سيما للقوم ليدبروا في قرائته ليحصل احضار القلب. اس سے یہ سمجھا جاسکتا ہے کہ امام کو مقتدیوں کی ضرورت کے مطابق (\*\*) اپنے قرات میں جہر کرنا چاہیئے تاکہ قوم اس کے قراۃ پر تدبر و تفکر کر سکے اور قوم کو حضور قلب حاصل ہو۔

**اصل ششم:** آیہ کریمہ: ولا تجهر بصلاتك ولا تخافت بها وابتغ بين ذلك سبيلاً سے قراۃ میں جس اعتدال و توسط کا حکم دیا گیا ہے اور مفسرین نے اس کی جو علت بتائی ہے یعنی نماز میں خشیت و تدلل ہونا چاہئے اور اس کا اقتضاء یہ ہے کہ قرات میں کوئی تصنع و تکلف نہ پیدا ہو جو جرأت و عدم خشیت کی جانب منجر ہے۔

اس کے امثال کے باوجود اس سے یہ خیال کیا جاسکتا ہے کہ اگر اصل نمبر ۳، اصل نمبر ۴ اور اصل نمبر ۵ کے ماتحت مصلیوں تک قرات کی آواز پہنچانا، اس طرح سے ممکن ہو کہ امام کو اپنے قرات میں کوئی تکلف و تصنع نہ کرنا پڑے اور اس کو کسی جانب مشغولیت بھی نہ ہو تو وہ جائز ہوگا (\*\*\*)

(\*) صحیح ہے مگر اس میں کلام ہی نہیں کلام اس میں ہے کہ بلند آوازی کا اس قدر اہتمام مزید کیا جاوے کہ آلات استعمال کرنے پڑے اس کے لئے دلیل مستقل کی ضرورت ہے جو موجود نہیں۔ ۱۲ محمد شفیع عفی عنہ

(\*\*) صحیح مگر اپنی طاقت و مقدور کے مطابق اس سے زائد کے اہتمام کا مکلف نہیں بنایا گیا۔ ۱۲

(\*\*\*) بشرطیکہ اس میں کوئی دوسرا محذور شرعی نہ ہو جیسا کہ مکبر الصوت میں ہے۔ واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم

احقر محمد شفیع عفا اللہ عنہ

جیسا کہ نماز میں پنکھا جھلوانا ناجائز و مکروہ ہے مگر برقی پنکھوں کا چلانا ناجائز سمجھا گیا ہے کیونکہ اس میں مصلیوں کو کوئی تکلیف و مشغولیت نہیں ہوتی۔

بناءً علیہ اگر نماز عیدین میں متذکرہ غلطیوں سے بچنے اور امام کی قرأت پورے طور پر سننے اور اس کے اعمال کی پوری پوری پیروی و اقتداء ہونے کے خیال سے موصوف الصدر آلہ مکبر الصوت کو جو کسی نہج آلہ غنا و سرود اور آلہ لہو و لعب نہیں ہے نصب کیا جائے اور اس سے اس وقت فلسفی و قدرتی یہ فائدہ اٹھایا جائے کہ امام کی آواز بلند ہو جائے اور اس کو ہر مصلی چاہے وہ کتنی ہی دُور کیوں نہ ہو اپنی جگہ پر بلا ادنیٰ تغیر کے سُن سکے تو تحقیق طلب امر یہ ہے کہ شریعت غراء مصطفوی کا اسکے متعلق کیا حکم ہے۔ بنیواتو جروا۔  
۱۵/ ذیقعدہ ۱۳۴۶ھ مطابق ۶ مئی ۲۸ء۔

کرمی و محترمی زاد مجدکم۔ سلام مسنون! یہ استفتاء ارسال خدمت شریف ہے جہاں تک ممکن ہو اس کے جواب سے جلد از جلد مشرف فرمائیے عید الضحیٰ سے دو تین روز پہلے یہاں اس کی سخت ضرورت محسوس کی جا رہی ہے جواب کے لئے ٹکٹ بھی مرسل ہے۔

**الجواب:** من اشرف علی۔ السلام علیکم۔ رمضان گزشتہ میں ایک ایسا ہی سوال آیا تھا مگر مجمل تھا اس کا جواب لکھا گیا اس کا نقل کر دینا کافی سمجھتا ہوں جو درج ذیل ہے۔

**جواب (\*)**: اوّل ایک قاعدہ سمجھ لیا جاوے جو کہ عقلی بھی ہے اور نقلی بھی اور فقہاء حنفیہ نے اس قاعدہ پر بہت احکام کو متفرع کیا ہے وہ یہ کہ جو مباح یا مندوب درجہ ضرورت و مقصودیت فی الشرع تک نہ پہنچا ہو اور اس میں کوئی مفسدہ با احتمال قریب محتمل ہو تو اس مباح یا مندوب کا ترک اور اس سے منع کرنا لازم ہے عقلی ہونا تو اس کا ظاہر ہے اور قبول فقہاء کے بعد اس کے ماخذ نقلی کے نقل کی ضرورت نہ تھی مگر تبرعاً اس کو بھی نقل کرتا ہوں سو اس کے نقلی ہونے کی تقریر یہ ہے کہ حق تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے:

وَلَا تَسْبُوا الَّذِينَ يَدْعُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ فَيَسْبُوا اللَّهَ عَدُوًّا بِغَيْرِ عِلْمٍ. (۱)

ظاہر ہے کہ سب آلہیہ باطلہ مباح تو ضروری ہے اور بعض حالات میں مندوب بھی مگر مقصود مستقل نہیں؛ کیونکہ اس کی غایت دوسرے طریق سے بھی حاصل ہو سکتی ہے یعنی حکمت و موعظت و مجادلہ حسنہ سے

(\*) یہ جواب سوال نمبر ۶۵/۷ پر گزرا ہے۔ ۱۲ محمد شفیع عفی عنہ



اور اس میں مفسدہ تھا سب مشرکین لالہ الحق کا اس لئے اس سے نہیں فرمادی گئی اب اس قاعدے کی تمہید کے بعد جواب ظاہر ہے کہ تبلیغ صوت سامعین بعید تک شرعاً غیر ضروری ہے کیونکہ بعیدین کو دوسرے غیر مخدوش ذریعہ سے تبلیغ ممکن ہے اور اس میں یہ مفسدہ محتمل کہ لوگ اس سے گنجائش سمجھ جاویں گے، اس آلہ کو لوہو میں استعمال کرنیکی یاد دوسرے آلات لہو کے استعمال کرنیکی لہذا ترک اور منع لازم ہوگا یہ تو اس وقت ہے جب خطیب سے مراد مطلق واعظ و لیکچرار ہو اور اگر اس سے مراد خطیب جمعہ وعیدین کا ہے تو اس وقت تبلیغ صوت کا غیر ضروری ہونا اظہر ہے اس لئے کہ خطبہ میں حضور مقصود ہے نہ کہ سماع صوت اور مفسدہ اقویٰ ہے کیونکہ اس آلہ کو مسجد میں داخل کرنا ہوگا جو کہ اس کے احترام کے خلاف ہے نیز تشبہ ہی مجالس غیر مشروعہ کیسا تھا اس تشبہ کی بنا پر فقہاء نے غرس (۲) اشجار فی المسجد کو منع فرمایا ہے اور تشبہ بالبیعتہ والکنیسة سے معطل کیا ہے۔ واللہ اعلم۔

۱۳/ رمضان ۱۳۲۶ھ

**الزیادة على الجواب المذكور:** (حسب اقتضاء خصوصية السؤال الحاضر (وهی هذه) باقی سوال میں جن احکام کی مطلوبیت سے اس کی تقویت و تائید کی گئی ہے وہ مفید مدعا نہیں؛ کیونکہ یہ احکام کو مطلوب ہیں مگر شریعت نے انکی مطلوبیت کے درجات اور حدود مقرر کئے ہیں جو کتب مذہب میں مضبوط و مبسوط ہیں ان سے تجاوز کرنا تعق و غلو فی الدین ہے جو شارع کی نظر میں غیر مرضی ہے؛ چنانچہ حدیث میں ایک نظیر وارد ہے۔

فی جمع الفوائد (۲) باب قضاء الحاجة. أبو وائل كان أبو موسى يشدد في البول ويبول في قارورة ويقول إن بني إسرائيل إذا أصاب جلد أحدهم بول قرضه بالمقاريض،

(۱) غرس الأشجار في المسجد لا بأس به إذا كان فيه نفع للمسجد ..... وبدون هذا لا يجوز ..... أو كان في موضع تقع به المشابهة بين البيعة والمسجد يكره. (شامي، كتاب الصلاة، باب ما يفسد الصلاة وما يكره فيها، مطلب في غرس في المسجد، مكتبة زكريا ديوبند ۲/ ۴۳۵، کراچی ۱/ ۶۶۱)

(۲) جمع الفوائد، كتاب الطهارة، باب قضاء الحاجة، مكتبة مجمع الشيخ محمد زكريا سہارنپور ۱/ ۲۱۴، رقم: ۳۸۴۔

فقال حذيفة: لو ددت أن صاحبكم لا يشدد هذا التشديد فلقد رأيتني أنا ورسول الله صلى الله عليه وسلم نتماشى فأنتى سباطة قوم خلف حائط إلى قوله فبال (الحديث) دیکھئے تنزه عن البول شریعت میں اس درجہ مطلوب ہے کہ اس میں کوتاہی کرنے پر وعید شدید بھی وارد ہے۔ اور ایسا مبالغہ فی التنزه آسانی سے ممکن بھی ہے کیونکہ شیشی قارورہ کی ہر شخص کو میسر ہو سکتی ہے۔ مگر پھر بھی نہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا اہتمام فرمایا نہ حضرات صحابہ نے۔ اور اگر حضرت ابو موسیٰؓ نے غلبہ حال سے اس کا اہتمام کیا بھی تو حضرت حذیفہؓ نے ان پر نکیر فرمایا اور حضرت ابو موسیٰؓ نے نہ اس نکیر پر کچھ کلام فرمایا نہ دوسروں کو ایسا کرنے کی رائے دی۔ اور فروع مذکورہ فی السؤال کی تکمیل انتظام میں تساہل پر انخفض صوت فی التکبیر یا فی القراءة پر نہ وعید ہے اور نہ اس تکمیل مخترع کا انتظام سہل ہے تو اس میں ایسا مبالغہ کرنا اور اس کی اشاعت کا اہتمام کرنا یسری الدین کے سراسر خلاف ہے۔

وفی هذا كفاية لمن طلب الحق.

۲۰/۲ یقعدہ ۱۳۶۴ھ

## جواب بالا پر ذیل کا خط آیا جو مع جواب منقول ہے

**سوال:** بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ. حامداً ومصلياً. کرمی ومحترمی دام فضلكم

وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

جواب استفتاء مرسلہ ۱۸/۲ والقعدۃ الحرام ۱۳۶۴ھ جناب کا گراں قدر فتویٰ مورخہ ۲۱/۲ والقعدہ سنہ مذکور ۲۳/۲ والقعدہ کو موصول ہوا۔

جناب اعلیٰ نے اپنے زرین فتوے میں جو کچھ تحریر فرمایا ہے وہ سرا آنکھوں پر۔ لیکن جناب والا کے تجربہ علمی وسعت نظری سے اس تحریر کے ماتحت گیارہ امور کے متعلق جو پانچ دفعات کے ماتحت ضبط تحریر میں لائے گئے ہیں مزید استفادہ مطلوب ہے لہذا وہ معروض ہیں۔

**دفعہ اول:** جناب اقدس نے اپنے فتوے میں یہ عبارت جو تحریر فرمائی ہے۔

تبلیغ صوت سامعین بعید تک شرعاً غیر ضروری ہے کیونکہ بعیدین کو دوسرے غیر مخدوش ذریعہ سے

تبلغ ممکن ہے۔ اور اس میں یہ مفسدہ محتمل کہ لوگ اس سے گنجائش سمجھ جائیں گے۔ اس آلہ کو لہو میں استعمال کرنے کی یاد دوسرے آلات لہو کے استعمال کرنے کی الخ،

اس کے ماتحت یہ امور سمجھ میں نہیں آئے ضرورت ہے کہ اُن کی بھی تشریح فرمادی جائے۔  
(امراول) دوسرے غیر مخدوش ذرائع تبلیغ کون سے ہیں۔

(امردوم) جس عبارت پر خط کھینچا ہوا ہے اُس کا مطلب کیا ہے۔

(امرسوم) خط کشیدہ عبارت میں اگر لفظ ”آلہ“ اور لفظ ”لہو“ کے درمیان لفظ ”کو“ غلط ہے اور لفظ ”لہو“ کے بعد لفظ ”کو“ ہونا چاہئے تھا۔ اصل عبارت یوں ہے،، اس آلہ لہو کو استعمال کرنے الخ تو اس آلہ کے آلات ملا ہی میں سے ہونے کی دلیل کیا ہے۔

**دفعہ دوم:** جناب امجد نے اپنے فتوے میں یہ عبارت جو قلمبند فرمائی ہے۔

اگر اس سے مراد خطیب جمعہ وعیدین کا ہے تو اس وقت تبلیغ صوت کا غیر ضروری ہونا ظاہر ہے اس لئے کہ خطبہ میں حضور مقصود ہے نہ کہ سماع صوت اور مفسدہ اقویٰ ہے۔ کیونکہ اس آلہ کو مسجد میں داخل کرنا ہوگا جو کہ اُس کے احترام کے خلاف ہے۔ نیز تنقبہ ہے مجالس غیر مشروعہ کے ساتھ الخ،،

اس کے ماتحت یہ خدشات پیدا ہیں۔ ضرورت ہے کہ جناب اعظم اُن کو رفع فرمادیں۔

(امر چہارم) اگر درحقیقت شریعت کا مقصود خطبہ میں حضور محض ہے تو جمعہ وعیدین کے خطبوں

میں خطیب کے صعود علی المنبر وادبار عن القبلة وإقبال إلى القوم اور میدان عرفات میں یوم النحر کے

خطبہ کے وقت خطیب کے رکوب علی الناقة و تطليعها علی جبل الرحمة کا حکم کیوں ہے؟

کیونکہ ان تینوں امروں کے نہ ہونے کی حالت میں بھی خطیب کا خطبہ اور قوم کا حضور ممکن تھا۔ اور کیا

اس سے یہ ظاہر ہونے میں کچھ شبہ ہے کہ اس وقت کے موجودہ اسباب کے ماتحت شریعت نے اپنی رخصت

میں خطیب کی آواز کو قوم تک پہنچانے کی ہر ممکن طریق سے تعلیم دی ہے۔ اور حضور محض کو مقصد بنالینا اس

لئے ہوا کہ اس وقت کی طرح کوئی ذریعہ سماعت گل قوم کے لئے پیش نظر نہ تھا۔

(امر پنجم) جب تک آلہ زیر بحث کا آلات ملا ہی میں سے ہونا ثابت نہ ہو جائے مسجد میں

اُس کے داخل کرنے سے کیا نقصان ہوگا۔ اور اس میں مفسدہ کیا ہے؟

.....

.....

\*\*\*\*\*

\*\*\*\*\*  
**(امر ششم)** مجالس غیر مشروعہ سے وہ کوئی مجالس مراد ہیں؟ جن میں وہ آلہ نصب کیا جایا کرتا

ہے اور ان سے تشبہ نہ ہونا ضروری ہے۔

**دفعہ سوم:** جناب محترم نے اپنے فتوے میں یہ عبارت جو حوالہ قلم فرمائی ہے۔ کیونکہ یہ احکام گو مطلوب ہیں۔ مگر شریعت نے اُن کی مطلوبیت کے درجات اور حدود مقرر کئے ہیں۔ جو کتب مذہب میں مضبوط و مبسوط ہیں اُن سے تجاوز کرنا تعمق و غلو فی الدین ہے جو شارع کی نظر میں غیر مرضی ہے۔

اس کے ماتحت۔ مصرحہ ذیل وجوہ سے خلجان لاحق ہے۔ ضرور ہے کہ جناب مکرم اُس کو رفع فرماویں۔

**(امر ہفتم)** اس مقصد خاص کے لئے شریعت متعینہ و مقررہ درجات و حدود میں سے کیا کوئی درجہ و حد آیت کریمہ ”و لا تجهر بصلا تک و لا تخافت بها و ابتغ بین ذلک۔ (۱)“ سے زیادہ صریح بھی موجود ہے؟ اور اگر نہیں اور یقیناً نہیں تو یہ امر بہت زیادہ قابل لحاظ ہے کہ مفسرین نے اس کی علت کے بیان میں جو یہ تصریح فرمادی ہے کہ عدم اعتدال جہر و اخفاء کی صورت میں خشیت و تذلل کے رفع کا احتمال ہے جو روح صلوٰۃ ہے کیا یہ تصریح اس امر صریح کا اظہار نہیں ہے؟ کہ جس جہر فی الصلوٰۃ میں یہ علت نہ پائی جاتی ہو وہ حدود معینہ شریعت سے باہر نہ ہوگا۔ اور وہ جائز ہوگا۔ اور یہ امر واقع ہے کہ اس آلہ کے ذریعہ جو جہر ہوتا ہے۔ اس میں علت ممنوعہ نہیں پائی جاتی۔ کیونکہ امام کا جہر بحال معتدل ہے۔ اور اس کا وصول ماموین تک امام سے بالکل غیر متعلق ہے۔ اور امام کے عمل کو اُس میں کوئی دخل نہیں۔

**(امر ہشتم)** شریعت نے جو حدود و درجات مقرر کئے ہیں کیا وہ توفیقی و مبنی بر حصر عقلی ہیں؟ اگر نہیں! اور یقیناً نہیں! تو جس طرح جمعہ کی اذان ثانیہ اور کبیرین کا مکبرہ پر سے تکبیرات کہنا نظم و ترتیب جماعت کے بقاء و تحفظ کی نیت سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد جاری ہوا اور جائز سمجھا گیا اسی طرح اس آلہ کا استعمال ”صیانت عن خطاء المصلین فی اقتداء الإمام اور حصول المقصد من خطبة الخطیب“ کے نیت و غرض سے کیوں نہ جاری ہو سکے؟ اور کیوں نہ جائز سمجھا جائے؟

**دفعہ چہارم:** حضرت ابو موسیٰ اشعریٰ اور حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہما کے واقعہ کی جو نظیر جناب معظم نے اپنے فتوے میں پیش فرمائی ہے اس پر یہ اعتراضات دماغ میں پیدا ہوتے ہیں۔ ضرورت ہے کہ جناب مفتی اُن کا سد باب فرماویں۔

**(امر نہم)** حضرت ابو موسیٰ اشعریٰ کا فعل ایک جلیل المرتبہ صحابی کا فعل تھا جس سے یہ ہو سکتا تھا کہ آئندہ کے لئے وہ ایک اساس بن جائے اور مسلمان اس کو ضروری قرار دے لیں اور دین میں بجائے یسر کے عسر پیدا ہو جائے۔ اور اسی خیال سے حضرت حذیفہؓ نے اس پر بقول آپ کے نکیر فرمائی۔ مگر یہاں وہ صورت نہیں ہے۔ یہاں اگر کوئی شخص جبر صوت کیلئے آلہ مکبر الصوت کا استعمال کرے گا۔ اور وہ شخص بھی کیسا ہوگا؟ تو اس کا یہ فعل نہ تو کسی وقت اساس قرار پاسکتا ہے اور نہ اس کو مسلمان کبھی ضروری قرار دے سکتے ہیں۔ اور اس وجہ سے اس سے دین میں یسر و عسر کا کوئی سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔ اور اس موقع پر جو قیاس کیا گیا ہے وہ قیاس مع الفارق ہے۔

**(امر دہم)** حضرت ابو موسیٰ اشعریٰ کے فعل پر حضرت حذیفہؓ نے ”لوددت ان صاحبکم لایشدد هذا التشدد“ سے محض اپنی ذاتی رائے بیان فرمائی ہے نہ یہ کہ اُن کو اُن کا فعل ایک امر ممنوع قرار دیکر منع فرمایا ہو۔ مگر جناب مقدس یہاں میرے سوال کو ایک امر ممنوع قرار دیکر مجھے منع فرما رہے ہیں۔

**دفعہ پنجم:** جناب معلیٰ نے بجواب استثنائاً اپنے فتوے میں مجموعی حیثیت سے جو کچھ بھی تحریر فرمایا ہے اُس کے متعلق یہ خیال پریشان کئے ہوئے ہے۔ ضرورت ہی کہ جناب عالی اپنے ارشادات کے ذریعہ اُس سے بھی مطمئن فرمائیں۔

**(امریاز دہم)** جناب گرامی کا تمام فتویٰ محض قیاس و اجتہاد پر مبنی ہے۔ اور اس میں کوئی بات بھی اوامر و نواہی صریحہ و مستقیمہ میں سے نہیں ہے۔ اور جب جناب سامی خود اس کو جائز رکھتے ہیں تو کیا یہی قیاس و اجتہاد کسی دوسرے کیلئے بھی اسکی عقل و فہم برعایت دین و دیانت کے مطابق جائز ہے یا نہیں؟ اور اگر اس کا جواب اثبات میں ہے تو اس موقع پر استفتاء میں جن امور و قیاسات سے بقول آپ کے تقویت دی گئی اور تائید کی گئی ہے وہ مفید مدعا کیوں نہیں ہیں؟ اور ان میں کوئی قباحت ہے؟

اُمید کہ جناب مستغنی عن الالقباب بغیر کسی گرائی و انقباض طبع کے اپنے اخلاق عالیہ سے میرے ان معروضات و خدشات کا جواب باصواب مگر نمبر وار اور جُدا جُدا ضرور اور جلد مرحمت فرمائیں گے تاکہ طبیعت مطمئن ہو۔ اور مسئلہ زیر بحث کے متعلق مزید بصیرت و علم حاصل ہو۔

میرے دل میں آپ کے اوصاف و علوم مرتب کا عرصہ سے سکھ جما ہوا ہے۔ اور مجھے اس کا یقین ہے کہ اگر میرے معروضات کا کوئی لفظ بھی صحیح نکل آئے گا تو جناب فضیلت مآب نہایت فرامی قلب سے اس کا حق ہونا بھی تسلیم فرمائیں گے۔

شریعت مصطفویہ نے ہر چیز کے متعلق صاف و کھلے ہوئے احکام بتائے ہیں۔ حرام یا حلال جائز یا ناجائز اور میرے نزدیک کسی چیز کو بین بین حالت میں نہیں چھوڑا۔ لہذا میں چاہتا ہوں کہ اس آلہ کے متعلق صاف صاف حکم معلوم ہو جائے۔ حرام ہو تو وہ ظاہر ہو جائے اور حلال ہو تو وہ معلوم ہو جائے۔ اور یہی امر مقتضائے زمانہ ہے۔ کیونکہ ایک دن ایسا آنے والا ہے کہ یہ آلہ ہو یا اسی قسم کے دوسرے آلات وغیرہ وہ عام طور پر استعمال کئے جائیں گے۔ اور اگر علماء کے فتاویٰ اسی طرح مذذب اور بین بین حالت میں رہے تو لوگ اُن کی پروا کئے بغیر اُن کو استعمال کریں گے۔ اور یہی وہ مواقع ہیں جن میں علماء کا احترام و وقار کھو رہا ہے۔ ایسی صورت میں جو شرعی صورت ہو اُس کو نہایت صاف صورت میں مگر بالذلال والبراہین ظاہر کر دینا ناگزیر ہے۔

وما علینا الا البلاغ وما اُريد الا الإصلاح وما تو فيقي الا بالله.

۲۷ ذوالقعدہ ۱۳۴۶ھ ۱۸ مئی ۱۹۲۸ء۔

**مزید آنکہ:** مجھے اپنے مطبوعہ استفتاء کی ضرورت بالکل نہیں ہے۔ اُس کا خیال آپ نہ فرمائیے اور میرے پاس اس عریضہ کی نقل بھی موجود ہے اسلئے اس کو بھی رکھ لیجئے گا۔ اور جواب میں میری عبارات کی نقل کی بھی ضرورت نہیں حوالہ کافی ہے۔ میں نقل سے اُس کا پتہ چلا لوں گا۔ فقط۔

**جواب** مخدومی السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ گرامی نامہ نے مشرف فرمایا گو بوجہ اس کے کہ سب اجزاء کا جواب میرے عریضہ سابقہ میں موجود ہے۔ احتیاج جواب نہیں سمجھتا مگر امثالاً لا مرتوضیح کے طور پر کچھ مختصراً عرض کرتا ہوں۔

**تمہید:** میرے جواب سابق کے شروع میں تصریح ہے کہ یہ جواب مستقلاً ایک دوسرے سوال کا ہے تو ممکن ہے کہ اس جواب کے بعض اجزاء اس سوال کی خصوصیت کی بناء پر لکھے گئے ہوں مگر سوال جدید کے جواب میں اُس کو نقل کرنا اس بناء پر تھا کہ جو اجزاء دونوں سوالوں میں مشترک ہیں۔ انکا جواب تو اس منقول سے ہو جاوے گا۔ اور جو اجزاء سوال جدید کے ساتھ مختص ہیں انکا جواب زیادت جدیدہ سے ہو جاوے گا۔ اس تمہید کے بعد اجزاء مسئول عنہا کے متعلق عرض کرتا ہوں۔

**امراؤل:** اس عبارت میں تبلیغ خطبہ وعیدین کی مراد نہیں بلکہ تبلیغ وعظ و لیکچر کی مراد ہے چنانچہ آئندہ کی قریب ہی عبارت میں اس کی تصریح ہے فی قولی یہ تو اس وقت ہے جب خطیب سے مراد مطلق واعظ و لیکچر ہوا لیکن تو اس صورت میں وہ ذرائع دوسرے واعظین ہیں کہ بعیدین کو وہ سنا سکتے ہیں۔

**امردوم:** مطلب یہ ہے کہ اس کے استعمال سے عوام یہ سمجھ سکتے ہیں کہ اس آلہ کا استعمال مطلقاً جائز ہے گویا وہی میں ہو یا یہ سمجھ سکتے ہیں کہ اس آلہ میں اور دوسرے آلات ابھو میں مثلاً گراموفون میں کیا فرق ہے جب اس کا استعمال جائز ہے بقیہ کا بھی جائز ہے۔

**امرسوم:** لفظ ”کو“ اپنے مقام میں ہے۔ غلط نہیں لکھا گیا۔

**امر چہارم:** میری عبارت میں تبلیغ صوت سے مراد مطلق تبلیغ نہیں بلکہ تبلیغ الی الکل ہے۔ یعنی اگر مجموعہ حاضرین نہ سُنیں تو بعض کا سماع اور بقیہ کا حضور کافی ہے۔ اسی لئے میری عبارت میں لفظ حضور کے ساتھ لفظ محض نہیں ہے۔ اور مطلق سماع کی مقصودیت کی نفی مقصود نہیں۔ پس سماع بھی ضرور مقصود ہوا۔ اس لئے شریعت نے اس کا اہتمام بھی فرمایا۔ مگر اُسی حد تک جو یُسّر کے ساتھ ہو۔ اس کی دلیل قواعد کلیہ شرعیہ اور ایسے واقعات کے متعلق احکام جزئیہ ہیں جو اس واقعہ کی نظیر ہیں۔ جس کی طرف میں نے حضرت ابو موسیٰؓ کی حدیث میں اشارہ کیا ہے۔

**امر پنجم:** اس کا جواب، جواب سابق کی اس عبارت میں مذکور ہے۔ اس آلہ کو ابھو میں استعمال کرنے کی الخ اور افشاء الی المفسدہ حسب تصریح فقہاء مفسدہ میں داخل ہے۔

**امر ششم:** مثلاً مجلس رقص و سرور کہ اُس میں تبلیغ صوت الی البعید کے لئے اُس کا استعمال کیا جاوے اگر اس کا وقوع بھی نہ ہوا ہو تو قرب وقوع عادۃً یقینی ہے۔

**امر ہفتم:** ایک علت کے ارتقاع سے دوسرے علت موثرہ کا ارتقاع لازم نہیں۔ اور وہ علت موثرہ احقر کے فتوے میں مذکور ہیں اور جو اُن کے موثر ہونے میں خدشات ہیں اُن کو اس وقت رفع کرتا ہوں۔

**امر ہشتم:** وہ حدود و کمات تو قیفی نہیں مثلاً اساع کی کوئی مقدار معین ہوتی لیکن کیفاً تو قیفی ہیں۔ یعنی یہ کہ تعمق و تکلف کی حد تک نہ پہنچے۔ اور اذان ثانی وغیرہ تعمق کی حد تک نہیں پہنچی اور یہ آلہ تعمق کی حد تک پہنچا ہے۔ اور مدار اس انطباق کا سلف کے ذوق و اجتہاد پر ہے۔ پس اُن کا اذان ثانی کو تجویز کرنا اور اس آلہ کے نظائر کو باوجود تیسیر ان نظائر کے تجویز نہ کرنا اس فرق کی دلیل ہے۔ ان ہی نظائر میں سے حضرت ابو موسیٰ کا ایک واقعہ ہے۔

**امر نہم:** اگر یہ بات ہوتی تو فقہاء یہ قاعدہ مطلقاً خواص کیلئے مقرر نہ فرماتے کہ خواص کا فعل اگر عوام کے لئے موہم ہو جاوے تو خواص کے لئے بھی اُس کی اجازت نہیں نیز عوام کی حالت کا اب بھی مشاہدہ ہو رہا ہے کہ وہ اہل علم کے فعل کو متمسک قرار دے کر حدود سے نکل جاتے ہیں۔

**امر دہم:** رائے محض نہیں بلکہ رائے ”ماخوذ عن فعل الشارع“ ہونے کے سبب حکم شرعی ہے اور صحابی کا ایسا قول حنفیہ کے نزدیک حجت اور مجتہد تک کے لئے واجب التقلید ہے۔ جس کے ہوتے ہوئے اس کو اپنے اجتہاد پر عمل جائز نہیں کما صرح بہ فی اصول الفقہ باقی عنوان لوددت النخ کا اختیار کرنا یہ ادب فی التعبير ہے، منافی فتویٰ ہونے کا نہیں جیسے خود ہمارے مجتہدین مذہب مکروہ کو لا أحب اور حرام کو اگرہ سے تعبیر فرماتے ہیں غرض بقاعدہ القیاس مظہر لا مثبت یہ فتویٰ نبوی ہے، مگر بواسطہ اجتہاد صحابی کے اب تبرعاً ایک فتویٰ نبوی بلا واسطہ بھی نقل کرتا ہوں۔

(ابن عمر) قلت یا رسول اللہ! أنتوضاء من جو جدید مخمر أحب الیک ام من المطاهر قال لا بل من المطاهر أن دین اللہ یسر الحنفیة السمحاء قال وکان النبی صلی اللہ علیہ وسلم یبعث إلی المطاهر فیوتی بالماء فیشر به یر جو برکة أیدی المسلمین للأوسط کذا فی جمع الفوائد أحكام المیاء۔ (۱)

اور اس کے نظیر ہونے کی ویسی ہی تقریر ہے جیسی نظیر سابق میں لکھی گئی۔



**امریا زدھم:** مفید مدعا نہ ہونے کی دلیل خود فتوے میں مذکور ہے۔ باقی مقدمات دلیل میں کلام یہ آپکا اجتہاد ہے جس میں مجھ کو توافق نہیں۔ اور یہی فرمانے کا آپکو بھی حق ہے، آگے اپنے اپنے عمل کے سب ذمہ دار ہیں، جواب ختم ہوا۔

اس کے بعد آپ نے جو کلمات محبت سے ارشاد فرمائے ہیں اس کا صلہ بجز اس دعاء کے کیا کر سکتا ہوں کہ ”أحبکم اللہ کما تحبونی“ اس کے بعد آپ نے دینی خیر خواہی سے جو مشورہ دیا ہے گو مجھ کو اس کے اجزاء میں کلام ہے، مگر آپ کی صدق نیت پر نظر کر کے اتنا ہی عرض کرنا کافی سمجھتا ہوں کہ آپ اپنا حق ادا فرما چکے ”جزاکم اللہ تعالیٰ“ آگے اپنے اور آپ کیلئے یہ دعاء ہے اور اسی دُعاء کی آپ سے بھی استدعا ہے۔

اللہم ارنا الحق حقاً وارزقنا اتباعه والباطل باطلا وارزقنا اجتنابه  
سب سے اخیر میں کاغذات رکھ لینے کی اجازت عطا فرمانے پر خاص شکریہ عرض کرتا ہوں کہ مجھ کو صعوبت نقل سے بچالیا۔

فاللہ تعالیٰ یسہل صعبکم کما سہلتم صعبی والسلام خیر ختام۔  
نیاز مندانہ گزارش؛ چونکہ مسئلہ ہذا کے متعلق میری معلومات ختم ہو چکی، آئندہ کیلئے مزید کلام سے معافی کی اور معافی کے ساتھ دعاء کی درخواست کرتا ہوں۔ فقط۔

کیم ذی الحجہ ۱۳۳۶ھ

.....  
.....

اس کے بعد سوال بالا کا ایک جواب مدرسہ دارالعلوم دیوبند سے بغرض

دریافت رائے آیا وہ مع رائے ذیل میں منقول ہے

**الجواب :** حواشی در مختار للعلامة ابن عابدین الدمشقی الشافعی جلد اول بحث سنن صلوٰۃ میں ہے۔

ثم أعلم أن الإمام إذا كبر للافتاح فلا بد لصحة صلوته من قصد بالتكبير الإحرام وإلا فلا صلوٰۃ له إذا قصد الإعلام فقط فإن جمع بين الأمرين بأن قصد الإحرام والإعلان للإعلام، فذلك هو المطلوب منه شرعاً وكذلك المبلغ إذا قصد التبليغ فقط خالياً عن قصد الإحرام فلا صلوٰۃ له ولا لمن يصلى بتبليغه في هذه الحالة لأنه اقتدى بمن لم يدخل في الصلوٰۃ فان قصد بتكبيره الإحرام مع التبليغ المصلين فذلك هو المقصود منه شرعاً كذا في فتاوى الشيخ محمد بن محمد الغزيرى الملقب بشيخ الشيوخ اهـ (۱)

اور در مختار باب مفسدات نماز میں ہے۔

وفتحه على غير إمامه إلا إذا أراد التلاوة وكذا الأخذ. اهـ

حواشی ابن عابدین میں ہے

قوله: وكذا الأخذ أى أخذ المصلى غير الإمام بفتح من فتح عليه مفسدٌ أيضاً كما في البحر عن الخلاصة: لو أخذ الإمام بفتح من ليس في صلوته فيه عن القنية. اهـ (۲)  
اور در مختار باب تجوّد التلاوة میں۔

لا يجب سماعه من الصدى والطير.

(۱) شامی، کتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، مطلب في التبليغ خلف الإمام، مكتبة

زكريا ديوبند ۱/۲ - ۱۷۲ - ۱، کراچی ۱/۳۷۴۔

(۲) شامی، کتاب الصلاة، باب ما يفسد الصلاة وما يكره فيها، مطلب المواضع التي

لا يجب فيه رد السلام، مكتبة زكريا ديوبند ۲/۳۸۱، کراچی ۱/۶۲۲۔

حواشی میں ہے۔

قوله: من الصدى هو ما يجييك مثل صوتك في الجبال والصحارى ونحوهما كما في الصحاح. (۱)

مذکورہ بالا نصوص سے ظاہر ہو گیا کہ چونکہ آلہ مکبر الصوت اور انبوبون (ہارن) آواز میں جو کہ ڈائل وغیرہ سے آواز کے ٹکرانے سے مثل صدی (گنبد وغیرہ میں گونجنے اور ٹکر کھانے سے پیدا ہونے والی آواز ایک یا چند واسطوں سے پیدا ہوتی ہیں۔ اور چونکہ یہ آلات اور بلیوں کے پر کے بنوب (ہارن) نہ خود مکلف ہیں اور نہ داخل نماز و جماعت بلکہ خارجی ایسی چیزیں ہیں جن کے ذریعہ سے مقتدیوں کو تلقین اور تعلیم کی جاتی ہے۔ اور چونکہ ان تکبیروں میں محض تبلیغ کا قصد ہوتا ہے۔ یہ آلات نہ نمازی ہیں اور نہ ان سے نماز پڑھنے کا ارادہ رکھا جاسکتا ہے۔ اس لئے جو لوگ فقط ان آلات کے ذریعہ سے نمازیں ادا کریں گے۔ ان سبھوں کی نماز فاسد ہو جائے گی۔ اور غیر مصلیٰ سے تعلیم اور استفادہ کا ہر یلا اثر ان کی تمام نمازوں کو معنوی موت کے گھاٹ اتار دے گا؛ لہذا اس سے بچنا لازم ہے جو جو وہ سوال میں جواز یا استحباب کے لئے دکھلائے گئے ہیں فقہی نقطہ نظر سے ایک جو کہ برابر بھی قدر و منزلت نہیں رکھتے ہیں۔

(نگ اسلاف حسین احمد غفرلہ)

(۱) الدر المختار مع الشامی، کتاب الصلاة، باب سجود التلاوة، مكتبة زكريا ديوبند

۵۸۳/۲، کراچی ۱۰۸/۲۔

شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

**رائے الا حقرفی هذا لجواب:** اگر یہ ثابت ہو جاوے کہ اس آلہ سے عین صوت بلند نہیں ہو جاتی۔ بلکہ گونجنے اور ٹکرانے سے اُس کی حکایت پہنچ جاتی ہے تو صواب منحصر فی الجواب ہے۔ اور مظنون یہی ہے۔ اور کسی ماہر سائنس (\*) کی تحقیق سے یہ ظن درجہ متیقن تک پہنچ سکتا ہے اور اگر ثابت ہو (\*\*\*) جائے کہ عین صوت بلند ہو جاتی ہے تو اس صورت میں حکم وہ ہے جو احقر نے اپنے جواب میں عرض کیا ہے، اور اگر دونوں احتمال ہوں تو پھر بھی جواب وہی ہے جو حضرت مصیب سلمہ اللہ الرقیب القریب نے تحریر فرمایا ہے، مگر توجیہ مختلف فیہ ہے اور وہ توجیہ یہ ہے کہ عین صوت کا ”عدم بلوغ الی البعید“ پہلے سے متیقن ہے اور اب اس میں شک واقع ہو گیا اور ”الیقین لایزول بالشک“ اس لئے عدم بلوغ کا حکم کر کے اس صورت کو مثل صدی کے حکم کر دیا جائے گا۔

۵ ذالحجہ ۱۳۴۶ھ

(\*) بعد اس تحریر کے اس کے متعلق سوال ذیل متعدد ماہرین کے پاس بھیجا گیا، دو مقام سے جو جواب آیا وہ اس پر متفق ہیں کہ جو آواز دور تک پہنچتی ہے عین صوت ہے جو بلند ہو جاتی ہے، صوت کی حکایت اور صدائے بازگشت نہیں ہے؛ چنانچہ ذیل میں وہ سوال اور جواب منقول ہیں۔ ۱۲

(\*\*) ماہرین سائنس کی مکمل تحقیق جو حال میں مملکت پاکستان کے ماہرین فن سے حاصل ہوئی، اس سے یہی ثابت ہوا کہ عین صوت دور تک پہنچ جاتی ہے، بازگشت یا آواز کی صوت نہیں؛ لہذا اس تحقیق کی بنا پر خود حضرت سیدی حکیم الامت کے جواب کا خلاصہ یہ ہوگا کہ اس کی آواز پر نماز میں نقل و حرکت کرنے سے حکم فساد نماز کا نہ دیا جائے گا؛ البتہ احتمال فساد کی بنا پر اس کا ترک کرنا اور سادہ طریق پر نماز ادا کرنا بہتر ہوگا، اس مسئلہ پر ماہرین سائنس کی مکمل تحقیق اور اس سے متعلق مسئلہ زیر بحث پر دوسرے اکابر علماء خصوصاً حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی اور علامہ سید زابد کوثری مصری وغیرہم کے فتاویٰ اور ان کی تحقیق پھر مسئلہ کا مکمل فیصلہ احقر کے رسالہ ”مکبر الصوت“ میں شائع ہو چکا ہے، ضرورت ہو تو اس کو ملاحظہ فرمایا جائے۔ ۱۲ محمد شفیع عفی عنہ

## مکبر الصوت سے متعلق اہل سائنس کی تحقیقات

**سوال:** لاؤڈ اسپیکر کے ڈائل پر سے مقرر کی آواز بلند ہوتی ہے اور دور تک کام کرتی ہے وہ عین آواز ہے یا حکایات آواز؟ (یعنی صدائے بازگشت کی طرح ہے کہ آواز تو ڈائل پر آ کر ختم ہوگئی اور صدائے بازگشت لوگوں تک پہنچی، اسی طرح دوسرے ڈائل سے تیسرے پر صدائے بازگشت کی کاپی ہے اور تیسرے سے چوتھے پر صدائے بازگشت کی کاپی ہے) مطلب یہ ہے کہ ڈائل پر اصل آواز سنائی دیتی ہے یا نری (کاپی ہے اس آواز کی مثل جو) پہاڑوں، جنگلوں میں گونجتی ہے کہ اس کو یہاں پر (اس آلہ میں) برقی رو کی استعانت سے باقاعدہ اور اصل کے مشابہ کر لیا ہے، کیا اچھا ہو کہ مستند حوالے بھی جواب میں ہوں۔

**جواب:** از سید شبیر علی ایم اے پروفیسر محکمہ سائنس علی گڑھ بمشورہ دیگر اصحاب محکمہ مذکورہ معرفت منشی سراج الحق صاحب ماسٹر مسلم یونیورسٹی اسکول علی گڑھ

لاؤڈ اسپیکر کے ڈائل پر سے جو آواز بلند ہو کر دور جاتی ہے، وہ بجسہ آواز متکلم یا خطیب ہوتی ہے، جو لاؤڈ اسپیکر کے ذریعہ قوی ہو جاتی ہے آواز دراصل ہوا میں لہروں کے پیدا ہونے کا نام ہے جو زبان کی حرکت سے پیدا ہوتی ہے اور کان کے پردہ پر جا کر اسی قسم کی کیفیت پیدا کرتی ہے، کان کے پردہ تک پہنچنے سے پیشتر اگر وہ لہریں ضعیف ہو چکی ہیں (جس کے مختلف اسباب ہو سکتے ہیں مثلاً باد مخالف یا شور و غل وغیرہ) اور پھر ان کو لاؤڈ اسپیکر کے ذریعہ قوی کر دیا گیا ہے تاکہ وہ زیادہ دور تک جاسکیں تو ایسی صورت میں لاؤڈ اسپیکر کے بعد جو آواز نکل رہی ہے وہ فی الحقیقت اصلی ہی آواز ڈائل پر جا کر ختم نہیں ہو جاتی؛ بلکہ ضعیف سے قوی ہو جاتی ہے، لاؤڈ اسپیکر ان ضعیف لہروں میں ایک قسم کی نئی جان ڈال دیتا ہے اور یہ فعل ان لہروں کے معدوم ہونے سے پیشتر ہوتا ہے، یعنی وہ لہریں (متکلم کے منہ سے نکلی ہوئی) بجسہ اپنی اصلی حالت پر قائم ہوتی ہیں، صدائے بازگشت میں آواز کی نوعیت یہ ہوتی ہے کہ مخرج یا منبع سے آواز نکل کر کسی چیز سے ٹکراتی ہے اور واپس ہوتی ہے؛ چونکہ اس فاصلہ کو طے کرنے کے لئے وقت درکار ہوتا ہے اور آواز کی رفتار زیادہ تیز نہیں ہے؛ اس لئے دوسری آواز سنائی دیتی ہے صدائے بازگشت میں وہی آواز ٹکرا کر دوبارہ سنائی دیتی ہے اور لاؤڈ اسپیکر میں وہی آواز ضعیف سے قوی ہو جاتی ہے؛ اس لئے اس میں دو آوازیں نہیں سنائی دیتیں۔ ۱۲

**جواب دیگر:** از برج لال نندن صاحب بی اے بی ایس سی ماسٹر سائنس الگزنڈر ہائی

اسکول بھوپال معرفت منشی مظہر صاحب ماسٹر۔

جس کسی شے میں حرکت ہوتی ہے تو اس عالم میں بیرونی ہوا پر اس کے صدمہ سے ایک صورت تموج پیدا ہوتی ہے، جو اصل حرکت کے بحسنہ مطابق ہوتی ہے، ان کو تموج اصوات کہتے ہیں: جب کوئی شے ان کے سدراہ ہوتی ہے تو ان میں (بازگشت یا لہر) ہوتی ہے اور چند اصول کے تحت ان لہروں کا اجتماع ایک مرکز پر ہوتا ہے، اگر اس مرکز پر کان کو رکھا جاوے تو وہ آواز اگرچہ ابتداءً ہلایت آہستہ ہو بلند اور صاف سنائی دیتی ہے، دیگر درمیانی مقام پر وہ ہرگز سنائی نہیں دیتی، اگر جہاں سے آواز آتی ہے اور جہاں کہ یہ لہر ہوتی ہے دونوں مقامات کے درمیان ایک خاص معینہ فاصلہ سے کم نہ ہو تو اس میں گونج اور صدائے بازگشت پیدا ہوتی ہے، جو اصل آواز سے بلند ہوتی ہے اور بعض اوقات میلوں تک سنائی دیتی ہے، جب کبھی آواز کسی تنگ نلکی میں ہو کر گزرتی ہے تو مشاہدہ میں آیا ہے کہ وہ بہت بلند ہو جاتی ہے اور دور تک جاتی ہے و جوہات کی تفصیل طویل ہے، ایک وجہ ماہرین نے یہ بیان کی ہے کہ نلکی کے اندر کی ہوا میں بکثرت تموج ہوتا ہے جو اصل آواز کے مطابق اور بحسنہ ہوتا ہے، اس سے اصل کو تقویت حاصل ہو جاتی ہے اور سامعین کو وہ آواز بلند ہو کر سنائی دیتی ہے، جملہ لاؤڈ اسپیکر کی ساخت میں میرا خیال یہ ہے کہ ان ہی دونوں اصول کو مدنظر رکھا گیا ہے، کسی کسی میں ٹیلیفون کے اصول کی مدد بھی لی جاتی ہے افسوس ہے کہ میرے پاس میرے علم میں کوئی کتاب سردست موجود نہیں ہے کہ جس میں اس جدید ایجاد کا ذکر کیا ہو؛ لیکن یقین ہے کہ اگر کوئی علم طبعیات جو حال میں تیار ہوئی ہو اور جس میں جدید باتوں کا ذکر ہو تو اس میں اس کی تصدیق مل سکے گی؛ البتہ راقم کے بیان کی صداقت ناٹھ کی طبعیات یا کسی اور علم صوت کا بیان پڑھنے پر معلوم ہو جائیگی۔

**جواب دیگر:** بھوپال سے ماسٹر محمد مظہر کی یہ تحریر آئی جو ذیل میں منقول ہے، آج مدرسہ میں

سائنس ماسٹر (یہ وہی صاحب ہیں جن کا اوپر نام برج نندن لال آیا ہے) ملے تھے، وہ کہتے تھے کہ آواز جو لاؤڈ اسپیکر سے پیدا ہوتی ہے وہ ہے تو بولنے والے کی آواز کا اثر، مگر وہ اس کے بازگشت کے قائل ہیں کہتے ہیں کہ پہاڑ پر جو صدا سنائی دیتی ہے، وغیرہ محسوس عرصہ کے بعد اس وجہ سے سنائی دیتی ہے کہ وہ آواز خود بخود دلتی ہے، لیکن یہاں برقی رو اس میں دیر نہیں ہونے دیتی قائل کے زبان کی

حرکت صرف ایک موج پیدا کرتی ہے اور یہاں تو کئی ایک موجیں پیدا ہوتی ہیں اور ان میں قوت پیدا ہو جاتی ہے، جس طرح اک راگ گانے والے کی آواز ہوگی، اگر اور لوگ تال ملا دیں تو ہم یہ نہ بتا سکیں گے کہ کونسی کس کی آواز ہے، برقی قوت یہی شکل پیدا کرتی ہے۔ غرض وہ یہ کہتے ہیں کہ برقی قوت کی وجہ سے میں تو کم از کم یہ ماننے میں تامل کرتا ہوں کہ یہ اصلی آواز ہے اور اس کا انکار بھی مجھ سے ممکن نہیں کہ ثبوت مشکل ہے۔ ۱۲

**نوٹ:** اس جواب کا حاصل تردد ہے اور تردد کا حکم احقر نے مولانا حسین احمد صاحب کے جواب کے متعلق اپنی جورائے لکھی ہے اس کے اخیر میں ذکر کیا ہے۔

اشرف علی تھانویؒ ۲۳ محرم الحرام ۱۳۴۷ھ

**جواب دیگر:** پھر حیدر آباد سے مولوی عبدالحی صاحب کی تحریر آئی جو ذیل میں منقول ہے۔

**سوال:** بخد مت علماء سائنس و حکمت معروض ہے کہ آج کل ایک آلہ (لاؤڈ اسپیکر) جس کو مکبر الصوت بھی کہتے ہیں اس کی تحقیق کی ضرورت ہے کہ اس میں بولنے والے کی آواز بعینہ بلند ہو کر مسموع ہوتی ہے یا مثل صدائے گنبد آواز کی حکایت کرتی ہے اس کا جواب مستند حوالوں اور وجہ سے فرمایا جائے؛ کیونکہ اس کی تحقیق پر چند مسائل فقہیہ کی تفریع موقوف ہے۔

۲۸ محرم الحرام ۱۳۴۷ھ

**جواب:** آواز کے متعلق علمائے سائنس کی یہ رائے ہے کہ جس جسم سے آواز نکلتی ہے وہ ایک خاص قسم کی ارتعاشی حرکت کرتا ہے یہ ارتعاشی حرکت مادی واسطہ میں بجنسہ منتقل ہوتی ہے اور عام طور پر بالآخر ہوا میں منتقل ہو کر سننے والے کے کان تک پہنچتی ہے (مکبر الصوت) مختلف قسم کے ہیں برق کی نوعیت کے (مکبر الصوت) میں بولنے والا بات کرتا ہے تو آواز کی موجیں براہ راست منعکس ہو کر سننے والے تک منتقل ہوتی ہیں بلندی آواز کی وجہ اس خاص صورت میں یہ ہے کہ موجوں کی توانائی ہوا کے وسیع رقبوں میں پھیل کر منتشر نہیں ہونے پاتی؛ بلکہ ایک خاص سمت میں ان موجوں کی ہدایت ہونے سے آواز تقریباً اپنی کامل ابتدائی توانائی کے ساتھ سامع تک پہنچ جاتی ہے، اس آواز کو بلاشبہ بولنے والے ہی کی آواز سمجھ سکتے ہیں، اس مکبر الصوت سے آواز کا انتقال بہت دور تک نہیں ہو سکتا، اگر مکبر الصوت برقی نوعیت کا ہے جیسا کہ معمولی لاسکی ٹیلیفون کے

ساتھ استعمال کرنے کا آلہ ہوتا ہے تو اس کی نوعیت بالکل جداگانہ ہے، یہاں آواز پیدا کرنے والے جسم کی ارتعاشی حرکت اپنی نوعیت بدل کر ایک دوسری قسم کی ارتعاشی صورت اختیار کر لیتی ہے، گویا کہ آواز کی نقل برقی روؤں یا برقی موجوں میں تیار کر لی جاتی ہے اور وہ سننے والے کے آلہ سماعت میں داخل ہو کر بالآخر آواز کے مادی ارتعاش کی شکل میں تبدیل ہو جاتی ہے جو کہ آواز پیدا کرنے کے لئے لازمی ہے اور اس طرح سننے والا نقل در نقل یا بالواسطہ طریقہ سے آواز سن پاتا ہے، ایسے لاؤڈ اسپیکروں کی آواز ابتدائی آواز کی محض نقل یا حرکت ہی سمجھی جاسکتی ہے۔

۳/ صفر ۱۳۴۷ھ

**نوٹ:** اس جواب کا حاصل اس کا حکم ہے کہ یہ آواز صدائے بازگشت ہے تو اس بناء پر حضرت مولانا حسین احمد صاحب کا جواب مذکورہ بالا متعین ہے۔

اشرف علی تھانویؒ ۱۰/ صفر المظفر ۱۳۴۷ھ

.....

.....



## المقالات المفیده فی حکم اصوات آلات الجدیدہ (دفتوؤں پر مشتمل)

**تمہید:** ریڈیو کے متعلق خانقاہ امدادیہ سے اوّل کسی نے ایک استفتاء کر کے جواب حاصل کیا تھا چونکہ اس میں کچھ شبہ پیدا ہوا تھا اس لئے احقر نے (\*) دوسرا استفتاء کیا دونوں استفتاء مع جواب ذیل میں منقول ہیں۔

**استفتاء اوّل:** کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ آجکل ریڈیو کا رواج بہت ہو رہا ہے جس میں خبریں بھی ہوتی ہیں اور تقریریں بھی اور گانا بجانا بھی اور بعض اوقات خوش الحان قاریوں کا قرآن بھی اس میں سُنا جاتا ہے اور جو قاری خوش الحان ریڈیو پر قرآن پڑھتے ہیں اُن کو معقول معاوضہ دیا جاتا ہے، پس بایں صورت ریڈیو گھر میں لگانا یا اس کا کسی طور سے سُنا یا اس پر قرآن پڑھنا اور معاوضہ لینا یا ریڈیو سے قرآن سننا جائز ہے یا نہیں۔ بیّنوا تو جروا۔

**الجواب:** اگر کوئی ریڈیو لہو و لعب اور گانے بجانے سے بالکل پاک ہو یعنی اس کے کسی پروگرام میں بھی یہ خرافات نہ ہوں اور اس میں صرف کسی واعظ یا مقرر اسلام کی تقریر ہو یا خبریں ہوں تو ایسے ریڈیو پر قرآن پڑھنا اور اس سے قرآن سُنانا فی نفسہ جائز تھا گو قرآن پڑھنے کا معاوضہ لینا حرام ہی ہوتا اور جس ریڈیو میں گانا بجانا بھی ہو تو اس میں تو کسی طرح بھی نہ قرآن پڑھنا جائز ہے نہ سُنا۔ بلکہ اس پر قرآن پڑھنا یا سننا قرآن کی بے حرمتی کا سبب ہے کہ قرآن کے ساتھ ملاعب ہے یہ تو اس کا فی نفسہ حکم تھا جس میں تفصیل مذکور تھی؛ لیکن عوام الناس کا حدود میں رہنا عادت قریب ناممکن ہے اس لئے علی الاطلاق اس پر قرآن مجید سننے کو روکنا واجب ہے اور اسی تفصیل سے ریڈیو کو گھر پر لگانے اور کسی طور سے اس کے سننے کا حکم بھی معلوم ہو گیا کہ قسم اوّل کا لگانا فی نفسہ جائز اور قسم دوم کا حرام ہے مگر چونکہ قسم اوّل کا تحقق ہے ہی نہیں عام طور سے صرف قسم دوم ہی کا تحقق ہے اس لئے اس کا لگانا اور سننا علی الاطلاق حرام ہے۔ وَاللّٰهُ تَعَالٰی اَعْلَمُ بِالصَّوَابِ۔ دستخط ۱۳۵۶ھ الجواب صحیح:

(مولانا) ظفر احمد عفا عنہ از تھانہ بھون خانقاہ امدادیہ ۲۲ رمضان اشرف علی عفی عنہ ۲۳ رمضان ۱۳۵۶ھ

(\*) استفتاء کرنے والے واصل بیگرا می مرحوم ہیں ۱۲ محمد شفیع عفی عنہ

## استفتاء ثانی: سوال وجواب مندرجہ بالا کے بعد گزارش ہے کہ شاید جواب تحریر فرماتے

وقت یہ ذہن میں تھا کہ ریڈیو مثل گراموفون کے ریکارڈ کے ہے جس میں ہر قسم کی آواز محفوظ ہو سکتی ہے اور جب چاہیں اس ریکارڈ کو کام میں لاسکتے ہیں اور ایسے ریکارڈ تیار ہو کر فروخت ہو سکتے اور خریدے جاسکتے ہیں اس لئے ضرورت اس امر کی ہوئی کہ ریڈیو کا مفہوم اور اس کی حقیقت بیان کر دی جاوے اس کے بعد جو شرعی حکم ہو وہ تحریر فرما دیا جاوے۔ ریڈیو کی حقیقت مثل ٹیلیفون کے ہے فرق صرف اس قدر ہے کہ ٹیلیفون کی آواز صرف ایک شخص سُن سکتا ہے اور ریڈیو کی آواز جتنے سننے والے وہاں موجود ہوں سُن سکتے ہیں۔ گراموفون ایک کمپنی کے انتظام میں ہے جس کی غرض صرف تجارت ہے خواہ اس کے ریکارڈ لہو و لعب گانے بجانے ہنسی مذاق کھیل تماشہ کے ہوں یا علمی مضامین یا قرآن شریف کی آیات کے ہوں لیکن ریڈیو کا محکمہ گورنمنٹ کے انتظام میں ہے اس میں جو کام ہوتا ہے فنی ترقی یا سننے والوں کی دلچسپی کی غرض سے خواہ وہ ہر قسم کا گانا بجانا ہی کیوں نہ ہو۔ اس میں ایک مرتبہ جو آواز سُنائی دیتی ہے وہ دوسری مرتبہ نہیں سُنائی جاسکتی اس میں سُنا تے وقت سُنانے والے کا موجود رہنا اور اپنی زبان سے سُنانا لازمی ہے اور یہ کلام دوسری مرتبہ قائم نہیں رہ سکتا۔ اس میں قرآن شریف ہو یا حدیث وید کے اشلوک ہوں یا رامائن کا کوئی باب یا اس کا کوئی ٹکڑہ لگا دو علمی، فنی، جذباتی، افادی مضامین ہوں یا تمدنی اور شعرو سخن کے۔ غرض ہر قسم کا مضمون خواہ کسی قسم کا ہو اور کسی زبان کا ہو۔ نشر ہو یا نظم۔ سُنا یا جاسکتا ہے محکمہ ایسے لوگوں کو جو محنت کرتے اور سُنا تے ہیں ایک مقررہ معاوضہ دیتا ہے اور ان کی قدر کرتا ہے۔ یہ مختصر حقیقت ہے ریڈیو کی۔ ایسی حالت میں ریڈیو لگانا، ریڈیو سننا، خواہ کسی قسم کا مضمون ہو یا اجرت پر کوئی مضمون پڑھنا اور سُنانا جس میں قرآن شریف اور ہر قسم کے مضامین نظم و نشر شامل ہیں جائز ہے یا نہیں۔ بینوا تو جروا۔

## الجواب: سوال میں جن تین آلات کا ذکر ہے وہ اپنی تین اغراض کے اعتبار سے قابل تحقیق ہیں۔

وہ تین آلات یہ ہیں: گراموفون، ٹیلیفون، ریڈیو۔

اور تین اغراض یہ ہیں: اصوات نمبر ۱: مباحہ۔ اصوات نمبر ۲: محرّمہ۔ اصوات نمبر ۳: طاعات۔ اور ان تینوں اصوات کے بعض احکام مشترک ہیں۔ اور بعض مخصوص غیر مشترک۔

احکام مشترکہ یہ ہیں کہ اصوات مباحہ مباح۔ اور اصوات محرّمہ محرّمہ۔ اور اصوات طاعات کی نفس

ذات کا مقتضا تو اشتراک حکم ہی تھا مگر ایک عارض سبب اس میں تفصیل ہوگئی اور وہ عارض ان آلات کا لہو کے لئے موضوع ہونا یا نہ ہونا ہے اور وہ تفصیل یہ ہے کہ جو آلہ تلبی کے لئے موضوع ہے ان اصوات طاعت کے استماع کے لئے اس کا استعمال ناجائز ہے اور جو تلبی کے لئے موضوع نہیں اس کا استعمال ان اصوات طاعات کے لئے جائز ہے۔ اب اس کی تعیین باقی رہی سو دو (۲) کی حالت تو ہمیں پہلے سے معلوم ہے یعنی ٹیلیفون کا تلبی کے لئے موضوع نہ ہونا اور گراموفون کا تلبی کے لئے موضوع ہونا۔ سوان کا حکم بھی ظاہر ہے کہ ٹیلیفون کا استعمال ان اصوات طاعت میں جائز ہے اور گراموفون کا ناجائز۔ اور قواعد سے یہ حکم ظاہر ہے مگر تبرعاً ایک خاص حدیث بھی اسکی تشہید و تائید کے لئے مع تقریر استدلال نقل کئے دیتا ہوں۔ حدیث یہ ہے:

في المشكوة: باب إعلان النكاح الفصل الأول برواية البخاري عن الربيع بنت معوذ بن عفراء قالت: جاء النبي صلى الله عليه وسلم فدخل حين بنى علي فجلس على فراشي كمجلسك منى وجعلت جوهرات لنا يضرب بالدف ويند بن من قتل من آبائي يوم بدر إذ قالت أحداهن وفيها نبي يعلم ما في غد فقال دعى هذه وقولي بالذى كنت تقولين. (۱) قال الشيخ الدهلوي: في أشعة اللمعات في شرح الحديث.

وگفتہ اند کہ منع آں حضرت ازیں قول بجہت آنست کہ دروے اسناد علم غیب است بآنحضرت پس آں حضرت ناخوش آمد و بعضے گویند بجہت آنست کہ ذکر شریف وے در اثناے لہو مناسب نباشد۔ اہ میں کہتا ہوں کہ گو اس حدیث کی توجیہ میں دونوں احتمال ہیں اور غور کرنے سے توجیہ ثانی رائج بھی معلوم ہوتی ہے کیونکہ اگر احتمال اوّل اس کی بناء ہوتی تو ممانعت شدید زجر کے صیغہ سے ہوتی لیکن اس ترجیح سے قطع نظر کر کے بھی علماء اُمت کا دونوں کا تجویز کرنا واضح دلیل ہے دونوں بناؤں کے فی نفسہ صحیح ہونے کی گویاں متحقق ایک ہی ہو۔ پس دوسری توجیہ پر تقریر استدلال یہ ہے کہ حضور اقدس ﷺ نے صرف مجلس لہو میں ذکر طاعت پر نکیر فرمایا؛ حالانکہ یہاں آلہ ذکر یعنی زبان لہو کے لئے موضوع نہیں صرف

(۱) مشکوة المصابیح، کتاب النکاح، باب إعلان النکاح، مكتبة اشرفية دیوبند ص: ۲۷۱۔

بخاري شريف، كتاب النكاح، باب ضرب الدف في النكاح والوليمة، النسخة الهندية

افتراں فی المجلس کومنع میں مؤثر قرار دیا۔ سو جہاں خود آلہ ان اذکار کا لہو کیلئے موضوع ہو وہاں تو فتح و شناعیت بہت زیادہ ہوگی اس تقریر سے گراموفون اور ٹیلیفون میں قرآن مجید اور دیگر اذکار طاعات تعبدیہ کے استماع کا حکم معلوم ہو گیا کہ اول میں اس علت مذکورہ کی بناء پر عدم جواز ہے اور ثانی میں جواز جبکہ اور کوئی علت منع کی نہ ہو۔ سوان دونوں کی حالت تو ہم کو پہلے سے معلوم ہے اسلئے انکا حکم بھی معلوم ہے باقی ریڈیو کی حالت اب تک معلوم نہ تھی اسلئے قبل تحقیق تو اسکے حکم میں تحقیق ہوگی یعنی اگر وہ گراموفون کے مشابہ ہے تو اس کا حکم گراموفون کے مثل ہے اور اگر وہ ٹیلیفون کے مشابہ ہے تو اس کا حکم ٹیلیفون کے مثل ہے۔ پہلے فتوے کی تصدیق کئے ہوئے مدت ہوگئی یاد نہیں اسکی کیا بنا ہوگی مگر غالباً اسوقت ذہن میں یہی ہوگا کہ وہ گراموفون کے مشابہ ہے جیسا کہ جواب کی بعض عبارات سے مفہوم بھی ہوتا ہے۔

اب دوسرے سوال میں اس کی حالت ٹیلیفون کے مشابہ ظاہر کی گئی ہے سو اگر ایسا ہے تو اس کا حکم ٹیلیفون کی مثل ہوگا یعنی اس میں اصوات طاعت تعبدیہ کے استماع کا جواز۔ البتہ اگر باوجود آلہ تلہی نہ ہونے کے کوئی دوسرا عارض مانع جواز ہوگا تو اس عارض کے سبب پھر منع کیا جاویگا۔ مثلاً قاری کو اجرت دینا یا مسمع یا مستمع کا غیر طاعت کے قصد سے سنانا یا سننا جیسا فقہاء نے تصریح فرمائی ہے کہ تاجر کا فتح متاع کے وقت ترویج سلعہ یا ترغیب مشتری کی غرض سے درود شریف پڑھنا یا حارس کا ایفاظ ناٹمین کی غرض سے تہلیل کا جہر کرنا ان سب عوارض کی وجہ سے ممانعت کا حکم کیا جاوے گا۔

یہ سب تفصیل اس بناء پر ہے کہ ریڈیو لہو کیلئے موضوع نہ ہو؛ لیکن اگر کسی وقت میں باوجود موضوع للتلہی نہ ہونے کے عام طور پر یا غالب طور پر لہو کے لئے مستعمل ہونے لگے تو اس وقت بھی اس کا حکم مثل موضوع للتلہی کے ہو جاویگا کیونکہ اہل شہر کے اعتقاد بدرجہ لزوم تشبہ کو بھی فقہاء نے احکام میں مؤثر مانا ہے بعض اہل خبرت سے سنا گیا ہے کہ اب اس کی حالت ایسی ہی ہوگئی ہے سوال کے بعض الفاظ سے بھی اس کا شبہ ہوتا ہے سو اس کو اہل استعمال تدین کے ساتھ خود دیکھ لیں اور یہ سب احکام ہیں آلات مذکورہ سوال کے بعد کی مناسبت اور ضرورت وقت سے تھے ایک چوتھے آلہ کا حکم بھی لکھ دینا ضروری معلوم ہوتا ہے گو اس سوال میں اس کا ذکر نہیں مگر دوسرے سالکین اس کے متعلق بھی سوال کرتے ہیں اور وہ آلہ ہے لاؤڈ اسپیکر یعنی مکبر الصوت جس میں آواز بڑھ جاتی ہی اس کا اجمالی حکم یہ ہے کہ تقریرات میں اس کا استعمال جائز ہے

اور عیدین و جمعہ کے خطبہ میں بدعت اور تکبیرات صلوٰۃ میں اسکا اتباع مفسد صلوٰۃ۔ اس وقت سب کے دلائل کی گنجائش نہیں اور تکبیرات صلوٰۃ کے حکم مذکور کے دلائل میں احقر کا ایک مستقل رسالہ ہے (التحقیق الفریدی فی آلة التقریب الصوت البعید) اس کا ملاحظہ کافی ہے یہ سب تحقیقات اپنے معلومات کی موافق لکھی گئیں اگر کسی کو اس سے زیادہ یا اس کے خلاف تحقیق ہو وہ اپنی تحقیق پر عمل کرے اور اگر ہم کو بھی مطلع کر دے تو ما جور ہوگا۔ واللہ تعالیٰ اعلم و علمہ اتم و احکم۔ تمت رسالۃ المقالات المفیدہ۔

کتبہ اشرف علی تھانہ بھون۔

۱۵ محرم الحرام ۱۳۵۷ھ

## ضَمِيمَه اُمْدَادُ الْفَتَاوَى جلد اول

### بَابُ مَسْئَلَةِ مَكْبَرِ الصَّوْتِ

از: احقر محمد شفیع عفا اللہ عنہ

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

آلہ مکبر الصوت ---- کے متعلق سب سے پہلا فتویٰ حضرت سیدی حکیم الامتہ قدس سرہ کے قلم سے ۱۳/ رمضان ۱۳۲۶ھ میں نکلا ہے جو اس کتاب کے (صفحہ --) میں عدم جواز آلہ مکبر الصوت کے عنوان کے وقت ذکر ہوا) میں پورا درج ہے۔ یہ وہ وقت تھا جبکہ یہ آلہ نیا نیا چل کر خاص خاص شہروں میں آیا تھا عام طور پر اس کی شکل و ہیئت اور طریق استعمال سے بھی لوگ واقف نہ تھے اس وقت جو جواب لکھا گیا اُس کا منشاء یہ تھا کہ اس کو بھی گراموفون کی طرح ایک ایسا آلہ سمجھا گیا جو مجالس لہو و طرب میں استعمال کیا جاتا ہے اور کوئی ضرورت اُس پر موقوف نہ تھی کہ جواب سے پہلے مزید تحقیق و تفتیش کا انتظار کیا جاتا اس لئے عام حالات کے تابع اُس کو لہو و لعب میں استعمال ہونے والا ایک آلہ قرار دیکر عام وعظ تقریر میں بھی اُس کے استعمال کو منع کیا گیا اور مسجد میں اُس کے داخلہ کو ممنوع فرمایا۔

اس کے بعد دوسرا فتویٰ چند ماہ بعد ذی الحجہ ۱۳۲۶ھ میں ایک صاحب سے طویل مراسلت و مکاتبت کے ضمن میں لکھا گیا اسی زمانہ میں حضرت مولانا سید حسین احمد صاحب مدنی قدس سرہ نے دارالعلوم دیوبند سے ایک سوال کے جواب میں اس کے استعمال فی الصلوٰۃ کو مفسد نماز قرار دیا اور حضرت قدس سرہ نے اسکی تصدیق فرمائی۔

یہ مفصل مکاتبت اور فتویٰ ’التحقیق الفرید فی استعمال آلۃ تقرب الصوت البعید‘ کے نام سے النور میں شائع ہوا جو اس کتاب کے ص ۵۸۲ پر درج ہے اس میں بھی اس آلہ کے مطلقاً استعمال کی ممانعت تھی اور نماز میں استعمال کو مفسد نماز قرار دیا گیا تھا۔

اس کے گیارہ سال بعد محرم ۱۳۵۷ھ میں پھر کسی صاحب نے ریڈیو وغیرہ آلات جدیدہ کے متعلق سوال کیا جبکہ اس کا استعمال عام ہو چکا تھا۔ اس سوال میں اس حقیقت کو واضح بھی کر دیا گیا تھا کہ ریڈیو نہ لہو و طرب کا کوئی آلہ ہے اور نہ مجالس لہو و لعب کے ساتھ مخصوص ہے بلکہ اُس سے بہت مفید کام بھی لئے جاتے ہیں وہ ہر ملک میں حکومت کے زیر انتظام ہوتا ہے۔ اس میں حضرتؒ نے ریڈیو کے حکم کے ساتھ آلہ مکبر الصوت کا حکم بھی تحریر فرمادیا، یہ فتویٰ بھی ایک مستقل رسالہ کی صورت میں بنام ”المقالات المفیدۃ فی حکم استماع آلات الجدیدۃ“ جس میں عام وعظ و تقریر وغیرہ میں اس آلہ کے استعمال کی اجازت دی گئی اور خطبہ و اذان میں بدعت لکھا گیا اور نماز میں مفسد نماز۔

اسی زمانہ میں احقر نے حضرتؒ کے ایماء سے ایک مستقل رسالہ بنام آلہ مکبر الصوت کے شرعی احکام لکھا جس میں حضرت قدس سرہ کی ان تینوں تحریروں کو جمع کر دیا گیا تھا۔ میرا یہ رسالہ جب حضرت مولانا شبیر احمد صاحب عثمانی رحمۃ اللہ علیہ کے پاس ڈابھیل ضلع سورت پہونچا تو موصوف نے ایک مفصل خط میں فساد نماز کے حکم سے اختلاف کا اظہار کچھ دلائل کے ساتھ فرمایا۔ احقر نے اس کا ذکر حضرت قدس سرہ سے کیا تو فرمایا کہ خط و کتابت میں بہت طول ہو جاتا ہے جب مولانا یہاں تشریف لائیں گے اُس وقت زبانی گفتگو سے مسئلہ کو طے کر لیا جائے گا۔ اتفاق سے اس کے بعد کوئی ایسا موقع نہ ملا کہ حضرت کی خدمت میں مولانا موصوف کی معیت میں اس مسئلہ پر گفتگو ہوتی۔ یہاں تک کہ رجب ۱۳۶۲ھ میں حضرت قدس سرہ کی وفات کا سانحہ پیش آ گیا۔ پھر مولانا موصوف اور یہ احقر تحریک پاکستان کی مساعی میں مصروف ہو گئے اور بالآخر رمضان ۱۳۶۱ھ میں مولانا موصوف پاکستان میں منتقل ہو گئے۔ پھر آٹھ ماہ کے بعد جمادی الثانیہ ۱۳۶۸ھ میں احقر بھی ہجرت کر کے پاکستان آ گیا۔ اس وقت آلہ مکبر الصوت کا استعمال عام مساجد میں اور نمازوں میں عام ہو چکا تھا اس کے متعلق سوالات کی کثرت ہوئی احقر حضرت قدس سرہ کے فتویٰ کے مطابق اس کو مفسد نماز لکھتا رہا۔

حضرت مولانا شبیر احمد صاحب عثمانی رحمۃ اللہ علیہ اگرچہ احقر کے استاذ مرہبی تھے مگر غایت تواضع سے فتویٰ کا کام احقر کے سپرد فرماتے تھے اس مسئلہ میں اگرچہ اُن کو اختلاف تھا مگر اختلاف کا اظہار نہ فرماتے تھے کیونکہ احتیاط کا تقاضہ بہر حال اسی میں تھا کہ نماز میں اس کو استعمال نہ کیا جائے۔

یہاں تک کہ حرمین شریفین میں اس آلہ کا استعمال سب نمازوں میں ہونے لگا اور اطراف عالم سے سوالات کا تانتا بندھا اور اب سوال صرف یہ نہ رہا کہ لوگوں کو احتیاطاً اس سے منع کیا جائے؛ بلکہ لاکھوں مسلمانوں کی نماز کی صحت و فساد کا مسئلہ بن گیا خصوصاً وہ نماز جو بڑی مشکل سے کسی خوش نصیب کو حرمین میں نصیب ہوتی ہے۔

اس وقت مولانا موصوف نے مجھ سے فرمایا کہ اگرچہ میرے نزدیک فساد نماز کا حکم پہلے بھی صحیح نہیں تھا جس کی اطلاع میں اسی وقت دے چکا تھا۔ لیکن یہ سمجھ کر اختلاف کا اظہار نہ کرتا تھا کہ بہر حال نماز میں اس آلہ کا استعمال کسی درجہ میں بھی ضروری تو ہے نہیں اور احتیاط اجتناب ہی میں ہے تو سکوت بہتر سمجھا مگر اس ابتلاء عام کے بعد مسئلہ کا رخ بدل گیا اب یہ کروڑوں مسلمانوں کی نماز کی صحت و فساد کا مسئلہ بن گیا اس لئے اب میں احتیاط اس میں نہیں سمجھتا کہ مفسد نماز نہ سمجھتے ہوئے محض احتیاطی طور پر اسکو مفسد نماز کہنے سے اتفاق کروں۔

اس لئے اب ضروری ہو گیا کہ اس مسئلہ پر از سر نو نظر کی جائے۔ فساد نماز کا حکم دو چیزوں پر مبنی تھا۔ اول یہ کہ اس آلہ کی آواز بعینہ امام کی آواز نہیں بلکہ اس کی نقل و حکایت ہے دوسرے یہ کہ بحالت نماز کسی ایسے شخص کا اتباع جو شریک نماز نہ ہو مفسد نماز ہے۔ مولانا موصوف کو ان دونوں چیزوں میں اشتباہ اور اختلاف تھا۔ پہلا مسئلہ تو سائنس کا مسئلہ تھا جس کو اُس کے ماہرین ہی کی رائے سے حاصل کرنا تھا۔

دوسرا مسئلہ خالص فقہی تھا؛ چنانچہ یہ کیا گیا کہ پہلے مسئلہ کے متعلق پاکستان کے محکمہ ریڈیو اور صوتیات کے ماہرین کے پاس سوالات بھیجے گئے اور دوسرے مسئلہ میں کئی روز تک باہم بحث و تمحیص کا سلسلہ جاری رہا۔ اس بحث و تمحیص کے دوران میں مجھے یہ تو انداز ہو گیا کہ فقہی طور پر اس معاملہ میں فسادِ صلوة حکم اتنا واضح اور جلی نہیں ہے کہ اس میں دوسروں کی رایوں کو نظر انداز کیا جائے۔ مگر ابھی تک شرح صدر کسی جانب نہ ہوا اور بہت سے وقتی مسائل نے اس بحث کو پھر التواء میں ڈال دیا۔ میں نے اس دوران میں اپنے فتویٰ فساد نماز کا حکم لکھنے کے بجائے یہ لکھنا شروع کر دیا کہ نماز میں اس سے اجتناب کیا جائے۔ اور افسوس کہ اسی دوران میں اچانک یہ آخری یادگار سلف بھی صفر ۱۳۶۹ھ ہم سے رخصت ہو گئی۔

اس حادثہ نے رہی سہی ہمت بھی توڑ دی اور پھر یہ مسئلہ التواء ہی میں پڑا رہا، مگر فقہی اصول اور جزئیات



جو اس وقت زیر بحث آئی اور ان سے مسئلہ میں گنجائش کے پہلو نظر آئے اُن کے پیش نظر اس ابتلاء عام کے زمانہ میں فساد نماز کا حکم کر کے لاکھوں مسلمانوں کی نماز کو فاسد کہہ دینا کوئی احتیاط کا پہلو نہ رہا۔ مگر ہنوز جواز صلوٰۃ کا حکم بھی اپنی تنہا رائے سے لکھنے کی ہمت نہ ہوئی تھی۔ یہاں تک کہ جن محکموں میں اس آلہ کی آواز کے متعلق سوالات بھیجے تھے وہاں سے متفقہ طور پر یہ جواب ملا کہ اس آلہ کی آواز بعینہ متکلم (امام) کی آواز ہوتی ہے، اس تحقیق نے فساد نماز کے حکم کی بنیاد ہی منہدم کر دی تو اس وقت احقر نے شعبان ۱۳۷۲ھ میں بنام خدا تعالیٰ اس موضوع پر ایک جدید رسالہ مرتب کیا جس میں یہ لکھا گیا کہ نماز میں اس آلہ کے استعمال پر بہت مفاسد پیش آتے ہیں ان عوارض اور مفاسد کے پیش نظر نماز میں اس سے اجتناب ہی کیا جانا چاہیئے لیکن اگر کسی وجہ سے نماز میں استعمال کر لیا گیا تو نماز فاسد نہیں ہوگی۔

اس غور و فکر کے زمانہ میں یہ بھی سوچتا رہا کہ اگر آج حضرت حکیم الامت قدس سرہ دنیا میں تشریف فرما ہوتے اور اس ابتلاء عام کا مشاہدہ کرتے ہوئے یہ فقہی توسع بھی سامنے آتا جواب بحث و تحقیق کے بعد آیا ہے خصوصاً جبکہ ماہرین آواز نے بھی اس کو بعینہ آواز متکلم قرار دیا تو کیا وہ اپنے سابق فتویٰ پر جبرے رہتے یا اپنی اُس خدا داد حق پرستی اور عوام کے لئے سہولت کوشی کے پیش نظر جو عمر بھر آپ کے فتاویٰ میں ترجیح الراجح کے عنوان سے مشاہدہ ہوتی رہی ہے آپ اپنے فتویٰ کو بدلتے۔ مجھے اپنے ناقص غور و فکر اور حضرت قدس سرہ کے ذوق کا جس قدر حصہ حاصل تھا اُس نے یہی جواب دیا کہ ان حالات میں ضرور حضرت قدس سرہ فساد نماز کے فتویٰ سے رجوع فرما لیتے۔ مگر اس وقت بھی تنہا اپنی رائے پر بھروسہ نہیں کیا رسالہ کا مسودہ قبل از اشاعت دارالعلوم دیوبند۔ مظاہر علوم سہارنپور۔ خیر المدارس ملتان۔ جامعہ اشرفیہ لاہور۔ ٹنڈوالہیا سندھ وغیرہ کے مرکزی مدارس میں بھیج کر وہاں کے علماء سے رجوع کیا۔ مصر میں اُس وقت علامہ زاہد کوثری بحیات تھے جو اپنے وقت میں فقہ حنفی کے امام سمجھے جاتے تھے اُن کی خدمت میں سوالات بھیجے موصوف نے پورے جزم کیساتھ جواز صلوٰۃ کا فیصلہ کیا۔ دارالعلوم دیوبند کے سب اکابر نے جن میں سب سے پہلے فساد نماز کا فتویٰ لکھنے والے حضرت مولانا مدنی قدس سرہ بھی شامل تھے اپنے سابقہ فتویٰ سے رجوع کر کے احقر کی تحریر سے پورا پورا اتفاق فرمایا۔

مظاہر علوم سہارنپور کے علماء نے بعض اجزاء سے اختلاف کے باوجود فساد نماز کے حکم سے رجوع فرمایا

.....

.....

\*\*\*\*\*

اسی طرح دوسرے دینی مراکز سے بھی اسی طرح کے جوابات موصول ہوئے تب احقر نے اس رسالہ کو شائع کیا، رسالہ کی اشاعت کے بعد چند علماء کی طرف سے اس کے خلاف کچھ تحریریں موصول ہوئیں اُن کو دیکھ کر مسئلہ پر پھر از سر نو نظر کی اور مزید فقہی تحقیق کے ساتھ محرم ۱۳۸۲ھ میں یہ رسالہ پھر شائع ہوا۔ جس میں مسئلہ کی پوری تاریخ بھی ہے اور اپنے علم و بصیرت کی حد تک تحقیق بھی جن حضرات کو تحقیق مطلوب ہو اُس رسالہ کو دیکھ لیں۔۔۔ اس رسالہ کے آخر میں ایک بات لکھی ہے اُس کا یہاں بھی اعادہ کرتا ہوں کہ یہ جو کچھ لکھا گیا اپنی نا تمام معلومات اور ناقص رائے سے لکھا گیا ہے اگر دوسرے اکابر تصدیق نہ فرماتے تو اشاعت کی ہمت بھی نہ ہوتی مگر یہ بندہ عاجز بقدر طاقت اپنی کوشش خرچ کر کے تھک چکا جن حضرات کو اس سے اطمینان نہ ہو وہ دوسرے علماء سے رجوع فرمائیں واللہ المستعان وعلیہ التکلیل۔

بندہ محمد شفیع عفا اللہ عنہ

کراچی نمبر ۵/۱۵/۱۳۸۲ھ





## ۲۰ / باب الجنائز

### میت کے لئے ڈھیلہ اور سرمہ کا استعمال مشروع نہ ہوگا

**سوال (۶۷۱):** قدیم ۱/۱۳- مردہ کو غسل کے وقت کلوخ لینا شرعاً مسنون ہے یا نہیں؟  
(۲) مردہ کو سرمہ استعمال کرنا جائز ہے یا نہیں؟

**الجواب:** في الدر المختار: ويمسح بطنه رقيقاً وما خرج منه يغسله. اه (۱)  
اس سے معلوم ہوا کہ مردہ کے موضع استنجاء پر اگر نجاست حقیقی لگی ہو اس کا دھونا مشروع ہے اور کلوخ کا  
مسنون ہونا کسی دلیل سے ثابت نہیں۔ (۲)

فی رد المحتار: التزین بعد موتها وإلا متشاط وقطع الشعر لا يجوز نهـ. (۳)

(۱) الدر المختار علی الشامی، کتاب الصلاة، باب صلاة الجنائز، مکتبہ زکریا دیوبند  
۸۸/۳، کراچی ۱۹۷/۲۔

(۲) ثم أجلس مسنداً ومسح بطنه رقيقاً وما خرج منه غلسله تنظيفاً له. (البحر الرائق،  
کتاب الجنائز، مکتبہ زکریا دیوبند ۳۰۲/۲، کوئٹہ ۱۷۲/۲)

ثم إذا مسح بطنه فإن سال منه شيء يمسحه كيلا يتلوث الكفن ويغسل ذلك  
الموضع تطهيراً له عن النجاسة الحقيقية. (بدائع الصنائع، کتاب الصلاة، صلاة الجنائز،  
فصل في بيان كيفية الغسل، مکتبہ زکریا دیوبند ۲۷/۲)

أخرج عبد الرزاق عن ابن سيرين مثله، قال هشام، وقال الحسن: يغسل ثلاثاً،  
فإن خرج شيء غسل ما خرج ولم يزد على الثلاث. (مصنف عبد الرزاق، کتاب الجنائز،  
باب عصر الميت دار الكتب العلمية بيروت ۳/۲۵۲، رقم: ۶۱۲۲)

(۳) سرمہ وغیرہ لگانا زینت کے لئے ہوتا ہے اور میت زینت سے فارغ ہو چکا ہے؛ اس لئے مشروع نہیں۔

شامی، کتاب الصلاة، باب صلاة الجنائز، مکتبہ زکریا دیوبند ۸۹/۳، کراچی ۱۹۸/۲۔

اس سے معلوم ہوا کہ مردہ کو سرمہ لگانا بھی جو کہ زینت ہے ناجائز ہے۔ (۱) واللہ اعلم  
۱۲/ رمضان ۱۳۲۱ھ (امداد اول ص ۱۴۵)

## مرد کا عورت کو کفن پہنانے کا عدم جواز

**سوال (۶۷۲):** قدیم ۱۲/۱- عورت کو کفن مرد پہنائے گا یا عورت؟

**الجواب:** یہ مسئلہ بہت ظاہر ہے جب مرد کیلئے (\*) عورت کو دیکھنا اور مس کرنا جائز نہیں (۲) تو لامحالہ کفن عورت ہی پہناوے گی۔ واللہ تعالیٰ اعلم

۱۶/ جمادی الثانی ۱۳۲۲ھ (امداد اول ص ۱۴۵)

(\*) ”مرد“ سے مراد یہاں شوہر نہیں ہے؛ بلکہ اجنبی مرد مراد ہے۔ ۱۲/ سعید احمد چال پوری

(۱) ولا یقص ظفره أي المیت ولا شعره، ولا یسرح شعره أي شعر رأسه ولحیته؛  
لأنه للزینة وقد استغنی عنه وتحتہ فی الطحطاوی: قوله ولا یسرح شعره ظاهر القنیة،  
أنها تحریمة حیث قال: أما التزیین بعد موتها والامتناع وقطع الشعر فلا یجوز.  
(طحطاوی علی المراقی الفلاح، کتاب الصلاة، باب أحكام الجنائز ص: ۵۵۱)  
ولا یسرح شعره ولحیته ولا یقص ظفره وشعره؛ لأنها للزینة وقد استغنی عنها،  
والظاهر أن هذا الصنع لا یجوز. (البحر الرائق، کتاب الجنائز، مکتبة زکریا دیوبند  
۳۰/۴/۲، کوئٹہ ۱۷۳/۲)

ولا یؤخذ من شعر المیت ولا ظفره ..... لأن ذلك فی الحي یفعل للزینة والمیت  
قد فارق الزینة وأهلها. (حلبی کبیری، کتاب الصلاة، فصل فی الجنائز، مکتبة اشرفیة  
دیوبند ص: ۵۷۹) شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

(۲) کفن پہنانے کی ممانعت سے متعلق اگرچہ صریحاً جزیئہ دستیاب نہیں ہو سکا، مگر ذیل کے جزیئات سے  
ممانعت کا حکم واضح ہو جاتا ہے۔ ملاحظہ فرمائیے:

ویغسل الرجال الرجال، والنساء النساء، ولا یغسل أحدهما الآخر. (الفتاویٰ الہندیة،  
کتاب الصلاة، الباب الحادی والعشرون، فی الجنائز، الفصل الثانی فی الغسل، مکتبة زکریا دیوبند  
قدیم ۱/۱۶۰، جدید ۱/۲۲۰) ←

## قبر میں مردہ کو دائیں پہلو پر لٹانے کی مسنونیت

**سوال (۶۷۳):** قدیم ۱۲/۱- مردہ کو قبر میں لٹانا دہنی کروٹ پر مسنون ہے قبلہ رخ یا چٹ لٹا کر فقط چہرہ کعبہ کی طرف کر دینا۔ یہاں کے بعض علماء اول کو مسنون کہتے ہیں اس میں کیا تحقیق ہے؟ اور ہدایہ اولین میں ”یوجہ الیہا“ کے کیا معنی ہیں؟

← وفي البنایع: السنة أن يغسل الرجال الرجال، والنساء النساء، الولو الجية: ولا يغسل الرجال النساء، ولا النساء الرجال إلا متعددة الوفاة. (الفتاوى التاتارخانية، كتاب الصلاة، فصل في الجنائز، القسم الأول في نفس الغسل، مكتبة زكريا ديوبند ۱۳/۳، رقم: ۳۶۰۴) لا يحل للرجال غسل النساء، ولا للنساء غسل الرجال الأجانب بعد الوفاة. (المحيط البرهاني، كتاب الصلاة، فصل في الجنائز، إدارة القرآن ۴۵/۳، رقم: ۳۳۷۶)

وما حل نظره حل لمسہ إلا من أجنبية فلا يحل مس وجهها وكفها وإن أمن الشهوة؛ لأنه أغلظ. (الدر المختار على الشامی، كتاب الحظر والإباحة، مكتبة زكريا ديوبند ۵۲۸/۹، کراچی ۳۶۷/۶)

يجوز أن يمس ما حل له النظر إليه من محارمه ومن الرجل لا من الأجنبية. (البحر الرائق، كتاب الكراهية، فصل في النظر واللمس، كوئٹہ ۱۹۴/۸، مكتبة زكريا ديوبند ۳۵۶/۸) ولا يحل أن يمس وجهها ولا كفها، وإن كان يأمن الشهوة. (الفتاوى الهندية، كتاب الكراهية، الباب الثامن فيما يحل للرجل النظر إليه الخ، مكتبة زكريا ديوبند قديم ۳۲۹/۵، جديد ۳۸۱/۵)

الفتاوى التاتارخانية، كتاب الكراهية، الفصل التاسع فيما يحل للرجل النظر إليه وما لا يحل، مكتبة زكريا ديوبند ۹۵/۱۸، رقم: ۲۸۱۴۶-

لأن حل المس من غير شهوة ثابت للجنس حالة الحياة، فكذا بعد الموت. (بدائع الصنائع، كتاب الصلاة، فصل في بيان من يغسل، مكتبة زكريا ديوبند ۳۳/۲)

شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

**الجواب:** في الدر المختار: ويوجه إليها (إلى قوله) وينبغي كونه على شقه الأيمن. وفي رد المحتار: عن الحلية بخلاف ماذا كان بعد إقامة اللبن قبل اهالة التراب فإنه يزال ويوجه إلى القبلة عن يمينه. اه (۱)

یہ روایات صریح ہیں اس میں کہ مردہ قبر میں داسنے کروٹ پر قبلہ رخ لٹایا جائے (۲) پس ہدایہ میں ”یوجه إليها“ بھی اسی پر محمول ہوگا۔ (۳) واللہ تعالیٰ اعلم

۱۱/رمضان ۱۳۲۲ھ (امداد اول ص ۱۳۵)

(۱) الدر المختار مع الشامی، کتاب الصلاة، باب صلاة الجنائز، مكتبة زكريا ديوبند ۱۴۱/۳، کراچی ۲/۲۳۵ - ۲۳۶۔

(۲) ويوضع في القبر على جنبه الأيمن مستقبل القبلة، كذا في الخلاصة. (هندية، كتاب الصلاة، الباب الحادي والعشرون في الجنائز، مكتبة زكريا جديد ۱/۲۲۷، قديم ۱/۱۶۶) ويوضع في القبر على شقه الأيمن متوجهاً إلى القبلة. (الفتاوى التاتارخانية، كتاب الصلاة، الفصل الجنائز، مكتبة زكريا ديوبند ۳/۶۶، رقم: ۳۷۲۹)

ويوجه في قبره إلى القبلة بذلك أمر عليه الصلاة والسلام علياً، وينبغي أن يكون على شقه الأيمن غير منكب على وجهه ولا مستلقي على ظهره. (نهر الفائق، كتاب الصلاة، فصل في الصلاة على الميت، مكتبة زكريا ديوبند ۱/۴۰۲)

ويوجه إلى القبلة وجوباً كما في الدر، أو استئناً كما في ابن أمير حاج عن الإمام ..... وبذلك أمر النبي صلى الله عليه وسلم علياً لما مات رجل من بني عبد المطلب فقال: يا علي استقبل به القبلة استقبلاً وقلوا جميعاً باسم الله وعلى ملة رسول الله وضعوه لجنبه ولا تكبوه على وجهه ولا تلقوه على ظهره. (طحطاوي على المراقي الفلاح، كتاب الصلاة، باب أحكام الجنائز، فصل في حملها ودفنها، مكتبة دار الكتاب ديوبند ص: ۶۰۹)

(۳) م: (ويوجه إلى القبلة) ش: أي يوجه الميت واضعه إلى جهة القبلة. (بنایة، کتاب الصلاة، باب الجنائز، فصل في الدفين، اشرفية ديوبند ۳/۲۵۴)

شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

**سوال (۶۷۴):** قدیم ۱۳/۱- مردہ کو قبر میں چت لٹا کر منہ کعبہ کی طرف کر دیا جاوے داتنی کروٹ کر دیا جائے چونکہ میری طرف یہ رواج ہے کہ مردہ کو قبر میں چت لٹا کر صرف منہ کعبہ کی طرف کر دیا جاتا ہے تو اب یہ دونوں میں کون بہتر و جائز ہے؟

**الجواب:** مردہ کو داتنی کروٹ پر رو قبلہ رکھنا چاہئے۔

في الدر المختار: ويوجه إليها وجوباً وينبغي كونه على شقه الأيمن. وفي رد المحتار: لكن صرح في التحفة بأنه سنة. ٥١ (١)

۱۲/ربیع الاول ۱۳۲۹ھ (تتمہ اول ص ۴۸)

(۱) الدر المختار مع الشامي، كتاب الصلاة، باب صلاة الجنابة، مكتبة زكريا ديوبند ۱۴۱/۳، کراچی ۲۳۵/۲ - ۲۳۶ -

ويوضع في القبر على جنبه الأيمن مستقبل القبلة، كذا في الخلاصة. (هندية، كتاب الصلاة، الباب الحادي والعشرون في الجنائز، مكتبة زكريا جديد ۳۲۷/۱، قديم ۱۶۶/۱)

ويوضع في القبر على شقه الأيمن متوجهاً إلى القبلة. (الفتاوى التاتارخانية، كتاب الصلاة، الفصل الجنائز، مكتبة زكريا ديوبند ۶۶/۳، رقم: ۳۷۲۹)

ويوجه في قبره إلى القبلة بذلك أمر عليه الصلاة والسلام علياً، وينبغي أن يكون على شقه الأيمن غير منكب على وجهه ولا مستلقي على ظهره. (نهر الفائق، كتاب الصلاة، فصل في الصلاة على الميت، مكتبة زكريا ديوبند ۴۰۲/۱)

ويوجه إلى القبلة وجوباً كما في الدر، أو استئناً كما في ابن أمير حاج عن الإمام ووجه إليها على يمينه وبذلك أمر النبي صلى الله عليه وسلم علياً لما مات رجل من بني عبد المطلب فقال: يا علي استقبل به القبلة استقبلاً وقلوا جميعاً باسم الله وعلى ملة رسول الله وضعوه لجنبه ولا تكبوه على وجهه ولا تلقوه على ظهره. (طحطاوي على المراقي الفلاح، كتاب الصلاة، باب أحكام الجنائز، فصل في حملها ودفنها، مكتبة دار الكتاب ديوبند ص: ۶۰۹)

م: (ويوجه إلى القبلة) ش: أي يوجه الميت واضعه إلى جهة القبلة. (بناية، كتاب الصلاة، باب الجنائز، فصل في الدفن، اشرفية ديوبند ۲۵۴/۳)

## رافضی شیعہ کی نماز جنازہ کا حکم

**سوال (۶۷۵):** قدیم ۱/۱۳- یہاں پر ایک جماعت اہل تسنن نے مع اپنے امام کے ایک رافضی کے میت کی نماز پڑھی۔ آیا اس امام پر اور ان پڑھنے والوں پر کیا حکم لگایا جائے گا؟ بعض ان کو فاسق کہتے ہیں، اور مفتی عزیز الرحمن صاحب دیوبندی نے تحریر فرمایا ہے کہ کچھ حرج نہیں۔

**الجواب:** رافضی دو قسم کے ہیں: ایک وہ جس کے عقائد حد کفر تک پہنچ گئے ہوں ایسے شخص کے جنازہ کی نماز اصلاً درست نہیں کیونکہ شرائط صلوٰۃ جنازہ سے اسلام میت کا ہے (۱)

(۱) قال الله تعالى: وَلَا تُصَلِّ عَلَى أَحَدٍ مِنْهُمْ مَاتَ أَبَدًا وَلَا تَقُمْ عَلَى قَبْرِهِ. [سورة التوبة: ۸۴]  
والمراد من الصلاة المنهي عنها صلاة الميت المعروفة، وهي متضمنة للدعاء والاستغفار والاستشفاع له. (روح المعاني، سورة التوبة، مكتبة زكريا ديوبند ۶/۲۲۴)  
عن ابن عباس رضي الله عنهما عن عمر بن الخطاب رضي الله عنه أنه قال: لما مات عبد الله بن أبي بن سلول دعى له رسول الله صلى الله عليه وسلم ليصلي عليه، فلما قام رسول الله صلى الله عليه وسلم وثبت إليه، فقلت يا رسول الله!..... قال: فصلي عليه رسول الله صلى الله عليه وسلم، ثم انصرف فلم يمكث إلا يسيراً حتى نزلت الآيتان من براءة. (ولا تصل على أحد منهم مات أبداً-إلى-وهم فاسقون) الحديث (بخاري شريف، كتاب الجنائز، باب ما يكره من الصلاة على المنافقين، النسخة الهندية ۱/۱۸۲، رقم: ۱۳۵۰، ف: ۱۳۶۰)  
وشرطها ستة: إسلام الميت وطهارته. (الدر المختار مع الشامى، كتاب الصلاة، باب صلاة الجنائز، مكتبة زكريا ديوبند ۳/۱۰۳، كراچی ۲/۲۰۷)

وشرائطها ستة: أولها إسلام الميت لأنها شفاعة وليست لكافر. (مراقي الفلاح على الطحطاوي، كتاب الصلاة، باب أحكام الجنائز، فصل الصلاة عليه، مكتبة دار الكتاب ديوبند ص: ۵۸۱)  
والصلاة عليه فرض كفاية بالإجماع. (در مختار على الشامى، كتاب الصلاة، باب صلاة الجنائز، مكتبة زكريا ديوبند ۳/۱۰۲، كراچی ۲/۲۰۷)



اور دوسرا وہ جس کے عقائد صرف حد بدعت تک ہوں اس کا حکم یہ ہے کہ اگر اس کے جنازے کی نماز کسی نے نہ پڑھی ہو تب تو پڑھ لینا چاہئے کیونکہ جنازہ مسلم کی نماز فرض علی الکفایہ ہے (۱) اور اگر کسی نے پڑھ لی ہو مثلاً اس کے ہم مذہب لوگ موجود ہیں اور وہ پڑھ لیں گے تو اس صورت میں اہل سنت ہرگز نہ پڑھیں۔

کما روی أحمد وأبو داود (۲) عن ابن عمر رضي الله عنه، قال رسول الله ﷺ: القدريّة مجوس هذه الأمة ان مرضوا فلا تعودوهم وإن ماتوا فلا تشهدوهم كذا في المشكوة. فقط واللہ تعالیٰ اعلم وعلمہ اتم

۲۱/۲ یقعدہ ۱۳۲۳ھ (امداد اول ص ۱۳۵)

## بلا غسل وکفن دفن کردہ میت کا حکم

**سوال (۶۷۶):** قدیم ۱۳/۷۱ - مردہ کو غسل وکفن دیکر دفنانا لازم و فرض مگر کوئی وجہ یا موقع ایسا ہو کہ بے غسل وکفن ویسے ہی دبا دیا یا دفن کر دیا بعد اس کے علم ہونے کے اس کی نماز و غسل وکفن کا کیا تدارک ہوگا آیا اس کو نکال کر غسل وکفن دیکر نماز پڑھی جائے اور دفن کریں۔ یا نہ نکالا جاوے اور نماز پڑھیں؟

(۱) عن أبي هريرة رضي الله عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: والصلاة واجبة على كل مسلم براً كان أو فاجراً، وإن عمل الكبائر. (أبو داود شريف، كتاب الجهاد، باب في الغزو مع أئمة الجور، النسخة الهندية ۳/۱، مكتبة دار السلام رقم: ۲۵۳۳) م (فريضة) ش:

م: (صلوا عليه لأنها) ش: أي لأن الصلاة على الميت أراد به فرض الكفاية وهذا مجمع عليه. (البنية شرح الهداية، كتاب الصلاة، باب الجنائز، فصل في التكفين، مكتبة اشرفية ۳/۲۰۵) (۲) أبو داود شريف، كتاب السنة، باب في القدر، النسخة الهندية ۲/۶۴۴، مكتبة دار السلام رياض رقم: ۴۶۹۱ -

مشكوة شريف، كتاب الإيمان، باب الإيمان بالقدر ۱/۲۲، رقم: ۹۹ -

شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

**الجواب:** في رد المحتار: أما لو دفن بلا غسل ولم يهل عليه التراب فإنه يخرج

ويغسل ويصلى عليه جوهرة. (۱)

اس روایت سے معلوم ہوا کہ بے غسل و کفن اگر دفن ہو گیا تو نکالنا نہ جائے ویسے ہی قبر پر نماز پڑھ لے۔ (۲) فقط واللہ اعلم

۹ صفر ۱۴۲۲ھ (امداد ص ۱۴۶ ج ۱)

(۱) شامی، کتاب الصلاة، باب صلاة الجنائز، مكتبة زكريا ديوبند ۳/۱۰۳، کراچی ۲/۲۰۷۔

(۲) ولا يخرج منه بعد إهالة التراب إلا لحق آدمي. وفي الشامية: احتراز عن حق الله تعالى كما إذا دفن بلا غسل أو صلاة أو وضع على غير يمينه أو إلى غير القبلة، فإنه لا ينبش عليه بعد إهالة التراب. (در مختار مع الشامی، کتاب الصلاة، باب صلاة الجنائز، مكتبة زكريا ديوبند ۲/۱۴۵، کراچی ۲/۲۰۷)

وإن كانوا دفنوه ثم تذكروا أنهم لم يغسلوه، فإن لم يهيلوا التراب عليه يخرج ويغسل ويصلى عليه، وإن أهالوا التراب عليه لم يخرج. (المحيط البرهاني، كتاب الصلاة، الفصل الثاني الثلاثون الجنائز، مكتبة إدارة القرآن المجلس العلمي ۳/۹۸)

فتاویٰ تاتارخانیہ، کتاب الصلاة، الفصل الجنائز، مكتبة زكريا ديوبند ۳/۸۰، رقم: ۳۷۶۱۔  
فلو دفن بلا غسل ولم يمكن إخراجة إلا بالنبش سقط الغسل، وصلى على قبره بلا غسل للضرورة بخلاف ما إذا لم يهل عليه التراب بعد، فإنه يخرج ويغسل. (طحطاوي على المراقي، كتاب الصلاة، باب أحكام الجنائز، فصل الصلاة عليه، مكتبة دار الكتاب ديوبند ص: ۵۸۱)  
البحر الرائق، كتاب الجنائز، فصل السلطان أحق بصلاته، مكتبة زكريا ديوبند ۳/۳۱۴، مكتبة رشيدية كوئٹہ ۲/۱۷۹۔

وشرطها إسلام الميت وطهارته مادام الغسل ممكناً، وإن لم يمكن بأن دفن قبل الغسل ولم يمكن إخراجة إلا بالنبش، تجوز الصلاة على قبره للضرورة. (هندية، كتاب الصلاة، الباب الحادي والعشرون في الجنائز، الفصل الخامس، مكتبة زكريا ديوبند جديد ۱/۲۲۴، قديم ۱/۱۶۲-۱۶۳) شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

## عورت کو رنگین کپڑے میں کفن دینے کا حکم

**سوال (۶۷۷):** قدیم ۱/۱۴ - بعض حدیث اور فقہی روایتوں سے میت عورت کو رنگین کپڑے کا کفن دینے کا جواز معلوم ہوتا ہے لیکن اولیٰ اور بہتر ان ہی روایات سے سفید ہے اصح کون سمجھا جاوے گا؟ اور اگر رنگین ہی دیوے تو سارا کفن رنگین ہو یا کفن میں سے چند کپڑے رنگین اور چند سفید ہوں اس کی بابت تشفی کافی ہو؟

**الجواب:** في الدر المختار: ولا بأس في الكفن ببرود وكتان وفي النساء بحريز ومز عفر و معصفر لجوازه بكل ما يجوز لبسه حال الحيوة واحبه البياض أو ما كان يصلى فيه. (۱)

(۱) الدر المختار على الشامي، كتاب الصلاة، باب صلاة الجنائز، مكتبة زكريا ديوبند ۱۰۰/۳، کراچی ۲/۲۰۵۔

ولا بأس بالبرود والكتان والقصب وفي حق النساء، بالحرير والأبريسم والمعصفر والمز عفر. (هندية، كتاب الصلاة، الباب الحادي والعشرون في الجنائز، الفصل الثالث في التكفين، مكتبة زكريا جديد ۱/۲۲۲، قديم ۱/۱۶۱)

روي عن محمد أن المرأة تكفن في الأبريسم، والحرير، والمعصفر. وفي الواجبة: والمز عفر، وفي السغناقي: ولا بأس بالبرود والكتان والقصب، م: ويكره للرجال ذلك، وأحب الأكفان الثياب البيض وفي المنتقي: إبراهيم عن محمد يكفن الميت بما يجوز له لبسه في حال حياته. (فتاوى تاتارخانية، كتاب الصلاة، الفصل الجنائز، مكتبة زكريا ديوبند ۳/۳۰، رقم: ۳۶۵۶)

عن ابن عباس قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: ألبسوا من ثيابكم البياض، فإنها من خير ثيابكم وكفنوا فيها موتاكم. (ترمذي شريف، أبواب الجنائز، باب ما جاء ما يستحب من الأكفان، النسخة الهندية ۱/۹۳، مكتبة دارالسلام، رقم: ۹۹۴) ←

اس سے معلوم ہوا کہ زیادہ بہتر تو عورتوں کے لئے بھی سفید ہے لیکن رنگین بھی جائز ہے۔ خواہ گل کفن رنگین ہو یا بعض اور اصح کو تو جب پوچھا جاوے کہ روایات میں تعارض ہو اور جائز اور اولیٰ میں کوئی تعارض نہیں۔ فقط

۲۰ ربیع الاول ۱۳۲۵ھ۔ (حوالہ بالا)

## نماز جنازہ میں دیگر جنازہ کے انتظار میں تاخیر کرنا کیسا؟

**سوال (۶۷۸):** قدیم ۱/۱۴۷۔ ایک ہی وقت دو میتوں کی تیاری ہوئی اور قبر بھی دونوں کی تیار ہے پر صفائی کے قریب ہے۔ لیکن ایک میت آگئی اور دوسری میت کی پختہ تیاری کی خبر پر انتظار کیا۔ اور پھر دونوں کو ایک ہی دفعہ جنازہ پڑھ کر دفن کیا تو کیسا ہوا۔ حالانکہ کئی جنازوں کا ایک دفعہ بوقت حاضری پڑھنا درست ہے۔ لیکن اس قدر توقف کی بابت تشریح ہو جاوے آیا یہ انتظار جائز ہے یا نہیں؟

**الجواب:** في الدر المختار: وكره تأخير صلوته ودفنه ليصلي عليه جمع عظيم. (۱)

← ولم يبين لون الأكفان لجواز كل لون لكن أحبها البياض، ولم يبين جنسها لجواز الكل لا ما لا يجوز لبسه حال الحياة كالحرير للرجال. (البحر الرائق، كتاب الجنائز، مكتبة زكريا ديوبند ۲/۳۰۸، مكتبة رشيدية كوئٹہ ۲/۱۷۶)

ويجوز تكفين الرجل في كل ما يجوز لبسه لو كان حياً. وكذا المرأة وأحب البياض. (النهر الفائق، كتاب الصلاة، باب صلاة الجنائز، مكتبة زكريا ديوبند ۱/۳۸۶)

والمستحب فيه البياض ..... ويجوز من القطن والكتان والبرود، وإن كان لها أعلام ما لم تكن تماثيل ويكره للرجال المزعفر، والمعصر، والحرير ولا يكره للنساء اعتباراً بحال الحياة. (حلبی کبیری، کتاب الصلاة، فصل في الجنائز، مكتبة اشرفية ص: ۵۸۱ - ۵۸۲)

شیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

(۱) الدر المختار مع الشامی، کتاب الصلاة، باب صلاة الجنائز، مكتبة زكريا ديوبند

۱۳۶/۳، کراچی ۲/۲۳۲۔ ←

اس سے معلوم ہوا کہ محض دوسری میت کے انتظار میں ایک جنازہ کی نماز میں تاخیر کرنا بدرجہ اولیٰ مکروہ ہے۔ (\*) فقط

۲۰ ربیع الاول ۱۳۲۵ھ (امداد اول ص ۱۳۷)

(\*) یعنی درمختار کی مذکور روایت میں جس تاخیر کو مکروہ کہا گیا ہے، اس میں میت کا فائدہ تھا؛ کیونکہ جمع عظیم کا نماز جنازہ پڑھنا میت کے لئے فائدہ بخش ہے، تاہم تاخیر کو مکروہ کہا گیا اور صورت مسئلہ میں دوسری میت کے انتظار میں پہلی میت کا کوئی فائدہ نہیں ہے، یہاں تاخیر بدرجہ اولیٰ مکروہ ہوگی۔ ۱۲ سعید احمد پالن پوری

← عن علي بن أبي طالب أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال له: يا علي ثلاث لا تؤخرها: الصلاة إذا آنت، والجنازة إذا حضرت، والأيم إذا وجدت لها كفواً. (ترمذي شريف، باب ما جاء في تعجيل الجنازة، النسخة الهندية ۱/ ۲۰۶، مكتبة دار السلام رقم: ۱۰۷۵) قال الأحنف ابن قيس: ثلاث ليس فيهن انتظار الجنازة إذا وجدت من يحملها، والأيم إذا أصيبت لها كفواً والضيف إذا نزل له لم ينتظر به الكلفة. (شعب الإيمان للبيهقي، باب في إكرام الضيف، مكتبة دار الكتب العلمية بيروت ۷/ ۹۵، رقم: ۹۶۰۴)

عن عبد الله بن عمر قال: سمعت النبي صلى الله عليه وسلم يقول: إذا مات أحدكم فلا تحبسوه وأسرعوا به إلي قبره. (شعب الإيمان للبيهقي، باب في الصلاة على من مات من أهل القبلة، فصل في زيارة القبور، مكتبة دار الكتب العلمية بيروت ۷/ ۱۶، رقم: ۹۲۹۴) مكشوة المصاييح، باب دفن الميت ۱/ ۱۴۹، رقم: ۱۶۲۰۔

قال ملا علي القاري تحته: أي لا تؤخروا دفنه من غير عذر، قال ابن الهمام: يسحب الإسراع بتجهيزه كله من حين يموت. (مرقاة المفاتيح، باب دفن الميت، مكتبة امدادية ملتان ۴/ ۸۱) وفي القنية: ولو جهز الميت صبيحة يوم الجمعة يكره تأخير الصلاة ودفنه ليصلي عليه الجمع العظيم. (البحر الرائق، كتاب الجنائز، فصل السلطان أحق بصلاته، مكتبة زكريا ديوبند ۲/ ۳۳۵، كوثنتہ ۲/ ۱۹۱)

ولومات يوم الجمعة يكره تأخيرها ليصلي عليه بجمع عظيم بعدها. (النهر الفائق، كتاب الصلاة، فصل في الصلاة على الميت، مكتبة زكريا ديوبند ۱/ ۴۰۰)

شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

## احرام کے کپڑے اور آب زمزم میں مبلول کپڑے میں کفن دینا

**سوال (\*) (۶۷۹):** قدیم ۱/۱۴- حاجیے جا مہائے احرام خود رابدیں نیت نگاہد اشت کہ بعد مردنش ازاں کفن اوسا زند بعضے مردم تھانہاے پارچہ در آب زمزم ترکردہ بہمیں غرض نگاہ مے دارند آیا از روئے سنت سنہ یا آثار سلف صالحین برائے ایں امور سندے بہم میرسد یا نہ در صورت ثانیہ بدعت حسنہ یا سیئہ خواہد بود یا چہ؟

**الجواب (\*\*):** جزئیہ مصرحاً از نظر نگذشتہ لیکن حکم فقہاء بکراہت استنجاء از ماء زمزم دلیلی صریح است بروجوب احترام و در دیگر جا تصریح کردہ اند بوجوب صیانت اشیاء محترمہ از تعریض برائے صدید میت و نجاست او چنانچہ امر اول در کتاب الطہارت و کتاب الحج از در مختار و امر ثانی در کتاب الجنائز از رد المحتار مصرحاً مذکورست و از مجموعہ مستفاد می شود کراہت ایں فعل البتہ اگر چیزے باشد کہ صیانتش واجب نباشد و بوجہ من الوجوہ ازاں رجائے برکت باشد لا باس بہ است۔ فقط۔ واللہ اعلم۔

۲۴ جمادی الاولیٰ ۱۳۲۵ھ۔ (امداد اول ص ۱۴۷)

**(\*) ترجمہ سوال:** ایک حاجی اپنے احرام کے کپڑے اس نیت سے محفوظ رکھتا ہے کہ مرنے کے بعد اسے اسی میں کفن دیا جائے، بعض لوگ کپڑے کا تھان زم زم میں بھگو کر اپنی مرضی سے محفوظ رکھتے ہیں، کیا سنت یا آثار سلف میں ان باتوں کی کوئی سند و دلیل ملتی ہے یا نہیں؟ بصورت ثانی یہ بدعت حسنہ ہوگا یا سیئہ؟ ۱۲ سعید احمد پالن پوری

**(\*\*) ترجمہ جواب:** صریح جزئیہ نظر سے نہیں گذرا ہے؛ لیکن فقہاء آب زمزم سے استنجاء کرنے کو مکروہ کہتے ہیں جو صریح دلیل ہے کہ اسی پانی کا احترام واجب ہے، دوسری جگہ فقہاء نے یہ مسئلہ بھی صراحۃً لکھا ہے اشیاء محترمہ کی حفاظت میت کی پیپ اور نجاست سے واجب ہے، امر اول کی تصریح در مختار کتاب الطہارۃ اور کتاب الحج میں ہے اور امر دوم شامی، کتاب الجنائز میں ہے، ان تمام جزئیات کے مجموعے سے اس فعل کی کراہت مستفاد ہوتی ہے؛ البتہ اگر کوئی ایسی چیز ہو، کی صیانت واجب نہ ہو اور اس میں کس طرح کی برکت کی امید بھی ہو تو اس کی گنجائش ہے۔

\*\*\*\*\*  
**خلاصہ سوال:** از کفن مبلول بماء زمزم۔ (۱)

**خلاصہ جواب:** عدم جواز۔ (\*)

**تسامح:** از قدیم در تمام حجاج عرب و عجم میں عمل جاری ست بلائیکہ کافہ انام اس کار می کنند حتی الامکان فعل اوشان بر محل صحیح آوردن بہتر ست بنجیال حقیر از دلائل قیاسیہ مجیب علیہ الرحمۃ و قدس سرہ اس جزئی تفسیر روح البیان اولی است۔ (۲)

**سوال:** آب زمزم میں بھیگائے ہوئے کپڑے سے کفن دینا۔

**خلاصہ جواب:** ناجائز۔

**تسامح:** زمانہ قدیم سے عرب و عجم کے تمام حجاج میں بلائیکہ عمل جاری ہے؛ لہذا حتی الامکان ان کے فعل کو صحیح محمل پر محمول کرنا بہتر ہے، احقر کے خیال میں مجیب کے دلائل قیاسیہ سے روح البیان کا مندرجہ ذیل جزئیہ اولی ہے۔

ولذا قال في الأسرار المحمدية..... الخ

اور ماء زمزم سے غسل کرنے کا جواز تمام کتب فقہ میں مصرح ہے اور غسل کے بعد جیسے بدن سے پانی خشک ہو جاتا ہے ایسے ہی ترک کردہ کفن کا پانی بھی خشک ہو جاتا ہے، عین باقی نہیں رہتی، رہا تبرک تو وہ ایک امر معنوی ہے۔  
 فافہم فائدہ دقیق۔ ۱۲ سعید احمد پالن پوری

در تفسیر سورہ توبہ ۱۲ سعید احمد پالن پوری

(\*) اس جواب پر بھی بعض علماء نے کلام کیا ہے، جو ملکحات تتمہ اولی امداد الفتاویٰ میں درج ہے (اور یہاں متصلاً بعد میں درج ہے۔ ۱۲ سعید احمد پالن پوری) اور کلام صحیح ہے یعنی کفن کو آب زمزم میں تر کرنے میں کوئی خرابی نہیں۔ مزید تفصیل اصلاحات ملکحات میں دیکھو۔ ۱۲ (تصحیح الاغلاط ص: ۲۱)

(۱) فلا ينبغي أن يغتسل به (بماء زمزم) جنب ولا محدث ولا في مكان نجس ولا

يستجي به، ولا يزال به نجاسة حقيقية. (حاشية الطحطاوي، كتاب الطهارة، مكتبة

دارالكتاب ص: ۲۲)

ويكره الإستنجاء بماء زم زم، وكذا إزالة النجاسة الحقيقية من ثوبه أو بدنه.

(الدر المختار مع الشامي، كتاب الحج، باب الهدى، مطلب في كراهة الاستنجاء بماء زم

زم، مكتبة ديوبند ۵۲/۴، کراچی ۶۲۵/۲)

(۲) وقد أفتى ابن الصلاح بأنه لا يجوز أن يكتب على الكفن يس والكهف وغيرهما ←  
ولذا قال في الاسرار المحمدية: لو وضع شعر رسول الله ﷺ أو عصاه  
أو سوطه على قبر عاص لنجا ذلك العاصي ببركات تلك الذخيرة من العذاب ومن  
هذا القبيل ماء زمزم والكفن المبلول به وبطانة استار الكعبة والتكفن بها. انتهى ۱۲  
تفسير روح البیان ص ۵۵۹ مطبوع مصر وجواز غسل انسان به ماء زمزم در تمام کتب فقہ مصرح  
است ..... وآب زمزم از کفن مبلول مانند از بدن انسان خشک خواهد شد ذات او غیر موجود است و تبرک امر  
معنوی است فافهم فانه دقیق۔ (تمتہ اول ص ۲۳۲)

## شوہر کا اپنی بیوی کو غسل دینا

**سوال (۶۸۰):** قدیم ۱/۱۶- ابن ماجہ، ودارقطنی، ودارمی، و مسند احمد وغیرہ میں یہ  
حدیث موجود ہے۔

عن عائشة قالت: رجع النبي ﷺ ذات يوم من جنازة من البقيع فوجدني وأنا أجد  
صداعاً دانا أقول وارا ساء قال: بل أنا يا عائشة! وارا ساء قال: وما ضرک ان مت قبلی  
فغسلتک وکفنتک وصلیت علیک. الحديث

اس سے صراحۃً ثابت ہے کہ زوج زوجہ کو بعد ممات غسل دے سکتا ہے و نیز ثابت ہے کہ  
حضرت علیؑ نے حضرت فاطمہؑ کو بعد وفات غسل دیا تھا مگر حنفیہ بغیر کسی حدیث کے عدم جواز کے قائل ہیں  
محض رائے سے کہتے ہیں کہ بعد وفات زوجہ کے نکاح فسخ ہو جاتا ہے پس حنفیہ کا کلام باطل ہے بچند وجوہ  
.....

← خوفًا من صديد الميت. (شامي، کتاب الصلاة، باب صلاة الجنائز، مكتبة زكريا ديوبند  
۱۵۷/۳، کراچی ۲/۲۶۶)

تصحیح الاغلاط کے حوالہ آب زم زم میں مبلول کپڑے میں کفن کا جواز حاشیہ میں لکھا ہے کہ کوئی  
خرابی نہیں اور تسامح کے ذیل میں تفسیر روح البیان کے حوالہ سے تبرکاً بہتر لکھا ہے، حاصل یہ ہے کہ جائز  
اور درست ہے کوئی مضائقہ نہیں۔

شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ



**اول:** زوجیت زوجین تقابلِ تضایف ہے زوجیت حقیقیہ اگر بعد وفات زائل ہوگئی تو طرفین سے اور زوجیت حکمیہ اگر باقی رہے گی تو طرفین سے زوج کی جانب سے ثبوت اور زوج کی جانب سے انقضاء ممکن نہیں۔

**دوم:** چونکہ حق ارث طرفین سے جاری اس وجہ سے زوجیہ حکمیہ طرفین سے باقی ہے۔

**سوم:** جس طرح بعد ممات زوج کا اطلاق قرآن میں آیا ہے زوج کا اطلاق بھی موجود ہے پس زوجہ یا زوج کو نسلِ اجنبیہ یا اجنبی کہنا صحیح نہیں۔

**چهارم:** امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک حدیثِ ضعیفہ رائے سے بڑھ کر ہے کیا وجہ محض رائے سے حدیث ترک کی جاتی ہے باقی جو حنفیہ حدیث وقصہ فاطمہؓ کا یہ جواب دیتے ہیں کہ مراد تہیہٴ غسل یا امر بالغسل ہے و نیز قرابت رسول بعد وفات باقی ہے۔

كما جاء في الحديث كل نسب وسبب منقطع يوم القيامة الاسبى ونسبى  
أخرجه الطبرانی والبيهقي والحاكم.

**اولاً:** بغیر قرینہ صارفہ معنی حقیقی ترک کرنا درست نہیں۔

**ثانیاً:** قرابت عامہ مومنین بعد وفات باقی رہتی ہے۔

قال الله تعالى: هم وازواجهم في ظلال على الارائك متكئون وقال تعالى لهم فيها ازواج مطهرة.

**ثالثاً:** اگر قرابت رسول باقی رہتی ہے تو چاہئے سید اپنی زوجہ سیدہ کو بعد ممات غسل دے سکے کیا حنفیہ اس کے قائل ہیں؟

**رابعاً:** جواز عقد ازواج کے سبب رسول پاک ہیں پس سببی میں عامہ مومنین داخل ہو گئے ان اعتراضات کا جواب مدلل تحریر فرمائیے کہ وقت ارث کب ہے۔

قال في الأشباه: اختلفوا في وقت الإرث، فقال مشايخ العراق: في آخر جزء من أجزاء حياة المورث، وقال مشايخ بلخ: عند الموت وفائدة الاختلاف في ما لو قال الوارث: لجارية مورثة إذا مات مولاك فأنت حرة فعلى الأول تعتق لاعلى الثاني.

.....

اور سبب ارث زوجیت ہے یا موت زوجین اگر یوں کہا جاوے زوجیت حقیقیہ و حکمیہ میں قبلیت و بعدیہ ذاتیہ ہے تعلق ارث کا بعد زوال زوجیت حقیقیہ کے قبل عروض زوجیت حکمیہ کے ہو جاتا ہے تو صحیح ہے یا نہیں؟

اور زوج کی جانب سے اگر زوجیت حقیقیہ بعد وفات تا زمان عدت باقی ہو اور رجوع کی جانب سے زائل؛ بلکہ زوجیت حکمیہ عارض تو اس میں کیا حرج ہے؟ تغایف کیلئے مطلق زوجیت کا تعقل کافی ہے قرآن شریف میں ازواج و زوج کا اطلاق بیوہ پر بہت ہے۔ مگر شوہر پر بعد وفات زوجہ کے کہیں زوج کا اطلاق نہیں معلوم ہوتا اس سے پتہ چلتا ہے کہ زوج کی جانب سے تابقائے عدت زوجیت حقیقیہ باقی رہتی ہے؟

**الجواب:** تحقیق المقام أنه لا خلاف في جواز غسل المرأة زوجها كما نقله غير واحد من العلماء وإنما الخلاف في جواز غسل الزوج امرأته، فقال أبو حنيفة: وموافقوه لا، وقال: آخرون نعم! واحتج المجوزون بوجوه. الأول بقوله ﷺ لعائشة رضي الله عنها ما ضرک ان مت قبلي فغسلتک الخ وجوابه أن البخاری روی هذه القصة: ولم يذكر هذه الزيادة بل تفرد بها ابن إسحق وعنعن في الرواية وهو غير صحيح فيما تفرد به لا سيما إذا عنعن فسقط الاحتجاج؛ بهذا الحديث ولو سلم.

**الجواب:** اس مقام کی تحقیق یہ ہے کہ عورت کے اپنے شوہر کو غسل دینے کے جواز کے سلسلہ میں کوئی اختلاف نہیں ہے جیسا کہ کئی ایک علماء نے اسے نقل کیا ہے، اختلاف تو شوہر کے اپنی بیوی کو غسل دینے کے جواز کے سلسلہ میں ہے؛ چنانچہ امام ابو حنیفہؒ اور ان کے موافقین فرماتے ہیں کہ جائز نہیں ہے؛ جبکہ دوسرے حضرات فرماتے ہیں کہ جائز ہے۔ قائلین جواز کا استدلال چند طریقوں سے ہے:

آپ علیہ السلام کے اس ارشاد کے ذریعہ سے ہے، جو آپ نے حضرت عائشہؓ سے فرمایا تھا: ما ضرت إن مت قبلي فغسلتک.

تمہارا کیا نقصان ہوگا اگر تمہارا مجھ سے پہلے انتقال ہو جائے اور میں تمہیں غسل دوں؟

اس کا جواب یہ ہے کہ امام بخاریؒ نے اس قصہ کو نقل فرمایا ہے اور اس میں یہ زیادتی ذکر نہیں کی ہے؛ بلکہ ابن اسحاق اسی کے نقل میں متفرد ہیں اور انہوں نے بطریق معنعنہ روایت کیا ہے، اور ابن اسحاق کا تفرد صحیح نہیں ہوتا ہے، خاص طور سے جب کہ وہ بطریق معنعنہ روایت کریں؛ لہذا اسی حدیث سے استدلال باطل ہو گیا اور اگر اس روایت کو تسلیم کر لیا جائے۔

فقولہ: غسلتک یحتمل التولی بالغسل کما یحتمل المباشرة، ومعلوم من عادته صلی اللہ علیہ وسلم أنه كان لا یبشر الغسل فیحمل علی التولی إلا المباشرة. والثانی: بغسل علی فاطمة رضی اللہ عنہا وجوابہ من وجوہ.

أما الأول: فبأنه اختلفت الروایات فی غسل فاطمة ففی رواية أنها اعتسلت فی حیوتها واوصت أن لا یکشفی أحد بعد موتی لأنی تطهرت کما فی الزیلعی وغیره وفی الروایة: أنه غسلته الملكة کما فی تذکرة خواص الأمة لسبط ابن الجوزی وفی رواية أنها اغتسلتها أم ایمن کما فی الشامی وفی رواية منها غسلها علی وأسماء. أما الروایتان: الأولیان: فظنی أنها مکذوبتان اخترعهما الروافض خذلهم اللہ تفضیلاً لفاطمة بفضائل غیر واقعية کما هو دابهم خذلهم اللہ وأما الروایتان الأخریان فالأولی (\*) منهما أقوى من حیث الروایة.

(\*) کذا فی الأصل: وظنی أنه وقع القلب هنا من المجیب، والصحیح "أن الثانية منهما أقوى من حیث الروایة، والأولی من حیث الدراية" لأن رواية غسل أم ایمن أياها لم تثبت وأما رواية غسل علی وأسماء فتأبته أخرجهما البیهقی ۳۹۶/۳، وعبد الرزاق فی مصنفه ۴۱۰/۳، ویؤید أيضاً ما ظننت تقریر المجیب للدراية فیما بعد فامعن النظر. ۱۲ سعید احمد پالن پوری

اصل مسئلہ میں اسی طرح ہے، میرا خیال یہ ہے کہ یہاں مجیبؒ کی طرف سے قلب واقع ہوا ہے، صحیح عبارت اسی طرح ہے کہ ان دونوں میں سے دوسری روایت کے اعتبار سے زیادہ قوی ہے اور پہلی درایت کے اعتبار سے زیادہ قوی ہے؛ اس لئے کہ ام ایمنؓ کے انہیں (حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو) غسل دینے کی روایت ثابت نہیں ہے اور رہی حضرت علیؓ اور اسماءؓ کے غسل دینے کی روایت تو وہ ثابت ہے۔

امام بیہقی نے ۳۹۶/۳، مکتبہ دار الفکر بیروت ۲۵۶/۵، قم: ۶۷۵-۶۷۶، اور عبد الرزاق نے اپنی مصنف میں ۴۱۰/۳، دار الکتب العلمیہ ۲۵۶/۳، قم: ۶۱۳۸/۱ پر اس کی تخریج کی ہے اور میرے خیال کی تائید مجیبؒ کی آئندہ درایت کی تقریر سے بھی ہوتی ہے؛ لہذا اچھی طرح غور کرلو۔

تو وہ آپ علیہ السلام کے قول غسلتک میں غسل دینے کی ذمہ داری لینے کا بھی احتمال ہے جیسا کہ خود سے غسل دینے کا احتمال ہے اور آپ علیہ السلام کی عادت کے ذریعہ سے یہ بات معلوم ہے کہ آپ بذات خود کسی کو ←

وثانیہما: اقویٰ من حیث الدراية أما قوة الأولى من حیث الرواية فلائنه لم یثبت للثانية سند ولم أعلم من أخرجه من المحدثین وأما قوة الثانية من حیث الدراية فلائن اختصاص أم ایمن بأهل بیت النبوة معروف بخلاف أسماء فبعید کل البعد أن تنکفل أسماء غسلها أو توصیها فاطمة مع قصور أم ایمن لاسیما إذا كانت أسماء بنت أبی بکرؓ (\*)

(\*) هنا أيضًا وقع التسامح من المجیب العلامة، فإن أسماء رضي الله عنها التي أوصتها فاطمة هي أسماء بنت عمیسؓ، زوج أبی بکر الصديق رضي الله عنه كما في المصنف لعبد الرزاق ۱۰/۳، وليست هي أسماء بنت أبی بکر فتذكر. ۱۲ سید احمد پالن پوری یہاں بھی مجیب علام کی طرف سے چوک ہوئی ہے؛ اس لئے کہ جن اسماء کے لئے حضرت فاطمہؓ نے وصیت کی تھی وہ حضرت ابو بکرؓ کی بیوی اسماء بنت عمیسؓ ہیں جیسا کہ مصنف عبد الرزاق ۳/۴۱۰، دار الکتب العلمیہ ۲۵۶/۳، رقم: ۴۱۲۸ پر ہے اور یہ اسماء بنت ابو بکر نہیں ہے۔

← غسل نہیں دیتے تھے؛ لہذا اسے غسل کی ذمہ داری لینے پر محمول کیا جائے گا نا کہ بذات خود غسل دینے پر۔  
(۲) حضرت علیؓ کا حضرت فاطمہؓ کو غسل دینے کے ذریعہ سے ہے اور اس کے کئی جوابات ہیں:  
پہلا جواب یہ ہے کہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو غسل دینے کے سلسلہ میں روایات مختلف ہیں؛ چنانچہ ایک روایت میں یہ ہے کہ انہوں نے اپنی زندگی ہی میں غسل کر لیا تھا اور انہوں نے یہ وصیت کر دی تھی کہ میری موت کے بعد کوئی شخص میرا بدن نہ کھولے اسی لئے کہ میں نے پاکی حاصل کر لی ہے (غسل کر لیا ہے) جیسا کہ زیلعی وغیرہ میں ہے اور ایک روایت میں یہ ہے کہ انہیں فرشتوں نے غسل دیا تھا جیسا کہ سبط ابن الجوزی کی تذکرۃ خواص الامۃ میں ہے اور ایک روایت میں یہ ہے کہ انہیں ام ایمنؓ نے غسل دیا تھا جیسا کہ شامی میں ہے اور شامی کی ایک دوسری روایت میں یہ ہے کہ انہیں حضرت علیؓ اور حضرت اسماءؓ نے غسل دیا تھا۔

بہر حال پہلی دونوں روایتیں تو میرا خیال یہ ہے کہ وہ دونوں جھوٹی ہیں جنہیں روافض نے حضرت فاطمہؓ کو غیر واقعی فضائل کے ذریعہ سے فضیلت دینے کے لئے گھڑ لیا ہے جیسا کہ یہ ان کی عادت ہے (اللہ انہیں رسوا کرے) اور بہر حال آخری دونوں روایتیں تو ان میں سے پہلی روایت، روایت کے اعتبار سے اور دوسری روایت درایت کے اعتبار سے زیادہ قوی ہے۔

دوسرا جواب یہ ہے پہلی روایت کی قوت روایت کے اعتبار سے اسی طرح ہے کہ دوسری روایت کی کوئی سند ثابت نہیں ہے، اور میرے علم میں نہیں ہے کہ کسی محدث نے اسی کی تخریج کی ہے اور دوسری روایت کی قوت درایت کے اعتبار سے اسی طرح ہے کہ ام ایمنؓ کا اہل بیت کے ساتھ خصوصی تعلق مشہور ہے۔ ←

\*\*\*\*\*

وعلیٰ یجتهد فی اخفاء موتہا عن أبی بکر کما یروی عنہ فإن کانت الروایۃ الثانیۃ ثابتۃ والأولیٰ غیر ثابتۃ فالجواب ظاہر وأما إن کانت الروایۃ الأولى ثابتۃ فالجواب إن تشارك أسماء وعلیٰ فی الغسل یحتمل وجوها. الأول: أن یكون کلاهما مباشرین . والثانی: أن یكون علیٰ مباشر وأسماء عوناً له. الثالث: العکس فاحتجنا إلى الترجیح فلما نظرنا فی وجوه الترجیح علمنا أن الراجح هو الاحتمال الثالث لأنه لما کان أحدهما کافیاً فی المباشرة لم تکن فاطمة محتاجة إلى الوصیة لکلیهما بالمباشرة أو أیضاً لوجاز علیٰ غسلها فأی حاجة کانت لها إلى الوصیة لأسماء فلما أوصت لکلیهما علمنا أن وصیة المباشرة لأسماء ووصیة الإعانة کانت لعلیٰ أما الوصیة بالمباشرة أسماء فلعلمها رضی اللہ عنہا بعقلها وحسن سلیقتها

\*\*\*\*\*

← برخلاف حضرت اسماءؓ کے؛ اس لئے کہ یہ بات بہت بعید ہے کہ حضرت اسماءؓ نے ان کے غسل کی ذمہ داری لی ہو یا حضرت فاطمہؓ نے انہیں وصیت کی ہو، حضرت ام ایمنؓ کے خصوصی تعلق کے باوجود خاص طور سے جبکہ حضرت اسماء ابوبکرؓ کی بیٹی ہیں۔

اور حضرت علیؓ حضرت ابوبکرؓ سے ان کی وفات کے اخفاء کی کوشش کر رہے تھے جیسا کہ حضرت علیؓ سے یہ بات منقول ہے، پس اگر دوسری روایت ثابت ہو اور پہلی ثابت نہ ہو تو جواب ظاہر ہے اور اگر پہلی روایت ثابت ہو تو جواب یہ ہے کہ حضرت اسماءؓ اور حضرت علیؓ کے غسل میں شرکت کے سلسلہ میں متعدد احتمالات ہیں: پہلی احتمال یہ ہے کہ دونوں ہی نے بذات خود غسل دیا ہو۔

دوسرا احتمال یہ ہے کہ حضرت علیؓ نے بذات خود غسل دیا ہو اور حضرت اسماءؓ ان کی معاون رہی ہوں۔ تیسرا احتمال یہ ہے کہ معاملہ اس کے برعکس ہو تو اب ہمیں ترجیح دینے کی ضرورت ہے، پس جب ہم نے وجوہ ترجیح کے سلسلہ میں غور کیا تو ہمیں یہ معلوم ہوا کہ تیسرا احتمال ہی رائج ہے؛ اس لئے کہ جب ان دونوں میں سے ہر ایک بذات خود غسل دینے کے سلسلہ میں کافی تھے تو حضرت فاطمہؓ و دونوں کے لئے بذات خود غسل دینے کی وصیت کرنے کی ضرورت نہیں تھی۔

اور نیز اگر حضرت علیؓ کے لئے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو غسل دینا جائز تھا تو حضرت اسماءؓ کو وصیت کرنے کی کیا ضرورت تھی، پس جب ان دونوں کو وصیت کی تو ہمیں معلوم ہوا کہ اصلاً غسل دینے کی وصیت حضرت اسماءؓ کے لئے تھی، اور تعاون کرنے کی وصیت حضرت علیؓ کے لئے تھی، بہر حال اصلاً غسل دینے کی وصیت حضرت اسماءؓ کو اس لئے کی تھی کہ وہ ان کی سمجھداری اور سلیقہ مندی کو اچھی طرح جانتی تھیں۔

\*\*\*\*\*

لما أشارت علیہا باتخاذ التابوت كما وقع في رواية أبي نعیم ولفظها هذا أن فاطمة بنت رسول الله ﷺ قالت: يا أسماء أن استقبح ما يفعل بالنساء أنه يطرح على المرأة الثوب فيصفها، فقالت: أسماء يا بنت رسول الله ﷺ ألا أريك شيئاً رأيته بالحبشة فدعت بجرائد رطبة فلوثتها، ثم طرحت علیها ثوبا فقالت فاطمة ما أحسن هذا وأجمله تعرف به المرأة من الرجل فإذا أنامت فاغسليني أنت وعلى فلما توفيت غسلها علی وأسماء. اهـ وأما الوصية بالإعانة لعلی فلأنه كان أعلم بأحكام الغسل من أسماء فأوصت له به ليعين بتعليم الأحكام إن احتاجت إليه ولأنها كانت رضى الله عنها تحب علیا فأحب أن يشارك في غسلها.

وأيضاً كانت تعلم حب علی ایاها فرأت رضى الله عنها أنه لا يقصر في تحسين غسلها فلهذه الوجوه أوصت إليه بالإعانة.

جس کی وجہ سے انہیں ایک تابوت بنانے کا مشورہ دیا تھا جیسا کہ ابو نعیم کی روایت میں وارد ہوا اور اس کے الفاظ یہ ہیں کہ حضرت فاطمہ بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے اسماء میں برا سمجھتی ہوں اس کام کو جو عورتوں کے ساتھ کیا جاتا ہے کہ عورت پر ایک کپڑا ڈال دیا جاتا ہے، جس سے عورت کے بدن کی ہیئت ظاہر ہوتی ہے تو حضرت اسماءؓ نے فرمایا اے اللہ کے رسول کی بیٹی کیا میں آپ کو وہ چیز نہ دکھلاؤں جو میں نے حبشہ میں دیکھا ہے، پھر انہوں نے چند تر ٹہنیاں منگوائیں اور انہیں موڑا، پھر اس پر ایک کپڑا ڈال دیا، تو حضرت فاطمہؓ نے فرمایا کہ یہ کتنا اچھا اور کتنا خوبصورت ہے! اس کے ذریعہ سے عورت اور مرد کے درمیان امتیاز ہو جا رہا ہے؛ لہذا جب میرا انتقال ہو جائے تو تم اور علیؓ مجھے غسل دے دینا؛ چنانچہ جب حضرت فاطمہؓ کا انتقال ہو گیا تو حضرت علیؓ اور حضرت اسماءؓ نے انہیں غسل دیا۔

رہی بات حضرت علیؓ کو تعاون کرنے کی وصیت کی تو اس کی وجہ یہ ہے کہ حضرت علیؓ غسل کے احکام حضرت اسماءؓ سے زیادہ جانتے تھے؛ اس لئے انہیں وصیت کی کہ وہ احکام غسل بتلا کر ان کی مدد فرمائیں، اگر انہیں اس کی ضرورت پڑے۔ نیز حضرت فاطمہؓ، حضرت علیؓ سے محبت کرتی تھیں؛ اس لئے حضرت فاطمہؓ نے چاہا کہ وہ ان کو غسل دینے میں شریک رہے۔ نیز انہیں یہ بھی معلوم تھا کہ حضرت علیؓ ان سے محبت کرتے ہیں؛ اس لئے انہیں یقین تھا کہ وہ انہیں اچھی طرح غسل دینے میں کوتاہی نہیں کریں گے، ان وجوہات کی بنا پر حضرت فاطمہؓ نے حضرت علیؓ کو تعاون کرنے کی وصیت کی تھی۔

فلما انتقش علی صحيفة خاطرک ماتلوناً علیک علمت أن حدیث غسل فاطمة أن ثبت فلنا لا علینا.

والثالث بحديث ابن مسعود أنه غسل امرأته وجوابه أن حدیث غسل ابن مسعود ضعيف كما صرح به البيهقي كما أن حدیث اعتراضه علی علی الذي نقله الشامي غير ثابت. والرابع: بحديث ابن عباس أنه قال: الرجل أحق بغسل امرأة اه وجوابه أنه من رواية حجاج بن ارطاة عن داود بن الحصين عن عكرمة عن ابن عباس وقال ابن المديني في داود ما روى عن عكرمة فمنكر. وقال: أيضاً مرسل الشعبي أحب الي من داود عن عكرمة عن ابن عباس وقال أبو داود أحاديثه، عن شيوخه مستقيمة وأحاديثه عن عكرمة مناكير. وقال ابن عسيرة كنا نتقى حدیث داود، وقال أبو ذرعة لين وقال أبو حاتم: ليس بالقوى ولولا ان مالكا روى عنه لترك حدیثه.

جب ہماری بیان کردہ یہ باتیں تمہارے دل کی تختی پر نقش ہو گئیں تو تمہیں یہ معلوم ہو گیا کہ حضرت فاطمہؑ کو غسل دینے کی حدیثیں اگر ثابت ہوں تو وہ ہمارے حق میں ہیں نہ کہ ہمارے خلاف ہیں۔

(۳) حضرت ابن مسعودؓ کی حدیث میں ہے کہ انہوں نے اپنی بیوی کو غسل دیا تھا، اس کا جواب یہ ہے کہ ابن مسعودؓ کے غسل دینے کی حدیث ضعیف ہے جیسا کہ امام بیہقی نے اس کی صراحت کی ہے جیسا کہ حضرت علیؑ پر ان کے اعتراض والی حدیث جسے شامی نے نقل کیا غیر ثابت ہے۔

(۴) حضرت ابن عباسؓ کی حدیث سے ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ مرد اپنی بیوی کو غسل دینے کا زیادہ حق دار ہے، اس کا جواب یہ ہے کہ یہ حجاج ابن ارطاة عن داود بن الحصین عن عکرمہ عن ابن عباس کے طریق سے ہے اور ابن مدینی داؤد کے بارے میں فرماتے ہیں کہ ان کی عکرمہ سے روایتیں منکر ہے۔

نیز ابن مدینی فرماتے ہیں کہ شعبی کے مراسل میرے نزدیک داؤد عن عکرمہ عن ابن عباس کی روایت سے بہتر ہے اور امام ابوداؤد فرماتے ہیں کہ داؤد کی حدیثیں ان کے شیوخ سے درست ہے؛ جب کہ عکرمہ سے ان کی حدیثیں منکر ہیں۔

ابن عیینہ فرماتے ہیں کہ ہم داؤد کی حدیث سے احتراز کرتے تھے، ابوزرعه فرماتے ہیں کہ لین الحدیث ہے، ابو حاتم فرماتے ہیں کہ قوی نہیں ہے، اگر امام مالک نے ان سے روایتیں نہ کی ہوتیں تو ان کی حدیثیں متروک ہو جاتی۔

وقال الساجي: منكر الحديث يتهم برأى الخوارج وقال الجوز قاني  
لايحمد الناس حديثه وعاب غير واحد على مالك الرواية عنه وتركه عن سعد  
بن ابراهيم وهو وإن وثقه الاثمة أيضاً لكن توثيقهم إياه في نفسه لا يعارض  
حكم الاثمة بالنكارة على حديثه عن عكرمة عن ابن عباس وأيضاً فيه الحجاج  
بن ارطاة المختلف فيه والمدلس المشهور وقد عنعن في الرواية فلا تقبل  
وبالجملة حديث ابن عباس ضعيف لا يحتج به ولو سلم فهو محمول على التولي  
بالغسل لا المباشرة كما علمت في حديث غسل فاطمة.

والخامس: بغسل علقمة وغيره من التابعين نساء هم وجوابه أن فعل التابعين  
ليس بحجة على الإمام وهذه الحجج كانت للمجوزين من المنقول وقد علمت حالها  
أما من المعقول، فقالوا: موت الرجل كموت المرأة وبالعكس.

اور ساجی فرماتے ہیں کہ منکر الحدیث ہے، جوز قانی کے نظریات کے ساتھ متہم ہے، خوارج فرماتے  
ہیں کہ لوگ ان کی حدیثیں پسند نہیں فرماتے ہیں اور بہت سے لوگوں نے امام مالک کے ان سے روایت  
کرنے اور سعد ابن ابراہیم سے روایت نہ کرنے کی بناء پر امام مالک پر طعن کیا ہے، داؤد کی اگرچہ بہت سے  
ائمہ نے توثیق کی ہیں؛ لیکن ان کی فی نفسہ یہ توثیق عکرمہ عن ابن عباس کے طریق سے ان کی احادیث پر  
نکارت کے حکم کے معارض نہیں ہے۔

نیز اس میں حجاج ابن ارطاة ہے جو مختلف فیہ اور مشہور مدلس ہیں، انہوں نے بطریق عنعنہ اس  
حدیث کو روایت کی ہے؛ لہذا یہ روایت مقبول نہیں ہے۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ ابن عباس کی حدیث ضعیف اور ناقابل استدلال ہے اور اگر اسے تسلیم کر لیا  
جائے تو یہ غسل کی ذمہ داری لینے پر محمول ہے نہ کہ بذات خود غسل دینے پر جیسا کہ آپ کو حضرت فاطمہ کو غسل  
دینے والی حدیث کے تحت معلوم ہوا۔

(۵) حضرت علقمہؓ وغیرہ تابعین کے اپنی بیویوں کو غسل دینے سے ہے، اس کا جواب یہ ہے کہ  
تابعین کا فعل امام صاحب کے خلاف حجت نہیں ہے۔ یہ قائلین جواز کی نفی دلیلیں تھیں، جن کا حال آپ  
کو معلوم ہو گیا ہے، بہر حال عقلی دلیل یہ ہے کہ وہ حضرات کہتے ہیں کہ آدمی کی موت عورت کے موت کی  
طرح ہے اور اس کے برعکس۔



فإن كان موت المرأة رافعا للنكاح بحيث يكون للرجل حق غسلها يكون موت الرجل أيضاً رافعاً له كذلك وكذلك العكس. وإن لم يكن موت المرأة رافعا لها بالحيشية المذكورة لم يكن موت الرجل أيضاً رافعا لها بتلك الحيشية وكذلك العكس إذا علمت هذا فاعلم أن موت الرجل ليس رافع له بتلك الحيشية فلا بد أن لا يكون موت المرأة أيضاً رافعا له بتلك الحيشية واجب يمنع المماثلة بين الموتين كما سيجيء بفضلہ.

واحتج المانعون بوجوه: الأول: بقول عمرؓ نحن كنا أحق بها حين كانت حية وأما إذا ماتت فأنتم أحق بها ويرد عليه أولا بأنه لم يثبت هذا النقل عنه. وثانيا: بأنه يدل على أحقية أهل المرأة بعد الموت لاعلى نفى الحق عن الزوج أصلا ونحن لانكره الأحقية بل نقول به لأن حق القرابة باق بحلها وحق الزوجية اضمحل بالموت فبطل الاستدلال به.

لہذا اگر عورت کی موت اس طرح نکاح کو ختم کرنے والی ہوتی تو شوہر کو اس کو غسل دینے کا حق نہ ہوتا تو مرد کی موت بھی اس طرح نکاح کو ختم کرنے والی ہوتی اور اسی طرح اس کے برعکس اور اگر عورت کی موت اسی طرح نکاح کو ختم کرنے والی نہیں ہے تو مرد کی موت بھی اس طرح نکاح کو ختم کرنے والی نہ ہوگی اور اسی طرح اس کے برعکس ہے۔ جب یہ بات آپ کو معلوم ہوگئی تو یہ جان لیجئے کہ مرد کی موت اس طرح نکاح کو ختم کرنے والی نہیں ہے؛ لہذا ضروری ہے کہ عورت کی موت بھی اس طرح نکاح کو ختم کرنے والی نہ ہو، اس کا جواب دونوں موتوں کے درمیان مماثلت کو تسلیم نہ کرنے کے ذریعہ سے دیا گیا ہے جیسا کہ آئندہ اس کی تفصیل آئے گی۔

اور مانعین جواز کا استدلال بھی چند طریقوں سے ہے: (۱) حضرت عمرؓ کے فرمان کے ذریعہ سے ہے کہ ہم اس عورت کے زیادہ حق دار تھے جب وہ زندہ تھی اور جب وہ مرگئی تو تم لوگ اس کے زیادہ حق دار ہو، اس پر پہلا اعتراض یہ ہوتا ہے کہ ان سے یہ روایت ثابت نہیں ہے اور دوسرا اعتراض یہ ہوتا ہے کہ یہ فرمان موت کے بعد عورت کے گھر والوں کے زیادہ حق دار ہونے کو بتلاتا ہے، شوہر سے بالکلیہ حق کی نفی پر دلالت نہیں کرتا ہے اور ہم عورت کے گھر والوں کے زیادہ حق دار ہونے کے منکر نہیں ہے؛ بلکہ ہم بھی اس کے قائل ہیں؛ اس لئے کہ قرابت داری کا حق اپنی جگہ پر برابر باقی ہے؛ جبکہ زوجیت کا حق موت کی وجہ سے کمزور ہو گیا ہے؛ لہذا اس حدیث سے استدلال باطل ہو گیا۔

والثانی: بأننا تتبعنا الشریعة فوجدنا أنها تبقى النکاح في صورة موت الزوج في الجملة حيث توجب العدة على المرأة وليس هذا إلبقاء النکاح في الجملة ولا تبقيہ في صورة موت الزوجة لأنها تحلل للزوج نکاح اختها بمجرد موتها فلو كان النکاح باقیا لم يحل له نکاحها ويرد عليه أنا لانسلم انعدام النکاح بالکلیة بل هو باق من وجه وزائل من وجه كما قلتم في صورة موت الزوج ويوجب عنه بان بقاء الشئ يعرف باثره واثرا لنکاح باق في صورة موت الزوج خلاف موت الزوجة فقلنا بقاءه في الأول دون الثانی ويرد عليه ان ثبوت الميراث للزوج بحق الزوجية اثر للنکاح وهو باق فكيف يحكم بانعدام النکاح مطلقا ويوجب عنه بان من اثار الشئ ما يثبت مع ذلك الشئ ومنها ما يترتب عليه بعد انعدامه كما هو شأن المعدات فثبوت الميراث للزوج يحتمل أن يكون من القسم الأول ويحتمل أن يكون من القسم الثانی.

(۲) ہم نے شریعت میں غور و خوض کیا تو ہمیں معلوم ہوا کہ شوہر کی موت کی صورت میں فی الجملہ نکاح باقی رہتا ہے؛ چنانچہ عورت پر عدت لازم ہوتی ہے اور یہ فی الجملہ نکاح کا باقی رہنا ہے اور بیوی کی موت کی صورت میں نکاح بالکل بھی باقی نہیں رہتا ہے؛ چنانچہ شوہر کے لئے اپنی سالی سے نکاح کرنا بیوی کے مرتے ہی جائز ہو جاتا ہے؛ لہذا اگر نکاح باقی رہتا تو مرد کے لئے سالی سے نکاح جائز نہیں ہوتا، اس پر یہ اعتراض ہوتا کہ ہمیں بالکلیہ نکاح کا ختم ہو جانا تسلیم نہیں ہے؛ بلکہ وہ من وجہ باقی رہتا ہے اور من وجہ ختم ہو جاتا ہے جیسا کہ آپ لوگ شوہر کی موت کی صورت میں کہتے ہیں، اس کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ شئ کی بقاء اس کے اثر کے بقاء کے ذریعہ سے معلوم ہوتی ہے اور نکاح کا اثر شوہر کی موت کی صورت میں باقی رہتا ہے برخلاف بیوی کی موت کے، اس وجہ سے ہم پہلی صورت میں بقاء نکاح کے قائل ہیں نہ کہ دوسری صورت میں، اس پر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ حق زوجیت کی وجہ سے شوہر کے لئے میراث کا ثبوت نکاح کا اثر ہے اور یہ باقی ہے؛ لہذا مطلقا نکاح کے ختم ہونے کا حکم کیسے لگایا جاسکتا ہے؟ اس کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ شئ کے کچھ آثار ایسے ہوتے ہیں جو اس شئ کے ساتھ ثابت ہوتے ہیں اور کچھ آثار ایسے ہوتے ہیں جو شئ کے ختم ہونے کے بعد اس پر مرتب ہوتے ہیں جیسا کہ تیار کردہ اشیاء کی شان ہے تو شوہر کے لئے میراث کے ثبوت میں اس بات کا احتمال ہے کہ وہ پہلی قسم میں سے ہو، اور اس بات کا بھی احتمال ہے کہ وہ دوسری قسم میں سے ہو۔

فلما نظرنا إلى ثبوت حل نكاح اختها له علمنا أنه من القسم الثاني ويرد عليه أن ثبوت حل نكاح الاخت لا يدل على كون الميراث من القسم الثاني لأن من أحكام الشيء ما يثبت مع بقاءه ومنها ما لا يثبت معه فيجوز أن يثبت له الميراث ولا يثبت له حرمة نكاح في الجملة.

الثالث: أنهم قالوا موت الزوجة بعدم المحل فلا يبقى النكاح معه بخلاف موت الزوج، فإنه لا يعدم المحل فيبقى ففي صورة موت الزوج كذلك لا يبقى الأهلية في صورة موت الزوج ويجاب عنه بأن لا نسلم انعدام الأهلية بالكلية ويرد عليه أنا لا نسلم انعدام المحلية بالكلية ويجاب عنه بأن الشرع أحل للزوج نكاح الاخت فعلمنا منه أنه اعتبر انعدام الأهلية بالكلية والزم المرأة العدة فعلمنا أنه لم يعتبر انعدام المحلية بالكلية ويرد عليه أن تحليل النكاح لا يقتضي أن يعتبر الشرع انعدام المحلية بالكلية كما مر سابقا.

پھر جب ہم نے شوہر کے لئے اپنی سالی سے نکاح کی حلت کے ثبوت کو دیکھا تو ہمیں معلوم ہوا کہ وہ دوسری قسم میں سے ہے، اس پر یہ یہ اعتراض ہوتا ہے کہ سالی سے نکاح کی حلت کا ثبوت میراث کے دوسری قسم میں سے ہونے پر دلالت نہیں کرتا؛ اس لئے کہ شے کے کچھ احکام ایسے ہوتے ہیں جو شے کی بقاء کے ساتھ ثابت ہوتے ہیں اور کچھ احکام ایسے ہوتے ہیں جو شے کی بقاء کے ساتھ ثابت نہیں ہوتے ہیں؛ لہذا ممکن ہے کہ شوہر کے لئے میراث کا ثبوت ہو جائے اور اس کے لئے حرمت نکاح کافی الجملہ ثبوت نہ ہو۔

(۳) فقہاء کہتے ہیں کہ بیوی کی موت سے محل معدوم ہو جاتا ہے؛ لہذا اس کے ساتھ نکاح باقی نہیں رہ سکتا، اس کے برخلاف شوہر کی موت کے کہ اس سے محل معدوم نہیں ہوتا ہے؛ لہذا نکاح باقی رہتا ہے لہذا شوہر کی موت کی صورت میں بیوی کے لئے شوہر کو غسل دینا جائز ہے اور بیوی کی موت کی صورت میں شوہر کے لئے بیوی کو غسل دینا جائز نہیں ہے، اس پر یہ اشکال ہوتا ہے جیسا کہ شوہر کی موت کی صورت میں محل باقی نہیں رہتا اسی طرح شوہر کی موت کی صورت میں اہلیت بھی باقی نہیں رہتی، اور شے جس طرح محل کے معدوم ہونے سے معدوم ہو جاتی ہے اسی طرح اہلیت کے معدوم ہونے سے بھی شے معدوم ہو جاتی ہے؛ لہذا شوہر کی موت کی صورت میں نکاح کیسے باقی رہے گا؟

وأيضا الزام المرأة العدة لا يقتضى عدم اعتبار انعدام الأهلية بالكلية لأنه يجوز أن يكون الزام الشرع العدة لأجل احتمال العلوق لا لأجل بقاء النكاح ويجاب عنه أنه يستلزم ان لا يكون على غير المدخول بهاعدة

ويرد عليه أنه لا يستلزم ذلك لجواز إقامة السبب أى النكاح مقام المسبب كما فعل الشرع في غير موضع ويؤيد ما قلنا انقضاء العدة بوضع الحمل. أقول: هذا النموذج من الكلام بين الفريقين ويتضح من ذلك أن المسئلة اجتهادية ولكل فريق سعة في الكلام وليس عنه أحد مايسكت المخالف فلايجوز الطعن لأحد الفريقين على الآخر هذا ما يتسرلى في هذا المقام۔ واللہ اعلم (امداد اول ص ۱۲۷)

اس کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ ہمیں بالکلیہ اہلیت کا معدوم ہونا تسلیم نہیں، اس پر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ ہمیں بھی بالکلیہ محل کا معدوم ہونا تسلیم نہیں، اس کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ شریعت نے شوہر کے لئے سالی سے نکاح کو حلال قرار دیا ہے؛ لہذا اس سے ہمیں یہ بات معلوم ہوئی کہ شریعت نے بالکلیہ اہلیت کے معدوم ہونا کا اعتبار کیا ہے اور عورت پر عدت کو بھی لازم کیا ہے، جس سے یہ بات معلوم ہوئی کہ شریعت نے بالکلیہ محل کے معدوم ہونے کا اعتبار نہیں کیا ہے۔

اس پر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ نکاح کا حلال ہونا اس بات کا تقاضہ نہیں کرتا کہ شریعت بالکلیہ محل کے معدوم ہونے کا اعتبار نہ کرے؛ اس لئے کہ ممکن ہے کہ شریعت کی جانب سے عدت کا لزوم استقرار حمل کے احتمال کی بنا پر ہونا کہ بقائے نکاح کی بنا پر۔ اس کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ اس سے یہ بات لازم آتی ہے کہ غیر مدخول بہا پر عدت نہ ہو، اس پر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ یہ اس بات کو مستلزم نہیں ہے، سبب یعنی نکاح کے مسبب کے قائم مقام ہونے کے امکان کی بنا پر ہے جیسا کہ شریعت نے کئی جگہوں میں ایسا کیا ہے اور ہماری بات کی تائید اس سے ہوتی ہے کہ انقضائے عدت وضع حمل سے ہو جاتی ہے۔

میں کہتا ہوں کہ یہ فریقین کے درمیان گفتگو کا ایک نمونہ ہے اور اس سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ مسئلہ اجتہادی ہے اور ہر فریق کو کلام کی گنجائش ہے اور کسی بھی ایک فریق کے پاس ایسی دلیل نہیں ہے جو مخالف کو خاموش کر دے؛ اس لئے فریقین میں سے کسی ایک کے لئے بھی دوسرے فریق پر طعنہ زنی جائز نہیں ہے۔

شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

## عورتوں کا محرم مرد کو غسل دینا

**سوال (۶۸۱):** قدیم ۱/۲۲- بہشتی زیور مدلل و مکمل طبع ثانی اشرف المعارف حصہ دوم ص: ۷۷

میں اول مسئلہ یہ درج ہے۔

**مسئلہ:** اگر کوئی مرد مر گیا اور مردوں میں سے کوئی نہلانے والا نہیں ہے تو جو عورت اس کی محرم ہو وہی نہلاوے غیر محرم کو ہاتھ لگانا درست نہیں اور اگر کوئی محرم عورت نہ ہو تو اس کو تیمم کرا دو، اس کے متعلق یہ دریافت کرنا چاہتا ہوں کہ یہ مسئلہ کہاں سے اخذ کیا گیا ہے بظاہر جہاں تک کتب فقہیہ کو دیکھا گیا ہے اس کے خلاف ہی ملا۔

في البدائع: (۱) وإن لم يكن معهن ذلك فإنهن لا يغسلنه سواء كن ذوات رحم محرم أولا؛ لأن المحرم في حكم النظر إلى العورة والأجنبية سواء فكما لا تغسله الأجنبية، فكذا ذوات محارمه ولكن تیممة. (ج ۱ ص ۳۰۵)

وفی العالمگیریة: (۲) (ج ۱ ص ۱۰۲) والأصل فيه أن كل من يحل له وطئها لو كان حيا بالنكاح يحل لها أن تغتسله وإلا فلا، وفمثله في نور الإيضاح.

امید کہ حضرت اپنی رائے عالی سے مطلع فرما کر اس اشتباہ کو دور فرمائیں گے؟

**الجواب:** واقعی نقل میں غلطی ہو گئی جس کی وجہ خیال نہیں آتی منقول وہی ہے (\*) جو آپ نے لکھا، تتمہ، اس تحریر کے بعض احباب نے ذیل کی تحریر پیش کی۔ وہی ہذا لیکن شامی باب الرضاع ص: ۶۷۰ ج: ۲ میں ہے۔

(\*) اب بہشتی زیور میں مسئلہ بدل کر اس طرح کر دیا گیا ہے۔

**مسئلہ نمبر ۷:** اگر کوئی مرد مر گیا اور مردوں میں سے کوئی نہلانے والا نہیں ہے تو بیوی کے علاوہ اور کسی عورت کو اس کو غسل دینا جائز نہیں ہے، اگرچہ محرم ہی ہو، اگر بیوی بھی نہ ہو تو اس کو تیمم کرا دو؛ لیکن اس کے بدن میں ہاتھ نہ لگاؤ؛ بلکہ اپنے ہاتھ میں پہلے دستانے پہن لو تب تیمم کراؤ۔ (حصہ دوم نہلانے کا بیان، کتب خانہ اختر سیہارن پور ص: ۵۳-۵۴) سعید احمد پالن پوری

(۱) بدائع الصنائع، کتاب الصلاة، فصل في من يغسل، مكتبة زكريا ديوبند ۲/۳۴۔

(۲) الفتاویٰ الہندیہ، کتاب الصلاة، الفصل الثاني في الغسل، مكتبة زكريا ديوبند

قدیم ۱/۱۶۰، جدید ۱/۲۲۱۔

\*\*\*\*\*  
 (فیممہا) أى بلا خرقۃ إذا ماتت بین رجال فقط أما غیر المحرم فیممہا بخرقۃ

وقیل تغسل فی ثیابہا أفاده. (۱)

اس روایت طحاوی سے بہشتی زیور کی تائید ہوتی ہے ونیز مسئلہ بہشتی زیور درایت کے بھی موافق ہے کیونکہ غیر محرم کو چھونا جائز نہیں اور جتنا دینیز کپڑا لپٹنے کے بعد چھونا جائز ہے اس کے بعد غسل متعذر ہے اور محرم کو مابین السرة والركبة کے علاوہ چھونا جائز ہے اس لئے غسل کا فریضہ ترک کرنے کی ضرورت نہیں۔ واللہ اعلم، انتہت العبارة.

میں کہتا ہوں کہ یا تو مسئلہ میں دو روایتیں ہیں اور یا نہیں عن الغسل مقید ہے اس صورت کے ساتھ جبکہ حائل نہ ہو اور جواز غسل کی روایت میں حائل کی قید (یعنی ثیاب کا بدن پر ہونا) مصرح ہے ہی۔ کتبہ اشرف علی ۷/ جمادی الثانی ۱۳۵۱ھ (النور ص ۹، جمادی الثانی ۱۳۵۱ھ)

## بوقت غسل میت کو کس طرف منہ کر کے لٹایا جائے؟

**سوال (۶۸۲):** قدیم ۲۳/۱۔ وقت غسل کے منہ مردہ کا کس طرف ہووے؟

**الجواب:** غسل کے وقت تختہ پر مردہ کو رکھنے کی دو صورتیں لکھی ہیں ایک تو قبلہ کی جانب پاؤں کر کے لٹانا دوسرے قبلہ کی طرف منہ کرنا جیسے قبر میں رکھتے ہیں اور دونوں صورتوں میں سے جو صورت ہو سکے جائز ہے۔

(۱) الدر المختار مع الشامی، باب الرضاع، مکتبۃ زکریا دیوبند ۴/ ۱۱،

کراچی ۳/ ۲۱۸۔

قوله فیممہا أي عند فقد الأناث من غیر خرقۃ بخلاف غیر المحرم فیممہا بخرقۃ وقیل: تغسل فی ثیابہا. (حاشیۃ الطحاوی علی الدر المختار، باب الرضاع، مکتبۃ عربیۃ کوئٹہ ۲/ ۹۷)

شیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

وکيفية الوضع عند بعض أصحابنا الوضع طولا كما في حالة المرض إذا أراد الصلوة بإيماء ومنهم من اختار الوضع كما يوضع في القبر والأصح أنه يوضع كما تيسر كذا في الظهيرية. عالمگیری ج ۱ ص ۵۵. (۱)

مگر زیادہ مستحسن صورت ثانیہ ہے کیونکہ حدیث میں آیا ہے کہ خانہ کعبہ قبلہ ہے زندوں کا بھی اور مردوں کا بھی۔ (\*)

(\*) (رد المحتار) ۸۳۷/۱ و کنز العمال ۱۱۰۲/۱ طبع قدیم میں اس حدیث کو ابوداؤد اور نسائی کی طرف منسوب کیا ہے؛ لیکن جمع الفوائد ۱۲/۱ میں اس کو صرف دین کی طرف منسوب کیا ہے۔ ۱۲ سعید احمد پالن پوری

(۱) الفتاویٰ الہندیۃ، کتاب الصلاۃ، الباب الحادی والعشرون فی الجنائز، الفصل الثانی فی الغسل، مکتبۃ زکریا قدیم ۱۵۸/۱، جدید زکریا ۲۱۸/۱۔

ثم لم يذكره في ظاهر الرواية: كيفية وضع التخت أنه يوضع إلى القبلة طولا أو عرضا فمن أصحابنا من اختار الوضع طولا، كما يفعل في مرضه إذا أراد الصلاة بالإيماء منهم من اختار عرضا كما يوضع في قبره، والأصح أنه يوضع كما تيسر لأن ذلك يختلف باختلاف المواضع. (بدائع الصنائع، كتاب الصلاة، كيفية الغسل، مکتبۃ زکریا دیوبند ۲۵/۲)

ويوضع كما مات كما تيسر في الأصح على سرير مجمر وترا (در مختار) وتحت في الشامية: قوله: (في الأصح) وقيل يوضع إلى القبلة طولا، وقيل عرضا كما في القبر. (در مختار مع الشامی، کتاب الصلاة، باب صلوة الجنائز، مکتبۃ زکریا دیوبند ۸۴/۳-۸۵، کراچی ۱۹۵/۲)

ويوضع على سرير ..... ويوضع طولا، وقيل: عرضا والأصح كيف تيسر. (النهر الفائق، کتاب الصلاة، باب صلاة الجنائز، مکتبۃ زکریا دیوبند ۳۸۱/۱-۳۸۲)

وکيفية الوضع عند بعض أصحابنا الوضع طولا، كما في حالة المرض إذا أراد الصلاة بإيماء ومنهم من اختار الوضع كما يوضع في القبر والأصح، أنه يوضع كما تيسر. (البحر الرائق، کتاب الجنائز، مکتبۃ زکریا دیوبند ۳۰۰/۲، کوئٹہ ۱۷۱/۲)

وإذا جرد عن ثيابه يوضع على تحت ولم يبين في الكتاب كيفية وضع التخت إلى القبلة طولا أو عرضا، من أصحابنا من اختار الوضع طولا كما يفعله في مرضه ←

روى أبو داؤد: ان رجلا سال رسول الله ﷺ عن الكبائر، فقال: هي تسع وذكرها إلى أن قال: واستحلال البيت قبلتكم أحياء وأمواتاً. (۲) والله أعلم  
 ۱۹/ صفر ۱۳۰۱ھ (امداد اول ص ۱۵۰)

## غسل کے وقت میت کا سر کس طرف ہونا چاہئے؟

**سوال (۶۸۳):** قدیم ۱/۲۳- مردہ کے غسل دیتے وقت سر اس کا کس جانب ہونا چاہئے؟  
**الجواب:** کئی قول ہیں مگر صحیح یہ ہے کہ جس طرح آسان ہو۔ (۱) ما فی الدر المختار.  
 ۱۲/ رمضان المبارک ۱۳۳۱ھ (تمتہ ثانیہ ص ۷۰)

← إذا أراد الصلاة بالإيماء ومنهم من اختار الوضع عرضاً كما يوضع في القبر، قال شمس الأئمة السرخسي: الأصح أنه يوضع كما تيسر، فإن ذلك يختلف باختلاف الأماكن والمواضع. (الفتاوى التاتارخانية، كتاب الصلاة، الفصل غسل الميت ۳/ ۴، رقم: ۳۵۸۷)

(۲) عن عبيد بن عمير عن أبيه أنه حدثه وكان له صحبة أن رجلاً سأله، فقال: يا رسول الله صلى الله عليه وسلم! ما الكبائر؟ قال: هن تسع فذكر معناه، زاد: وعقوق الوالدين المسلمين، واستحلال البيت الحرام قبلتكم أحياء وأمواتاً. (سنن أبي داؤد، كتاب الوصايا، باب ما جاء في التشديد في أكل مال البيتيم، النسخة الهندية ۲/ ۳۹۷، مكتبة دار السلام رقم: ۲۸۷۵)

شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

(۱) حضرت والا نے گذشتہ فتویٰ میں کئی قول نقل کرنے کے بعد مستحسن اسی کو لکھا ہے کہ جس طرح قبر میں لٹایا جاتا ہے، اس طرح لٹایا جائے، اس میں آسانی کو زیادہ پیش نظر رکھا گیا ہے۔

و كيفية الوضع عند بعض أصحابنا: الوضع طولاً، كما في حالة المرض إذا أراد الصلاة بإيماء، ومنهم من اختار الوضع كما يوضع في القبر والأصح، أنه يوضع كما تيسر. (الفتاوى الهندية، كتاب الصلاة، الباب الحادي والعشرون في الجنائز، الفصل الثاني في الغسل، مكتبة زكريا ديوبند جديد ۱/ ۲۱۸، فديم ۱/ ۱۵۸) ←



## جنازہ اٹھانے کا مسنون طریقہ

**سوال (۶۸۴):** قدیم ۱/۲۳- حمل جنازہ کس طرح چاہئے؟

**الجواب:** میت اگر چھوٹا بچہ ہے تو ایک آدمی اپنے ہاتھوں پر اٹھاوے تو کافی ہے اور اگر بڑا بچہ یا بالغ ہے تو اس کو چار پائی پر رکھ کر چار آدمی اٹھائیں پھر اس میں ایک تو نفس سنت ہے اور ایک کمال سنت ہے نفس سنت تو یہ ہے کہ بلا ترتیب چاروں پایوں کو پکڑ کر دس قدم چلے اور کمال سنت یہ ہے کہ اول جنازہ کے سرھانے کی داہنی جانب کو داہنے کندھے پر رکھ کر دس قدم چلے پھر پانچ کے داہنے جانب داہنے کندھے پر رکھ کر دس قدم چلے پھر سرھانے کے بائیں جانب بائیں کندھے پر رکھ کر دس قدم چلے پھر پانچ کے بائیں جانب بائیں کندھے پر اور جنازہ کے لیجاتے وقت سر میت کے آگے رکھے اور جنازہ کو ذرا لپک کر لے چلے لیکن دوڑے نہیں۔

← ویوضع کما مات کما تیسر فی الأصح علی سریر مجمر و ترأ (در مختار) و تحته فی الشامیة: قوله: (فی الأصح) وقیل یوضع إلی القبلة طولاً، وقیل عرضاً کما فی القبر. (الدر المختار مع الشامی، کتاب الصلاة، باب صلاة الجنائز، مطلب فی القراءة عند المیت، مکتبہ زکریا دیوبند ۳/۸۴-۸۵، کراچی ۲/۱۹۵)

ویوضع علی سریر ..... ویوضع طولاً، وقیل: عرضاً والأصح کیف تیسر. النهر الفائق، کتاب الصلاة، باب صلاة الجنائز، مکتبہ زکریا دیوبند ۱/۳۸۱-۳۸۲)

ثم لم یدکره فی ظاهر الروایة: کیفیة وضع التخت أنه یوضع إلی القبلة طولاً أو عرضاً فمن أصحابنا من اختار الوضع طولاً، کما یفعل فی مرضه إذا أراد الصلاة بالإیماء ومنهم من اختار عرضاً کما یوضع فی قبره، والأصح أنه یوضع کما تیسر لأن ذلک یختلف باختلاف المواضع. (بدائع الصنائع، کتاب الصلاة، کیفیة الغسل، مکتبہ زکریا دیوبند ۲/۲۵)

و کیفیة الوضع عند بعض أصحابنا: الوضع طولاً، کما فی حالة المرض إذا أراد الصلاة بإیماء، ومنهم من اختار الوضع کما یوضع فی القبر والأصح، أنه یوضع کما تیسر.

(البحر الرائق، کتاب الجنائز، مکتبہ زکریا دیوبند ۲/۳۰۰، کوئٹہ ۲/۱۷۱)

شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

سنّ في حمل الجنازة أربعة من الرجال إذا حملوه على سرير أخذوه بقوائمه الأربع، ثم ان في حمل الجنازة شيئين نفس السنة وكما لها أما نفس السنة، فهي أن تأخذ بقوائمها الأربع على طريق التعاقب بأن تحمل من كل جانب عشر خطوات وهذا يتحقق في حق الجميع. وأما كمال السنة فلا يتحقق إلا في واحد وهو أن يبدأ الحامل بحمل يمين مقدم الجنازة فيحمله على عاتقه الأيمن، ثم المؤخر الأيمن على عاتقه الأيسر، ثم المؤخر الأيسر على عاتقه الأيمن، ثم الاسبيجاني أن الصبي الرضيع أو الفطيم أو فوق ذلك قليلاً إذا مات فلا لباس بأن يحمله رجل واحد على يديه ويتداوله الناس بالحمل على أيديهم وإن كان كبيراً يحمله على الجنازة ويسرع بالميت وقت المشي بلا خبب وفي حالة المشي بالجنازة يقدم الرأس (١). عالمگیری كلكتي ج ١ ص ٢٢٦ مع اختصار يسير،

جمادى الاولى ١٣٠٢هـ (إمداد اول ص ١٥١)

(١) الفتاوى الهندية، كتاب الصلاة، الباب الحادي والعشرون في الجنائز، الفصل الرابع في حمل الجنازة، مكتبة زكريا جديد زكريا ٢٢٣/١، قديم ١٦٢/١ - وتضع مقدم الجنازة على يمينك، ثم مؤخرها على يمينك، ثم مقدمها على يسارك، ثم مؤخرها على يسارك، هذا هو السنة عند كثرة الحاملين، إذا تناوبوا في الحمل ..... ثم اعلم أن في حمل الجنازة شيئين: نفس السنة وكما لها، أما السنة هي أن يأخذ بقوائمها الأربع على طريق التعاقب بأن يحمل من كل جانب عشر خطوات ..... وهذا يتحقق في الجمع، وأما كمال السنة فلا يتحقق إلا في حق الواحد وهو يبدأ الحامل بحمل يمين مقدم الجنازة إذ ليس لمقدم الجنازة إلا يمين واحد، فكذلك لا يكون البداية بها إلا للواحد، فلذلك قال في المبسوط: من أراد كمال السنة في حمل الجنازة. ينبغي أن يحمله من الجوانب الأربعة يبدأ بالأيمن المقدم، ثم بالأيمن المؤخر ..... م: ويسرع بالجنازة وذلك مادون الخبب. (الفتاوى التاتارخانية، كتاب الصلاة، الفصل حمل الجنازة،

## جنازہ اٹھا کر لیجاتے وقت سرہانے کو مقدم رکھنا

**سوال (۶۸۵):** قدیم/۱-۲۴- وقت لے جانے جنازہ کے سر آگے کیا جاوے یا پیر؟

**الجواب:** جنازہ لے جانے کے وقت مردہ کا سر آگے رکھنا چاہئے۔

← وإذا حمل الجنازة وضع مقدمها على يمينه، ثم وضع مؤخرها على يمينه كذلك ثم مقدمها على يساره، ثم مؤخرها كذلك..... والصبي الرضيع أو الفطيم أو فوق ذلك قليلاً يحمله واحد على يديه ولو راكباً، وإن كان كبيراً حمل على الجنازة ويسرع بها بلا خيب أي عدو سريع. (در مختار مع الشامى، كتاب الصلاة، باب صلاة الجنازة، مكتبة زكريا ديوبند ۱۳۵/۳-۱۳۶، کراچی ۲/۲۳۱)

يسن لحملها حمل أربعة رجال تكريماً له وتخفيفاً أي على الحاملين وتحاشياً أي تباعدًا عن تشبيهه بحمل الأمتعة..... وينبغي لكل واحد حملها أربعين خطوة يبدأ الحامل بمقدمها الأيمن فيضعه على يمينه أي على عاتقه الأيمن ويمينها أي الجنازة ما كان جهة يسار الحامل لأنه الميت يلقي على ظهره ثم يضع مؤخرها الأيمن عليه أي على عاتقه الأيمن ثم يضع مقدمها الأيسر على يساره أي على عاتقه الأيسر ثم يختم بالجانب الأيسر يحمله عليه أي على عاتقه الأيسر..... ويستحب الإسراع بها بلا خيب. (طحطاوي على المراقي الفلاح، كتاب الصلاة، باب أحكام الجنائز، فصل في حملها ودفنها، مكتبة دار الكتاب ديوبند ص: ۶۰۳ - ۶۰۴)

ومن أراد إكمال السنة في حمل الجنازة على جوانبها الأربع فيضع مقدم الجنازة على يمينه ثم مؤخرها على يمينه ثم مقدمها على يساره. (بدائع الصنائع، كتاب الصلاة، فصل في حمل الجنازة، مكتبة زكريا ديوبند ۴۳/۲)

أما الصغير فلا بأس أن يحمله واحد فوق اليمين. (النهر الفائق، كتاب الصلاة، فصل في الصلاة على الميت، مكتبة زكريا ديوبند ۴۰۰/۱)

شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

\*\*\*\*\*  
 وفى الحالة المشى بالجنابة يقدم الرأس، كذا فى المضمرة. (۱)  
 عالمگیری ج ۱ ص ۱۵۹. واللہ اعلم

۱۹/ صفر المظفر ۱۳۰۱ھ (حوالہ بالا)

**میت کے سرہانے اور پائٹانے سورہ آلم کے شروع اور آخر کی آیت پڑھنا**

**سوال (۶۸۶):** قدیم ۱/۲۲۴- کیا فرماتے ہیں علمائے دین کہ بعد دفن جنازہ آلم سے المفلحون تک قبر میت پر انگشت ٹیک کر سرہانے میت کے پڑھنا جائز و مسنون ہے یا کیا؟ بینواتو جروا؟

**الجواب:** بعد دفن اول سورہ بقرہ اور آخر اس کا قبر پر پڑھنا ابن عمر رضی اللہ عنہ سے ثابت ہے۔  
 فكان ابن عمر يستحب أن يقرأ على القبر بعد الدفن أول سورة البقرة وخاتمتها  
 ردالمحتار ج ۱ ص ۲۰۱ (۲)

\*\*\*\*\*  
 (۱) الفتاوى الهندية، كتاب الصلاة، الفصل الرابع، في حمل الجنابة، مكتبة زكريا  
 دیوبند جدید ۱/۲۲۳، قدیم ۱/۱۶۲۔

وبقدم الرأس في حال حمل الجنابة؛ لأنه من أشرف الأعضاء فكان تقديمه أولى.  
 (بدائع الصنائع، كتاب الصلاة، فصل في حمل الجنابة، مكتبة زكريا دیوبند ۲/۴۴)  
 وفي حال المشي بالجنابة يقدم الرأس. (الفتاوى التاتارخانية، كتاب الصلاة،  
 فصل في حمل الجنابة، مكتبة زكريا دیوبند ۳/۳۴، رقم: ۳۶۶۸)

وذكر الاسي جابي: وفي حالة المشي بالجنابة يقدم الرأس. (البحر الرائق،  
 كتاب الجنائز، فصل: السلطان أحق بصلاته، مكتبة زكريا دیوبند ۲/۳۳۸، كوئٹہ ۲/۹۳)

شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

(۲) رد المختار، كتاب الصلاة، باب صلاة الجنابة، مكتبة زكريا دیوبند ۳/۴۳،  
 کراچی ۲/۲۳۷۔

اور انگشت رکھنا عاجز کی نظر سے نہیں گزرا فلینحقق، اور نیز رسول اللہ ﷺ سے قبر کے سر ہانے اول سورہ بقرہ اور پائنتی پر آخراں کا پڑھنا ثابت ہے۔ (\*)

فقد ثبت أنه عليه الصلاة والسلام قرأ أول سورة البقرة عند رأس ميت و آخرها عند رجله، ردالمحتار ص ۶۰۵ ج ۱ (۱)  
اور قرآءة اول بقرہ سے مفلحون تک اور آخر سے آمن الرسول ختم تک ہے۔ فليحفظ، واللہ اعلم  
(امداد ص ۱۵۲ ج ۱)

## متعدد جنازہ کی نماز ایک ساتھ پڑھنے کا طریقہ

**سوال (۶۸۷):** قدیم ۱/۲۵- دس نفر مرد اور دس نفر لڑکے اور دس نفر عورت ایک دفعہ مرے تو نماز جنازہ یک جا پڑھنا چاہئے یا علیحدہ علیحدہ۔ بینوا تو جروا؟

**الجواب:** جب بہت سے جنازہ جمع ہو جائیں تو اولیٰ تو یہ ہے کہ ہر ایک کی نماز علیحدہ پڑھی جاوے اور افضل کی تقدیم افضل ہے اور اگر سب کی ایک نماز پڑھنا چاہیں جب بھی جائز ہے پھر تین صورتوں میں

(\*) یہ دونوں روایتیں کتب حدیث میں تلاش کرنے کا اتفاق نہیں ہوا۔ ۱۲ سعید احمد پالن پور  
احقر سعید احمد عرض رساں ہے کہ امام بیہقی نے شعب الایمان میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مرفوعاً روایت کی ہے کہ:

سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول: إذا مات أحدكم فلا تحبسوه واسرعوا به إلى قبره، وليقرأ عند رأسه بفاتحة البقرة، وعند رجله بخاتمة سورة البقرة.  
نقل روایت کے بعد امام بیہقی نے فرمایا ہے کہ واضح اُنہ موقوف علیہ (صحیح یہ ہے کہ یہ روایت عمرؓ پر موقوف ہے، مرفوع نہیں ہے) مشکوٰۃ شریف ۱/۱۳۹، بیہقی شعب الایمان دارالکتب العلمیہ ۱۶/۷، رقم: ۹۲۹۳  
اور طبرانی نے بھی یہ روایت بیان کی ہے، مگر ان کی روایت میں ”فاتحة البقرة“ کے بجائے ”فاتحة الكتاب“ ہے (اتحاف السادة المتقين بشرح اسرار احياء علوم الدين ۱۰/۳۷۰)

فتاویٰ دارالعلوم (طبع جدید) ۵/۴۰۵ میں ہے کہ سورہ بقرہ کا اول و آخر بلا جبر پڑھا جائے اور اسی میں (۳۹۱/۵) پر ہے کہ انگلی رکھنے کا قبر پر کچھ ثبوت نہیں ہے۔ ۱۲ سعید احمد پالن پوری

جس کو چاہیں اختیار کریں۔ پہلی صورت یہ کہ اُن کی ایک صف بنائی جاوے اس طور کہ ایک کے پاؤں دوسرے کے سر سے متصل ہوں دوسری یہ کہ ایک میت کو دوسری کے پہلو میں یوں رکھا جاوے کہ دوسرے کا سر پہلے کے کندھے کے برابر ہو اور تیسرے کا دوسری میت کے کندھے کے برابر ہو۔ اس طرح زینہ کی سی شکل بن جاوے گی و شکله ہکذا:-

تیسرے یہ کہ ان کو آگے پیچھے رکھے کہ سب کا سینہ امام کے مقابل رہے و صور ہکذا:-

آخر کی دو صورتوں میں ترتیب یوں ہونی چاہئے کہ امام کے قریب مرد رہے اس کے پہلو نابالغ لڑکا اس کے پیچھے خنثی اس کے پیچھے بالغ عورت اس کے پیچھے نابالغ لڑکی اور پہلی صورت میں چونکہ سب ایک صف میں ہوں گے اس لئے امام کو افضل کے قریب کھڑا ہونا چاہئے۔ (۱)

(۱) ولو اجتمعت الجنائز، یخیر الإمام إن شاء صلی علی کل واحد علی حدّة، وإن شاء صلی علی الكل دفعة بالنية علی الجمع، کذا فی معراج الدراية، وهو فی کیفیت وضعهم بالخيار إن شاء وضعهم بالطول سطرًا واحدًا ویقف عند أفضلهم وإن شاء وضعهم واحدًا وراء واحد إلى جهة القبلة، وترتيبهم بالنسبة إلى الإمام کترتيبهم فی صلاتهم خلفه حالة الحياة فیقرب منه الأفضل فالأفضل، فیصف الرجال إلى جهة الإمام، ثم الصبيان ثم الخنثی ثم النساء ثم المراهقات. (الفتاویٰ الهندیة، کتاب الصلاة، الفصل الخامس، فی الصلاة علی الميت، مکتبة زکریا دیوبند جدید ۲۲۶/۱، قدیم ۱۶۵/۱)

إذا اجتمعت الجنائز، فالإمام بالخيار إن شاء صلی علی کل جنازة صلاة علی حدّة، وإن شاء صلی علیها صلاة واحدة وتجزي عن الكل قال فی الكتاب، فإن أراد أن یصلی علیها صلاة واحدة إن شاء وضعوا الجنائز صفًا طولًا، وإن شاءوا وضعوا واحدًا بعد واحد مما يلي القبلة، وقد روي عن أبي حنیفة رحمة الله علیه أنه قال: إن وضعوا واحدًا بعد الآخر كان أحسن حتی یصیر الإمام قائمًا بإزاء الكل ..... ولكن یجعل الرجال مما يلي الإمام والصبيان بعده والنساء ما يلي القبلة ..... وإن شاءوا وضعوا الرجل بإزاء الإمام ورأس الصبي بحذاء منكب الرجل، والخنثی بحذاء منكب الصبي علی هذا الترتیب. (الفتاویٰ التاتاریخانیة، کتاب الصلاة، الفصل صلاة الجنازة، مکتبة زکریا دیوبند ۴۸/۳ - ۴۹، رقم: ۳۶۹۲ - ۳۶۹۳)

أن ابن عمر صلی علی تسع جنائز جمیعاً فجعل الرجال یلون الإمام والنساء ←

\*\*\*\*\*  
 وإذا اجتمعت الجنائز فافراد الصلوة أولى وإن جمع جاز، ثم إن شاء جعل الجنائز صفاً واحداً أو قام عند أفضلهم وإن شاء جعلها صفاً مما يلي القبلة واحد خلف واحد بحيث يكون صدر كل جنازة مماليي الإمام ليقوم بحذاء صدر الكل وإن جعلها درجا فحسن لحصول المقصود فيقرب منه الأفضل إلى آخر ما قال درمختار. والله أعلم  
 ١٨/ ربيع الأول ١٣٢١هـ (امداد اول ص ١٥٢)

← يلين القبلة فصفهن صفاً واحداً. (سنن نسائي، باب اجتماع جنائز الرجال والنساء، النسخة الهندية ٢١٧/١، مكتبة دار السلام رقم: ١٩٨٠)

عن عمار مولى الحارث بن نوفل أنه شهد جنازة أم كلثوم وابنها، فجعل الغلام مما يلي الإمام فأنكرت ذلك وفي القوم. ابن عباس وأبو سعيد الخدري وأبو قتادة وأبو هريرة فقالوا: هذه السنة. (سنن أبي داود، كتاب الجنائز، باب إذا حضرت جنائز رجال ونساء من يقدم؟ النسخة الهندية ٤٥٥/٢، مكتبة دار السلام ر يا ض رقم: ٣١٩٣)

سنن نسائي، كتاب الجنائز، باب اجتماع جنازة صبي وامرأة ٢١٧/١، مكتبة دار السلام رقم: ١٩٧٩ -

فإذا اجتمعت الجنائز فالإمام بالخيار، وإن شاء صلى عليهم دفعة واحدة، وإن شاء صلى على كل جنازة على حدة..... فإن أراد أن يصلى على كل واحدة على حدة، فالأولى أن يقدم الأفضل فالأفضل، فإن لم يفعل فلا بأس به، ثم كيف توضع الجنائز إذا اجتمعت فنقول: لا يخلوا إما إن كانت من جنس واحد أو اختلف الجنس فإن كان الجنس متحداً فإن شأوا جعلوها صفاً واحداً كما يصطفون في حال حياتهم عند الصلاة وإن شأوا وضعوا واحداً بعد واحد مما يلي القبلة ليقوم الإمام بحذاء بكل..... وإذا وضعوا واحد بعد واحد ينبغي أن يكون أفضلهم مماليي الإمام..... ثم إن وضع رأس كل واحد منهم بحذاء رأس صاحبه فحسن وإن وضع شبه الدرج كما قال ابن أبي ليلى وهو أن يكون رأس الثاني عند منكب الأول فحسن وأما إذا اختلف الجنس بأن كانوا رجالاً ونساء توضع الرجال مماليي الإمام والنساء خلف الرجال مماليي القبلة..... ولو اجتمع جنازة رجل وصبي وخنثى وامرأة وصبية وضع الرجل مماليي الإمام والصبي ورائه، ثم الخنثى، ثم المرأة، ثم الصبية. (بدائع الصنائع، كتاب الصلاة، فصل في بيان ما تصح وما تفسه وما يكره، مكتبة زكريا ديوبند ٥٦/٢) شبير احمد قاسم عفا الله عنه

## امام کے سامنے جنازہ کوزمین پر رکھیں یا چارپائی پر؟

**سوال (۶۸۸):** قدیم ۱/۲۶- کیا فرماتے ہیں علمائے دین کہ نماز جنازہ چارپائی پر رکھ کر یا زمین پر جنازہ رکھ کر یا کسی شے پر سنت ہے؟

(۲) اور مقتدی و امام جوتہ اتار کر پڑھیں یا اوپر جوتہ یا اندر جوتہ کے پاؤں رکھ کر پڑھی جاوے۔

بینواتو جروا؟

**الجواب:** جنازہ کا امام کے روبرو رکھا جانا ضرور ہے خواہ چارپائی پر ہو یا زمین پر۔

في الدر المختار: ووضعه امام المصلی فلا تصح علی غائب و محمول علی نحو دابة. اه (۱)

لیکن اولی چارپائی پر رکھنا ہے۔ (\*)

(\*) أقول في القياس تأمل والأولى في الجواب أن يقال في الدر المختار في القنية الطهارة من النجاسة ثوب وبدن ويمان ستر العورة شرط في حق الميت والإمام جميعاً وفي الرد قوله في القنية: مثله في المفتاح والمجتبى معزيا إلى التجريد إسماعيل لكن في التاتارخانية سئل قاضي خان عن طهارة مكان الميت هل تشترط لجواز الصلوة عليه قال: إن كان الميت على الجنائز لا شك أنه يجوز وإلا فلا رواية لهذا وينبغي الجواز وهكذا أجاب القاضي بدر الدين. آه فقد علم من هذه الروايات أن في اشتراط طهارة مكان الميت اختلافاً ومعلوم أن الأحوط من اشتراط الوضع على السرير الطاهر لقطع شبهته نجاسة الأرض فيكون هو الأولى والحصير أو الثوب ونحوهما في حكم السرير. ۱۲ واللاعلم (فتح الاغلاط: ۲۶)

یہ جواب الفتح الاغلاط: ۲۶ سے درج کیا گیا ہے۔ ۱۲ سعید احمد پالن پوری

(۱) الدر المختار علی الشامی، کتاب الصلاة، باب صلاة الجنائز، مكتبة زكريا ديوبند ۱۰۴/۳-۱۰۵، کراچی ۲/۲۰۸-۲۰۹۔

وضعه أما المصلی فلا تجوز علی غائب ولا علی حاضر محمول علی دابة أو غيرها ولا موضوع متقدم عليه المصلی. (البحر الرائق، کتاب الجنائز، فصل السلطان أحق بصلاته، مكتبة زكريا ديوبند ۳۱۴/۲، کوئٹہ ۱۷۹/۲) ←



قیاساً علی حالة الحمل، فی الدر المختار وإن كان كبيراً حمل علی الجنابة. اه (۱)  
 جواب ۲ سوال ثانی: اگر جوتہ پاک ہے یا ناپاک تھا لیکن پاک ہو گیا یعنی اگر نجاست ذی جرم لگی تھی  
 اور ملنے جلنے سے جھڑ گئی یا غیر ذی جرم تھی اور تین بار دھو ڈالا اس صورت میں جوتہ بہن کر بھی پڑھنا جائز ہے۔  
 ویطهر خف ونحوہ کنعل تنجس بذی جرم بذلک وإلا جرم لها فیغسل،  
 (در مختار ۱/ ۲۸۵) (۲)

اور اگر ناپاک ہے خواہ اوپر سے یا اندر سے یا نیچے سے تو پہن کر درست نہیں۔

← ومن الشروط: حضور الميت ووضعه كونه أمام المصلي، فلا تصح على غائب ولا على  
 محمول على دابة ولا على موضوع خلفه. (الفتاوى الهندية، كتاب الصلاة، الفصل  
 الخامس في الصلاة على الميت، مكتبة زكريا ديوبند جديد ۱/ ۲۲۵، قديم ۱/ ۱۶۴)  
 (۱) الدر المختار علی الشامی، کتاب الصلاة، باب صلاة الجنابة، فصل السلطان  
 أحق بصلاته، مكتبة زكريا ديوبند ۲/ ۳۳۵، كوئته ۲/ ۱۹۱۔  
 (۲) الدر المختار، كتاب الطهارة، باب الأنجاس، مكتبة زكريا ديوبند ۱/ ۵۱۰۔  
 ۵۱۱، كراچی ۱/ ۳۰۹ - ۳۱۰۔

ویطهر الخف والنعل غیر الرقيق بالذلک..... بنجس ذی جرم..... والا یغسل أنه إذا  
 لم یکن کذلک کالبول ونحوہ غسل. (النهر الفائق، کتاب الطهارة، باب الأنجاس، مكتبة  
 زكريا ديوبند ۱/ ۱۴۳-۱۴۴)

ویطهر الخف نحوه کالنعل بالماء وبالمائع وبالذلک بالأرض أو التراب من  
 نجاسة لها جرم (مراقي الفلاح) وتحتہ واحترز به عن غیر ذی الجرم فإنه یغسل اتفاقاً.  
 (حاشیة الطحطاوی علی مراقي الفلاح، کتاب الطهارة، باب الأنجاس والطهارة عنها،  
 مكتبة دارالکتاب ديوبند ۱/ ۱۶۳)

عن أبي هريرة رضي الله تعالى عنه أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: إذا  
 وطئ أحدكم بنعله الأذى فإن التراب له طهور، وعن أبي هريرة رضي الله تعالى عنه  
 عن النبي صلى الله عليه وسلم بمعناه قال إذا وطئ الأذى بخفيه فطهورهما التراب.  
 (سنن أبي داود، کتاب الطهارة، باب الأذى يصيب النعل، النسخة الهندية ۱/ ۵۵، مكتبة  
 دار السلام رقم: ۳۸۵-۳۸۶)

\*\*\*\*\*  
 في الدر المختار: هي طهارة بدنه من حدث وخبث وثوبه، وكذا ما يتحرك  
 بحركة أو يعد حامله. ۱۵ (۱)

اور اگر اتار کر پڑھتا ہے سو اگر اندر سے یا اوپر سے نجس ہے تب تو جائز نہیں للنجاسة موضع قدمیہ اور  
 اگر اوپر اور اندر سے پاک ہے اور نیچے سے ناپاک ہے پس بنا برقیاس قول امام ابو یوسفؒ کے جائز نہیں اور بنا  
 برقیاس قول امام محمدؒ کے جائز ہے اور فتویٰ اکثر علماء کا قول محمدؒ پر ہے لیکن احتیاط قول ابو یوسفؒ میں ہے۔ (۲)  
 .....

(۱) الدر المختار مع الشامی، کتاب الصلاة، باب شروط الصلاة، مكتبة زكريا ديوبند  
 ۷۳/۲-۷۴، کراچی ۳۰۹/۲

وهي عندنا سبعة: الطهارة من الأحداث والطهارة من الأنجاس ..... تطهير النجاسة  
 من بدن المصلي وثوبه والمكان الذي يصلي عليه واجب. (الفتاوى الهندية، كتاب الصلاة،  
 الباب الثالث في شروط الصلاة، مكتبة زكريا ديوبند جديد ۱/۱۴، قديم ۱/۵۸)

إذا كانت النجاسة في طرف ثوب هو لابس أو حامله، فألقي ذلك الطرف على الأرض ،  
 فصلي فإنه إن تحرك بحركته لا يجوز ..... ولو كان أسفل نعليه فحسب نجسًا وصلي بهما  
 لا يجوز. (حلبی کبیری، فرع شیء من تعلق النجاسة، مكتبة اشرفية ديوبند ص: ۲۰۸)

(۲) وإذا صلى على موضع نجس، وفرش نعليه، وقام عليهما جاز ..... ولو كان  
 لابسًا لهما لا يجوز وإذا قام على مكعبه وعلى نعله نجاسة جاز عند محمدؒ خلافًا لأبي يوسفؒ  
 ولو كان لم يخرج رجليه وصلي فيهما إن كان واسعًا فهو على الخلاف، وإن كان ضيقًا لم  
 يجز بلا خلاف. (الفتاوى التاتارخانية، كتاب الصلاة، الفصل الثاني في فرائض الصلاة، مكتبة  
 زكريا ديوبند ۲/۳۰، رقم: ۱۵۹۴)

المحيط البرهاني، كتاب الصلاة، الفصل الثاني في فرائض الصلاة، إدارة القرآن  
 ۲۰/۲، رقم: ۱۱۱۳۔

ولو افترش نعليه وقام عليهما جاز فلا يضر نجاسة ما تحتهما لكن لا بد من طهارة  
 نعليه مما يلي الرجل لا ممالي الأرض. (حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، كتاب الصلاة،  
 فصل في الصلاة على الميت، مكتبة دار الكتاب ديوبند ص: ۵۸۲) ←

في الدر المختار: وصلاته على مصلى مضرب نجس البطانة اه. وفي ردالمحتار: ثم هذا قول أبي يوسف وعن محمد يجوز إلى أن قال وظاهره ترجيح قول محمد: وهو الأشبه ورجح في الخانية في مسألة الثوب قول أبي يوسف بأنه أقرب إلى الاحتياط وتماهه في الحلية. (١) اه والله اعلم

١٨/ ربيع الأول ١٣٢١هـ (امداد اول ص ١٥٣)

«ولو خلع نعليه وقام عليها جاز سواء كان ما يلي الأرض منه نجسا أو طاهرا إذا كان ما يلي القدم طاهرا». (الفتاوى الهندية، كتاب الطهارة، الفصل الثاني في طهارة ما يستربه العورة وغيره، مكتبة زكريا ديوبند قديم ٦٢/١، جديد ١١٩/١)

(١) الدر المختار مع الشامى، كتاب الصلاة، باب ما يفسد الصلاة وما يكره فيها، مطلب في التشبه بأهل الكتاب، مكتبة زكريا ديوبند ٣٨٧/٢، كراچي ٦٢٦/١ - إذا صلى على حجر الرحا أو على باب أو بساط غليظ أو على مكعب ظاهر طاهر و باطنه نجس يجوز عند محمد وبه كان يفتى الشيخ أبو بكر الإسكاف وعند أبي يوسف لا يجوز به كان يفتى الشيخ أبو حفص الكبير. (بدائع الصنائع، كتاب الطهارة، باب ما يحصل به التطهير، مكتبة زكريا ديوبند ٢٣٩/١)

ولو كان البساط مبطناً وأصابته النجاسة البطانة فصلى على الطهارة وقد قام على ذلك الموضع فعن محمد أنه يجوز وعن أبي يوسف أنه لا يجوز. (الفتاوى التاتارخانية، كتاب الصلاة، فصل في الفرائض ٣٠/٢، رقم: ١٥٨٩)

ولو كانت النجاسة على بطانة مصلاه أو في خشوها، جازت الصلاة عليها إذا لم يكن أحدهما مخيطاً على صاحبه ولا مضرباً، وإن كان أحدهما مخيطاً على صاحبه يجوز على قول محمد لأنه بالخياطة والتصريب لم يصر ثوباً واحداً، وعند أبي يوسف لا يجوز هكذا في محيط السرخسي وقول أبي يوسف أقرب إلى الاحتياط. (الفتاوى الهندية، كتاب الطهارة، الفصل الثاني في طهارة ما يستربه العورة وغيره، مكتبة زكريا ديوبند قديم ٦٢/١، جديد ١١٩/١)

شبير احمد قاسم عفا الله عنه

## قبر میں لکڑی اور اینٹ یا پتھر رکھنے کی ممانعت کیسے؟

**سوال (۶۸۹):** قدیم ۱/۷۲- آجکل قبر میں لکڑی رکھنے کا علی العموم دستور ہے حالانکہ فقہاء نے آجرا و زشب دونوں کو ممنوع لکھا ہے البتہ بانس کی اجازت دی ہے اور علت ممانعت استحکام بیان کی ہے تو کیا یہ عمل مروج ناجائز ہے اس کی ممانعت کرنی چاہئے۔ نیز اس علت پر پتھر رکھنا بھی درست نہ ہونا چاہئے جو کہ کانپور میں رواج پایا جاتا ہے نیز بانس میں مثل زشب ہی کے استحکام ہے اس کو اس حکم سے کیوں مستثنیٰ کیا؟

**الجواب:** زشب وغیرہ رکھنے کے دو مقام ہیں لحد اور سقف قبر سولحہ میں تو یہ تفصیل ہے کہ بلا ضرورت قصب و لبن کے سوا مکروہ ہے۔

لأنه خلاف السنة المعهودة من السلف (۱) والتعليل بالتفاوت في الأجر والاستحكام في الخشب والأجر فلا أصل له أما الأول فلأنه نوع من الطيرة وهي شرك على مانص عليه صاحب الشرع. (۲)

(۱) ويسوّى اللبن على اللحد أي يقيم اللبن عليه من جهة القبلة ..... واستعمال اللبن مجمع عليه ولا بأس بالقصب ..... وقال إبراهيم النخعي كانوا يكرهون الأجر في قبورهم وقيل لا بأس به عند رخاوة الأرض. (حلي كبير، كتاب الصلاة، فصل في الجنائز، مكتبة اشرفية ديوبند ص: ۵۹۸)

عن إبراهيم النخعي أنه قال: كانوا يستحبون اللبن والقصب، ويكرهون الأجر، وقوله: ”كانوا“ كناية عن الصحابة والتابعين. (الفتاوى التاتارخانية، كتاب الصلاة، الفصل في الجنائز، مكتبة زكريا ديوبند ۶۸/۳، رقم: ۳۷۳۱)

المحيط البرهاني، كتاب الصلاة، فصل في الجنائز، إدره القرآن ۳/۹۲، رقم: ۲۴۸۱-

(۲) عن عبد الله بن مسعود عن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: الطيرة شرك

قاله ثلثاً. (مشكاة شريف، كتاب الطب والرقي ص: ۳۹۲، رقم: ۴۳۷۵) ←

(ولما في فتح القدير (١) قوله: لأنهما من أحكام البناء) ومنهم من علل بان الآجر مسته النار ودفع بأن السنة أن يغسل بالماء الحار فعلم أن مس النار لم يعتبر مانعاً من الشرع والأولى ما في الكتاب وفي الدفع نوع نظر انتهى وأما الثاني فلأنه منقوض بتجويز التابوت في أرض رخوة ووضع الخشب والآجر (٢) فوق الميت أي على سطح القبر والتعليل بكونها عصمة من السبع غير مختص بالوضع فوق الميت بل هو جاء في اللحد أيضاً هي سطح قبر.

سواس میں نشب و آجر وغیرہ رکھنا سب جائز ہیں۔

← ترمذي شريف، أبواب السير، باب ما جاء في الطيرة، النسخة الهندية ١/ ٢٩٠، مكتبة دار السلام رقم: ١٦١٤ -

أبوداؤد شريف، كتاب الكهانة والتطير، باب في الطيرة والخط، النسخة الهندية ٢/ ٥٤٦، مكتبة دار السلام رقم: ٣٩١٠ -

(١) فتح القدير، كتاب الصلاة، باب الجنائز، فصل في الدفن، مكتبة زكريا ديوبند ١٤٧/٢، مكتبة رشيدية كوئته ١٠٠/٢ -

(٢) قال صاحب المنافع اختاروا الشق في ديارنا لرخاوة الأراضي فيعتذر اللحد فيها حتى أجازوا الآجر وروفوف الخشب واتخاذ التابوت ولو كان من حديد. (حلي كبير، كتاب الصلاة، فصل في الجنائز، مكتبة اشرفية ديوبند ص: ٥٩٥)

ويلحد ولا يشق إلا في أرض رخوة فلا بأس به فيها ولا باتخاذ التابوت ولو من حديد. (مراقي الفلاح على حاشية الطحطاوي، كتاب الصلاة، باب أحكام الجنائز، فصل في حملها ودفنها، مكتبة دارالكتاب ديوبند ص: ٦٠٧ - ٦٠٨)

إنما يكره الآجر إذا أريد به الزينة أما إذا أريد به دفع أذي السباع أو شيء آخر لا يكرهه (مراقي الفلاح) وتحتة قال في الخانية: يكره الآجر إذا كان ممالي الميت أما فيما وراء ذلك فلا بأس وفي الحسامي وقد نص اسمعيل الزاهد بالآجر خلف اللبن على اللحد وأوصى به. (حاشية الطحطاوي، كتاب الصلاة، فصل في حملها ودفنها، مكتبة دارالكتاب ديوبند ص: ٦١٠)

قال في رد المحتار: قال في الحلية: وكرهوا والأجر والأواح الخشب قال الإمام

التمر تاشي: هذا إذا كان حول الميت فلو فوقه لا يكره لأنه يكون عصمة من السبع الخ (۱)

اس تفصیل سے تمام سوال کا جواب معلوم ہو گیا۔ واللہ اعلم

۱۸/ربیع الاول ۱۴۳۱ھ (امداد ص ۱۵۳)

## میت کے اوپر پیری کا تختہ رکھنا

**سوال (۶۹۰):** قدیم ۱/۲۸- جو پور میں اہل تشیع کی دیکھا دیکھی قبر میں پیر کا تختہ اہل تسنن بھی دیتے ہیں اور فضیلت سمجھتے ہیں میں نے ایک عالم سے دریافت کیا تو معلوم ہوا کہ کچی اینٹ سے قبر بند کرنا تو مسنون ہے اگر اینٹیں کچی نہ ہوں تو بانس کے تختہ قبر میں دیئے جائیں بانس خشک ہو یا تر ہو یعنی سبز ہو یا دہر کا کٹا خشک ہو باقی لکڑی کا تختہ عام اس سے کہ وہ صندل کی لکڑی کیوں نہ ہو مکروہ ہے لہذا اس کی تصدیق حضور سے چاہتا ہوں؟

**الجواب:** في الدر المختار: ويسوي اللبن عليه والقصب لا الأجر المطبوع والخشب لو حوله الميت أما فوقه فلا يكره ابن مالك. (۲)

(۱) الدر المختار، کتاب الصلاة، باب صلاة الجنائز، مكتبة زكريا ديوبند ۱۴۲/۳، کراچی ۲/۲۳۶۔

(۲) الدر المختار على الشامي، كتاب الصلاة الجنائز، مطلب في دفن الميت، مكتبة زكريا ديوبند ۱۴۲/۳، کراچی ۲/۲۳۱۔

ويسوي اللبن عليه والقصب لا الأجر والخشب لأنهما الأحكام البناء. (البحر الرائق، كتاب الجنائز، فصل: السلطان أحق بصلاته، مكتبة زكريا ديوبند ۳۳۹/۲، کوئٹہ ۱۹۴/۲)

ويسوي اللبن على اللحد أي يقيم اللبن عليه من جهة القبلة..... واستعماله اللبن مجمع عليه ولا بأس بالقصب..... ويكره الأجر والخشب لأنهما لأحكام البناء والزينة.

(حلبی کبیری، کتاب الصلاة، فصل في الجنائز، مكتبة اشرفية ديوبند ص: ۵۹۸) ←

اس روایت سے معلوم ہوا کہ وہ عالم صحیح فرماتے ہیں لیکن میت کے اوپر تختہ رکھے جاویں تو کچھ حرج نہیں لحد میں اس کے گرد نہ لگائے جاویں اصل مسئلہ میں تو یہ تفصیل ہے مگر خاص بیری کے تختہ میں چونکہ مشابہت ہے اہل باطل کے ساتھ اس عارض سے میت کے اوپر بھی نہ رکھنا چاہئے۔ (۱)

۲۹/ صفر ۱۳۳۲ھ (تتمہ ثانی ص ۱۲۷)

## مسلم و کافر کے جنازے آپس میں مشتبہ ہو جائیں تو نماز جنازہ کیسے ادا کریں؟

**سوال (۶۹۱):** قدیم ۱/ ۲۸- ایک جگہ جنگل میں چار آدمی آگ میں جل گئے اب یہ شناخت نہیں ہوتی کہ وہ ہندو ہیں یا مسلمان اب موتی مذکورہ کے واسطے کیا کریں یعنی مدفون نماز پڑھ کر کرائے جاویں یا اور کوئی صورت ان کے واسطے ہوگی؟

← عن إبراهيم النخعي أنه قال: كانوا يستحبون اللبن والقصب، ويكرهون الآجر، وقول: "كانوا" كناية عن الصحابة والتابعين. (الفتاوى التاتارخانية، كتاب الصلاة، الفصل في الجنائز، مكتبة زكريا ديوبند ۳/ ۶۸، رقم: ۳۷۳۱)

المحيط البرهاني، كتاب الصلاة، فصل في الجنائز، إدار القرآن ۳/ ۹۲، رقم: ۲۴۸۱-

(۱) عن ابن عمر قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم من تشبه بقوم فهو منهم. (مشكوة شريف، كتاب اللباس ص: ۳۷۵)

سنن أبي داؤد، كتاب اللباس، باب في لبس الشهرة، النسخة الهندية ۲/ ۵۵۹، مكتبة دار السلام رقم: ۴۰۳۱-

وتحتة في المرقاة: أي من شبه نفسه بالكفار مثلاً في اللباس وغيره أو بالفساق أو الفجار أو بأهل التصوف والصلحاء الأبرار فهو منهم أي في الإثم والخير. (مرقاة المفاتيح، كتاب اللباس، مكتبة امدادية ملتان ۸/ ۲۵۵)

شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

**الجواب:** في الدر المختار: فروع لولم يدر (إلى قوله) دفنهم. وفي ردالمختار:

قوله: فإن في دارنا (إلى قوله) منهي عنه ص ۸۹۹ و ۹۰۰ (۱)

بناء برروایت مذکورہ بعد تصحیح و ترجیح جواب یہ ہے کہ سب کو غسل دیں اور سب کو سامنے رکھ کر یہ خیال کر کے نماز پڑھیں کہ ان میں جو مسلمان ہیں ان کی نماز پڑھتے ہیں اور پھر سب کو دفن کر دیں۔

۲۹/ صفر ۱۳۲۷ھ (تتمہ اول ص ۴۶)

(۱) فروع: لولم يدر أم مسلم أم كافر، ولا علامة، فإن في دارنا غسل وصلى عليه وإلا لا. وتحتة في الشامي: قيل يصلى ويقصد المسلمين؛ لأنه إن عجز عن التعيين لا يعجز عن التصد كما في البدائع: قال في الحلية فعلى هذا ينبغي أن يصلي عليهم في الحالة الثانية أيضًا أي حالة ما إذا كان الكفار أكثر لأنه حيث قصد المسلمين فقط لم يكن مصليًا على الكفار، وإلا لم تجز الصلاة عليهم في الحالة الأولى أيضًا مع أن الاتفاق على الجواز، فينبغي الصلاة عليهم في الأحوال الثلاث كما قالت به الأئمة الثلاث وهو أوجه قضاء لحق المسلمين بلا ارتكاب منهي عنه. (الدر المختار مع الشامي، كتاب الصلاة، باب صلاة الجنائز، مكتبة زكريا ديوبند ۹۳/۳ - ۹۴، ۹۴/۲ - ۲۰۱) (کراچی ۲۰۰/۲ - ۲۰۱)

موتى المسلمين إذا اختلطوا بموتى الكفار أو قتلى المسلمين بقتلى الكفار إن كان للمسلمين علامة يعرفون بها يميز بينهم ..... وإن لم تكن علامة إن كانت الغلبة للمسلمين يصلي على الكل وينوي بالصلاة الدعاء للمسلمين ويدفنون في مقابر المسلمين. (الفتاوى الهندية، كتاب الصلاة، الفصل الثاني في الغسل، مكتبة زكريا ديوبند قديم ۱۵۹/۱، جديد ۲۲۰/۱)

وإذا اختلط موتى المسلمين بموتى الكفار إن أمكن تمييز المسلمين بالعلامة يميزون به، وإن كان لم يكن التمييز وكانت الغلبة للمسلمين غسلوا ويصلي عليهم إلا من عرف بعينه أنه كافر ..... لكن ينون بالدعاء للمسلمين. (الفتاوى التاتارخانية، كتاب الصلاة، فصل في الجنائز، مكتبة زكريا ديوبند ۸۳/۳، رقم: ۳۷۷۲)

وإذا لم يد رحاله أم مسلم هو أم كافر فإن كان عليه سيما المسلمين غسل، وإن لم يكن ففيه روايتان والصحيح أنه يغسل ويصلى عليه لأن دلالة المكان بها تحصل غلبة الظن بكونه مسلمًا. (النهر الفائق، كتاب الصلاة، باب صلاة الجنائز، مكتبة زكريا



## امامت جنازہ کیلئے سلطان و امام جی ولی سے احق ہیں یا ولی زیادہ حقدار ہے؟

**سوال (۶۹۲):** قدیم ۱/۲۹- بادشاہ یا قاضی یا امام جی حاضر ہونے کے ساتھ ولی میت یا وصی

میت کے واسطے نماز پڑھانا جائز ہے یا نہیں مگر اتفاق سے پڑھا دے تو نماز دہرانا ہوگا یا نہیں؟

**الجواب :** وصی میت کا تو اس میں کوئی حق نہیں البتہ ولی صاحب حق ہے مگر سلطان و قاضی

و امام جی اس سے مقدم ہے (۱) لیکن اگر ولی نے بوجہ حاضر رہنے ان مذکورین کے نماز پڑھائی تو گو ترک واجب کیا (\*) مگر نماز ہوگئی اعادہ اس کا نہ کیا جاوے گا۔ علامہ شامیؒ نے اقوال مختلفہ میں اس کی تصحیح اور ترجیح لکھی ہے۔ واللہ اعلم

۲۰/ ذی الحجۃ ۱۳۲ھ (تتمہ اول ص ۳۶)

(\*) درمختار میں ہے کہ ولی پر سلطان و قاضی کی تقدیم تو وجوباً ہے؛ لیکن امام جی کی تقدیم صرف استحباباً ہے اور وہ بھی اس صورت میں کہ امام جی ولی سے افضل ہو اور اگر ولی افضل ہو تو پھر اسی کی امامت امام جی سے اولیٰ ہے۔

و تقدیم امام الحی مندوب فقط بشرط أن يكون أفضل من الولی، وإلا فالولی اولیٰ، كما في المعتمد و شرح المجمع المصنف (در مختار) قوله: بشرط الخ نقل هذا الشرط في الحلیة، ثم قال: وهو حسن، و تبعه في البحر الخ (رد المختار ۱/۸۲۳)

و کذا فی فتاویٰ دارالعلوم جدید ۵/۲۳۰ واللہ اعلم سعید احمد پالن پوری

(۱) حضرت والا تھانویؒ نے امام جی اور محلّہ کی مسجد کے امام کو ولی پر مقدم قرار دیا ہے، اس کی وضاحت ضروری ہے کہ محلّہ کا وہ امام جو حاکم وقت کی طرف سے مقرر کردہ ہے، اس کو محلّہ کے لوگوں پر حاکم اور قاضی کی طرح ایک قسم کی ولایت حاصل ہوئی ہے، وہ نماز جنازہ پڑھانے میں ولی پر مقدم ہوتا ہے، حضرت والا تھانویؒ کے جواب میں یہی امام مراد ہے، جو حاکم یا قاضی کی طرف سے مقرر کردہ ہے، اس کے برخلاف محلّہ کی مسجد کا وہ امام جس کو محلّہ والوں اور مقتدیوں نے یا مسجد کے متولی یا کمیٹی نے مقرر کیا ہے، اس کا حکم محلّہ کے افراد اور مقتدیوں میں سے ایک فرد کی طرح ہے؛ کیونکہ محلّہ والے یا مسجد کے ذمہ داران جب چاہیں گے اس امام کو منصب امام سے برطرف کر سکتے ہیں؛ لہذا محلّہ والے اور مسجد کے ذمہ دار کو اس امام کے اوپر بالادستی حاصل ہے، وہ نماز جنازہ میں ولی پر فائق اور مقدم نہیں ہوگا؛ لہذا ولی کی اجازت کے بغیر اس کو نماز جنازہ پڑھانے کا حق نہیں ہوگا، اس بارے میں فقہی جزئیات ملاحظہ فرمائیے: اس کو البحر الرائق میں ان الفاظ سے نقل فرمایا ہے: ←

## تلقین قبور کی تحقیق

**سوال (۶۹۳):** قدیم ۱/۲۹- تلقین القبور کے جواز و عدم جواز میں کوئی صورت مفتی بہ ہے؟

**الجواب:** فی الدرالمختار: ولا یلحق بعد تلحیدہ وفي ردالمحتار ذکر فی

المعراج: أنه ظاهر الرواية اه جلد اول ص ۸۹۰ (۱)

اور ترجیح ظاہر روایت کو ہوتی ہے اور اس کے بعد میں جو تلقین کی مشروعیت کو نقل کیا ہے سواول تو اس کے دلائل ضعیف ہیں بعض ثبوتاً بعض دلالتاً پھر اس پر سب متفق ہیں کہ ضروری نہیں اور غیر ضروری میں جب کوئی مفسدہ ہو مٹروک ہو جاتا ہے اور اس میں تشبہ بالروافض ہے اس لئے قابل ترک ہوا۔ (۲) واللہ اعلم  
۲۰/ ذی الحجۃ ۱۴۲۷ھ (تمہ اول ص ۴۶)

← وهذا خاص بإمام مسجد محلّيته والذي ظهر لي أنه إن كان مقرراً من جمعة القاضی فهو كئائبه وإن كان المقرر له الناظر فهو كالأجنبي الخ. (البحر الرائق، جدید زکریا دیوبند ۲/ ۳۱۶)

اس کو نہر الفائق میں ان الفاظ سے نقل فرمایا ہے:

وقد وقع الإشتباه في إمام المصلي الراتب المَجْعُول من قبل الواقف هل يقدم على الولي الحاقاً له بإمام الحي، والذي يظهر أنه إن كان مقرراً من جهة القاضي فكئائبه وإن كان جهة الناظر فكالأجنبي الخ. (النهر الفائق، جدید زکریا دیوبند ۱/ ۳۹۱)  
شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

(۱) الدرالمختار مع الشامی، زکریا دیوبند ۳/ ۸۰، کراچی ۱۹۱/۲.

(۲) حضرت والا تھانویؒ نے بعض مفسدہ کے خطرے کی وجہ سے ظاہر الروایۃ کے پیش نظر قابل ترک قرار دیا ہے، اور علامہ شامیؒ نے کئی عبارات نقل فرمانے کے بعد آخر میں جواز کے پہلو کو ترجیح دی ہے، اور بعض احادیث میں اس کا ثبوت ہے، مگر حدیث شریف متکلم فیہ اور ضعیف ہے؛ لیکن موضوع بھی نہیں ہے، اس لئے اگر مفسدہ کا اندیشہ ہو یا لازم اور ضروری سمجھنے لگے تو قابل ترک ہے اور اگر ایسی کسی بات کا خطرہ نہ ہو، تو قبر میں رکھنے کے بعد اس طرح تلقین کی گنجائش ہے، اس بارے میں المعجم الکبیر میں حضرت ابوامامہ باہلیؓ کی روایت مروی ہے ملاحظہ فرمائیے: ←

## مردہ کے ہاتھ حضور ﷺ کی خدمت میں سلام کہنا

**سوال (۶۹۴):** قدیم ۱/۲۹۱- بعض جگہ دستور ہے کہ جب مردہ کو نہلا کر کفن پہنایا جاتا ہے

اس وقت اس مردے کے کان میں کہہ دیتے ہیں کہ میرا رسول اللہ ﷺ کو سلام کہنا، یہ کیسا ہے؟

**الجواب:** بعض سلف سے ثابت ہے کہ مردہ کے ہاتھ برزخ والوں کو سلام کہہ دیتے تھے اس بناء پر

جائز ہے۔ مگر یہ اسی حالت میں ہو سکتا ہے جب مردہ بات کے سننے سمجھنے کے لائق ہو یعنی موت کے قبل ہوش

میں ہونے کے بعد کفنانے کے کہ محض مہمل ہے۔ (۱) (تتمہ اول ص ۴۷)

← عن سعيد بن عبد الله الأؤدي قال: شهدت أبا أمانة وهو في النزع فقال: إذا أنا مت فاصنعوا بي كما أمرنا رسول الله صلى الله عليه وسلم أن نصنع بموتانا، أمرنا رسول الله صلى الله عليه وسلم فقال: إذا مات أحد من إخوانكم فسوitem التراب على قبره فليهم أحدكم على رأس قبره، ثم ليقل يا فلان بن فلانة فإنه يسمعه ولا يجيب، ثم يقول يا فلان بن فلانة فإنه يستوي قاعدًا، ثم يقول يا فلان بن فلانة فإنه يقول أرشدنا رحمك الله ولكن لا نشعرون فليقل اذكر ما خرجت عليه من الدنيا شهادة أن لا إله إلا الله وأن محمدًا عبده ورسوله وإنك رضيت بالله ربًا وبالإسلام دينًا وبمحمد نبيًا وبالقرآن إمامًا فإن منكرًا ونكيرًا يأخذ واحد منهما بيد صاحبه ويقول انطلق بنا ما نقعد عند من قد لقن حجة فيكون الله، حجيجه دونهما فقال رجل: يا رسول الله فإن لم يعرف أمه فينسبه إلى حواء يا فلان بن حواء الحديث. (المعجم الكبير ۸/۲۵۰، رقم: ۷۹۷۹)

مجمع الزوائد ۳/۴۵.

فتح الملہم شرح مسلم میں کافی تفصیل ہے ملاحظہ ہو فتح الملہم قدیم ۲/۴۶۶۔

شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

(۱) موت سے قبل ہوش و حواس باقی رہنے کی حالت میں قریب المرگ مریض کے ہاتھ رسول اکرم صلی

اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں سلام کہلوانا حدیث سے ہے، مگر روح نکل جانے کے بعد میت کے ہاتھ سلام کہلوانا ثابت

نہیں ہے؛ اس لئے حضرت والا تھانویؒ نے موت کے بعد سلام کہلوانے۔ ←

## وضو کا پانی قبر پر گرانا

**سوال (۶۹۵):** قدیم ۱/۳۰- قبر کے اوپر وضو کا پانی گرانا جائز ہے یا نہیں؟

**الجواب:** وفي رد المحتار من الفتح: ويكره الجلوس على القبر ووطؤه. وفي الدر المختار: آداب الوضوء والجلوس في مكان مرتفع تحرزاً عن الماء المستعمل،

← محض مہمل بتلایا ہے: موت سے قبل قریب المرگ شخص کے ذریعہ سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں سلام کہلوانے کی۔

روایت ملاحظہ فرمائیے:

عن محمد بن المنكدر قال دخلت على جابر بن عبد الله وهو يموت فقلت اقراء على رسول الله صلى الله عليه وسلم "السلام" الحديث. (سنن ابن ماجه، كتاب الجنائز، باب ما يقال عند المريض إذا حضر، النسخة الهندية ۱۰۴، مكتبة دار السلام رياض رقم: ۱۴۵۰)

اسی طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے علاوہ کسی دوسرے مسلمان میت کے پاس بھی سلام کہلوانے کی بات حدیث سے ثابت ہے۔ ملاحظہ فرمائیے:

عن عبد الرحمن بن كعب بن مالك عن أبيه قال: لما حضرت كعباً الوفاة أتته أم بشر بنت البراء بن معرور فقالت: يا أبا عبد الرحمن إن لقيت فلاناً فاقرأ عليه مني السلام قال غفر الله لك يا أم بشر نحن اشغل من ذلك، قالت: يا أبا عبد الرحمن أما سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول: أن أراح المؤمنين في طير خضر، تعلق بشجر الجنة، قال: بلى! قالت: فهو ذاك الحديث. (سنن ابن ماجه، كتاب الجنائز، باب ما يقال عند المريض إذا حضر، النسخة الهندية ۱۰۴، مكتبة دار السلام رياض رقم: ۱۴۴۹)

ملا علی قارئ نے مرقات میں بخاری کے حوالہ سے:

حضرت خالدہ بنت عبد اللہ بن انیس قالت جاء ت أم أنيس بنت أبي قتادة بعد موت أبيها بنصف شهر إلى عبد الله بن أنيس ومريض فقالت: يا عم اقراء أبي السلام الحديث. (مرقاۃ ملتان قبیل باب غسل الميت ۴/۳۰)

شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

وفي رد المحتار: لوقوع الخلاف في نجاسته ولأنه مستقذر ولذا كره شربه والعجن به على القول الصحيح بطهارته وفيه مكروهات الوضوء أو في المسجد. (۱)  
ان روایات میں تامل کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ چونکہ قبر بھی محترم اور ماء وضو مستقذر ہے اس لئے قبر پر وضو کا پانی گرانہ چاہئے باقی جزئیہ نظر سے نہیں گزرا۔ فقط (تمہ اول ص ۴۷)

## قبر کو مسجد کے اندر داخل کرنا

**سوال (۶۹۶):** قدیم ۳۰/۱۔ مسجد بڑھا کر قبر کو اندر کر لینا درست ہے یا نہیں اور اس کے اوپر جوتیاں وغیرہ اتارنا درست ہے یا نہیں؟

**الجواب:** في رد المحتار: إذا بلى الميت وصارت راباً يجوز زرعه والبناء عليه ومقتضاه جواز المشى فوقه ص ۹۵۴ ج ۱. (۲)  
اس روایت سے معلوم ہوا کہ اگر قبر پرانی ہو جاوے کہ بغالب گمان اس میں مردہ خام ہو گیا ہو تو یہ سب امور مذکورہ سوال جائز ہے۔ (تمہ اول ص ۴۷)

(۱) شامی، کتاب الجنائز، مطلب في إهداء ثواب القراءة للنبي صلى الله عليه وسلم، مكتبة ايج ايم سعيد کمپنی کراچی ۲/۲۵، مكتبة زكريا ديوبند ۳/۱۵۴۔  
(۲) شامی، جنائز، مطلب إهداء ثواب القراءة للنبي صلى الله عليه وسلم، مكتبة زكريا ديوبند ۳/۱۵۵، کراچی ۲/۲۵۵۔

لو أن مقبرة من مقابر المسلمين عفت فبنى قوم عليها مسجداً لم أربدلك بأساً وذلك لأن المقابر وقف من أوقاف المسلمين لدفن موتاهم لا يجوز لأحد أن يملكها فإذا درست واستغنى عن الدفن فيها جاز صرفها إلى المسجد لأن المسجد أيضاً وقف من أوقاف المسلمين لا يجوز تملكه لأحد معناهما على هذا واحد وذكر أصحابنا أن المسجد إذا خرب ودثر ولم يبق حوله جماعة والمقبرة إذا عفت ودثرت تعود ملكاً لأربابها فإذا عادت ملكاً يجوز أن يبنى موضع المسجد داراً وموضع المقبرة مسجداً وغير ذلك فإذا لم يكن لها أرباب تكون لبيت المال الخ. (عمدة القاري قديم ۴/۱۷۹، جديد زكريا ديوبند ۳/۴۳۵، تحت رقم الحديث: ۴۲۸)

تفصیل کے لئے فتاویٰ قاسمیہ ۱۸/۱۳۱ تا ۱۳۴/۱ کا ملاحظہ فرمائیے۔ شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

## قبرستان میں ہاتھ اٹھا کر دعا کرنا

**سوال (۶۹۷):** قدیم ۱/۳۰۷- قبرستان میں ہاتھ اٹھا کر دعا مانگنا درست ہے یا نہ؟

**الجواب:** فی رد المحتار: اداب زیارة القبور، ثم یدعو قائماً طویلاً۔

اس سے دعا کا جائز ہونا ثابت ہوا اور ہاتھ اٹھانا مطلقاً آداب دعا سے ہے پس یہ بھی درست ہوا۔ (۱)

۱۲ ربیع الاول ۱۳۲۹ھ (تمتہ اول ص ۴۷)

(۱) قبرستان میں ہاتھ اٹھا کر دعا مانگنا حدیث سے ثابت ہے، پس اتنا خیال رکھا جائے قبر سے اپنا منہ دوسری طرف موڑ کر دعا کی جائے۔  
روایات ملاحظہ فرمائیے:

عن عبد الله بن مسعود أنه قال: لكانني أرى رسول الله صلى الله عليه وسلم في غزوة تبوك، وهو في قبر عبد الله ذي النجادين (إلى ما قال) فلما فرغ من دفنه استقبل القبلة رافعاً يديه يقول: اللهم إني أمسيت راضياً فارض عنه. (اسد الغابة، دار الفكر ۴/ ۱۲۴، مرقاة شرح المشكوة، باب في دفن الميت، الفصل الثاني، مكتبة إمدادية ملتان ۴/ ۷۵)

وفي حديث ابن مسعود رأيت رسول الله صلى الله عليه وسلم في قبر عبد الله ذي النجادين، الحديث، وفيه: فلما فرغ من دفنه استقبل القبلة رافعاً يديه، أخرجه أبو عوانة في صحيحه. (فتح الباری، کتاب الدعوات، باب الدعاء مستقبلاً القبلة، بیروت قدیم ۱۱/ ۴۴۴، اشرفیة ۱۱/ ۱۷۳، تحت رقم الحديث: ۶۳۴۳)

وعن عبد الله يعني ابن مسعود قال: لكانني اسمع رسول الله صلى الله عليه وسلم في غزوة تبوك وهو في قبر عبد الله ذي النجادين إلى ما قال: فلما فرغ من دفنه استقبل القبلة فقال: اللهم إني أمسيت عنه راضياً فارض عنه، رواه البزار عن شيخه عباد ابن أحمد العرزمي، وهو متروك. (مجمع الزوائد ۹/ ۳۶۹، منسند البزار، مكتبة العلوم والحكم رقم: ۱۷۰۶)

تفصیل کے لئے ملاحظہ فرمائیے فتاویٰ قاسمیہ، کتاب الجنائز ۱۰/ ۱۲۲ تا ۱۲۳۔

شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

## قبرستان میں جوتہ سمیت چلنا

**سوال (۶۹۸):** قدیم ۱/۳۱- قبرستان میں جو راستہ پڑا ہوا ہے اس پر سے جوتیاں پہن کر چلا جانا درست ہے یا نہیں اور بغیر راستے کے قبرستان میں جوتیاں پہن کر یا بغیر جوتیوں کے چلنا درست ہے یا نہیں۔ قبر کے نشانات نہیں ہیں؟

**الجواب:** في الدر المختار: يكره المشي في طريق ظن أنه محدث حتى إذا لم يصل إلى قبره الا بوطاً قبر تركه اه. (۱)  
اس سے معلوم ہوا کہ اگر نیا راستہ ہو تو اس پر چلنا درست نہیں۔

۱۲ ربیع الاول ۱۴۲۹ھ (تتمہ اول ص ۴۸)

(۱) الدر المختار مع الشامی، کتاب الجنائز، مکتبہ زکریا دیوبند ۱۵۴/۳، کراچی ۲/۲۴۵۔

اور شامی میں اس کی صراحت ہے کہ اگر پہلے سے قبروں کے اوپر سے راستہ بنا ہوا ہے، تو اس پر سے چلنے میں کوئی مضائقہ نہیں اور اگر پہلے سے راستہ نہیں تھا اور ابھی نیا راستہ قبر کے اوپر سے بنایا گیا ہے تو اس پر سے چلنا مکروہ ہے، ہاں البتہ اگر ثواب پہنچانے کے لئے کچھ آیتوں وغیرہ کی تلاوت کرتے ہوئے چلتے ہیں تو اس نیا راستہ کے اوپر سے بھی چلنا بلا کراہت جائز ہے۔ ملاحظہ فرمائیے:

قلت: وفي الأحكام عن الخلاصة وغيرها: لو وجد طريقاً إن وقع في قلبه أنه محدث لايمشي عليه وإلا فلا بأس به. وفي خزنة الفتاوى: وعن أبي حنيفة: لا يوطأ القبر الا للضرورة، ويزار من بعيد ولا يقعد، وإن فعل يكره، وقال بعضهم: لا بأس بأن يطأ القبور وهو يقرأ أو يسبح أو يدعو لهم. اه وقال في الحلية: وتكره الصلاة عليه وإليه لو رود النهي عن ذلك؛ ثم ذكر عن الإمام الطحاوي أنه حمل ما ورد من النهي عن الجلوس على القبر على الجلوس لقضاء الحاجة، وأنه لا يكره الجلوس لغیره جمعا بين الآثار، وأنه قال: إن ذلك قول أبي حنيفة، وأبي يوسف، ومحمد، ثم نازعه بما صرح به في النوار والتهفة والبدائع والمحيط وغيره من أن أبا حنيفة كره وطء القبر والقعود أو النوم أو قضاء الحاجة عليه، وبأنه ثبت النهي عن وطئه والمشى عليه، وتسامه فيها، وقيد في نور الإيضاح كراهة القعود على القبر بما إذا كان لغیر

قراءة. (فتاویٰ شامی، کتاب الجنائز، مکتبہ زکریا دیوبند ۱۵۴/۳، کراچی ۲/۲۴۵)

## غسل کے وقت میت کے نجس کپڑے کو پاک کرنا

**سوال (۶۹۹):** قدیم ۱/۳۱- میت کو غسل دینے کے وقت جو کپڑا ناف سے گھٹنے تک رکھا گیا ہے پہلی دفعہ جب نجاست دور کی گئی تو وہ پانی کپڑے کو بھی لگا تو اب وہی کپڑا کفایت کرے گا یا دوسرا رکھا جاوے؟

**الجواب:** دوسرا پہلے کو پاک کر کے رکھیں۔ (۱)

۲۹ ربیع الثانی ۱۳۲۹ھ (تمنہ اول ص ۴۸)

## ظاہری نجاست اگر نہ ہو تب بھی کپڑے پر اول جو تری لگے گی کپڑا ناپاک ہو جائیگا

**سوال (۷۰۰):** قدیم ۱/۳۱- اور اگر وہی کپڑا رہے تو صاف کر کے رکھا جاوے یا ویسے ہی بدستور رہے اور اگر نجاست ظاہری نہ ہو تو تر ہونے سے کپڑا ناپاک ہو جاتا ہے یا نہیں اور میت کی شرمگاہ سے نجاست بذریعہ کلوخ دور کرنا بہتر ہے یا بذریعہ پانی؟

(۱) ثم مسح بطنه فإن سال منه شيء مسح كىلا يتلوث الكفن، ويغسل ذلك الموضوع تطهيراً له عن النجاسة الحقيقية. (بدائع الصنائع، كتاب الصلاة، كيفية غسل الميت، مكتبة زكريا ديوبند ۲/۲۷)

وبطرو النجاسة بعده لا يعاد بل يغسل موضعها. (شامي، كتاب الصلاة، باب صلاة الجنائز، مكتبة زكريا ديوبند ۳/۸۹، کراچی ۲/۱۹۷)

والتطهير لا يحصل إذا غسل مع ثيابه لأن الثوب متى تنجس بالغسالة تنجس به بدنه ثانياً بنجاسة الثوب فلا يفيد الغسل. (عناية على هامش فتح القدير، كتاب الجنائز، ۲/۱۰۸، مكتبة زكريا ديوبند، كفاية مع فتح القدير، كتاب الصلاة، باب الجنائز، فصل في الغسل، مكتبة زكريا ديوبند ۲/۳۲)

شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ



**الجواب:** في رد المحتار: باب الجنابة تحت قول الدر المختار قيل نجاسة

خبث الخ ويؤيده إطلاق محمد نجاسة غسالته. (۱)

اس سے معلوم ہوا کہ قبل غسل جو پانی اس کو لگا ہے وہ ناپاک ہے پس تر ہونے سے کپڑا ناپاک ہو جاوے گا اور نجاست کا ازالہ پانی سے کافی ہے۔ (۲)

۲۹/ربیع الثانی ۱۳۲۹ھ (تمہ اول ص ۴۸)

## قبرستان میں نماز جنازہ پڑھنے کی تحقیق

**سوال (۷۰۱):** قدیم ۱/۳۱- قبرستان میں اکثر دیہات میں جنازہ کی نماز پڑھی جاتی ہے قبرستان کو پس پشت یا داہنے یا بائیں کر لیا جاوے اس وقت یہ نماز یا اور نماز پڑھ لینے سے بے کراہت درست ہوگی یا نہیں؟

(۱) شامی، باب صلاة الجنائز، مکتبہ زکریا دیوبند ۸۴/۳، کراچی ۱۹۴۲۔

لأن الثوب متى تنجس بالغسالة يتنجس بدنه ثانياً بنجاسة الثوب فلا يفيد الغسل. (الكفاية مع فتح القدير، كتاب الصلاة، باب الجنائز، فصل في الغسل، مکتبہ زکریا دیوبند ۳۲/۲) والتطهير لا يحصل إذا غسل مع ثيابه لأن الثوب متى تنجس بالغسالة تنجس به بدنه ثانياً بنجاسة الثوب فلا يفيد الغسل. (العناية مع فتح القدير، كتاب الصلاة، باب الجنائز، فصل في الغسل، مکتبہ زکریا دیوبند ۱۰۸/۲)

(۲) يجوز دفع نجاسة حقيقية عن محلها بماء ولو مستعملاً. (الدر المختار مع

الشامی، کتاب الطهارة، باب الأنجاس، مکتبہ زکریا دیوبند ۵۰۹/۱، کراچی ۳۰۹/۱)

يطهر البدن والثوب بالماء وبمائع مزيل. (البحر الرائق، كتاب الطهارة، باب الانجاس،

مکتبہ زکریا دیوبند ۳۸۲/۱، کوئٹہ ۲۲۱/۱)

يجوز تطهير النجاسة بالماء وبكل مائع طاهر يمكن إزالته به. (الفتاوى

النهدية، كتاب الطهارة، الباب السابع في النجاسة وأحكامها، مکتبہ زکریا دیوبند

قدیم ۱/۴۱، جدید ۱/۹۶)

شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

**الجواب:** نماز جنازہ درست ہے (۱) اور دوسری نماز میں داہنے بائیں طرف بھی قبر نہ چاہئے۔

قیاساً علی التمثال حیث یکرہ إذا کان بحذاء یمنة ویسرة. (۲)

۳/ شعبان ۱۳۲۹ھ (تمتہ اول ص ۳۸)

(۱) ولا بأس بالصلاة فيها إذا كان فيها موضع أعد للصلاة وليس فيه قبر ولا نجاسة كما في الخانية ولا قبلته إلى قبر. (شامي، كتاب الصلاة، قبيل مطلب: تكره الصلاة في الكنيسة، مكتبة زكريا ديوبند ۴۲/۲، كراچی ۳۸۰/۱)

فتاویٰ قاضی خاں علی ہامش الہندیہ، کتاب الصلاة، فصل فی النجاسة التي تصيب الثوب الخ، مكتبة زكريا ديوبند ۲۹/۱، جدید زكريا ديوبند ۲۱/۱.

وكذا في المقبرة إذا كان فيها موضع آخر أعد للصلاة وليس فيه قبر ولا نجاسة. (البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب ما يفسد الصلاة، وما يكره فيها، مكتبة زكريا ديوبند ۵۸/۲، كوئٹہ ۳۳/۲)

فإن كان فيها موضع أعد للصلاة ليس فيه قبر ونجاسة لا بأس به، وفي الحاوي: وإن كانت القبور ما وراء المصلي لا يكره. (الفتاویٰ التاتارخانية، كتاب الصلاة، ما يكره للمصلي وما لا يكره ۲۱۳/۲، رقم: ۲۱۹۸، مكتبة زكريا ديوبند)

(۲) وكره..... أن يكون فوق رأسه أو بين يديه أو بحذاء یمنة ویسرة أو محل سجوده تمثال. (الدر المختار مع الشامی، كتاب الصلاة، باب ما يفسد الصلاة وما يكره فيها، مكتبة زكريا ديوبند ۴۱۶/۲-۴۱۷، كراچی ۶۴۸/۲)

وكره..... أن يكون فوق رأسه أو بين يديه أو بحذاء صورة..... وقولهم: ويكره التصاوير المراد بها التماثيل والمراد بحذاء یمينه ويساره. (البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب ما يفسد الصلاة ما يكره فيها، مكتبة زكريا ديوبند ۴۸/۲، كوئٹہ ۲۷/۲)

ويكره أن يكون فوق رأسه في السقف أو بين يديه أو بحذاء تصاوير أو صورة معلقة. (هداية مع فتح القدير، كتاب الصلاة، باب ما يفسد الصلاة، وما يكره فيها، فصل يكره للمصلي، مكتبة زكريا ديوبند ۴۲۷/۱-۴۲۸)

شیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

**سوال (۷۰۲):** قدیم ۱/۳۱- حد گورستان خواہ احاطہ گورستان کے اندر جہاں قبریں متعدد

ظاہر بھی ہیں اور زمین برابر ہوگئی ہے مگر قبریں ظاہر معلوم ہوتی ہیں اس جگہ نماز جنازہ پڑھنا کیسا ہے۔ فقط؟

**الجواب:** جائز ہے (۱) کیونکہ قبر نفس نعش سے زیادہ نہیں اور نعش کا سامنے ہونا جب جائز ہے

تو قبر کا بدرجہ اولیٰ جائز ہے۔ (۲) فقط

۳/رمزی الحجۃ ۱۳۲۹ھ (تتمہ اول ص ۴۹)

**سوال (۷۰۳):** قدیم ۱/۳۲- ایک مسجد کہنہ قناتی وسط قبرستان میں واقع ہے غرض بارہ سال

سے پہلے اس میں کبھی کبھی جماعت ہوا کرتی تھی فی الحال کسی وقت اس میں کوئی نماز نہیں ادا کرتا ہے اور اس

کے اطراف خراب ہو رہے ہیں اور مسجد کے چاروں طرف قبریں ہیں ایسی صورت میں اس مسجد میں نماز

جنازہ ادا کرنا درست ہے یا نہیں؟

(۱) قال أبو حنيفة: ولا ينبغي أن يصلي على ميت بين القبور، وكان علي وابن عباس

يكرهان ذلك، وإن صلوا أجزاءهم، لما روي أنهم صلوا على عائشة وأم سلمة بين مقابر

البقيع والإمام أبو هريرة وفيهم ابن عمر. (بدائع الصنائع، كتاب الصلاة، سنن الدفن، مكتبة

زكريا ديوبند ۲/۶۵)

البحر الرائق، كتاب الجنائز، فصل السلطان أحق بصلاته، مكتبة زكريا ديوبند

۲/۳۴۱، كوئٹہ ۲/۹۵۔

حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، كتاب الصلاة، باب أحكام الجنائز، فصل

السلطان أحق بصلاته ص: ۵۹۵، دار الكتاب ديوبند۔

وعن أبي حنيفة: لا ينبغي أن يصلي على ميت بين القبور، وإن صلوا أجزاءهم.

(الفتاوى التاتارخانية، كتاب الصلاة، باب الجنائز ۳/۷۳، رقم المسألة: ۳۷۴۰)

(۲) حضرت والا تھانویؒ نے اس فتویٰ سے رجوع فرمالیا ہے اور کراہت تنزیہی کا فتویٰ جاری

فرمایا ہے، جس کی وضاحت اگلے فتویٰ کے آخر میں ایک عنوان تحقیق کراہت صلوٰۃ جنازہ در مقبرہ کے تحت

آ رہا ہے وہاں ملاحظہ فرمائیے۔

شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

## الجواب: نہیں۔ (۱)

۱۵/ جمادی الاول ۱۳۳۱ھ

تمتہ سوال بالا: سو اس مسجد کے جہاں کہیں جنازہ رکھا جائیگا قبر کا سامنا ہوگا؟

الجواب: کچھ حرج نہیں جب خود جنازہ ہی سامنے ہے پھر قبر کا کیا حرج ہے۔ (۲)

تمتہ سوال بالا: عرصہ ۷ یا ۸ سال سے اس میں نماز جنازہ ادا کرتے ہیں گویا وہ اسی مصرف

میں خاص کر لیا ہے؟

الجواب: کسی کو اختیار نہیں۔ (۳)

(۱) عن أبي هريرة قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: من صلى على جنازة في المسجد فلا شيء له. (أبو داود شريف، كتاب الجنائز، باب الصلاة على الجنازة في المسجد ۴/۵۵۴، رقم: ۳۱۹۱)

وكرهت تحريماً وقيل تنزيهاً في مسجد جماعة هو الميت فيه وحده أو مع القوم.  
(الدر المختار على الشامى، باب صلاة الجنازة، مكتبة زكريا ديوبند ۳/۱۲۶، كراچی ۲/۲۲۵)  
(۲) ولا في مسجد لحديث أبي داود مرفوعاً من صلى على ميت في المسجد فلا أجر له وفي رواية: فلا شيء له. (البحر الرائق، كتاب الجنائز، فصل السلطان أحق بصلاته، مكتبة زكريا ديوبند ۲/۳۲۷، كوثنه ۲/۱۸۶)

وصلاة الجنازة في المسجد الذي تقام فيه الجماعة مكروهة. (الفتاوى الهندية، باب صلاة الجنازة، الفصل الخامس في الصلاة على الميت، مكتبة زكريا ديوبند قديم ۱/۱۶۵، جديد زكريا ۱/۲۲۶)

(۳) إذا خربت القرية التي فيها المسجد وجعلت مزارع وخرّب المسجد فلا يصلى فيه أحد فلا بأس بأن يأخذه صاحبه يبيعه ممن يجعله مزرعة لنفسه، وهو قول محمد، وقال أبو يوسف: لا يعود إلى ملك الباني، إن كان حياً ولا إلى ورثة إن كان ميتاً وهو مسجد أبداً على حاله. وفي الخانية: والفتوى على قول أبي يوسف أنه لا يعود إلى ملكه أبداً. (الفتاوى التاتارخانية، كتاب الوقف، مسائل وقف المسجد ۸/۱۶۴، رقم: ۱۱۵۲۱-۱۱۵۱۹) ←

البتہ اگر بناء اس کی اسی نیت سے ہوتی تو پھر وہ مسجد نہ ہوتی۔ (۱)

(تمتہ ثانی ص ۲۷)

**سوال (۷۰۴):** قدیم ۱/۳۲- کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین کہ نماز جنازہ اس میدان میں جہاں سے کہ بعض قبور نظر آتی ہوں اور درمیان میں دیوار حائل ہو یا نہ ہو بلا کراہت جائز ہے یا نہ؟ بینوا تو جروا۔

**الجواب:** قبر کی طرف جو نماز مکروہ ہے تو بوجہ اس کے کہ وہ مشتمل ہے میت پر جس میں احتمال ہے عبادت غیر اللہ کا اور نماز جنازہ میں خود میت ہی کا روبرو ہونا جائز رکھا گیا ہے تو قبر کا سامنے ہونا تو بدرجہ اولیٰ (۲)

← ولو خرب ما حوله واستغنى عنه يبقى مسجدا عند الإمام. والثاني: أبداً إلى قيام الساعة وبه يفتي حاوي القدسي. (الدر المختار على الشامي، كتاب الوقف، مطلب فيما لو خرب المسجد أو غيره، مكتبة زكريا ديوبند ۶/۵۴۸، کراچی ۴/۳۵۸)

(۱) أما المسجد الذي بنى لأجل صلاة الجنازة فلا تكره فيه، كذا في التبيين. (الفتاویٰ الهندية، باب صلاة الجنازة، الفصل الخامس في الصلاة على الميت، مكتبة زكريا ديوبند قدیم ۱/۱۶۵، زکریا جدید ۱/۲۲۶)

تبیین الحقائق، باب الجنائز، مكتبة زكريا ديوبند ۱/۵۷۹۔

لأنهم يحترزون به عن المسجد المبتني لصلاة الجنازة، فإنها لا تكره فيه مع أن الصحيح أنه ليس بمسجد لأنه ما أعد للصلاة حقيقة لأن صلاة الجنازة ليست بصلاة حقيقة، وحاجة الناس ماسة إلى أنه لم يكن مسجداً توسعة للأمر عليهم. (البحر الرائق، كتاب الجنائز، فصل السلطان أحق بصلاته، مكتبة زكريا ديوبند ۲/۳۲۸، کوئٹہ ۲/۱۸۷)

ولابأس بالصلاة فيها إذا كان فيها موضع أعد للصلاة وليس فيه قبر ولا نجاسة كما في الخانية: ولا قبلته إلى قبر. (رد المختار، كتاب الصلاة، قبيل مطلب تكره الصلاة في الكنيسة مكتبة زكريا ديوبند ۲/۴۲، کراچی ۱/۳۸۰)

(۲) وشرطها..... ووضعه أمام المصلي وكونه للقبلة. (الدر المختار على الشامي،

باب صلاة الجنازة، مطلب في صلاة الجنازة، مكتبة زكريا ديوبند ۳/۱۰۴، کراچی ۲/ ) ←

یہ تحقیقی جواب ہے اس سوال کا اور سائل نے خط میں جو بعض غیر مقلدین سے نقل کیا ہے کہ انہوں نے عدم جواز نماز جنازہ قبور کے قریب کا حکم لگا دیا ہے تو اگر وہ اہل انصاف ہوں تب تو ان کے جواب کیلئے یہ حدیث کافی ہے جس کو شیخین نے روایت کیا ہے۔

عن ابن عباس أن رسول الله ﷺ مر بقبر دفن ليلا فقال: متى دفن هذا فقالوا البارحة قال أفلا اذ تنمونى فقالوا دفناه في ظلمة الليل فكرهنا إن نوقطك فقام فصففنا خلفه فصلى عليه. (۱)

دیکھئے اس حدیث میں تصریح ہے کہ آپ نے نماز جنازہ اس طرح پڑھی کہ قبر سامنے تھی اور اگر وہ اہل اعتساف ہوں تو ان سے خطاب بیکار ہے اپنی تسلی حاصل کر کے عمل کرنا چاہئے۔

۲۶/ رمضان المبارک ۱۴۲۷ھ (تمتہ خامسہ ص ۲۴۴)

← وزاد في فتح القدير وغيره شرطاً ثالثاً في الميت وهو وضعه أمام المصلي، فلا تجوز على..... ولا موضوع متقدم عليه المصلي لأنه كالإمام من وجه دون وجه. (البحر الرائق، كتاب الجنائز، فصل السلطان أحق بصلاته، مكتبة زكريا ديوبند ۳۱۴/۲، كوئٹہ ۱۷۹/۲)

وشرط صحتها..... ووضعها أمام المصلي، فلهذا القيد لا تجوز على غائب..... ولا موضوع متقدم عليه المصلي وهو كالإمام من وجه. (فتح القدير، كتاب الصلاة، فصل في الصلاة على الميت، مكتبة زكريا ديوبند ۱۲۰/۲)

وشرائطها ستة..... الثالث تقدمه أمام القوم، فلو خلفهم لا تصح، لأنه كالإمام من وجه. (حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، كتاب الصلاة، فصل الصلاة عليه ص: ۵۸۲، دار الكتاب ديوبند)

(۲) صحيح البخاري، كتاب الجنائز، باب صفوف الصبيان مع الرجال على الجنائز ۱/ ۱۷۶، رقم: ۱۳۰۷، ف: ۱۳۲۱۔

صحيح مسلم، كتاب الجنائز، باب في الصلاة على القبر، النسخة الهندية

۳۰۹/۱، رقم: ۹۵۴۔ ←

## قبرستان میں نماز جنازہ کے مکروہ ہونے کی تحقیق

میں نے ایک زمانہ میں اس کے جواز کا فتویٰ دیا تھا، چنانچہ تہمہ جلد اول فتاویٰ امدادیہ ص ۴۹ پر وہ فتویٰ درج ہے اور اس کے جواز کی تقویت میں اس سے استدلال کیا گیا تھا کہ قبر خود لعش سے زیادہ نہیں اور لعش کے سامنے جائز ہے تو قبر کے سامنے بدرجہ اول جائز ہے الخ لیکن ایک عزیز نے شرح جامع صغیر میں یہ حدیث دکھائی۔

نہی أن یصلی علی الجنائز بین القبور (طس عن انس) (۱)

← حدثنا الشعبي قال: أخبرني من رأي النبي صلى الله عليه ورأي قبراً منتبذاً فصف أصحابه فصلی عليه فقيل له: من أخبرك فقال ابن عباس. (ترمذي شریف، أبواب الجنائز، باب ما جاء في الصلاة على القبر ۲۰۱/۱، رقم: ۱۰۳۷)

وقال عبد الله بن المبارك: إذا دفن الميت ولم یصلی عليه صلي على القبر. (ترمذي شریف، ۲۰۱/۱، رقم: ۱۰۳۷)

عن أبي هريرة أن امرأة سوداء أو رجلاً كان يقيم المسجد ففقده النبي صلى الله عليه وسلم فسأل عنه، فقيل: مات، فقال: ألا أذنتموني به، قال: دلوني على قبره فدلوه فصلی عليه. (أبوداؤد شریف، کتاب الجنائز، باب الصلاة على القبر ۴۵۷/۱، رقم: ۳۲۰۳) شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

(۱) عن أبي مرثد الغنوي قال: قال النبي صلى الله عليه وسلم: لا تجلسوا على القبور ولا تصلوا إليها. (ترمذي شریف، أبواب الجنائز، باب ما جاء في كراهية الوطئ على القبور والجلوس عليها ۲۰۳/۱، رقم: ۱۰۵۰)

مسلم شریف، کتاب الجنائز، باب النهي عن الجلوس على القبر والصلاة عليه

۳۱۲/۱، رقم: ۹۷۲ -

قال أبو حنيفة: ولا ينبغي أن یصلی علی میت بین القبور، وكان علي وابن عباس ←

اور اس کی وجہ یہی بیان کی ہے۔

فإنها صلوٰۃ شرعیة والصلوٰۃ فی المقبرة مکروه تنزیہاً. (۱)

اور یہ بھی کہا ہے اسنادہ حسن یہ اس باب میں صریح روایت ہے اور درایت محضہ پر روایت محضہ مقدم ہے لہذا اس فتویٰ سابقہ سے رجوع کرتا ہوں، گو نماز ادا ہو جائے گی مگر کراہت کا حکم کیا جائے گا جیسا کہ عزیزی کا قول اوپر نقل کیا گیا ہے۔

اور غور کرنے سے اس درایت کا جواب بھی ذہن میں آ گیا، وہ یہ کہ فقہاء نے نمازی کے سامنے شمع و سراج کے ہونے کو جائز فرمایا ہے اور انگارے کے سامنے ہونے کو مکروہ فرمایا ہے اور وجہ فرق کی یہ بیان کی ہے۔

لأنه لم یبعدهما أحد والمجوس یعدون الجمر لا النار الموقدة. (۲) (درمختار، ورد المختار ۱/۱۱۰)

← یکرهان ذلک، وإن صلوا أجزاءهم، لما روي أنهم صلوا على عائشة وأم سلمة بين مقابر البقيع والإمام أبوهريرة وفيهم ابن عمر رضي الله عنهم. (بدائع الصنائع، کتاب الصلاة، فصل وأما سنن الدفن، مکتبہ زکریا دیوبند ۲/۶۵، بیروت ۲/۳۵۹) البحر الرائق، کتاب الجنائز، فصل السلطان أحق بصلاته، مکتبہ زکریا دیوبند ۲/۳۴۱، کوئٹہ ۲/۱۹۵۔

حاشیہ الطحطاوی علی مراقی الفلاح، کتاب الصلاة، باب أحكام الجنائز، فصل السلطان أحق بصلاته ص: ۵۹۵، دارالکتاب دیوبند۔

وکذا تکره فی أمانکن کفوق کعبه وفي طریق ومزبله ومجزرة ومقبرة. (الدر المختار علی الشامی، کتاب الصلاة، قبیل مطلب تکره الصلاة فی الكنيسة، مکتبہ زکریا دیوبند ۲/۴۲، کراچی ۱/۳۸۰)

(۱) کتاب دستیاب نہیں ہو سکی۔

(۲) الدر المختار مع الشامی، کتاب الصلاة، باب ما یفسد الصلاة وما یکره فیها

۲/۴۲۳، کراچی ۱/۶۵۲۔ ←



پس یہی فرق قبر اور نعش میں ہو سکتا ہے کہ قبر کی پرستش معقود ہے نعش کی معتاد نہیں۔ (۱) پس روایت کا شبہ بھی ساقط ہو گیا اور کراہت کا حکم محفوظ رہا۔ واللہ اعلم۔

خلاصہ یہ کہ روایت و درایت میں تعاض نہیں اور اگر تعارض ہوتا تب بھی روایت پر عمل ہوتا۔

**فرع:** چونکہ میرے فتویٰ سابقہ کو دیکھ کر مولانا محمد شفیع صاحب مدرس دارالعلوم دیوبند نے اپنے فتویٰ کراہت سے رجوع کر لیا تھا۔

کما فی رسالۃ ”المفتی“ لشوال سنة ۵۵۷ تحت عنوان ”اختیار الصواب“ مفصلاً اس لئے اپنی تحقیق حال کی اطلاع ان کو بھی ظاہر کر دی ہے۔ اشرف علی

از فتاویٰ دارالعلوم دیوبند قدیم ۲ (۳۷۱) ۲۴ ذیقعدہ ۱۳۸۷ھ

## چادر نکالنے کیلئے قبر کھودنا

**سوال (۷۰۵):** قدیم ۱/۳۳۷- میت کے اوپر کی فالتو چادر قبر میں رہ گئی اور منہ قبر کا بند کرنے کے بعد مٹی ڈالنے کے بعد یاد آئی اس کا نکالنا جائز ہے یا نہیں اور اس چادر کے اندر رہنے سے کوئی گناہ ہے یا نہیں؟

**الجواب:** نکالنا جائز ہے۔

← وھكذا في البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب ما يفسد الصلاة وما يكره فيها، مكتبة زكريا دیوبند ۵۶/۲، کوئٹہ ۳۲/۲۔

حاشیۃ الطحطاوی علی مراقی الفلاح، کتاب الصلاة، فصل فی المکروہات، دارالکتاب دیوبند ص: ۳۶۲-۳۶۳۔

(۱) وکذا تکره فی أماکن..... ومقبرة، وفي الشامیة تحته: واختلف فی علتہ، فقیل لأن فیہا عظام الموتی وصدیدہم وهو نجس، وقیل: لأن أصل عبادة الأصنام اتخاذ قبور الصالحین مساجد؛ لأنه تشبه بالیہود۔ (شامی، کتاب الصلاة، مكتبة زكريا دیوبند ۴۲/۲،

کراچی ۱/۳۸۰)

شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

في الدر المختار: ولا يخرج منه بعد إهالة التراب إلا لحق آدمي وفي ردالمحتار  
كما إذا سقط في القبر متاع (إلى قوله) ولو كان المال درهماً بحر. (۱)  
اور ظاہر یہ ہے کہ اگر نہ نکالیں گناہ ہے کہ مال کی اضاعت ہے۔ فقط

۴ شعبان ۱۳۲۹ھ (تمہ اول ص ۴۸)

## بچہ کافر پر نماز جنازہ کی تحقیق

**سوال (۷۰۶):** قدیم ۱/۳۳۲۔ زید نے جو مسلمان ہے ایک غیر قوم کے شیرخوار بچے کو جس کا کوئی وارث نہ تھا اپنے یہاں پالا بچہ دو برس کے قریب زندہ رہ کر مر گیا ایسے بچے کا جنازہ پڑھنا چاہئے یا نہیں؟

(۱) الدر المختار مع الشامی، باب صلاة الجنابة، مطلب في دفن الميت، مكتبة زكريا  
دیوبند ۳/۱۴۵، کراچی ۲/۲۳۸۔

وإن سقط شيء من متاع القوم في القبر فلا بأس أن يحفروا التراب من ذلك  
الموضع، ويخرج المتاع من غير نبش الميت، وإن لم يمكنهم ذلك إلا بحضر الكل ونبش  
الميت فعلوا ذلك. (الفتاوى التاتارخانية، كتاب الصلاة، فصل في الجنائز، مكتبة زكريا دیوبند  
۳/۸۰، رقم: ۳۷۶۲)

ولا يخرج من القبر إلا أن تكون الأرض من مغسوبة..... وأشار بكون الأرض مغسوبة  
إلى أنه يجوز نبشه لحق الأدمي كما إذا سقط فيها متاعه..... أو دقن معه مال إحياء لحق  
المحتاج وقد أباح النبي صلى الله عليه وسلم نبش قبر أبي رغال لعصام من ذهب معه، كذا في  
المجتبى: قالوا: ولو كان المال درهماً. (البحر الرائق، كتاب الجنائز، فصل السلطان أحق  
بصلاته، مكتبة زكريا دیوبند ۲/۳۴۱، كوئٹہ ۲/۱۹۵)

وإن وقع في القبر متاع فعلم بذلك بعد ما أهالوا عليه التراب ينبش، قالوا:  
ولو كان المال درهماً. كذا في البحر الرائق. (الفتاوى الهندية، كتاب الصلاة، الباب الحادي  
العشرون في الجنائز، الفصل السادس في القبر والدفن، مكتبة زكريا دیوبند قدیم ۱/۱۶۷،  
زكريا جدید ۱/۲۲۸)

شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

**الجواب:** غیر قوم سے مراد اگر کافر ہے تو جواب یہ ہے کہ اس کے جنازہ کی نماز نہ

پڑھی جاوے گی۔ (۱)

لکونہ تبعاً لا بویہ فی الأحکام الدنیویہ.

۳/ ذی الحجہ ۱۳۲۹ھ (تمتہ اول ص ۴۹)

## مشرک کے بچہ پروردہ مسلم پر نماز جنازہ پڑھنا

**سوال (۷۰۷):** قدیم ۱/۳۴- زید نے ایک بچہ ایک سالہ یا دو سالہ ایک مشرک یا مشرکہ سے بعض زر خرید کیا یا یوں ہی لیکر لے پا لک بنا کر رکھا اور نام بھی اس کا اسلام رکھ دیا اور ختنہ بھی کرا دیا بعد گزرنے دو چار ماہ کے وہ لڑکا مر گیا تو اب سوال یہ ہے کہ اس بچہ کی تجہیز و تکفین بطریق اسلام کی جاوے گی یا نہیں؟ اور نماز جنازہ اس پر پڑھی جاوے گی یا نہیں اگر از روئے اسلام اسکی تجہیز و تکفین نہ کی جاوے تو اس کی لاش کیا کیا جاوے؟ بینواتو جروا۔

(۱) کصبي سبي مع أحد أبويه لا يصلي عليه؛ لأنه تبع له أي في أحكام الدنيا، وفي الشامية تحته: وبالأولى إذا سبي معهما، ولا فرق بين كون الصبي مميّزاً أولاً، ولا بين موته في دار الإسلام أو الحرب ولا بين كون السابي مسلماً أو ذمياً؛ لأنه مع وجود الأبوين لا عبرة للدار ولا للسابي؛ بل هو تابع لأحد أبويه إلى البلوغ مالم يحدث إسلاماً وهو مميز. (الدر المختار مع الشامي، باب صلاة الجنائز، مكتبة زكريا ديوبند ۱۳۲/۳، کراچی ۲۲۸/۲-۲۲۹)

کصبي سبي مع أحد أبويه أي لا يصلي عليه لأنه تبع لهما للحديث كل مولود يولد على الفطرة، فأبواه يهودانه. (البحر الرائق، كتاب الجنائز، فصل السلطان أحق بصلاته، مكتبة زكريا ديوبند ۲/۳۳۱، کوئٹہ ۲/۳۸۹)

وعن محمد إذا اشترى الرقيق الصغار في دار الحرب فمات أحد منهم في دار الحرب لا يصلي عليه. (الفتاوى التاتارخانية، كتاب الصلاة، فصل في الجنائز، القسم الثالث في بيان من يصلي عليه ۲/۵۷، رقم: ۳۷۱۰)

شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

**الجواب:** في الدر المختار: كصبي سبي مع أحد أبويه لا يصلى عليه؛ لأنه اتبع له أي في أحكام الدنيا. وفي رد المحتار: قوله: كصبي سبي مع أحد أبويه وبالأولى إذا سبي معهما إلى قوله لأنه مع وجود الأبوين لا عبرة للدار ولا للسبب؛ بل هو تابع لأحد أبويه إلى البلوغ ما لم يحدث إسلاماً وهو مميز كما صرح به في البحر. (۱)

اس روایت سے معلوم ہوا کہ جب کہ وہ بچہ خود سن تمیز کو نہیں پہنچا اور ماں باپ اس کے کافر ہیں اسلئے نہ اس کی تجہیز و تکفین مسلمان کی طرح ہوگی اور نہ اس کی نماز پڑھی جاوے گی بلکہ اس کو مثل ثوب نجس کے دھو کر ایک کپڑے میں لپیٹ کر بدون رعایت سنت کے ایک گڈھے میں ڈال دیں گے۔

في الدر المختار: ويغسل المسلم ويكفن ويدفن قريبه كخاله الكافر الأصلي عند الاحتياج فلوله قريب فالأولى تركه لهم من غير مراعاة السنة الخ، أقول ترك الأولى أولى ههنا للحقوق العار بالمسلمين. (۲)

۱۶ شعبان المعظم ۱۳۳۰ھ (تمہ اول ص ۴۹)

(۱) الدر المختار مع الشامي، باب صلاة الجنائز، مكتبة زكريا ديوبند ۱۳۲/۳، کراچی ۲۲۸-۲۲۹۔

البحر الرائق، كتاب الجنائز، فصل السلطان أحق بصلاته، مكتبة زكريا ديوبند ۳۳۱/۲، کوئٹہ ۱۸۹/۲۔

تبیین الحقائق، كتاب الصلاة، باب الجنائز، مكتبة زكريا ديوبند ۵۸۱/۱۔

(۲) الدر المختار على الشامي، باب صلاة الجنائز، مكتبة زكريا ديوبند ۱۳۴/۳، کراچی ۲۳۰/۲۔

عن علي بن أبي طالب قال: أخبرني رسول الله صلى الله عليه وسلم بموت أبي طالب، فبكى ثم قال: إذهب، فاغسله وكفنه وواره، غفر الله له ورحمه. الطبقات الكبرى لابن سعد، ذكر أبي طالب وضمه رسول الله صلى الله عليه وسلم إليه بيروت ۹۹/۱۔

ويغسل ولي مسلم الكافر ويكفنه ويدفنه، وفي البحر: فلوله قال: ويغسل يكفن ويدفن المسلم قريبه الكافر الأصلي عند الاحتياج من غير مراعاة السنة لكان أولى. (البحر الرائق، كتاب الجنائز، فصل السلطان أحق بصلاته، مكتبة زكريا ديوبند ۳۳۴-۳۳۵، کوئٹہ ۱۹۰/۲) ←

## جنازہ میں سلام سے قبل چوتھی تکبیر کے بعد ہاتھ چھوڑنا

**سوال (۷۰۸):** قدیم ۱/۳۵- زید کہتا ہے کہ نماز جنازہ میں بعد چوتھی تکبیر کے تحریمہ چھوڑ کر سلام پھیرنا چاہئے اور حوالہ سعاہ کا دیتا ہے (\*) لیکن بکر کہتا ہے کہ سلام پھیرنے کے بعد تحریمہ چھوڑنا چاہئے۔ زید کا قول صحیح ہے یا بکر کا؟

**الجواب:** جزئیہ تو اس وقت ملا نہیں مگر فقہاء نے جو قاعدہ لکھا ہے اس کے اعتبار سے زید کا قول صحیح معلوم ہوتا ہے وہ قاعدہ یہ ہے۔ (\*\*)

(\*) سعاہ، کتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، مکتبہ اشرف دیوبند۔

(\*\*) حضرت مفتی عزیز الرحمن صاحب دیوبند نے اس کے خلاف فتویٰ دیا ہے ملاحظہ ہو فتاویٰ دارالعلوم (جدید) ۳۱۴/۵ ص ۳۱۴ ر ہے کہ یہ اختلاف اولیت میں ہے، جائز دونوں ہیں یعنی ارسال کرے سلام پھیرنا اور ہاتھ باندھے باندھے سلام پھیرنا دونوں جائز ہیں۔ ۱۲ سعید احمد پالن پوری

← ویغسل ولی مسلم الکافر یکفنه، ویدفنه، لما روي عن علی بن أبي طالب لما هلك أبوه جاء إلى النبي صلى الله عليه وسلم، فقال: يا رسول الله! إن عمك الضال قدمات، فقال عليه السلام: اذهب فاغسله وکفنه، لكن يغسل غسل الثوب النجس من غير وضوء، ولا بداءة بالميا من ويلف في خرقة وتحفر له حضيرة من غير مراعاة سنة التكفين والحد. (تبیین الحقائق، کتاب الصلاة، باب الجنائز، مکتبہ زکریا دیوبند ۱/۵۸۲)

ولا يغسل الکافر کما يغسل المسلم یرید به أنه لا یراعی فی حقہ سنة الغسل من البدائیة بالمیامن وغير ذلك، ولكن یصب الماء علی الوجه الذي يغسل النجاسات، وكذلك لا یراعی فی حقہ سنة الکفن ولكن یلف فی ثوب وکذا لا یراعی فی حقہ سنة الحد، وكذلك کل ذي رحم محرم منه مثل الأخ، والأخت، والعم، والعمة، والخال، والخالة. (الفتاویٰ التاتاریخانیة، کتاب الصلاة، الفصل الثانی والثلاثون فی الجنائز ۳/۷۷، رقم: ۳۷۵۴)

شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

وہو سنة قیام له قرار فیہ ذکر مسنون۔ کذا فی الدر المختار: فصل صفة الصلوة۔ (۱) فقط واللہ اعلم

۲۵ جمادی الاخریٰ ۱۳۲۹ھ (تمتہ اول ص ۳۵)

## نماز جنازہ میں سلام کے فوت ہونے کا حکم

**سوال (۷۰۹):** قدیم ۱/۳۵- معصوم بچہ کی یعنی نابالغ کی نماز جنازہ پڑھائی اس میں سلام نہ پھرا تو کیا نماز ہوگئی یا نہیں؟

(۱) بہتر اور افضل یہی ہے کہ ہاتھ چھوڑ کر سلام پھیرا جائے اور اسی کو فقہاء نے زیادہ صحیح اور رائج قرار دیا ہے، آگے جزئیات ملاحظہ فرمائیے:

الدر المختار علی الشامی، کتاب الصلوة، باب صفة الصلوة، مکتبۃ زکریا دیوبند  
۱۸۸/۲، کراچی ۱/۴۸۷۔

وہکذا فی البحر الرائق، کتاب الصلوة، باب صفة الصلوة، مکتبۃ زکریا دیوبند  
۵۳۸/۱، کوئٹہ ۱/۳۰۸۔

مسئلہ بالا سے متعلق جزئیات ملاحظہ فرمائیں:

ولا یعقد بعد التکبیر الرابع، لأنه لا یبقی ذکر مسنون حتی یعقد، فالصحيح أنه یحل  
الیدین ثم یسلم تسلیمتین۔ (خلاصۃ الفتاویٰ، کتاب الصلوة، الفصل الخامس والعشرون فی  
الجنائز، مکتبۃ اشرفیۃ دیوبند ۱/۲۲۵)

ومن هنا ینخرج الجواب عما سئلت فی سنة ست وثمانین أيضًا من أنه هل یضع  
مصلی الجنازة بعد التکبیر الأخير من تکبیر أنه ثم یسلم أم یرسل ثم یسلم؟ وهو أنه  
لیس بعد التکبیر الأخير ذکر مسنون، فیسن فیہ الإرسال۔ (سعاۃ، کتاب الصلوة،  
باب صفة الصلوة، مطلب فی ارسال الیدین..... بعد التکبیر الأخير من تکبیرات صلاة الجنازة،  
مکتبۃ اشرفیۃ دیوبند ۲/۱۵۹)

شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

**الجواب:** في الدر المختار: صلوة الجنابة وركنها شيان التكبيرات الأربع

والقيام وسننها ثلاثة التحميد والثناء والدعاء فيها. اه (۱)

روایت مذکورہ سے معلوم ہوا کہ سلام پھیرنا فرض نہیں لہذا نماز ہوگئی۔ (۲) فقط واللہ اعلم

۲۷ شعبان ۱۴۳۱ھ (امداد اول ص ۳۹)

## شوہر کا مردہ بیوی کا چہرہ دیکھنا

**سوال (۱۰۷):** قدیم ۱/۳۵- بعد مرنے کے مرد اپنی بیوی کا منہ دیکھ سکتا ہے یا نہیں اور قبر میں

اتار سکتا ہے یا نہیں؟

**الجواب:** دیکھ سکتا ہے۔ في الدر المختار ويمنع زوجها من غسلها ومسها لا من

النظر اليها على الأصح منية. (۳)

(۱) الدر المختار على الشامي، باب صلاة الجنابة، مطلب هل يسقط فرض الكفاية بفعل

الصبي، مكتبة زكريا ديوبند ۱۰۵/۳-۱۰۶، کراچی ۲۰۹/۲۔

وهكذا في مراقي الفلاح، كتاب الصلاة، باب الجنائز، فصل الصلاة عليه، دار الكتاب

ديوبند ص: ۵۸۰-۵۸۵۔

وسننها أربع: الأولى أن يذكر الواجب قبل السنن، وهو التسليم مرتين بعد الرابعة

كما ذكره بعد. (حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، باب الجنائز، فصل الصلاة عليه، دار

الكتاب ديوبند ص: ۵۸۳)

(۲) وصلاة الجنابة أربع تكبيرات ولو ترك واحدة منها لم تجز صلاته. (الفتاوى

العالمگیریة، كتاب الصلاة، الباب الحادي والعشرون في الجنائز، الفصل الخامس في الصلاة على

الميت، مكتبة زكريا ديوبند قديم ۱/۱۶۴، زكريا جديد ۱/۲۲۵) شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

(۳) الدر المختار على رد المحتار، كتاب الصلاة، باب صلاة الجنابة، قبيل مطلب

في حديث كل سبب ونسب منقطع، مكتبة زكريا ديوبند ۳/۹۰، کراچی ۲/۱۹۸

الدر المنتقى في شرح ملتقى الأبحر، كتاب الصلاة، باب صلاة الجنابة، بيروت ۱/۲۶۶۔ ←

اور قبر میں اتارنا جب محارم نہ ہو زوج کو درست ہے۔ (۱)

لأنه مس من حائل.

۲۷ شعبان ۱۳۲۱ھ (امداد اول ص ۳۹)

← ولا یحل له أن یمس وجهها ولا كفها، وإن كان یأمن الشهوة، بخلاف النظر.

(الفتاویٰ التاتاریخانیة، کتاب الکراهیة، الفصل التاسع ما یحل لرجل النظر ۹۵/۱۸، رقم: ۲۸۱۴۷)

ولا یمنع من النظر إليها فی الأصح. (حاشیة الطحطاوی علی مراقی الفلاح،

کتاب الصلاة، باب أحكام الجنائز، دار الكتاب دیوبند ص: ۵۷۲)

والأصح أنه یجوز للزوج أن یراها. (البحر الرائق، کتاب الجنائز، مکتبة زکریا

دیوبند ۳۰۴/۲، کوئٹہ ۱۷۳/۲)

(۱) وذو الرحم المحرم أولىٰ بإدخال المرأة من غیرهم، کذا فی الجوهرۃ النيرة،

وکذا ذو الرحم غیر المحرم أولىٰ من الأجنبی، فإن لم یکن فلا بأس للأجانب وضعها.

(الفتاویٰ الہندیة، کتاب الصلاة، الباب الحادي والعشرون فی الجنائز، الفصل السادس

فی القبر والدفن، مکتبة زکریا دیوبند قدیم ۱۶۶/۱، زکریا جدید ۲۲۷/۱)

البحر الرائق، کتاب الجنائز، فصل السلطان أحق بصلاته، مکتبة زکریا دیوبند

۳۳۹/۲، کوئٹہ ۱۹۳/۲۔

وذو الرحم المحرم أولىٰ بإدخال المرأة، ثم ذو الرحم غیر المحرم ثم الصالح من

مشایخ جيرانها ثم الشبان الصلحاء ولا یدخل أحد من النساء القبر ولا یخرجهن الا

الرجال ولو كانوا أجانبا؛ لأن مس الأجنبی لها بحائل عند الضرورة جائز فی حیاتها،

فکذا بعد موتها. (مراقی الفلاح مع حاشیة الطحطاوی، کتاب الصلاة، باب أحكام الجنائز،

فصل فی حملها ودفنها ص: ۶۰۹، دار الكتاب دیوبند)

شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ



## پھانسی والے کی نماز جنازہ کا حکم

**سوال (۷۱):** قدیم ۱/۳۶- پھانسی والے کی نماز جنازہ پڑھی جائے گی یا نہ؟

**الجواب:** پڑھی جاوے گی اسلئے کہ اگر وہ مظلوم ہے تو ظاہر ہے اور اگر ظالم تھا اور سزائے جرم میں مارا گیا تب بھی مثل بغاۃ و قطاع طریق کے ہوگا اور وہ جب غیر حرب میں قتل کئے جاویں ان کے جنازہ پر نماز پڑھی جاتی ہے۔ (۱)

کذا فی الدر المختار.

یکم جمادی الثانی ۱۳۳۱ھ (حوادث اول و ثانی ص ۹۸)

(۱) عن أبي هريرة رضي الله عنه قال: صلوا على كل بر وفاجر.

(سنن دار قطني، باب صفة من تجوز الصلاة معه والصلاة عليه بیروت ۲/۴۴، رقم: ۱۷۵۰)

عن أبي هريرة رضي الله عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم الجهاد واجب عليكم مع كل أمير برًا كان أو فاجرًا والصلاة واجبة على كل مسلم برًا كان أو فاجرًا، وإن عمل الكبائر. (أبو داود شریف، کتاب الجہاد، باب الغز ومع أئمة الجور ۱/۳۴۳، رقم: ۲۵۳۳)

ولا يصلي عليهم إذا قتلوا في الحرب، ولو بعد صلى عليهم لأنه حد أو قصاص.

(الدر المختار مع الشامی، کتاب الصلاة، باب صلاة الجنائز، مكتبة زكريا دیوبند ۳/۱۰۷،

کراچی ۲/۲۱۰)

وقيل: هذا إذا قتل في حالة المحاربة قبل أن تضع الحرب أوزارها، وأما إذا قتل بعد

ثبوت يد الإمام عليهما فإنهما يغسلان ويصلي عليهما، وهذا تفصيل حسن أخذه الكبار من

المشايع. (تبيين الحقائق، کتاب الصلاة، باب الشهيد، مكتبة زكريا دیوبند ۱/۵۹۶)

أطلقه فشمّل ما إذا قتلوا في حال الحرب أو أخذوا وقتلوا بعده، كذا روي عن محمد

وفرق الصدر الشهيد بينهما فوافق في الأول، وقال بالصلاة في الثاني. قال في التبيين: وهذا

تفصيل حسن أخذه الكبار من المشايخ. (البحر الرائق، کتاب الصلاة، باب الشهيد، مكتبة

زكريا دیوبند ۲/۳۵۰، كوئٹہ ۲/۲۰۰) ←

## عورتوں کی قبروں میں بوریا رکھنا

**سوال (\*) (۷۱۲):** قدیم ۱/۳۶۷- مردہ اگر زن باشد بعد از نماز آں میت را با بوریا نیکه در آن بچیده و بر سر نهاده بودند بغرض پرده بجهت عدم تیسر محارم غالباً بهمیں ہیئت در قبر میگزارد مجوزین باصل اصل کل شی اباحتہ استدلال میکنند و منکرین ممانعت فرش قبور از بوریا و غیرہ را پیش کی نمایند ادلیل اول وقتے مسلم ست کہ حکم از اصول اربعہ بریں صورت متحقق باشد حالانکہ ہیج کدائے از مجوزین محیط ایں جملہ نیست و دلیل منکرین محلل ست و وجود علت دریں صورت مفقود ازیں ردنا کافی ست لہذا بحکم مصرع کہ ”ہیچکس نزنہ بردرخت بے بر سنگ“ تصدیق میدہد کہ از خواہش بادلیل شافی بندگان را براہ راست دعوت فرمایند؟

**(\*) خلاصہ سوال:** میت جب عورت ہوتی ہے تو نماز کے بعد چٹائی کے ہمراہ جس میں وہ لپیٹی ہوتی ہے محارم نہ ہونے کی وجہ سے پردہ کی غرض سے اس ہیئت کے ساتھ قبر میں چھوڑ دیتے ہیں، مجوزین اس قاعدہ سے استدلال کرتے ہیں کہ اصل ہرشی میں اباحت ہے اور منکرین قبر میں بوریا بچھانے کی ممانعت کا جزئیہ پیش کرتے ہیں؛ لہذا جواب شافی سے مطلع فرمادیں۔ ۱۲ سعید احمد پالن پوری

← ولا یصلی علی باغ ولا علی قاطع طریق إذا قتل کل منهم حالة المحاربة ولا یغسل..... وأما إذا قتلوا بعد ثبوت ید الإمام علیہم فإنہم یغسلون ویصلی علیہم. (مراقی الفلاح مع حاشیة الطحطاوی، کتاب الصلاة، باب أحكام الجنائز ص: ۶۰۱، دارالکتاب دیوبند)

ذكر الحاكم الشهيد في المنتقى: من قتل مظلوماً يغسل ویصلی علیہ..... وإنما لا یصلی علی الباغي إذا قتل في الحرب، فأما إذا قتل بعد ما وضع الحرب أوزارها صلی علیہ، وكذلك قاطع الطريق إنما لو یصلی علیہ إذا قتل في حالة الحرب فاما إذا أخذهم الإمام ثم قتلهم صلی علیہم. (الفتاویٰ التاتاریخانیة، کتاب الصلاة، الفصل الثاني والثلاثون في الجنائز، القسم الثالث في بیان من یصلی علیہ ومن لا یصلی علیہ، مکتبہ زکریا دیوبند ۳/ ۵۴-۵۵، رقم: ۳۷۰۷)

شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

**الجواب (\*)**: في رد المحتار: قال في الحلية: ويكره أن يوضع تحت الميت في القبر مضربة أو مخدة أو حصير أو نحو ذلك اهـ. ولعل وجهه أنه تلاف مال بلا ضرورة فالكرهية تحريرية ولذا عبر بلا يجوز. ج ۱ ص ۹۳۴ (۱)

اِس روایت صریح ست در ممانعت اِس فعل و ظاہر ست کہ بعد دفن حاجت پردہ نمی ماند و پردہ موقوف برگزاشتن نیست بوریادرتبر۔

۲۶/ ذیقعدہ ۱۳۳۰ھ (تمتہ ثانی ص ۹۸)

**ایسی جگہ نماز جنازہ کا حکم جہاں کے لوگ نماز سے واقف نہ ہوں**

**سوال (۷۱۳):** قدیم ۱/۳۶۷۔ کسی موضع میں جنازہ فوت ہوا نماز پڑھانے والا چار چار پانچ پانچ کوس تک نہیں ہے اس کے دفن میں کیا کرنا چاہئے؟

**(\*) ترجمہ جواب:** فی رد المحتار..... الخ یہ روایت اسی فعل (قبر میں میت کو مع بوریار کھنے) کی ممانعت میں صریح ہے اور ظاہر ہے کہ دفن کے بعد پردہ کی حاجب نہیں ہے، نیز پردہ قبر میں بوریار چھوڑنے پر موقوف بھی نہیں ہے۔ ۱۲ سعید احمد پالن پوری

(۱) الدر المختار علی الشامی، کتاب الصلاة، باب صلاة الجنائز، مطلب في دفن الميت، مكتبة زكريا ديوبند ۱۳۹/۳، کراچی ۲/۲۳۴۔

ویکړه إلقاء الحصر في القبر. (حاشية الطحطاوي على مراقبي الفلاح، كتاب الصلاة، أحكام الجنائز، فصل في حملها ودفنها، دار الكتاب ديوبند ص: ۶۱۰)

وأما الحصر المتخذ من البردي فالقاؤه في القبر مكروه. (الفتاوى التاتارخانية، كتاب الصلاة، الفصل الثاني والثلاثون في الجنائز، نوع آخر من هذا الفصل في القبر والدفن، مكتبة زكريا ديوبند ۶۸/۳، رقم: ۳۷۳۱)

شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

**الجواب:** اگر پوری نماز نہ آتی ہو تو صرف ایک شخص وضو کر کے جنازہ سامنے رکھ کر چار بار اللہ اکبر اللہ اکبر کہہ دے فرض ادا ہو جائے گا پھر دفن کر دیں۔ (۱)

۲۸/ ذی الحجۃ ۱۳۳۳ھ (تتمہ ثانی ص ۱۰۵)

## وقتِ نماز اور جنازہ کی نماز میں کس کو مقدم کریں؟

**سوال (۱۴۷):** قدیم/۱-۷۳- اکثر لوگوں کا خیال ہے کہ نماز جنازہ بعد زوال قبل فرض ظہر جائز نہیں و بعد فرض ظہر بھی قبل جنازہ کی نماز کے سنت ظہر جائز نہیں ہے رائے شریف جناب عالی کی کیا ہے اگر جائز ہے مع الکراہتہ یا بلا کراہتہ؟

**الجواب:** عدم جواز کا دعویٰ تو بلا دلیل ہے البتہ ترتیب میں اقوال مختلف ہیں میرے نزدیک ترجیح اس قول کو ہے۔

وروي الحسن أنه يخير (۲) كذا في رد المحتار، ج ۱ ص ۸۶۶.

یکم محرم الحرام ۱۳۳۴ھ (تتمہ رابعہ ص ۷)

(۱) والأُمِّي والهنود والذين لا يعلمون الأدعية يكبر تكبيرات ويسلم تجوز صلاته؛ لأن الأركان فيها التكبيرات. (الفتاوى التاتارخانية، كتاب الصلاة، الفصل الثاني والثلاثون في الجنائز القسم الثاني في كيفية الصلاة على الميت، مكتبة زكريا ديوبند ۳/ ۴۶، رقم: ۳۶۸۶) ثم يدعو للميت وللمؤمنين والمؤمنات؛ لأنه المقصود منها، وهو لا يقتضي ركنية الدعاء كما توهمه في فتح القدير، لأن نفس التكبيرات رحمة للميت، وإن لم يدع له. (البحر الرائق، كتاب الجنائز، فصل السلطان أحق بصلاته، مكتبة زكريا ديوبند ۲/ ۳۲۱، كونه ۲/ ۱۸۳) شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

(۲) شامی، کتاب الصلاة، باب العیدین، مطلب فیما یترجح تقدیمہ من صلاة عید وجنازة الخ، مكتبة زكريا ديوبند ۳/ ۴۷، کراچی ۲/ ۱۶۸ -

وتقدم صلاة الجنازة على الخطبة وعلى سنة المغرب وغيرها..... لكن في البحر قبيل الأذان عن الحلبي الفتوى على تأخير الجنازة عن السنة، وأقره المصنف، ←

## سنت کو جنازہ پر مقدم کرنا

**سوال (۷۱۵):** قدیم ۱/۷۳۷- جنازہ جب حاضر ہو اس وقت کوئی نماز کا وقت ہو تو فرض وقت و سنت و نوافل کے آگے فرض کفایہ ادا کیا جاوے یا اس میں سے فرض کفایہ کس کس نماز پر مقدم کیا جاوے؟

**الجواب:** اس میں کئی قول ہیں اقرب الی الفقہ اور مفتی بہ یہ ہے کہ فرض وقت و سنت کو جنازہ پر مقدم کریں اور نوافل کو جنازہ سے مؤخر کریں۔ (۱)

← كأنه إلحاق لها بالصلاة؛ لكن في آخر أحكام دين الأشباه، ينبغي تقديم الجنازة والكسوف حتى على الفرض مالم يضق وقته. (الدر المختار على الشامي، كتاب الصلاة، باب العيدين، مطلب فيما يترجح تقديمه من صلاة عيد وجنازة، مكتبة زكريا ديوبند ۳/۴۶، كراچی ۲/۱۶۷-۱۶۸)

ولو حضرت الجنازة بعد غروب الشمس يبدؤن بالمغرب ثم بالجنازة، وروي الحسن بن زياد في صلاته المجرّد أنه يبدأ بأيهما شاء. (الفتاوى التاتارخانية، كتاب الصلاة، الفصل الثاني والثلاثون في الجنائز ۳/۸۶، رقم: ۳۷۸۲)

وقدمنا أنه يبدأ بصلاة المغرب ثم يصلون على الجنازة، ثم يأتون بالسنة، ولعله بيان الأفضل، وفي شرح المنية: معزيا إلى حجة الدين البلخي: إن الفتوى على تأخير صلاة الجنازة عن سنة الجمعة، وهي سنة فعلى هذا تؤخر عن سنة المغرب لأنها الكد. (البحر الرائق، كتاب الصلاة، قبيل باب الأذان، مكتبة زكريا ديوبند ۱/۴۴۰، كوئٹہ ۱/۲۵۳)

ولو حضرت الجنازة في وقت المغرب تقدم صلاة المغرب ثم تصلي الجنازة، وقيل: تقدم السنة أيضًا على الجنازة. (غنية المستملي، كتاب الصلاة، فصل في الجنائز، مكتبة اشرفية ديوبند ص: ۶۰۷)

حضرت والا تھانویؒ کا واضح جواب اگلا والا ہے ملاحظہ فرمائیے۔ شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

(۱) وتقدم صلاتها على صلاة الجنازة إذا اجتمعتا وصلاة الجنازة على الخطبة وعلى سنة المغرب وغيرها، والعيد على الكسوف؛ لكن في البحر قبيل الأذان عن الحلبي الفتوى على تأخير الجنازة عن السنة وأقره المصنف كأنه إلحاق لها بالصلاة؛ لكن في آخر أحكام دين الأشباه، ←

## والبسٹ في ردالمحتار باب العیدین.

۶ محرم الحرام ۱۳۲۹ھ (تمہ اول ص ۳۳)

← ينبغي تقديم الجنازة والكسوف حتى على الفرض ما لم يضق وقته. وفي الشامية: عبارة الأشباه: اجتمعت جنازة وسنة قدمت الجنازة..... ولو اجتمع عيد وكسوف وجنازة. ينبغي تقديم الجنازة، وكذا لو اجتمعت مع فرض وجمعة ولم يخف خروج وقته وفيه مخالفة لما مر من حيث تقديمه الجنازة على السنة، وهو خلاف المفتي به كما علمت، وعلى العيد وهو بحث مخالف لما ذكره المصنف تبعاً للدرر. وفي الجوهرية من باب الكسوف: إذا اجتمع الكسوف والجنازة بدئ بالجنازة لأنها فرض وقد يخشى على الميت التغير أي لطول صلاة الكسوف، وقد يقال: قدم العيد لئلا يحصل الإشتباه؛ لأنه يؤدي بجمع عظيم، وهذا تقدم الجمعة أيضاً على الكسوف، ولذا خص صاحب الأشباه تقديم فرض الوقت دون الجمعة، ويؤخذ من قوله أيضاً إن ضاق الوقت تقديم فرض المغرب؛ لأن وقته ضيق كما بحثه وهو ظاهر، ثم رأيت صريحاً في جنائز التاتار خانية، وقال بعده: وروى الحسن أنه يخير فافهم. (الدر المختار مع الشامي، كتاب الصلاة، باب العیدین، مطلب فيما يترجح تقديمه من صلاة عيد وجنازة الخ، مكتبة زكريا ديوبند ۴۶/۳، كراچی ۱۶۷/۲-۱۶۸)

وقدمنا أنه يبدأ بصلاة المغرب ثم يصلون على الجنازة، ثم يأتون بالسنة، ولعله بيان الأفضل. وفي شرح المنية: معزيا إلى حجة الدين البلخي: إن الفتوى على تأخير صلاة الجنازة عن سنة الجمعة، وهي سنة فعلى هذا تؤخر عن سنة المغرب لأنها أكد. (البحر الرائق، كتاب الصلاة، قبيل باب الأذان ۴۴۰/۱، كوثه ۲۵۳/۱)

ولو حضرت الجنازة في وقت المغرب تقدم صلاة المغرب ثم تصلي الجنازة، وقيل: تقدم السنة أيضاً على الجنازة. (غنية المستملي، كتاب الصلاة، فصل في الجنائز، مكتبة اشرفية ديوبند ص: ۶۰۷)

راج اور مفتی بقول یہی ہے فرض اور سنتوں کے بعد نماز جنازہ پڑھی جائے جیسا کہ البحر الرائق میں  
إن الفتوى على تأخير الجنازة سے واضح ہے۔

شیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

## جنازہ پر نماز عید کو مقدم کرنا

**سوال (۱۶۷):** قدیم ۱/۳۷-نمبر، عید گاہ میں قبل نماز عید جنازہ آیا اس کی نماز قبل نماز عید سے ادا کی جاوے گی یا کس وقت؟

نمبر ۲: بعد نماز عید جنازہ آیا اس کی نماز قبل خطبہ کے ادا کی جاوے گی؟

نمبر ۳: اگر قبل خطبہ عید نماز جنازہ پڑھی جاوے تو جنازہ کو خطبہ سن کر قبر پر لے جاوے یا پہلے

ہی لیجاویں؟

**الجواب:** درمختار میں صلوٰۃ عید کو صلوٰۃ جنازہ پر مقدم اور صلوٰۃ جنازہ کو خطبہ عید پر مقدم کرنے کو

لکھا ہے۔ (۱)

(۱) عن معمر قال: بلغني أن عليا قال: إذا حضرت الجنازة وصلاة المكتوبة أبداً بالمكتوبة.

(مصنف عبد الرزاق، باب إذا حضرت المكتوبة والجنازة، المجلس العلمي ۳/۵۲۵، رقم: ۶۵۷۳)

وتقدم صلاتها على صلاة الجنازة إذا اجتمعا؛ لأنه واجب عيناً والجنازة كفاية، وتقدم صلاة الجنازة على الخطبة. (الدر المختار، كتاب الصلاة، باب العيدين، مطلب فيما يترجح

تقديمه من صلاة عيد وجنازة، مكتبة زكريا ديوبند ۳/۴۶، كراچی ۲/۱۶۷)

ولو حضرت وقت صلاة العيد قدمت العيد عليها ثم هي على الخطبة، والقياس

تقديمها على العيد؛ لكنه استحسنا تقديم العيد مخافة التشويش لئلا يظن البعيد أنها صلاة

العيد. (حلي كبير، كتاب الصلاة، فصل في الجناز، مكتبة اشرفية ديوبند ص: ۶۰۷)

وتقدم صلاة العيد على صلاة الجنازة إذا اجتمعتا، وتقدم صلاة الجنازة على الخطبة.

وكذا في القنية. (الفتاوى الهندية، كتاب الصلاة، الباب السابع عشر في صلاة العيدين، مكتبة

زكريا ديوبند قديم ۱/۱۵۲، زكريا جديد ۱/۲۱۳)

وتقدم صلاة العيد على صلاة الجنازة، وتقدم الجنازة على الخطبة، والقياس أن تقدم

على صلاة العيد؛ لكنه قدم صلاة العيد مخافة التشويش وكيلا يظنها من في أخريات

الصفوف أنها صلاة العيد. (البحر الرائق، كتاب الجناز، فصل السلطان أحق بصلاته، مكتبة

زكريا ديوبند ۲/۳۳۵، كوئٹہ ۲/۱۹۱)

لیکن شامی نے عید کی تقدیم کی ایک وجہ جو حلی سے نقل کی ہے۔

بان العید تؤدی بجمع عظیم یخشی تفرقه إن اشتغل الإمام بالجنزة. (۱)

یہ علت خطبہ میں زیادہ جاری ہے اس کا مقتضایہ ہے کہ خطبہ سے بھی مؤخر پڑھے۔

۲۹/ صفر ۱۳۳۲ھ (تمتہ ثانی ص ۱۲۷)

جو شخص غرق ہو کر ریزہ ریزہ ہو گیا اس کے غسل و نماز جنازہ کا حکم

**سوال (۷۱۷):** قدیم ۱/ ۷۳۷۔ کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ اگر کوئی مسلمان

شخص بالغ یا نابالغ پانی میں ڈوب مرے یا آگ میں جل مرے اور آلائش شکم باہر نکل پڑے نیز جل جانے سے ہاتھ پاؤں کی انگلیاں بھی گر پڑیں۔ آیا اس کیلئے نماز جنازہ و غسل جائز ہے یا نہیں؟

**الجواب:** ضروری ہے۔ (۲)

۱۲/ ربیع الاول ۱۳۳۲ھ (تمتہ ثانی ص ۱۳۰)

(۱) وشامی، کتاب الصلاة، باب العیدین، مطلب فیما یترجح تقدیمہ من صلاة عید

وجنازة، مكتبة زكريا دیوبند ۴/ ۶۷، کراچی ۲/ ۱۶۷۔

شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

(۲) ولو وجد أكثر من الیمت أو النصف مع الرأس غسل وصلي عليه وإلا فلا.

(البحر الرائق، کتاب الجنائز، مكتبة زكريا دیوبند ۲/ ۳۰۵، کوئٹہ ۲/ ۱۷۴)

ولو وجد أكثر البدن أو نصفه مع الرأس يغسل ويكفن ويصلي عليه. (الفتاویٰ الهندیة،

کتاب الصلاة، الباب الحادي والعشرون في الجنائز، الفصل الثاني في الغسل، مكتبة زكريا قديم

۱/ ۱۵۹، زکریا جدید ۱/ ۲۱۹)

وإذا لم يرد أثر بالصلاة على العضو لا يصلي عليه إلا إذا كان في حكم الكل بأن

وجد أكثر أو النصف، ومعه الرأس إذا للأكثر حكم الكل، وكذا النصف مع الرأس

لا شتماله على أكثر الأعضاء الرئيسة. (حلبی کبیر، کتاب الصلاة، فصل في الجنائز، مكتبة

اشرفیة دیوبند ص: ۵۹۰) ←



## پاؤں سے روند کر قبر کو برابر کرنا

**سوال (۷۱۸):** قدیم ۱/ ۷۳۷- دفن کے بعد برابر کرنے کیلئے قبر کو پاؤں سے

روندنا جائز یا نہیں؟

**الجواب:** فی رد المحتار: ویکره الجلوس علی القبر ووطؤه وبعد أسطر عن

أبی حنیفة لا یؤطأ القبر إلا لضرورة. ج ۱ ص ۹۶۵ (۱)

اس روایت سے معلوم ہوا کہ ایسا کرنا بدون ضرورت کے مکروہ ہے اور اس میں کوئی ضرورت نہیں

لہذا مکروہ ہے۔ (۲)

۱۸/ رمضان ۱۳۳۲ھ (۱۶۶ ص)

← وأجمعوا أنه لو وجد أكثر البدن يغسل ويصلي عليه، وذكر الحسن بن زياد في صلاته عن أبي حنيفة أنه إذا وجد أكثر البدن غسل وكفن وصلي عليه ودفن، وإن كان نصف البدن ومعه الرأس غسل وصلي عليه ودفن. (الفتاوى التاتارخانية، كتاب الصلاة، الفصل الثاني والثلاثون في الجنائز ۳/ ۸۶، رقم: ۳۷۸۴)

شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

(۱) شامی، کتاب الصلاة، باب صلاة الجنائز، مطلب فی إهداء ثواب القراءة للنبي صلى

الله عليه وسلم، مكتبة زكريا ديوبند ۳/ ۱۵۴، کراچی ۲/ ۲۴۵۔

فتح القدیر، کتاب الصلاة، باب الجنائز، فصل فی الدفن، مكتبة زكريا ديوبند ۲/ ۱۵۰۔

(۲) عن جابر قال نهى رسول الله صلى الله عليه وسلم أن تجصص القبور..... وأن توطأ.

(ترمذي شريف، أبواب الجنائز، باب ما جاء في كراهية تحصيل القبور ۱/ ۲۰۳، رقم: ۱۰۵۸)

وعن ابن مسعود قال: لأن أطا على جمرة أحب إلى من أن أطا على قبر رجل مسلم.

(المعجم الكبير للطبراني ۹/ ۳۲۱، رقم: ۹۶۰۵، مكتبة زكريا ديوبند)

ویکره الجلوس علی القبر ووطؤه عليه. (البحر الرائق، کتاب الجنائز، فصل السلطان

أحق بصلاته ۲/ ۳۴۱) ←

## موت کے بعد بچہ کی آون نال کا ٹٹا

**سوال (۷۱۹):** قدیم ۱/۳۷- طحاوی مرآۃ الفلاح باب الجنائز ص ۳۲۹ میں ہے۔

وقد قالوا: ان السقط يحيا في الآخرة وترجى شفاعته واستدلوا بما روى أبو عبيدة مرفوعاً أن السقط ليقف محبباً (\*) (۱) على باب الجنة فيقول لا ادخل حتى يدخل أبواي وروى ابن ماجة من حديث عليّ أن السقط ليرغم ربه إذا دخل أبواه النار. فيقال: أيها السقط المرغم ربه ادخل أبويك الجنة فيجرهما بسرره حتى يدخلها الجنة. اه والسرر بفتح الحين وهو ما تقطعه القابلة من سره الصبي ويحشر على مامات عليه كغيره من أهل الموقف الخ ملخصاً.

ہندی میں سرر صبی کی نال کو کہتے ہیں۔ زید کہتا ہے کہ جب نال کے ساتھ یہ لڑکا ماں باپ کو کھینچ کر لائے گا تو کوئی لڑکا قبل کا ٹٹے نال کے مر گیا تو اس کی نال اب نہ کاٹنی چاہئے کیونکہ اس کے ساتھ ماں باپ کو کھینچے گا اس کی شفاعت اسی طور سے ہوگی کیا زید کا کہنا درست ہے اور اس عبارت سے یہ نکلتا ہے

(\*) قوله محبباً يروي بغير همز وبهمز فعلى الأول معناه المتغصب المستبطى لشيئ وعلى الثاني معناه العظيم البطن المنتفع يعنى يغضب ويتنفخ بطنه من الغضب حتى يدخل أبواه الجنة، كذا قال الطحاوي. ۱۲ نور احمد

← ويكره أن يبنى على القبر أو يوطأ عليه. (الفتاوى الهندية، كتاب الصلاة، الباب الحادي والعشرون في الجنائز، الفصل السادس في القبر والدفن زكريا قديم ۱/۱۶۶، زكريا جديد ۱/۲۲۷)

ويكره أن يوطأ على القبر يعنى بالرجل أو يقعد عليه. (الفتاوى التاتارخانية، كتاب الصلاة، الفصل الثاني والثلاثون في الجنائز ۳/۷۳، رقم: ۳۷۴۰) وكره أبو حنيفة أن يوطأ على قبر أو يجلس عليه. (بدائع الصنائع، كتاب الصلاة، صلاة الجنازة سنن الدفن، مكتبة زكريا ديوبند ۲/۶۵)

شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

کہ قبل کاٹنے کے اگر مر گیا تو نال نہ کاٹنی چاہئے اور فی الواقع مسئلہ ایسا ہی ہے یا موت کے بعد وہ نال لڑکے لڑکی کی جو دراز مقدار بالشت بھر کے ہوتی ہے کاٹی جائے گی اور یہ سابق حدیث کون کتاب میں کون باب میں ہے اور اس میں سرہ کا کیا معنی ہے اور مضمون اس حدیث کا موافق احناف کے ہے یا نہ۔

عن جابر أنه قال: كان النبي جالسا في مسجده فجاء عامر بن فهيرة فساءل النبي يارسول الله نفست امرأتى ومات ولدها ما استهل ما اصنعه فقال النبي ﷺ سم الولد وقطع السرة واغسله وكفنه وصل عليه وادفنه. اه  
کیا ابوداؤد و یانسی یا اور کسی کتاب میں ہے یا نہیں؟  
**الجواب:** ابوعبیدہ کی روایت تو نظر سے نہیں گزری (۱)

(۱) مذکورہ حدیث شریف کے الفاظ حضرت ابوعبیدہ کے طریق سے ہمیں بھی کافی تلاش کے باوجود نہ مل سکے؛ البتہ مسند امام اعظم میں حضرت ابوموسیٰ اشعری سے اور معجم الکبیر للطبرانی میں بہز بن حکیم عن ابیہ عن جدہ کے طریق سے مل گئے ہیں۔ حضرت ابوموسیٰ اشعری کی روایت کے الفاظ ملاحظہ فرمائیے:

عن أبي موسى الأشعري قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: إن السقط ليكون محبطنًا على باب الجنة، فيقال له: ادخل الجنة، فيقول لا والدي معي. (مسند الإمام الأعظم تأليف البلخي ۱/ ۴۳۵، رقم: ۴۵۹)

مسند امام اعظم تأليف الحارثي ۱/ ۳۴۰، رقم: ۴۴۵، مكتبة مدادية مكة مكرمه۔

بہز بن حکیم عن ابیہ عن جدہ کے طریق سے الفاظ حدیث ملاحظہ فرمائیے:

عن بهز بن حكيم عن أبيه عن جدته قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: سواد ولو دخير من مسناء لا تلد إني مكاثركم الأمم حتى بالسقط يظل محبطنًا على باب الجنة يقال له: ادخل الجنة، فيقول: يا رب وأبوأي فيقال له: ادخل الجنة أنت وأبوأك. (المعجم الكبير للطبراني ۱۹/ ۴۱۶، رقم: ۱۰۰۴)

مجمع الزوائد ۴/ ۴۵۸۔

نیز شریل بن شفعہ عن بعض اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے طریق سے بھی اسی مضمون کی حدیث مسند احمد میں موجود ہے۔ (مسند احمد ۴/ ۱۰۵، رقم: ۱۷۰۹۶، مجمع الزوائد ۴/ ۱۰۵) ←

اور دوسری حضرت علیؑ کی مشکوٰۃ میں بھی ہے (۱) اور اس سے مسئلہ فقہیہ قطع یا عدم قطع سر کا اثبات تو نہیں ہو سکتا؛ البتہ تائید عدم قطع کی اشارۃً ہو سکتی ہے جبہ عدم اثبات یہ ہے کہ سر سے کھینچنا اگر عدم قطع پر موقوف ہو تو چاہئے کہ تخلف بشارت کا باختیار قاطع ہو جائے و ہو خلف بلکہ اگر قطع بھی کر دی جاوے حق تعالیٰ قیامت میں متصل کر سکتے ہیں البتہ فقہ کی روایات اس کی دلیل ہیں گو خصوصیت سے تو قطع سر کے متعلق کوئی روایت نہیں دیکھی، مگر اشتراک علت سے اس کے لئے یہ روایت کافی ہے۔

وفي الدر المختار: ولا يصرح شعره أي بكره تحريماً ولا يقص ظفره إلا المكسور ولا شعره ولا يختن أه في رد المحتار لما في القنية من أن التزيين بعد موتها والامتشاط وقطع الشعر لا يجوز نهر فلو قطع ظفره أو شعره أدرج معه في الكفن قهستاني عن العتابي. (ج ۱ ص ۸۹)

اور اخیر حدیث معلوم نہیں کیسی ہے اور کہاں ہے آپ نے کہاں سے نقل کی ہے (۲) ظاہراً تو قواعد کے خلاف ہے عدم استہلال میں صلاۃ بھی نہیں ہے کیونکہ صلاۃ کیلئے سبق حیات شرط ہے اور اگر ثابت ہو تو یہ تاویل ہو سکتی ہے کہ استہلال کے علاوہ اور کسی قرینہ سے حیات ثابت ہو گئی ہوگی مگر سائل نے حکم کا مدار استہلال پر سمجھا ہوگا۔

۱۲/ ذیقعدہ ۱۳۳۲ھ (تمتہ ثانی ص ۱۸۳)

← قال الهيثمي ورجاله رجال الصحيح.

اسی طرح سہیل بن حنیفؒ سے بھی امام طبرانی نے مجمع اوسط میں اس حدیث کو روایت فرمایا ہے۔  
(المجمع الاوسط ۲/ ۲۱۰، رقم: ۵۷۴۶، مجمع الزوائد ۱۰/ ۱۰۳)

(۱) مشکوٰۃ شریف کتاب الجنائز، باب البكاء علی المیت ۱۵۳/۱، مکتبہ اشرفیہ دیوبند۔

ابن ماجہ شریف، جنائز، باب ماجاء فیمن اُصیب بسقط ۱۱۵/۱، رقم: ۱۶۰۸۔

مسند ابویعلیٰ الموصلی بیروت ۲۲۴/۱، رقم: ۴۶۴۔

مسند البزار، مکتبہ العلوم والحکم ۳/ ۵۷، رقم: ۸۱۵۔

المنصف لابن ابی شیبہ، کتاب الجنائز، باب فی ثواب الولد يقدمه الرجل مؤسسه الرساله

۳۹۸/۷، رقم: ۱۲۰۰۹۔

(۲) الدر المختار مع الشامی، کتاب الصلاة، باب صلاة الجنائز، مکتبہ زکریا دیوبند

۸۹/۳، کراچی - ←

## میت کے جسم کے بعض حصہ پر نماز جنازہ کا حکم

**سوال (۷۲۰):** قدیم ۱/۷۴۰۔ ایک لڑکے کو بھیڑیا اٹھالے گیا بعد تلاش سخت کے گردن کے اوپر کا حصہ دستیاب ہوا تو کیا اس کی نماز جنازہ پڑھی جاوے گی اگر گردن کے نیچے کا جسم ملتا تو کیا حکم ہوتا؟

**الجواب:** في الدر المختار وجدرأس آدمی أو احد شقیه لا یغسل ولا یصلی علیہ بل یدفن إلا أن یوجد أكثر من نصفه ولولبلا رأس. وفي رد المحتار: قوله: ولولبلا رأس وكذا یغسل لو وجد نصف مع الرأس بحرا۵. (۱) ج ۱ ص ۸۹۸.

اس سے معلوم ہوا کہ صورت واقعہ میں تو غسل اور نماز نہ ہوگی اور صورت مفروضہ میں غسل و نماز ہوگی اور دفن دونوں حال میں واجب ہے۔

۱۸ ذی الحجہ ۱۳۳۲ھ (تمت ثانی ص ۲۰۱)

← ولا یسرح شعره ولا لحیته ولا یقص ظفره وشعره؛ لأنها للزینة وقد استغنی عنها، والظاهر أن هذا الصنيع لا یجوز. قال في القنیة: أما التزین بعد موتها والامتشاط وقطع الشعر لا یجوز. (البحر الرائق، کتاب الجنائز، مکتبۃ زکریا دیوبند ۲/۳۰۴، کوئٹہ ۲/۱۷۳)

ولا یسرح شعر المیت ولا لحیته ولا یقص ظفره ولا شعره ولا یقصر شاربه ولا ینتف ابطه، ولا یحلق شعر عانقه ویدفن بجمیع ما کان علیہ. (الفتاویٰ الہندیۃ، کتاب الصلاۃ، الباب الحادی والعشرون فی الجنائز زکریا قدیم ۱/۱۵۸، زکریا جدید ۱/۲۱۹) شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

(۱) الدر المختار مع الشامی، کتاب الصلاۃ، باب صلاۃ الجنائز، مکتبۃ زکریا دیوبند ۲/۱۹۹، کراچی ۲/۱۹۹۔

ولو وجد أكثر البدن أو نصفه مع الرأس یغسل ویکفن ویصلی علیہ، کذا فی المضممرات، وإن وجد نصفه من غیر الرأس أو وجد نصفه مشقوقاً طولاً، فإنه لا یغسل ولا یصلی علیہ ویلف فی خرقة ویدفن فیہا، کذا فی المضممرات. (الفتاویٰ الہندیۃ، کتاب الصلاۃ، الباب الحادی والعشرون فی الجنائز، الفصل الثانی فی الغسل قدیم زکریا ۱/۱۵۸، جدید زکریا ۱/۲۱۹) ←

## شوہر کا بیوی کو قبر میں اتارنا

**سوال (۷۲۱):** قدیم ۱/۴۰- خاوند بی بی کو قبر میں اتار سکتا ہے یا نہیں اور مساس بحائل کر سکتا ہے یا نہیں؟ آیا اس کو اجنبیہ عورت زندہ کے مس بحائل پر قیاس کر کے منع کریں گے؟  
والجامع بینہما هو احتمال عدم امن الشهوة؟

**الجواب:** في الدر المختار: ويمنع زوجها من غسلها ومسها لا من النظر إليها على الأصح منية في ردالمحتار عزاه في المنح الى القنية ونقل عن النخانية أنه إذا كان للمرأة محرم يممسها بيده. وأما الأجنبي فبحرقه على يده ويغض بصره عن ذراعها وكذا الرجل في امرأته الا في غض البصرا له ولعل وجهه ان النظر اخف من المس فجاز لشبهة الاختلاف، ج ۱ ص ۸۹ (۱)

← ولو وجد الأكثر من الميت أو النصف مع الرأس غسل وصلي عليه وإلا فلا.  
(البحر الرائق، الصلاة، كتاب الجنائز، مكتبة زكريا ديوبند ۲/۳۰، كوئٹہ ۲/۱۷۴)  
ولو وجد أطراف ميت أو بعض بدنه لم يغسل ولم يصل عليه بل يدفن إلا أن يوجد أكثر من النصف من بدنه أو النصف ومعه الرأس يصلى عليه. (النهر الفائق، كتاب الصلاة، باب صلاة الجنائز، مكتبة زكريا ديوبند ۱/۳۸۵)

وإذا وجد أكثر البدن أو نصفه مع الرأس غسل وصلي عليه وإلا لا (مراقی الفلاح) وفي الطحطاوي: قوله: (أو نصفه مع الرأس) قيد به لأنه لو وجد النصف بدون رأس لا يغسل ولا يصلى عليه؛ بل يدفن وهذا مستفاد من قوله إلا لا. (حاشیة الطحطاوي مع مراقی الفلاح، كتاب الصلاة باب صلاة الجنائز، مكتبة دار الكتاب ديوبند ص: ۵۷۵)

شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

(۱) الدر المختار مع الشامی، كتاب الصلاة، باب صلاة الجنائز، مكتبة زكريا ديوبند

۹۰/۳، کراچی ۲/۱۹۸ ←

اس سے یہ امور مستفاد ہوئے زوج بعد موت زوجہ مثل اجنبی کے ہے پس جب تک کوئی محرم ہو اس وقت تک زوج کو مس بحائل بھی نہ کرنا چاہئے! اور جب کوئی محرم نہ ہو تو اجنبیوں سے یہ مقدم ہے بشبہۃ الاختلاف۔

۷ صفر ۱۳۳۳ھ (تتمہ ثالث ص ۱۸)

← إذا كان للمرأة محرم يميمها باليد. وأما الأجنبية فبخرقه على يده، ويغض بصره عن ذراعيها، وكذا الرجل في امرأته إلا في غض البصر ولا فرق بين الشابة، والعجوز كذا في فتاوى قاضیخان. (هندية، كتاب الصلاة، الباب الحادي العشرون في الجنائز، الفصل الثاني في الغسل قديم زكريا ۱/۱۶۰، جديد زكريا ۱/۲۲۱)

ويمنع زوجها من غسلها ومسها لا من النظر إليها في الأصح. (سكب الأنهر على هامش مجمع الأنهر، كتاب الصلاة، باب صلاة الجنائز، مكتبة دار الكتب العلمية بيروت ۱/۲۶۶)

بخلاف الرجل فإنه لا يغسل زوجته لانقطاع النكاح، وإذا لم توجد امرأة لتغسلها يميمها وليس عليه غض بصره عن ذراعيها بخلاف الأجنبية فإنه يلف يده بخرقه ويميمها مع كف بصره عن ذراعيها إلا أن تكون أمة فلا تحتاج إلى حائل. (حاشية الطحطاوي مع مراقي الفلاح، كتاب الصلاة، باب صلاة الجنائز، مكتبة دار الكتاب ديوبند ص: ۵۷۲)

إذا كان للمرأة محرم يميمها باليد وأما الأجنبية فبخرقه على يده ويغض بصره عن ذراعيها، وكذا الرجل في امرأته إلا في غض البصر ولا فرق بين الشابة والعجوز. (خانية على الهندية، كتاب الصلاة، باب في غسل الميت وما يتعلق به الخ قديم زكريا ۱/۱۸۷، جديد زكريا ۱/۱۱۷)

الفقه الإسلامي وأدلته، الفصل العاشر أنواع الصلاة، المبحث الثامن صلاة الجنابة، الفرض الأول تغسيل الميت، مكتبة هدى انترنیشنل ديوبند ۲/۴۰۴۔

شیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

## کفن کے بند کو قبر میں چھوڑ دینا

**سوال (۷۲۲):** قدیم ۴۰/۱ء - کفن جن دھجیوں سے باندھا جاتا ہے اس کا قبر میں رکھنا مکروہ یا حرام ہے یا نہیں اگر رکھ دی جاوے تو حرج تو نہیں ہے؟

**الجواب:** في الدر المختار: وتحل العقدة للاستغناء عنها وفيه ولا يجوز أن يوضع فيه مضربة. وفي رد المحتار: قوله: ولا يجوز الخ أي يكره ذلك قال في الحلية: ويكره أن يوضع تحت الميت في القبر مضربة أو مخدة أو حصير أو نحو ذلك اه ولعل وجهه أنه اتلاف مال بلا ضرورة فالكرهية تحريمية ولذا عبّر بلا يجوز. ج ۱ ص ۹۲۴ و ۹۲۵ (۱) .....

(۱) الدر المختار مع الشامی، کتاب الصلاة، باب صلاة الجنائز، مكتبة زكريا ديوبند ۱۳۹/۳ تا ۱۴۱، کراچی ۲/۲۳۴-۲۳۶

ویکروہ أن یوضع تحتہ مضربة أو مخدة ذکرہ المرغینانی و کرہ ابن عباس أن یلقی تحت الميت شیء رواہ الترمذی. (حلبی کبری، کتاب الصلاة، فصل فی الجنائز، مكتبة اشرفیة دیوبند ص: ۵۹۷)

وفي الترمذي: وقد روي عن ابن عباس أنه كره أن يلقى تحت الميت في القبر شيء هذا ذهب أهل العلم الخ. (ترمذي شريف، كتاب الجنائز، باب ما جاء في الثوب يلقى تحت الميت في القبر، النخسة الهندية ۲۰۳/۱)

حضرت سید الکونین علیہ السلام کی قبر شریف میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے جسد اطہر کے نیچے چادر کی گئی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے آزاد کردہ غلام حضرت شقرانؓ نے یہ چادر نیچے رکھ دیا تھا، مگر حدیث میں وارد ہوا ہے کہ حضرات انبیاء علیہم السلام کے جسم مٹی میں نہیں گلتے ہیں محفوظ رہتے ہیں؛ اس لئے یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات کے ساتھ خاص ہے، آپ کے علاوہ دوسرے انسانوں کے جسم کے نیچے کپڑا رکھنا مکروہ ہے جیسا کہ حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے نیچے کپڑا رکھنے کی روایت یہ ہے۔

عن جعفر بن محمد عن أبيه قال: الذي الحد قبر رسول الله صلى الله عليه وسلم أبو طلحة والذي القي القطيعة تحته شقران مولى لرسول الله صلى الله عليه وسلم ←



اس سے معلوم ہوا کہ اگر وہ دھجیاں کسی دوسرے کام آسکیں تو ان کا قبر میں چھوڑنا ناجائز ہے۔  
لاشتراک العلة، ورنہ کچھ حرج نہیں۔

۱۶ جمادی الثانی ۱۳۳۳ھ (تتمہ ثالث ص ۴۱)

## نماز جنازہ میں ولایت کی ترتیب کا حکم

**سوال (۲۳۷):** قدیم ۱/۴۰-۷- ایک عورت نے شوہر اور عینی بھائی اور ماں چھوڑ کر وفات پائی اب اس کے جنازہ کا ولی کون ہوگا؟

**الجواب:** فی الدر المختار: ثم الولي بترتيب عصبوبة الإنكاح إلا الأب فيقدم على الابن اتفاقاً إلا أن يكون عالماً والأب جاهلاً فالابن أولى، فإن لم يكن له ولي فالزوج الخ وفي رد المحتار: فلا ولاية للنساء ولا للزوج إلا أنه أحق من الأجنبي الخ ج ۱ ص ۹۲۰ (۱)

← قال جعفر: وأخبرني ابن أبي رافع قال: سمعت شقران يقول أنا والله طرحت القطيفة تحت رسول الله صلى الله عليه وسلم في القبر الحديث. (ترمذي شريف، كتاب الجنائز، باب ماجاء في الثوب الواحد يلقي تحت الميت، النسخة الهندية ۱/۲۰۳)

حضرات انبیاء علیہم السلام کے اجساد زمین میں نہیں گلتے ہیں روایت ملاحظہ فرمائیے:

عن أوس بن رؤس قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم إن من أفضل أيامكم يوم الجمعة فيه خلق آدم وفيه قبض وفيه النفخة وفيه الصعقة، فأكثر واعلي من الصلاة فيه فإن صلوكم معروضة على قال: قالوا يا رسول الله! كيف تعرض صلوتنا عليك وقد أرمت، قال: يقولون بليت، فقال: إن الله عز وجل حرم على الأرض اجساد الأنبياء الحديث. (أبو داود شريف، كتاب الصلاة، باب تفریع أبواب الجمعة، النسخة الهندية ۱/۱۵۰، دار السلام رقم: ۱۰۴۷)

شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

(۱) الدر المختار مع الشامی، کتاب الصلاة، باب صلاة الجنائز، مكتبة زكريا ديوبند

۱۲۱/۳، کراچی ۲۲۰/۲-۲۲۱۔ ←

اس روایت سے ثابت ہوا کہ صورت مسئولہ میں عینی بھائی ولی صلوة ہوگا۔

۸/ شعبان المعظم ۱۳۳۳ھ (تمتہ ثالث ص ۶۰)

ثم الولي لأنه أقرب الناس إليه..... ويقدم الأقرب من الأولياء على الأبعد وترتيبهم كالعصبات في الإنكاح إلا الأب مع الابن فيقدم الأب عليه اتفاقاً في الأصح لأن الصلاة تعتبر فيها الفضيلة والأب أفضل. قال في البحر: ولو كان الأب جاهلاً والابن عالماً ينبغي أن يقدم الابن..... والزوج والجيران أولى من الأجنبي. (النهر الفائق، كتاب الصلاة، باب صلاة الجنائز، مكتبة زكريا ديوبند ۱/ ۳۹۱)

ثم الولي الذكر المكلف فلاحق للمرأة ويقدم الأقرب فالأقرب كترتيبهم في النكاح لكن يقدم الأب على الابن في قول الكل على الصحيح لفضله، وقال شيخ مشايخي العلامة نور الدين على المقدسي: لتقديم الأب وجه حسن وهو أن المقصود الدعاء للميت ودعوته مستجابة والسيد أولى من قريب عبده على الصحيح والقريب مقدم على المعتقد، فإن لم يكن ولي فالزوج ثم الجيران. (حاشية الطحطاوي على مراقبي الفلاح، كتاب الصلاة، باب أحكام الجنائز، مكتبة دار الكتاب ديوبند ص: ۵۸۹-۵۹۰)

ثم الولي لأنه أقرب الناس إليه وترتيب الأولياء فيها كترتيبهم في التعصيب والإنكاح؛ لكن إذا اجتمع أبو الميت وابنه كان الأب أولى لأن له مزية على الابن..... وإن لم يكن للميت ولي فالزوج أولى ثم الجيران أولى من الأجنبي. (تبيين الحقائق، كتاب الصلاة، باب الجنائز، مكتبة زكريا ديوبند ۱/ ۵۷۲-۵۷۳، امدادية ملتان ۱/ ۲۳۹)

البحر الرائق، كتاب الصلاة، فصل السلطان أحق بصلاته، مكتبة زكريا ديوبند ۱/ ۳۱۶، كوئٹہ ۲/ ۱۸۰۔

الفتاوى الهندية، كتاب الصلاة، الباب الحادي والعشرون في الجنائز، الفصل الخامس في الصلاة على الميت قديم زكريا ۱/ ۱۶۳، جديد زكريا ۱/ ۲۲۴۔

شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

## کفن کے صرفہ کے وجوب میں ترتیب

**سوال (۷۲۲):** قدیم ۱/۴۱- ایک عورت نے شوہر اور عینی بھائی چھوڑ کر وفات پائی اس صورت میں اس کی تجہیز و تکفین کا خرچ کون دے گا؟

**الجواب:** في الدر المختار: وكفن من لا مال له على من تجب عليه نفقته، فإن تعددوا فعلى قدر ميراثهم واختلف في الزوج والفتوى على وجوب كفنها عليه عند الثانى الخ. وفي رد المحتار: عن شرح المنية ان قول أبي حنيفة كقول أبي يوسف اه وأطال في تفصيل المسئلة ج ۱ ص ۹۰۴ و ۹۰۵. (۱)

اس روایت سے معلوم ہوا کہ شوہر پر واجب ہوگا۔ واللہ اعلم

۸ شعبان ۱۳۳۳ھ (تمہ ثالثہ ص ۶۰)

(۱) الدر المختار مع الشامی، کتاب الصلاة، باب صلاة الجنائز، مكتبة زكريا ۱۰۰/۳-۱۰۱، کراچی ۲/۲۰۵-۲۰۶.

وعلى الرجل تجهيز امرأته أي تكفينها ودفنها عند أبي حنيفة لو كانت معسرة وهذا التخصيص مختار صاحب المغني والمحيط والظهيرية انتهى، ويلزمه أبو يوسف بالتجهيز ملطفاً أي ولو كان الزوج معسراً وهي موسرة في الأصح وعليه الفتوى ومن مات ولا مال له فكفنه على من تلزمه نفقته من أقاربه وإذا تعدد من وجبت عليه النفقة فالكفن على قدر ميراثهم كالنفقة. (حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، كتاب الصلاة، باب أحكام الجنائز، مكتبة دار الكتاب ديوبند ص: ۵۷۳-۵۷۴)

ومن لم يكن له مال فالكفن على من تجب عليه النفقة إلا الزوج في قول محمد وعلي قول أبي يوسف يجب الكفن على الزوج وإن تركت مالا وعليه الفتوى هكذا في فتاوى قاضیخان. (ہندیہ، کتاب الصلاة، الباب الحادی والعشرون فی الجنائز، الفصل الثالث فی التکفین قدیم زکریا ۱/۱۶۱، جدید زکریا ۱/۲۲۲) ←

## لاش کے پوسٹ مارٹم کا حکم

**سوال (۷۲۵):** قدیم ۱/۴۱- جب کوئی شخص زہر وغیرہ کھا کر یا کسی کے کھلانے سے مر جاتا ہے یا زخم و ضرب شدید سے مر جاتا ہے تو اس مردہ لاش کو ڈاکٹر لوگ چیر کر دیکھتے ہیں اور بعض دفعہ بعد چیرنے کے تمام لاش تو دلوادیتے ہیں اور صرف دل و کبھی و گردہ وغیرہ نکال کر بڑے ڈاکٹر کے پاس برائے ملاحظہ لاہور بھیجتے ہیں اور وہ بعد ملاحظہ وہیں کہیں داب یا پھینک دیتا ہے پس عرض ہے کہ کوئی مسلمان ڈاکٹر ہو تو وہ ایسا کام کرے؟ یا شرع شریف میں اجازت نہیں؟

← ویکفن المیت من جمیع مالہ قبل الوصایا والدیون والمواریت ومن لم یکن له مال فکفنه علی من یجب له علیہ نفقته إلا المرأة فإنه لا یجب کفنها علی زوجها عند محمدؐ خلافاً لأبی یوسفؒ، فإن عنده یجب علیہ الکفن وإن ترک ما لا وفی الکبری: وبہ یفتی. (الفتاویٰ التاتاریخانیہ، کتاب الصلاة، الفصل الثانی والثلاثون فی التکفین، مکتبۃ زکریا دیوبند ۳۱/۳، رقم: ۳۶۵۷)

وأما بیان من یجب علیہ الکفن: فنقول: کفن المیت فی مالہ إن کان له مال ویکفن من جمیع مالہ قبل الدین والوصیۃ والمیراث لأن هذا من أصول حوائج المیت فصار کنفقته فی حال حیاته وإن لم یکن له مال فکفنه علی من تجب علیہ نفقته کما تلزمہ کسوته فی حال حیاته إلا المرأة فإنه لا یجب کفنها علی زوجها عند محمدؐ لأن الزوجیۃ انقطعت بالموت فصار کالأجنبي، وعند أبی یوسفؒ یجب علیہ کفنها کما تجب علیہ کسوتها فی حال حیاتها. (بدائع الصنائع، کتاب الصلاة، فصل أما بیان من یجب علیہ الکفن، مکتبۃ زکریا دیوبند ۲/۴۲)

البحر الرائق، کتاب الصلاة، باب الجنائز، مکتبۃ زکریا دیوبند ۲/۳۱۱، کوئٹہ

۱۷۷/۲-۱۷۸

شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

**الجواب:** في الدر المختار: حامل ماتت وولدها حي يضطرب شق بطنها إلى قوله ولو بلع مال غيره ومات هل يشق فيه قولان والأول نعم فتح، وفي رد المحتار: قوله: ولو بلع مال غيره أي ولا مال له كما في الفتح، وشرح المنية: ومفهومه أنه لو ترك ما لا يضمن ما بلعه لا يشق اتفاقاً قوله: والأول نعم لأنه وإن كان حرمة الأدمي أعلى من صيانة المال لكنه أزال احترامه بتعديه كما في الفتح ومفاده أنه لو سقط في جوفه بلا تعد لا يشق اتفاقاً، ج ١ ص ٩٣٨ (١)

(١) الدر المختار مع الشامي، كتاب الصلاة، باب صلاة الجنائز، مكتبة زكريا ديوبند ١٤٤٥-١٤٤٦، كراچی ٢/٢٣٨.

امرأة ماتت واضطرب الولد في بطنها وغلب على رأيهم أنه حي يشق بطنها أما لو ابتلع لؤلؤة أو مالاً لإنسان، ثم مات ولا مال له ففي التجنيس، أنه لا يشق بطنه وفرق بينه وبين المسئلة الأولى أن هناك إبطال حق الميت لصيانة حرمة الحي فيجوز وهنا إبطال حرمة الأعلى وهو الأدمي لصيانة الأدنى وهو المال بناء على أن حرمة الميت كحرمة الحي ولا يشق بطنه حياً لو ابتلع ذلك، فكذا بعد الموت، وذكر في الاختيار؛ أن عدم الشق فيه رواية عن محمد وروي الجرجاني عن أصحابنا أنه يشق لأن حق الأدمي مقدم على حق الله تعالى وعلى حق الظالم المتعدي. قال الشيخ كمال الدين بن الهمام: وهذا أولى والجواب عن الفرق أن ذلك الاحترام يزول بتعديه انتهى، وإنما لم يشق في حال الحياة لا فضائه إلى الهلاك لا لمجرد الاحترام ولا كذلك بعد الموت. (حلي كبير، كتاب الصلاة، فصل في الجنائز، مكتبة اشرفية ديوبند ص: ٦٠٨)

امرأة حامل ماتت واضطرب في بطنها شيء وكان رأيهم أنه ولد حي شق بطنها، فرق بين هذا وبين ما إذا ابتلع الرجل ذرة فمات ولم يدع مالاً عليه القيمة ولا يشق بطنه لأن في المسئلة الأولى إبطال حرمة الميت كصيانة حرمة الحي فيجوز. أما في المسئلة الثانية إبطال حرمة الأعلى وهو الأدمي لصيانة حرمة الأدنى وهو المال ولا كذلك في المسئلة الأولى انتهى. ←

اس سے معلوم ہوا کہ فی نفسہ میت کا چیرنا امر ناجائز ہے صرف کسی دوسرے زندہ کی جان بچانے کیلئے یا مال محترم کے محفوظ کرنے کیلئے جبکہ اس کا بدل بھی نہ ہو سکے بضرورت شدیدہ اجازت دی گئی ہے اور صورت مسئلہ میں یہ ضرورت شدیدہ متحقق نہیں اور جو ضرورت و مصلحت اس کا سبب ہے وہ اس درجہ کی نہیں اس لئے عدم جواز ہی کا حکم باقی رہے گا۔ اور جس شخص کو کلبچی و گردہ وغیرہ مل جاویں واجب ہے کہ ان کو دفن کر دے پھینک کر بے حرمتی نہ کرے۔ (۱)

← وتوضیحه الاتفاق علی أن حرمة المسلم میتاً کحرمتہ حیاً، ولا یشق بطنه حیاً لو ابتلعها إذا لم یخرج مع الفضلات فکذا میتاً بخلاف شق بطنها لإخراج الولد إذا علمت حیاته، وفي الاختیار جعل عدم شق بطنه عن محمدؐ، ثم قال: وروي الجرجاني عن أصحابنا: أنه لا یشق لأنه حق الآدمي مقدم علی حق الله تعالى ومقدم علی حق الظالم المتعدي انتهى، وهذا أولى، والجواب ما قدمنا أن ذلک الاحترام یزول بتعديده. (فتح القدیر، کتاب الصلاة، باب أحكام الجنائز، مكتبة زکریا دیوبند ۲/۱۵۰، کوئٹہ ۲/۱۰۲)

وفي الظهیرية: مات واضطرب الولد في بطنها یشق ویخرج لا یسع إلا ذلک کذا في شرح المقدسي (مراقی الفلاح) وفي الطحطاوي: قوله: ”یشق“ قیده في الدرر بالجانب الأيسر ولو بالعکس وخیف علی الأم قطع وأخرج، ولو ابتلع مال غیره، ومات لا یشق بطنه علی قول محمدؐ وروي الجرجاني عن أصحابنا أنه یشق قال الکمال وهو أولى معللاً بأن احترامه سقط بتعديده والاختلاف في شقه مقید بما إذا لم یت ترک مالا وإلا لا یشق اتفاقاً قاله السيد. (حاشیة الطحطاوي علی مراقی الفلاح، کتاب الصلاة، باب أحكام الجنائز، مكتبة دارالکتاب دیوبند ص: ۵۹۷-۵۹۸)

الحموي علی الأشباه قديم تحت القاعدة الخامسة ص: ۱۴۵.

(۱) وإذا وجد شیئی من اطراف المیت کید أو رجل أو رأس لم یغسل ولم یصل علیہ ولكنه یدفن. (الفتاویٰ التاتارخانیة، کتاب الصلاة، الفصل الثاني والثلاثون في الجنائز، مكتبة زکریا دیوبند ۳/۸۶، رقم: ۳۷۸۴) ←

اور جس شخص کو ملازمت کی ضرورت سے ایسی چیر پھاڑ کا اتفاق ہو وہ اس فعل کو ناجائز سمجھے اور استغفار کرے اور جب تک دوسری نوکری قابلِ یسر میسر نہ ہو تو یہ نوکری نہ چھوڑے کہ من ابتلی ببلیتین فلیختر اھونھما۔ (۱)

۱۶/ جمادی الاول ۱۳۳۲ھ (تتمہ رابعہ ص ۷۱)

## ناپاک چار پائی پر نماز جنازہ کے عدم جواز کا حکم

**سوال (۷۲۶):** قدیم ۱/۴۲- جنازہ ناپاک چار پائی پر رکھ کر نماز پڑھی تو نماز ہو جاتی ہے یا نہیں؟

**الجواب:** في الدر المختار: وفي القنية: الطهارة من النجاسة في ثوب وبدن ومكان وستر العورة شرط في حق الميت والإمام جميعا. وفي رد المحتار: لكن في التاتارخانية سئل قاضي خان عن طهارة مكان الميت هل تشترط بجواز الصلوة عليه. قال إن كان الميت على الجنائز لا شك أنه يجوز وإلا فلا رواية لهذا وينبغي الجواز وهكذا أجاب القاضي بدر الدين ج ۱ ص ۹۰ (۲)

۱۳/ رمضان المبارک ۱۳۳۷ھ (تتمہ خامسہ ص ۹۱)

← المحيط البرهاني، كتاب الصلاة، الفصل الثاني والثلاثون في الجنائز، المجلس العلمي ۱۰۷/۳، رقم: ۲۵۱۷-۲

بدائع الصنائع، كتاب الصلاة، شرائط وجوب الغسل، مكتبة زكريا ديوبند ۲۹/۲- (۱) إن من ابتلى ببليتين وهما متساويتان يأخذ بأيتهما شاء وإن اختلفا يختار اھونھما لأن مباشرة الحرام لا تجوز إلا للضرورة ولا ضرورة في حق الزيادة. (الأشباه والنظائر قديم القاعدة الخامسة الضرر يزال ص: ۱۴۵)

شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

(۲) الدر المختار مع الشامی، كتاب الصلاة، باب صلاة الجنائز، مكتبة زكريا ديوبند

۱۰۳/۳، کراچی ۲۰۸/۲ ←

## خودکشی کرنے والے کی نماز جنازہ کا حکم

**سوال (۷۷۷):** قدیم ۴۲/۱۔ اگر کسی شخص نے عمداً خودکشی کی ایفون پی کریا اور کسی وسیلہ سے تو اس پر نماز جنازہ جائز ہے یا نہیں؟

← وفي القنية: الطهارة من النجاسة في الثوب والبدن والمكان وستر العورة شرط في حق الإمام والميت جميعاً. (البحر الرائق، كتاب الصلاة، فصل السلطان أحق بصلاته، مكتبة زكريا ديوبند ۳۱۵/۲، كوئٹہ ۱۷۹/۲)

سكب الأنهر على هامش مجمع الأنهر، كتاب الصلاة، باب أحكام الجنائز، دار الكتب العلمية بيروت ۲۶۹/۱۔

وشرائطها ستة أولها إسلام الميت والثاني طهارته وطهارة مكانه لأنه كالإمام (مراقى الفلاح) وفي الطحطاوي قوله: وطهارة مكانه، قال في القنية: الطهارة من النجاسة في الثوب والبدن والمكان وستر العورة شرط في حق الإمام يعني المصلي والميت جميعاً اه. وفي السيد وأما مكانه أي إذا كان نجساً فإن كان الميت على الجنائز تجوز الصلاة وإن كان على الأرض ففي الفوائد يجوز وجزم في القنية بعدمه. (حاشية الطحطاوي على مراقى الفلاح، كتاب الصلاة، باب أحكام الجنائز، فصل في الصلاة عليه، مكتبة دار الكتاب ديوبند ص: ۵۸۱-۵۸۲)

يشترط لصحة صلاة الجنائز ما يشترط بقية الصلوات من الطهارة الفقهية بدناً وثوباً ومكاناً والحكمية، وستر العورة واستقبال القبلة والنية سوى الوقت. (الموسوعة الفقهية الكويتية ۱۸/۱۶)

بدائع الصنائع، كتاب الصلاة، صلاة الجنائز، فصل في بيان ما تصح به وما تفسد وما يكره، مكتبة زكريا ديوبند ۵۴/۲۔

شیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ



**الجواب:** في الدر المختار: من قتل نفسه ولو عمداً يغسل ويصلى عليه به يفتى اه

وأجاب في ردالمحتار عن استدلال الثاني. (١)

اس روایت سے ثابت ہوا کہ اس پر نماز جنازہ پڑھی جاوے گی۔

١٠ جمادی الاول ١٢٣٣ھ (تمتہ خامس ص ٣٦١)

(١) الدر المختار مع الشامی، کتاب الصلاة، باب صلاة الجنائز، مكتبة زكريا

١٠٨/٣، کراچی ٢/٢١١۔

عن واثلة بن الأسقع قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم صلوا على كل ميت،

وجاهدوا مع كل أمير. (سنن ابن ماجه، كتاب الجنائز، باب في الصلاة على أهل القبلة، النسخة

الهندية ص: ١٠٩، دار السلام رقم: ١٥٢٥)

عن عمران قال: سئلت إبراهيم النخعي عن إنسان قتل نفسه أيصلي عليه؟ قال: نعم!

إنما الصلاة سنة. (مصنف لابن أبي شيبة، كتاب الجنائز، باب في الرجل يقتل نفسه..... مؤسسه

علوم القرآن بيروت ٧/٣٧٦، رقم: ١١٩٩٠۔

عن جابر بن سمرة أن رجلاً قتل نفسه فلم يصلى عليه النبي صلى الله عليه وسلم..... وقد

اختلف أهل العلم في هذا، فقال بعضهم: يصلى على كل من صلى للقبلة وعلى قاتل النفس

وهو قول سفيان الثوري وإسحاق، وقال أحمد، لا يصلى الإمام على قاتل النفس ويصلى عليه

غير الإمام. (ترمذي شريف، كتاب الجنائز، باب ما جاء فيمن قتل نفسه لم يصلى عليه، النسخة

الهندية ١/٢٠٥، دار السلام رقم: ١٠٦٨)

وفي الجامع الصغير: من قتل نفسه يغسل ويصلى عليه، قال الحجة: وهو الصحيح؛

لأنه مؤمن مذب فصار كغيره من أصحاب الكبائر. (الفتاوى التاتارخانية، كتاب الصلاة الفصل

الثاني والثلاثون من يصلى عليه ومن لا يصلى عليه، مكتبة زكريا ٣/٥٦، رقم: ٣٧٠٨)

ومن قتل نفسه عمداً يصلى عليه عند أبي حنيفة، ومحمد وهو الأصح، كذا في التبيين.

(هندية، الباب الحادي والعشرون في صلاة الجنائز، الفصل خامس في الصلاة على الميت قديم

زكريا ١/١٦٣، جديد زكريا ١/٢٢٤) ←

## علماء اور سردار میت کے سر پر عمامہ کی کراہت

**سوال (۷۲۸):** قدیم ۱/۴۵- عمامہ دادن میت علماء و سردار را در شرع جائزست یا نہ؟

**الجواب:** مکروہ است۔ (۱)

۲۳/ ذی الحجہ ۱۳۳۸ھ (تمہ کاسہ ص ۱۷۲)

← تبیین الحقائق، کتاب الصلاة، باب صلاة الجنائز، مكتبة زكريا ديوبند ۱/ ۵۹۷، امدادیہ ملتان ۱/ ۲۵۰۔

سکب الأنهر علی هامش مجمع الأنهر، کتاب الصلاة، باب صلاة الجنائز، دارالکتب العلمیہ بیروت ۱/ ۲۸۱۔

شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

(۱) میت کے سر پر عمامہ باندھنے کے بارے میں فقہاء کے درمیان اقوال مختلف ہیں؛ لیکن زیادہ صحیح اور رائج یہی ہے کہ یہ عمل اشراف غیر اشراف سب کے لئے مکروہ ہے۔

عن عائشة أن رسول الله صلى الله عليه وسلم كفن في ثلاثة أثواب ليس فيها قميص ولا عمامة، وعنهما أن رسول الله صلى الله عليه وسلم كفن في ثلاثة أثواب بيض سحولية ليس فيها قميص ولا عمامة. (بخاري شريف، كتاب الجنائز، باب الكفن بلا عمامة، النسخة الهندية ۱/ ۱۶۹، رقم: ۱۲۵۸-۱۲۵۹، ف: ۱۲۷۲-۱۲۷۳)

(السنن الكبرى للبيهقي، كتاب الجنائز، جمع أبواب عدد الكفن، باب السنة في تكفين الرجل في ثلاثة أثواب ليس فيهن قميص ولا عمامة. (دارالفكر بيروت ۵/ ۲۶۱، رقم: ۶۷۷۳-۶۷۷۴) وتكره العمامة للميت في الأصح (در مختار) وفي الشامية: قوله: (في الأصح) وهو أحد تصحيحين قال القهستاني: واستحسن على الصحيح العمامة يعمم يميناً ويذنب ويلف ذنبه على كورة من قبل يمينه، وقيل يذنب على وجهه كما في التمر تاشي، وقيل هذا إذا كان من الأشراف، وقيل هذا إذا لم يكن في الورثة صغار وقيل لا يعمم بكل حال كما في المحيط، والأصح أنه تكره العمامة بكل حال كما في الزاهدي. (الدر المختار مع الشامي،

كتاب الصلاة، باب صلاة الجنائز، مكتبة زكريا ديوبند ۳/ ۹۵-۹۶، كراچی ۲/ ۲۰۲) ←

## روضہ اقدس ﷺ پر بناء قبہ کے جواز کی دلیل

**سوال (۷۲۹):** قدیم ۱/۷۷ - آج اخبار الجمعية میں ایک مضمون سید سلیمان صاحب ندوی کا میری نظر سے گزرا جس میں سید صاحب موصوف نے تحریر فرمایا ہے کہ نجد یوں کے دستِ تظلم سے بعض مزارات و مولید کی تخریب جو بعض اخباروں میں شائع کی گئی ہے اول تو وہ پایہ ثبوت کو نہیں پہنچی، دوسرے مزارات و مولید مذکورہ اصلی نہیں بلکہ خلفائے بنی امیہ و عباسیہ کے تعمیر کردہ ہیں اور ان کو منہدم کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں! تیسرے ان مقامات پر بدعتی رسوم جاری ہیں جن کا انسداد ضروری ہے! چوتھے ان قبور میں مساجد کے ساتھ مماثلت پائی جاتی ہے اگر یہ توضیح درست ہے تو کیا سرور کائنات ﷺ کا قبہ شریف اس حد میں نہیں آتا؟ اور اگر آتا ہے تو کیا اس کے ساتھ بھی ایسا سلوک جائز ہے؟ جواب باصواب سے مطلع فرمایا جاوے۔

← وسنة كفن الرجل قميص وهو من المنكب إلى القدم وإزار ولفافة وهما من القرن إلى القدم ويتحسن بعض المتأخرين العمامة للعلماء والأشراف ويجعل ذنبها على وجهه وفي المجتبى: الأصح إنها مكروهة. (سكب الأنهر على هامش مجمع الأنهر، كتاب الصلاة، باب صلاة الجنائز، دار الكتب العلمية بيروت ۱/۲۶۷)

وہل یعمم الرجل؟ اختلف المشايخ فيه: منهم من قال: يعمم؛ لأن ابن عمر رضي الله عنهما، به، ومنهم من يقول: إن كان في الورثة صغار لا يعمم، وإن كانوا كباراً وعمموا برضاهم يجوز، ومنهم من قال: إن كان عالمًا معروفًا أو من الأشراف يعمم، وإن كان من أوساط الناس لا يعمم، ومنهم من قال: لا يعمم على كل حال لما روينا من الحديث؛ ولأنه لو عمم يصير الكفن شفعًا. (المحيط البرهاني، كتاب الصلاة، الفصل الثاني والثلاثون الجنائز، المجلس العلمي ۳/۶۶، رقم: ۲۴۲۱)

الفتاوى التاتارخانية، كتاب الصلاة، الفصل الثاني والثلاثون، الجنائز، مكتبة زكريا ديوبند ۳/۲۷، رقم: ۳۶۵۰ -

النهر الفائق، كتاب الصلاة، باب صلاة الجنائز، مكتبة زكريا ديوبند ۱/۳۸۶ -

شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

\*\*\*\*\*  
**الجواب:** سید القبور یعنی قبر سید اہل القبور ﷺ ما اختلف القبور والدبور

کا قیاس دوسری قبور پر قیاس مع الفارق ہے حدیثوں میں منصوص ہے کہ آپ کا دفن کرنا موضع وفات ہی میں مامور بہ ہے (۱) اور موضع وفات ایک بیت تھا جو جدران و سقف پر مشتمل تھا اس سے معلوم ہوا کہ آپ کی قبر شریف پر جدران و سقف کے مٹی ہونے کی اجازت ہے اور بناء علی القبر سے جو مٹی آئی ہے وہ وہ ہے جو بناء للقبر ہو اور یہاں ایسا نہیں۔

اب رہا اس کا بقاء یا ابقاء سو چونکہ بعد دفن کے خلفاء راشدین میں سے کسی نے اس بناء کی بقاء پر نکیر نہیں فرمایا بلکہ ایک موقع پر استسقاء کی ضرورت شدیدہ سے صرف سقف میں ایک روشندان کھولا گیا تھا جس سے اس بناء کی بقاء کا مشروع ہونا بھی معلوم ہو گیا اور ظاہر ہے کہ بقاء ایسی اشیاء کا بدون اہتمام ابقاء کے عادتہ ممکن نہیں اس لئے اہتمام ابقاء کی مطلوبیت بھی ثابت ہو گئی اور چونکہ عمارت کا استحکام ادخل فی الابقاء ہے اس لئے اس کی مقصودیت بھی ثابت ہو گئی خصوص جب اس میں اور مصالح شرعیہ بھی ہوں۔ مثلاً حضور اقدس ﷺ کے جسد مطہر کو اعداء دین سے محفوظ رکھنا کہ ان کا تسلط (نعوذ باللہ منہ) یقیناً مفوت احترام ہے

\*\*\*\*\*

(۱) عن عائشة رضي الله تعالى عنها قالت: لما قبض رسول الله صلى الله عليه وسلم اختلفوا في دفنه، فقال أبو بكر: سمعت من رسول الله صلى الله عليه وسلم شيئاً ما نسيته قال ما قبض الله نبياً إلا في الموضع الذي يجب أن يدفن فيه، أدفنوه في موضع فراشه. (شمائل ترمذي، باب ما جاء في وفات رسول الله صلى الله عليه وسلم، النسخة الهندية ص: ۲۶)

ترمذي شريف، كتاب الجنائز، باب بلا ترجمه، النسخة الهندية ۱/ ۹۷-۹۸، دارالسلام رقم: ۱۰۱۸۔

وأخرج ابن ماجة عن ابن عباس حديثاً طويلاً وفيه لقد اختلف المسلمون في المكان الذي يحفر له، فقال قائلون يدفن في مسجده، قال قائلون: يدفن مع أصحابه فقال أبو بكر: إني سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول: ما قبض نبي إلا دفن حيث يقبض الحديث (ابن ماجة شريف، أبواب ما جاء في الجنائز، باب ذكر وفاته ودفنه صلى الله عليه وسلم، النسخة الهندية ص: ۱۱۷، دارالسلام، رقم: ۱۶۲۸)

\*\*\*\*\*

اور جسم مبارک کے احترام کا مقصود ہونا اجلی بدیہیات سے ہے اور اسی حکمت پر علماء اسرار نے آپ کی شہادت جلیہ کے انتفاء کو مٹی فرمایا ہے اور مثلاً آپ کی قبر معطر کو عشاق کی نظر سے مستور رکھنا کہ اس کا نظر آنا غلبہ عشق میں محتمل تھا افضاء الی التجاوز عن الحدود الشرعیہ کو جیسا مرض وفات میں کئی وقت کے بعد حضور ﷺ کا چہرہ انور دیکھ کر قریب تھا کہ نماز کا انتظام ہی درہم برہم ہو جائے جس کا نوٹ شیخ دہلویؒ نے اس شعر میں کھینچا ہے۔

در نماز مخم ابروئے توچوں یاد آمد      حالتے رفت کہ مہراب بفر یاد آمد

اور یہ دونوں امر (جو کہ حافظ المصالح الشرعیہ ہونے کے سبب مقصود ہیں) بدون بقاء بناء کے خاص اہتمام و استحکام کے محفوظ نہیں رہ سکتے اس لئے مقدمہ مقصود ہونے کے سبب یہ اہتمام بھی مقصود ہو گیا نیز قبر منور ایسے موقع پر ہے کہ اس کے پیچھے مسجد کا حصہ ہے بدون حائل کے قبر کی طرف سجدہ واقع ہوتا تو اس بناء میں جیلولتہ کی بھی مصلحت ہے پس ثابت ہو گیا کہ ایکم مثلہ کی طرح قبر ایکم مثل قبری کا حکم بھی کیا جاوے گا۔ واللہ اعلم

**لطیفہ:** اس تحریر کے بعد مثنوی معنوی لے کر دعاء کی کہ الہی اگر یہ حق لکھا گیا تو مثنوی میں اس کے حق ہونے کی تائید میں کوئی مضمون نکل آوے اور بسم اللہ کر کے کھولا یہ اشعار شروع صفحہ ہی میں نکلے جن کا مؤید ہونا بالکل ظاہر ہے۔

ایں نہ کردی تو کہ من کردم یقین      اے صفات در صفات مادیں  
تو دریں مستعملی نے عالی      زانکہ محمول منی نے حالی  
مارمیت از رمیت گشتہ      خویشتن در موج چون کف ہشتہ  
لاشدی پہلوئے الا خانہ گیر      اے عجب کہ ہم اسیری ہم امیر  
**تنبیہ:** میں اس جواب کو علم (\*) پڑی سمجھتا ہوں ممکن ہے کہ کوئی صرف محبت پڑی سمجھے۔

۲۰ صفر المظفر ۱۳۴۲ھ

(\*) ویکرہ الدفن فی البیوت لا اختصاصہ بالأنبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام قال الکمال لا یدفن صغیر ولا کبیر فی البیت الذی مات فیہ فإن ذلک خاص بالأنبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام بل یدفن فی مقابر المسلمین۔ (حاشیۃ الطحطاوی مع مراقی الفلاح، کتاب الصلوٰۃ، باب احکام الجنائز، فصل فی حملہا ودفنہا، مکتبۃ دارالکتاب دیوبند ص: ۶۱۲) سعید احمد پالن پوری

## اس جواب پر ایک دوسرے مقام سے اور سوال آیا

### جمع جواب ذیل میں مذکور ہے

**سوال:** اب رہ گیا یہ شبہ کہ اس میں حضرات شیخین کی قبریں کیوں بنیں اس کا جواب کوئی سمجھ میں نہیں آتا ہے سوائے اس کے کہ حضرت عائشہ صدیقہؓ نے خواب دیکھا تھا کہ میرے حجرہ میں تین سورج یا تین چاند نکلے ہیں (اس وقت صحیح یا دہش کہ سورج ہے یا چاند) اور بروقت وفات کے حضرت ابوبکر صدیقؓ نے فرمایا تھا کہ ایک چاند آنحضرتؐ سرور کائنات ﷺ ہیں اور اس کے علاوہ بھی بشارات (ادلہ مبشرہ بالفضل نہ کہ منامات) شاید ہوں گی جس کی وجہ سے حضرات شیخین یہاں دفن فرمائے گئے۔ خلاصہ یہ کہ حضرات شیخین تبعاً وہاں دفن ہوئے ہیں اور حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے جو تعمیر جدید فرمائی وہ اصل میں آنحضرتؐ سرور کائنات کیلئے تھی نہ بالقصد حضرات شیخین کیلئے اس کے علاوہ کوئی جواب سمجھ میں نہیں آتا؟

**الجواب:** سب جواب ٹھیک ہے اور قواعد کے موافق اسی کی تائید دوسری روایات سے ہوتی ہے۔  
وہی ہذہ عن ابن عمر أن النبی ﷺ خرج ذات یوم ودخل المسجد وأبو بکرؓ وعمرؓ أحدهما عن یمینہ والآخر عن شمالہ وهو أخذ بأیدیہما۔ فقال: ہکذا نبعث یوم القیمة: رواہ الترمذی وقال: ہذا حدیث غریب۔ (۱)

وعن ابن عباسؓ قال: انی لواقف فی قوم فدعو اللہ لعمر وقد وضع علی سریرہ إذا رجل من خلفی قد وضع مرفقہ علی منکبى یقول یرحمک اللہ انی لأرجو أن یجعلک اللہ مع صاحبیک لأنى کثیر اما کنت أسمع رسول اللہ ﷺ

(۱) ترمذی شریف، أبواب المناقب، باب قوله عليه الصلاة والسلام لأبي بكر وعمر هكذا نبعث يوم القيامة، النسخة الهندية ۲/۲۰۸، دار السلام رقم: ۳۶۶۹۔

عن نافع عن ابن عمرؓ قال: خرج رسول الله صلى الله عليه وسلم بين أبي بكر وعمرؓ فقال: هكذا نبعث يوم القيامة. (ابن ماجة شریف، كتاب السنة، باب في فضائل أصحاب رسول الله صلى الله عليه وسلم، فضل أبي بكر، النسخة الهندية ص: ۱۰، ياسر ندیم اینڈ کمپنی دیوبند، دار السلام رقم: ۹۹)

يقول: كنت وأبوبكر، وعمر، وفعلت وأبوبكر وعمر وانطلقت وأبوبكر وعمر ودخلت وأبوبكر وعمر وخرجت وأبوبكر وعمر فالتفت فإذا علي ابن أبي طالب متفق عليه (مشكوة المصابيح) باب مناقب أبي بكر، وعمر<sup>رض</sup> (١) في المشكوة المصابيح باب نزول عيسى بن مريم.

عن عبد الله بن عمر<sup>رض</sup> قال: قال رسول الله ﷺ ينزل عيسى بن مريم إلى الأرض فيتزوج ويولد له ويمكث خمسا وأربعين سنة، ثم يموت فيدفن معي في قبري فأقوم أنا وعيسى بن مريم في قبر واحد (أي في مقبرة واحدة) بين أبي بكر وعمر<sup>رض</sup> رواه ابن الجوزي في كتاب الوفاء. (٢)

وروى الترمذي ج ٢ ص ٢٠٢. في أخبار باب من أبواب المناقب. عن أبي مودود المدني ناعثمان بن ضحاک عن محمد بن يوسف بن عبد الله بن سلام عن أبيه عن جده. قال مكتوب في التوراة صفة محمد وعيسى بن مريم يدفن معه قال: فقال أبو مودود قد بقي في البيت موضع قبر هذا حديث حسن غريب. (٣)

(١) بخاري شريف، كتاب فضائل الصحابة، باب قول النبي صلى الله عليه وسلم لو كنت متخذًا خليلاً، النسخة الهندية ٥١٩/١، رقم: ٣٥٤٥، ف: ٣٦٧٧ - مسلم شريف، كتاب فضائل الصحابة، باب من فضائل عمر<sup>رض</sup>، النسخة الهندية ٢٧٤/٢، بيت الأفكار رقم: ٢٣٨٩ - مشكوة شريف، كتاب الفتن، باب مناقب أبي بكر<sup>رض</sup>، مكتبة اشرفية ديوبند ٥٥٩/٢ -

(٢) مشكوة المصابيح، كتاب الفتن، باب نزول عيسى عليه الصلاة والسلام، مكتبة اشرفية ديوبند ٤٨٠/٢ -

(٣) ترمذي شريف، أبواب المناقب عن رسول الله صلى الله عليه وسلم، باب بلاترجمه، النسخة الهندية ٢/٢٠٢، دار السلام رقم: ٣٦١٧ -

وفي خلاصة الوفاء للسمهودى آخر الفصل العاشر في الحديث المذكور لفظ الطبرانى في رواية يدفن عيسى بن مريم عليه السلام مع رسول الله وأبى بكر وعمر فيكون قبر اربعا وفيه عثمان بن الضحاك وثقه ابن حبان وضعفه أبوداؤد. (۱)

روایت اولیٰ مثل صریح کے ہے کہ تینوں حضرات ایک جگہ مدفون ہوں گے اور شارع کی خبر بلا تکمیل دلیل اذن ہے اور یہ احتمال کہ بعد بعث کے پھر مجتمع ہو جاویں لفظ ہکذا بعث سے بعید ہے۔ یہ تو عین بعث کی کیفیت پر دال ہے دوسری روایت میں اس معنی کا لطیف استنباط کیا گیا ہے جو مؤید بالنص ہونے کے سبب حجت ہے۔ تیسری روایت بھی مثل روایت اولیٰ کے صریح ہے؛ بلکہ اس سے بھی اصرح ہے لفظ اقوم میں اس مجاز کا احتمال اور زیادہ بعید ہے اور بلا ضرورت غیر مسموع۔ چوتھی پانچویں روایت کا مجموعہ مخبر ہے کہ حضرات شیخین کا بیت میں دفن ہونا تو راقہ میں بھی مذکور ہے تو شارع من قبلنا سے بھی ثابت ہوا اور سب سے بڑی بات یہ ہے کہ صحابہ کے وقت میں ایسا ہوا اور کسی نے تکمیل نہیں فرمایا تو اس کے اذن پر اجماع ہو گیا اب اس اجماع کی سند خواہ کچھ ہی ہو ہمارے لئے اجماع استثناء کیلئے حجت کافی ہے۔

۲۷ ربیع الاول ۱۳۴۲ھ (تمتہ خامسہ ص ۳۹۵)

## ایصال ثواب سے ثواب پہونچانے والے کے اجر میں کمی آئی

**سوال (۷۳۰):** قدیم ۷۹/۱۔ ایصال ثواب کی نسبت بعض وقت خدشہ گزرتا ہے کہ اگر عمل نیک کا ثواب دوسروں کی روح کو بخشا جاوے تو بخشنے والے کیلئے کیا نفع ہوا؛ البتہ مردوں کو اس سے نفع پہنچتا ہے حضور اس خدشہ کو رفع فرماویں تو فدوی کو اطمینان ہو جاوے گا؟

(۱) وعن عبد الله بن سلام قال: يدفن عيسى بن مريم عليه السلام مع رسول الله صلى الله عليه وسلم صاحبيه رضي الله عنهما فيكون قبره رابع. رواه الطبراني، وفيه عثمان بن الضحاك وثقه ابن حبان وضعفه أبوداؤد. (مجمع الزوائد، كتاب فيه ذكر الأنبياء عليهم السلام، باب ذكر المسيح عيسى ابن مريم عليه السلام، دار الكتب العلمية بيروت ۲۰۶/۸)

شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ



**الجواب:** في شرح الصدور: بتخريج الطبراني عن أبي عمرو قال: قال رسول الله ﷺ إذا تصدق أحدكم صدقة تطوعاً فليجعلها عن أبيه فيكون لها أجرها ولا ينقص من أجره شيئاً. (۱)

یہ حدیث نص ہے اس میں کہ ثواب بخش دینے سے بھی عامل کے پاس پورا ثواب رہتا ہے اور صحیح مسلم کی حدیث سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے۔

من سن سنة حسنة فله أجرها وأجر من عمل بها من غير أن ينقص من أجره شيئاً أو كما قال. (۲)

وجہ تائید ظاہر ہے کہ دوسرے شخص کی طرف تعدیہ ثواب سے بھی عامل کا ثواب کم نہیں ہوتا اتنا فرق ہے کہ حدیث طبرانی میں تعدیہ بالقصد ہے اور حدیث مسلم میں بلا قصد سو یہ فرق حکم مقصود میں کچھ مؤثر نہیں اور فقہاء نے بھی ان روایات کے مدلول کو بلا تاویل متعلق بالقبول کیا ہے۔

(۱) وعن عبد الله بن عمرو قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: إذا تصدقة بصدقة تطوعاً فليجعلها عن أبيه فيكون لهما أجرها ولا ينقص من أجره شيئاً. رواه الطبراني في الأوسط، وفيه خارجة بن مصعب الضبي وهو ضعيف. (مجمع الزوائد، باب الصدقة على الميت، دار الكتب العلمية بيروت ۳/ ۱۳۸-۱۳۹، رقم: ۴۷۶۹)

(۲) أخرج مسلم في صحيحه عن المنذر ابن جرير عن أبيه حديثاً طويلاً - فيه - فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم: من سن في الإسلام سنة حسنة فله أجرها وأجر من عمل بها بعده من غير أن ينقص من أجورهم شيء ومن سن في الإسلام سنة سيئة كان عليه وزرها ووزر من عمل بها من بعده من غير أن ينقص من أوزارهم شيء. (مسلم شريف، كتاب الزكاة، باب الحث على الصدقة ولو بشق تمر أو كلمة طيبة وأنها حجاب من النار، النسخة الهندية ۱/ ۳۲۶، بيت الأفكار رقم: ۱۰۱۷)

نسائي شريف، كتاب الزكاة، باب التحريض على الصدقة، النسخة الهندية

ص: ۲۷۴، دار السلام رقم: ۲۵۵۵۔

کما في رد المحتار: عن زكاة التاتارخانية عن المحيط الأفضل لمن يتصدق نفلاً

أن ينوي لجميع المؤمنين والمؤمنات لأنها تصل إليهم ولا ينقص من أجره. اهـ (۱)  
اور راز اس میں احقر کے ذوق میں یہ ہے کہ معانی میں توسع اس قدر ہے کہ تعدیہ الی الحبل الآخر سے  
بھی محل اول سے زوال نہیں ہوتا۔ چنانچہ تعدیہ علوم و فیوض میں مشاہد ہے بخلاف اعیان کے کہ وہاں ایسا  
نہیں بلکہ ہبہ کرنے کے بعد شے موہوب و اہب کے پاس نہیں رہتی۔

وذكر العارف الروحي في المثنوی بعض اثار التوسع المعنوی فقال۔

در معانی قسمت و اعداد نیست ☆ در معانی تجزیہ و افراد نیست

نقطہ ۲۹/ صفر ۱۳۳۲ھ

(۱) شامی، کتاب الصلاة، باب صلاة الجنازة، مطلب في القراءة لميت وإهداء ثوابها

لہ، مکتبۃ زکریا دیوبند ۱۵۰/۳، کراچی ۲/۲۴۳۔

جامع الجوامع: الأفضل لمن تصدق نفلاً أن ينوي لجميع المؤمنين والمؤمنات

لأنها تصل إليهم ولا ينقص من أجره شيء. (الفتاوى التاتارخانية، كتاب الزكاة، الفصل

السادس عشر، إيجاب الصدقة وما يتصل به، مکتبۃ زکریا دیوبند ۲۶۸/۳، رقم: ۴۳۳۴)

فلإنسان أن يجعل ثواب عمله لغيره عند أهل السنة والجماعة سواء كان

المجعول له حياً أو ميتاً من غير أن ينقص من أجره شيء وأخرج الطبراني والبيهقي

في الشعب عن ابن عمر قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: إذا تصدق

أحدكم بصدقة تطوعاً فليجعلها عن أبيه فيكون لهما أجرها ولا ينقص من أجره شيء.

(حاشية الطحطاوي على مراقبي الفلاح، كتاب الصلاة، باب أحكام الجنائز، فصل في زيارة

القبور، مکتبۃ دارالکتاب دیوبند ص: ۶۲۲، قدیم ۳۴۱)

شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

## اس جواب پر ایک دوسرے مقام سے اور سوال آیا جو مع جواب

### ذیل میں مذکور ہے

**سوال:** مسئلہ مذکورہ عریضہ سابق میں ایک امر قابل تحقیق اور بھی معلوم ہوا جس کے متعلق کوئی نص نہ معلوم ہونے سے اکثر متردد رہا۔ امید کہ اس کے متعلق بھی اگر کوئی نص حضور والا کو معلوم ہو تو شرف آگاہی بخشیں اللہ تعالیٰ اجر جزیل فی الدارین عطا فرماویں وہ جزئیہ یہ ہے کہ وہ اجر تجزی ہو کر مساوی درجہ میں جن جن کو ایصال ثواب کیا گیا ہے انہیں پہنچے گا جیسا کہ عدل کا مقتضا ہے یا ہر ایک کو بلا تجزی پورا پورا اجر اس عمل کا ملے گا جیسا کہ اس کے فضل کا مقتضا ہے؟

**الجواب:** اس سے پہلے بھی کلام ہوا ہے۔

كما في رد المحتار: ويوضحه أنه لو اهدى إلى أربعة يحصل لكل منهم ربه فكذا لو اهدى الربع لو اهدى وابقى الباقي لنفسه. اه ملخصاً قلت لكن سئل ابن حجر المكي عما لو قرأ لأهل المقبرة الفاتحة هل يقسم الثواب بينهم أو يصل لكل منهم مثل ثواب ذلك كاملاً فأجاب بأنه أفتى جمع بالثاني وهو اللائق بسعة الفضل ج ۱ ص ۹۴۴ (۱)

(۱) شامی، کتاب الصلاة، باب صلاة الجنائز، مكتبة زكريا دیوبند ۱۵۲/۳-۱۵۳،

کراچی ۲/۲۴۳-۲۴۴۔

وعن عبد الله بن عمرو قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: إذا تصدق بصدقة تطوعاً فيجعلها عن أبويه فيكون لهما أجرها ولا ينتقص من أجره شيئاً. رواه الطبراني في الأوسط، وفيه خارجه بن مصعب الضبي وهو ضعيف. (مجمع الزوائد، باب الصدقة على الميت، دار الكتب العلمية بيروت ۱۳۸/۳-۱۳۹، رقم: ۴۷۶۹)

فلإنسان أن يجعل ثواب عمله لغيره عند أهل السنة والجماعة سواء كان المجعول ←

مگر کسی نے دلیل میں کوئی نص ذکر نہیں کیا اور ظاہر ہے کہ مسئلہ قیاسی ہے نہیں اس لئے بدون نص اس میں کوئی حکم نہیں کیا جاسکتا البتہ سوال بالا کے جواب میں جو حدیث طبرانی کی مذکور ہے اس کو ظاہر الفاظ سے عدم تجزیہ پر دال کہا جاسکتا ہے کیونکہ اجر ہا کا مرجع صدقہ ہے جس کا حقیقی مفہوم کل الصدقہ ہے نہ کہ جزء الصدقہ اور لہما سے تبادلہ اور شائع اطلاق کے وقت کل واحد ہوتا ہے اور مجموعہ مراد ہونا محتاج قرینہ ہوتا ہے اور قرینہ کا فقدان ظاہر ہے پس معنی یہ ہوئے کہ دونوں میں سے ہر ہر واحد کو پورے صدقہ کا اجر ملے گا اور دوسرے احتمالات مخالفہ غیر ناشی عن دلیل ہیں اس لئے معتبر نہیں اور مسئلہ قطعیات میں سے نہیں اسلئے بھی ایسے احتمالات مضر نہیں۔

نیز سوال سابق کے جواب میں جیسے معلوم ہوا کہ ”تعدیہ ثواب من محل إلى محل موجب نقص في أحد المحليين“ نہیں اسی طرح اس سے یہ بھی لازم آیا کہ تجزیہ جیسا کہ مقتضائے ظاہری تشریک محل مع محل کا ہے۔ نیز موجب نقص في أحد المحليين نہیں کیونکہ تعدیہ و تجزیہ آثار میں متماثل ہی ہوتے ہیں۔ واللہ اعلم

۱۹ ربیع الاول ۱۳۴۲ھ (تمتہ خامسہ ص ۳۹۹)

## اولیاء کے مزاروں پر عمارت تعمیر کرنا کیسا ہے؟

**سوال (۷۳۱):** قدیم ۱/۴۹۔ بحضور حضرت سیدنا و مولا نادامت برکاتہم علیہا السلام

علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ، ادنی خادم خاکپا عرض می نماید کہ در رسالہ النور ماہ شوال ۱۳۴۲ھ ص: ۱۸

← له حیاً أو میتاً من غیر أن ینقص من أجره شیء وأخرج الطبرانی والبیہقی فی الشعب عن ابن عمر قال: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: إذا تصدق أحدکم بصدقة تطوعاً فلیجعلها عن أبویہ فیکون لهما أجرها ولا ینقص من أجره شیء. (حاشیۃ الطحطاوی علی مراقبۃ الفلاح، کتاب الصلاۃ، باب أحكام الجنائز، فصل فی زیارة القبور، مکتبۃ دارالکتاب دیوبند ص: ۶۲۲، قدیم ۳۴۱) شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

**سوال کا ترجمہ:** بہ خدمت حضرت سیدنا و مولا نادامت برکاتہم علیہا السلام، علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

خاک پائے ادنی خادم عرض کرتا ہے کہ رسالہ ’النور‘ ماہ شوال ۱۳۴۲ھ ص: ۱۸ میں

حضور نوشتہ (زائرین قبور کی راحت کیلئے اس قطعہ میں ایک سہ دری اور ایک چاہ تیار کر دیا گیا اور اسی غرض سے سایہ دار درختوں کے نصب کرنے کا خیال ہے اور ان چیزوں کی نگرانی کیلئے ایک آدمی بھی وہاں مشاہرہ پر رکھ دیا گیا ہے)

حضرت قبلہ جان مابندگان در ملک ما میں چنیں رواج است غالباً در ملک قبلہ ہم ایں چنیں خواہد بود کہ جائیکہ بر قبور اولیاء کرام ایں چنیں اسباب راحت زائرین مہیا ہستند بدعات ہم ہستند و جائیکہ نیند بدعات ہم نیند و گمان است کہ ملفوظات مبارکہ قبلہ دیدہ ام و یا از دیگر جاشنیدہ ام کہ شخصے سفارش نامہ از حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ و رضوانہ نزد حضرت مولانا گنگوہیؒ در بارہ بناء نزد مزار حضرت مولانا محمد قاسم صاحب برائے استراحت زائرین آوردہ بود مولانا قبول نہ کرد و فرمود کہ در ایں چنیں امور مامقلد حضرت حاجی صاحب نیستیم امروز عریش بنا شور آہستہ آہستہ فردا قبہ بنا خواہد شد و حضرت اکثر زائرین امداد داد ہش با مجاور می کنند۔ حضور بعد انتقال چناں اورا منع قبول کرد احتمال غیر بعد است کہ

حضرت والا نے تحریر فرمایا ہے کہ (زائرین قبور کی راحت کے لئے اس قطعہ میں ایک سہ دری اور ایک چاہ تیار کر دیا گیا اور اسی غرض سے سایہ دار درختوں کے نصب کرنے کا خیال ہے اور ان چیزوں کی نگرانی کے لئے ایک آدمی بھی وہاں مشاہرہ پر رکھ دیا گیا ہے)

حضرت والا ہم غلاموں کے قبلہ! ہمارے ملک میں اس طرح کا رواج ہے غالباً قبلہ کے ملک میں بھی ایسا ہی ہوگا کہ جس جگہ انبیاء کرام کی قبروں پر اس طرح کے اسباب راحت زائرین کے لئے مہیا ہیں وہاں بدعات بھی ہیں اور جس جگہ نہیں ہیں بدعات بھی وہاں نہیں ہیں اور خیال آتا ہے کہ قبلہ کے ملفوظات مبارکہ میں میں نے دیکھا ہے اور کہیں دوسری جگہ سنا ہے کہ ایک شخص نے زائرین کی راحت کے لئے حضرت نانوتویؒ کے مزار کے پاس عمارت کے سلسلے میں حضرت حاجی صاحب کا سفارش نامہ حضرت گنگوہیؒ کے پاس لایا تھا؛ لیکن مولانا نے قبول نہ کیا اور فرمایا کہ اس طرح کے امور میں ہم حضرت حاجی صاحب کے مقلد نہیں ہیں۔ آج سائبان کی تعمیر ہوگی آہستہ آہستہ کل قبہ کی تعمیر ہو جائے گی، حضرت والا! اکثر زائرین مجاور کی امداد اور داد و ہش کرتے ہیں۔

حضور والا! ان لوگوں کے انتقال کے بعد اور اس (مجاور) کے ممانعت کو قبول کرنے کے بعد یہ احتمال بعید نہیں ہے

از برائے خوشامد اوشان خوابہائے کاذب کہ صاحب قبر از شمار ضعیفی است و دعاء گواست خوابہ ساخت پس ناچار ندر و غیرہ خوابہ ن شدہ خوابہ نذر و دوایں را ہم دلیل قطعی نیست کہ آں مجاور بر طرز حضور والا خوابہ مانند تغیر نخواہد شد خود حضور عالی دریں وصیت نامہ نوشتہ (اور ان کے بعد مدرسہ امداد العلوم اور خانقاہ امداد القلوب کا جو متولی ہو بشرط اس کے کہ اپنے بزرگوں کے طرز پر ہو) معلوم شد کہ طرز ماندن قطعی نیست حضرت در دل من ناکارہ ایں چنین اثر پریشان کنندہ پدید شد کہ من گویم کہ کلام بدعتی ایں حصہ وصیت نامہ نہ بیند اگر دید حجت خوابہ گرفت و اعتراض خوابہ نمود حضرت ہر چہ در دل بے ساختہ بدون تفکر آمدہ عرض نمودہ ام چنانکہ طالب العلم از معلم سوال شبہ خود ظاہر میکند خواہ غلط یا صحیح؟

**الجواب:** بخد مت مخدومی مکریمی دام فیضہم السلام علیکم ورحمۃ اللہ صغیفہ عنایت کہ مشتمل بر دو مشورہ بود مسرور و ممنون فرمودہ جزا کم اللہ تعالیٰ علی ہذا الصبح، نسبت امر اول ایں کہ مصالحے کہ قبل بنالیش در ذہن آمدہ ایں بود

کہ ان لوگوں کی خوشامد کے واسطے جھوٹے خواب کہ قبر والے حضرت تم لوگوں سے راضی ہیں اور دعا گو ہیں گھڑ لیں، پس لامحالہ نذر و غیرہ چاہیں گے اور ان میں اضافہ کے خواہاں ہوں گے اور اس کی بھی قطعی دلیل نہیں ہے کہ وہ مجاور حضرت والا کے طریقہ پر رہے گا اور اس سے نہیں ہٹے گا، خود حضرت والا نے اس وصیت نامہ میں لکھا ہے کہ (اور ان کے بعد مدرسہ امداد العلوم اور خانقاہ امداد القلوب کا جو متولی ہو بشرط اس کے کہ اپنے بزرگوں کے طرز پر ہو) معلوم ہوا کہ طریقہ پر رہنا قطعی اور یقینی بات نہیں ہے۔

حضرت والا! مجھ ناکارہ کے دل میں اس طرح کے پریشان کن خیالات پیدا ہونے لگے ہیں کہ میں کہتا ہوں کہ کون بدعتی وصیت نامہ کے اس حصہ کو نہ دیکھے گا اور اگر دیکھے لے تو دلیل پکڑنے لگے گا اور اعتراض کرنے لگے گا۔ حضرت والا! جو کچھ دل میں بے ساختہ بغیر غور و فکر کے آیا میں نے عرض کر دیا، اس لئے طالب علم استاذ کے سامنے اپنے شبہ اور سوال ظاہر کرتا ہے خواہ غلط ہو یا صحیح۔

**جواب کا ترجمہ:** بہ خدمت مخدومی مکریمی دامہ فیوضہم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

والا نامہ نے جو کہ دو مشورہ پر مشتمل تھا خوش اور ممنون فرمایا، اللہ آپ کو اس خیر و خواہی پر جزائے خیر عطا فرمائے۔

پہلے امر کے متعلق یہ عرض ہے کہ جو مصلحتیں اس کی تعمیر سے پہلے ذہن میں آئیں وہ یہ تھیں:

دفع اذی حرومطر شدیدیہ کہ در وقت تہیہ دفن عارض شد و سہولت وضوء نماز کہ در چنناں وقت ضرورت افتد و راحت زائرین کہ داعی باشد بر غبت آمدن و آں باشد کثرت ایصال راباموات و ایں ہم از مملوبات شرعیہ است و مفسدہ کہ تحریر فرمودہ اند بوجہ عدم وقوع آں دریں نواح بذہن احقر و نیز بذہن محتاطین علماء کہ استشارۃ در خدمت شان پیش کردہ بودم خطور نہ کردہ و اکنون نیز احتمالش بدل نمی چسپد و نہ ایں چنین عمارات کوتاہ و تنگ برائے ایں چنین خرافات کافی میتواں شد چنانچہ بر مزار حضرت مولانا گنگوہیؒ مسجدے ساختہ اند و ایں منکرات نامے و نشانے ندارد و چون ضعفش بدیں مشابہ است ہدم عمارت کہ یقیناً اتلاف مال ست گنجائش ندارد باز تصریحات بانی بانکار چنین امور جواب کافی ست احتجاج محتمل را ورنہ حکایت ”فقالوا ابنوا علیہم بنیاناً“ جائز نہ داشتہ شدے۔ و بایں ہمہ بر طبق سنت میگوئم ”لو استقبلت من امری ما استدبرت، الحدیث“ و نسبت امر دوم یعنی تقریر اجیر آنجا ایں کہ آں انتظام مستمر نیست ورنہ آں اجیر در نظر زائرین وقعتے دارد کہ ایں چنین سخناں را از و قبول کنند پس قیامش محدود است بہ پرورش اشجار کہ در اسرع زمان انشاء اللہ تعالیٰ دست دہد پس دریں ہم مفاسد محتمل نیست

سخت گرمی و بارش کی تکلیف کا دفعیہ جو کہ دفن کی تیاری کے وقت پیش آجائے، وضوء نماز کی سہولت جس کی اس وقت ضرورت پڑے، اور زائرین کی راحت جو حاضری کے رغبت کا داعی ہو اور یہ مردوں کی کثرت ایصال ثواب کا سبب ہو اور یہ بھی مطلوب شرعیہ میں سے ہے اور جو مفسدہ تحریر کیا گیا ہے، اس کے اس علاقہ میں واقع نہ ہونے کی وجہ سے احقر کے ذہن میں نیز محتاطین علماء کے ذہن میں جن کی خدمت میں طلب مشورہ کے لئے پیش کیا تھا خیال نہیں آیا۔ نیز اس کا احتمال دل سے نہیں چسپاں ہو رہا ہے اور نہ اس طرح کی تنگ اور چھوٹی عمارت اس طرح کے خرافات کے لئے کافی ہو سکتی ہے؛ چناں چہ حضرت مولانا گنگوہی کے مزار پر لوگوں نے ایک مسجد بنوائی ہے اور ان منکرات کا نام و نشان بھی نہیں ہے اور جب اس کی کمزوری عمارت ڈھانے کے مشابہ ہے جو کہ یقیناً اضعاف مال ہے، گنجائش نہیں رکھتا ہے، پھر ان امور کی انکار سے متعلق بانی کی تصریحات محتمل کے دلیل کا کافی جواب ہے ورنہ ”فقالوا ابنوا علیہم بنیاناً“ کی حکایت جائز نہ ہوتی۔

ان سب کے باوجود سنت کے مطابق میں کہتا ہوں (لو استقبلت من امری ما استدبرت الحدیث) اور دوسرے امر یعنی اس جگہ ملازم کے تقرر سے متعلق یہ عرض ہے کہ یہ نظام دائمی نہیں ہے اور نہ ہی وہ ملازم زائرین کی نظر میں کوئی وقت رکھتا ہے کہ اس کی اس طرح کی باتیں قبول کریں، پس اس کا قیام درختوں کی پرورش تک محدود ہے جو کہ ان شاء اللہ قریبی زمانہ میں بار آور ہو جائے گا، پس اس میں مفاسد کا بھی احتمال نہیں ہے۔

و در حقیقت میان رائے سامی درائے ایں نجیف تعارض نیست مبنی رائے آں مکرم کہ عزیمت است عوارض خارجیہ است و مبنی رائے ایں نجیف تعارض نیست مبنی رائے آں مکرم کہ عزیمت است عوارض خارجیہ است و مبنی رائے احقر ذات فعل است و رخصت و چوں مفاسد مذکورہ بغایت مرجوح است عمل بر رخصت گنجائش دارد و از سالف زماں در چنین امور مباحہ بنا بر ہمیں درجات بکثرت اختلاف آراء و نمودہ و لکل وجهہ ہو مولیہا باقی بردعا استدعا ختم می کنم۔ اشرف علی

۲۶ رذی الحجہ ۱۳۴۴ھ (تمتہ خامسہ ص ۴۳۸)

## نماز جنازہ پڑھنے کے وقت میت کے مقروض ہونے کی تحقیق کر نیک حکم

**سوال (۷۳۲):** قدیم ۱/۵۰۔ اکثر اوقات مجھ کو۔۔ اتفاق اس کا ہوتا ہے کہ میں جنازہ کی نماز پڑھاؤں۔ حدیث شریف میں ہے کہ حضور ﷺ جنازہ آنے سے استفسار فرماتے تھے کہ مقروض تو نہیں ہیں جب کوئی صحابہؓ سے قرض کی ذمہ داری لے لیتے تب آپ نماز پڑھاتے۔ (۱) تو کیا میں بھی اتباع سنت میں پوچھ لیا کروں اور اگر اس کا بیٹا یا رشتہ دار قرض کی ذمہ داری نہ لیوے تو کیا کروں۔ کیا یکدم پڑھانے سے انکار کر دوں یا نماز جنازہ بے پوچھے یا بے استفسار کئے امر کے پڑھا دیا کروں؟

اور حقیقۃً علی جناب کی رائے اور اس ناتواں کی رائے میں کوئی تعارض نہیں ہے آن عزیز کی رائے جو کہ عزیمت ہے کی بنا خارجی عوارض ہیں اور احقر کے رائے کی بنا نفس فعل اور رخصت ہے، اور جب مفاسد مذکورہ انتہائی مرجوح رخصت پر عمل کی گنجائش ہے اور گذشتہ زمانہ ہی سے اس طرح کے مباح امور ہیں ان درجات کی بنا پر بکثرت اختلاف آراء کا ظہور ہوا ہے۔ و لکل وجہہ ہو مولیہا باقی دعاء کی درخواست پر بات ختم کرتا ہوں۔

شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

(۱) عن عثمان بن عبد اللہ بن مویہ قال سمعت عبد اللہ بن ابی قتادۃ یحدث عن ابیہ أن النبی صلی اللہ علیہ وسلم أتى برجل لیصلی علیہ، فقال النبی صلی اللہ علیہ وسلم صلوا علی صاحبکم فإن علیہ دینا۔ قال أبو قتادۃ: هو علی، فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بالوفاء، فقال بالوفاء فصلی علیہ۔ (ترمذی شریف، کتاب الجنائز، باب ما جاء فی المدیون،



\*\*\*\*\*  
**الجواب:** حضور ﷺ کے نہ پڑھانے میں جو حکمت تھی وہ آپ کے پڑھانے میں نہیں۔ اس لئے آپ کا ایسا کرنا اتباع سنت نہ ہوگا۔

۵ ربیع الاول ۱۳۵۴ھ (النور ص ۱۰ محرم الحرام ۱۳۵۵ھ)

## شہید حقیقی کیسے ہوتے ہیں؟

**سوال (۷۳۳):** قدیم ۱/۵۰- یہاں فی الحال ایک واقعہ پیش آیا ہے کہ ایک شخص مذہب حنفی جو کہ ریلوے لائن پر سے جارہا تھا پیچھے سے گاڑی نے آکر ٹھوکری ماری جس سے اس کے ہر دو پاتا بہ زانو نا کام ہو گئے اسے اٹھا کر قریب کی مسجد کے سامنے لے گئے وہاں کے پیش امام صاحب (حنفی) کی تحریک سے مجروح نے پانچوں کلمے بخوبی ادا کئے اور اپنے کہے سننے کی معافی کا خواستگار ہوا اس کے بعد اسے ہسپتال لے گئے وہیں کچھ مرہم پٹی وغیرہ کی گئی۔ قصہ مختصر قریباً ۹ بجے کے گھائل ہوا تھا اور ساڑھے گیارہ کو جاں بحق تسلیم ہوا جب اس کے غسل و کفن کی تیاری کرنے لگے تو پیش امام صاحب مذکور نے یہ فتویٰ دیدیا کہ چونکہ مرحوم دلوہوں کے درمیان دب کر رہی عدم ہوا ہے اس لئے وہ شہید کا درجہ رکھتا ہے اور غسل و کفن کی ضرورت نہیں؛ چنانچہ اسی طرح میت پر جنازہ کی نماز پڑھ کر بے غسل و کفن دفن کی گئی۔

اب سوال یہ ہے کہ آیا شرع محمدی و مطابق مذہب حنفی کا یہی حکم ہے جو کہ اوپر بیان ہوا یا عکس اس کے غرض جو حکم ہوا اس کا فتویٰ درکار ہے۔ حوالہ کتب بھی ضرور ہوتا کہ حجت کی گنجائش نہ رہے ازراہ عنایت اسی سوال نامہ کی پشت پر تحریر فرما کر ارسال فرماویں خدا آپ کو اجر عظیم دے گا جواب کیلئے ٹکٹ چسپاں ہیں۔ والسلام؟

.....  
 «عن أبي هريرة أن رسول الله صلى الله عليه وسلم كان يؤتي بالرجل المتوفى عليه الدين، فيقول هل ترك لدينه من قضاء، فإن حدث أنه ترك وفاءً صلى عليه، وإلا قال للمسلمين صلوا على صاحبكم فلما فتح الله عليه الفتوح قام فقال أنا أولى بالمؤمنين من أنفسهم فمن توفى من المؤمنين وترك ديناً فعلي قضاءه ومن ترك مالا فلورثته. (ترمذي شريف، كتاب الجنائز، باب ما جاء في المديون، النسخة الهندية ۱/ ۱۰۵، دار السلام رقم: ۱۰۷۰)

شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

**الجواب:** شہید کی یہ تعریف کسی نے نہیں کی کہ جو لوہے سے ہلاک ہو جاوے۔ بلکہ تعریف اس کی

کتب فقہ میں یہ ہے۔

هو كل مكلف مسلم طاهر قتل ظلماً بجارحة أي بما يوجب القصاص ولم يجب بنفسه القتل مال (الى قوله) وكذا لو قتله باغ أو حربى أو قاطع طريق ولو تسبياً أو بغير آلة جارحة أو وجد جريحاً في معركتهم كذا في الدر المختار. (۱)

اور یہ تعریف اس مجروح پر صادق نہیں آئی پس امام صاحب نے اس فتویٰ میں سخت غلطی کی۔ واللہ اعلم

۲۰ ربیع الاول ۱۳۵ھ (حوادث خامس ص ۳)

(۱) الدر المختار مع الشامی، کتاب الصلاة، باب الشهيد، مكتبة زكريا ديوبند

۱۵۹/۳ - ۱۶۰، کراچی ۲/۲۴۷ - ۲۴۸۔

وهو أي الشهيد من قتله أهل الحرب أو البغي أو قطاع الطريق أو وجد في معركة وبه

أثر أو قتله مسلم ظلماً ولم تجب به دية. (النهر الفائق، كتاب الصلاة، باب صلاة الشهيد، مكتبة زكريا ديوبند ۱/۴۰۵)

ملتقى الأبحر مع مجمع الأنهر، كتاب الصلاة، باب الشهيد، دار الكتب العلمية بيروت ۱/۲۷۸۔

والشاهد شرعاً هو من قتله أهل الحرب مباشرة أو تسبياً بأي آلة كانت ولو بماءٍ

أو نارٍ رموها بين المسلمين أو قتله أهل البغي أو قتله قطاع الطريق بأي آلة كانت أو قتله

الصوص في منزله ليلاً ولو بمثقل أو نهاراً أو وجد في المعركة سواء كانت معركة أهل

الحرب أو البغي أو قطاع الطريق وبه أثر كجرح وكسرٍ وحرق وخروج دم من أذن أو عين

لا من فم وأنفٍ ومخرج أو قتله مسلم ظلماً لا بحد وقود عمدًا لا خطأ الخ. (حاشية

الطحطاوي على مراقبي الفلاح، كتاب الصلاة، باب أحكام الشهيد، مكتبة دار الكتاب

ص: ۶۲۵-۶۲۶)

الشهيد من قتله المشركين أو وجد في المعركة وبه أثر أو قتله المسلمون ظلماً ولم

يجب بقتله دية. (هداية، كتاب الصلاة، باب الشهيد، مكتبة اشرفية ديوبند ۱/۱۸۳)

الجوهرة النيرة، كتاب الصلاة، باب الشهيد، مكتبة دار الكتاب ديوبند ۱/۱۳۳ - ۱۳۴۔

شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

## قبر پر تعمیر کی کراہت

**سوال (۷۳۴):** قدیم ۵۰/۱- روضہ مقابر مشائخ پر بنانا درست ہے یا نہیں؟

**الجواب:** فی تیسیر الوصول عن جابر قال نہی رسول اللہ ﷺ أن یجصص القبر وأن یبنی علیہ وأن یکتب علیہ وأن یقعد علیہ وأن یوطأ أخرجه الخمسة إلا البخاری (۱) وفيه عن ابن عمر رضي الله عنه أنه رأي فسطاطا على قبر عبد الرحمن، فقال: يا غلام! انزعه فإنما يظله عمله أخرجه البخاری. (۲) وفي رد المحتار: وأما البناء عليه، فلم أر من اختار جوازه (إلى قوله)

(۱) ترمذي شريف، أبواب الجنائز، باب ما جاء في كراهية تجصيص القبور والكتابة عليها، النسخة الهندية ۲۰۳/۱، دار السلام رقم: ۱۰۵۴۔

عن أبي الزبير أنه سمع جابرًا رضي الله عنه يقول: سمعت النبي صلى الله عليه وسلم نهى أن يقعد على القبر وأن يجصص عليه. (أبو داؤد شريف، كتاب الصلاة، أبواب الجنائز، باب في البناء على القبر، النسخة الهندية ۴۶۰/۲، دار السلام رقم: ۳۲۲۵)

عن ابن جريج قال: أخبرني أبو الزبير أنه سمع جابرًا يقول: نهى رسول الله صلى الله عليه وسلم عن تجصيص القبور أو يبنى عليها أو يجلس عليها أحد. (نسائي شريف، كتاب الجنائز، البناء على القبر، النسخة الهندية ۲۲۱/۱، دار السلام رقم: ۲۰۳۰)

ابن ماجه شريف، أبواب الجنائز، باب ما جاء في النهي عن البناء على القبور و تجصيصها والكتابة عليها، النسخة الهندية ص: ۱۱۲، دار السلام رقم: ۱۵۶۲۔

مسلم شريف، كتاب الجنائز، باب النهي عن تجصيص القبر والبناء عليه، النسخة الهندية ۳۱۲/۱، بيت الأفكار رقم: ۹۷۰۔

(۲) بخاري شريف، كتاب الجنائز، باب الجريد على القبر، النسخة

و عن أبي حنيفة يكره أن يبنى عليه بناء من بيت أو قبة أو نحو ذلك لما روى جابر وذكر الحديث المذكور انفا. ۱/۵۱ (۱)

ان روایات حدیثیہ و فقہیہ اور خود صاحب مذہب کی تصریح سے اس بناء کی کراہت و ممانعت ثابت ہوگئی۔ فقط یکم شعبان ۱۳۲۱ھ (امداد ثانی ص ۱۵۶)

## قبروں پر قلعی کرنا

**سوال (۳۵):** قدیم ۱/۵۰- خام قبروں کو خفیف چو نہ سے قلعی کر دینا کیسا ہے؟

**الجواب:** اگر استحکام کے لئے ہو جائز ہے اور زینت کے لئے نہیں جائز ہے۔ (۱) واللہ اعلم

۶/رمضان ۱۳۱۹ھ (امداد ثانی ص ۱۸۵)

(۱) الدر المختار مع الشامی، کتاب الصلاة، باب صلاة الجنائز، مطلب في دفن الميت، مكتبة زكريا ديوبند ۳/۱۴۴، کراچی ۲/۲۳۷۔

ويكره تجصيص القبر وتطيينه، وكره أبو حنيفة البناء على القبر وأن يعلم بعلامة..... لما روي جابر بن عبد الله عن النبي صلى الله عليه وسلم أنه قال: لا تجصصوا القبور ولا تبنيوا عليها ولا تقعدوا ولا تكتبوا عليها، ولأن ذلك من باب الزينة ولا حاجة بالميت إليها ولأنه تضييع المال بلا فائدة فكان مكروهاً. (بدائع الصنائع، كتاب الصلاة، صلاة الجنائز، فصل في سنن الدفن، مكتبة زكريا ديوبند ۲/۶۵)

البحر الرائق، كتاب الجنائز، فصل السلطان أحق بصلاته، مكتبة زكريا ديوبند ۲/۳۴۰، كوئٹہ ۲/۱۹۴۔  
النهر الفائق، كتاب الصلاة، فصل في الصلاة على الميت، مكتبة زكريا ديوبند ۱/۴۰۳۔

شیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

(۱) عن جابر قال: نهى رسول الله صلى الله عليه وسلم أن يجصص القبر، وأن يقعد عليه وأن يبنى عليه. (مسلم شريف، كتاب الجنائز، باب النهي عن تجصيص القبر والبناء عليه، النسخة الهندية ۱/۳۱۲، بيت الأفكار رقم: ۹۷۰)

ترمذي شريف، كتاب الجنائز، باب ماجاء في كراهية تجصيص القبور والكتابة عليها، النسخة الهندية ۱/۲۰۳، دار السلام رقم: ۱۰۵۲۔ ←

## اپنے فرض اور واجب عمل کا ثواب میت کو پہونچانا

**سوال (۷۳۶):** قدیم ۱/۵۱- کوئی غریب آدمی کہ اپنے مردہ کی فاتحہ کا کھانا اپنے ہی چھوٹے بچہ کو کھلا کر ایصال ثواب کر دے تو جائز ہے یا نہیں؟

**الجواب:** اگر اس بچہ کا نان و نفقہ اس کے ذمہ فرض و واجب نہیں تب تو اس کو کھلا کر کسی کو ثواب بخش دینا جائز ہے اور اگر فرض و واجب ہے تو اسمیں اختلاف ہے۔

← ویکره تجصيص القبر وتطينينه وكره أبو حنيفة البناء على القبر وأن يعلم بعلامة ..... لما روي عن جابر بن عبد الله عن النبي صلى الله عليه وسلم أنه قال: لا تجصصوا القبور ولا تبسوا عليها ولا تقعدوا ولا تكتبوا عليها ولأن ذلك من باب الزينة ولا حاجة بالميت إليها ولأنه تضييع المال بلا فائدة فكان مكروهاً. (بدائع الصنائع، كتاب الصلاة، صلاة الجنائز، فصل في سنن الدفن، مكتبة زكريا ديوبند ۲/۶۵)

ويحرم البناء عليه للزينة لما روينا ويكره البناء عليه للإحكام بعد دفن لأنه للبقاء والقبر للفناء وأما قبل الدفن فليس بقبر وفي النوازل لا بأس بتطينينه. وفي الغياثية وعليه الفتوى (مراقي الفلاح) وفي الطحطاوي: قوله (وفي النوازل لا بأس بالخ) وفي التجنيس والمزيد لا بأس بتطين القبور خلافاً لما في مختصر الكرخي لأن رسول الله صلى الله عليه وسلم مر بقبر ابنه إبراهيم فرأى فيه حجراً سقط فيه فسده. وقال من عمل عملاً فليتقنه، وروي البخاري: أنه صلى الله عليه وسلم رفع قبر ابنه إبراهيم شبراً وطينه بطين أحمر. (حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، كتاب الصلاة، باب أحكام الجنائز، مكتبة دار الكتاب ديوبند ص: ۶۱۱)

ولا يجصص للنهي عنه ولا يطين، ولا يرفع عليه بناء (در مختار) وفي الشامية: قوله: لا يجصص أي لا يطلّى بالجص. (الدر المختار مع الشامي، كتاب الصلاة، باب صلاة الجنائز، مكتبة زكريا ديوبند ۳/۱۴۴، کراچی ۲/۲۳۷)

شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

کما فی رد المحتار: وأنه لا فرق بین الفرض والنفل. اه وفي جامع الفتاوی:

وقیل: لا یجوز فی الفرائض اه، ج ۱ ص ۹۴۳. (۱)

اور میرے نزدیک احتیاط اسی میں ہے کہ فرض کا ثواب کسی کو نہ بخشے۔ (۲)

۳ ربیع الاول ۱۳۳۳ھ (تتمہ ثالث ص ۲۱)

## تلاوت قرآن کا ثواب میت کو پہنچتا ہے یا نہیں؟

**سوال (۷۳۷):** قدیم ۱/۵۱- علامہ ابن کثیرؒ نے زیر آیت ان لیس للإنسان إلا ما سعى

ذکر کیا ہے کہ اس سے امام شافعیؒ اور ان کے متبعین نے استدلال کیا ہے کہ قرآن شریف کا ثواب مردہ کو

(۱) شامی، کتاب الصلاة، باب صلاة الجنابة، مطلب في القراءة للميت وإهداء ثوابها له،

مکتبہ زکریا دیوبند ۱۵۲/۳، کراچی ۲/۲۴۳۔

(۲) وظاهر إطلاقهم يقتضي أنه لا فرق بين الفرض والنفل، فإذا صلى فريضة وجعل

ثوابها لغيره، فإنه يصح؛ لكن لا يعود الفرض في ذمته؛ لأن عدم الثواب لا يستلزم عدم

السقوط عن ذمته، ولم أره منقولاً (البحر) وتحت في المنح (ظاهر إطلاقهم يقتضي أنه لا

فرق الخ) لم يرتضه المقدسي في الرمز حيث قال: وأما جعل ثواب فرضه لغيره فمحتاج إلى

النقل اه قلت: رأيت في شرح تحفة الملوك قيده بالنافلة، حيث قال: يصح أن يجعل

الإنسان ثواب عبادته النافلة لغيره صوماً أو صلاة أو قراءة القرآن أو صدقة أو الأذكار

أو غيرها من أنواع البر اه. (البحر الرائق، كتاب الحج، باب الحج عن الغير، مکتبہ زکریا

دیوبند ۱۰۷/۳، کوئٹہ ۶۰/۳)

حاشیة الطحطاوي على الدر المختار، كتاب الحج، باب الحج عن الغير، مکتبہ

أشرفیہ دیوبند ۵۴۵/۱۔

شامی، کتاب الحج، باب الحج عن الغير، مکتبہ زکریا دیوبند ۱۰/۴، کراچی

۵۹۵/۲۔

شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

نہیں پہنچتا کیونکہ یہ خود میت کی سعی سے نہیں ہے اسی واسطے نہ رسول اللہ ﷺ نے اس کی جانب کسی کو دعوت کی اور نہ صحابہ میں سے کسی سے یہ ایصالِ ثواب تلاوت قرآن منقول ہوا (۱) گو علامہ ابن تیمیہؒ نے عموماً اس پر زور سے استدلال کیا ہے کہ میت کو دوسرے کے عمل سے فائدہ پہنچتا ہے مگر اس جزئی خاص اہداءِ ثواب تلاوت قرآن کو ذکر نہیں کیا اس کے متعلق تحریر فرمائیے کہ تلاوت قرآن شریف کا ثواب پہنچتا ہے یا نہیں؟

**الجواب :** اس باب میں تین مذہب ہیں ایک معتزلہ کا کہ وہ کسی قسم کی عبادت کا ثواب میت کو پہنچنے کے قائل نہیں۔ دوسرے شافعیہ و مالکیہ کا کہ وہ عبادت مالی کے ثواب کے پہنچنے کے قائل ہیں اور عبادت بدنیہ کے منکر ہیں جس میں نماز روزہ تلاوت سب داخل ہیں۔ تیسرا حنفیہ کا کہ وہ ہر قسم کی عبادت کا ثواب پہنچنے کے قائل ہیں۔ کذا فی رد المحتار باب الجنائز (۲) معتزلہ نے آیت مذکورہ فی السوال سے استدلال کیا ہے جس کا جواب قائلین بوصولِ ثواب العبادات المالیہ یعنی شافعیہ وغیرہم کے ذمہ بھی ہے

(۱) (وَأَنْ لِّسَ لِلْإِنْسَانِ إِلَّا مَا سَعَى) أَي كَمَا لَا يَحْمِلُ عَلَيْهِ وَزَرَ غَيْرِهِ كَذَلِكَ لَا يَحْصُلُ مِنَ الْأَجْرِ إِلَّا مَا كَسَبَ هُوَ لِنَفْسِهِ وَمِنْ هَذِهِ اللَّأَيَةِ الْكَرِيمَةِ اسْتَنْبَطَ الشَّافِعِيُّ أَنَّ الْقِرَاءَةَ لَا يَصِلُ إِهْدَاءُ ثَوَابِهَا إِلَى الْمَوْتَى لِأَنَّهُ لَيْسَ مِنْ عَمَلِهِمْ وَلَا كَسْبِهِمْ؛ وَلِهَذَا لَمْ يَسُدِّبْ إِلَيْهِ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أُمَّتَهُ وَلَا حَثَّهْمُ عَلَيْهِ، وَلَمْ يَنْقُلْ ذَلِكَ عَنْ أَحَدٍ مِنَ الصَّحَابَةِ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمْ، وَلَوْ كَانَ خَيْرًا لَسَبَقُونَا إِلَيْهِ. (تفسير ابن كثير، سورة النجم: ۳۹، مكتبة دار القرآن الكريم بيروت ۴۰۴/۳)

(۲) تنبیہ: صرح علماء نا فی باب الحج عن الغير بأن للإنسان أن يجعل ثواب عمله لغيره صلاة أو صوماً أو صدقةً أو غيرها. كذا فی الهدایة: بل فی زكاة التاتارخانية عن المحيط: الأفضل لمن يتصدق نفلاً أن ينوي لجميع المؤمنين والمؤمنات لأنها تصل إليهم ولا ينقص من أجره شيء. اه وهو مذهب أهل السنة والجماعة: لكن استثنى مالک، والشافعی العبادات البدنیة المحضة كالصلاة والتلاوة فلا يصل ثوابها إلى الميت عندهما، بخلاف غيرها كالصدقة والحج، وخالف المعتزلة في الكل، وتماهه في فتح القدير. (شامي، كتاب الصلاة، باب صلاة الجنائز،

پس جب معتزلہ کے جواب میں انہوں نے آیت کو عام نہ رکھا تو پھر نفی وصول ثواب عبادت بدنیہ میں اس سے کیسے استدلال کر سکتے ہیں پس استدلال کا ضعف اسی سے ظاہر ہے اب آیت کے معنی سمجھئے۔ درمنثور میں بروایت ابن جریر کے ابن زید سے نقل کیا ہے کہ کوئی شخص اسلام لے آیا تھا کسی نے اس کو ملامت کی اس نے کہا میں عذاب سے ڈرتا ہوں وہ بولا تو مجھ کو کچھ دے میں تیری طرف سے عذاب اپنے سر رکھ لوں گا چنانچہ کچھ دیا اس نے اور مانگا نہایت کشاکشی سے اور بھی کچھ دیا اور بقیہ کی دستاویز مع گواہیوں کے لکھ دی اہ، اس پر یہ آیات نازل ہوئیں جن کا حاصل یہ ہے کہ کوئی شخص کسی کا گناہ اپنے اوپر (ایسے طور سے) نہیں لے سکتا (کہ گناہ کرنے والا بری ہو جائے پھر یہ شخص کیسے سمجھ گیا کہ میرا سارا گناہ یہ ملامت گرا اپنے سر رکھ لے گا) اور انسان کو (ایمان کے بارے میں) صرف اپنی ہی کمائی ملے گی (یعنی کسی دوسرے کا ایمان اس کے کام نہ آوے گا پس اگر اس ملامت گر کے پاس ایمان ہوتا بھی تب بھی اس شخص کے کام نہ آتا چہ جائیکہ وہاں بھی ندارد) الخ (۱)

← الأصل في هذا الباب أن الإنسان له أن يجعل ثواب عمله لغيره صلاة أو صومًا أو صدقة أو غيره عند أهل السنة والجماعة (هداية) وتحت في الفتح: (قوله: عند أهل السنة والجماعة) ليس المراد أن المخالف لما ذكر خارج عن أهل السنة والجماعة، فإن مالكا والشافعي لا يقولان: بوصول العبادات البدنية المحضة كالصلاة والتلاوة؛ بل غيرهما كالصدقة، والحج؛ بل المراد أن أصحابنا لهم كمال الاتباع والتمسك ما ليس لغيرهم فعبّر عنهم باسم أهل السنة والجماعة فكأنه قال: عند أصحابنا غير أن لهم وصفاً عبر عنهم به، وخالف في كل العبادات المعتزلة الخ. (فتح القدير، كتاب الحج، باب الحج عن الغير، مكتبة زكريا ديوبند ۳/ ۱۳۱، كوئٹہ ۳/ ۶۵)

(۱) وأخرج ابن جرير عن ابن زيد قال: إن رجلاً أسلم فلقبه بعض من يعيره فقال: أتركت دين الأشياخ وضللتهم، وزعمت أنهم في النار قال إني خشيت عذاب الله قال اعطن شيئاً وأنا أحمل كل عذاب كان عليك فأعطاه شيئاً فقال: وزدني فتعاسراً حتى أعطاه شيئاً وكتب له كتاباً وأشهد له ففيه نزلت هذه الآية: أفرأيت الذي تولى الآية. (الدر المنثور في التفسير المأثور، سورة النجم آيت: ۳۳، دار الكتب العلمية بيروت ۶/ ۱۶۷-۱۶۸)



اس تفسیر پر جو کہ شان نزول سے چسپاں بھی ہے اضلال سے گناہ ہونا اور ثواب پہنچانے سے ثواب پہنچنا جو بظاہر آیت لاترر اور لیس للانسان کے معارض معلوم ہوتا ہے یہ تعارض دفع ہو گیا۔ اور اگر عموم الفاظ آیت سے شبہ ہو تو جواب یہ ہے کہ اس عموم میں یہ شرط ہے کہ مراد متکلم سے متجاوز نہ ہو جیسے: لیس من البر الصیام فی السفر (۱) میں سب ائمہ کے نزدیک یہ قید ہے علاوہ اس کے إذ جاء الاحتمال بطل الاستدلال مسئلہ مسلمہ ہے۔ یہ تو استدلال کا جواب ہے اب مسئلہ کی دلیل سنئے۔

فی شرح الصدور: عن ابن أبي شيبة برواية الحجاج بن دينار، قال رسول الله ﷺ: ان من البر (أى بالوالدين) أن تصلى عنهما مع صلواتك وتصوم عنهما مع صيامك (۲) وأيضاً فيه عن علي مرفوعاً من مرّ على المقابر وقرأ قل هو الله أحد احدى عشر مرة ثم وهب أجره لأموات اعطى من الأجر بعدد الأموات أخرجه أبو محمد السمرقندی في فضائل قل هو الله أحد (۳)

(۱) عن جابر بن عبد الله قال: كان رسول الله صلى الله عليه وسلم في سفر، فرأى زحاماً ورجلاً قد ظلل عليه، فقال: ما هذا، فقالوا: صائم، فقال: ليس من البر الصوم في السفر. (بخاري شريف، كتاب الصوم، باب قول النبي صلى الله عليه وسلم لمن ظل عليه واشتد الحر، النسخة الهندية ۱/۲۶۱، رقم: ۱۹۰۷، ف: ۱۹۴۶)

مسلم شريف، كتاب الصيام، باب جواز الصوم والفطر في شهر رمضان للمسافر في غير معصية إذا كان سفره مرحلتين فأكثر، النسخة الهندية ۱/۳۵۶، بيت الأفكار رقم: ۱۱۱۵۔

(۲) مصنف ابن أبي شيبة، كتاب الجنائز، باب ما يتبع الميت بعد موته، مؤسسة علوم القرآن ۷/۴۸۴، رقم: ۱۲۲۱۰۔

(۳) شرح الصدور للسيوطي، باب في قراءة القرآن للميت أو على القبر، دار المعرفة بيروت ص: ۳۰۳، رقم الحديث: ۴۔

إعلاء السنن، كتاب الصلاة، أبواب الجنائز، باب استحباب زيارة القبور عموماً وزيارة قبر النبي صلى الله عليه وسلم خصوصاً وما يقرأ فيها، دار الكتب العلمية بيروت ۸/۳۳۰۔

وفيه عن أبي هريرة رضي الله عنه قال قال رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم من دخل المقابر ثم قرأ. فاتحة الكتاب وقل هو الله أحد وألهم التكاثر، ثم قال اللهم اني جعلت ثواب ما قرأت من كلامك لأهل المقابر من المؤمنين والمؤمنات كانوا شفعاء له الى الله تعالى أخرجه أبو القاسم بن علي الزنجاني في فوائده. (۱) قال السيوطي: وهي وإن كانت ضعيفة فمجموعها يدل على أن لذلك أصلاً ويؤيده بظاهره ما في الجمع الفوائد عن الشيخين و أبي داؤد عن عائشة رضي الله عنها مرفوعاً من مات وعليه صوم صام عنه وليه اهـ (۲) وأقرب محامله إهداء ثواب الصوم إليه وما ورد عن ابن عمر وقد سئل هل يصوم أحد عن أحد وهل يصلي أحد عن أحد فيقول لا رواه مالك (۳) محمول على عدم أجزاء القضاء عنه.

(۱) شرح الصدور للسيوطي، باب في قراءة القرآن للميت أو على القبر، دار المعرفة بيروت ص: ۳۰۳، رقم: ۵ -

إعلاء السنن، كتاب الصلاة، أبواب الجنائز، باب استحباب زيارة القبور عموماً زيارة قبر النبي صلى الله عليه وسلم خصوصاً وما يقرأ فيها، دار الكتب العلمية بيروت ۳۳۱/۸ -

(۲) جمع الفوائد، كتاب الصوم، فطر المسافر وغيره، والقضاء والكفارة، مكتبة مجمع الشيخ محمد زكريا سهارن پور ۵۷۸/۲، رقم: ۲۴۵۶ -

بخاري شريف، كتاب الصوم، باب من مات وعليه صوم، النسخة الهندية ۲۶۱/۱، رقم: ۱۹۱۰، ف: ۱۹۵۲ -

مسلم شريف، كتاب الصوم، باب قضاء الصيام عن الميت، النسخة الهندية ۳۶۲/۱، بيت الأفكار رقم: ۱۱۴۷ -

أبو داؤد شريف، كتاب الصوم، باب فيمن مات وعليه صيام، النسخة الهندية ۳۲۶/۱، دار السلام رقم: ۲۴۰۰ -

(۳) مؤطاً إمام مالك، كتاب الصيام، باب النذر في الصيام والصيام عن الميت، النسخة الهندية ص: ۹۴ -

وفي جمع الفوائد: عن أبي داؤد عن صالح بن درهم قال لنا أبو هريرة الى جنبكم قرية يقال لها الايلة قلنا: نعم! قال: من يضمن لي منكم أن يصلى في مسجد العشاء ركعتين أو أربع ركعات، ويقول: هذه لأبي هريرة الحديث. (۱)

اخیر کی حدیث اس پر دال ہے کہ عبادت بدنیہ کا ثواب زندہ کو بھی پہنچتا ہے باوجودیکہ وہ خود عمل پر قادر ہے پس میت جو کہ عاجز ہے بدرجہ اولیٰ اس کا مستحق ہے چنانچہ ردالمحتار میں ابن القیمؒ سے بعض علماء کا قول یہ بھی نقل کیا ہے۔

هكذا اختلف في إهداء الثواب إلى الحي فقيل يصح لإطلاق قول أحمد: يفعل الخير ويجعل لأبيه وأمه اه (۲)

روایات مذکورہ میں سے بعض میں تو تلاوت کی تصریح ہے اور جن میں تصریح نہیں وہ بھی اس طرح اس کی مثبت ہیں کہ عبادات بدنیہ میں اجماعاً تماثل ہے۔ واللہ اعلم۔

۲۵ جمادی الثانی ۱۳۵۰ھ (النور ۷ ذی الحجہ ۱۳۵۰ھ)

## عورتوں کے لئے زیارت قبور کا حکم

**سوال (۷۳۸):** قدیم ۱/۵۳- زیارت قبور مستورات کو حرمین شریفین میں کیوں اجازت ہوئی حالانکہ ”لعن اللہ علی زوارت القبور“ وارد ہے کسی صورت میں عجم میں عجمیہ مستورات کو جواز ہو گا یا نہیں۔ بینوا تو جروا؟

(۲) إبراهيم بن صالح بن درهم قال: سمعت أبي يقول: إنطلقت حاجين فإذا رجل فقال لنا إلى جنبكم قرية يقال لها الايلة قلنا نعم! قال: من يضمن لي منكم أن يصلى لي في مسجد العشار ركعتين أو أربعاً ويقول: هذه لأبي هريرة الخ الحديث. (أبو داؤد شريف، كتاب الملاحم، باب في ذكر البصرة، النسخة الهندية ۲/۵۹۲، دار السلام رقم الحديث: ۴۳۰۸)

(۷) شامي، كتاب الصلاة، باب صلاة الجنازة، مطلب في القراءة للميت وإهداء ثوابها له، مكتبة زكريا ديوبند ۳/۱۵۲، کراچی ۲/۲۴۳۔

شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

## الجواب: عورتوں کے لئے زیارت قبور میں تین قول ہیں:

ایک منع مطلقاً لقوله عليه السلام لعن الله زوّارات القبور. (۱)

دوسرا جواز مطلقاً لقوله عليه السلام كنت نهيتكم عن زيارة القبور فزوروها  
فإنها تزهد في الدنيا وتذكر الآخرة (۲) الحديث قالوا لما نسخ النهي بلغ  
الرخصة الرجال والنساء جميعاً.

تیسرا قول تفصیل اس طرح کہ اگر مقصود زیارت سے مذہب و نوحد وغیرہ کرنا ہو تب تو حرام و ہو مجمل قولہ  
علیہ السلام الاول اور اگر عبرت اور برکت کے لئے ہو تو بڈھیوں کو جائز و ہو مجمل قولہ علیہ السلام الثانی  
اور جوانوں کو ناجائز جیسا مساجد میں آنا۔

(۱) عن أبي هريرة رضي الله تعالى عنه أن رسول الله صلى الله عليه وسلم لعن زوارات  
القبور. (ترمذي شريف، كتاب الجنائز، باب ما جاء في كراهية زيارة القبور النساء، النسخة  
الهندية ۲۰۳/۱، دار السلام رقم: ۱۰۵۶)

(۲) عن ابن مسعود أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: كنت نهيتكم عن زيارة  
القبور، فزوروها، فإنها تزهد في الدنيا وتذكر الآخرة. (سنن ابن ماجه، كتاب الجنائز، باب ما  
جاء في زيارة القبور، النسخة الهندية ص: ۱۱۲-۱۱۳، دار السلام رقم: ۱۰۷۱)

عن بريدة قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: قد كنت نهيتكم عن زيارة القبور،  
فقد أذن لمحمد صلى الله عليه وسلم في زيارة قبر أمه، فزوروها، فإنها تذكر الآخرة. قال أبو  
عيسى: حديث بريدة حديث حسن صحيح، والعمل على هذا عند أهل العلم لا يرون بزيارة  
القبور بأساً. (ترمذي شريف، كتاب الجنائز، باب ما جاء في الرخصة في زيارة القبور،  
النسخة الهندية ۲۰۳/۱، دار السلام رقم: ۱۰۵۴)

أبو داود شريف، كتاب الجنائز، باب في زيارة القبور، النسخة الهندية ۲/۴۶۱،  
دار السلام رقم: ۳۲۳۴۔

مسلم شريف، كتاب الجنائز، فصل في جواز زيارة قبور المشركين والاستغفار لهم،  
النسخة الهندية ۳۱۴/۱، بيت الأفكار رقم: ۹۷۶۔

لَقَوْلِ عَائِشَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهَا: لَوْ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ رَأَى مَا أَحْدَثَ النِّسَاءُ بَعْدَهُ

لمنعن كما منعت نساء بني إسرائيل. (۱)

یہ تفصیل ردالمحتار میں خیر ملی سے نقل کر کے کہا ہے وہ تو فتنہ حسن اھ (۲) اور اس حکم میں عربیات و عجمیات سب برابر ہیں ہماری شریعت سب اسود و احمر کے لئے یکساں ہے۔ واللہ اعلم (امداد ثانی ص ۱۳۶)

**سوال (۷۳۹):** قدیم ۱/۵۳۔ مضمون اخبار جس میں عورتوں کا قبرستان جانا جائز قرار دیا ہے

ارسال خدمت ہے امید ہے کہ حضور بھی اس کے متعلق کچھ ارشاد فرمائیں گے؟

**الجواب:** اس مضمون میں صرف ایک پہلو پر نظر کی گئی ہے جس کی وجہ یہ ہے کہ مضمون لکھتے وقت اصول نظر سے غائب تھے اصل یہ ہے کہ فتیج کی ایک قسم فتیج لغیرہ ہے اس تمام تر مضمون کا حاصل تو فتیج لعینہ کی نفی ہے مگر اس سے فتیج لغیرہ کی نفی کیسے لازم آگئی اور جب فتیج لغیرہ ہے تو جہاں غیر غالب الوقوع ہے وہاں ممانعت کی جاوے گی اور ممانعت میں تفصیل نہ کی جاوے گی اور یہی حاصل ہے فتویٰ ممانعت کا اور جہاں غالب الوقوع نہیں وہاں تفصیل کریں گے اور یہی حقیقت ہے آثار قبیحہ کی ۲/۲ یقعدہ ۱۳۲۳ھ

(۱) عن عائشة قالت: لو أدرك رسول الله صلى الله عليه وسلم ما أحدث النساء لمنعهن كما منعت نساء بني إسرائيل قلت لعمره: أو منعهن؟ قالت: نعم. (بخاري شريف، كتاب الأذان، باب انتظار الناس قيام الإمام العالم، النسخة الهندية ۱/۱۲۰، رقم: ۸۶۱، ف: ۸۶۹)

مسلم شريف، كتاب الصلاة، باب خروج النساء إلى المساجد، النسخة الهندية ۱/۱۸۳، بيت الأفكار رقم: ۴۴۵۔

(۲) ولا بأس بزيارة القبور ولو للنساء لحديث "كنت نهيتكم عن زيارة القبور ألا فزروها (در مختار) وفي الشامية: قوله (ولو للنساء) وقيل تحرم عليهن. والأصح أن الرخصة ثابتة لهن بحر، وجزم في شرح المنية بالكراهة لما مر في اتباعهن الجنائز، وقال الخیر الرملي: إن كان ذلك لتجديد الحزن والبكاء والندب على ما جرت به عادتهن فلا تجوز، وعليه حمل حديث "لعن الله زائرات القبور" وإن كان للاعتبار والترحم من غير بكاء، والتبرك بزيارة قبور الصالحين فلا بأس إذا كن عجائز، ويكره إذا كن شواب كحضور الجماعة في المساجد وهو توفيق حسن. (الدر المختار مع الشامي، كتاب الصلاة، باب صلاة الجنائز، مطلب في زيارة القبور، مكتبة زكريا ديوبند ۳/۱۵۰-۱۵۱، کراچی ۲/۲۴۲)

شبیر احمد قاضی عفا اللہ عنہ

## خلاصہ مضمون اخبار تہذیب نسواں جس کا حوالہ سوال میں ہے

پہلے زیارت قبور کی سب کو ممانعت تھی پھر سب کیلئے منسوخ ہو گئی اور حضرت عائشہؓ کے بعض آثار سے اس کی تائید کی گئی ہے (۱) اور درمیان میں علماء پر طعن کیا ہے اسی سوال میں عورتوں کے لئے ممانعت کے احتمال پر حکم شرعی میں ناگواری ظاہر کی ہے جس کے یہ الفاظ ہیں۔ یا ان کے لئے اللہ تعالیٰ نے تسلی کی یہ راہ بھی بند کر دی ہے اور مجیب صاحب نے اس گستاخی پر کوئی مواخذہ نہیں کیا اور علماء پر حکم شرعی اجتہادی کے تحقیق کرنے میں طعن کیا گیا اللہ اکبر ایک شخص اطاعت کرے اور مطعون ہو اور دوسرا شخص گناہ قریب بکفر کرے اور اس کو اس پر مطلع بھی نہ کیا جاوے نہ توبہ کی اس کو تاکید کی جاوے۔ انا للہ

شوال ۱۳۸۸ھ (تمتہ خامسہ ص ۱۵۸)

(۱) أخرج ابن ماجة عن ابن مسعود أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: كنت نهيتكم عن زيارة القبور، فزوروها، فإنها تزهد في الدنيا وتذكر الآخرة. (سنن ابن ماجة، كتاب الجنائز، باب ما جاء في زيارة القبور، النسخة الهندية ص: ۱۱۲-۱۱۳، دار السلام رقم: ۱۵۷۱) وأخرج أيضًا عن عائشة رضي الله تعالى عنها، أن رسول الله صلى الله عليه وسلم رخص في زيارة القبور. (ابن ماجة شريف، كتاب الجنائز، باب ما جاء في زيارة القبور، النسخة الهندية ص: ۱۱۲-۱۱۳، دار السلام رقم: ۱۵۷۰-۱۵۷۱)

وأخرج الترمذي عن بريدة قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: قد كنت نهيتكم عن زيارة القبور، فقد أذن لمحمد صلى الله عليه وسلم في زيارة قبر أمه، فزوروها، فإنها تذكر الآخرة. (إلى قوله) قال أبو عيسى: حديث بريدة حديث حسن صحيح، والعمل على هذا عند أهل العلم لا يرون بزيارة القبور بأسًا. (ترمذي شريف، كتاب الجنائز، باب ما جاء في الرخصة في زيارة القبور، النسخة الهندية ۲/ ۴۶۱، دار السلام رقم: ۱۰۵۴)

وأخرج أبو داود عن ابن بريدة عن أبيه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: نهيتكم عن زيارة القبور فزوروها، فإن في زيارتها تذكرة. (أبو داود شريف، كتاب الجنائز، باب في زيارة القبور، النسخة الهندية ۲/ ۴۶۱، دار السلام رقم: ۳۲۳۴) ←

**سوال (۷۴۰):** قدیم ۱/۵۴- چونکہ زیارت قبور عورتوں کو منع ہے بدیں وجہ اگر مستورات کو

زیارت قبور خانہ کعبہ و مدینہ طیبہ و دیگر اطراف سے منع کیا جاوے تو جائز ہے یا نہیں۔ اور زیارت روضہ جناب رسول اللہ ﷺ و ازواج مطہرات و صحابہ کرام سے بھی روکا جاوے یا نہیں؟ مشرح بیان فرمائیے۔

**الجواب:** زیارت قبور عورتوں کے لئے جبکہ احتمال جزع فزع کا نہ ہو مثل حضور مساجد و جماعات

ہے ایک کی اجازت دوسرے کی ممانعت بے معنی ہے۔ (۱)

۹ ذیقعدہ ۱۳۳۰ھ (تمتہ اولیٰ ص ۲۱۰)

← وأخرج أيضًا عن أبي هريرة قال: أتى رسول الله صلى الله عليه وسلم قبر أمه فبكى وأبكى من حوله، فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم "استأذنت ربي تعالى على أن استغفر لها فلم يؤذن لي فاستأذنت أن أزور قبرها فأذن لي، فزوروا القبور، فإنها تذكروا بالموت". (أبو داود شريف، كتاب الجنائز، باب في زيارة القبور، النسخة الهندية ۲/ ۶۱، دار السلام رقم: ۳۲۳۴-۳۲۳۵)

مسلم شريف، كتاب الجنائز، فصل في جواز زيارة قبور المشركين والاستغفار لهم، النسخة الهندية ۱/ ۳۱۴، بيت الأفكار رقم: ۹۷۶-

المصنف لابن أبي شيبة، كتاب الجنائز، من رخص في زيارة القبور، مؤسسة علوم القرآن ۷/ ۳۶۶، رقم: ۱۱۹۲۹-

شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

(۱) أخرج ابن ماجه عن ابن مسعود أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: كنت نهيتكم عن زيارة القبور، فزوروها، فإنها تزهد في الدنيا وتذكر الآخرة. (سنن ابن ماجه، كتاب الجنائز، باب ما جاء في زيارة القبور، النسخة الهندية ص: ۱۱۲-۱۱۳، دار السلام رقم: ۱۵۷۱)

وأخرج أيضًا عن عائشة رضي الله تعالى عنها، أن رسول الله صلى الله عليه وسلم رخص في زيارة القبور. (ابن ماجه شريف، كتاب الجنائز، باب ما جاء في زيارة القبور،

النسخة الهندية ص: ۱۱۲-۱۱۳، دار السلام رقم: ۱۵۷۰-۱۵۷۱) ←

.....  
 .....  
 ← وأخرج الترمذي عن بريدة<sup>رض</sup> قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: قد كنت نهيتكم عن زيارة القبور، فقد أذن لمحمد صلى الله عليه وسلم في زيارة قبر أمه، فزوروها، فإنها تذکر الآخرة..... قال أبو عيسى: هذا حديث بريدة<sup>رض</sup> حديث حسن صحيح، والعمل على هذا عند أهل العلم لا يرون بزيارة القبور بأساً. (ترمذي شريف، أبواب الجنائز، باب ما جاء في الرخصة في زيارة القبور، النسخة الهندية ۲۰۳/۱، دار السلام رقم: ۱۰۵۴)

وأخرج أبو داود عن ابن بريدة عن أبيه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: نهيتكم عن زيارة القبور فزوروها، فإن في زيارتها تذكرة. (أبوداؤد شريف، أبواب الجنائز، باب في زيارة القبور، النسخة الهندية ۴۶۱/۲، دار السلام رقم: ۳۲۳۵)

مسلم شريف، كتاب الجنائز، فصل في جواز زيارة قبور المشركين والاستغفار لهم، النسخة الهندية ۳۱۴/۱، بيت الأفكار رقم: ۹۷۶-

المصنف لابن أبي شيبة، كتاب الجنائز، من رخص في زيارة القبور، مؤسسة علوم القرآن رقم: ۳۶۶/۷، ۱۱۹۲۹-

ولابأس بزيارة القبور ولو للنساء لحديث "كنت نهيتكم عن زيارة القبور ألافزوروها (در مختار) وفي الشامية: قوله (ولو للنساء) وقيل تحرم عليهن. والأصح أن الرخصة ثابتة لهن بحر، وجزم في شرح المنية بالكراهة لما مر في اتباعهن الجنائز، وقال الخير الرملي: إن كان ذلك لتجديد الحزن والبكاء والندب على ما جرت به عادتهن فلا تجوز، وعليه حمل حديث "لعن الله زائرات القبور" وإن كان للاعتبار والترحم من غير بكاء، والتبرك بزيارة قبور الصالحين فلا بأس إذا كن عجائز، ويكره إذا كن شواب كحضور الجماعة في المساجد اه وهو توفيق حسن. (الدر المختار مع الشامي، كتاب الصلاة، باب صلاة الجنائز، مطلب في زيارة القبور، مكتبة زكريا ديوبند ۱۵۰/۳، ۱۵۱-، كراچی ۲/۲۴۲)



## کفار کی تعزیت

**سوال (۷۴۱):** قدیم ۵۴/۱- چمی فرماید علمائے دین رحمہم اللہ تعالیٰ کہ مسلمانان را تعزیت اہل ذمہ جائز است یا نہ خصوصاً بہ نیت دوستی ایشان و طمع دنیاوی و رمال ایشان۔ مفصل جواب درکار است؟

**الجواب:** اگر حق شرکت بلد یا محلہ پنداشتہ عیادت کند جائز است۔

فی الدر المختار: وجاز عیادة (الذمی) بالاجماع (۱)

(۱) الدر المختار مع الشامی، کتاب الحظر والإباحة، باب الاستبراء وغیره، مکتبہ زکریا دیوبند ۵۵۶/۹، کراچی ۳۸۸/۶۔

عن أنس رضي الله تعالى عنه أن غلاماً ليهود كان يخدم النبي صلى الله عليه وسلم فمرض فأتاه النبي صلى الله عليه وسلم يعوده، فقال: أسلم فأسلم: وقال سعيد بن المسيب عن أبيه لما حضر أبو طالب جاءه النبي صلى الله عليه وسلم. (بخاري شريف، كتاب المرضى، باب عيادة المشرك، النسخة الهندية ۸۴۴/۲، رقم: ۵۴۳۹، ف: ۵۶۵۷)

عن أنس رضي الله تعالى عنه أن غلاماً من اليهود كان مرض فأتاه النبي صلى الله عليه وسلم فقعده عند رأسه فقال له: أسلم، فنظر إلى أبيه وهو عند رأسه، فقال له أبوه، أطلع أبا القاسم، فأسلم، فقام النبي صلى الله عليه وسلم وهو يقول: الحمد لله الذي أنقذه بي من النار. (أبوداؤد شريف، كتاب الجنائز، باب في عيادة الذمي، النسخة الهندية ۴۴۱/۲، دارالسلام رقم: ۳۰۹۵)

واعلم إذا كان خلف جنازة الكافر من قومه من يتبع الجنازة لا ينبغي لقريبه المسلم أن يتبع الجنازة حتى لا يكون مكثر سواد الكفرة؛ ولكن يمشي ناحية منها، وإن لم يكن خلف الجنازة من قوم الكافر من يتبعها، فلا بأس للمسلم أن يتبعها، وفي الطحاوي: ولا بأس بأن يعود إذا مرض ويعرض عليه الإسلام. (الفتاوى التاتارخانية، كتاب الصلاة، الفصل الثاني والثلاثون في الجنائز، مکتبہ زکریا دیوبند ۷۷/۳، رقم: ۳۷۵۳)

المحيط البرهاني، كتاب الصلاة، الفصل الثاني والثلاثون في الجنائز، المجلس العلمي بيروت ۹۵/۳، رقم: ۲۴۹۰۔

ودوستی وطبع فی نفسہ مذموم است لہذا تخلیص عیادت ازاں ضرورت ست۔ (۱)

۱۷ ربیع الاول ۱۳۲۲ھ (امداد ثانی ص ۱۷۰)

## غیر مسلم کے نومولود بچے کے مسلمان کی پرورش میں فوت ہونے پر نماز جنازہ

**سوال (۷۴۲):** قدیم ۱/۵۵۔ کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ

میں کہ ایک بے دین کے پیدا ہوا بچہ ماں کے مرنے کے بعد اُس کے باپ نے پرورش کرنے سے عاجز ہو کر ایک شخص سے مسلمان مسمی احمد شاہ کے پاس آ کر بولا کہ میں بخوشی و رضا ایک ماہ پیدا ہوئی دختر کو واسطے پرورش اور اسلام کے لئے تم کو دیا اور آج کی تاریخ سے مجھے کچھ واسطہ اور دعویٰ اس دختر پر نہیں۔

احمد شاہ کے گھر میں کوئی اولاد موجود نہ تھی اس وجہ سے اس کا کہنا پسند آیا بخوشی و رضا دختر مذکورہ کو اپنے قبضہ اختیار میں لے لیا اور کچھ زرو نقد دیکر اُس کے باپ کو رخصت کیا۔ بعد پرورش ایک سال کے احمد شاہ نے مولوی بذل الرحمن صاحب کو بلا کر لڑکی کا نام عزیزہ بیگم رکھا پس احمد شاہ کے گھر میں کل دو برس تین مہینے پرورش ہوئی۔ شان ایزدی احمد شاہ کے علاقہ میں دختر موصوفہ بیمار ہو کر بعد چندے وفات ہوئی۔ اب اُس کی نماز جنازہ مطابق شرع شریف پڑھی جائیگی یا نہیں۔؟

← تجوز عیادۃ المریض خاصة إن رجي إسلامه لما روي أنس بن مالك رضي الله عنه أن غلاماً ليهود كان يخدم النبي صلى الله عليه وسلم فمرض فأتاه النبي صلى الله عليه وسلم يعودہ، فقال: أسلم، فأسلم، وورد أن النبي صلى الله عليه وسلم عاد يهودياً مرض بجواره وتجوز عیادۃ الذمی لأنه نوع بر فی حق أهل الذمة وما نهينا عن ذلك. (الموسوعة الفقهية الكويتية ۷۷/۳۱)

حاشیہ الطحطاوی علی مراقی الفلاح، کتاب الصلاة، باب احکام الجنائز، مکتبہ دارالکتاب دیوبند ص: ۵۶۰۔

(۱) قال الله تبارک وتعالیٰ: لَا يَتَّخِذِ الْمُؤْمِنُونَ الْكَافِرِينَ أَوْلِيَاءَ مِنْ دُونِ الْمُؤْمِنِينَ وَمَنْ يَفْعَلْ ذَلِكَ فَلَيْسَ مِنَ اللَّهِ فِي شَيْءٍ. [سورة آل عمران: ۲۸]

قال الله تبارک وتعالیٰ: الَّذِينَ يَتَّخِذُونَ الْكَافِرِينَ أَوْلِيَاءَ مِنْ دُونِ الْمُؤْمِنِينَ أَبِئْتَعُونَ عَنْهُمْ الْعِزَّةَ فَإِنَّ الْعِزَّةَ لِلَّهِ جَمِيعًا. [سورة النساء: ۱۳۹]

شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

**الجواب :** کافر کا نابالغ بچہ جب تک عاقل و ممیز نہ ہو مستقلاً مسلمان نہیں سمجھا جائے گا؛ (۱) بلکہ

”تبعاً للدار الإسلامی یا تبعاً لا حد الأبوين المسلم“ مسلمان کہا جائے گا صورت مسؤلہ میں نہ أحد الأبوين مسلم ہے نہ خود بچہ ممیز ہے تو اُس کے مسلمان ہونے کا حکم صرف تبعاً للدار الإسلام ہو سکتا ہے پس اگر ہندوستان دارالاسلام نہیں تو اس بچہ کو مسلمان نہ کہا جائے گا اور اگر دارالاسلام ہے تو اس کو مسلمان کہا جائے گا اور اس میں اختلاف ہے لیکن ایسے اختلاف میں بچہ کی نفع کی رعایت کو ترجیح دی جاوے گی اور اس پر نماز جنازہ پڑھی جاوے گی۔

۲/رمضان ۱۳۴۹ھ (النور ۷ جمادی الاولیٰ ۱۳۵۰ھ)

(۱) قال محمد. في الجامع الصغير في صبي سبي، وسي معه أبواه أو أحدهما فمات لا يصلی عليه، إلا إذا كان أقر بالإسلام وهو يعقل الإسلام، وإن لم يسب معه أحدهما فمات يصلی عليه، يجب أن يعلم أن الولد الصغير يعتبر تبعاً للأبوين أو لأحدهما في الدين، فإن عدماً يعتبر تبعاً لصاحب اليد، فإن عدمت اليد يعتبر تبعاً للدار لأنه تعذر اعتباره أصلاً في الدين، فلا بد من اعتباره تبعاً نظراً له، غير أن علة التبعية في الأبوين أقوى فيعتبر أولاً تبعاً لهما أو لأحدهما، وعند انعدامهما علة التبعية في حق صاحب اليد أقوى..... وإذا لم يسب مع أحد أبويه صلي عليه إذا مات و يعتبر مسلماً تبعاً للدار عند انعدام تبعية الأبوين. (المحيط البرهاني، كتاب الصلاة، الفصل الثاني والثلاثون في الجنائز، المجلس العلمي بيروت ۸۳/۳ - ۸۴، رقم: ۲۴۶۴)

الفتاوى التاتارخانية، كتاب الصلاة، الفصل الثاني والثلاثون من يصلي عليه ومن لا يصلي عليه، مكتبة زكريا ديوبند ۵۷/۳، رقم: ۳۷۱۰-۳۷۱۱۔

كصبي سبي مع أحد أبويه لا يصلي عليه لأنه تبع له: أي في أحكام الدنيا لا العقبي، ولو سبي بدونه فهو مسلم تبعاً للدار أو للسبي أو به فأسلم هو أو أسلم الصبي وهو عاقل صلي عليه. (الدر المختار مع الشامی، كتاب الصلاة، باب صلاة الجنائز، مكتبة زكريا ديوبند

**سوال (۷۳۳):** قدیم ۱/۵۵- کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مفصلہ

ذیل مسئلہ میں جواب مدلل و محقق سے سرفراز فرمائیں۔ بینواتو جروا؟

ایک مسلمان نے ایک ننھا بچہ مشرک والدین سے بغرض پرورش ہمیشہ کے لئے حاصل کیا عرصہ چند ماہ کے بعد بچہ مسلمان کے قبضہ میں فوت ہوا بوقت تدفین علماء میں تنازع ہوا ایک فریق نے بچہ پر نماز پڑھی اور مسلمانوں کے قبرستان میں دفن کیا۔ اُن کا استدلال یہ ہے کہ ہر ایک بچہ فطرۃً اسلام پر پیدا ہوتا ہے اور ماں باپ اس کو یہود و نصاریٰ اور مجوسی بناتے ہیں (۱) چونکہ بچہ کو غیر اسلام کی طرف لے جانے والے والدین کا قبضہ منقطع ہو گیا بلکہ اسلام کی طرف لایا والے کے قبضہ میں آ گیا اب مسلمان کے ہاتھ مُردہ بچہ کے غیر اسلام طریقہ پر تدفین کرنا پرورش والے کے استحقاق کو فراموش کرنا پڑتا ہے اور اس امر میں فتاویٰ عالمگیری کی ایک روایت تائید کرتی ہے کہ دار الحرب میں اگر کوئی بچہ لشکر اسلام میں آجائے اور مسلمان کے ہاتھ پر مر جائے تو اس پر نماز جنازہ پڑھی جائے گی کیونکہ وہ بچہ مسلمان کے قبضہ میں تھا۔ (۲)

← البحر الرائق، کتاب الصلاة، باب الجنائز، فصل السلطان أحق بصلاته، مكتبة زكريا ديوبند  
۳۳۱/۲-۳۳۲، کوئٹہ ۲/۱۸۹-۱۹۰۔

حلبی کبیری، کتاب الصلاة، فصل في صلاة الجنائز، الرابع الصلاة عليه، مكتبة  
اشرفية ديوبند ص: ۵۹۱۔

شیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

(۱) عن أبي هريرة رضي الله تعالى عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: كل مولود يولد على الفطرة فابواه يهودانه أو ينصرانه أو يمجسانه كمثل البهيمة تنتج البهيمة هل ترى فيها جدعا. (بخاري شريف، كتاب الجنائز، باب ما قيل في أولاد المشركين، النسخة الهندية ۱/۱۸۵، رقم: ۱۳۶۷، ف: ۱۳۸۳)

(۲) والصبي إذا وقع في يد المسلم من الجند في دار الحرب وحده ومات هناك صلي عليه تبعاً لصاحب اليد، كذا في المحيط. (هندية، كتاب الصلاة، باب الجنائز، الفصل الخامس في الصلاة على الميت، قدیم زکریا ۱/۱۶۳، جدید زکریا ۱/۲۲۴)

علاوہ ازیں مولانا محمد شفیع صاحب مدظلہ مفتی دارالعلوم دیوبند ایک استفتاء کے جواب میں اس طرح فرماتے ہیں کہ مقتضاء احتیاط اس مسئلہ میں یہی ہے کہ اس بچہ پر نماز جنازہ پڑھی جائے اور استدلال فریق اول کا صحیح معلوم ہوتا ہے۔ اور فریق ثانی کا قول ہے کہ نماز جنازہ کے لئے اسلام شرط ہے اور بچہ مردہ کا اسلام معتبر نہیں۔ اور حدیث ہر ایک مولود فطرت اسلام پر ہوتا ہے احکام دُنیا کے لئے نہیں بلکہ آخرت کے لئے ہے اور اس امر کو بحر الرائق درمختار وغیرہ سے ثابت کرتے ہیں۔ مذکورہ بالا امور میں تحقیق فرما کر جواب سے سرفراز فرمادیں تاکہ ہم نالائقوں کو ہدایت ہو اور جو توشیح پیش ہے رفع ہو کر اطمینان کا باعث ہو۔ اللہ تعالیٰ آپ حضرات کا سایہ ہم پر تادیر قائم رکھے آمین ثم آمین۔ والسلام؟

**الجواب:** متبع روایات کی تو نہ فرصت نہ ہمت باقی احکام قواعد سے جو سمجھا ہوں وہ عرض کرتا ہوں۔  
نمبر ۱: عالمگیری کی روایت کے یہ الفاظ ہیں:

والصبي إذا وقع في يد المسلم من الجند في دار الحرب وحده ومات هناك صلى عليه تبعاً لصاحب اليد كذا في المحيط (الفصل الخامس في الصلوة على الميت) (۱)

نمبر ۲: احکام باب میں تصریح ہے کہ اصل تبعیت میں والدین ہیں چنانچہ ابویں کے ساتھ اگر صبی اسیر ہو کر دارالاسلام میں بھی آ جاوے تب بھی وہ تبعاً غیر مسلم ہے۔

(۱) ہندیہ، کتاب الصلوة، باب الجنائز، الفصل الخامس في الصلوة على الميت،  
قدیم زکریا ۱/۱۶۳، جدید زکریا ۲۲۴۱۔

والصبي إذا وقع في يد المسلم من الجند في دار الحرب وحده ومات هناك صلى عليه واعتبر مسلماً تبعاً لصاحب اليد عند انعدام تبعية الأبوين. (الفتاوى التاتارخانية، كتاب الصلوة، الجنائز، الفصل الثاني والثلاثون من يصلى عليه ومن لا يصلى عليه، مكتبة زکریا دیوبند ۳/۵۷، رقم: ۳۷۱۱)

المحيط البرهاني، كتاب الصلوة، الفصل الثاني والثلاثون، الجنائز، المجلس

کما فی الدر المختار و کسبی سبی مع أحد أبویہ لا یصلی علیہ لأنه تبع له  
أي فی أحكام الدنيا لا العقبی' ۵۱. (۱)

نمبر ۳: اگر ابوین کی معیت منقطع ہو جاوے تب صاحب ید کی تبعیت کا حکم کیا جاوے گا۔  
نمبر ۴: اور اس ید کی قوت اُس وقت ظاہر ہوگی جب یہ ید غلبہ کا ہو۔  
نمبر ۵: اور صورت مسئلہ میں اس مسلم کا ید تغلب نہیں اسلئے عالمگیر یہ کی روایت میں یہ داخل نہیں۔  
من الجند کا لفظ بھی اس کا قرینہ ہے۔

نمبر ۶: ید تغلب نہ ہونا ظاہر ہے کہ والدین کی رضا سے یہ ید حاصل ہوا ہے تو یہ نائب ہے ید ابوین کا۔  
نمبر ۷: پس اس حلت میں ید ابوین منقطع نہیں ہوا؛ اس لئے صاحب ید کے تبعیت کا ظہور نہ ہوگا۔  
نمبر ۸: اس بناء پر وحدہ کی قید بھی متحقق نہ ہوگی پس وہ صبی اور اُس کے ابوین سب میں معیت ہے۔  
نمبر ۹: اور ابوین کی تبعیت حالت اسروا حرا زنی دارالاسلام میں بھی قاطع نسبت الی الابوین نہیں ہوتی (کمانی نمبر ۲ ایضاً)

نمبر ۱۰: اس مجموعہ کا مقتضایہ ہے کہ اس پر نماز نہ پڑھے البتہ صبی اگر ایسا سمجھ دار ہو کہ خود اسلام کو قبول کر لے تب وہ مسلم ہے۔

نمبر ۱۱: البتہ اگر کسی مفتی کو ید میں تغلب کی قید کے متعلق شرح صدر نہ ہو بلکہ دونوں احتمال ہوں وہ صلوٰۃ احتیاطاً کا فتویٰ دے سکتے ہیں۔

نمبر ۱۲: اور حدیث کا تو اس مسئلہ سے کوئی تعلق ہے نہیں ورنہ ہر صبی پر بشرط قدرت نماز مشروع ہوتی اور احکام فقہیہ باطل ہوتے پس حدیث کا وہ مجمل ہے جو نمبر ۲ میں مذکور ہے یعنی صلوٰۃ احکام دنیویہ سے ہے اور حدیث کا مدلول احکام عقبیٰ سے۔ واللہ اعلم

۹/ رزی الحج ۱۳۵۳ھ (النور ۸/ شوال ۱۳۵۲ھ)

## صدقات و خیرات کا خصوصاً رمضان میں اہتمام کرنے کا حکم

**سوال (۷۴۴):** قدیم ۱/۵۵- رمضان المبارک میں ہمیشہ اضعاف ثواب کی غرض سے اگر

ایصال ثواب ہونے کی غرض سے مساکین کو کھانا وغیرہ دیا جائے تو تعینات میں تو داخل نہ ہوگا؟

**الجواب:** عن ابن عباسؓ قال: كان رسول الله ﷺ أجود الناس بالخير وكان

أجود ما يكون في رمضان الحديث متفق عليه، كذا في المشكوة: باب الاعتكاف (۱) وعن سلمان، قال: خطبنا رسول الله ﷺ وفيه من تقرب فيه بخصلة من الخير كان كمن أدى فريضة فيما سواه ومن أدى فريضة فيه، كان كمن أدى سبعين فريضة فيما سواه وفيه وشهر المواساة وفيه ومن اشبع صائماً سقاه الله من حوضي.

وعن ابن عباسؓ قال: كان رسول الله ﷺ إذا دخل شهر رمضان أطلق كل اسير وأعطى كل سائل رواهما البيهقي في شعب الإيمان كذا في المشكوة ج ۱/۷۴-۱/۷۵. آخر كتاب الصوم. (۲)

← قوله: (كسبي سبي مع أحد أبويه) أي لا يصلي عليه لأنه تبع لهما للحديث "كل مولود يولد على الفطرة (الخ) ثم اعلم أن المراد بالتبعية التبعية في أحكام الدنيا لا في العقبي". (البحر الرائق، كتاب الجنائز، فصل السلطان أحق بصلاته، مكتبة زكريا ديوبند ۲/۳۳۱-۳۳۴، كوئٹہ ۲/۱۸۹-۱۹۰)

شیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

(۱) مشکوة المصابيح، كتاب الصوم، باب الاعتكاف، مكتبة اشرفية ديوبند ۱/۱۸۳- بخاري شريف، كتاب بدء الوحي، باب بلا ترجمة، النسخة الهندية ۱/۳، رقم: ۶- مسلم شريف، كتاب الفضائل، باب كان النبي صلى الله عليه وسلم أجود الناس بالخير من الريح المرسلة، النسخة الهندية ۲/۲۵۳، بيت الأفكار رقم: ۲۳۰۸-

(۲) مشکوة المصابيح، كتاب الصوم، باب بلا ترجمة، مكتبة اشرفية ديوبند

۱/۱۷۳-۱۷۴- ←

چونکہ منشاء ان تعینات کا اعتقاد تضاعف ثواب ہے اور یہ تضاعف خود ان روایات میں منصوص ہے اس لئے یہ ان تعینات کے مشابہ نہیں ہیں جن کا منشاء محض رسم اور رائے ہے پس یہ عمل بلا کراہت جائز و مطلوب ہے۔ واللہ اعلم

۱۳ شعبان ۱۳۳۳ھ (تمتہ خامسہ ص ۸۹)

## قبر پر دوبارہ مٹی ڈالنے کا حکم

**سوال (۷۴۵):** قدیم ۱/۵۸- قبر پر دوسری مٹی ڈالنا چھ مہینے کے بعد یا برس کے بعد جب قبر بیٹھ جاوے تو اس پر مٹی دوسری جگہ سے کھود کر ڈالنا جائز ہے یا نہ؟

**الجواب:** جائز ہے بشرطیکہ کسی معین تاریخ یا معین مہینہ میں نہ ہو۔

في رد المحتار: عن السراجية كما نقله الرحمتي ذكر في تجريد أبي الفضل أن تطيين القبور مكروه والمختار أنه لا يكره. ۱۵ (۱) وورد في كراهة تقييد المطلق نصوص مشهورة.

۱۰ شوال ۱۳۴۹ھ (النور ص ۶ جمادی الثانی ۱۳۵۰ھ)

← شعب الإيمان للبيهقي، الباب الثالث والعشرون في الصيام، فضائل شهر رمضان، دار الكتب العلمية بيروت ۳/ ۳۰۵-۳۱۱، رقم: ۳۶۰۸-۳۶۲۹ - صحيح ابن خزيمة، كتاب الصوم، باب فضائل شهر رمضان إن صح الخبر، المكتب الإسلامي بيروت ۲/ ۹۱۱، رقم: ۱۸۸۷ -

شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

(۱) شامي، كتاب الصلاة، باب صلاة الجنائز، مطلب في دفن الميت، مكتبة زكريا ديوبند ۱۴۴/۳، کراچی ۲/ ۲۳۷ -

سئل محمد بن سيرين هل تطيين القبور؟ فقال: لا أعلم به بأساً. (المصنف لابن أبي

شيبه، باب في تطيين القبور وما ذكر فيه، مؤسسة علوم القرآن ۷/ ۳۶۲، رقم: ۱۱۹۲۳) ←



## میت کے ہاتھ کس جگہ رکھے جائیں

**سوال (۷۴۶):** قدیم ۱/۵۸- میت کے ہاتھ سینہ پر رکھنا چاہئے یا دونوں بغل میں؟

**الجواب:** سینہ پر نہیں بلکہ دونوں پہلوؤں میں۔

في الدر المختار ويوضع يده في جانيه لا على صدره لأنه من عمل الكفار. (۱)

۱۹/شوال المکرم ۱۳۴۹ھ (النور ۷ جمادی الثانی ۱۳۵۰ھ)

← المختار إن التطيين غير مكروه وكان عصام بن يوسف يطوف حول المدينة ويعمر القبور الخربة كما في القهستاني. (مجمع الأنهر، كتاب الصلاة، باب صلاة الجنازة، دار الكتاب العلمية بيروت ۱/۲۷۶)

ولابأس بالتطيين. (البحر الرائق، كتاب الجنائز، فصل السلطان أحق بصلاته، مكتبة زكريا ديوبند ۲/۳۴۰، كوئٹہ ۲/۱۹۴)

وإذا خربت القبور فلا بأس بتطيينها كذا في التاتارخانية وهو الأصح وعليه الفتوى. (الفتاوى الهندية، كتاب الصلاة، الفصل السادس في القبور والدفن، مكتبة زكريا ديوبند قديم ۱/۱۶۶، جديد ۱/۲۲۷)

وفي منية المفتي المختار أنه لا يكره التطيين. (حلبی کبیر، کتاب الصلاة، فصل في الجنائز، مكتبة اشرفية ديوبند ص: ۵۹۹)

سئل أبو نصر عن تطيين القبر؟ قال: لا بأس به، وفي الغيائية وعليه الفتوى. (الفتاوى التاتارخانية، كتاب الصلاة، الفصل في الجنائز، مكتبة زكريا ديوبند ۳/۷۱، رقم: ۳۷۳۵ شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ)

(۱) الدر المختار مع الشامی، کتاب الصلاة، باب صلاة الجنازة، مكتبة زكريا ديوبند ۳/۹۰، کراچی ۲/۱۹۸-

شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

## قبرستان میں جو درخت لگائے جائیں وہ بھی وقف ہوں گے

**سوال (۷۷):** قدیم ۱/۵۸- کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین

اس مسئلہ میں کہ ایک قبرستان مسلمانوں کا بہت پرانا ہے جس میں کچھ اراضی میں قبریں خام و پختہ بن چکی تھیں اور کچھ اراضی خالی رہ گئی تھی اور اب عرصہ میں چالیس برس سے وہ قبرستان بحکم سرکار بند کر دیا گیا ہے مگر اس کی حفاظت وغیرہ زیر نگرانی انجمن اسلامیہ لکھنؤ پور ضلع کھیری ہے قبرستان مذکور میں متفرق جگہوں میں آٹھ قبریں پختہ موجود ہیں اور بقیہ اراضی افتادہ اراضی جس میں خام قبریں تھیں یکسر ہو کر مثل بنجر اراضی کے ہو گئے ہیں جس میں گھاس پیدا ہوتی ہے اور اس کا نیلام ہو کر زر نیلام انجمن میں داخل ہوتا ہے اراضی بنجر میں جو قبریں تھیں ان کا اب کسی طرح سے نام و نشان نہیں باقی رہا ہے موجود معمر لوگ بھی یہ نہیں کہہ سکتے کہ کہاں کہاں پر قبریں تھیں۔

ایک صاحب قبرستان مذکور میں درختان نصب کرنا چاہتے ہیں جن کی درخواست کی نقل تجسہ شامل استفتاء ہذا کی جاتی ہے اور وجہ ان صاحب کے اس خیال کی یہ ہے کہ اس میں ایک بزرگ کا مزار ہے جو ان کے استاد بھی ہیں اس لئے اس طریق سے اس کو بے حرمتی سے بچانا چاہتے ہیں اور ان درختوں کی گری پڑی لکڑی اور پھل سے خود مستفید ہوں گے مگر حق انتقال نہ ہوگا جیسا درخواست کی (۴) میں تصریح ہے۔ نیز درخواست کنندہ اس زمین کا کچھ کرایہ دینے پر آمادہ ہیں جس کو (۱) اور (۵) میں بعنوان لگان و نذرانہ لکھا ہے۔ لہذا بموجب شرع شریف اس قبرستان کا حسب درخواست منسلک ٹھیکہ نگرانی وغیرہ دینے میں کوئی امر مانع تو نہیں ہے اور واضح ہو کہ جب یہ ضلع لکھنؤ پور قائم ہوا تھا اس وقت مسلمانوں نے کچھ اراضی قبرستان کے لئے حکام وقت سے مانگ لی تھی اور ایک انجمن اسلامیہ بھی جب ہی سے قائم کر لی تھی اور جملہ مساجد و عید گاہ و قبرستان کا انتظام بھی اس انجمن کی سپردگی میں ہو گیا؟

## نقل درخواست مذکورہ سوال بالا

بخدمت جناب صدر انجمن صاحب انجمن اسلامیہ لکھنؤ

جناب صدر انجمن صاحب السلام علیکم، کھیری جاتے ہوئے ایک قدیم قبرستان ہے جو ویران و ناگفتہ بہ حالت میں ہے میں چاہتا ہوں کہ اراضی قبرستان مذکور کو لگان سالانہ یا جو ممبران انجمن تجویز فرمائیں مجھ کو بغرض لگانے باغ دے دی جائے۔

(۱) قبرستان کی پیمائش ذریعہ ماہران فن کرا کر ہر چار جانب دیوار پختہ جھنڈی دار بنوادوں گا اور وہ دیوار ملکیت موقوفہ متصور ہوگی؟

(۲) بظاہر دو قبریں اور ایک مزار مولانا ممتاز الحق صاحب رحمۃ اللہ علیہ نمایاں حیثیت رکھتا ہے ان کی احتیاط و تعظیم و تکریم کرونگا اور مزار مذکور کے گرد پھول وغیرہ لگائے جائیں گے؟

(۳) اراضی مذکور کو کھدوا کر تھانولے بنوائے جائیں گے ہل استعمال نہیں ہوگا اور دوران کھدوائی میں جو قبر برآمد ہوگی اس کا نشان و احترام قائم رکھا جائے گا؟

(۴) درختاں منصوبہ بھی موقوفہ متصور ہوں گے مگر گری پڑی لکڑی و اثمار کے لینے کا مجھ کو اختیار ہوگا انجمن کو اور مجھ کو اور میرے ورثاء کو اختیار کسی قسم کے انتقال کا حاصل نہ ہوگا؟

(۵) انجمن تحریری اجازت تعمیر دیوار و نصب درختاں سائل کو بحیثیت متولی قبرستان مذکور ادا نذرانہ سالانہ پر عطا فرمائے جس کو ممبران حالت موجودہ میں مناسب تصور فرما کر تجویز فرمائیں وہ سالانہ یا ششماہی وار ادا ہوتا رہے گا؟

(۶) اور جو مزید شرائط مناسب نسبت تحفظ قبرستان انجمن تجویز فرمائے اس کی پابندی مجھ پر اور میرے وارثان و قائم مقام پر واجب التعمیل ہوگی۔

**الجواب:** (۱) فی العالمگیریۃ: فی فصل الألفاظ الّتی یتّم بها الوقف،

(۱) الفتاویٰ الہندیۃ، کتاب الوقف، فصل فی الألفاظ الّتی یتّم بها الوقف وما لا یتّم بها،

مکتبۃ زکریا دیوبند جدید ۳۵۱/۲، قدیم ۳۵۹/۲ ←

ولو قال: جعلت حجرتی هذه لدهن سراج المسجد ولم يزد على ذلك .  
قال الفقيه أبو جعفر: تصير الحجرة وقفاً على المسجد إذا سلمها إلى المتولی  
وعليه الفتوى. كذا في فتاوى قاضی خان.

اسی طرح جب حکام نے یہ کہہ دیا کہ ہم نے اس اراضی کو قبرستان کیلئے تجویز کر دیا تو یہ بھی قبرستان  
کے لئے وقف ہوگی اور چونکہ درختوں کا اتصال ارض سے اتصال قرار ہے وہ درخت بجگم عمارت ہوں گے۔  
كما في الهداية: كتاب البيوع ومن باع أرضاً دخل مافيها من النخل والشجر وإن  
لم يسمه لأنه متصل به للقرار فأشبه البناء. (۱)

← خانۃ علی ہامش الہندیۃ، کتاب الوقف، باب الرجل یعجل دارہ مسجدًا الخ، مکتبۃ زکریا  
دیوبند قدیم ۲۹۱/۳، جدید ۲۰۳/۳۔

سئل الفقيه أبو جعفر عن قال: جعلت حجرتي لدهن سراج المسجد ولم يزد على  
هذا؟ صارت الحجرة وقفاً على المسجد بما قال: ليس له الرجوع، ولا له أن يجعل لغيره،  
وهذا إذا سلمها إلى المتولی عند محمد. (الفتاوى التاتارخانية، كتاب الوقف، فصل في مسائل  
وقف المساجد، مکتبۃ زکریا دیوبند ۱۷۱/۸، رقم: ۱۱۵۳۹)  
(۱) ہدایۃ، کتاب البیوع، مکتبۃ اشرفیۃ دیوبند ۲۵/۳

إذا باع أرضاً أو كرمًا ولم يذكر الحقوق ولا المرافق ولا كل قليل وكثير فإنه  
يدخل تحت البيع ماركب فيها للتأبید نحو الغرس والأشجار والأبنية كذا في الذخيرة.  
(الفتاوى الہندیۃ، کتاب البیوع، الفصل الثانی فیما یدخل فی بیع الأراضی والکروم، مکتبۃ زکریا  
دیوبند قدیم ۳۳/۳، جدید ۳۵/۳)

الفتاوى التاتارخانية، كتاب البيوع، فصل فيما يدخل تحت البيع من غير، مکتبۃ زکریا  
دیوبند ۲۹۰/۸، رقم: ۱۱۹۶۰۔

ویدخل الشجر فی بیع الأرض بلا ذکر (در مختار) وفي الشامية: قال في المحيط كل  
ماله ساق ولا يقطع أصله كان شجر يدخل تحت بيع الأرض بلا ذکر. (الدر المختار مع الشامی،  
کتاب البیوع، فصل فیما یدخل فی البیع تبعاً، مکتبۃ زکریا دیوبند ۷۹/۷، کراچی ۵۵۰/۴) ←

اور وقف زمین میں عمارت بنانے کا حکم یہ ہے کہ وہ مثل اصل ارض کے مصرفاً و شرطاً وقف ہوتی ہے (۱) تو یہ درخت بھی اسی طرح وقف ہوں گے اور اس زمین سے انتفاع کا کسی خاص شخص کو انتفاع کا حق نہیں پس شرط نمبر ۴ کے ساتھ یہ زمین کسی کو دینا جائز نہیں اور جو کرایہ درخواست کے نمبر ۵ میں مذکور ہے ظاہر ہے کہ یہ درختوں کی بقاء تک کا معاملہ ہے اور وقف زمین کا تین سال سے زائد کے لئے کرایہ پر دینا جائز نہیں (۲) نیز یہ زمین ہمیشہ کے لئے متولی کے قبضہ سے نکل کر کرایہ دار کے قبضہ میں جاتی ہے جو احکام وقف کے خلاف ہے یہ تو قواعد سے حکم ہے علاوہ اس کے نظر بر مصالح شرط نمبر ۴ کا نتیجہ ایک مدت کے بعد یہ ہوگا کہ یہ زمین بھی ناصب کی ملک سمجھی جائے گی جس میں وقف کی مضرت عظیمہ ہے لہذا ایسی اجازت دینا درست نہیں۔

۳ صرف المظفر ۱۳۵۰ھ (النور ۹ شعبان ۱۳۵۰ھ)

(۱) اعلم أن البناء في أرض الوقف فيه تفصيل ..... وإن لم يكن متولياً فإن بنى بإذن المتولي ليرجع فهو وقف وإلا فإن بنى للوقف فوقف. (شامي، كتاب الوقف، مطلب في حكم بناء المتولي وغيره في أرض الوقف، مكتبة زكريا ديوبند ۶/۶۷۸، کراچی ۴/۴۵۵)

(۲) فلو أهمل الواقف مدتها قيل تطلق الزيادة القيم وقيل تنقيد بسنة مطلقاً وبها أي بالسنة يفتى في الدار وبثلاث سنين في الأرض (در مختار) وفي الشامية: ذكره الصدر الشهيد من أن المختار أنه لا يجوز في الدور أكثر من سنة إلا إذا كانت المصلحة في الجواز وفي الضياع يجوز إلى ثلاث سنين إلا إذا كانت المصلحة في عدم الجواز. (الدر المختار مع الشامي، كتاب الوقف، فصل يراعي شرط الواقف في إيجارته، مكتبة زكريا ديوبند ۶/۶۰۵-۶۰۶، کراچی ۴/۴۰۰-۴۰۱)

الفتاوى التاتارخانية، كتاب الوقف، فصل في تصرف القيم في الأوقاف، مكتبة زكريا ديوبند ۸/۶۸، رقم: ۱۱۲۳۳۔

ولا تجوز الإجارة الطويلة على الوقف. (الفتاوى التاتارخانية، كتاب الوقف، فصل في تصرف القيم في الأوقاف، مكتبة زكريا ديوبند ۸/۶۸، رقم: ۱۱۲۳۰)

شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

## سواری پر جنازہ لے کر جانا

**سوال (۷۸):** قدیم ۱/۶۰- تحقیق حمل جنازہ بر مرکب در جواب سوال زبانی۔

في مراقى الفلاح ويكره حمله على ظهر دابة بلا عذر وقال الطحطاوى أما إذا كان عذر بان كان المحل بعيدا يشق حمل الرجال له أولم يكن الحامل إلا واحداً فحمله على ظهره فلا كراهة إذن ص ۳۵۲. (۱)

حاصل روایت یہ ہے کہ عذر سے اس کی اجازت ہے مثلاً گورستان دور ہے کہ کندھوں پر لیجانا شاق ہے اور اس کا مقتضایہ ہے کہ جتنی دور شاق نہ ہو کندھوں پر لے جاویں جب شاق ہونے لگے مرکب پر رکھ دیں۔

۲۲ شعبان ۱۳۵۰ھ (النور ص ۷ ماہ ربیع الثانی ۱۳۵۱ھ)

## اجساد انبیاء کا عدم تغیر

**سوال (۷۹):** قدیم ۱/۶۰- اجساد انبیاء کے تغیر سے محفوظ رہنے کے بارے میں صرف ایک روایت نظر سے گزری کہ ”ما سلطت الأرض على أجساد الأنبياء أو كما قال“ لیکن آپ کی وفات کے بعد جو حالات نظر سے گزرے اس میں ایک روایت یہ ہے کہ آپ کے ناخن سبز ہو گئے تھے ایک یہ ہے انشاء حصر سے آپ کی وفات معلوم ہوئی کہ آپ اس وقت تک دفن نہ ہوئے حتیٰ رہا قمیصہ اور ایک میں ہے کہ حتیٰ رہا بطنہ اور اسی تغیر سے حضرت صدیقؓ نے مانعین دفن پر حجت قائم کی کہ دیکھو تمہارے نبی کی وفات ہو گئی پھر حضرت عباسؓ نے بھی فرمایا کہ ”إن رسول الله يا سن كما يا سن البشر“ میں نے اس تغیر جسد سے یہ نتیجہ نکالا کہ مانعین دفن کے لئے ایسا خفیف تغیر ظاہر کیا گیا تاکہ وہ دفن ہو جانے دیں

(۱) حاشیۃ الطحطاوی مع مراقی الفلاح، کتاب الصلاة، باب أحكام الجنائز، فصل فی

حملها ودفنها، مكتبة دار الكتاب دیوبند ص: ۶۰۳۔

شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

اور معراجِ روحی کے خیال سے باز آجائیں۔ واللہ اعلم، ورنہ بالیقین آپ کا جسد مبارک قبر شریف میں اپنی اصلی حالت میں محفوظ و مصون ہے زیادہ تعجب یہ ہے کہ حضرت معاویہؓ کے زمانہ میں احد میں ایک نہر جاری کی گئی نہر میں قبور شہداء مانع تھیں تو ماہرین نے حضرت معاویہؓ کو لکھا کہ سوائے قبور پر سے نکالنے کے ہمیں اور کوئی راستہ نہیں ہے تو انہوں نے اجازت دیدی جب نہر کے لئے قبور کھودی گئیں تو بروایت جابر بن عبد اللہ شہداء کی لاشیں اس طرح برآمد ہوئیں کہ معلوم ہوتا تھا سور ہے ہیں پھر انہیں کندھوں پر لا دلا کر وہاں سے علیحدہ کیا گیا اور اسی سلسلہ میں حضرت حمزہؓ کے پاؤں میں پھاوڑہ لگ گیا تو خون نکل آیا حالانکہ یہ واقع کم از کم شہادت کے چالیس سال بعد کا ہے مجھے جہاں تک معلوم ہے ایسی کوئی روایت نہیں کہ جس میں اجساد شہداء کے محفوظ رہنے کا وعدہ ہو جب شہداء کے اجساد محفوظ رہے تو انبیاء کے اجساد بدرجہ اولیٰ محفوظ ہونگے کیونکہ ان کے لئے تو وعدہ بھی ہے؟

**الجواب:** في التفسير (۱) المظهري: أخرج الحاكم (۲) وأبو داؤد عن أوس بن أوس قال: قال رسول الله ﷺ حرم على الأرض أن تأكل أجساد الأنبياء وأخرج ابن ماجه عن أبي الدرداء نحوه.

(۱) تفسیر مظہری قدیم، تحت قولہ تعالیٰ: بل أحياء ولكن لا تشعرون، مکتبہ زکریا دیوبند ۱/۱۵۳، جدید زکریا ۱/۱۷۰-۱۷۱۔

(۲) عن أوس بن أوس الثقفی قال: قال لي رسول الله صلى الله عليه وسلم: إن من أفضل أيامكم يوم الجمعة ..... فقال: إن الله عز وجل قد حرم على الأرض أن تأكل أجساد الأنبياء. (المستدرک علی الصحیحین للإمام الحاکم، کتاب الجمعة، مکتبہ نزار مصطفى الباز ریاض ۱/۴۰۵، رقم: ۱۰۲۹)

سنن أبي داؤد، کتاب الصلاة، باب فضل يوم الجمعة وليلة الجمعة، النسخة الهندية ۱/۱۵۰، مکتبہ دار السلام رقم: ۱۰۴۷۔

ابن ماجه، کتاب الصلاة، باب في فضل الجمعة، النسخة الهندية ص: ۷۶، مکتبہ دار السلام رقم: ۱۰۸۵۔

اس باب میں اور بھی احادیث ہیں اور جو تغیرات سوال میں نقل کئے ہیں وہ تاثیرات ارض کی نہیں اس لئے تعارض نہیں بلکہ تغیرات خواص موت سے بھی نہیں ایسے تغیرات احیاء میں بھی مرض کے سبب ہو جاتے ہیں اور حضرت عباسؓ کا قول ایسے ہی تغیرات پر محمول ہوگا اور استدلال تقریب فہم کے لئے ہوگا اور یہ سب جب ہے کہ ان روایات کے رجال ثقات ہوں ورنہ روایات ہی حجت نہیں پس تعارض ہی نہیں باقی شہداء کے لئے بھی بلکہ بعض دوسرے صلحاء کے لئے بھی وعدہ کی احادیث وارد ہیں۔

في التفسير المظهری (۱): بروایة الطبرانی (۲) قال: قال رسول الله ﷺ إذا مات حامل القرآن أوحى الله تعالى إلى الأرض أن لا تأكل لحمه فتقول الأرض أي رب كيف أكل لحمه وكلامك في جوفه قال ابن منده وفي الباب عن أبي هريرة وابن مسعود وأخرج المروزي عن قتادة قال بلغني أن الأرض لا تسلط على جسد الذي لم يعمل خطيئة. اور مجھ کو ان روایات کی صحت یا حسن کی تحقیق نہیں لیکن تعدد خود اسباب تقویت سے ہے اور کوئی دلیل معارض نہیں اس لئے قبول کرنا ضروری ہے اور صاحب روح المعانی کا یہ قول:

وما يحكى من مشاهدة بعض الشهداء الذين قتلوا منذ مات سنين وأنهم إلى اليوم تشخب جروحهم دماً إذ ارفعت العصابة عنها فذلك مما رواه هيان بن بيان وما هو إلا حديث خرافة (۳) وكلام يشهد على مصدقيه تقديم السخافة اه.

(۱) تفسير مظهری قدیم، تحت قوله تعالى بل أحياء ولكن لا تشعرعون، مكتبة زكريا دیوبند ۱/۱۵۳، جدید زکریا ۱/۱۷۰-۱۷۱۔

(۲) عن ابن عمرؓ قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم المؤذن المحتسب كالشهيد يتشخط في دمه حتى يفرغ من أذانه، ويشهد له كل رطب ويابس، وإذا مات لم يدور في قبره. (المعجم الكبير للطبراني، دار إحياء التراث العربي ۱۲/۳۲۲، رقم: ۱۳۵۵۴)

عن جابرؓ قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم إذا مات حامل القرآن أوحى الله إلى الأرض أن لا تأكلي لحمه، قالت: إلهي كيف أكل لحمه وكلامك في جوفه. (كنز العمال، كتاب الأذكار، قسم الأقوال، دار الكتب العلمية بيروت ۱/۲۷۷، رقم: ۲۴۸۵۰)

(۳) روح المعاني، تحت قوله تعالى بل أحياء ولكن لا تشعرعون، مكتبة زكريا دیوبند ۲/۳۲۔



واجب الرد ہے لکونہ مخالفاً للمشاهدة المتواترة فمنها ما في المظهري (۱) أخرج مالک عن عبد الرحمن بن صعصعة أنه بلغه أن عمرو بن الجموح وعبد الله بن جبیر الأنصاری كان قد حفر السيل قبرهما إلى قوله فوجد الم يتغيرا كأنهما ماتا بالأمس وكان بين أحدهما وبين حفر عنهما ستة وأربعين سنة وأخرج البيهقي أن معاويةؓ لما أراد أن يجرى كظامه نادى من كان له قتيل بأحد فليشهد فخرج الناس إلى قتلاهم فوجدوهم رطابا ينشون فأصاب المسحاة رجل رجل منهم فانبعث دما وأخرج ابن أبي شيبة نحوه وأخرج البيهقي عن جابر وفيه فأصاب المسحاة قدم حمزةؓ فانبعث دماً. اهـ

اور اگر کوئی واقعہ اس کے خلاف پایا جاوے اس کا جواب بیان القرآن کے متن و حاشیہ و مواد العوائد میں مذکور ہے۔ الحاشیہ علی قولہ اور یہ سب جب ہے کہ روایات کے رجال ثقات ہوں ورنہ روایات ہی حجت نہیں اھ، اور اس احتمال میں مضمون ذیل سے اور قوت ہوگئی۔

في أصح السير لمولانا عبدالرؤف القادری.

طبقات ابن سعد عرصہ سے مفقود تھی مسلمانوں کے پاس اس کا مکمل نسخہ کہیں بھی موجود نہ تھا، اب یورپ کے عیسائیوں نے اس کو چھپوایا ہے اور وہی میرے پیش نظر ہے مگر اس کی کوئی سند نہیں ہے کہ یہ نسخہ اصل تصنیف کے موافق ہے وفات رسول اللہ ﷺ کے متعلق اور امہات المؤمنین کے متعلق بعض ایسی روایتیں اس میں موجود ہیں جن کا اسلامی تصنیفات میں باوجود تلاش کے مجھ کو پتہ نہ ملا ابن سعد کی اکثر روایتوں کو متاخرین نے نقل کیا ہے مگر ان مہملات کو کسی نے نہیں لکھا میں یقین کے ساتھ تو نہیں کہہ سکتا کہ یورپ کا الحاق ہے اس لئے کہ طبقات ابن سعد خود کوئی ایسی کتاب نہیں جس کی ساری روایتیں قابل قبول ہوں تاہم چونکہ یہ پوری کتاب ہمیں یورپ کا واسطہ سے ملی ہے اس کے بھروسہ پر ابن سعد کا حوالہ بھی جائز نہیں جب تک اس کی سند متداول کتابوں سے نہ مل جائے۔ حدیث سیرت اور تفسیر کی اور کتابیں بھی عیسائیوں نے چھاپی ہیں ان کتابوں کی بھی کوئی سند نہیں ہے اور نہ ان پر اعتماد ہے ان میں سے صرف وہی باتیں قابل قبول ہوں گی جس کی سند متداول کتابوں میں مل جائے۔

(۱) مؤطا إمام مالک، جامع النفل في الغزو، الدفن في قبر واحد من ضرورة الخ،

ملا علی قارئی موضوعات کبیر میں لکھتے ہیں:

قلت ومن القواعد الكلية أن نقل الأحاديث النبوية والمسائل الفقهية والتفاسير القرآنية لا يجوز إلا من الكتب المتداولة لعدم الاعتماد على غيرها من وضع الزنادقة وإلحاق الملاحدة بخلاف الكتب المحفوظة فإن نسخها يكون صحيحة متعددة. (۱)

یہ قاعدہ ان کتابوں کے لئے بھی ہے جس کا اتفاقہ کوئی نسخہ کسی مسلمان کے پاس پایا جائے مگر وہ کتاب متداول نہ ہو تو جو کتاب مسلمانوں کے پاس بالکل نہ ہو محض عیسائیوں کے ذریعہ سے آئی ہو اس کا کیا اعتبار ہے۔

ربیع الاول ۱۳۵۲ھ (النور ص ۹)

### ضمیمہ از مولانا محمد اسحاق صاحب بردوانی دام فیضہم

حضرت اقدس مدظلہ العالی بعد تسلیمات کے عرض ہے خدا حضور کو بعافیت رکھے خیریت سے مطمئن فرماویں (النور) بابت ربیع الاول ۱۳۵۲ھ ص ۹ میں تغیر کے متعلق سوال ہے جس کا حضور نے جواب مرحمت فرمایا ہے۔ تغیر کے متعلق وکیع بن الجراح نے اسماعیل بن ابی خالد سے روایت کی ہے اور اسماعیل اور وکیع گوڑے پائے کے ہیں اور اسماعیل تابعی ہیں مگر بعد ان کے کون ہے اس کا پتہ نہیں اور کتنے راوی محذوف ہیں اس کا ٹھکانہ نہیں اور اس روایت پر اس قرن میں جو قرن تابعین کا ہے سخت انکار ہوا اور صد ثانی میں جب از حد انکار ہوا تو معلوم ہوتا ہے کہ یہ روایت محض بے اصل اور غلط ہے فی نسیم الریاض ص ۳۹۰ ج ۱ (\*).

شرح شفاء القاضی عیاض لشہاب الخفاجی: وقد حرم الله جسده على الأرض وأحياء في قبره كسائر الأنبياء عليهم الصلوة والسلام وقد رأيت في بعض الكتب

(\*) نسیم ریاض ۳۱۶/۱، مطبوعہ از ہریہ مصر ۱۳۲۵ھ فی الباب الثانی فی فصل إذا كانت

خصال الكمال والجلال ما ذكرناه الخ۔ سعید احمد پالن پوری

(۱) الموضوعات الكبير، مكتبة مظهرية كراچی ص: ۸۷۔

شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

\*\*\*\*\*  
 أن السلف اختلفوا في كفر من قال: إن النبي ﷺ لما انتقلت روحه للملأ الأعلى على  
 تغير بدنه وروى أن وكيع بن الجراح حدث عن اسمعيل بن ابي خالد أن رسول  
 الله ﷺ لما توفي لم يدفن حتى رباطنه وانثنى خنصره واخضرت اظفاره لأنه ﷺ  
 توفي يوم الإثنين وتركه ليلة الأربعاء لاشغالهم بأمر الخلافة وإصلاح أمر الأمة وحكمته  
 أن جماعة من الصحابة رضی اللہ تعالیٰ عنہم. قالوا: لم يمت فأراد الله أن يريهم اية  
 الموت فيه ولما حدث وكيع بهذا بمكة رفع إلى الحاكم العثماني فأراد صلبه على خشية  
 نصبه له خارج الحرم فشفع فيه سفيان بن عيينة واطلقه ثم ندم على ذلك ثم ذهب  
 وكيع للمدينة فكتب الحاكم لأهلها إذا قدم اليكم فارجموه حتى يقتل فأبردله بعض الناس  
 يريد أن أخبره بذلك فرجع للكوفة خيفة من القتل وكان المفتي بقتله عبد المجيد بن  
 أبي رواد وقال سفيان: لا يجب عليه القتل وانكر هذا الناس. وقالوا: رأينا بعض الشهداء  
 نقل من قبره بعد أربعين سنة فوجد رطابالم يتغير منه شيء، فكيف بسيد الشهداء  
 والأنبياء عليه وعليهم الصلوة والسلام، وهذه زلة قبيحة لا ينبغي التحدث بها. اه  
 ونیز چہار شنب کی شب تک لاش مبارک کو بے دفن چھوڑنا غلط ہے۔

في الطبقات لابن سعد ص ۳ ج ۳. وتوفي (۱) صلوات اللہ علیہ يوم الإثنين  
 (حين زاغ الشمس ص ۱۳۰ ج ۲) ودفن يوم الثلاثاء حين زاغت الشمس اه.  
 چوبیس گھنٹے میں معمولی لاشوں میں تغیر نہیں ہوتا ہے۔  
 فكيف بسيد المرسلين.

اس عرض سے مقصود یہ ہے کہ اگر حضور والا پسند فرماویں تو ضمیمہ جواب فرما کر شائع کرنے کا حکم  
 فرماویں۔ النور میں اس مضمون کو دیکھ کر سخت پیچ و تاب میں تھا اور اس مضمون کو عرصہ ہوا میں نے دیکھا تھا مگر  
 بعد تخصّص ملتا نہ تھا کل بنام خدا دیکھا تو فوراً نکل آیا۔ الحمد للہ علی ہدایتہ، زیادہ حداد،  
 ۲۷ جمادی الاول ۱۳۵۲ھ (النور ۹ جمادی الاول ۱۳۵۲ھ)

.....  
 (۱) الطبقات الكبرى لابن سعد، ذکر کم مرض رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم واليوم  
 الذي توفي فيه، دار الكتاب العلمية بيروت ۲۰۹/۳-۲۱۰۔ شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

## ضمیمہ ثانیہ از مولوی عبد الماجد صاحب دریا آبادی

عبارت ذیل سیرۃ ابن ہشام میں مل گئی غسل کے موقع پر ولیم یرمن رسول اللہ ﷺ شیء مما یری من المیت اب اس سے بڑھ کر صراحت اور کیا ہوگی پھر بلحاظ استناد بھی سیرۃ ابن ہشام کا پایہ طبقات ابن سعد سے کہیں بڑھا ہوا ہے۔ یہ کتاب خاص سیرۃ نبویہ ہی پر تحقیق کر کے لکھی گئی ہے طبقات تو دراصل صحابہ و تابعین کی تاریخ ہے سوانح نبویہ محض ضمناً آگئے ہیں پھر اسی سیرۃ ابن ہشام میں یہ بھی مذکور ہے کہ حضرت علیؓ دیتے جاتے تھے اور یہ الفاظ کہتے جاتے تھے و علی یقول بابی انت وامی ما اطیبک حیا و میتا، اس سے بڑھ کر ایک اور روایت خود صحاح میں مل گئی۔ ابن ماجہ کتاب الجنائز باب ماجاء فی غسل النبی ﷺ میں ہے عن علی ابن ابی طالب قال لما غسل النبی ﷺ ذهب یلتمس منه ما یلتمس من المیت فلم یجدہ فقال بابی (\*) الطیب طبت حیا و طبت میتا، اب تو (طبقات کی) اس لغو روایت کی تردید میرے خیال میں بالکل واضح ہو جاتی ہے مناسب ہو تو اسے بھی بطور ضمیمہ النور میں درج فرما دیا جاوے۔ والسلام (النور ۹ محرم ۱۳۵۴ھ)

## قبرستان سے نکلتے وقت ادباً اس کی طرف پشت نہ کرنا

**سوال (۷۵۰):** قدیم ۱/۶۵- بندہ نے حضور سے دریافت کیا تھا کہ عوام لوگ مقابر سے نکلتے ہوئے ادباً پشت نہیں کرتے ہیں آپ نے تحریر فرمایا کہ یہ ادب طبعی ہے یا اور بھی کوئی عقیدہ ہے بندہ عرض کرتا ہے کہ صرف ادب طبعی ہے اور کوئی عقیدہ نہیں؟ بینوا تو جروا

(\*) أي: أنه مفدئ بأبي أنت الطيب، طبت الخ ولفظ روایت عبد الرزاق في مصنفه ۴۰۳/۳. فقال: بأبي وأمي طيباً حياً، وطيئاً ميتاً. سعيد احمد پالن پوری

(۲) سنن ابن ماجہ، کتاب الجنائز، باب ما جاء فی غسل النبی صلی اللہ علیہ وسلم،

النسخة الهندية ص: ۱۰۶، دار السلام رقم: ۱۴۶۷-

شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

**الجواب:** اس حالت میں کچھ حرج نہیں بشرطیکہ ایسے عوام کے سامنے نہ ہو جن کے تجاوز

عن الحدود کا احتمال ہو۔ (۱)

۲ جمادی الاولیٰ ۱۳۳۵ھ (تمہ خامسہ ص ۱۰)

## حفاظت کی نیت سے قبر کے اوپر سائبان بنانا

**سوال (۷۵۱):** قدیم ۱/۶۵- یہاں قلعہ کی دیوار کے نیچے ایک قبر ہے جس کو یہاں کے ہندو مسلمان فتح پیر کا مزار کہتے ہیں اور یہ روایت بھی مشہور ہے کہ سابق رئیس کے وقت شاید کسی نے ادھر غیر ذبیحہ کی ہڈی یا اور کوئی ناپاک چیز پھینک دی تو رات کو رئیس کو (جو ہندو راجپوت ہیں) خواب میں صاحب قبر نے تنبیہ کی جس پر رئیس نے قبر کی چار دیواری بنوادی مگر چونکہ اوپر سائبان یا چھت نہیں ہے اور قبر کے اوپر ہی محل بنا ہوا ہے جس میں سے کوڑا کرکٹ یا مردار گوشت کی ہڈیاں یا شراب کے چھینٹے پڑنے کا احتمال ہے ریاست ہذا اس وقت زیر اہتمام کورٹ آف وارڈس ہے خرچ کے بجٹ میں چھ روپے سالانہ چرانگی کے نام سے اور تین روپے فقیر کو اسی خدمت کے دیئے جانے درج ہو گئے مگر میں نے مندرجہ بالا بے ادبی کے بچاؤ کے لئے اوپر سائبان کرا دینے کے واسطے یہ رقم تین برس کی بچا کر رکھی ہے اب خیال آیا کہ نہ معلوم ایسا کرنے میں کوئی وبال شرعی تو نہیں ہے اس لئے عرض ہے کہ اس بارہ میں جو حکم شرعی ہو ارشاد فرمایا جاوے اگر حفاظت کے لئے سائبان جست کی چادروں کا یا اور کسی قسم کا کر دینا جائز ہو جب تو یہ بنوادی جاوے

(۱) قبرستان سے نکلنے وقت قبرستان کی طرف پشت کر کے نکلنا خلاف ادب ہونا اور پشت نہ کر کے پیچھے کو چلتے ہوئے نکلنا ادب ہونا اور صحابہ اور تابعین اور سلف و خلف سے ثابت نہیں، سب سے بڑے ادب کے لائق حضرت سید الکونین علیہ الصلاۃ والسلام تھے اور صحابہ کرامؓ جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ادب کرتے تھے، اس کی مثال بہت کم ہے، مگر کسی بھی صحابی سے اس طرح سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی مبارک مجلس سے پیچھے کو چلتے ہوئے نکلنا ثابت نہیں ہے؛ بلکہ اپنی ہیئت میں مبارک مجلس سے واپس تشریف لے جاتے تھے؛ لہذا قبرستان سے واپسی میں اپنی فطری ہیئت ہی میں واپس ہونا چاہئے، اسی وجہ سے حضرتؑ نے تجاوز عن الحدود کی قید لگائی ہے۔

شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

اور آئندہ سالوں میں رقم چراغ بنتی اور حق الخدمت فقیر میں صرف ہوتی رہے اور اگر یہ جائز نہ ہو تو جو رقم تین سال کی جمع ہے اس کو واپس ریاست میں جمع کرایا جاوے یا کہاں خرچ کی جاوے واپس جمع کرانے میں احتمال غالب ہے کہ آئندہ بجٹ میں ایسی رقم منظور نہ ہوگی کیونکہ جب پہلی ہی خرچ میں نہیں آئی تو پھر منظوری نہ ملے گی بہر حال جیسا کہ حکم شرعی ہو عمل درآمد کیا جاوے تاکہ مجھ پر کوئی مواخذہ نہ رہے؟

**الجواب:** خصوصیت موقع سے آپ کی تجویز مناسب ہے حسن نیت سے گناہ نہ ہوگا بلکہ مصلحت حفاظت قبر من الالبانت کے سبب اجر ہے۔ (۱)

۸/ رمضان المبارک ۱۳۳۵ھ (تمہ خامسہ ص ۲۶)

## مسجد میں نماز جنازہ کی کراہت سے متعلق آٹھ سوال جواب

**سوال (۷۵۲):** قدیم ۱/۷۶- کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین رحمہم اللہ تعالیٰ امور ذیل میں:

(۱) نماز جنازہ ایسی صورت میں کہ جنازہ اور امام و مقتدی سب لوگ مسجد میں ہوں تو کیسی ہے؟

**الجواب:** مکروہ ہے۔ (۱)

(۱) قد اعتاد أهل وضع الأحجار حفظاً للقبور عن الانداس، والنیش ولا بأس به. حاشیة الطحطاوی علی مراقی الفلاح، کتاب الصلاة، باب أحكام الجنائز، فصل فی حملها ودفنها، مكتبة دار الكتاب دیوبند ص: ۶۱۱)

یہ بات یاد رکھنے کی ہے کہ کسی کی نیت کا دوسروں کو خبر نہیں ہوگی ایسے عمل میں عوام ظاہری کو دیکھتے ہیں؛ اس لئے اس طرح سائبان بنانے سے بھی باز رہنا چاہئے۔

شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

(۱) إنما تكره في المسجد بلا عذر، فإن كان فلا. (شامی، کتاب الصلاة، باب صلاة الجنائز، مطلب مهم إذا قال إن شتمت فلاناً في المسجد الخ، مكتبة زكريا دیوبند ۱۲۹/۳، کراچی ۲/۲۲۶) ←

(۲) اگر جنازہ اور امام مع چند مقتدیوں کے مسجد سے خارج ہیں اور باقی لوگ مسجد میں ہیں تو اس

صورت میں جائز ہے یا نہیں؟

**الجواب:** (۱) مکروہ علی الاربح کما فی الشامی مگر صرف ان ہی کی جو مسجد میں ہیں۔ (۲)

(تتمہ ۲) اگر جائز نہیں ہے مکروہ ہے تو یہ کراہت کیسی ہے۔ تنزیہی یا تحریمی؟

**الجواب:** اختلاف ہے۔ (۳)

← عن أبي هريرة قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: من صلى على جنازة في المسجد فلا شيء له. (سنن أبي داود، كتاب الجنائز، باب الصلاة على الجنازة في المسجد، النسخة الهندية ۲/ ۴۵۴، دار السلام رقم: ۳۱۹۱)

سنن ابن ماجه، كتاب الجنائز، باب ما جاء في الصلاة على الجنازة في المسجد، النسخة الهندية ص: ۱۰۹، دار السلام رقم: ۱۵۱۷۔  
مسند أحمد ابن حنبل ۲/ ۴۵۵، رقم: ۹۸۶۵۔

وصلاة الجنازة في المسجد الذي تقام فيه الجماعة مكروه. (الفتاوى الهندية، كتاب الصلاة، الفصل الخامس في الصلاة على الميت، مكتبة زكريا ديوبند قديم ۱/ ۱۶۵، جديد ۱/ ۲۲۶)

وإنما تكره الصلاة على الجنازة في المسجد الجامع ومسجد الحي عندنا. (الفتاوى التاتارخانية، كتاب الصلاة، فصل في الجنائز، المتفرقات، مكتبة زكريا ديوبند ۳/ ۸۷، رقم: ۳۷۸۶)

(۲) واختلف في الخارجة عن المسجد وحده أو مع بعض القوم والمختار الكراهة مطلقاً (درمختار) وفي الشامية: قوله: مطلقاً أي في جميع الصور المتقدمة كما في الفتح عن الخلاصة. وفي مختارات النوازل سواء كان الميت فيه أو خارجه هو ظاهر الرواية. (الدر المختار مع الشامي، كتاب الصلاة، باب صلاة الجنازة، مطلب في كراهة صلاة الجنازة في المسجد، مكتبة زكريا ديوبند ۳/ ۱۲۶، كراچی ۲۲۵)

وصلاة الجنازة في المسجد الذي تقام فيه الجماعة مكروه سواء كان الميت ←

← والقوم الباقي في المسجد . (الفتاوى الهندية، كتاب الصلاة، الفصل الخامس في الصلاة على الميت، مكتبة زكريا ديوبند قديم ١/١٦٥، جديد ١/٢٢٦)

تكره الصلاة عليه في مسجد الجماعة وهو أي الميت فيه أو كان الميت خارجه أي المسجد مع بعض القوم، وكان بعض الناس في المسجد أو عكسه ولو مع الإمام على المختار . (مراقي الفلاح، كتاب الصلاة، باب أحكام الجنائز، مكتبة دار الكتاب ديوبند ص: ٥٩٥-٥٩٦) وإطلاقه يفيد الكراهة سواء كان الإمام والقوم في المسجد..... أو كان الإمام مع بعض القوم خارج المسجد والقوم الباقيون في المسجد..... وهو المختار . (النهر الفائق، كتاب الصلاة، فصل في الصلاة على الميت، مكتبة زكريا ديوبند ١/٣٩٦)

(٣) يمكن التوفيق بين كلامهم بأن نفي الكراهة اتفاقاً في حق من كان خارجاً وإثابها فيمن كان داخلًا . (النهر الفائق، كتاب الصلاة، فصل في الصلاة على الميت، مكتبة زكريا ديوبند ١/٣٩٦)

منحة الخالق على البحر الرائق، كتاب الجنائز، فصل السلطان أحق بصلاته، مكتبة زكريا ديوبند ٢/٣٢٧، كوثه ٢/١٨٧ -

فأجاب في النهر بحمل الاتفاق على عدم الكراهة في حق من كان خارج المسجد ومامر في حق من كان داخله . (شامي، كتاب الصلاة، باب صلاة الجنابة، مكتبة زكريا ديوبند ٣/١٢٧، كراحي ٢/٢٢٥)

(٣) وكرهت تحريماً وقيل تنزيهاً في مسجد جماعة . (الدر المختار على الشامي، كتاب الصلاة، باب صلاة الجنابة، مكتبة زكريا ديوبند ٣/١٢٦، كراحي ٢/٢٢٤-٢٢٥)

وتكره الصلاة عليه في مسجد الجماعة هو أي الميت فيه كراهة تنزيه في رواية ورجحها المحقق ابن الهمام وتحريم في أخرى . (مراقي الفلاح، كتاب الصلاة، باب في أحكام الميت، مكتبة دار الكتاب ديوبند ص: ٥٩٥-٥٩٦)

وهو مكروه كراهة التحريم في رواية وكراهة التنزيه في أخرى . (تبیین الحقائق، كتاب الصلاة، باب الجنائز، مكتبة زكريا ديوبند ١/٥٧٩)



\*\*\*\*\*  
 (۳) جن احادیث سے صلوٰۃ جنازہ فی المسجد مکروہ ثابت ہوئی ہے ان کے رواۃ کی سند کیسی ہے کیا اس میں کسی نے جرح کی ہے یا نہیں؟

**الجواب:** آثار السنن میں اس کی اسناد کو حسن کہا ہے اور اعلاء السنن میں زیادہ تفصیل ہے (۱) مگر اس کا مسودہ چھپنے گیا ہے ورنہ اس سے بھی نقل کیا جاتا اور جرح جس کا جواب دیدیا گیا ہے مضر نہیں اور جواز کی حدیث فعلی ہے اور عدم جواز کی قولی ہے اور قولی کو فعلی پر ترجیح ہوتی ہے۔

(۴) سہیل ابن بیضاء رضی اللہ عنہ کے جنازے کی نماز جو مسجد میں ہوئی ہے وہ کس عذر سے تھی؟  
**الجواب:** مختلف (۲) عذر نقل کئے گئے ہیں لیکن مطلق عذر یقینی ہے کیونکہ حضرت عائشہؓ کی ایسی درخواست پر صحابہ نے نیکر فرمایا اور اس حدیث کو ان سے سن کر بھی رجوع نہیں کیا (رواہ مسلم)

.....

(۱) إعلاء السنن کی عبارت یہ ہے:

عن أبي ذئب حدثني صالح مولى التوأمة عن أبي هريرة قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: من صلى على جنازة في المسجد فلا شيء له. رواه أبو داود ۹۸/۲، وسكت عنه ورواه ابن أبي شيبة في مصنفه بلفظه فلا صلاة له. زيلعي ۳۵۱/۱، وفي زاد المعاد ۱۴۴/۱. وهذا الحديث حسن فإنه من رواية ابن أبي ذئب عنه وسماعه منه قديم قبل اختلاطه ولا يكون اختلاطه موجباً كرد ما حدث به قبل الاختلاط. الخ  
 اس کے نیچے حاشیہ میں کچھ محدثانہ بحث ہے دیکھئے:

إعلاء السنن، باب كيفية صلاة الجنازة رقم: ۲۲۴۷، مكتبة دار الكتب العلمية بيروت ۲۶۶/۸.  
 (۲) فأجاب بهذا الحديث وفيه أولاً أنها واقعة حال لا عموم لها ويمكن أن يكون ذلك لضرورة كونها معتكفة ويوم مطر على أن إنكار الصحابة والتابعين عليها دليل على أن الأمر ثبت خلافها. (بذل المجهود، كتاب الجنائز، مكتبة يحيوية سهارن پوری ۲۰۳/۴)

فالجواب عنه: أما أولاً: فإنها واقعات حال لا عموم لها، فيمكن ذلك لعذر فيقدم القول على الفعل ..... والغالب أن تركهم الإنكار لهذا العذر، ولو كان جائزاً عندهم مطلقاً لما عابوا على عائشة رضي الله تعالى عنها. (إعلاء السنن، كتاب الجنائز، كيفية صلاة الجنازة، مكتبة اشرفية ديوبند ۲۷۷/۸)

\*\*\*\*\*

(۵) صلوٰۃ جنازہ فی المسجد میں دیگر ائمہ کا کیا مسلک ہے؟

**الجواب:** نووی (۱) نے شرح مسلم میں شافعی اور احمد بن حنبل اور بعض مالکیہ کا مذہب جواز کا لکھا ہے اور امام صاحب اور خود امام مالک کا عدم جواز کا۔

(۶) مقابر اور شارع عام میں صلوٰۃ جنازہ کیسی ہے؟

**الجواب:** شارع عام میں اگر تنگی ہوتی ہو تو مکروہ ہے (۲) اور مقابر میں غیر صلوٰۃ جنازہ تو مکروہ ہے (۳)

(۱) وفي هذا الحديث دليل للشافعي والأكثرين في جواز الصلاة على الميت في المسجد وممن قال به أحمد وإسحاق ..... وقال ابن أبي ذئب، وأبو حنيفة، ومالك على المشهور عنه لا يصح الصلاة عليه في المسجد. (نووي على مسلم، كتاب الجنائز، النسخة الهندية ۱/ ۳۱۲-۳۱۳)

وتكره الصلاة على الجنازة في مسجد جماعة عندنا وبه قال مالك، وقال الشافعي، وأحمد لا بأس بها. (حلي كبير، كتاب الصلاة، فصل في الجنائز، مكتبة اشرفية ديوبند ص: ۵۸۸)

(۲) تكره صلاة الجنائز في الشارع وأراضي الناس (مراقي الفلاح) وتحتة: وقوله: تكره الجنائز الخ، لشغل حق العامة في الأول، وحق المالك في الثاني. (حاشية الطحطاوي مع مراقي الفلاح، كتاب الصلاة، باب أحكام الجنائز، مكتبة دار الكتاب ديوبند ص: ۵۹۷)

يكره صلاة الجنازة في الشارع وأراضي الناس. (الفتاوى التاتارخانية، كتاب الصلاة، الفصل الجنائز، مكتبة زكريا ديوبند ۳/ ۸۷، رقم: ۳۷۸۶)

تكره في الشارع وأراضي الناس. (الفتاوى الهندية، كتاب الصلاة، الفصل الخامس في الصلاة على الميت، مكتبة زكريا ديوبند قديم ۱/ ۱۶۵، جديد ۱/ ۲۲۶)

(۳) تكره الصلاة في المقبرة (مراقي الفلاح) وتحتة: لأنه تشبه باليهود والنصارى. (حاشية الطحطاوي مع المراقي، كتاب الصلاة، فصل في المكروهات، مكتبة دار الكتاب ديوبند ص: ۳۵۶)

تكره في المزبلة..... وفي المقبرة. (حلي كبير، كتاب الصلاة، فصل في بيان ما يكره فعله في الصلاة، فروع، مكتبة اشرفية ديوبند ص: ۳۶۳)

اور صلوٰۃ جنازہ کے کراہت کی کوئی دلیل نہیں کیونکہ اس میں جب میت کا سامنے ہونا گوارا کر لیا تو قبر میں کیا حرج ہے (۱) پھر بعض حالات میں خود صلوٰۃ علی القبر بھی مشروع ہے۔

(تمتہ ۶) اگر مجمع کثیر ہو اور کوئی جگہ سوائے مسجد کے ایسی نہیں کہ جہاں پر یہ مجمع سما جائے تو ایسی صورت میں اگر جنازہ اور امام چند مقتدیوں کے ساتھ مسجد سے خارج ہو اور سب لوگ مسجد میں ہوں تو کیا یہ صورت اعذار میں شمار ہو سکتی ہے یا نہیں فقہاء رحمہم اللہ نے ایسی صورت کو کراہت سے مستثنیٰ کیا ہے یا نہیں؟

**الجواب:** گنجائش نہ ہونا عذر ہے (۲) مگر میت کے مسجد میں ہونے سے مصلین کا مسجد میں ہونا اہول ہے۔

(۷) چونکہ نماز جنازہ فرض کفایہ ہے ایسی صورت میں جبکہ مجمع زیادہ ہو اور سوائے مسجد کے اور کوئی جگہ اتنی وسیع نہ ہو کہ جس میں مجمع آجائے تو کیا اس مجمع میں سے چند آدمی صلوٰۃ جنازہ کے لئے منتخب کر لئے جاویں اور باقی کو روک دیا جاوے یہ فعل کیسا ہے جائز ہے یا نہیں؟

**الجواب:** یہ فعل بے اصل ہے۔

(۸) آجکل مسجد حرام میں صلوٰۃ جنازہ کس جگہ ہوتی ہے؟

**الجواب:** مجھ کو معلوم نہیں لیکن اگر وہاں مسجد میں پڑھتے بھی ہوں تو اصل فعل یہ دوسرے مذہب والوں کا ہے اور ممکن ہے کہ مسئلہ کے مجتہد فیہ ہونے کے سبب احناف بھی شریک ہو جاتے ہوں تو اس فعل سے تمسک نہیں ہو سکتا۔

۱۵ جمادی الاولیٰ ۱۳۵۳ھ (النور ۷ ماہ جمادی الاولیٰ ۱۴۲۲ھ)

(۱) وفي البدائع وغيرها قال أبو حنيفة لا ينبغي أن يصلي على ميت بين القبور ..... وإن صلوأجزأهم لما روي أنهم صلوا على عائشة وأم سلمة بين مقابر البقيع. (حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، كتاب الصلاة، باب أحكام الجنائز، مكتبة دار الكتاب ديوبند ص: ۵۹۵)

بدائع الصنائع، كتاب الصلاة، فصل في سنن الدفن، مكتبة زكريا ديوبند ۶۵/۲۔

(۲) إن من العذر ما جرت به العادة في بلادنا من الصلاة عليها في المسجد لتعذر غيره ←

## روحوں کا شب جمعہ میں گھر آنے کی بات کہاں تک صحیح ہے؟

**سوال (۷۵۳):** قدیم / ۱ - ۶۸ - فتاویٰ رشیدیہ حصہ دوم ص: ۹۸ پر ایک سوال کے جواب میں فرماتے ہیں کہ مردوں کی روحیں شب جمعہ میں گھر نہیں آتیں یہ روایت غلط ہے اور اس کے خلاف نورالصدور ص ۱۶۸ پر بروایت ابو ہریرہؓ بایں فرماتے ہیں جس کا مطلب یہ ہے کہ شب جمعہ کو مومنوں کی روحیں اپنے اپنے مکانوں کے مقابل کھڑی ہو کر پکارتی ہیں کہ ہم کو کچھ دو اور ہر روح ہزار مردوں اور عورتوں کو پکارتی ہے روایت کیا اس حدیث کو شیخ ابن الحسن بن علی نے اپنی کتاب میں اب عرض یہ ہے کہ صحیح معاملہ شرعاً کیا ہے؟

**الجواب:** اول تو اس کی سند قابل تحقیق ہے۔ دوسرے بر تقدیر ثبوت مقید ہے اذن کیسا تھ اور حکم نفی دعویٰ عموم کے تقدیر پر ہے پس دونوں میں تعارض نہیں۔ (۱)

۲۶ / جمادی الاولیٰ ۱۳۵۳ھ (النور ص: ۹۰ ماہ جمادی الثانی ۱۳۵۴ھ)

← أو تعسره بسبب اندراس المواضع التي كانت يصلی عليها فيها ..... وإذا ضاق الأمر اتسع .  
(شامي، كتاب الصلاة، باب صلاة الجنابة، مطلب مهم إذا قال إن شتمت فلانا في المسجد الخ، مكتبة زكريا ديوبند ۱۲۹/۳، کراچی ۲/۲۲۶)

شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

(۱) یہ مسئلہ بہت زیادہ قابل توجہ ہے، حضرت مفتی محمد شفیع صاحب دیوبندیؒ نے امداد المفتیین ترتیب جدید مکتبہ دارالاشاعت کراچی ص: ۱۲۱ تا ۱۲۴ میں عمر و بکر کے معارضاتی سوال کے جواب میں کافی لمبا جواب تحریر فرمایا ہے، وہ تمام روایات بھی اس میں ہیں جن میں اس بات کو ثابت کیا جاتا ہے کہ مردوں کی روحیں شب جمعہ، یوم عاشوراء، یوم عید وغیرہ میں اپنے گھر آ کر سوالات کرتی ہیں۔

اور فتاویٰ دارالعلوم جدید ۴۵۹/۵ میں اس کی تردید ہے اور حضرت مولانا عبدالحیؒ کی بات کی تائید ہے فتاویٰ محمودیہ جدید ڈائجیل ۶۰۶/۱، میرٹھ ۳۵۶/۳ میں سائل نے سوال کیا کہ امداد المفتیین میں بکر نے جو حدیثیں اس کے ثبوت میں پیش کی ہیں وہ صحیح ہیں یا نہیں؟ تو حضرت الاستاذ مفتی محمود حسن گنگوہی علیہ الرحمہ نے جواب دیا، وہ روایات اس پایہ کی نہیں کہ اس سے کسی ضروری مسئلہ کا اثبات کیا جاسکے، آگے حضرت اپنی طرف سے جواب میں یہ الفاظ لکھتے ہیں: ←

## رات میں دفن کرنے کا حکم

**سوال (۷۵۴):** قدیم ۱/۶۸- حضرت والا کیا فرماتے ہیں اس حدیث کے متعلق جو حسب ذیل موجود ہے:

لا تدفنوا موتاکم باللیل إلا أن تضطروا. (۱)

← میت کے انتقال کے بعد اپنے گھر والوں اور متعلقین سے کچھ امیدیں وابستہ ہوتی ہیں اور وہ متعلقین سے امیدوار رہتی ہیں۔ ہوتا یہ ہے کہ وہ امید اور تعلق ہی لوگوں کو تمثیل ہو کر ظاہر ہو جاتے ہیں، مثلاً یہ کہ روح دروازہ پر کھڑی ہے کھانا مانگتی ہے اور ضروریات طلب کرتی ہے یہ حقیقت نہیں ہوتی؛ بلکہ تمثیل ہوتا ہے؛ کیونکہ ارواح کو اس عالم میں دنیاوی ضرورت کی نہ تو حاجت ہوتی ہے اور نہ ہی یہ چیزیں ان کے لئے وہاں مفید ہو سکتی ہیں، یہی وجہ سے کہ ایصال ثواب کے طور پر جو چیزیں میت کی روح کو بخشی جاتی ہیں وہ بھی اس کو اصلی صورت میں نہیں؛ بلکہ اخروی نعمتوں کی صورت میں مشکل ہو کر پیش ہوتی ہے۔ (مستفاد: فتاویٰ محمودیہ ڈبھیل ۱/۶۸، میرٹھ ۳/۳۵۷)

اب حضرت والا تھانویؒ نے اشرف الجواب میں جو تحریر فرمایا ہے وہ ملاحظہ فرمائیے حضرت فرماتے ہیں:

اگر تنعم میں مردہ ہے تو اسے یہاں آ کر لیتے پھرنے کی ضرورت کیا ہے؟ اور اگر معذب ہے تو فرشتگان عذاب کیونکر چھوڑ سکتے ہیں کہ وہ دوسروں کو لپٹا پھرے، اشرف الجواب مکتبہ دار الکتب دیوبند ۲/۱۵۶، جواب: ۳۰/اس سے معلوم ہوا کہ حضرت اس کی تردید فرماتے ہیں، فتاویٰ رشیدیہ میں حضرت گنگوہیؒ نے تین جواب لکھے ہیں تینوں میں صاف الفاظ میں لکھا ہے کہ مردوں کی روحوں کے گھر پر آنے کی روایتیں واہیہ ہیں اس پر عقیدہ ہرگز نہیں کرنا چاہئے قدیم زکریا بکڈ پو ۲۲۸/اس جواب پر حضرت مولانا سید احمد دہلویؒ مدرس دارالعلوم دیوبند، حضرت مولانا یعقوب صاحب نانوتویؒ اور مولانا احمد ہزارویؒ، مفتی عزیز الرحمنؒ دیوبندیؒ، مولانا عبداللہ انصاریؒ، شیخ الہند مولانا محمود حسن دیوبندیؒ، مولانا ابوالکلامؒ، محمد اسحاق فرخ آبادیؒ وغیرہم کے دستخطیں ثبت ہیں۔

دوسرے جواب میں لکھتے ہیں کہ شب جمعہ اپنے گھر نہیں آتیں روایت غلط ہے فتاویٰ رشیدیہ دارالکتب دیوبند ص: ۲۴۹۔

شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

(۱) ابن ماجہ، کتاب الجنائز، باب ماجاء فی الأوقات التي یصلی فیہا علی المیت،

حدیث ابن ماجہ کتاب الجنائز ص: ۱۱۰ / باب ماجاء في الأوقات التي لا يصلى فيها على الميت ولا يدفن -

اس حدیث کی رو سے میت کو رات میں دفنانے کی ممانعت ثابت ہوتی ہے لیکن موجودہ زمانہ میں کسی مقام پر بھی رات میں میت کو نہ دفنانا رائج نہیں اور نہ کسی علماء کرام سے سنا گیا کیا اس حدیث کو عمل میں لایا جائے یا نہیں؟ اور فتاویٰ عالمگیری کی غالباً یہ عبارت ہے لا باس بہ۔

۲۰ ذی الحجہ ۱۳۵۳ھ

**الجواب:** الحديث المذكور في السؤال ضعيف بإبراهيم بن يزيد نعم روى مسلم عن جابر (۱) بن عبد الله أن النبي صلى الله عليه وسلم خطب يوماً فذكر رجلاً من أصحابه قبض فكفن في كفن غير طائل وقبر ليلاً فزجر النبي صلى الله عليه وسلم أن يقبر الرجل بالليل حتى يصلى عليه إلا أن يضطر إنسان إلى ذلك وقال النبي صلى الله عليه وسلم إذا كفن أحدكم أخاه فليحسن كفنه.

قال النووي: (۲) قوله صلى الله عليه وسلم حتى يصلى عليه هو بفتح اللام

**الجواب:** سوال میں ذکر کردہ حدیث ابراہیم بن یزید کی وجہ سے ضعیف ہے، ہاں البتہ امام مسلم نے حضرت جابر بن عبد اللہؓ سے روایت کیا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دن خطبہ دیا، اور آپ نے اپنے صحابہ میں سے ایک ایسے شخص کا تذکرہ کیا جن کا انتقال ہو چکا تھا اور انہیں معمولی کفن دیا گیا تھا، اور رات میں دفن کر دیا گیا تھا، تو آپ علیہ السلام نے کسی بھی شخص کو رات میں دفن کرنے سے ڈانٹا یہاں تک کہ اس کی نماز پڑھ لی جائے، مگر یہ کہ کوئی شخص (کوئی میت) اس کی جانب مجبور ہو اور بنی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب تم میں سے کوئی اپنے بھائی کو کفن دے تو اسے اچھا کفن دے۔

امام نوویؒ فرماتے ہیں کہ آپ علیہ السلام کا ارشاد ”حتى يصلى عليه“ لام کے فتح کے ساتھ ہے،

(۱) مسلم شریف، کتاب الجنائز، باب في تحسين كفن الميت ۳۰۶/۱، رقم: ۹۴۳۔

(۲) شرح النووي على المسلم، کتاب الجنائز، باب في تحسين كفن الميت ۳۰۶/۱۔ ←

\*\*\*\*\*  
 وأما النهی عن القبر لیلاً حتی یصلی علیه فقیل سببه أن الدفن نهاراً یحضره  
 كثیرون من الناس ویصلون علیه ولا یحضره فی اللیل إلا أفراد. وقیل: لأنهم كانوا  
 یفعلون ذلك باللیل لرداءة الکفن فلا یبین باللیل ویویده أول الحدیث وآخره.

قال القاضی: العلتان صحیحتان، قال والظاهر أن النبی صلی اللہ علیہ وسلم  
 قصد هماماً، قال: وقد قیل: هذا قوله صلی اللہ علیہ وسلم إلا أن یضطر إنسان إلى  
 ذلك دلیل أنه لا بأس فی وقت الضرورة وقد اختلف العلماء فی الدفن باللیل  
 فکرمه الحسن البصری إلا بضرورة وهذا الحدیث مما یتدل له به.

وقال جما هیر العلماء من السلف والخلف: لا یکرهوا استدلوأ بأن أبابکر  
 الصدیقؓ وجماعة من السلف دفنوا لیلاً من غیر إنکار وبحدیث المرأة السوداء  
 أو الرجل الذی یقُم المسجد توفي باللیل فدفنوه لیلاً.

\*\*\*\*\*  
 ← رہارات میں دفن کرنے سے ممانعت یہاں تک کہ اس کی نماز پڑھ لی جائے تو ایک قول یہ ہے کہ اس کا سبب  
 یہ ہے کہ دن میں دفن کرنے کی صورت میں کافی لوگ شریک ہوتے اور نماز پڑھتے ہیں اور رات میں چند افراد ہی  
 حاضر ہوتے ہیں اور ایک قول یہ ہے کہ لوگ کفن کے گھٹیا ہونے کی وجہ سے رات میں کفن دفن کیا کرتے تھے؛ چنانچہ  
 رات میں پتہ نہیں چل پاتا تھا اس قول کی تائید حدیث کے پہلے حصہ سے بھی ہوتی ہے اور آخری حصے سے بھی۔

قاضی عیاضؒ فرماتے ہیں کہ دونوں علتیں صحیح ہیں، نیز فرماتے ہیں کہ ظاہر یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ  
 وسلم نے دونوں علتوں کا قصد فرمایا ہے امام نوویؒ فرماتے ہیں کہ ایک قول یہ بھی ہے اور آپ علیہ السلام کا ارشاد  
 ”إلا أن یضطر إنسان إلى ذلك“ اس بات کی دلیل ہے کہ ضرورت کے وقت اس میں کوئی حرج نہیں  
 ہے اور رات میں دفن کے سلسلے میں علماء کا اختلاف ہے؛ چنانچہ حسن بصریؒ نے اس کو مکروہ قرار دیا ہے،  
 مگر ضرورت کی وجہ سے، اور اس حدیث سے اس کے قول پر استدلال کیا جاتا ہے۔

اور جمہور علماء سلف وخلف فرماتے ہیں کہ مکروہ نہیں اور یہ دلیل دیتے ہیں کہ حضرت ابوبکر صدیقؓ اور سلف کی  
 ایک جماعت کو بغیر نکیر کے رات میں دفن کیا گیا، نیز امراء سوداء یا مسجد میں جھاڑودینے والے شخص کی حدیث سے  
 بھی استدلال کرتے ہیں جن کا رات میں انتقال ہو گیا تھا اور رات ہی میں صحابہ نے انہیں دفن کر دیا تھا ←

\*\*\*\*\*

وسألهم النبي صلى الله عليه وسلم عنه فقالوا فتوفي ليلاً فدفناه في الليل فقال ألا اذنتموني، قالوا: كانت ظلمة ولم ينكر عليهم وأجابوا عن هذا الحديث أن النهي كان لترك الصلوة ولم ينهه عن مجرد الدفن بالليل وإنما نهى لترك الصلوة أو لقلّة المصلين أو عن إساءة الكفن أو عن المجموع كما سبق. اه وقال المحشى: قوله: حتى يصلى عليه الخ قال الإمام النووي: يصلى هو بفتح اللام. وقال الشيخ ابن حجر: (۱) في شرح صحيح البخارى قوله يصلى عليه هو مضبوط بكسر اللام أي يصلى النبي صلى الله عليه وسلم فهذا سبب آخر للنهي غير سبب عدم تحسين الكفن يقتضى أنه إن رجى بتأخير الميت إلى الصباح صلوة من ترجى بركته عليه استحباباً خيره وإلا فلا وبه جزم الطحاوى. اه

\*\*\*\*\*

← اور آپ علیہ السلام نے صحابہ سے ان کے متعلق دریافت کیا تھا تو صحابہ نے کہا تھا کہ رات کو ان کا انتقال ہو گیا تھا، تو ہم نے رات کو ہی دفن کر دیا تھا، تو آپ نے فرمایا تھا کہ تم نے مجھے اطلاع کیوں نہ دی؟ صحابہ نے عرض کیا تاریکی کا وقت تھا، تو آپ نے ان پر کوئی نکیر نہیں فرمائی اور جمہور نے اس حدیث کا یہ جواب دیا ہے کہ ممانعت ترک صلاۃ کی وجہ سے تھی، اور آپ نے مطلقاً رات میں دفن کرنے سے منع نہیں فرمایا ہے، آپ نے تو ترک صلاۃ کی وجہ سے یا قلت مصلین کی وجہ سے یا گھٹیا کفن کی وجہ سے یا ان سب باتوں کی وجہ سے منع فرمایا ہے جیسا کہ ماقبل میں گذر چکا ہے۔

مُحْشٰی فرماتے ہیں ”قوله حتى يصلي عليه“، امام نوویؒ فرماتے ہیں کہ ”يُصلي“ لام کے فتح کیساتھ ہے اور حافظ ابن حجر صحیح بخاری کی شرح میں فرماتے ہیں کہ ”يُصلي عليه“ لام کے کسرہ ساتھ ضبط کیا گیا ہے یعنی یہاں تک نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نماز پڑھ لیں، تو اچھا کفن نہ دینے کے علاوہ ممانعت کی یہ دوسری وجہ اس بات کا تقاضہ کرتی ہے، اگر میت کو صبح تک مؤخر کرنے کی صورت میں اس شخص کے نماز پڑھنے کی امید ہو جس کی برکت اس میت کو حاصل ہو سکتی ہو تو نماز کو مؤخر کرنا مستحب ہے ورنہ نہیں، امام طحاویؒ نے اسی پر اعتماد کیا ہے۔



قلت وقد دفن (مبنيا للفاعل) النبي صلى الله عليه وسلم بالليل كما في جمع الفوائد عن الترمذی (۱) أنه صلى الله عليه وسلم دخل قبراً ليلاً فاسرج له سراج فأخذه من قبل القبلة معترضا وقال رحمك الله إن كنت لا وَاها تلاء للقرآن فكبر عليه أربعاً.

وأيضا قد دفن (مبنيا للمفعول) النبي ﷺ بالليل كما في جمع الفوائد (۲) عن القزويني أنه دفن صلى الله عليه وسلم وسط الليل من ليلة الأربعاء الحديث. وكان كل ذلك دليلاً فعلياً على الجواز والدليل القولي عليه بل على كراهة انتظار النهار بلا ضرورة ما في جمع الفوائد. عن أبي داود (۳) أن طلحة بن البراء لما مرض أتاه رسول الله صلى الله عليه وسلم يعوده، فقال: لا أراه إلا قد حدث به الموت فأذنوني به وعجلوا فإنه لا ينبغي لجيفة مسلم أن تحبس بين ظهيري أهله وبذلك كله.

میں کہتا ہوں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی رات میں دفن کیا ہے جیسا کہ جمع الفوائد میں ترمذی سے منقول ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم رات کو قبر میں داخل ہوئے تو آپ کے لئے چراغ جلایا گیا، پھر آپ نے میت کو قبلہ کی طرف سے اڑے ہو کر پکڑا اور فرمایا کہ اللہ تجھ پر رحم کرے تو بہت اللہ سے لو لگانے والا تھا، قرآن کی بہت تلاوت کرنے والا تھا، پھر آپ نے اس پر چار تکبیریں کہیں۔

نیز نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کورات میں دفن کیا گیا جیسا کہ جمع الفوائد میں ابن ماجہ سے منقول ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو بدھ کو درمیان شب دفن کیا گیا۔ یہ سب جواز کی فعلی دلیلیں تھیں اور اس سلسلے میں قولی دلیل بلکہ بلا ضرورت دن نکلنے کے انتظار کے مکروہ ہونے کی دلیل وہ حدیث ہے جو جمع الفوائد میں ابوداؤد سے منقول ہے کہ جب طلحہ بن البراء بیمار ہوئے، تو آپ ﷺ ان کی عیادت کرنے آئے، پھر آپ ﷺ نے فرمایا کہ میرا خیال یہ ہے کہ ان کی موت کا وقت آچکا ہے کہ کسی مسلمان کی نعش کے لئے مناسب نہیں ہے کہ اسے اس کے گھر والوں کے بیچ روکے رکھا جائے۔

(۱) ترمذی شریف، کتاب الجنائز، باب ما جاء في الدفن بالليل ۱/۲۰۴، رقم: ۱۰۵۷۔

(۲) جمع الفوائد، کتاب الجنائز، باب مرض النبي وموته، وغسله، وكفنه، دفنه، مكتبة

مجمع الشيخ زكريا سهارن پور ۲/۳۴۲، رقم: ۱۹۱۶۔

(۳) سنن أبي داود، کتاب الجنائز، باب تعجيل الجنائز، النسخة الهندية ۲/۴۵۰،

دارالسلام رقم: ۳۱۵۹۔

قال فقهاءنا: كما في رد المحتار (۱): وكره تأخير صلاته ودفنه ليصلى عليه

جمع عظيم بعد صلوة الجمعة. وفي الدر المختار (۲): لا يكره الدفن ليلاً. اهـ

۲۲/ ذی الحجۃ ۱۳۵۳ھ (النور ۱۰ اشوال ۱۳۵۴ھ)

ان ہی سب باتوں کے ہمارے فقہاء قائل ہیں جیسا کہ رد المحتار میں ہے، میت کی نماز جنازہ اور اس کے دفن کو مؤخر کرنا تا کہ نماز جمعہ کے بعد بڑی تعداد میں شریک ہو سکے مکروہ ہے اور در مختار میں ہے کہ رات میں دفن کرنا مکروہ ہے۔

(۱) شامی، کتاب الصلاة، باب صلاة الجنازة، مكتبة زكريا دیوبند ۱۴۶/۳،

کراچی ۲۳۹/۲۔

يكره تاخير الصلاة ودفنه ليصلى عليه الجمع العظيم. (البحر الرائق،

كتاب الجنائز، فصل السلطان أحق بصلاته، مكتبة زكريا دیوبند ۳۳۵/۲،

کوئٹہ ۱۹۱/۲)

ولو مات يوم الجمعة يكره تأخيره ليصلى عليه بجمع عظيم بعدها.

(النهر الفائق، كتاب الصلاة، فصل في الصلاة على الميت، مكتبة زكريا دیوبند ۴۰۰/۱)

(۲) الدر المختار على الشامي، كتاب الصلاة، باب صلاة الجنازة، مكتبة

زكريا دیوبند ۱۵۵/۳، کراچی ۲۴۵/۲۔

ولا يكره الدفن ليلاً. (الدر المنتقى على المجمع الأنهر، كتاب الصلاة،

باب صلاة الجنازة، مكتبة دار الكتب العلمية بيروت ۲۷۷/۱)

وفي الجوهرة: لا بأس بذلك لأن النبي صلى الله عليه وسلم دفن ليلة

أربعاً وعثمان، وفاطمة، وعائشة رضي الله عنهم دفنوا ليلاً. (حاشية

الطحطاوي على المراقي الفلاح، كتاب الصلاة، فصل في حملها ودفنها، مكتبة

دار الكتاب دیوبند ص: ۶۱۳)

شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

## ایصال ثواب کا طریقہ

**سوال (۷۵۵):** قدیم ۱/۷۷۰۔ ایصال ثواب دختر متوفاه میں آنحضرت ﷺ کو بھی شریک کیا جاوے یا بلا شرکت صرف متوفاه کا نام لیا جاوے اور درود شریف اول و آخر پڑھا جاوے جو نسا طریقہ افضل ہو اُس سے حضرت مطلع فرمادیں مثلاً یلین شریف پڑھکر یہ کہا جاوے کہ اسکا ثواب آنحضرت ﷺ مع اصحاب کو پہنچے اور متوفاه کو پہنچے (۲) ایصال ثواب بالاشتراک یا بالافراد (۳) اور مردہ کو جو ثواب پہنچتا ہے بلا شرکت ﷺ وہ مردہ اُس ثواب کو آنحضرت ﷺ کی خدمت میں پیش کرتا ہے جیسا کہ ہمرشتہ مکتوب ملفوف میں لکھا ہے یہ حدیث سے ثابت ہے یا حضرت مجدد کا محض کشف ہے؟ بنیو اتوجروا

**الجواب:** مکتوبات کے متعلق جو تحقیق ذیل میں آتی ہے اُس سے سب سوالوں کا جواب

ہو جاوے گا۔

## نقل مکتوب

از مکتوبات امام ربانی مجدد الف ثانی دفتر سوم (مکتوب ۲۸) اس بیان میں کہ مردوں کے ارواح کو صدقہ کرنے کی کیفیت کیا ہے ملا صالح ترک کی طرف صادر فرمایا ہے:-

الحمد لله وسلام علی عباده الذین اصطفیٰ! ایک دن خیال آیا کہ اپنے قریبی رشتہ دار مردوں میں سے بعض کی روحانیت کے لئے صدقہ کیا جائے۔ اس اثنا میں ظاہر ہوا کہ اس نیت سے اس میت مرحوم کو خوشی حاصل ہوئی اور خوش و خرم نظر آئی جب اس صدقہ کے دینے کا وقت آیا پہلے حضرت رسالت خاتمیت علیہ الصلوٰۃ والسلام کے لئے اس صدقہ کی نیت کی جیسی کہ عادت تھی۔۔۔۔۔۔ بعد ازاں اس میت کی روحانیت کی واسطے نیت کر کے دیدیا اس وقت اس میت میں ناخوشی اور اندوہ محسوس ہوا اور کلفت و کدورت ظاہر ہوئی۔ اس حال سے بہت متعجب ہوا اور ناخوشی اور کلفت کی کوئی وجہ ظاہر نہ ہوئی۔ حالانکہ محسوس ہوا کہ اس صدقہ سے بہت برکتیں اس میت کو پہنچی ہیں لیکن خوشی اور سرور اس میں ظاہر نہیں ہوا۔

اسی طرح ایک دن کچھ نقدی آنحضرت ﷺ کی نذر کی اور اس نذر میں تمام انبیاء کرام کو بھی داخل کیا اور ان کو آنحضرت ﷺ کا طفیلی بنایا۔ اس امر میں آنحضرت ﷺ کی مرضی و رضامندی معلوم ہوئی، اسی طرح بعض اوقات جو میں درود بھیجتا تھا اگر اسی مرتبہ میں تمام انبیاء پر بھی درود بھیجتا تھا تو اس میں آنحضرت ﷺ کی مرضی ظاہر نہ ہوتی حالانکہ معلوم ہو چکا ہے کہ اگر ایک کی روحانیت کے لئے صدقہ کر کے تمام مومنوں کو شریک کر لیں تو سب کو پہنچ جاتا ہے اور اس شخص کے اجر سے کہ جس کی نیت پر دیا جاتا ہے کچھ کم نہیں ہوتا۔ ان ربک واسع المغفرة بے شک رب تیرا بڑی بخشش والا ہے اس صورت میں ناخوشی اور ناراضگی کی وجہ کیا ہے مدت تک یہ مشکل بات دل میں کھکتی رہی آخر کار اللہ تعالیٰ کے فضل سے ظاہر ہوا کہ ناخوشی اور کلفت کی وجہ یہ ہے کہ اگر صدقہ بغیر شرکت کے مُردہ کے نام پر دیا جائے تو وہ مُردہ اپنی طرف سے اس صدقہ کو تحفہ اور ہدیہ کے طور پر آنحضرت ﷺ کی خدمت میں لے جائے گا اور اسکے وسیلہ سے برکات و فیوض حاصل کریگا اور اگر صدقہ دینے والا خود آنحضرت ﷺ کی نیت کریگا تو میت کو کیا نفع ہوگا شرکت کی صورت میں اگر صدقہ قبول ہو جائے تو اس صدقہ کا ثواب بھی ملے گا اور اس صدقہ کے تحفہ اور ہدیہ کرنے کے فیوض و برکات بھی حبیب رب العلمین علیہ الصلوٰۃ والسلام کے پاس سے پائے گا اسی طرح ہر شخص کے لئے کہ جس کو شریک کریں یہی نیت موجود ہے کہ شرکت میں ایک درجہ ثواب ہے اور عدم شرکت میں دو درجہ کہ اس کو مُردہ اپنی طرف سے اس کے پیش کر سکتا ہے اور یہ بھی معلوم ہوا کہ ہدیہ و تحفہ جو کوئی غریب کسی بزرگ کی خدمت میں لیجائے بغیر کسی شراکت کے اگر چہ طفیلی ہو تو اس کا تحفہ خود پیش کرنا بہتر ہے یا شرکت کے ساتھ کچھ شک نہیں کہ بغیر شرکت کے بہتر ہے اور وہ بزرگ اپنے بھائیوں کو اپنے پاس سے دیدے تو اس بات سے بہتر ہے کہ یہ شخص بے فائدہ دوسروں کو داخل کرے۔ اور آل و اصحاب جو آنحضرت ﷺ کے عیال کی طرح ہیں ان کو جو طفیلی بنا کر آنحضرت ﷺ کے ہدیہ میں داخل کیا جاتا ہے پسندیدہ اور مقبول نظر آتا ہے ہاں متعارف ہے کہ ہدایات مرسولہ میں اگر کسی بزرگ کے ساتھ اس کے ہمسروں کو شریک کریں تو اس کے ادب و رضامندی سے دور معلوم ہوتا ہے اور اس کے خادموں کو طفیلی بنا کر ہدیہ بھیجیں تو اس کو پسند آتا ہے کیونکہ خادموں کی عزت اسی کی عزت ہے۔

پس معلوم ہوا کہ زیادہ تر مردوں کی رضامندی صدقہ کے افراد میں ہے نہ صدقہ کے اشتراک میں لیکن چاہئے کہ جب میت کے لئے صدقہ کی نیت کریں تو اول آنحضرت ﷺ کی نیت پر ہدیہ جدا کر لیں۔ بعد ازاں اس میت کے لئے صدقہ کریں کیونکہ آنحضرت ﷺ کے حقوق دوسروں کے حقوق سے بڑھ کر ہیں اس صورت میں آنحضرت ﷺ کے طفیل اس صدقہ کے قبول ہونے کا بھی احتمال ہے۔ یہ فقیر مردوں کے بعض صدقات میں جب نیت کے درست کرنے کے لئے اپنے آپ کو عاجز معلوم کرتا ہے تو اس سے بہتر علاج کوئی نہیں جانتا کہ اس صدقہ کو آنحضرت ﷺ کی نیت پر مقرر کر دے اور اس نیت کو ان کا طفیلی بنائے امید ہے کہ ان کے وسیلہ کی برکت سے قبول ہو جائے گا۔ علماء نے فرمایا کہ آنحضرت ﷺ کا درود اگر ریا و سمعہ سے بھی ادا کیا جائے تو مقبول ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچ جاتا ہے اگرچہ اس کا ثواب درود بھیجنے والے کو نہ ملے کیونکہ اعمال کا ثواب نیت کے درست کرنے پر موقوف ہے اور آنحضرت ﷺ کے قبول کے لئے جو مقبول و محبوب ہیں بہانہ ہی کافی ہے۔ آیت کریمہ وکان فضل اللہ علیک عظیماً، آنحضرت ﷺ کی شان میں نازل ہوئی۔ علیہ وعلى اله الصلوٰۃ وعلى جميع أعيانہ الکرام من الأنبياء والعلماء العظام إلى يوم القيام۔

## تحقیق متعلق مکتوب

اس مکتوب کے مضمون کی بناء کوئی منقول نہیں غایت مافی الباب ایک کشف ہو سکتا ہے اور وہ بھی صرف اول کا حصہ یعنی شرکت میں سرور نہ ہونا۔ باقی آخر کا حصہ یعنی ناخوشی کی وجہ یہ محض ذوق معلوم ہوتا ہے جو اصطلاحی کشف نہیں اور اگر اس میں داخل بھی ہوا ایسے واقعات میں بالکل ادنیٰ درجہ کا کشف ہو اور کشف کسی درجہ کا بھی حجت نہیں! بالخصوص غیر صاحب کشف کے لئے اس کی رعایت و اتباع کسی درجہ میں بھی مطلوب نہیں خصوصاً جب ذوق بھی ذوق نہ لگے کیونکہ ہدیہ پیش کرنا شرکت میں بھی ممکن ہے اپنا حصہ پیش کر سکتے ہیں۔ اگر عدم سرور کے انکشاف کو صحیح بھی مان لیا جائے تو اُس کی بناء غالباً دوسری ہے اور وہ موقوف ہے ایک مقدمہ پر وہ یہ ہے کہ بعض امور طبعیہ بعد وفات بھی باقی رہتے ہیں۔

چنانچہ حدیث عروج روح اور دوسری ارواح کا استقبال اور اُن کا اُس سے متخلفین کا حال پوچھنا اور پھر کسی روح کا یہ کہنا کہ ذرا اُس کو دم لینے دو یہ سب دلیل ہے اس دعویٰ کی جب یہ مقدمہ معلوم ہو گیا تو سمجھئے کہ یہ امر طبعی ہے کہ کوئی چیز بڑے اور چھوٹے کو شرکت میں دی جاوے تو چھوٹا آدمی اس کی تقسیم میں شرماتا ہے اسی طرح وہاں ممکن ہے اسی طرح بڑا شخص اگر دوسرے شرکاء کا احترام بڑوں کا سا کرتا ہو وہ بھی ان کو اپنا طفیلی بناتا ہوا شرماتا ہے اور جن کے ساتھ تعلق خادمیت و مخدومیت جیسا ہے جیسے اپنے اتباع ان کے طفیلی بنانے سے بھی نہیں شرماتا مگر هنوز اس امر طبعی کا وقوع برزخ میں خود ثابت نہیں اس لئے میرے نزدیک ایسے امور کسی درجہ میں بھی لحاظ کے قابل نہیں۔ پس جس طرح دل چاہے ایصال کرے خواہ کسی عزیز کو ایصال ثواب کرنے کے وقت حضور ﷺ کو شریک کرے یا نہ کرے۔ اور درود شریف دعاء کے آداب سے ہے تلاوت کے آداب سے نہیں اور ایصال ثواب کی کسی صورت کی ترجیح دوسری صورت پر دلیل سے ثابت نہیں اور نہ یہ کہیں ثابت ہے کہ مردہ اپنا ثواب حضور ﷺ کے حضور میں پیش کرتا ہے اس سے سب سوالات کا جواب ہو گیا۔

۲۵ ربیع الثانی ۱۳۵۲ھ (النور ص ۷ ربیع الاول ۱۳۵۵ھ)

## ایصال ثواب کا طریقہ

**سوال (۷۵۶):** قدیم ۱/۳۷- کوئی عمل خیر کر کے اس کا ثواب مردوں کو بخشنا جس کو عرف عام میں ایصال ثواب کہا جاتا ہے اس کا کوئی طریقہ قرآن پاک میں بتایا گیا ہے یا نہیں؟ اور اس کا کوئی دستور رسول اللہ ﷺ کے عہد مبارک میں عہد خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم میں تھا یا نہیں؟ اگر تھا تو کیا تھا؟

**الجواب:** کہیں نظر سے نہیں گزرا البتہ فقہاء نے اس سے تعرض فرمایا ہے چنانچہ علامہ شامیؒ نے درمختار کی بحث زیارة القبور تحت قول ویقرأ یسین شرح اللباب سے نقل کیا ہے۔

ویقرأ (۱) من القرآن ما تيسر له إلى قوله ثم يقول اللهم أوصل ثواب ما قرأناه إلى فلان أو إليهم. اه ص ۹۲۳ ج ۱

(۱) شامی، کتاب الصلاة، باب صلاة الجنائز، مطلب في زيارة القبور، مكتبة زكريا ديوبند

اس کی ایسی نظیر ہے جیسے نماز کی لفظی نیت سلف سے منقول نہیں مگر فقہاء نے اس کو مستحسن کہا ہے (۱) اسی طرح اس کا حکم بھی ہے بس یہ صیغہ نہ ضروری ہے نہ بدعت ہے۔ واللہ اعلم

۱۲ شعبان ۱۳۵۴ھ (النور ۷ شوال ۱۳۵۵ھ)

## ایصال ثواب کے لئے کوئی خاص دن متعین کرنا

**سوال (۷۵۷):** قدیم ۱/۷۷- سال کے اکثر حصوں میں بزرگوں کی ارواح کے ایصال ثواب کے لئے لوگوں کو جمع کر کے بلا کسی خاص انتظام و اوقات متعینہ کے قرآن شریف پڑھا جاوے تو جائز ہے تو اپنے دوست و احباب کو شمولیت کے لئے کہنا کیسا ہے؟

← فَإِنْ مِنْ صَامٍ أَوْ صَالٍ أَوْ تَصَدَّقَ وَجَعَلَ ثَوَابَهُ لغيرِهِ مِنَ الْأَمْوَاتِ وَالْأَحْيَاءِ جَازٌ وَيَصِلُ ثَوَابُهَا إِلَيْهِمْ عِنْدَ أَهْلِ السَّنَةِ وَالْجَمَاعَةِ. (البحر الرائق، كتاب الحج، باب الحج عن الغير، مكتبة زكريا ديوبند ۳/۱۰۵، كوئٹہ ۳/۵۹)

عن أبي هريرة<sup>رض</sup> قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: من دخل المقابر ثم قرأ فاتحة الكتاب وقل هو الله أحد وألهاكم التكاثر، ثم قال: اللهم إني قد جعلت ثواب ما قرأت من كلامك لأهل المقابر من المؤمنين والمؤمنات، كانوا شفعاء له إلى الله تعالى. (إعلاء السنن، كتاب الجنائز، باب زيارة القبور الخ، مكتبة اشرفية ديوبند ۳/۴۳، دار الكتب العلمية بيروت ۸/۳۳۱)

(۱) والتلفظ عند الإرادة بها مستحب هو المختار..... إذ لم ينقل عن المصطفى ولا الصحابة ولا التابعين. (الدر المختار على الشامي، كتاب الصلاة، باب شروط الصلاة، بحث النية، مكتبة زكريا ديوبند ۲/۹۲، كراچی ۱/۴۱۵-۴۱۶)

وقد اختلف كلام المشايخ في التلفظ باللسان فذكر في نية المصلي أنه مستحب وهو المختار وصححه في المجتبى. (البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب شروط الصلاة، مكتبة زكريا ديوبند ۱/۴۸۳، كوئٹہ ۱/۲۷۷)

شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

**الجواب:** یہ تداعی ہے غیر مقصود کے لئے جو بدعت اور مکروہ ہے۔ (۱)

۶ جمادی الاولیٰ ۱۳۵۴ھ (النور ۷ ربیع الثانی ۱۳۵۵ھ)

## خواب کی وجہ سے کسی میت کو اس کی قبر سے منتقل کرنا جائز نہیں

**سوال (۷۵۸):** قدیم ۱/۷۷۔ یہاں پر ایک مدرس صاحب نے ایک عرصہ ہوا خواب دیکھا تھا اس خواب کا مختصر استفسار طلب مضمون پیش کر کے طالب جواب ہوں۔ وہ خواب یہ ہے ان کی والدہ مرحومہ خواب میں اپنے بیٹے سے فرماتی ہیں کہ تم میری قبر برکت علی کی والدہ کے پاس کردو یہاں پر میری قبر کے پاس سے سانپ بکثرت نکل کر میرے قریب کی قبر میں جاتے ہیں مجھے وہ سانپ ستاتے نہیں تو کیا معذب مردہ کی قریب و جار کی مردہ مامون و محفوظ کو اطلاع ہوتی ہے مشاہدہ ہوتا ہے صورت مشاہدہ عذاب میں تو عیش آرام مکرر ہو جاتا ہے یہ بھی ایک عذاب ہے؟

**الجواب:** خواب خود حجتہ شرعیہ نہیں (۲) خصوص جب خلاف شرع ہو۔

(۱) ویکرہ اتخاذ الدعوة لقراءة القرآن..... وجمع الصلحاء والقراء للختم أو لقراءة سورة الأنعام أو الإخلاص الخ. (شامی، کتاب الصلاة، باب صلاة الجنائز، مطلب فی کراهة الضیافة من أهل الميت، مکتبہ زکریادیو بند ۱۴۸/۳، کراچی ۲/۲۴۰)

حاشیہ الطحطاوی علی المراقی، کتاب الصلاة، قبیل فصل فی زیارة القبور، مکتبہ دارالکتاب دیوبند ص: ۶۱۷۔

شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

(۲) ذکر الشوکانی فی ذلك ثلاثة أقوال ..... الثاني: أنه لا يكون حجة ولا يثبت به حكم شرعي لأن رواية النبي صلى الله عليه وسلم وإن كانت رؤيا حق وأن الشيطان لا يتمثل به؛ لكن النائم ليس من أهل التحمل للرواية لعدم حفظه..... الثالث: أنه يعمل بذلك مالم يخالف شرعاً ثابتاً. (الموسوعة الفقهية الكويتية ۱۱/۲۲)

والإلهام المفسر باللقاء معنى في القلب بطريق الفيض ليس من أسباب المعرفة بصحة الشيء عند أهل الحق. (شرح العقائد، مکتبہ نعیمیہ دیوبند ص: ۲۲) ←



اور بلا ضرورت شرعیہ مردہ کا قبر سے نکالنا خود ناجائز ہے (۱) تو جس خواب میں اس کی تعلیم ہو وہ خواب خود باطل ہے اور مردے ان قبروں میں تھوڑا ہی رہتے ہیں جو حُصاً متلاًصق ہیں وہ تو عالم برزخ میں ہیں جس میں معذب اور ناجی کا موطن جدا جدا ہے ایک کا اثر دوسرے کو نہیں پہنچتا۔ (۲)

۵۴۱/۱۰ جلد اول (النور ۷ ربيع الثاني ۱۵۵۵ھ)

← قال الملا علي القاريّ تحت قوله: (في المنام فقد رأني) أي فكأنه رأني في عالم الشهود والنظام؛ لكن لا يبتني عليه الأحكام ليصير به من الصحابة، وليعمل بما سمع به في تلك الحالة كما هو مقرر في محله. (مرقاة المفاتيح، كتاب الرؤيا، مكتبة امدادية ملتان ۲۴/۹) (۱) ولا ينبغي إخراج الميت من القبر بعد ما دفن. (الفتاوى الهندية، كتاب الصلاة، الباب الحادي والعشرون في الجنائز، الفصل السادس في الدفن والنقل الخ، مكتبة زكريا ديوبند قديم ۱/۱۶۷، جديد ۱/۳۲۸)

قوله: "لا يخرج من القبر إلا أن تكون الأرض مغصوبة" أي بعدما أهيل التراب عليه لا يجوز إخراجہ بغير ضرورة للنهي الوارد عن نبشه وصرحوا بحرمتہ. (البحر الرائق، كتاب الجنائز، فصل السلطان أحق بصلاته، مكتبة زكريا ديوبند ۲/۳۴۱، كوئٹہ ۲/۱۹۵) وأما نقله بعد دفنه فلا مطلقاً. (الشامي، كتاب الصلاة، باب صلاة الجنائز، مطلب في دفن الميت، مكتبة زكريا ديوبند ۳/۱۴۶، كراچی ۲/۲۳۹) وبعد ما دفن لا يسع إخراجہ بعد مدة طويلة أو قصيرة إلا بعذر. (الفتاوى التاتارخانية، كتاب الصلاة، الفصل الثاني والثلاثون في الجنائز، نوع آخر في الخطأ الذي يقع في الباب، مكتبة زكريا ديوبند ۳/۸۲، رقم: ۳۷۶۹)

ولا يخرج من القبر يعني لا يخرج الميت من القبر بعد ما أهيل عليه التراب للنهي الوارد عن نبشه. (تبين الحائق، كتاب الصلاة، باب الجنائز، مكتبة زكريا ديوبند ۱/۵۸۸) (۲) إن مقرر أرواح المؤمنين في عليين أو في السماء السابعة ونحو ذلك كما مر ومقرر أرواح الكفار في سجين ومع ذلك لكل روح منها اتصال لجسده في قبره لا يدرك كنهه إلا الله تعالى! (تفسير مظہری، تحت قوله تعالى وما أدرك ما عليون، مكتبة زكريا ديوبند ۱۰/۲۲۵) ←

## مسلم یا غیر مسلم ولد الزنا پر نماز جنازہ پڑھی جائے گی یا نہیں؟

**سوال (۷۵۹):** قدیم ۱/۷۷- کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید کہتا ہے کہ ولد الزنا من مسلم و کافر نصرانیہ بچپن میں مر جائے تو اس بچہ کی تجہیز و تکفین و صلوٰۃ جنازہ مسلمانوں کی طرح کی جائے گی اور اپنی تائید میں علامہ شامیؒ کی تقریر شامی جلد ثانی ص ۵۴۸ باب نکاح الکافر پیش کرتا ہے جو حسب ذیل ہے۔

(والولد يتبع خیر الأبوين دینا) تنبیہ: يشعر التعبير بالأبوين إخراج ولد الزنا، ورأيت فی فتاویٰ الشهاب الشلبي، قال: واقعة الفتوى في زماننا مسلم زنى بنصرانية فاتت بولد فهل يكون مسلماً أجاب بعض الشافعية بعدمه وبعضهم بإسلامه وذكر أن السبكي نص عليه وهو غير ظاهر. فإن الشارع قطع نسب ولد الزنا وبنته من الزاني تحل له عندهم فكيف يكون مسلماً وأفتى قاضى القضاة الحنبلى بإسلامه أيضاً وتوقفت عن الكتابة، فإنه وإن كان مقطوع النسب عن أبيه حتى لا يرثه فقد صرحوا عندنا بأن بنته من الزنا لا تحل له وبأنه لا يدفع زكاته لابنه من الزنا ولا تقبل شهادته له والذي يقوى عندى أنه لا يحكم بإسلامه على مقتضى مذهبننا.

«وروي ناس عن ابن عباس قال: إن أرواح الفجار وأعمالهم لفي سجين ..... وعن كعب الأحبار في هذه الآية قال: إن أرواح الفاجر إذا قبضت يصعد بها إلى السماء فتأبى السماء أن تقبلها، ثم يهبط بها إلى الأرض، فتأبى الأرض أن تقبلها فتدخل في سبع أرضين حتى ينتهى بها إلى سجين ..... إن روح المؤمن إذا قبضت صعد بها إلى السماء وفتحت لها أبواب السماء وتلقتها الملائكة بالبشرى، ثم يخرجون معها حتى ينتهوا إلى العرش الخ. (تفسير قرطبي، تحت قوله تعالى) كلا إن كتاب الفجار لفي سجين، مكتبة دار الكتب العلمية بيروت ۱۶۸/۱۷۲»

شیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

\*\*\*\*\*  
 وإنما اثبتوا الأحكام المذكورة احتياطاً نظراً للحقيقة الجزئية بينهما اه قلت يظهر  
 في الحكم بالإسلام للحديث الصحيح كل مولود يولد على الفطرة حتى يكون أبواهما  
 للذنان يهودانه أو ينصرانه فافهم.

قالوا: إنه جعل اتفاقهما ناقلاً له من الفطرة فإذا لم يتفقا بقي على أصل الفطرة  
 أو على ما هو أقرب إليها حتى لو كان أحدهما مجوسياً والآخر كتابياً فهو كتابي وهنا  
 ليس له أبوان متفقان فيبقى على الفطرة ولأنهم قالوا إن الحاقه بالمسلم منهما  
 أو بالكتابي أنفع له ولا شك أن النظر لحقيقة الجزئية أنفع له وأيضاً حيث نظروا  
 للجزئية في تلك المسائل احتياطاً فلي نظر إليها هنا احتياطاً أيضاً فإن الاحتياط بالدين  
 أولى ولأن الكفر اقبح القبيح، فلا ينبغي الحكم به على شخص بدون أمر صريح ولأنهم  
 قالوا: في حرمة بنته من الزنا أن الشرع قطع النسبة إلى الزاني لما فيها من إشاعة  
 الفاحشة فلم يثبت النفقة والإرث لذلك وهذا لا ينفى النسبة الحقيقية لأن الحقائق  
 لا مردلها فمن ادعى أنه لا بد من النسبة الشرعية فعليه البيان.

عمر و کہتا ہے کہ یہ صرف علامہ شامی کی رائے ہے کوئی فقہی مسئلہ مصرح نہیں ہے خود علامہ شامی اقرار  
 فرماتے ہیں کہ علی مقتضی مذہبنا اور قواعد شرعیہ کی رو سے وہ ولد مسلمان نہیں قرار دیا جائیگا! اور یہ کہتا ہے کہ خود  
 علامہ کے دلائل میں کلام ہے جس کی تفصیل حسب ذیل ہے:

(۱) کل مولود یولد علی الفطرة الخ، اس حدیث پر علامہ شامی نے جو تقریر کی ہے اس  
 میں لفظ أبوین ہے (اور خود علامہ شامی اوپر والود یتبع خیر الأبوين دیناً کے تحت میں یشعر  
 التبعية بالأبوين اخراج ولد الزنا فرما چکے ہیں فکذلک فی الحدیث تو ولد الزنا کے لئے  
 کسی حکم کا اس حدیث سے استنباط صحیح نہیں ہے۔

(۲) حدیث مذکور سے اتفاق والدین علی مذہب واحد نہیں نکلتا نیز عند عدم اتفاق الوالدین علی مذہب  
 واحد کا کیا حکم ہے اس سے حدیث ساکت ہے؛ اس لئے اصل فطرت یا الی ما ہو أقرب إلیہا کی طرف نقل  
 کرنے کے لئے کسی خارجی دلیل کی ضرورت ہے (فاین البرهان)؟

.....  
 .....

(۳) فقہاء رحمہم اللہ نے انفع کے ساتھ الحاق کا جو کچھ تحریر فرمایا ہے وہ بھی نکاح کی صورت میں ہے نہ کہ ولد الزنا کے لئے بلکہ ولد الزنا کے لئے عام فقہاء رحمہم اللہ تصریح فرماتے ہیں۔ نیز علامہ شامیؒ خود اقرار فرماتے ہیں کہ ولد الزنا کی نسبت اس کی ماں کی طرف ہوگی (فاین ہذا بذاک)

(۴) اگرچہ زانی بچے کی نسبت اپنی طرف کرتا ہے مگر فی الواقع حقیقت جزئیت مدعی کی خصوصاً زنا میں مشکوک فیہ ہے بخلاف زانیہ کے کہ وہ اس کی ماں یقینی ہے (وہذا امر صریح) اور عمر اپنے دلائل میں حسب ذیل امور پیش کرتا ہے۔

شرع نے ولد الزنا کی نسبت کو زانی سے منقطع شمار کیا ہے اور اسی لئے زانی کے مال میں سے اسے ارث یا نفقہ نہیں دیا جائے گا۔ ہاں زانی کے لئے بنت من الزنا کو احتیاطاً حرام کہا ہے صرف اس واسطے کہ اس میں اشاعت فاحشہ ہے تو خود ایک مدعی اسلام غیر مسلمہ کے ساتھ ساری عمر بلا نکاح کے زنا کرتا رہے اور اس کے بچوں پر اسلام کا حکم لگا کر مسلمانوں کا سامعہ معاملہ ہوتا ہے تو اس سے نہ تو زانی کو عبرت ہو نہ مزنیہ کو مسلمان بنا کر نکاح کی توفیق ہو اور نہ خود زانی کو اپنے فعل شنیع کا خیال تک گزرے تو یہ تو افح القبیح اور افحش الفواحش ہے اس میں تو اور بھی مزید احتیاط کی ضرورت ہے۔

(۲) عامہ فقہاء رحمہم اللہ فرماتے ہیں کہ ولد الزنا کی نسبت اس کی ماں کی طرف کی جائیگی اگر اس کی ماں مسلمہ ہے تو تبعاً لہا وہ بھی مسلم اور اگر اس کی ماں کافرہ ہے تو وہ بھی اس کا تابع رہے گا۔

(۳) زانی اور زانیہ کی عبرت کے لئے یہ ضروری ہے کہ ولد الزنا کے ساتھ مسلمانوں کا سامعہ معاملہ نہ کیا جاوے ورنہ انہیں افحش الفواحش کی اور مزید جرات ہوگی اور اپنے فعل قبیح کے ترک کرنے اور زانیہ کو مسلمان بنا کر نکاح کرنے کا خیال تک نہ گزرے گا جو افحش القبیح ہونے کے ساتھ اسلام کا مدلل اور محقر ہے! اور قطع نسبت من الزانی کی صورت میں اگر طریق مستقیم پر چلنے کے لئے مجبور کیا جائے تو سارے کنبے کے لئے فلاح دارین یقینی ہے۔

(۴) نیز عمر و حضرت مولانا عبدالحی صاحب کا یہ فتویٰ اپنی دلیل میں پیش کرتا ہے جو حسب ذیل ہے۔

**سوال:** مسلمان مرد اور کافرہ عورت سے یا کافر مرد اور مسلمان عورت سے بذریعہ زنا لڑکا یا لڑکی پیدا ہو کر قبل بلوغ یا بعد بلوغ مر جائے تو ان کی تجہیز و تکفین کا کیا حکم ہے؟

**الجواب:** بلوغ کے بعد اگر وہ ایمان لائیں تو مسلمانوں کی طرح ان کی تجہیز و تکفین ہوگی ورنہ کفار کی طرح اور بلوغ کے پہلے وہ ماں کے تابع ہیں کیونکہ ولد الزنا کا نسب نہ زانیہ سے ثابت ہوتا ہے نہ زانی سے اور بحر وغیرہ میں ہے۔

هو تابع لأحد أبويه إلى البلوغ مالم يحدث إسلاما وهو ممیز۔  
وہ اپنے ماں باپ میں سے سن بلوغ تک ایک کا تابع رہے گا یہاں تک کہ وہ سن تمیز کو پہنچ کر اسلام ظاہر کرے پس جب تک وہ ایام تمیز میں اسلام نہ لائے گا ماں کے تابع رہے گا۔  
حررہ محمد عبدالحی مجموعۃ الفتاویٰ جلد اول باب التجہیز والتکفین ص ۳۶۸  
یہ معلوم رہے کہ یہاں پر بہت سے مدعیان اسلام اس فعل شنیع کے مرتکب ہیں اور انہیں قطعاً دین کی طرف توجہ نہیں ہے اور نہ انہیں اپنے کرتوت کا احساس ہے نہ کسی کو نکاح کی پرواہ اور نہ کفر کا خیال اگر ان کی اولاد کے ساتھ مسلمانوں کا معاملہ کیا جائے تو مزنیہ کو مسلمان بنا کر نکاح کرنے کی طرف کوئی شے داعی نہیں ہے۔ امید ہے کہ آپ بالتفصیل جواب ارسال فرما کر ممنون فرمائیں گے یہاں پر دو طرفہ رائیں ہیں زید حق بجانب ہے یا عمر و یادو نوں۔ نیز اگر عمر و نے مذکورہ بالا دلائل کی رو سے عدم اسلام کا فتویٰ دیا تو آثم تو نہیں۔ بینوا تو جروا۔

## الجواب

مسئلہ بالکل ظاہر ہے حدیث: الولد للفراش وللعاهر الحجر۔ (۱)، دلالت میں قطعی ہے نص کے ہوتے ہوئے خود قیاس ہی کوئی چیز نہیں چڑ جائے رائے محض۔ اگر کسی کوشہ ہو کہ حدیث مذکور کے مقابلہ میں دوسری حدیث میں ہے کل مولود یولد علی الفطرة اس کا جواب ظاہر ہے کہ خود فطرت کے معنی میں دو احتمال ہیں اسلام یا استعداد اسلام۔

(۱) عن عائشة رضي الله تعالى عنها: اختصم سعد بن أبي وقاص وعبد بن زمعة إلى رسول الله صلى الله عليه وسلم في ابن أمة زمعة ..... فقال: الولد للفراش وللعاهر الحجر وحتجبي ياسودة. (سنن أبي داود، كتاب الطلاق، باب الولد للفراش، النسخة الهندية ۱/۳۱، دار السلام رقم: ۲۲۷۳) ←

والثاني: (۱) أقرب لحديث أبي داؤد كل مولود يولد على الفطرة وفيه قالوا: يارسل الله أفرأيت من يموت وهو صغير، قال: الله أعلم بما كانوا عاملين (۲)، ج ۲ باب: في ذراري المشركين. من كتاب السنة: فلو كان معنى الفطرة الإسلام لماتوقف <sup>صلی اللہ علیہ وسلم</sup> في حكمهم لأن الشيء إذا ثبت ثبت بلوازمه ومن لوازم الإسلام الحكم بدخول الجنة وفي مجمع البحار (۳) يريد أنه يولد على نوع من الجبلة والطبع المتبهي لقول الدين الخ. اور اگر اقرب بھی نہ ہو تب بھی إذا جاء الاحتمال بطل الاستدلال، تو محتمل معارض نہیں ہو سکتا قطعی کا، اور جو مصالح حکم بالاسلام کے لکھے ہوئے ہیں اول تو رائے محض ہے دوسرے اس حکم بالاسلام میں مفاسد بھی ہیں جو سوال میں مذکور ہیں۔ فإذا تعارضتا تساقطا، اب مدار حکم محض نص رہ گئی۔

وقدمر تقرير النص والله اعلم، ۸/رب ۱۳۵۲ھ

**نوٹ:** ایک سوال وجواب ایسے بچ کی نماز کے متعلق لکھا گیا ہے جس کے ابوین کافرین نے کسی مسلمان کو پرورش کے لئے دیدیا وہ ۹/رب ذی الحجہ ۱۳۵۳ھ کا لکھا ہوا اور النور شوال ۱۳۵۴ھ ص ۸ تا ص ۱۰ میں طبع ہوا ہے (النور ۷ شعبان ۱۳۵۵ھ)

← عن أبي هريرة أن النبي صلى الله عليه وسلم قال: الولد للفراش وللعاهر الحجر. (سنن النسائي، كتاب الطلاق، باب إلحاق الولد بالفراشي الخ، النسخة الهندية ۲/۹۴)

(۱) قال: المراد تمكن الناس من الهدى في أصل الجبلة والتهيه لقبول الدين، فلو ترك المرأة عليها لاستمر على لزومها ولم يفارقها إلى غيرها. (فتح الباري، كتاب الجنائز، باب ما قيل في أولاد المشركين تحت رقم الحديث: ۱۳۸۵، مكتبة اشرفية ديوبند ۳/۳۱۸)

(۲) سنن أبي داؤد شريف، كتاب السنة، باب في ذراري المشركين، النسخة الهندية ۲/۶۴۸، دار السلام رقم: ۴۷۱۴۔

(۳) مجمع بحار الأنوار، باب الفاء مع الطاء، مكتبة دار الإيمان، المدينة المنورة ۴/۱۵۷۔

شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

# رسالة الصلوة على الميت الصبي المتولد بين

## مسلم و كافرة بغى

**السؤال: (۷۶۰):** قدیم ۱/۷۷۸ - حضرت مخدوم مولانا محمد اشرف علی صاحب مدظلہ العالی السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ، اپنی جماعت کے علماء میں ٹرانسوال جنوبی افریقہ میں اولاد الزنا (من الکافرة) کے مسلم ہونے میں اختلاف ہوا اس کے متعلق جناب مولوی اسماعیل گارڈی صاحب نے مختلف جگہ سوالات روانہ کئے تھے اور یہ کام بندہ کے سپرد کیا تھا ہر دو جانب کے دلائل لکھ کر انہوں نے سوال یہاں بندہ کے پاس بھیج دیا تھا بندہ نے ان کی تحریر کے مطابق مختلف علماء کی خدمت میں سوال روانہ کئے تھے نصف کے قریب جوابات آگئے اور دوسری جگہ سے جوابات ابھی تک نہیں آئے شاید بعد میں آویں۔ چونکہ دونوں جانب دلائل ہیں اور دونوں گروہ مختلف جیسے وہاں ہو گئے ہیں یہاں بھی مختلف ہو گئے اس لئے میں نے ترانسوال مولوی اسماعیل گارڈی صاحب کے پاس لکھا کہ میں ان سب جوابوں کو بھیج دوں یا کسی بڑے عالم سے محاکمہ کرا کر بھیج دوں انہوں نے محاکمہ کے لئے آپ کی خدمت میں بھیج دینے کے لئے لکھا اس لئے بندہ ہر دو جانب کی تحریریں آپ کی خدمت میں روانہ کرتا ہے حضور عالی کی خدمت میں عرض ہے کہ تکلیف فرما کر محاکمہ تحریر فرمائیں گے اللہ سبحانہ تعالیٰ اجر عنایت فرماوے گا۔

نیز ایک فریق میں بندہ بھی ہے بندہ نے بھی اس کے متعلق جواب لکھا تھا اور ایسے بچوں کی نماز جنازہ نہیں پڑھنا چاہئے یہی خیال تھا لیکن دوسری جانب بڑے بڑے علماء کی تحریریں اور دلائل دیکھ کر اب یہی خیال آتا ہے کہ دوسری جانب حق ہے خصوص مولانا محمد اسحاق صاحب بردوانی اور مدرسہ الباقیات الصالحات کے مفتی صاحب اور مولانا محمد حسین صاحب مراد آبادی قاضی بھوپال اور ریاست ٹونک کے مفتی صاحب کی تحریریں دیکھ کر یہ خیال پیدا ہوا اس لئے محاکمہ ہو جانے سے حضور عالی کی تحریر سے بندہ کو بھی حق راستہ معلوم ہو جائے گا اور افریقہ میں بھی انشاء اللہ حضور عالی کے محاکمہ سے اختلاف باقی نہ رہے گا؟

\*\*\*\*\*  
**الجواب:** مشفق مکرّمی دامت فیوضہم السلام علیکم ورحمة اللہ وبرکاتہ، صحیفہ

محبت مع کاغذات جوابات استفتاء پہنچا۔ گو مجھ کو نہ ہجوم اشغال سے فرصت نہ ضعف اضمحلال سے مراجعت کتب کی قوت۔ مگر امتثال امر کی نیت سے کاغذات لے کر بیٹھا تو میری استعداد سے زیادہ کچھ ہمت و توفیق عطا فرمادی گئی اور سب کاغذات دیکھ لئے گئے اگرچہ تعمق سے نہیں دیکھ سکا مگر وہ نظر سرسری سے کچھ بڑھی ہوئی تھی جن کاغذات پر نظر کی گئی ان کی مجمل فہرست یہ ہے۔

جواب نمبر ۱: مفتی صاحب راندیر ضلع سورت۔

جواب نمبر ۲: علماء مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

جواب نمبر ۳: دارالافتاء حسینیہ راندیریہ۔

جواب نمبر ۴: مدرسہ امینیہ دہلی۔

جواب (۵) جامع العلوم کانپور، ان جوابات میں عمرو مانع صلوٰۃ کو ترجیح دی گئی ہے۔

جواب نمبر ۶: مدرسہ بوسفیہ مینڈو ضلع علی گڑھ، اس جواب میں زید مجوز صلوٰۃ و عمر مانع صلوٰۃ کے قول کے بین بین کچھ تفصیل کی گئی ہے۔

جواب نمبر ۷: مدرسہ معین الاسلام ہاٹ ہزاری ضلع چانگام۔

جواب نمبر ۸: مدرسہ دارالعلوم معینیہ عثمانیہ اجمیر شریف۔

جواب نمبر ۹: دارالعلوم دیوبند۔

جواب نمبر ۱۰: مولانا محمد اسحاق صاحب بردوانی۔

جواب نمبر ۱۱: مدرسہ باقیات صالحات ویلور علاقہ مدارس۔

جواب نمبر ۱۲: عدالت شرع شریف صدر ریاست اسلام ٹونک جس میں یہ عبارت بھی ہے کہ بعض شوافع بھی اسلام ابن الزنا کے قائل ہیں اور قاضی القضاۃ حنابلہ نے تو اس پر فتویٰ دیا ہے۔

جواب نمبر ۱۳: قاضی ریاست بھوپال ان سب میں زید مجوز صلوٰۃ کے ترجیح دی گئی ہے، میں اس باب میں اس کے قبل بھی کچھ مختصر کہہ چکا ہوں ان جوابات کے دیکھنے کے بعد بھی میری رائے نہیں بدلی نہ مجھ کو تردد ہوا۔

\*\*\*\*\*  
 \*\*\*\*\*



زید کے قول کو جن حضرات نے ترجیح دی ہے انہوں نے کوئی روایت جزئیہ یا کلیہ مذہب کی نقل نہیں کی محض قیاس و استنباط سے کام لیا ہے جو غیر مجتہد کا حق نہیں اس لئے میں عمرو کے قول کو صحیح سمجھتا ہوں اور اپنا جواب مذکور مرقوم ۸/ رجب ۱۳۵۲ھ بعنوان فتویٰ اول نقل کرتا ہوں (فی الحال امداد الفتاویٰ قلمی سے نقل کر دیا گیا امید ہے کہ یہ جواب رسالہ النور بابت رجب ☆ ۱۳۵۵ھ میں تقریباً اس سے ایک رسالہ مقدم یا مؤخر شائع ہو جائیگا) ایک بناء ترجیح قول زید کی اس بچہ کا کہ مسلمان کی پرورش میں ہونا بھی محتمل تھی اس کے متعلق بھی اپنا ایک جواب مرقوم ۹/ رزی الحجہ ۵۳ھ بعنوان فتویٰ ثانی نقل کرتا ہوں (یہ جواب النور شوال ۵۴ھ ص ۸ تا ص ۱۰ میں شائع ہو چکا ہے) اس سے زیادہ مجھ کو مفصل و مطول و مکمل کلام کرنے کی نہ فرصت نہ قوت جیسا اوپر بھی یہی عذر کیا گیا ہے۔

البتہ ٹونک کے فتوے میں جو بعض شوائع و حنا بلہ کے اقوال سے استدلال کیا گیا مفتی صاحب سے مکرر مراجعت کی جاوے اگر یہ قول مجتہد کا ہے تو حنفیہ کو مواقع ضرورت و مصلحت میں اس پر عمل کرنا جائز ہے اور اگر وہ علماء مقلدین کا ہے تو اس کا مرتبہ ایسا ہی ہے جیسے ہمارے علماء مقلدین کے قول کا۔ اور چونکہ یہ تحریر اس مسئلہ خاص میں ایک اہم درجہ میں مفید اور جامع ہے اس لئے اس کا ایک مستقل لقب بھی تجویز کرتا ہوں۔

الصلوة علی المیت الصبی التولدین مسلم و کافرة بغی۔

(اگر کوئی صاحب اس کومع اوپر کے سب فتاویٰ کے شائع کر دیں) (\*) تو امید نفع کی ہے) یہ لقب معظم مقصود یعنی فتویٰ اول کے مضمون کی بناء پر رکھا گیا ہے کیونکہ فتویٰ ثانی تو محض استطراد ہی ہے۔ واللہ اعلم

۲۹/ صفر ۱۳۵۵ھ (النور ذیقعدہ ۱۳۵۵ھ)

غیر مسلم ہندو کا میت کے وارث کو ایصال ثواب کے لئے روپیہ دینا

**سوال (۷۶۱):** قدیم ۸۰/۷- میرے بھائی کا انتقال ہو گیا ہے اس کا ایک شاگرد ہندو ہے اس

نے پانچ روپیہ دئے ہیں کہ اپنے بھائی کو قرآن پڑھوا کر بخشواد کیا کرنا چاہئے؟

(☆) یہ انداز تھا مگر اس کی اشاعت النور شعبان ۱۳۵۵ھ میں ہوئی اگر ایسا اتفاق ہو تو فتویٰ اول و فتویٰ

ثانی کو بجائے حوالہ کے بعینہ نقل کر دیں۔ اشرف علی تھانوی

.....

\*\*\*\*\*

**الجواب:** وصول ثواب کے لئے اس عمل پر اول عامل کو ثواب ملنا شرط ہے (۱) اور ثواب ملنے کے لئے ایمان شرط ہے (۲) پس غیر مومن کے اس عمل یعنی اعطاء و انفاق کا ثواب تو پہنچ نہیں سکتا اور اگر قرآن خوانی کے ثواب کا پہنچنا محتمل ہو تو طے ہو چکا ہے کہ جو قرآن اجرت پر پڑھا جاتا ہے اس کا ثواب بھی نہیں ملتا ہے پس صورت مسئلہ میں اگر اس شاگرد کو زیادہ اصرار ہو تو صرف یہ صورت بھی ہو سکتی ہے (۳) کہ وہ شخص یہ پانچ روپیہ کسی مسلمان کی ملک کر دے اور وہ اگر چاہے وہ روپیہ کسی مستحق کو دیکر اس کا ثواب اس میت کو پہنچا دے لیکن بعد ملک ہو جانے کے اس کو یہ بھی اختیار ہے کہ وہ روپیہ کسی کو نہ دے۔

۲۷/ جمادی الثانی ۱۳۳۳ھ، حوادث الفتاویٰ حصہ ثالث ص ۱۴۱

(۱) وإذا كان لا ثواب له في قرائته وذكره فأى شئ يهديه إلى روح الذين لم يدفعوا له هذا المال إلا في مقابلة ثواب هذه القراءة والذكر. (رسائل ابن عابدين، الرسالة السابعة، شفاء العليل الخ، مكتبة ثاقب ديبند ۱/ ۱۷۱)

وقد قال العلماء إن القاري إذا قرأ لأجل المال فلا ثواب له، فأى شئ يهديه إلى الميت. (رسائل ابن عابدين الرسالة السابعة، شفاء العليل الخ، مكتبة ثاقب ديبند ۱/ ۱۷۵)

(۲) جعل لإيمان شرطاً لصحة الأعمال كما في قوله تعالى ومن يعمل من الصالحات من ذكر وإنشئ وهو مؤمن. (شرح العقائد النسفية مبحث الإيمان، مكتبة نعيمية ديبند ص: ۱۲۴) إذ لا اعتداد بأعمال الكفار في استحقاق الثواب. (تفسير مظہری، تحت قوله تعالى: من عمل صالحاً الخ، مكتبة زكريا ديبند ۵/ ۲۲۵)

إذ لا اعتداد بأعمال الكفرة الصالحة الثواب إجماعاً. (روح المعاني، تحت قوله تعالى من عمل صالحاً، مكتبة زكريا ديبند ۸/ ۳۳۴)

(۳) إذا أراد أن يكفن ميتاً عن زكاة ماله لا يجوز فالحيلة فيه أن يتصدق بها على فقير من أهل الميت، ثم هو يكفن به الميت، فيكون له ثواب الصدقة ولأهل الميت ثواب التكفين وكذلك في جميع أبواب البر الذي لا يقع به التملك كعمارة المساجد وبناء القناطر والرباطات لا يجوز صرف الزكاة إلى هذه الوجوه، والحيلة أن يتصدق بمقدار زكاته على فقير ثم يأمره بعد ذلك بالصرف إلى هذه الوجوه، فيكون للمتصدق ثواب الصدقة ولذلك الفقير ثواب بناء المسجد والقنطرة. (الفتاوى التاتارخانية، كتاب الحيل، الفصل

الثاني في الزكاة، مكتبة زكريا ديبند ۱۰/ ۳۱۸، رقم: ۱۴۸۶۰-۱۴۸۶۱) ←

## قبر کھودنے کے آلات کو قبر کے پائتانہ میں ڈالنے کا حکم

**سوال (۷۶۲):** قدیم ۱/۸۱- بعض مواضع میں بعد دفن میت کے آلات کھودنے کے قبر کے سر سے پاؤں کی طرف ڈالتے ہیں۔ اور ایک پشتو کے گمنام رسالہ دو ورقہ میں یہ حدیث لکھی ہے۔  
لقلولہ علیہ السلام من رش الماء علی القبر من الرأس إلى الرجل وألقى آلتہ  
حفر بها القبر أمنہ اللہ من عذاب القبر۔

صدھا کتب فقہ و حدیث و تفاسیر و سیر میں یہ حدیث بتدریکھی گئی مگر کہیں پتہ نہ چلا بعض لوگ خزانۃ الرواة کی طرف نسبت کرتے ہیں جناب کی رائے کیا ہے یہ فعل درست ہے یا کہ بدعت سیئہ اور یہ حدیث کہیں نظر فیض اثر سے گزری ہے یا نہیں اس کو موضوع کہیں یا کیا بنیاد تو جروا  
(۲) جمع کتب فقہ میں لکھا ہے کہ خطبہ نکاح نہیں بلکہ استنکاح ہے مگر ہدایہ مولانا عبدالحی کی کتاب العدة میں قولہ ولا تخطب المعتدة کے نیچے بحوالہ عینی لکھا ہے۔

الخطبة التزوج ونکاح المعتدات لایجوز۔ (۱)

اس کا جواب کیا ہو سکتا ہے یہاں کے بعض مولوی اسی عبارت سے خطبہ کو نکاح سمجھ کر طرح طرح کے مباحث اور جدال برپا کر رہے ہیں اور بنت کے خطبہ کو نکاح جان کر اس کی والدہ کو حرام کہہ رہے ہیں جناب اس میں کوئی کافی تحریر بحوالہ کتب عنایت فرمائیں یہ عبارت ساری کتب معتبر سے مخالف ہے۔

**الجواب:** یہ حدیث کہیں نظر سے نہیں گزری جو اس سے احتجاج کرتے ہیں ان کے ذمہ اس کی سند ہے (۲) آپ اس عبارت کو خود دیکھ کر پوری لکھئے میرے پاس کتاب نہیں ہے اس لئے عبارت معلوم نہیں کر سکا لیکن مطلب یہ ہے کہ خطبہ حکم تزوج میں ہے اور تزوج معتدہ کا جائز نہیں لہذا خطبہ اس کا جائز نہیں (۲) اور جو من کل الوجوہ اس کو نکاح کہتے ہیں ان سے پوچھئے کہ نکاح کی کیا تعریف ہے اور آیا وہ خطبہ پر صادق ہے یا نہیں۔  
ذیقعدہ ۱۳۳۶ھ، امداد الفتاویٰ، تمہ خامسہ ص ۷۱

← الفتاویٰ الہندیۃ، کتاب الحیل، الفصل الثانی فی مسائل الزکاة، مکتبۃ زکریا دیوبند  
قدیم ۶/۳۹۲، جدید ۶/۳۹۵- شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

(۱) البناۃ شرح الہدایۃ، کتاب الطلاق، باب العدة، مکتبۃ اشرفیۃ دیوبند ۵/۶۲۳۔

(۲) ولا تخطب المعتدة۔ (ملتقی الأبحر علی مجمع الأنہر، کتاب الطلاق، باب العدة،

دار الکتب العلمیۃ بیروت ۲/۱۵۳) ←

## وباء میں مرنے والے کے شہید ہونے سے متعلق تحقیق

**سوال (۷۶۳):** قدیم ۱/۸۲- یہاں سال گزشتہ میں جو وبا ہوئی تھی جو کہ دنیا میں وبا ہوئی تھی اس میں ایک لڑکا جس کی عمر اکیس سال کی تھی مر گیا اور متوفی وصیت کر مرا کہ میری قبر پکی بنوانا اس کے والد نے بعد مرنے دو ماہ اور دو دن کے اس قبر کو پکی بنوایا جب واسطے پکی کرنے کے وہ قبر کھودی گئی تو اس کے اندر مردہ بدستور صحیح اور سالم دیکھا گیا بلکہ یہاں قبضہ کے اکثر مرد اور عورتیں بھی واسطے دیکھنے کے قبرستان گئے اور جا کر دیکھا اب یہاں اکثر کا یہ خیال ہو گیا ہے کہ وہ لڑکا چونکہ وباء میں مرا تھا اور کفن بھی میلا نہیں ہوا اور بدن کے بھی ٹکڑے نہیں ہوئے شہید ہوا اور شہید کے ہی بدن کے ٹکڑے نہیں ہوتے ہیں حالانکہ متوفی کچھ نمازی یا پرہیزگار نہ تھا اس کا خیال کرنا چاہئے یا ایسا عقیدہ جو کہ تحریر کیا گیا رکھنا درست ہے یا نادرست؟

**الجواب:** ممکن ہے کہ یہی سبب ہو بخار کا بھی شہادت ہونا وارد ہوا ہے (۱) اور ممکن ہے کہ اس کے بدن میں رطوبات مرنے سے پہلے فنا ہو گئی ہوں ایسا مردہ بھی نہیں گلتا باقی رہا پہلے احتمال پر اس وصیت غیر مشروع کے منافی شہادت ہونے کا شبہ سو شہادت سے اس کا بھی کفارہ ہو گیا ہو اور وہ ناواقف ہو۔ اور اس کی ناواقفی معاف فرمادی ہو۔ (۲)

۲۴ شوال ۱۳۳۳ھ (تتمہ خامسہ ص ۹۹)

← ولا تخطب معتدة أي تحرم خطبتها. (البحر الرائق، كتاب الطلاق، باب العدة، فصل في الإحداد، مكتبة زكريا ديوبند ۴/۲۵۵، کوئٹہ ۴/۱۵۱)

ولایجوز للأجنبي خطبة المعتدة صريحاً. (الفتاویٰ الہندیہ، كتاب الطلاق، الباب الرابع عشر في الحداد، مكتبة زكريا ديوبند جدید ۱/۵۸۶، قدیم ۱/۵۳۴) شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

(۱) وقد عددهم السيوطي نحو الثلاثين (در مختار) وفي الشامية وفي الغربية أو بالصرع أو بالحمي. (الدر المختار مع الشامی، كتاب الصلاة، باب الشهيد، مطلب في تعداد الشهداء، مكتبة زكريا ديوبند ۳/۱۶۵، کراچی ۲/۲۵۲)

إِنَّ اللَّهَ لَا يَغْفِرُ أَنْ يُشْرَكَ بِهِ وَيَغْفِرُ مَا دُونَ ذَلِكَ لِمَنْ يَشَاءُ. [سورة النساء: ۴۸]

شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

## کسی مصلحت کی وجہ سے شیعہ کے جنازہ میں شریک ہونا

**سوال (۷۶۴):** قدیم ۸۲/۱۔ کسی شیعہ مذہب والے کے جنازہ میں شریک ہونا خواہ کسی دنیاوی مصلحت کی وجہ سے یا اس بناء پر کہ وہ یا اس کے گھر والے ہمارے یہاں کے جنازہ میں شریک ہوتے ہیں جائز ہے یا نہیں؟

**الجواب:** فی نفسہ منہی عنہ ہے (۱) لیکن اگر کوئی ضرورت ہو تو جائز ہے (۲) اور ضرورت کی حقیقت دفع مضرت ہے (۳) نہ کہ جلب مصلحت۔

۱۸/ محرم ۱۳۴۲ھ تتمہ خامس ص ۲۴۸

(۱) قال اللہ تعالیٰ: وَلَا تُصَلِّ عَلَىٰ أَحَدٍ مِنْهُمْ مَاتَ أَبَدًا وَلَا تَقُمْ عَلَىٰ قَبْرِهِ. [سورة توبة: ۸۴]

والمراد من الصلاة المنهي عنها صلاة الميت المعروفة وهي متضمنة للدعاء والاستغفار والاستشفاع. (روح المعاني، سورة توبة، مكتبة زكريا ديوبند ۶/۲۲۴)

عن ابن عباس رضي الله عنهما عن عمر بن الخطاب رضي الله عنه أنه قال: لما مات عبد الله بن أبي بن سلول دعى له رسول الله صلى الله عليه وسلم ليصلي عليه، فلما قام رسول الله صلى الله عليه وسلم وثبت إليه فقلت يا رسول الله..... قال فصلي عليه رسول الله صلى الله عليه وسلم، ثم انصرف، فلم يملك إلا يسيراً حتى نزلت الآيتان من براءه، ولا تصل على أحد الآيتة. (صحيح البخاري، كتاب الجنائز، باب ما يكره من الصلاة على المنافقين، النسخة الهندية ۱/۱۸۲، رقم: ۱۳۵۰، ف: ۱۳۶۰)

والحق حرمة الدعاء بالمغفرة للكافر. (الدر المختار، كتاب الصلاة، صفة الصلاة، مكتبة زكريا ديوبند ۲/۲۳۶، كراچی ۱/۵۳۳)

(۲) الضرورات تبيح المحظورات. (الأشباه والنظائر، الفن الأول القاعدة الخامسة، قديم ص: ۱۴۰)

قواعد الفقه، قاعدة نمبر: ۱۷۰، ص: ۸۹۔

(۳) فالضرورة بلوغه حدا إن لم يتناول الممنوع هلك أو قارب وهذا يبيح تناول الحرام. (حاشية الحموي على الأشباه والنظائر، الفن الأول القاعدة الخامسة، قديم ص: ۱۴۰)

الضرورة مشتقة من الضرر وهو النازل مما لا مدفع له. (قواعد الفقه ص: ۳۵۸)

شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

## میت کا کھانا کھانے سے دل مرجاتا ہے اس قول کی تحقیق

**سوال (۷۶۵):** قدیم ۸۲/۱- طعام الميت یمیت القلب میت عام ہے خواہ اولیاء انبیاء ہوں یا عامہ مومنین لیکن طعام اموات عامہ سے جو کراہت و تکدر قلب میں محسوس ہوتا ہے وہ طعام اولیاء و انبیاء سے نہیں ہوتا اس کی کیا وجہ ہے اگرچہ انبیاء و اولیاء حقیقۃً مثل اموات عامہ کے میت نہیں ہیں لیکن بظاہر اموات ہیں اور طعام اموات عامہ و اولیاء و انبیاء صدقہ ہونے میں برابر ہے؟

**الجواب:** یہ قول خدا جانے کس کا ہے اگر کوئی شخص اس کو نہ مانے اس پر تو کوئی اشکال نہیں اور اگر کوئی شخص زکوٰۃ کے سخی ہونے سے استنباط کر لے کہ جب صدقہ واجبہ میں وسخت ہے (۱) تو صدقہ نافلہ میں بوجہ اشتراک معنی صدقہ کے شاید کوئی کیفیت قریب و سخی کے ہو اسی کے اثر موت قلب تعبیر کیا گیا ہو اس صورت میں اس سوال کا جواب یہ ہے کہ یہ فرق خیالی ہے اور راز اس میں یہ ہے کہ عرفاً عام اموات کا طعام کا کھانا تذلیل سمجھا جاتا ہے وہ کدورت اسی تذلل کی ہے جو ایک طبعی امر ہے نہ کوئی امر ذوقی اور باطنی اور بعض کے لئے یہ وجہ ہے کہ عام اموات چونکہ اکثر نزدیک کے مرے ہوئے ہوتے ہیں ان کے طعام سے ان کی موت کا اور ان کے معاصی کا استحضار ہو جاتا ہے یہ سب ہوتا ہے دلگیری اور انقباض کا بخلاف اولیاء و انبیاء کے کہ اکثر کی موت کا ان میں سے مشاہدہ بھی نہیں ہوا اور خیال میں ظاہر اور نیز مثل دیگر احیاء کے معلوم ہوتے ہیں اس لئے انقباض نہیں ہوتا آگے اللہ کو معلوم ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

۴ محرم ۱۳۱۲ھ (امداد ص ۴۳ ج ۳)

(۱) عن عبد المطلب بن ربيعة قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم إن هذه الصدقات إنما هي أوساخ الناس وإنما لا تحل لمحمد ولا لآل محمد. (مشکوٰۃ، کتاب الزکاة، باب من لا تحل له الصدقة، الفصل الأول، مكتبة اشرفية ديوبند ۱/ ۶۱)

شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

## متعدد اموات کو ثواب بخشنے سے سب کو پورا ثواب ملے گا

### یا تقسیم ہو کر حصہ رسد ملے گا

**سوال (۷۶۶):** قدیم ۸۳/۱- ایصال ثواب جو چند مردگان کو کیا جاتا ہے وہ سب کو برابر پہنچتا

ہے یا تجزی سے پہنچتا ہے؟

**الجواب:** (۱) سب کو برابر پہنچے گا کیونکہ رحمت اللہ تعالیٰ کی واسع ہے۔

سئل ابن حجر المکی عمالو قرأ لأهل المقبرة الفاتحة هل قسم الثواب بینهم  
أویصل لكل منهم مثل ثواب ذلک كما ملا فأجاب بأنه أفتی جمع بالثانی وهو اللائق  
بسعة الفضل شامی ج ۱ ص ۲۰۵ وعن علیؑ عنه (۱) . . . . . قال من مر علی  
المقابر وقرء قل هو اللہ أحد إحدى عشرة مرة ثم وهب أجرها للأموات أعطی من  
الأجر بعدد الأموات طبرانی فتح القدير . واللہ أعلم (۲) حرره عنايت إلهی عفی عنه

**الجواب:** (۲) یہ مسئلہ مختلف فیہا بین العلماء ہے بعض تجزی کے قائل ہیں وہو الاقیس اور بعض عدم

تجزی فرماتے ہیں وہو الاوسع۔ (۳) واللہ تعالیٰ اعلم، حرره خلیل احمد عفی عنه

**الجواب:** (۳) اصل مذہب وموافق قواعد شرعیہ یہ ہے کہ ثواب تجزی ہوتا ہے۔

(۱) شامی، کتاب الصلاة، باب صلاة الجنائز، مطلب في القراءة للميت وإهداء ثوابها له،

مکتبہ زکریا دیوبند ۱۵۳/۳، کراچی ۲/۲۴۴۔

(۲) إعلاء السنن، کتاب الجنائز، باب استحباب زيارة القبور . (عموماً الخ، مکتبہ

دارالکتب العلمیہ بیروت ۸/۳۳۰، مکتبہ اشرفیہ دیوبند ۸/۳۴۳)

(۳) سئل ابن حجر المکی عما لو قرأ لأهل المقبرة الفاتحة هل قسم الثواب بینهم

أو یصل لكل منهم مثل ثواب ذلک كاملاً فأجاب بأنه أفتی جمع بالثانی وهو اللائق بسعة  
الفضل . (شامی، کتاب الصلاة، باب صلاة الجنائز، مطلب في القراءة للميت وإهداء ثوابها له،

مکتبہ زکریا دیوبند ۱۵۳/۳، کراچی ۲/۲۴۴)

کما فی الشامی: ویوضحہ ولو أهدى الكل إلى أربعة يحصل لكل منهم ربعة  
فکذا لو أهدى الربع لواحد وأبقى الباقي لنفسه. (۱)

البتہ اگر حق تعالیٰ اپنی وسعت رحمت سے ہر ایک کو پورا ثواب دیوے تو یہ اس کا فضل ہے  
ولا مانع منه کما أفتی به جمع اور اس میں بحث کرنے کی ضرورت بھی نہیں جس قدر حق تعالیٰ  
کو منظور ہے ثواب پہنچ جاوے گا بعض اجر بسبب اخلاص نیت کے اگرچہ قلیل ہو کثیر سے بھی زیادہ  
ہو جاتا ہے۔ فقط واللہ اعلم

کتبہ عزیز الرحمن دیوبندی عفی عنہ

**الجواب: (۴) (\*)** جس امر میں نص ہو اگر وہ احکام فقہیہ جواز و عدم جواز میں سے ہو تو اس  
میں قیاس کرنا فاعتبروا یا اولی الابصار وغیرہ نصوص سے مامور بہ ہے اور اگر وہ احکام فقہیہ سے نہ  
ہو تو اس میں قیاس کرنا لا تقف ما لیس لک بہ علم وغیرہ نصوص سے منہی عنہ ہے اور امر مسؤل عنہ  
احکام فقہیہ سے نہیں اور نص موجود نہیں لہذا قیاس سے کلام کرنا منہی عنہ ہوگا اور جن علماء سے کلام منقول ہے  
مقصود ان کا حکم لگانا نہیں بلکہ محض بعض احتمالات کی اقریت بیان کرنا۔ واللہ اعلم بخصیات اسرارہ۔  
کتبہ اشرف علی۔ ۱۶ محرم ۱۳۲۵ھ (امداد ص ۱۴۶ ج ۳)

## کفن پر لکھنے کی روایت کی تحقیق

**سوال (۷۶۷):** قدیم ۸۴/۱- یہ حدیث صحیح ہے یا نہیں وہ یہ ہے۔

عن طاؤس أنه أمر بهذه الكلمات فكتب في كفنه.

یہ حدیث صحیح ترمذی میں ہے یا کس کتاب میں۔ صفحہ اور نام کتاب وغیرہ ارقام فرمادیں؟

**(\*)** اس سوال کے تحت تین جواب لکھے ہوئے آئے تھے، چوتھا جواب اخیر احقر کا ہے۔

سعید احمد پالن پوری

(۱) شامی، کتاب الصلاة، باب صلاة الجنابة، مطلب في القراءة للميت وإهداء ثوابها له،

مکتبہ زکریا دیوبند ۱۵۲/۳، کراچی ۲۴۳/۲۔

شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ



**الجواب:** ترمذی میں تو یقیناً نہیں اور کسی جگہ بھی نظر سے نہیں گزری۔ (۱)

۱۴/ ذیقعدہ (امداد ص ۱۴۷ ج ۳)

(۱) وفي فتاوى المحقق ابن حجر المكي الشافعي، سئل عن كتابة العهد على الكفن وهو لا إله إلا الله ..... هل يجوز ولذلك أصل؟ فأجاب بقوله: نقل بعضهم عن نواذر الأصول للترمذي ما يقتضي أن هذا الدعاء له أصل ..... وقد أفتى ابن صلاح بأنه لا يجوز ..... فالمنع هنا بالأولى ما لم يثبت عن المجتهد أو ينقل فيه حديث ثابت. (شامي، كتاب الصلاة، باب صلاة الجنائز، مطلب فيما يكتب على كفن الميت، مكتبة زكريا ديوبند ۱۵۶-۱۵۷، کراچی ۲/ ۲۴۶-۲۴۷)

شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ



## ۳/ کتاب الزکوٰۃ والصدقات

### ۱/ باب زکوٰۃ المال

#### نوٹ پر زکوٰۃ ہے یا نہیں؟

**سوال (۷۶۸):** قدیم ۲/۲ - نوٹ پر زکوٰۃ ہے یا نہیں؟ جمع نوٹوں پر جمع احکام دراہم و دانیر کے جاری ہوں گے یا نہیں؟

**الجواب:** نوٹ حقیقت میں سند ہے روپیہ کی اور اس روپے پر ہر وقت اس کو قدرت ہے جب چاہے حاصل کر لے، پس نوٹ خود گو مال نہیں مگر جس روپیہ کی وہ سند ہے وہ مال ہے اور بوجہ مقدار تحصیل ہونے کے ضما میں داخل نہیں؛ لہذا اس پر واجب ہوگی اور احکام مختلف ہیں بعض جاری ہوں گے بعض نہیں بالیقین سوال ہو تو جواب دیا جائے مثلاً دس روپے کی کوئی چیز خریدی اور مشتری نوٹ دینے لگے تو بائع پر جبر نہ ہوگا (۱) کہ ضرور اسکو لے، اس میں مثل دراہم و دانیر کے نہیں ہے اور وجوب زکوٰۃ میں ہے جیسا گزرا۔

فقط ۱۵ شعبان ۱۳۲۱ھ

(۱) حضرت والا تھانوی علیہ الرحمہ نے تحریر فرمایا ہے کہ بائع کو نوٹ لینے پر مجبور نہیں کیا جاسکتا ہے؛ اس لئے کہ نوٹ فی نفسہ مال نہیں ہے، بلکہ مال کا بدل ہے، یہ حکم حضرت کے زمانہ کا ہے، مگر آج کل کے زمانہ میں نوٹ اور کرنسی فی نفسہ ثمن عرفی ہے اور ہر ملک اور ہر حکومت میں اس کی کرنسی فی نفسہ مال ہے؛ اس لئے آج کے زمانہ میں بائع کو نوٹ لینے پر مجبور کیا جائے گا اور اس پر اسی طرح زکوٰۃ لازم ہے جس طرح سونا، چاندی پر لازم ہوتی ہے۔

جزئیات ملاحظہ فرمائیے:

إن الأوراق النقدية ثمن عرفي ليست ثمنًا حقيقيًا والربا يجري في الثمن الخلفي الذاتي إذا في الأوراق النقدية من مختلف الدولة ينفي القدر والجنس، أما الجنس فظاهر لاختلاف الدولة وأما القدر لأنها ليست من جنس الأثمان الخلقية بل عرفية فيجوز التفاضل والنسيئة إلا أن القبض على أحد البدلين ضروري لثلايقع في بيع الكالي بالكالي الخ.

(التبيان في زکوٰۃ الأثمان بحواله مجلة فقه اکیڈمی ۵۹/۴) ←

\*\*\*\*\*  
**سوال (۷۶۹):** قدیم ۲/۲- الامداد ماہ صفر المظفر ۱۳۳۷ھ نوٹ کے متعلق ایک مضمون

چھپا ہوا ہے جس میں یہ ہے کہ نوٹ مال نہیں ہے اور اس سے زکوٰۃ ادا نہیں ہو سکتی؟

(۱) تو اب یہ شبہ پیدا ہوتا ہے کہ جس کے پاس سوائے نوٹ کے کچھ نقد نہیں ہے اس کے اوپر سال گزرنے کے بعد زکوٰۃ واجب نہیں ہونی چاہئے۔

(۲) اسی طریقہ سے یہ بھی خیال پیدا ہوتا ہے کہ اگر زکوٰۃ میں نقد روپیہ بذریعہ ڈاک روانہ کیا اور مرسل علیہ کو روپیہ کی عوض نوٹ ملے تو زکوٰۃ اداء ہوگی یا نہیں.....؟

(۳) بہشتی زیور میں یاد پڑتا ہے کہ جناب نے تحریر فرمایا ہے کہ نوٹ کو کمی یا زیادتی میں نہیں بیچ سکتے جس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ نوٹ اور روپیہ ایک چیز ہے۔

(۴) تو اس صورت میں نوٹ زکوٰۃ میں بھی اداء ہو سکتا ہے اور زکوٰۃ بھی نوٹ پر واجب ہو سکتی ہے۔  
 (۵) آج کل چونکہ رمضان میں زکوٰۃ دینے کا وقت آیا ہے اور یہاں لوگوں کے پاس اکثر نوٹ ہیں نقد روپیہ نہیں ہے تو اس صورت میں کیا کرنا چاہیے۔

**الجواب:** (۱) یہ شبہ غلط ہے اس لیے کہ یہ نوٹ جس روپے کی سند ہے وہ تو مال ہے (۱) جو بذمہ گورنمنٹ قرض ہے، اس پر زکوٰۃ واجب ہے۔

← تکملہ فتح الملہم میں ان الفاظ کے ساتھ نقل کیا گیا ہے ملاحظہ فرمائیے:

وبالجملة، صارت هذه الأوراق اليوم كالنقد ويطبق عليها اسم النقد والعملة في العربية، والإنكليزية، والأردية في حين أن هذه الأسماء لا تطلق على الشيكات المصرفية مع شيوع التعامل بها أيضاً ولا يوجد اليوم أحد يطمع فيما وراءها من ذهب أو فضة لا لأنه لا يحتاج إليهما بعد شيوع التعامل بها فحسب؛ بل لأن معظم الممالك اليوم تصدرها كالأثمان العرفية، ولا يكون وراءها شيء من الذهب أو الفضة، فالذي أرى أن القبول بشميتها أصبح قويا منذ أن جعلتها الحكومات أثمانا قانونية وجبرت الناس بقبولها عند اقتضاء ديونهم.

(تكملة فتح الملهم، مكتبة اشرفية ديوبند ۱/۵۱۹-۵۲۰) شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

(۱) حضرت والا تھانویؒ نے اپنے زمانہ کے اعتبار سے نوٹ کو مال تسلیم کرنے سے انکار فرمایا ہے؛ بلکہ نوٹ کو مال کی سند قرار دے کر فرمایا کہ زکوٰۃ مال ہی پر واجب ہوتی ہے سند پر نہیں، نوٹ مال کی سند ہے اور بذمہ حکومت بطور قرض ہے، اس پر زکوٰۃ کو واجب قرار دیا۔ ←

(۲) جب وہ اس نوٹ کو نقد بنا کر قبضہ کر لے گا اس وقت زکوٰۃ اداء ہوگی۔ (۱)

(۳) یہ معلوم ہونا غلط ہے کمی بیشی کے ناجائز ہونے کی بنیاد نہیں ہے کہ دونوں ایک حکم میں ہیں بلکہ اسکی بناء یہ ہے کہ کمی بیشی حوالہ میں بھی درست نہیں (۲) اور نوٹ کا معاملہ حوالہ ہے۔

(۴) یہ تفریع غلط ہے، جیسا کہ اوپر معلوم ہوا۔ (۳)

(۵) یہ کرنا چاہیے کہ خود اگر دیں تو اوّل اس نوٹ کو نقد بناویں اور وہ نقد مساکین کو دیں یا یہ کریں کہ اس نوٹ کا کپڑا یا غلہ خریدیں اور وہ کپڑا یا غلہ زکوٰۃ میں دیں یا ایسا کریں کہ جس مسکین کو مثلاً دس روپے کا نوٹ دینا چاہیں اس سے کہیں کہ تو کہیں سے دس روپے نقد لے آ، جب وہ لاوے تو اس سے کہیں کہ تو اس روپے کے عوض ہمارا یہ نوٹ خرید لے، جب اس خرید کی رو سے اس زکوٰۃ دینے والے کے پاس نقد روپے آ جاوے تو وہ نقد روپے اس مسکین کو دیدیں پھر وہ اپنا قرض خواہ نوٹ سے ادا کر دے خواہ نقد سے اداء کر دے، دوسرے شخص کے ذریعہ سے اداء کریں تو ایسے شخص کو وکیل بناویں جو ان طریقوں کو سمجھتا ہو اور ان کے ذریعہ سے اداء کر دے۔

**نوٹ:** یہ میں نے بہت واضح کر کے لکھا ہے، مگر میرا گمان یہ ہے تا وقتے کہ آپ کسی عالم سے اس خط کو زبانی نہ سمجھ لیں سمجھنے میں غلطی ہوگی۔

۶/رمضان ۱۳۳۵ھ (حوادث خامس ص ۲۷)

← اور حضرتؒ نے فرمایا کہ نوٹ چونکہ مال نہیں ہے؛ اس لئے اس سے زکوٰۃ ادا نہیں ہو سکتی اور سائل کے شبہ کو غلط قرار دیا ہے؛ لیکن آج کے زمانہ میں ہر ملک میں اس کی کرنسی جو بشکل نوٹ ہے فی نفسہ مال اور ثمن عرفی ہے، خرید و فروخت میں بائع کو نوٹ لینے پر مجبور کیا جائے گا اور جس کے پاس صرف نوٹ ہو اس پر زکوٰۃ واجب ہو جاتی ہے؛ لہذا کسی قسم کی تاویلات کی ضرورت نہیں اور نوٹ کو براہ راست مال قرار دے کر اس پر زکوٰۃ کو لازم قرار دیا جائے گا؛ جیسا کہ تکریم فتح الملہم ۵۱۹/۱، التبیان ۵۹/۴، کی عبارت مسئلہ نمبر ۶۸/۷ میں گزری ہے۔

(۱) نوٹ کو نقد کی شرط اس زمانہ کے اعتبار سے ہے اور آج کے زمانہ نقد یعنی (چاندی کا روپیہ) بنانے کی ضرورت نہیں؛ بلکہ آج کے زمانہ میں چاندی کا روپیہ نہ دیکھنے میں آتا ہے اور نہ بازار میں چلتا ہے۔

(۲) آج کے زمانہ میں نوٹ کو صرف حوالہ قرار دینا درست نہیں؛ بلکہ فی نفسہ ثمن اور مال قرار دیا گیا ہے؛ اس لئے حکم بدل گیا ہے۔

(۳) حضرتؒ نے یہ حکم بھی اپنے زمانہ کے لحاظ سے فرمایا ہے؛ کیونکہ آج کے زمانہ میں نوٹ کو نقد (چاندی کا روپیہ) ←

**سوال (۷۷۰):** قدیم ۳/۲- آجکل نوٹوں کا اس شدت سے رواج ہو گیا ہے کہ بعض مرتبہ

مہینوں بھی روپیہ کی صورت دیکھنے کو نہیں ملتی، تنخواہ وغیرہ میں نوٹ ہی ملتے ہیں اور وہی صرف میں آتے ہیں۔  
(۱) بنیوں فی نوٹ ایک پیسہ لیکر ریز گاری دیتے ہیں، یہ بٹہ دینا جائز ہے یا نہیں؟ بصورت اثبات کیا اس کے لیے بھی کسی شرعی حیلہ کی ضرورت ہے، جیسا کہ روپیہ کی صورت میں کیا جاتا ہے کہ اس کے ساتھ ایک پیسہ شامل کر کے دیدیا جاوے۔

(۲) اگر کسی کے پاس بقدر نصاب کے نوٹ جمع ہو جاویں تو حوالان حول کے بعد زکوٰۃ نوٹوں پر واجب ہوگی یا نہیں شبہ کا منشاء یہ ہے کہ نوٹ حقیقتاً چاندی یا سونا نہیں، اگر یہ کہا جاوے کہ اجرائے نوٹوں میں گورنمنٹ مقروض ہے، اور قرض میں زکوٰۃ واجب ہے تو اس کے متعلق یہ عرض ہے کہ گورنمنٹ قرضدار بیشک ہے؛ لیکن گورنمنٹ نے نہ اس کا وعدہ کیا ہے نہ اسکے ذمہ ہے کہ ایک روپیہ کے نوٹ کے عوض میں روپیہ ہی دے؛ بلکہ وہ چونسٹھ پیسے یا سولہ اکٹی یا آٹھ دوئی جو چاندی کی نہیں ہوتیں دیدے تو لینے والا انکار نہیں کر سکتا اسی طرح بڑی رقم کے نوٹوں کے معاوضہ میں گورنمنٹ چھوٹی رقم کے نوٹ دے سکتی ہے اور چھوٹی رقم کے نوٹوں میں وہی پیسہ یا اکٹی یا دوئی والی صورت پیش آ سکتی ہے تو ایسی صورت میں اسکی ایسی مثال ہوگی، جیسے کوئی شخص مثلاً کسی شخص کا ایک لاکھ پیسوں کا مقروض ہو یا پچاس ہزار کانس کی اکٹی یا دوئی کا مقروض ہو تو کیا ایسی صورت میں قرضخواہ کے ذمہ زکوٰۃ واجب ہوگی۔

(۳) قیاساً علی ذالک یہ جو اسی ہزار ٹکہ کا مہر بندھتا ہے اُن میں وقت ادائیگی مہر زوجہ کے ذمہ زکوٰۃ واجب ہوگی یا نہیں؟ اگر نہیں تو کیا فرق ہوا؟ اُمید ہے کہ جواب سے عزت بخشی جاوے؟ دلیل کی ضرورت نہیں، صرف جناب کی تحقیق مطلوب ہے؟

**الجواب:** اول مقدمہ سمجھ لینا چاہیے، وہ یہ کہ حقیقت نوٹ کی کیا ہے، سو حقیقت نوٹ کی یہ ہے کہ جس وقت اول میں روپیہ دے کر گورنمنٹ سے نوٹ لیا تھا گورنمنٹ اس روپیہ کی مقروض ہوگی اور نوٹ اس قرض کی سند ہے، پس اصل حق مالک کا وہ روپیہ ہے اور آئندہ کسی کو نوٹ دینا اپنے اسی قرضے کا بذمہ گورنمنٹ حوالہ کر دینا ہے، اس سے سب سوالوں کا جواب ہو گیا؛ چنانچہ تصریحاً بھی لکھا جاتا ہے۔

← بنانے کی ضرورت نہیں اور بغیر تبدیلی کے زکوٰۃ کی ادائے کی بلاشبہ جائز اور درست ہے؛ اس لئے کہ نوٹ خود فی نفسہ

\*\*\*\*\* مال ہے جیسا کہ مسئلہ نمبر: ۶۸/۷ میں مکملہ فتح الملہم اور التبیان کی واضح عبارت گزر چکی ہے۔ شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

(۱) یہ بٹہ دینا اور اسی طرح سے لینا جائز نہیں؛ کیونکہ حوالہ میں کمی بیشی جائز نہیں اور اس حیلہ کا محل حوالہ نہیں بلکہ بیعیداً بید تقاضا ہے جو یہاں نہیں۔ (۱)

(۲) زکوٰۃ واجب ہوگی؛ کیونکہ اسکا اصل حق مال ہے اور یہ مثال اس لیے غلط ہے کہ اسمیں اصل حق مال زکوٰۃ نہیں عروض ہے اور دوسری جنس سے اداء ہو جانے سے جو اشتباہ ہو گیا ہے سو وہ فرض کا غیر جنس سے بتراضی طرفین اداء کر دینا صحیح ہے۔ (۲)

\*\*\*\*\* (۱) عن عبادۃ بن صامتؓ قال: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: الذہب بالذہب والفضۃ بالفضۃ..... مثلاً بمثل سواء بسواء یداً بید، فإذا اختلفت هذه الأصناف فبیعوا کیف شئتم، إذا کان یداً بید. (الصحيح لمسلم، النسخة الهندیة، باب الربا ۲/۲۵، رقم: ۱۵۸۷)

فإن باع فضة بفضة أو ذهبا بذهب لا يجوز إلا مثلاً بمثل (إلى قوله) ولا بد من قبض العوضین قبل الافتراق. (هدایة، کتاب الصرف، اشرفی بکڈپو دیوبند ۳/۱۰۴) اس کو البحر الرائق میں ان الفاظ کے ساتھ نقل کیا گیا ہے ملاحظہ فرمائیے:

فلو تجانسا شرط التماثل والتقابض أي النقدان بأن بیع أحدهما بجنس الآخر فلا بد لصحته من التساوي وزناً ومن قبض البدلين قبل الافتراق. (البحر الرائق، کتاب الصرف، مکتبہ زکریا دیوبند ۶/۳۲۲، کوئٹہ ۶/۱۹۲)

اس کو تنویر الابصار میں ان الفاظ کے ساتھ نقل کیا گیا ہے ملاحظہ فرمائیے:

ويشترط التماثل والتقابض قبل الافتراق إن اتحد اجنسا وإن اختلفا جودة وصياغة. (تنویر الأبصار مع الدر المختار، باب الصرف، مکتبہ زکریا دیوبند ۷/۵۲۱-۵۲۲، کراچی ۵/۲۵۷-۲۵۸)

(۲) نوٹوں ہی پر زکوٰۃ واجب ہو جاتی ہے؛ اس لئے کہ ہر ملک اور حکومت میں قانونی حیثیت سے اس ملک کی کرنسی (نوٹ) فی نفسہ مال اور شمن ہے؛ لہذا خود نوٹوں کی زکوٰۃ دینا لازم اور واجب ہے اور مستحقین زکوٰۃ کو نوٹ ہی دیا جاسکتا ہے۔

فهذا هي بداية ”بنك نوت“ وكانت في مبدأ الأمر يصدرها التجار مكتوبة بخطهم وكانت الثقة موقوفة على الثقة بمن يصدرها، ثم لما كثر التعامل بها منعت الحكومات أن يصدرها الأشخاص واقتصرت إصدارها على البنوك ثم ازداد شيعوها جعلتها ←

\*\*\*\*\*

\*\*\*\*\*

(۳) اور اسی تقریر بالا سے ٹکوں کے مہر میں اور نوٹ کے بدل میں فرق ظاہر ہو گیا کہ مہر میں اصل سے ہی واجب ٹکے ہیں۔ (۱) اور یہاں ایسا نہیں جیسا مذکور ہوا۔

(حوادث خاص ص ۳۰)

**سوال (۷۷۱):** قدیم ۲/۴ - زکوٰۃ بذریعہ منی آرڈر بھیجنے میں عموماً مرسل علیہ کو ڈاک خانہ سے نوٹ دیئے جاتے ہیں نوٹ سے زکوٰۃ اداء نہیں ہوتی۔ اس دشواری سے بچنے کیلئے کیا صورت اختیار کی جاوے؟

**الجواب:** میں ایسا کرتا ہوں کہ اس مقام میں کسی کو وکیل بنادیا کہ اس نوٹ کو نقد کر کے فلاں مستحق کو دیدو۔ (۲) ۱۳۳۸ھ

.....

← الحكومات ثمناً قانونياً ..... وجبرت كل دائن أن يقبلها في أداء دينه كما يجبر بقبول النقود وحينئذٍ منعت البنوك الشخصية أيضاً من إصدارها ولم يجز لبنك من البنوك أن يصدرها إلا البنك الرئيسي الحكومي وحينئذٍ صارت هذه الأوراق في حكم النقود سواء بسواء الخ. (تكملة فتح الملهم ۱/۵۱۹)

(۱) ٹکے بگلہ زبان میں نوٹ والے روپیہ کو کہا جاتا ہے، جب مہر میں اسی ہزار (۸۰۰۰۰) ٹکے طے ہوئے تو یہی ٹکے ہی اداء کرنا واجب ہے اور بتراضی طرفین اس کے عوض جوئی طے ہو جائے اس کو اداء کرنا بھی جائز ہو جائے گا۔

وان حقوق هذا الورق تنتقل إلى رجل آخر بتسليمه إليه فيصير حامله دائناً للبنك بطريقة تلقائية ولهذا صار أداء الحقوق المالية بهذه الأوراق كأداءها بالنقود الخ. (تكملة فتح الملهم ۱/۵۱۹)

إن عدم جواز الأخذ من خلاف الجنس كان في زمانهم لمطاعهم في الحقوق والفتوى اليوم على جواز الأخذ عند القدرة من أي ما كان الخ. (شامي، كتاب السرقة زكريا ۶/۱۵۸، كراچی ۹۵/۴، كتاب الحجر شامي زكريا ۹/۲۲۱، كراچی ۶/۱۵۱) شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

(۲) حضرت والا تھانویؒ کے زمانہ میں نوٹ کی حیثیت ثمن اور مال کی نہیں تھی؛ چنانچہ اس زمانہ میں نوٹ سے سونا، چاندی کا خریدنا بھی جائز نہیں تھا؛ اس لئے اس زمانہ میں نوٹ کے ذریعہ کے سے زکوٰۃ اداء نہیں ہوتی تھی۔ ←

\*\*\*\*\*

\*\*\*\*\*  
**سوال (۷۷۲):** قدیم ۵/۲ - زکوٰۃ کے منی آرڈر میں ڈاک خانہ کو نوٹ دیئے جاسکتے ہیں

یا روپیہ ہی دینا ضروری ہے؟

**الجواب:** دونوں یکساں ہیں زکوٰۃ اداء ہونے کی شرطیں دونوں صورتوں میں مشترک ہیں۔ (۱)

← ومن هذه الناحية قد أفتى معظم علماء الهند وباكستان بأن أوراق العملة هذه ليست اثماننا، وإنما هي سندات ديون فلا يجوز اشتراء الذهب والفضة ولا يتأدى بها الزكاة وقولي بل وقد أفتى بعضهم أن زكاتها لا يجب أدائها حتى تنقد لأنها في حكم الدين القوي والدين القوي وإن كانت الزكاة تجب عليه عند الحنفية غير أنه لا يجب أدائها حتى يقبض منه أربعون درهما كما هو المعروف. (تكملة فتح الملهم ۱/۵۱۶)

اور آج کل کے زمانہ میں ہر ملک میں نوٹ کی حیثیت ٹمن اور مال کی ہو گئی ہے؛ اس لئے بلاشبہ اس کے ذریعہ سے زکوٰۃ اداء ہو جاتی ہے۔

بالجملة فهذه يدل على أن أوراق العملة هذه قد فاقت على العملة المسكوكة بكثير في شيوع التعامل بها في اعتماد الناس عليها وثقتهم بها حتى أخذت العملة المسكوكة في سائر بلاد العالم ولا يخطر ببال أحد عند التعامل بها أنه يتعامل بدين وإنما يعتبرها الناس ثمناً فوق ما يعتبرون العملة المسكوكة من هذه الجهة جعلها الشيخ فتح محمد اللكنوي في حكم الثمن العرفي المبذل وأفتى بأداء الزكاة بها ويجوز اشتراء الذهب والفضة بها، وبقوله أفتى ابنه الفاضل المفتي سعيد أحمد اللكنوي أيضاً. (تكملة فتح الملهم ۱/۵۱۹) شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

(۱) نوٹ ٹمن عرفی ہونے کی وجہ سے اس سے زکوٰۃ ادا کی ہو جاتی ہے۔

إن الأوراق النقدية ثمن عرفي ليست ثمناً حقيقياً والربا يجري في الثمن الخلقي الذاتي إذا في الأوراق النقدية من مختلف الدولة ينفي القدر والجنس، أما الجنس فظاهر لاختلاف الدولة وأما القدر؛ لأنها ليست من جنس الأثمان الخلقية بل عرفية فيجوز الخ. (التبيان في زكاة الأثمان بحواله مجلة فقه اكيڈمي ۴/۵۹)

وقد بحث فقهاء العصر حكم زكاة هذه النقود الورقية فقرروه او جوب الزكاة فيها عند جمهور الفقهاء. (الفقه الإسلامي والقضايا المعاصرة ۲/۶۸۰)

شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ



**سوال (۷۷۳):** قدیم ۵/۲۔ جب مرسل علیہ کو عموماً ڈاک خانہ سے نوٹ ہی دیئے جاتے ہیں

تو پھر بیمہ کیوں نہ کیا جائے کہ اسمیں فیس کی بھی کفایت ہے؟

**الجواب:** ایسا ہی کیا جاوے مگر زکوٰۃ اداء ہونے کے لیے نوٹ کا قبض کافی نہیں۔ (۱)

۱۳۳۸ھ (حوادث خاص، ص ۳۵)

**سوال (۷۷۴):** قدیم ۵/۲۔ نوٹ پر زکوٰۃ ہے یا نہیں؟۔

**الجواب:** زکوٰۃ ہے۔ (۲)

(تتمہ اولیٰ، ص ۵۸، حوادث، ص ۵۴، ج ۱)

(۱) حضرت والا تھانویؒ کے زمانہ میں نوٹ کوٹن اور مال تسلیم نہیں کیا جاتا تھا، اس لئے اس سے زکوٰۃ اداء نہیں ہوتی تھی، مگر آج کل کے زمانہ میں عالمی سطح پر ہر ملک میں نوٹ کوٹن عرفی اور مال تسلیم کیا جاتا ہے؛ اس لئے اب زکوٰۃ کی ادائے گی کے لئے نوٹ کا قبضہ کافی ہے اور اس سے بلاشبہ زکوٰۃ اداء ہو جائے گی۔

وبالجملة، صارت هذه الأوراق اليوم كالنقود ويطلق عليها اسم النقد والعملية (إلى قوله) مع شيوع التعامل بها (إلى قوله) بل لأن معظم الممالك اليوم تصدرها كالأثمان العرفية، ولا يكون وراءها شيء من الذهب أو الفضة، فالذي أرى أن القبول بثمانيتها أصبح قويا منذ أن جعلتها الحكومات أثمانا قانونية وجبرت الناس بقبولها عند اقتضاء ديونهم. (تكملة فتح الملهم، مكتبة اشرفية ديوبند ۱/ ۵۲۰) شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

(۲) جب نوٹ کی مقدار انصاب کو پہنچ جائے اور حوالان حول ہو جائے اور قرض اور حوائج اصلیہ سے فارغ ہو تو اس کی زکوٰۃ اداء کرنا واجب اور لازم ہو جاتا ہے۔

ولا تجب الزكاة على الأوراق النقدية إلا ببلوغها النصاب الشرعي وبحولان الحول وبالفراغ من الدين وهو الحق والعدل وزاد الحنفية، وبأن يكون النصاب فاضلا عن الحاجات الأصلية لمالكه من نفقة وكسوة وسكنى وآلة حرب الخ. (الفقه الإسلامي والقضايا المعاصرة ۲/ ۶۸۱) شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

نوٹ کے ذریعہ زکوٰۃ صرف اس وقت ادا ہوگی جب کہ مسکین

اس نوٹ کو نقد کر لے یا اس کی کوئی چیز خرید لے

**سوال (۷۷۵):** قدیم ۵/۲ - زکوٰۃ میں نوٹ دینے سے زکوٰۃ اداء ہو جاتی ہے یا نہیں؟

اسی طرح دوسری رقوم واجب التملیک مثل فدیہ صوم و صلوٰۃ وغیرہ؟

**الجواب:** چونکہ وہ مال نہیں محض سند مال ہے اس لیے نوٹ دینے سے زکوٰۃ ادا نہیں ہوتی

اور یہی حکم ہے دوسری رقوم واجب التملیک کا بلکہ ان صورتوں سے زکوٰۃ وغیرہ ادا ہو جاتی ہے۔

(الف) یا تو خود مسکین کو نقد دے یا کوئی چیز از قسم مال اتنی قیمت کی دے کہ امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک

زکوٰۃ غیر جنس سے بھی اداء ہو جاتی ہے۔

(ب) یا مسکین کو نوٹ دیا اور اس مسکین نے اُس کو نقد یا کسی جنس کے بدلے فروخت کر کے اُس نقد یا

جنس پر قبضہ کر لیا اب قبضہ کے وقت زکوٰۃ وغیرہ ادا ہوگئی۔ (۱)

اور اگر یہ دونوں صورتیں نہ ہوں مثلاً اس مسکین کے پاس سے وہ نوٹ ضائع ہو گیا یا اس نے اپنے

قرض میں کسی کو دیدیا ان صورتوں میں زکوٰۃ ادا نہیں ہوئی۔

۵/ صفر ۱۳۳۷ھ (حوادث، ص ۲۳، ج ۵)

(۱) یہ حکم حضرتؒ کے زمانہ کا ہے اب یہ حکم بدل گیا ہے اب براہ راست نوٹ دینے سے زکوٰۃ ادا

ہو جاتی ہے؛ اس لئے کہ اب نوٹ بذات خود دشمن اور مال بن گیا ہے۔

أن معظم الحكومات اليوم قد جعلت الفلوس المسكوكة عملة قانونية

محدودة في حين إن جعلت هذه الأوراق عملة قانونية غير محدودة ونتيجة

ذلك أن المشتري يستطيع أن يجبر البائع بقبول هذه الأوراق الخ. (تكملة

فتح الملهم ۱/ ۵۱۸) شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

## مسکین کو زکوٰۃ میں نوٹ دیا گیا پھر مسکین کو اس نوٹ کی قیمت کچھ کم ملی اس کا حکم

**سوال (۷۷۶):** قدیم ۶/۲ - اگر کسی مسکین کو زکوٰۃ وغیرہ میں نوٹ دیدیا اور اس نے اس کا نقد یا جنس لیکر قبضہ کر لیا مگر نوٹ لینے والے نے اس نوٹ پر بٹہ لیا، مثلاً فی روپیہ ایک پیسہ اور اسی طرح اگر کسی مدرسہ میں دیا اور مہتمم نے اس کو نقد کر کے کسی مستحق طالب علم کو دیا اور نقد کرنے کے وقت اسی طرح بٹہ لگا تو آیا زکوٰۃ میں پورا روپیہ ادا ہوا یا پیسہ کم روپیہ اور اگر اپنے رو برو ایسا نہ ہوا مگر معلوم ہے کہ جہاں نوٹ بھیجا ہے وہاں ایسا ہوا ہوگا تو احتیاط کی بات ہے۔

**الجواب:** اس صورت میں پیسہ کم روپیہ ادا ہوگا، ایک پیسہ مثلاً اس شخص کو اور زکوٰۃ میں کسی مسکین کو دیدینا چاہیے، اسی طرح جب قرآن سے اپنے غیبت سے بٹہ لگنا معلوم ہو تب بھی فی روپیہ مثلاً ایک پیسہ اور بھی مسکین کو دیدے، (۱)

۵/ صفر المظفر ۱۳۳۷ھ (حوادث، ص ۲۵، ج ۵)

(۱) زکوٰۃ میں مسکین کو اتنا پورا ملنا ضروری ہے جتنا زکوٰۃ کا حصہ بنتا ہے، جو کم رہ جائے اس کو پورا کرنا ضروری ہوتا ہے۔

يعتبر أن يكون المؤدى قدر الوجوب وزناً عند الإمام والثاني: وقال زفرٌ تعتبر القيمة واعتبر محمدٌ الأنفع للفقراء ولو أدى عن خمسة جيدة خمسة زيوفاً قيمتها أربعة جيدة جاز عندهما وكره وقال محمدٌ، وزفرٌ: لا يجوز حتى يؤدي الفضل الخ. (شامي، كتاب الزكاة، باب زكاة المال، مكتبة زكريا ديوبند ۲۲۷/۳)

ثم أن المعتبر عند محمد الأنفع للفقير من القدر والقيمة وعندهما القدر فإذا أدى خمسة اقفرة رديئة عن خمسة جيدة لم يجز عنده حتى يؤدي تمام قيمة الواجب وجاز عندهما، وهذا إذا كان المال جيداً وأدى من جنسه رديئاً الخ. (شامي، كتاب الزكاة، باب زكاة الغنم، مكتبة زكريا ديوبند ۲۱۱/۳، کراچی ۲۸۵/۲) شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

## گوٹہ وغیرہ کی خرید و فروخت بیع صرف ہے یا نہیں؟ اور اس میں زکوٰۃ کا حکم

**سوال (۷۷۷):** قدیم ۶/۲ - گوٹہ، کنجواب، کلابتون، سلور کی چاندی، سچے بناری، دوپٹے، تاش وغیرہ وغیرہ ان تمام پر زکوٰۃ ہوگی یا نہیں؟ اور ان کی خرید و فروخت میں احکام بیع صرف کے ملحوظ ہوں گے یا نہیں؟

**الجواب:** تاش معلوم نہیں کیا چیز ہے؟ باقی سب چیزوں پر زکوٰۃ ہے (۱) اور ان کی بیع میں احکام بیع صرف کے جاری ہوں گے (۲) یعنی جتنی چاندی ہے اس قدر میں نیسہ و تقاضل جائز نہ ہوگا اور یہ اس تقدیر پر ہے جبکہ سلور چاندی ہو، گودائی درجہ کی سہی اور اگر کوئی اور چیز ہے (بعد میں معلوم ہوا کہ یہ چاندی نہیں ہے ۱۲ منہ) تو حکم بدل جاوے گا۔ فقط

۱۵ شعبان ۱۳۲۱ھ امداد، ص ۱۵۴، ج ۱

(۱) أخرج عبد الرزاق عن ابن جريج قال: كان عطاء يقول: لا زكوة في عرض لا يدار إلا الذهب والفضة، فإنه إذا كان تبراً موضعاً وإن كان لا يدار زكي. (مصنف عبد الرزاق، كتاب الزكاة، باب الزكاة من العروض ۹۷/۴، رقم: ۷۱۰۲)

الزكاة واجبة في الذهب والفضة مضروبة كانت أو غير مضروبة..... حلياً كان للرجال أو للنساء عندنا. (الفتاوى التاتارخانية، كتاب الزكاة، الفصل الثاني في زكاة المال زكريا ۳/۱۵۴، رقم: ۳۹۷۷)

اور در مختار میں ان الفاظ کے ساتھ نقل کیا گیا ہے، ملاحظہ فرمائیے:

واللازم في مضروب كل منهما ومعموله ولو تبراً أو حلياً مطلقاً (الدر المختار) وفي الشامية: (ومعموله) أي ما يعمل من نحو حلية سيف أو منطقته أو لجام أو سرج أو الكواكب في المصاحب والأواني وغيرها إذا كانت تخلص بالإذابة الخ. (الدر المختار مع الشامي، كتاب الزكاة، باب زكاة المال، مكتبة زكريا ديوبند ۲۲۷/۳، کراچی ۲/۲۹۷-۲۹۸)

(۲) فإن باع فضة بفضة أو ذهباً بذهب لا يجوز إلا مثلاً بمثل (إلى قوله) ولا بد من

قبض العوضين قبل الافتراق. (هداية، كتاب الصرف، اشرفي بکڈپو دیوبند ۳/۱۰۴) ←

## سون چاندی میں کھوٹ کا حکم

**سوال (۷۷۸):** قدیم ۶/۲ - فقہاء جو تحریر فرماتے ہیں کہ اگر غش غالب ہو تو غش ہوگا اور اگر ذہب و فضہ غالب ہو تو اس کے کیا معنی ہیں، بعض غش ایسا ہوتا ہے کہ بغیر گلانے علیحدہ نہیں ہوتا اور بعض ہو سکتا ہے، دونوں مراد ہیں یا ایک، دوسرے یہ امر کہ غش کا لحاظ و اعتبار اس زیور کے لحاظ سے ہے کہ جس میں وہ موجود ہے یا نصاب کے لحاظ سے بھی، مثلاً ایک زیور میں غش غالب ہے اور زیور خالص ہیں اگر وہ زیور بوجہ غلبہ غش ساقط الاعتبار کیا جائے تو باقی ماندہ زیوروں کی مقدار زکوٰۃ کی نصاب کو نہیں پہنچتی، یا یہ صورت کہ اس ناقص زیور میں جس قدر خالص چاندی اندازہ کی جاوے اور دیگر زیور مقدار نصاب کو پہنچتے ہیں یا خالص زیور بقدر نصاب ہے اور یہ غالب الغش مقدار سے زائد ہے تو ان سب صورتوں میں کیا کیا جاوے گا آیا جس زیور میں غش ہے اسکی غالبیت اور مغلو بیت کے احکام اسی زیور کے اعتبار سے ہوں گے یا دیگر زیوروں کے لحاظ سے؟

**الجواب:** ذہب و فضہ کے ساتھ غیر ذہب و فضہ کے مخلوط ہونے کی دو صورتیں ہیں: ایک تو یہ کہ دونوں متمیز ہوں اور گلا کر نہ ملائی گئی ہوں، اس میں تو مجموعہ کا ایک حکم نہ ہوگا، ذہب و فضہ کی مقدار میں ذہب و فضہ کے احکام جاری ہوں گے اور غیر ذہب و فضہ میں اس کے احکام جاری ہوں گے، مثلاً بیع صرف و زکوٰۃ صرف مقدار ذہب و فضہ معتبر ہوگی مجموعہ میں نہ ہوگی۔

دوسری صورت یہ ہے کہ ایک دوسرے سے متمیز نہ ہوں اور گلا کر دونوں کو ایک کر دیا ہو، اس میں فقہاء نے کہا ہے کہ غالب کا اعتبار ہے۔ یعنی اگر غالب ذہب یا فضہ ہو تو مجموعہ کو سب احکام میں ذہب و فضہ کہا جائے گا (۱)

← اس کو بحر الرائق میں ان الفاظ کے ساتھ نقل کیا گیا ہے، ملاحظہ فرمائیے:

فلو تجانسا شرط التماثل والتقاطب أي النقدان بان بيع أحدهما بجنس الآخر فلا بد لصحته من التساوي وزنا ومن قبض البدلين قبل الافتراق. (البحر الرائق، كتاب الصرف، مكتبة زكريا ديوبند ۶/۳۲۲، كورنٹہ ۶/۱۹۲) شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

(۱) إذا كان الغالب على الورق المضروب الفضة فهو في حكم الفضة فتجب فيه

الزكاة كأنه كله فضة ولا تزكي زكاة العروض، ولو كان قد أعدها للتجارة ..... أما كان ←

اور اگر غالب دوسری چیز ہے تو مجموعہ کو دوسری چیز کے حکم میں کہیں گے اس میں جس قدر ذہب و فضہ ہیں اس میں بھی احکام ذہب و فضہ کے جاری نہ ہوں گے۔ نہ اس پر زکوٰۃ ہوگی، نہ احکام بیع صرف اس میں معتبر ہوں گے۔ (۱) اس سے سب سوالوں کا جواب نکل آیا، اگر کسی حکم میں شبہ رہے پھر دریافت کر لیا جاوے۔ فقط

۱۵ شعبان ۱۳۲۱ھ (امداد، ص ۱۵۵، ج ۱)

← الغش غالباً فلا يكون لها حكم الفضة بل حكم العروض فلا زكاة فيها إلا إن نواها للتجارة وبلغت نصاباً بالقيمة فإن لم ينوها للتجارة فإن كانت بحيث يخلص منها فضة تبلغ نصاباً وجبت زكاتها وإلا فلا. (الموسوعة الفقهية الكويتية ۲۳/۲۶۵)

قال الحنفية: غالب الفضة فضة وغالب الذهب ذهب وإن كان الغالب عليهما الغش فهي في حكم العروض التجارية ولا بد من أن تبلغ قيمتها نصاباً ولا بد فيها من نية التجارة كسائر العروض، إلا إذا كان يخلص منها فضة تبلغ نصاباً لأنه لا تعتبر في عين الفضة القيمة ولانية التجارة. (موسوعة الفقه الإسلامي والقضايا المعاصرة، زكاة النقود، المكتبة الأشرفية ديوبند ۲/۶۷۲)

إذا كان الغالب على الورق الفضة فهو في حكم الفضة، وإذا كان الغالب عليها الغش فهو في حكم العروض يعتبر أن تبلغ قيمته نصاباً لأن الدراهم لا تخلو عن قليل غش لأنها لا تنطبع إلا به وتخلو عن الكثير فجعلنا الغلبة فاصلة وهو أن يزيد على النصف اعتباراً للحقيقة، إلا أن في غالب الغش لا بد من نية التجارة كما في سائر العروض إلا إذا كان يخلص منها فضة تبلغ نصاباً لأنه لا يعتبر في عين الفضة القيمة ولانية التجارة. (هداية، كتاب الزكاة، باب زكاة المال، أشرفي بکڈپو دیوبند ۱/۱۹۵)

(۱) إذا كان الغالب على الدراهم الفضة فهي فضة وإذا كان الغالب على الدنانير الذهب فهي ذهب ويعتبر فيهما من تحريم التفاضل ما يعتبر في الجياد حتى لا يجوز بيع الخالصة بها ولا يبيع بعضها ببعض المتساوي في الوزن وكذا لا يجوز الاستقراض بها إلا وزاناً..... وإن كان الغالب عليهما الغش فليسا في حكم الدراهم والدنانير اعتباراً للغالب..... وإن بيعت بجنسها متفاضلاً جاز صرفاً لجنس إلى خلاف الجنس فهي في حكم شيئين فضة و صفر ولكنه صرف حتى يشترط القبض في المجلس لوجود الفضة من الجانبين.

(هداية، كتاب الصرف، أشرفي بکڈپو دیوبند ۱/۱۰۸-۱۰۹) ←

## زکوٰۃ کی ادائیگی میں کھوٹ والا سکہ دینا

**سوال (۷۷۹):** قدیم ۲/۷- گلٹ کے سکے درحقیقت اس قیمت کے نہیں ہیں جو ان پر درج ہے اور نہ وہ شرعاً مال ہیں اس لیے یہ کسی قدر نوٹ کے مشابہ ہیں اور یہ بھی خبر ہے کہ روپیہ بھی گلٹ کا بنے گا اور یہ خبر میں نے خود اخبار میں دیکھی کہ چاندی کی گرانی کی وجہ سے پارلیمنٹ میں یہ طے ہو گیا کہ آئندہ اگر چاندی کے سکے بنائے جاویں تو ان میں صرف چھٹا حصہ چاندی کا شامل کیا جائے اس صورت میں بھی یہ سکے شرعاً مال نہ ہوں گے کیونکہ ان میں غش غالب ہوگا، پھر ادائے زکوٰۃ میں اور بھی دشواری ہوگی۔

براہ کرم تفصیلی جواب مرحمت فرمائے جائیں؛ کیونکہ مجھے ادائے زکوٰۃ میں ان امور سے بہت دشواری پیش آرہی ہے۔

**الجواب:** غلبہ غش سے ذہب یا فضہ ہونے کی نفی صحیح ہے، نہ کہ مال ہونے کی، مال کی تعریف اس پر صادق آتی ہے لہذا وہ مال ہے (۱) البتہ اگر زکوٰۃ غیر جنس سے اداء نہ ہوتی ہو تو اس کا ذہب و فضہ نہ ہونا بھی مضرت تھا

← وما غلب فضته وذهبہ وفضة ذهب حکماً فلا یصح بیع الخالص به ولا بیع بعضه ببعض الامتساویا وزناً، وكذا لا یصح الاستقراض بها إلا وزناً والغالب علیه الغش منہما فی حکم عروض اعتباراً للغالب فصح بیعه بالخالص، إن كان الخالص أكثر من المغشوش لیکون قدره بمثله والزائد بالغش و بجنسه متفاضلاً وزناً وعدداً بصرف الجنس لخلافه بشرط التقابض قبل الافتراق فی المجلس. (الد رالمختار علی رد المختار، کتاب البیوع، باب الصرف، مکتبہ زکریا دیوبند ۵۳۱-۵۳۲-۵۳۳، کراچی ۵/۲۶۵-۲۶۶)

و غالب الفضة والذهب فضة وذهب حتی یصح بیع الخالصہ بهما ولا بیع بعضها ببعض الامتساویاً وزناً ولا یصح الاستقراض بهما إلا وزناً وغالب الغش لیس فی حکم الدراهم والدنانیر فیصح بیعها بجنسها متفاضلاً. (کنز الدقائق مع البحر الرائق، کتاب الصرف، مکتبہ زکریا دیوبند ۶/۳۳۴-۳۳۵) شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

(۱) إذا كان الغالب علی الورق الفضة فهو فی حکم الفضة، وإذا كان الغالب علیها الغش فهو فی حکم العروض یعتبر أن تبلغ قیمتہ نصیباً لأن الدراهم لا تخلو عن قليل غش لأنها لا تنطبع إلا به وتخلو عن الكثير فجعلنا الغلبة فاصلة وهو أن یزید علی النصف اعتباراً ←

مگر غیر جنس سے بھی زکوٰۃ ادا ہو جاتی ہے، جب بازار میں اس کی قیمت حق واجب کی برابر ہو اور یہ تساوی اس میں حاصل ہے۔ (۱) لہذا زکوٰۃ میں کوئی دشواری نہیں، جیسے پیسوں سے نقدین کی زکوٰۃ اداء ہو جاتی ہے اور اگر ایسی ہی احتیاط ہو تو اور کوئی متقوم چیز خرید کر جیسے کپڑا یا غلہ زکوٰۃ کی نیت سے دیدے۔ (۲)

۱۳۳۸ھ (حوادث، ص ۳۵، ج ۵)

← للحقیقة، إلا أن في غالب الغش لابد من نية التجارة كما في سائر العروض إلا إذا كان تخلص منها فضة تبلغ نصاباً لأنه لا يعتبر في عين الفضة القيمة ولانية التجارة. (هداية، كتاب الزكوة، باب زكوة المال، أشرفي بكڈپو دیوبند ۱۹۵/۱)

(۱) المراد بالمال ما يميل إليه الطبع ويمكن ادخاره لوقت الحاجة والمالية تثبت بتمول الناس كافةً أو بعضهم. (شامي، كتاب البيوع، مطلب: في تعريف المال والملك والمتقوم، مكتبة زكريا دیوبند ۱۰/۷، وكراچی ۵۰۱/۴)

الموسوعة الفقهية الكويتية ۳۶/۳۱ -

(۲) عن طائوس قال: بعث رسول الله صلى الله عليه وسلم معاذاً إلى اليمن فأمره أن يأخذ الصدقة من الحنطة والشعير فأخذ العروض والثياب من الحنطة والشعير. (المصنف لابن أبي شيبة، كتاب الزكاة، ما قالوا في أخذ العروض في الصدقة، مؤسسة علوم القرآن ۵۲۱/۶ - ۵۲۲، رقم: ۱۰۵۳۸)

عن عطاء: أن عمر كان يأخذ العروض في الصدقة من الورق وغيرها. (المصنف لابن أبي شيبة، كتاب الزكاة، ما قالوا في أخذ العروض في الصدقة، مؤسسة علوم القرآن ۵۲۲/۶، رقم: ۱۰۵۳۹)

لو عال يتيمًا فجعل يكسوه ويطعمه وجعله من زكاة ماله فالكسوة تجوز لوجود ركنه وهو التمليك، وأما الإطعام إن دفع الطعام إليه بيده يجوز أيضاً لهذه العلة. (البحر الرائق، كتاب الزكوة، مكتبة زكريا دیوبند ۳۵۳/۲، كوئٹہ ۲۰۱/۲)

هي تمليك خرج الإباحة فلو أطعم يتيمًا نأويًا الزكوة لا يجزيه إلا إذا دفع إليه المطعوم، كما لو كساه بشرط أن يعقل القبض. (الدر المختار مع رد المحتار، كتاب الزكوة، مكتبة زكريا دیوبند ۱۷۱/۳، وكراچی ۲۵۶/۲ - ۲۵۷) شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ



## زکوٰۃ کا نصاب تولہ کے حساب سے

**سوال (۷۸۰):** قدیم ۸/۲ - مقدار نصاب تولہ اور سکہ انگریزی کے وزن سے کس قدر پر ہوگا چاندی سونا دونوں؟

**الجواب:** مشہور قول ۵۲ تولہ چاندی اور ۷ تولہ سونا لکھنؤ کے تولہ سے جس کے حساب سے روپیہ ۱۱ ماشہ کا ہوتا ہے۔ (۱) فقط

۱۵ شعبان المعظم ۱۳۲۱ھ

(۱) حضرت اقدس مولانا مفتی محمد شفیع صاحب جو امداد الفتاویٰ کے مرتب ہیں اور حضرت والا تھانویؒ کے خاص تربیت یافتہ ہیں، انہوں نے ایک مستقل رسالہ اوزان شرعیہ کے نام سے تحریر فرمایا ہے، جس کو جواہر الفقہ کا ایک جزو بنادیا ہے، اس میں بڑی تحقیق کے ساتھ چاندی اور سونا کا نصاب تحریر فرمایا ہے اور آج کل کے زمانہ میں اسی کو علماء و مفتیان کرام نے معیار بنایا ہے حضرت مفتی صاحب کی عبارت ذیل میں درج ہے۔

جبکہ یہ متفق علیہ ہے کہ چاندی کا نصاب دو سو درہم ہے اور تحقیق مذکور سے حمایت ہو گیا کہ ایک درہم کا وزن تین ماشہ ایک رتی اور ایک پانچواں حصہ رتی کا ہے تو حساب نکالنے سے واضح ہو گئی کہ چاندی کا نصاب باون تولہ چھ ماشہ ہے یعنی ۱۲ ماشہ کے تولہ سے ساڑھے باون تولہ ہے۔ (مستفاد: جواہر الفقہ ۳/۴۰۹)

اور ۱۲ ماشہ کا ایک تولہ چھیا نوی رتی کا ہوتا ہے، جواہر الفقہ ۳/۴۰۰، ایضاح الطحاوی ۳/۱۹۳، میں کافی لمبی تحقیقی بحث موجود ہے۔

اور موجود زمانہ کے گراموں کے حساب سے دس گرام کے تولہ سے ۶۱ تولہ ۲ گرام ۳۶۰ ملی گرام یعنی ۶۱۲ گرام ۳۶۰ ملی گرام چاندی کا نصاب ہے، ایضاح الطحاوی ۳/۱۹۳ کا نقشہ ملاحظہ ہو:

اور سونے کا نصاب ۱۲ ماشہ کے تولہ سے ساڑھے سات تولہ ہے، جواہر الفقہ ۳/۴۱۰، اور موجودہ گراموں کے حساب سے ۸۷ گرام ۴۸۰ ملی گرام ہے یعنی دس گرام کے تولہ سے ۸ تولہ ۷ گرام ۴۸۰ ملی گرام سونا کا نصاب ہے۔ (مستفاد: ایضاح الطحاوی ۳/۱۹۳)

چاندی اور سونا کا یہ نصاب بھص حدیث پانچ اوقیہ اور ایک اوقیہ چالیس درہم کا ہے یعنی ۲۰۰ درہم چاندی کا نصاب ہے اس سے کم میں چاندی کی زکوٰۃ واجب نہیں، اور ۲۰۰ مثقال سے کم میں سونا کی زکوٰۃ واجب نہیں اور بیس کا وزن ۱۲ ماشہ کے تولہ سے ساڑھے سات تولہ ہے جو اوپر مذکور ہوا ہے۔ ←

## دین مہر مانع زکوٰۃ ہے یا نہیں؟

**سوال (۷۸۱):** قدیم ۸/۲ - مہر مؤجل جس کے دینے کا بالفعل ارادہ نہ ہو مانع زکوٰۃ ہے یا نہیں؟

**الجواب:** اس میں اختلاف ہے علامہ شامیؒ نے اسکو نقل کر کے لکھا ہے:

زاد القہستانانی عن الجواهر والصحيح أنه غير مانع -

پس صحیح یہی ہوا کہ مانع وجوب نہیں۔ (۱)

۱۵ شعبان ۱۳۲۱ھ (امداد، ص ۱۵۵، ج ۱)

← روایات ملاحظہ فرمائیے:

عن أبي سعيد الخدريؒ قال أن النبي صلى الله عليه وسلم قال: ليس فيما دون خمسة ذود صدقة، وليس فيما دون خمس أواق صدقة، وليس فيما دون خمس أوسق صدقة الحديث - وتحتة - قال أبو عيسى: ليس فيما دون خمسة أواق صدقة والوقية أربعون درهما وخمس أواق مائتا درهم الخ. (ترمذي شريف، كتاب الزكاة، باب ماجاء في صدقة الزرع والتمر، النسخة الهندية ۱/۱۳۶، رقم: ۶۲۶)

عن علي عن النبي صلى الله عليه وسلم ببعض أول الحديث قال فإذا كانت لك مائتا درهم وحال عليها الحال ففيها خمسة دراهم ليس عليك شيء يعني في الذهب حتى تكون لك عشرون ديناراً، فإذا كانت لك عشرون ديناراً وحال عليها الحال ففيها نصف دينار فما زاد فبحساب ذلك. الحديث (أبوداؤد شريف، كتاب الزكاة، باب في زكاة السائمة، النسخة الهندية ۱/۲۲۱، دار السلام رقم: ۱۵۷۳)

عن الشعبي قال في عشرين مثقالاً نصف مثقال وفي أربعين مثقالاً مثقال. (مصنف ابن أبي شيبة ۶/۳۹۱، رقم: ۹۹۶۷) شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

(۱) شامی، کتاب الزکاة، مطلب: الفرق بین السبب والشرط والعلة، مكتبة زكريا ديوبند

۱۷۷/۳، کراچی ۲۶۱/۳ -

قال مشايخنا رحمهم الله تعالى: في رجل عليه مهر مؤجل لا مرأته وهو لا يريد أداءه لا يجعل مانعاً من الزكاة لعدم المطالبة في العادة وأنه حسن أيضاً. (هندية، كتاب الزكاة، الباب الأول في تفسيرها وصفتها وشرائطها، مكتبة زكريا ديوبند قدیم ۱/۱۸۳، جدید ۱/۲۳۴) ←

**سوال (۷۸۲):** قدیم ۸/۲ - دین مہر بشرط نیت ادا مانع وجوب زکوٰۃ واضحیہ ہے یا نہیں؟

**الجواب: (\*)** دین مہر کے مانع زکوٰۃ ہونے میں اختلاف ہے۔ درمختار میں تو مانع کہا ہے۔

(\*) فی هذا الجواب رجوع عن الجواب السابق كما لا يخفى ثم إعلم أن مولانا طال بقائهم رجحوا القول الثاني في الجواب السابق والقول الثالث في هذا الجواب وفي كلا الرجحتين نظر لأن العلة التي جعلوا الدين مانعاً من الزكاة لأجلها موجودة في المهر مطلقاً سواء كان مؤجلاً أو معجلاً كان له نية الأداء أم لا لأنهم قالوا إن حاجة المديون إلى هذا المال حاجة أصلية لأن قضاء الدين من الحوائج الأصلية والمال المحتاج إليه حاجة أصلية لا يكون مال الزكاة. اه شامي.

والمهر مطلقاً دين له مطالب من جهة العباد والمديون مأمور من جهة الشرع بأدائها فيكون هو محتاجاً إلى المال في فراغ الذمة ويكون المال مشغولاً بحاجة أصلية فلا يكون مال الزكاة دنية الأداء وعدمها لا مدخل له في المنع وعدمه لأنه غير مؤثر في العلة كما أن الدين الذي هو يدل مال التجارة أو غيرها لا داخل في اسقاطه الزكاة وعدمه لنية الأداء وعدمها وما يقال من أنه لا يعد ديناً فهو أيضاً غير نافع لأنه لا مدخل للعدد عدمه في كون المديون محتاجاً إلى فراغ الذمة وعدمه وكون المال مشغولاً بالحاجة الأصلية وعدمه لأنه لا براء ذمته من عدم عده ديناً كما لا يخفى فالأظهر عندي القول الأول ولا عبرة لنقل القهستاني عن الجواهر تصحيح الثاني فليتأمل. (بیتغیر تصحیح الانغلاق ص: ۳۰ سے کیا گیا ہے)

← ولو كان على الرجل مهر مؤجل لامرأته وهو لا يريد أداءه لا يجعل مانعاً من الزكاة.

(خلاصۃ الفتاوی، کتاب الزکوٰۃ، الفصل السادس في الديون ومسائها، مكتبة اشرفية ديوبند ۱/ ۲۴۰)

وقيل: المهر المؤجل لا يمنع لأنه غير مطالب به عادة بخلاف المعجل، وقيل:

إن كان الزوج على عزم الأداء منع وإلا فلا لأنه لا يعد ديناً. (البحر الرائق، كتاب الزكاة،

مكتبة زكريا ديوبند ۲/ ۳۵۷، كوئٹہ ۲/ ۲۰۴)

وقيل: المهر المؤجل لا يمنع لأنه غير مطالب به عادة بخلاف المعجل،

وقيل: إن كان الزوج عزم على الأداء منع وإلا فلا لأنه لا يعد ديناً وفي القهستاني:

والصحيح ان المؤجل غير مانع كما في الجواهر. (حاشية الطحطاوي على الدر المختار،

كتاب الزكاة، كوئٹہ ۱/ ۳۹۱) شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

مؤجل ومُجل ہر دو کو (۱) اور طحاوی نے دو قول بیان کئے ہیں مُجل مانع ہے مؤجل مانع نہیں، اگر مہر ادا ہو مانع ہے ورنہ نہیں لٰئنہ لا یعد دینا (۲) پس کل تین قول ہیں اور طحاوی نے قہستانی سے قول ثانی کی ترجیح تصحیح نقل کی ہے (۳) مگر میرے نزدیک قول ثالث قابل ترجیح ہے۔ واللہ اعلم (امداد، ص ۱۶۸، ج ۱)

(۱) سبب افتراضها ملک نصاب حولی..... تام..... فارغ عن دین له مطالب من جهة العباد سواء كان لله كزكاة وخراج أو للعبد ولو كفالة أو مؤجلاً ولو صداق زوجته المؤجل للفرق الخ. (الدر المختار، کتاب الزکوة، مکتبہ زکریا دیوبند ۱۷۴/۳-۱۷۷) وکذا المهر يمنع مؤجلاً كان أو معجلاً لٰئنہ مطالب به، کذا في محیط السرخسی وهو الصحيح علی ظاهر المذهب. (الہندی، کتاب الزکوة، الباب الأول في تفسیرها وصفتها وشرائطها، مکتبہ زکریا قدیم ۱۷۳/۱، مکتبہ زکریا جدید ۲۳۴/۱) وقيل في دين المهر: أنه يمنع وجوب الزكاة كسائر الديون وفي الفتاوى العتابية: معجلاً كان أو مؤجلاً. (الفتاوى التارخانية، کتاب الزکوة، باب ما يمنع وجوب الزکوة، زکریا ۲۳۵/۳، رقم: ۴۲۲۶)

(۲) وقيل: المهر المؤجل لا يمنع لٰئنہ غیر مطالب به عادة بخلاف المعجل، وقيل: إن كان الزوج عزم على الأداء منع وإلا فلا لٰئنہ لا یعد دیناً. (البحر الرائق، کتاب الزکوة، مکتبہ زکریا دیوبند ۳۵۷/۲، کوئٹہ ۲۰۴/۲) وقيل: المهر المؤجل لا يمنع لٰئنہ غیر مطالب به عادة بخلاف المعجل، وقيل: إن كان الزوج عزم على الأداء منع وإلا فلا لٰئنہ لا یعد دینا وفي القهستاني: والصحيح ان المؤجل غير مانع كما في الجواهر. (حاشیة الطحطاوي علی الدر المختار، کتاب الزکوة، کوئٹہ ۳۹۱/۱)

وقيل: المؤجل لا يمنع، وقيل: إن كان الزوج على عدم قضائه يمنع وإلا فلا، إذ لا یعد دینا في زعمه. (البنایة شرح الهدایة، کتاب الزکوة، مکتبہ اشرفیہ دیوبند ۳۰۱/۳) ولو كان عليه مهر لامرأته وهو لا يريد أداءه لا يجعل مانعاً من الزکوة، ذكره في التحفة عن بعضهم لٰئنہ لا یعد دینا..... وقال بعضهم: إن كان مؤجلاً لا يمنع لٰئنہ غیر مطالب به عادة. (فتح القدیر، کتاب الزکوة، مکتبہ زکریا دیوبند ۱۷۳/۲)

(۳) قال الطحطاوي: وفي القهستاني: والصحيح أن المؤجل غير مانع كما في الجواهر. (حاشیة الطحطاوي علی الدر المختار، کتاب الزکوة، کوئٹہ ۳۹۱/۱) ←

**سوال (۷۸۳):** قدیم ۲/- کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس صورت میں کہ زید کے ذمہ چار ہزار روپیہ دین مہر مؤجل ہے آیا یہ دین صدقہ فطر و اضحیہ و ایفاء نذر و زکوٰۃ و حج کو مانع ہے یا نہیں؟ در صورت اول امور خمسہ کو مانع ہے یا بعض کو؟

**الجواب:** شامی نے کتاب الزکوٰۃ میں اختلاف نقل کر کے جواہر سے بحوالہ تہستانی نقل کیا ہے۔

والصحيح أنه غير مانع. جلد ۲ صفحہ ۸. (۱)

اور جب یہ زکوٰۃ کو مانع نہیں تو واجبات کو بھی مانع نہیں کہ زکوٰۃ کی شرائط سب سے اشد ہیں۔ (۲)

۸ محرم الحرام ۱۳۳۲ھ (تمتہ ثانیہ، ص ۱۱۱)

**سوال (۷۸۳):** قدیم ۲/۹- دوسرا مسئلہ یہ ہے کہ میری والدہ مرحومہ کا کچھ زیور ہے جس کے ۵۰ روپیہ سال زکوٰۃ کے ہیں جو کہ میرے اوپر واجب الاداء ہیں، مگر مجھ کو مہر بھی اداء کرنا ہے جس میں کہ ایک ہزار تو مجمل تھا جو کہ اداء کر دیا گیا اور باقی نو ہزار کا اداء کرنا باقی ہے، تو ایسی حالت میں میرے اوپر زکوٰۃ واجب ہوگی یا نہیں؟ والد صاحب فرماتے ہیں کہ عالمگیری میں ہے کہ نہیں ہوگی، جس کی عبارت یہ ہے:

و كذا لك المهر يمنع مؤجلاً كان أو معجلاً لأنه مطالب به كذا في المحيط السرخسي وهو صحيح على ظاهر المذهب آه. عالمگیری ۱/۲۸۳، مطبوعه مصر كتاب الزکوٰۃ. (۳)

← وھكذا في رد المحتار على الدر المختار، كتاب الزكاة، مطلب: الفرق بين السبب والشرط والعلة، مكتبة زكريا ديوبند ۳/۱۷۷، كراچی ۲/۲۶۱- شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

(۱) شامی، کتاب الزكاة، مطلب: الفرق بين السبب والشرط والعلة، مكتبة زكريا ديوبند ۳/۱۷۷، كراچی ۲/۲۶۱-

وھكذا في حاشية الطحطاوي على الدر المختار، كتاب الزكاة، كوئٹہ ۱/۳۹۱-

(۲) وصدقۃ الفطر كالزكاة في المصارف وفي كل حال (الدر المختار) وفي الشامية: ليس المراد تعميم الأحوال مطلقاً من كل وجه فإن لكل شروطاً ليست للأخرى لأنه يشترط في الزكاة الحول والنصاب النامي والعقل والبلوغ وليس شيء من ذلك شرطاً هنا.

(شامی، کتاب الزكاة، باب صدقة الفطر، مطلب في مقدار الفطرة بالمد الشامي، مكتبة زكريا ديوبند ۳/۳۲۵، كراچی ۲/۳۶۹) شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

(۳) الھندیہ، کتاب الزكاة، الباب الأول في تفسيرها وصفتها وشروطها زكريا

قدیم ۱/۱۷۳، جدید ۱/۲۳۴-

**الجواب:** اس میں دوسری روایت عدم مانعیت مہر لوجوب الزکوٰۃ کی بھی ہے، پس تطبیق دونوں میں یہ ہے کہ اگر اس شخص کی نیت ادائے مہر کی ہو تو یہ دین مانع وجوب زکوٰۃ ہوگا اور اگر نیت نہیں ہے تو نہ ہوگا۔ (۱) لیکن اگر مہر بعد میں واجب ہوا ہے اور زیور آپ کی ملک میں پہلے داخل ہو چکا تو وجوب مہر کے قبل کی زکوٰۃ بلا اختلاف واجب ہوگی۔ (۲)

۱۸ ربیع الثانی ۱۳۳۳ھ (تمتہ ثالثہ، ص ۳۱)

(۱) وقیل: إن كان من نية الزوج أنها متى طالبتة تلقاها بلطف وبعدها أنه متى صادف مالا لا ييطل حقها يمنع وجوب الزكاة، وإن كان من نيته متى طالبتة تلقاها بالإنكار ويضربها لا يمنع وجوب الزكاة. (الفتاوى التاتارخانية، كتاب الزكاة، الفصل العاشر في بيان ما يمنع وجوب الزكاة، زكريا ۳/۲۳۵، رقم: ۴۲۲۶)

وقیل: إن كان الزوج على عزم الأداء منع وإلا فلا لأنه لا يعد ديناً. (البحر الرائق، كتاب الزكاة، مكتبة زكريا ديوبند ۲/۳۵۷، كوئٹہ ۲/۴۰۴)

و كذا في حاشية الطحطاوي على الدر المختار، كتاب الزكاة، كوئٹہ ۱/۳۹۱۔

ومجمع الأنهر، كتاب الزكاة، عباس أحمد الباز ۱/۲۸۶۔

(۲) وسببه أي سبب افتراضها ملك نصاب حولي تام..... فارغ عن دين له مطالب من جهة العباد (الدر المختار) وفي الشامية: وهذا إذا كان الدين في ذمته قبل وجوب الزكاة، فلو لحقه بعده لم تسقط الزكاة لأنها ثبتت في ذمته فلا يسقطها ما لحق من الدين بعد ثبوتها. (شامي، كتاب الزكاة، مطلب: الفرق بين السبب والشرط والعلة، مكتبة زكريا ديوبند ۳/۱۷۴-۱۷۶، وكراچی ۲/۲۵۹-۲۶۰)

وأما الدين المعترض في خلال الحول فإنه يمنع وجوب الزكاة بمنزلة هلاكه عند محمد، وعند أبي يوسف لا يمنع بمنزلة نقصانه..... وأما الحادث بعد الحول فلا يسقط الزكاة اتفاقاً. (البحر الرائق، كتاب الزكاة، مكتبة زكريا ديوبند ۳/۳۵۸-۳۵۹، كوئٹہ ۲/۲۰۵)

و كذا في حاشية الطحطاوي على الدر المختار، كتاب الزكاة، كوئٹہ ۱/۳۹۰۔

وهذا كله إذا كان الدين في ذمته قبل وجوب الزكاة أما إذا لحقه الدين بعد وجوب

سوال (۷۸۵): قدیم ۹/۲ - دین مہر مسقط زکوٰۃ ہے یا نہیں؟

**الجواب:** في الدر المختار باب الزكاة فارغ عن دين له مطالب من جهة العباد الى قوله ولو صدق زوجته المؤجل للفراق. وفي رد المحتار: عزاه في المعراج إلي شرح الطحاوي. وقال عن أبي حنيفة: لا يمنع وقال صدر الشهيد لارواية فيه ولكل من المنع وعدمه وجه زاد القهستاني عن الجواهر والصحيح أنه غير مانع جلد ۲ صفحہ ۷، ۸، (۱)

اس سے مسئلہ کا مختلف فیہ ہونا اور مانع عن وجوب الزکوٰۃ نہ ہونے کا صحیح ہونا ثابت ہوا۔

۱۸ محرم ۱۳۳۲ھ (تمتہ خامسہ، ص ۲۳۹)

← الزكاة لم تسقط الزكاة؛ لأنها قد ثبتت في ذمته واستقرت فلا يسقطها مال حق من الدين بعد ثبوتها. (الجوهرة النيرة، كتاب الزكاة، دار الكتاب ديوبند ۱/۱۳۸)

والدين اللاحق بعد الحول لا يسقط الزكاة. (خلاصة الفتاوى، كتاب الزكاة، الفصل السادس في الديون ومسائلها، مكتبة اشرفية ديوبند ۱/۲۴۰) شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

(۱) الدر المختار مع رد المحتار، كتاب الزكاة، مكتبة زكريا ديوبند ۳/۱۷۶-۱۷۷، وکراچی ۲۶۰-۲۶۱۔

فارغ عن دين له مطالب من جهة العباد سواء كان لله كزكاة وخراج أو للعبد ولو كفالة أو مؤجلاً ولو صدق زوجته المؤجل للفراق (الدر المختار) وفي هامش الطحطاوي: قوله المؤجل وقيل: المهر المؤجل لا يمنع لأنه غير مطالب به عادة بخلاف المعجل. وقيل: إن كان الزوج عزم على الأداء منع وإلا فلا لأنه لا يعد ديناً. وفي القهستاني: والصحيح أن المؤجل غير مانع. (طحطاوي على الدر، كتاب الزكاة كوئٹہ ۱/۳۹۱)

قال مشايخنا رحمهم الله تعالى: في رجل عليه مهر مؤجل لامرأته وهو لا يريد أداءه لا يجعل منعاً من الزكاة لعدم المطالبة في العادة وأنه حسن أيضاً. (الهندية، كتاب الزكاة، الباب الأول في تفسيرها وصفتها وشرائطها، مكتبة زكريا قديم ۱/۱۷۳، زكريا جديد ۱/۲۳۴) شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

## تنخواہ اور رشوت ملے ہوئے مال میں زکوٰۃ کا حکم

**سوال (۷۸۶):** قدیم ۱۰/۲۔ تنخواہ اور رشوت دونوں مخلوط ہیں ان پر زکوٰۃ ہوگی یا نہیں؟

**الجواب:** مجموعہ پر زکوٰۃ واجب ہوگی۔ (\*)

في الدر المختار: لو خلط السلطان المال المغصوب بما له ملكه فتجب الزکوۃ إلى قوله لأن الخلط استهلاك آه. (۱) فقط.

۱۵ شعبان المعظم ۱۳۲۱ھ (امداد، ص: ۱۵۶ ج ۱)

## امداد الفتاویٰ جلد اول ص ۱۵۶

**خلاصہ سوال:** زکوٰۃ در مال مخلوط از رشوت و تنخواہ۔

**خلاصہ جواب:** وجوب زکوٰۃ۔

(\*) یعنی بشرائط معلومہ زکوٰۃ جن میں فراغ عن الدین بھی ہے، پس چونکہ مال حرام غلط سے مستہلک ہو جاتا ہے اور استہلاک سے مستہلک کے ذمہ دین ہو جاتا ہے؛ اس لئے دیکھا جائے گا کہ اگر مال مخلوط میں سے بقدر مال حرام کے نکال کر بقدر نصاب بچتا ہے تو باقی پر زکوٰۃ واجب ہوگی ورنہ زکوٰۃ واجب نہ ہوگی۔  
حضرت مولانا کے جواب پر بعض علمائے نے کلام کیا ہے جو کہ ملحقات تتمہ اولیٰ میں مذکور ہے اور احقر نے اصلاحات ملحقات میں اس پر کلام کیا۔ ۱۲ تصحیح الاغلاط ص: ۲۶۔ سعید احمد پالن پوری

(۱) الدر المختار مع رد المحتار، کتاب الزکاة، باب زکاة الغنم، مکتبۃ زکریا دیوبند ۲۹۷/۳، وکراچی ۲۹۰/۲۔

ولذا قالوا: لو أن سلطاناً غصب مالا و خلطه صار ملكاً له حتى وجبت عليه الزکاة وورث عنه علی قول أبي حنيفة لأن خلط دراهمه بدرهم غيره عنده استهلاك. (البحر الرائق، کتاب الزکاة، مکتبۃ زکریا دیوبند ۳۵۹/۲، کوئٹہ ۲۰۵/۲)

ولذا قالوا: لو أن سلطاناً غصب مالا و خلطه صار ملكاً له حتى وجبت عليه الزکاة وورث عنه ولا يخفى أن هذا بناء على قول الإمام من أن خلط دراهمه بدرهم غيره استهلاك. (النهر الفائق، کتاب الزکاة، مکتبۃ زکریا دیوبند ۴۱۳/۱)



**تسامح:** قید ضروری در جواب متروک نمودن و آں واجب الذکر بود۔

وهذا إذا كان له مال غير ما استهلكه بالخلط منفصل عنه يوفي دينه الخ  
در المختار .

**اصلاح تسامح:** واجب بود که تمام شرائط که در وجوب زکوٰۃ مال مخلوط حلال به حرام در کتاب  
الدر المختار و رد المحتار بود از آن روایت ماخوذه امداد الفتاویٰ درج فرموده باشند تا که سائل در غلطی نه افتد، تمام  
عبارت هر دو کتاب تحریر کرده می شود بعد مقتضود بوضوح خواهد انجامید۔

ولو خلط السلطان المال المصوب بما له ملكه فتجب الزكوة فيه ويورث عنه  
لأن الخلط استهلاك إذا لم يمكن تميزه عند أبي حنيفة: وقوله: ارفق إذ قلما يخلو  
مال عن غصب. وهذا إذا كان له مال غير ما استهلكه بالخلط منفصل عنه يوفي دينه  
وإلا فلا زكوة كما لو كان الكل خبيثاً. كما في النهر ١٢، الدر المختار ص: ٣٩. (١)  
قوله كما (٢) في النهر: أي أول كتاب الزكوة عند قول الكنز وملك النصاب  
حولی ومثله في الشر بنلالية (٣) وذكره في شرح الوهبانية بحثاً وفي فصل العاشر من  
التتارخانية عن فتاوی الحجة من ملك أموال غير طيبة أو غصب أموالاً وخلطها  
ملكها بالخلط ويصير ضامناً وإن لم يكن له سواها نصاباً فلا زكوة عليه فيها، وإن بلغت  
نصاباً؛ لأنه مديون ومال المديون لا ينعقد سبباً لوجوب الزكوة عندنا. اهـ (٤)

(١) الدر المختار مع رد المحتار، كتاب الزكاة، باب زكوة الغنم مكتبة زكريا ديوبند

۲۱۷/۳-۲۱۸، کراچی ۲/۲۹۰-۲۹۱۔

(٢) النهر الفائق، كتاب الزكاة، مكتبة زكريا ديوبند ۱/۴۱۳-۴۱۴۔

(٣) مالک لنصاب دخل فيه ما ملكه بسبب خبيث كمغصوب خلطه لا إذا كان

له غيره منفصل عنه يوفي دينه. (طحطاوي على مراقي الفلاح، كتاب الزكاة، دار الكتاب

ديوبند ص: ۷۱۴)

(٤) الفتاوى التتارخانية، كتاب الزكاة، الفصل العاشر في بيان ما يمنع وجوب الزكاة،

مكتبة زكريا ديوبند ۳/۲۳۳، رقم: ۴۲۱۸۔

فافاد بقوله: وإن لم يكن سواها نصاب الخ. إن وجوب الزكوة مقيد بما إذا كان له نصاب سواها وبه يندفع ما استشكله في البحر من أنه ملكه بالخلط فهو مشغول بالدين فينبغي أن لا تجب الزكوة. اه (۱) لكن لا يخفى أن الزكوة حينئذ إنما تجب فيما زاد عليها لا فيها لا يقال يمكن أن يكون له المال سواها مما لا زكوة فيه كدور السكنى وثياب البذلة مما يبلغ المقدار ماعليه أو يزيد فتجب الزكوة فيهما من غير أن يكون له نصاب آخر سواها لأننا نقول أنه لما خلطها ملكها وصار مثلها دينا في ذمته لا عينها وقدمنا ان الدين يصرف أولاً إلى مال الزكوة دون غيره حتى لو زوج على خادم بغير عينه وله مائتا درهم وخادم صرف دين المهر إلى المائتين دون الخادم أي فلو حال الحول على المائتين لا زكوة عليه لاشتغالها بدين مع وجود ما يبقى به من جنسه وهو الخادم وهنا كذلك ما لم يملك نصاباً زائداً نعم تظهر الثمرة فيما إذا برأه المغصوب منهم كما نقله في البحر عن المبتغى بالغين المعجمة وقال هو قيد حسن يجب حفظه انتهى وإذا صالح غير ماءه على عقار مثلاً فيبقى ما غصبه سالماً عن الدين فتجب زكاته الى آخر ۲ ارد المحتار ص: ۴۰، (۲) باب زكوة هكذا في الكتاب والله تعالى اعلم بالصواب.

حرره: فقير محمد بخش ساکن چوٹی

**تکملہ اطلاع نمبرہ:** وہ حواشی لکھے جا چکے ہیں عنقریب انشاء اللہ شائع ہو جائیں گے۔

اشرف علی ۷ ارجب ۱۳۳۲ھ تتمہ اولی، ص ۳۴۰

## گوٹہ اور کلابتون کی زکوٰۃ اندازہ سے ادا کرنا

**سوال (۷۸۷):** قدیم ۱۱/۲ - اگر گوٹا و کلابتون وغیرہ پر زکوٰۃ ہو اور وہ کپڑوں پر ٹکے ہوئے

ہوں تو اندازہ کیا جائے گا یا نہیں؟

(۱) البحر الرائق، کتاب الزکاة، مکتبۃ زکریا دیوبند ۳۵۹/۲، کوئٹہ ۲۰۵/۲۔

(۲) شامی، کتاب الزکاة، باب زکاة الغنم، مکتبۃ زکریا دیوبند ۳/۲۱۸، کراچی

۲۹۰/۲ - شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

**الجواب:** اندازہ کیا جاوے گا اور احتیاط یہ ہے کہ اندازہ سے کچھ زائد سمجھا جاوے۔ (۱) فقط

۱۵ شعبان (امداد، ص ۱۵۶، ج ۱)

## زرین اور ریشمی کپڑے کی زکوٰۃ

**سوال (۷۸۸):** قدیم ۱۱/۲ - کنواری میں غالب پارچہ ہوتا ہے اس کا علیحدہ اعتبار ہوگا یا

دیگر اشیاء کے لحاظ سے؟

**الجواب:** غالب کے یہ معنی نہیں جیسا (۲) کہ اس سوال سے چار سوال پہلے مذکور ہوا؛ اس لئے

(۱) اندازہ سے زائد اس لئے دیا جائے کہ عبادت میں احتیاط کا پہلو اختیار کرنا لازم ہوتا ہے۔

لأن الإحتیاط فی العبادۃ واجب کما صرحوا به فی کثیر من المسائل الخ. (شامی،

کتاب الزکاة، باب زکوٰۃ المال، مکتبۃ زکریا دیوبند ۳/۲۳۱، کراچی ۲/۳۰۰)

الثانی له إبلٌ، وبقرٌ، وغنم سائمة وشک فی أن علیہ زکوٰۃ کلها أو بعضها ینبغی أن

تلتزمه زکوٰۃ کل الخ. (الأشباه والنظائر، القاعدة الثالثة قدیم ۱/۱۰۸، جدید مکتبۃ زکریا

۱/۱۹۷) شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

(۲) إذا کان الغالب علی الورق المضروب الفضة، فهو فی حکم الفضة فتجب فیہ

الزکاة کأنه کله فضة ولا تنزکی زکوٰۃ العروض، ولو کان قد أعدھا للتجارة..... أما إن کان

الغش غالباً فلا یكون لها حکم الفضة بل حکم العروض فلا زکاة فیہا إلا أن نواھا للتجارة

وبلغت نصاباً بالقيمة فإن لم ینوها للتجارة فإن كانت بحیث یخلص منها فضة تبلغ نصاباً

وجبت زکاتها وإلا فلا. (الموسوعة الفقهیة الكويتیة، کتاب الزکاة ۲۳/۲۶۵)

إذا کان الغالب علی الورق الفضة فهو فی حکم الفضة وإذا کان الغالب علیہا

الغش فهو فی حکم العروض یعتبر أن تبلغ قیمته نصاباً لأن الدرهم لا تخلو عن قلیل غش

لأنها لا تنطبع إلا به وتخلو عن الكثير فجعلنا الغلبة فاصلة وهو أن یرید علی النصف

اعتباراً للحقیقة إلا ان فی غالب الغش لابد من نية التجارة کما فی سائر العروض إلا إذا

کان تخلص منها فضة تبلغ نصاباً لأنه لا یعتبر فی عین الفضة القيمة ولانية التجارة.

(هدایة، کتاب الزکاة، اشرفی بکذبو ۱/۱۹۵) ←

اس میں جس قدر چاندی ہوگی اس پر زکوٰۃ واجب ہے۔ (۱) فقط واللہ اعلم

۱۵ شعبان ۱۴۲۱ھ (امداد، ص ۱۵۶، ج ۱)

## نصاب پر حوالانِ حول کا مطلب

**سوال (۷۸۹):** قدیم ۱۱/۲ - ایک شخص کی آمدنی روزمرہ کی ہے وہ روپیہ بینک میں بدمانت بلا سودی جمع کرتا جاتا ہے مثلاً ماہ جنوری سے دسمبر تک آمدنی معتد بہ قابل زکوٰۃ ہوگئی آخر ماہ دسمبر تک اس کا حساب زکوٰۃ کیوں کر دیا جاوے؟ کسی آمدنی پر گیارہ ماہ گزرے، کسی پر دس کسی پر دو چار دن اسی آمدنی سے خرچ ہوتا رہا، مگر اختتام سال پر باوجود خرچ کے وہ قابل زکوٰۃ ہے؛ لیکن کسی آمدنی پر سال پورا نہیں گزرا جیسا کہ اوپر بیان کیا گیا؟

← کذا فی موسوعة الفقه الإسلامي والقضايا المعاصرة، زكاة النقود، المكتبة الأشرفية دیوبند ۶۷۲/۲ -

(۱) لا يعتبر في نصاب الذهب أيضاً صفة زائدة على كونه ذهباً، فتجب الزكاة في المضروب والتبر والمصوغ والحلي (إلى قوله) فيعتبر قدر ما فيها من الذهب والفضة وزناً لأن كل واحد يخلص بالاذابة. (بدائع الصنائع، كتاب الزكاة، صفة الذهب، مكتبة زكريا دیوبند ۱۰۵-۱۰۶)

واللازم في مضروب كل منهما ومعموله ولو تبراً أو حلياً مطلقاً (الدر المختار) وفي الشامية: ومعموله أي ما يعمل من نحو حلية سيف أو منطقة أو لجام أو سرج أو الكواكب في المصاحف والأواني وغيرها، إذا كانت تخلص بالاذابة. (الدر المختار مع رد المحتار، كتاب الزكاة، باب زكاة المال، مكتبة زكريا دیوبند ۲۲۷/۳، کراچی ۲۹۷/۲-۲۹۸)

تجب الزكاة في الذهب والفضة مضروباً أو تبراً أو حلياً مصوغاً أو حلية سيف أو منطقة أو لجام أو سرج أو الكواكب في المصاحف والأواني وغيرها إذا كانت تخلص عن الإذابة سواء كان يمسكها للتجارة أو للنفقة أو للتجمل أو لم ينو شيئاً. (البحر الرائق، كتاب الزكاة، باب زكاة المال، مكتبة زكريا دیوبند ۳۹۴/۲، کوئٹہ ۲۲۶/۲) شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

**الجواب:** جس وقت سے وہ ذخیرہ بقدر نصاب ہو گیا ہو اس تاریخ سے سال شروع ہوگا اور اس سال کے ختم پر جس قدر اس وقت موجود ہوگا بشرطیکہ نصاب سے کم نہ ہو سب پر زکوٰۃ واجب ہوگی، گو ہر جزو پر سال نہ گزرا ہو، اور گودر میان سال کے نصاب سے کم رہ گیا ہو۔

وفي الدر المختار: و شرط کمال النصاب ولو سائمة في طرفي الحول فلا يضر نقصانه بينهما. آ۵. (۱)

۳ ذی الحجہ ۱۳۲۱ھ (امداد ص ۱۵۷، ج ۱)

(۱) الدر المختار علی رد المحتار، کتاب الزکاة، باب زکاة المال، مکتبہ زکریا دیوبند ۲۳۳/۳، کراچی ۲/۳۰۲۔

فکمال النصاب مشروط وجوب الزکاة.....ولکن هذا الشرط يعتبر في أول الحول وفي آخره لا في خلاله حتى لو انتقص النصاب في اثناء الحول، ثم کمل في آخره تجب الزکاة سواء كان من السوائم أو من الذهب والفضة أو مال التجارة. (بدائع الصنائع، کتاب الزکاة، بیان ما یقطع حکم الحول وما لا یقطع، مکتبہ زکریا دیوبند ۲/۹۹)

ذهب الحنفية إلى أن المعتبر طرفا الحول فإن تم النصاب في اوله و آخره وجبت الزکاة ولو نقص المال عن النصاب في اثنائه ما لم یعدم المال کلیة فإن انعدم لم یعتقد الحول إلا عند تمام النصاب وسواء انعدم لتلفه أو لخروجه عن أن یكون محلاً للزکاة کما لو كان له نصاب سائمة فجعلها في الحول علوفة. (الموسوعة الفقهية الكويتية، کتاب الزکاة ۲۳/۲۴۵)

ومنها أي شروط وجوب الزکاة حولان الحول علی المال العبرة في الزکاة للحول القمري وإذا كان النصاب كاملاً في طرفي الحول فنقصانه فيما بین ذلك لا یسقط الزکاة.

(الهندية، کتاب الزکاة، الباب الأول في تفسیرها وصفتها وشرائطها، مکتبہ زکریا قدیم ۱/۱۷۵، جدید ۱/۲۳۶)

یشترط کون النصاب کاملاً في طرفي الحول سواء بقي في اثنائه کاملاً أم لا فإذا ملک إنسان نصاباً في بدء الحول ثم استمر کاملاً لنهاية الحول من غیر أن ینقطع تماماً في الاثناء، أویذهب کله في اثناء العام، وجبت الزکاة وتجب أيضاً إن نقص في اثناء الحول ثم تم في آخره، فنقصان النصاب في الحول لا یضر إن کمل في طرفیه. (موسوعة الفقه)

الإسلامي والقضايا المعاصرة، كتاب الزكاة، سبب الزكاة وشروطها وركنها، مكتبة اشرفية ديوبند  
۶۵۵/۲) شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

## بعض رشتہ داروں کو زکوٰۃ دینا

**سوال (۷۹۰):** قدیم ۱۳/۲ - اپنے حقیقی یا علاقائی یا اخائی یا رضاعی بھائی بہن یا بھانجے یا بھانجی یا بھتیجے یا بھتیجی یا ماموں یا خالہ یا پھوپھی یا سالہ یا سالی یا ساس کو خواہ بالغ ہوں یا نابالغ زکوٰۃ و فطرہ دینا جائز ہے یا نہیں؟

**الجواب:** جائز ہے (۱) اگر وہ نابالغ ہے تو اس میں یہ بھی شرط ہے کہ اس کا باپ غنی نہ ہو، اگرچہ ماں غنی ہو۔

(۱) عن سلمان بن عامر يبلغ به النبي صلى الله عليه وسلم قال: إذا افطر أحدكم فليفطر على تمر فإنه به بركة، فإن لم يجد تمرًا فالماء فإنه طهور فقال: الصدقة على المسكين صدقة وهي على ذي الرحم ثنتان صدقة وصلة. الحديث (ترمذي شريف، كتاب الزكاة، باب ماجاء في الصدقة على ذي القرابة، النسخة الهندية ۱/ ۱۴۲، دار السلام رقم: ۶۵۸)

ولا يصح دفعها لكافر وغني يملك نصاباً أو ما يساوي قيمته من اي مال كان فاضل عن حوائجه الأصلية وطفل غني ..... وأصل المزكي وفرعه الخ (مراقي الفلاح) قال الطحطاوي: ومن سوى ما ذكر يجوز الدفع إليهم كالأخوة والأخوات والأعمام والعمات والأخوال والخالات الفقراء؛ بل هم أولى لما فيه من الصلة مع الصدقة، ثم بعدهم الأقارب ثم الجيران. (حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، كتاب الزكاة، باب المصروف، دار الكتاب ديوبند ص: ۷۲۰-۷۲۱)

ذكر الزند ويستي: الأفضل صرف الزكاتين، يعني صدقة الفطر وزكاة المال إلى أحد هؤلاء السبعة، الأول إخوته الفقراء وأخواته، ثم إلى أولادهم، ثم إلى أعمامهم الفقراء، ثم إلى أحواله وخالته، ثم ذوي الأرحام الفقراء، ثم إلى جيرانه الخ. (الفتاوى التاتارخانية، كتاب الزكاة، من توضع فيه الزكاة، مكتبة زكريا ديوبند ۲۰۵-۲۰۶، رقم: ۴۱۳۶)

وأصله وإن علا وفرعه وإن سفل أي لا يجوز الدفع إلى أبيه وجده وإن علا ولا إلى ولده وولد ولده وإن سفل (إلى قوله) وقيد بأصله وفرعه لأن من سواهم من القرابة يجوز الدفع لهم وهو أولى لما فيه من الصلة مع الصدقة كالإخوة والأخوات والأعمام والعمات ← في الدر المختار: ولا إلى طفله بخلاف ولده الكبير وأبيه وامرأته الفقراء وطفل الغنية فيجوز لإنتفاء المانع. اه (۱)

قلت الضمائر في طفله وولده وأبيه وامرأته راجعة إلى الغنى كما في الشامية.

۲۶/محرم الحرام ۱۳۲۲ھ (امداد، ص ۵۸ ج ۱)

## مقام مال کے فقراء کا زیادہ حقدار ہونا

**سوال (۷۹۱):** قدیم ۱۲/۲ - ایک شخص وطن اصلی میں کم رہتا ہے وطن اقامت میں زیادہ رہتا ہے تو زکوٰۃ کہاں کے لوگوں کو دینا چاہیے؟

← والأحوال والخالات الفقراء. (البحر الرائق، كتاب الزكاة، باب المصرف، مكتبة زكريا ديوبند ۲/۴۲۵، وكرئته ۲/۲۴۳)

(۱) الدر المختار مع رد المحتار، كتاب الزكاة، باب المصرف، مكتبة زكريا ديوبند ۳/۲۹۸، كراچی ۲/۳۴۹-۳۵۰۔

و(لا أبي) غني يملك نصاباً وعبد وطفله (كنز) وفي البحر: وإنما منع من الدفع لطفل الغني لأنه يعد غنياً بغناء أبيه وهو يفيد أن الدفع لولد الغنية جائز إذ لا يعد غنياً بغناء أمه ولو لم يكن له أب. (البحر الرائق، كتاب الزكاة، باب المصرف، مكتبة زكريا ديوبند ۲/۴۲۹، وكرئته ۲/۴۴۶)

ولا أمي (طفله) أي الغني أيضاً ذكراً كان أو أنثى في عياله أولاً على الأصح لما أنه يعد غنياً بغناءه وأفاد كلامه أن طفل الغنية يجوز الدفع إليه ولو كان أبوه ميتاً لانتهاء المانع الخ. (النهر الفائق، كتاب الزكاة، باب المصرف، مكتبة زكريا ديوبند ۱/۴۶۵)

(وعبد وطفله) أي لا يجوز دفعها إلى عبد الغني وولده الصغير (إلى قوله) وأما ولده

الصغير فالأنه يعد غنياً بيسار أبيه بخلاف ما إذا كان كبيراً لأنه لا يعد غنياً بمال أبيه وإن كانت نفقته عليه ولا فرق في ذلك بين الذكر والأنثى وبين أن يكون في عيال الأب أو لم يكن في الصحيح (تبين) وفي حاشية الجلي، إن لم يكن للصغير أب وله أم غنية يجوز الدفع إليه . (تبين الحقائق، كتاب الزكاة، باب المصرف، مكتبة زكريا ديوبند ۱۲۵/۲) شبير احمد قاسمی عفا الله عنه

**الجواب:** في رد المحتار: ويعتبر في الزكاة مكان المال في الروايات كلها واختلف في صدقة الفطر كما ياتي. آه (۱)

اس روایت پر جس مال کی زکوٰۃ دی ہے وہ مال جس جگہ موجود ہو وہاں کے لوگ احق ہیں۔  
 ”إلا بعارض فصلوه“ اور اگر پھر بھی دوسری جگہ بھیج دے تو بھی اداء ہو جائے گی۔ (۲) فقط واللہ اعلم  
 ۲۶ / محرم الحرام ۱۴۲۳ھ (امداد، ص ۱۵۸، ج ۱)

(۱) شامی، کتاب الزكاة، باب المصرف، مكتبة زكريا ديوبند ۳/۴، ۳۰  
 وکراچی ۲/۳۵۳۔

وكذا في النهر الفائق، كتاب الزكاة، باب المصرف، مكتبة زكريا ديوبند ۱/۴۶۹۔  
 (۲) عن ابن عباس أن النبي صلى الله عليه وسلم بعث معاذاً إلى اليمن فقال: أدهم إلى شهادة أن لا إله إلا الله وأنني رسول الله، فإن هم أطاعوا لذلك فأعلمهم أن الله افترض عليهم خمس صلوات في كل يوم وليلة، فإن هم أطاعوا لذلك فأعلمهم أن الله افترض عليهم صدقة في أموالهم تؤخذ من أغنيائهم وترد في فقرائهم. (صحيح البخاري، كتاب الزكاة، باب وجوب الزكاة، النسخة الهندية ۱/۱۸۷، رقم: ۱۳۷۹، ف: ۱۳۹۵)

والصحيح لمسلم، كتاب الأيمان، باب الدعاء إلى الشهادتين وشرائع الإسلام، النسخة الهندية ۱/۳۶، بيت الأفكار الدولية رقم: ۱۹۔

ويكره نقل الزكاة من بلد إلى بلد، وإنما تفرق صدقة كل فريق فيهم لما روينا من حديث معاذ وهو قوله فردها في فقرائهم هذا والمعتبر في الزكاة مكان المال، وفي الهداية: إلا أن ينقلها الإنسان إلى قرابته أو إلى قوم هم أحوج من أهل بلده لما فيه من الصلة أو زيادة دفع الحاجة، ولو نقل إلى غيرهم أجزاءه وإن كان مكروهاً لأن المصرف مطلق الفقراء بالنص.



\*\*\*\*\*

(فتح القدیر، کتاب الزکاة، باب من يجوز دفع الصدقة إليه ومن لا يجوز، مكتبة زكريا ديوبند ۲/۲۸۴)

وإنما تفرق صدقة كل أهل بلد فيهم لقول النبي صلى الله عليه وسلم: تؤخذ من أغنيائهم فترد على فقرائهم؛ ولأن فيه رعاية حق الجوار، والمعتبر بلد المال لا بلد المزكي، واستثنى الحنفية أن ينقلها المزكي إلى قرابته لمن في إيصال الزكاة إليهم من صلة الرحم، قالوا: ويقدم الأقرب فالأقرب، واستثنوا أيضاً أن ينقلها إلى قوم هم أحوج إليها من أهل بلده، ←

## غیر جنس سے زکوٰۃ ادا کرنا

**سوال (۷۹۲):** قدیم ۱۲/۲- اگر کسی شخص نے زکوٰۃ میں کچھ روپیہ نکالا، مگر وہ روپیہ مصارف میں صرف نہیں کیا؛ بلکہ اس روپیہ کا کپڑا یا غلہ یا اور کوئی چیز لیکر مصارف کو دیدی، تو کیا زکوٰۃ اداء نہ ہوگی اور دوبارہ زکوٰۃ دینا پڑے گی؟

**الجواب:** ادا ہو جاوے گی۔ (۱)

\*\*\*\*\*

← وكذا لأصلح أو أروع أو أنفع للمسلمين أو من دار العرب إلى دار السلام أو إلى طالب علم. (الموسوعة الفقهية الكويتية، كتاب الزكاة، نقل الزكاة ۲۳/۳۳۱) شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

(۱) عن طاوُس قال: بعث رسول الله صلى الله عليه وسلم معاذًا إلى اليمن فأمره أن يأخذ الصدقة من الحنطة والشعير فأخذ العروض والثياب من الحنطة والشعير. (المصنف لابن أبي شيبة، كتاب الزكاة، ما قالوا في أخذ العروض في الصدقة، مؤسسة علوم القرآن ۶/۵۲۱-۵۲۲، رقم: ۱۰۵۳۸)

عن عطاء: أن عمر كان يأخذ العروض في الصدقة من الورق وغيرها. (المصنف لابن أبي شيبة، كتاب الزكاة، ما قالوا في أخذ العروض في الصدقة، مؤسسة علوم القرآن ۶/۵۵۲، رقم: ۱۰۵۳۹)

لو عال يتيمًا فجعل يكسوه ويطعمه وجعله من زكاة ماله فالكسوة تجوز لوجود ركنه وهو التمليك، وأما الإطعام إن دفع الطعام إليه بيده يجوز أيضاً لهذه العلة. (البحر الرائق، كتاب الزكاة، مكتبة زكريا ديوبند ۲/۳۵۳، كوئٹہ ۲/۲۰۱)

هي..... تمليك خرج الإباحة فلو أطعم يتيمًا ناويًا الزكاة لايجزيه إلا إذا دفع إليه

المطعوم، كما لو كساه بشرط أن يعقل القبض. (الدر المختار على رد المختار، كتاب الزكاة، مكتبة زكريا ديوبند ۱۷۱/۳، وكراچی ۲۰۶/۲-۲۵۷)

ولا تتأدى بالإباحة حتى لو كفل يتيما فأنفق عليه ناويا للزكاة لا يجزيه بخلاف الكفارة ولو كساه تجزيه لوجود التملك (تبيين) وفي حاشية الشلبي: لو أنفق على اليتيم ناويا للزكاة لا يجزيه إلا أن يدفع النفقة إليه ويأخذها اليتيم بيده. (تبيين الحقائق، كتاب الزكاة، مكتبة زكريا ديوبند ۱۸۸/۲-۱۹)

لأن البدل في حكم الأصل عند الحنفية. (۱)  
بشرطيكہ مال خرید شدہ اتنی قیمت کا ہو کہ مشتری کو کسی نے ٹھگ نہ لیا ہو، ورنہ بقدر قیمت بازار زکوٰۃ ادا ہوگی۔ (۲)

۲۷ محرم الحرام ۱۳۲۲ھ (امداد، ص ۱۵۸، ج ۱)

## خلاف جنس سے زکوٰۃ ادا کرنا

**سوال (۷۹۳):** قدیم ۱۲/۲- کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ اگر کسی مال میں زکوٰۃ واجب ہو، تو آیا اسی میں سے ادا کرنا اس کا ضروری ہے یا خلاف جنس میں سے بھی ادا کر دے تو ادا ہو جاتا ہے جیسے کسی کے ذمہ سونے یا چاندی کی زکوٰۃ میں ایک روپیہ واجب ہوا اور وہ اس روپیہ کا کپڑا خرید کر کسی کو دیدے تو زکوٰۃ ادا ہو جاوے گی یا نہیں؟

**الجواب:** زکوٰۃ خلاف جنس سے بھی ادا ہو جاتی ہے اور خلاف جنس قیمت میں واجب کی برابر ہونا چاہیے۔

واجمعوا أنه لو أدى من خلاف جنسه اعتبرت القيمة. (شامي ۳۰/۲) (۳)  
پس صورتِ مسئلہ میں زکوٰۃ ادا ہو جاوے گی؛ کیونکہ رکن زکوٰۃ کا تملیک ہے وہ پایا گیا۔

(۱) لأن حكم البدل حكم الأصل. (شامي، كتاب الزكاة، قبيل باب السائمة، مكتبة زكريا ديوبند ۱۹۴/۳، كراچی ۲۷۳/۲)

و خانیه علی الهندیہ، مكتبة زكريا ديوبند قدیم ۳۵۰/۱، جدید ۱۵۴/۱۔

للبدل حكم المبدل. (الفتاویٰ التاتارخانية، زكريا ۱۷۶/۳، رقم: ۴۰۴۱)

(۲) أو في عرض تجارة قيمته نصاب (إلى قوله) أن التقويم إنما يكون بالمسكوك

عملاً بالعرف الخ. (الدر المختار مع الشامى، كتاب الزكاة، باب زكاة المال، مكتبة زكريا ديوبند ٢٢٨/٣، كراچي ٢٩٨/٢) شبير احمد قاسمى عفا الله عنه

(٣) شامى، كتاب الزكاة، باب زكاة المال، مكتبة زكريا ديوبند ٢٢٧/٣، كراچي ٢٩٧/٢ -

النهر الفائق، كتاب الزكاة، باب زكاة المال، مكتبة زكريا ديوبند ٤٣٨/١ -

فلو أدى من خلاف جنسه تعتبر القيمة بالإجماع. (البحر الرائق، كتاب الزكاة، باب زكاة المال، مكتبة زكريا ديوبند ٣٩٦/٢، و كوثه ٢٢٧/٢) ←

في الدر المختار: فلو أطعم يتيماً نواياً الزكاة لا يجزيه إلا إذا دفع إليه المطعوم كما لو كساه أي كما يجزئه لو كساه. ح شامى ج: ٢، بشرط أن يعقل القبض ٣/٢. (١) وقال الشامى: بعد اسطر ففي الكسوة لا شك في الجواز لوجود الركن وهو التملك. (٢) فقط

جملة آخره رمضان ١٣٢٠هـ (اداء، ص ١٦٢، ج ١)

← تبين الحقائق، كتاب الزكاة، باب زكاة المال زكريا ديوبند ٧٤/٢ -

مجمع الأنهر، كتاب الزكاة، باب زكاة الذهب والفضة والعروض، مكتبة عباس أحمد الباز ٣٠٥/١ - (١) الدر المختار مع رد المحتار، كتاب الزكاة، زكريا ١٧١/٣، كراچي

٢٥٦/٢ - ٢٥٧ -

كذا في حاشية الطحطاوى على مراقى الفلاح، كتاب الزكاة، دار الكتاب

ديوبند ص: ٧١٤ -

النهر الفائق، كتاب الزكاة، مكتبة زكريا ديوبند ٤١٢/١ -

(٢) شامى، كتاب الزكاة، مكتبة زكريا ديوبند ١٧٢/٣، كراچي ٢٥٧/٢ -

عن طاؤس قال: بعث رسول الله صلى الله عليه وسلم معاذاً إلى اليمن فأمره أن يأخذ الصدقة من الحنطة والشعير فأخذ العروض والثياب من الحنطة والشعير. (المصنف لابن أبي شيبة، كتاب الزكاة، ما قالوا في أخذ العروض في الصدقة، مؤسسة علوم القرآن ٥٢١-٥٢٢، رقم: ١٠٥٣٨)

إذا كان يعول يتيماً وهو يعقل فجعل يكسوه ويطعم ويجعل مايكسوه ويأكل عنده من زكاة ماله فالكسوة لا شك أنه يجوز لوجود الركن وهو التملك فيها وعليه الفتوى.

(الفتاوى التاتارخانية، زكريا ٢١٤/٣، رقم: ٤١٥٩)

لو رجل يعول يتيما فجعل يكسوه ويطعمه وجعل ما يكسو أو ما يأكل عنده من زكاة ماله  
فالكسوة تجوز لوجود ركنه وهو التملك. (الفتاوى الولوالجية، كتاب الزكاة، الفصل  
الأول فيمن تحل له الزكاة وفيمن لا تحل له، زكريا ديوبند ۱/ ۱۷۷)  
وكذا في البحر الرائق، كتاب الزكاة، مكتبة زكريا ديوبند ۲/ ۳۵۳،  
كوئٹہ ۲۰۱/ ۲۔ شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

## تحقیق حیلہ تملیک

**سوال (۷۹۴):** قدیم ۱۳/۲۔ تملیک کرانے کا حیلہ جو اکثر مدارس اسلامیہ وغیرہ میں کیا جاتا ہے  
اس میں نیت یقیناً اچھی نہیں ہوتی، گواہوں نے فقہ صورتاً جائز ہی کیوں نہ ہو کیا اللہ تعالیٰ جو نیت اور دلوں کے  
ارادہ کو دیکھتا ہے، ایسا کرنے سے راضی ہوگا اور حیلہ کرنے والا مواخذہ آخرت سے بری سمجھا جاوے گا؟  
**الجواب:** قطعاً نظر ورع سے میرے نزدیک قاعدہ فقہیہ کی رو سے بھی یہ زکوٰۃ ادا نہیں ہوتی؛ کیونکہ  
تملیک رکن زکوٰۃ ہے اور تملیک میں جب عاقدین ہازل ہوں تملیک نہیں ہوتی اور صورت متعارفہ میں  
دونوں بشہادت قرائن قویہ معترف ہیں کہ تملیک مقصود نہیں۔

في الدر المختار: وقد منا ان الحيلة أن يتصدق على الفقير، ثم يأمره بفعل هذه الأشياء  
وهل له أن يخالف أمره لم أره والظاهر نعم وفي رد المحتار: وفي التعبير بتم إشارة إلى أنه  
لو أمره أولاً لا يجزى لأنه يكون وكيلاً عنه في ذلك. (۱) آه، ثم نظر فيه (\*)  
ونظرت في ذلك النظر فيبقى الحكم سالماً. فقط

۲۷ محرم الحرام (امداد ص ۱۵۹، ج ۱)

(\*) تقریر نظر الشامی أن المعبر نية الدافع ولذا جازت وإن سماها قرصاً أو هبة في الأصح  
كما قدمناه فافهم وتقرير هو النافي ذلك النظر على ما رأيته مكتوباً بهامش الشامي بخطه طال  
بقائه على رؤس المستفيدين أن التملك ركن الزكاة ولم يوجد في التوكيل بخلاف القرض  
والهبة فإنما تملك وإن اختلف الجهة وعسى أن يكون قوله فافهم إشارة إلى ذلك. آه  
وعندي أن نظر مولنا غير متعجب؛ لأن قول العلامة المعبر نية الدافع منع لقول المستدل أنه يكون  
وكيلاً عنه في ذلك والحاصل إنا لا نسلم أن يكون وكيلاً عنه لأن المعبر نية الدافع والمفروض ←

(۱) شامی، کتاب الزکاة، باب المصروف، مکتبہ زکریا دیوبند ۲۹۳/۳، کراچی ۳۴۵/۲  
والحلیۃ أن يتصدق على الفقير، ثم يأمره بفعل هذه الأشياء فتكون لرب المال ثواب  
الزکاة وللفقير ثواب هذا التقرب وهل له أن يخالف أمره لم أره، والظاهر نعم. (الدر المنتقى على  
هامش مجمع الأنهر، کتاب الزکاة، باب المصروف، مکتبہ عباس أحمد الباز ۱/۳۲۸-۳۲۹) ←

## مال حرام میں زکوٰۃ کا حکم

**سوال (۷۹۵):** قدیم ۲/۲۱۴- رشوت سے حاصل کیے ہوئے روپیہ پر زکوٰۃ واجب ہے یا نہیں؟  
آج کل عام مسلمان جیسے رشوت و کسب حرام پر جری ہیں زکوٰۃ دینے سے بھی اس بناء پر مستغنی ہیں کہ ناجائز  
مال پر زکوٰۃ ہی نہیں حالانکہ خود استعمال کرنے میں تا مل نہیں کرتے اور نہ وہ قریبی رشتہ دار جو مفلس  
و مصرف زکوٰۃ ہیں اور اتفاقاً یہ روپیہ اُن کو ملے، پس اگر زکوٰۃ کی نیت پر اُن کو دیا جاوے تو کیا مضائقہ ہے؟  
**الجواب: (\*)** في الدر المختار: ولو خلط السلطان المال المغصوب بماله ملكه

← أنه نوى الاعطاء وإن لم يظهر بالآخذ فلا يرد عليه أن التملك ركن الزکوۃ ولم يوجد  
في التوكيل الخ لأن الظاهر من هذه العبارة أنه طال بقائه فهم من عبارة الشامي أن العلامة سلم  
كونه توكيلا وليس كذلك كما لا يخفى والحق في النظر أن يقال إن التملك الذي هو  
فعل المعطى غير كاف في أداء الزکوۃ بل يشترط التملك وهو اختياري ههنا فيتوقف على  
قبول الآخذ ولم يوجد ههنا لأنه لم يعلم التملك أصلا فلا يكفي هذا التملك في أداء  
الزکوۃ نعم ان علم الآخذ أنه تملك بالشرط وقبل يتأدى الزکاة بلا شبهة أن الهبة والصدقة  
لا تفسدان بشرط الفساد ومن ههنا علم ما في قوله طال بقائه.

قطع نظر ورع سے میرے نزدیک، اِلٰی قولہ صورت متعارفہ میں دونوں شبہات قرآن قویہ معترف ہیں  
کہ تملیک مقصود نہیں۔ لأن في الصورة المتعارفة تملیکا بالشرط لا هزلا وبينهما فرق فتدبر.  
(یہ عبارت تصحیح الاغلاط سے ص: ۲۷ سے نقل کی گئی)

**(\*)** اگر اصل سوال میں بظاہر خلط کی قید نہیں اور اس لئے وہ عام ہے اور شامل ہے خالص و مخلوط کو،  
مگر حضرت مولانا نے بناء بر عرف اس سے مال مخلوط سمجھا، اور اس بناء پر اس کا جواب دیا ہے؛ لیکن تفصیل مال  
حرام میں یہ ہے کہ اگر وہ مال حرام خالص ہو تب تو اس میں زکوٰۃ واجب نہ ہوگی؛ کیونکہ اس کے مالک معلوم ہیں،  
تب تو وہ واجب الرد ہے اور اگر معلوم نہیں تو کل واجب التصدق ہے اور اگر مخلوط ہے تب دیکھا جاوے گا ←

← والحیلۃ فی هذا أن يتصدق على الفقير ثم يأمره بفعل هذا الأشياء وهل له أن يخالف أمره؟ مقتضى صحة تملكه أن له ذلك ولم أره. (النهر الفائق، كتاب الزكاة، باب المصرف، مكتبة زكريا ديوبند ۱/۶۲) شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

فتجب الزکوة فيه ويورث عنه لأن الخلط استهلاك إذا لم يكن تميزه الخ. (۱)  
اس روایت سے معلوم ہوا کہ اس مال پر زکوة واجب ہوگی۔ واللہ اعلم

۲۷ محرم الحرام ۱۳۲۳ھ (امداد، ص ۱۶۰، ج ۱)

**خلاصہ سوال:** قدیم ۱۴/۲- زکوة در مال رشوت و کسب حرام؟

**خلاصہ جواب:** وجوب زکوة۔

**تسامح:** سوال از مال رشوت و کسب حرام خالص بود و نہ از مال مخلوط حلال بحر ام بود جواب از ثانی ست و مطابق سوال نیست۔

**اصلاح تسامح:** لازم ست کہ جواب بایں طور داده آید اگر مال تمام حرام و خبیث ست چنانچہ رشوت و کسب حرام در اس زکوة واجب نیست بلکہ کل واجب التصدق ست۔

في القنية: لو كان الخبيث نصاباً لا يلزمه الزكاة لأن الكل واجب التصديق عليه

← کہ اگر مال حرام کی مقدار اس میں سے نکال لی جاوے تو بقدر نصاب بچتا ہے یا نہیں؟ اگر بچتا ہے تو اس مقدار باقی میں زکوة واجب ہوگی اور اگر نہیں بچتا تو زکوة واجب نہ ہوگی۔

حضرت مولانا کے اس جواب پر بعض علماء نے کلام کیا ہے جو کہ ملحقات تتمہ اولیٰ میں درج ہے اور احقر نے اس پر اصلاحات ملحقات میں کلام کیا ہے۔ (یہ عبارت تصحیح الاغلاط ص: ۲۸ سے نقل کی گئی)

(۱) الدر المختار مع رد المحتار، کتاب الزکاة، باب زکاة الغنم، مكتبة زكريا ديوبند

۲۱۷/۳، کراچی ۲/۲۹۰۔

لو أن سلطاناً غصب مالاً وخلطه صار ملكاً له حتى وجبت عليه الزكاة وورث عنه على قول أبي حنيفة لأن خلط دراهمه بدراهم غيره عنده استهلاك. (البحر الرائق، كتاب الزكاة، مكتبة زكريا ديوبند ۲/۳۵۹، كوئٹہ ۲/۲۰۵)

لو أن سلطاناً غصب مالاً وخلطه صار ملكاً له حتى وجبت عليه الزكاة وورث عنه

ولا يخفى أن هذا على قول أبي حنيفة لأن خلط دراهمه بدراهم غيره عنده استهلاك.  
(فتح القدير، كتاب الزكاة، مكتبة زكريا ۲/ ۱۶۴)

النهر الفائق، كتاب الزكاة، مكتبة زكريا ۱/ ۴۱۳ - شبير احمد قاسم عفا الله عنه  
فلا يفيد إيجاب التصديق ببعضه آه. ومثله في البرازية ۱۲. ردالمحتار ص ۲۹. (۱).  
باب زكاة، قوله بماله متعلق بخلط واما لو خلط بمغصوب آخر فلا زكاة فيه كما  
يذكره في قوله كما لو كان الكل خبيثاً ۱۲. ردالمحتار ص: ۲۹. (۲)  
هكذا في الكتاب. والله تعالى جل جلاله اعلم بالصواب. هو المصوب جل جلاله  
(تمت اولي، ص ۳۳۹)

حرره: فقير محمد بخش عفى عنه ساكن چوٹی

(۱) شامي، كتاب الزكاة، باب زكاة الغنم، مكتبة زكريا ديوبند ۳/ ۲۱۸،  
كراچي ۲/ ۲۹۱ -  
منحة الخالق على هامش البحر الرائق، كتاب الزكاة، مكتبة زكريا ديوبند  
۲/ ۳۵۹، كوئته ۲/ ۲۰۵ -  
لو بلغ المال الخبيث نصاباً لا يجب فيه الزكاة لأنه الكل واجب التصديق. (برازية على  
هامش الهندية، كتاب الزكاة، نوع آخر رجلان دفع كل منهما زكاة ماله إلى واحد الخ زكريا قديم  
۴/ ۸۶، جديد ۱/ ۵۸ -

(۲) شامي، كتاب الزكاة، باب زكاة الغنم، زكريا ديوبند ۳/ ۲۱۷، كراچي ۲/ ۲۹۰ -  
قوله بماله أما إذا لم يكن له مال وغصب أموال الناس وخلطها ببعضها فلا زكاة عليه  
ويجب عليه تفريغ ذمته برده إلى أربابه ان علموا وإلا إلى الفقراء. (طحطاوي على الدرالمختار،  
كتاب الزكاة، باب زكاة الغنم، كوئته ۱/ ۴۰۴)

ومن ملك أموالاً غير طيبة أو غصب أموالاً وخلطها ملكها بالخلط ويصير ضامناً  
وإن لم يكن له سواها نصاب فلا زكاة عليه في تلك الأموال وإن بلغت نصاباً لأنه مديون  
ومال المديون لا ينعقد سبباً لوجوب الزكاة عندنا. (الفتاوى التاتارخانية، مكتبة زكريا ديوبند  
۳/ ۲۳۳، رقم: ۴۲۱۸)

و کذا فی منحة الخالق علی هامش البحر الرائق، کتاب الزکاة، مکتبۃ زکریا دیوبند  
۳۶۰/۲، کوئٹہ ۲۰۰۵۔ شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

## کاشتکار کے ذمہ جو رقم بطور قرض ہے اس کی زکوٰۃ کا حکم

**سوال (۷۹۶):** قدیم ۱۵/۲۔ کسی شخص کا کچھ روپیہ لگان کا کاشتکار کے ذمہ قرض ہے تین سو روپیہ سے زائد ہے، اس کی زکوٰۃ کس وقت دینی چاہئے، اور اس روپیہ میں حوالان حول کا ہونا شرط ہے یا نہیں؟  
**الجواب:** فی الدر المختار: وأعلم أن الديون عند الإمام ثلاثة. قوى ومتوسط وضعيف، فتجب زكوتها إذا تم نصابا وحال الحال الخ. وفي رد المحتار: قوله: حال الحال أي ولو قبل قبضه في القوى والمتوسط وبعده في الضعيف وفي الدر المختار: الدين القوى كقرض وبدل مال تجارة. (۱)

(۱) الدر المختار مع الشامی، کتاب الزکاة، باب زکاة المال، مکتبۃ زکریا دیوبند  
۲۳۷/۳-۲۳۶، وکراچی ۲۰۰۵۔

إعلم أن الدين على ثلاثة أنواع دين قوي، ودين وسط، ودين ضعيف، فالدين القوي: هو الذي ملكه بدلا عما هو مال الزكاة كالدرهم والدنانير، وأموال التجارة، وكذا غلة مال التجارة من العبيد والدور ونحوها والحكم فيه عند الإمام أنه إذا كان نصاباً وتم الحال عليه تجب الزكاة، لكن لا يخاطب الأداء ما لم يقبض أربعين درهماً فإذا قبض أربعين درهماً زكى درهماً، فإن قبض أقل من ذلك لا. (مجمع الأنهر، كتاب الزكاة، مكتبة عباس أحمد الباز ۲۸۹/۱)

الديون ثلاثة: دين قوي وهو بدل مال التجارة والقرض، ودين وسط: وهو بدل ما لم يكن للتجارة كضمن ثياب البذلة وعبد الخدمة ودار السكنى، ودين ضعيف: وهو بدل ما ليس بمال كالمهر والوصية وبدل الخلع والصلح عن دم العمد والدية ففي الدين القوي تجب الزكاة إذا حال الحال ويترخي الأداء إلى أن يقبض أربعين درهماً يلزمه درهم الخ. (خانية على هامش الهندية، كتاب الزكاة، فصل في مال التجارة، مکتبۃ زکریا دیوبند قدیم ۲۵۲/۱، جدید ۱۵۵/۱)

و کذا فی البحر الرائق، کتاب الزکاة، مکتبۃ زکریا دیوبند ۳۶۳/۲، و کوئٹہ ۲۰۰۷۔



وفي العالمگیریة: رجل آجر أرضه ثلث سنين كل سنة ثلث مائة درهم فحين مضى ثمانية أشهر ملك مائتي درهم فينقعد عليه الحول فإذا مضى حول بعد ذلك يزكى ثمان مائة إلا ما وجب عليه من زكوة خمس مائة الخ. (۱)

ان روایات کی بناء پر صورت مسئلہ میں زکوٰۃ فرض ہے اور حولان حول بھی شرط ہے رہی یہ بات کہ ابتداء حول کس وقت سے لی جائے گی؟ اس کی تفصیل یہ ہے کہ اگر زمیندار ایسے نصاب کا مالک نہیں ہے جو کہ جنس دین سے ہے تب تو جس وقت وہ بقدر نصاب اجرت کا مالک ہو جائے اس وقت سے حساب ہوگا۔

كما في العالمگیریة: رجل آجر أرضه ثلث سنين كل سنة ثلث مائة درهم فحين مضى ثمانية أشهر ملك مائتي درهم فينقعد عليه الحول فإذا مضى حول بعد ذلك يزكى ثمان مائة إلا ما وجب عليه من زكوة خمسمائة. آه

اور اگر وہ مالک نصاب مذکور ہے تو یہ اجرت حولان حول اصل نصاب کے تابع ہوگی اور جس قدر اجرت کا مالک ہوتا جاوے گا وہ مقدار اصل کیساتھ ملتی جاوے گی، جب اصل نصاب پر حولان حول ہوگا تو اس وقت جس قدر مقدار اجرت کا مالک ہوگا اس پر بھی حولان حول ہو جاوے گا اور اصل نصاب اور اس مقدار دونوں پر زکوٰۃ واجب ہوگی۔

كما يقتضيه إطلاق قولهم والمستفاد في أثناء الحول يضم إلى نصاب من جنسه انتهى شامی. (۲)

مگر ادائے زکوٰۃ دین مذکور قبل از قبض واجب نہیں بلکہ اس وقت واجب ہے جبکہ دین مذکور میں سے دوسو درہم یعنی چوٹن روپے بارہ آنہ تین رتی (کما قال المولوی احمد حسن فی حاشیہ بہشتی زیور) وصول ہو جاویں۔

(۱) ہندیہ، کتاب الزکاة، الفصل الثانی فی العروض، مسائل شتی، مکتبہ زکریا دیوبند

قدیم ۱/۱۸۱، جدید ۱/۲۴۳۔

(۲) شامی، کتاب الزکاة، باب زکاة المال، مطلب فی وجوب الزکاة فی دین المرصد،

مکتبہ زکریا دیوبند ۳/۲۳۹، کراچی ۲/۳۰۷۔

ومن كان له نصاب فاستفاد في أثناء الحول مالا من جنسه ضمه إلى ماله وزكاه سواء

كان المستفاد من نمائه أو لا، وبأي وجه استفاد ضمه سواء كان بميراث أو هبة ←

لأنه دين متوسط وقال في الدر المختار وعند قبض مأتين منه لغيرها أي من بدل مال لغير تجارة وهو المتوسط (۱)۔ واللہ اعلم وعلمہ اتم واحکم۔

(امداد، ص ۱۶۲، ج ۱)

## جو شخص مالک نصاب نہ ہو اس کا زکوٰۃ لینے کا حکم

**سوال (۷۹۷):** قدیم ۱۶/۲۔ ایک شخص کے پاس کچھ زیور ہے مگر نصاب سے کم ہے اس شخص کو اگر کوئی شخص زکوٰۃ دینا چاہے تو کس مقدار تک یہ شخص لے سکتا ہے؟

**الجواب:** في الدر المختار: وكره إعطاء فقير نصاباً وأكثر. (۲)

اس روایت سے معلوم ہوا کہ شخص مذکور فی السؤال کو اس قدر لینا تو بلا کراہت جائز ہے جس کو لیکر وہ اب بھی صاحب نصاب نہ ہو جاوے، اور زیادہ لینا مکروہ ہے۔ (\*) واللہ اعلم  
ذی الحجہ ۱۴۳۲ھ (امداد، ص ۱۶۲، ج ۱)

(\*) لیکن اگر یہ شخص مقروض ہو یا عیال زیادہ رکھتا ہو کہ قرض ادا کر کے یا عیال کی حوائج میں صرف کر کے نصاب نہ رہے گا، پھر مکروہ نہیں۔ کذا فی الدر المختار ۱۲ منہ

← أو غير ذلك. (هندية، كتاب الزكاة، الباب الأول في تفسيرها وصفتها وشرائطها، مكتبة زكريا قديم ۱/۱۷۵، زكريا جديد ۱/۲۳۷)

هداية، كتاب الزكاة، فصل في الغنم، مكتبة اشرفية ديوبند ۱/۱۹۳۔

(۱) الدر المختار مع رد المحتار، كتاب الزكاة، باب زكاة المال، مطلب في وجوب الزكاة في دين المرصد، مكتبة زكريا ديوبند ۳/۲۳۷، كراچی ۲/۳۰۵۔

ودين هو بدل مال ليس كذلك أي للتجارة كثمان السائمة وعبد الخدمة متوسط يزكيه عند قبض نصاب، ويعتبر ما مضى من الحول في الأصح. (الدر المنتقى على هامش مجمع الأنهر، كتاب الزكاة، عباس أحمد الباز ۱/۲۸۹)

وفي المتوسط: لا تجب ما لم يقبض نصاباً ويعتبر لما مضى من الحول في صحيح الرواية. الخ (البحر الرائق، كتاب الزكاة، مكتبة زكريا ديوبند ۲/۳۶۳، كوئٹہ ۲/۲۰۷)

(۲) الدر المختار مع رد المحتار، كتاب الزكاة، باب المصرف، مكتبة زكريا ديوبند

۳/۳۰۳، كراچی ۲/۳۵۳۔ ←

## مدرسہ کی مدزکوۃ کی رقم کو دیگر مدات میں خرچ کرنے کی اور ایک مد کو دوسرے مد میں خرچ کرنے کا حکم

**سوال (۷۹۸):** قدیم ۱۶/۲ - ایک مدرسہ میں دو مد قائم ہیں، ایک مد میں زکوۃ اور صدقات اور فدیہ وغیرہ کی آمدنی جمع ہوتی ہے، دوسرا مد عام اغراض کے لیے ہے جس میں یکشت امدادی رقم اور دوامی چندہ اور تقریبات شادی وغیرہ کی رقومات آتی ہیں۔ مدزکوۃ، صدقات، وفدیہ وغیرہ میں سے یتامیٰ اور مساکین کی خوراک اور پوشاک وغیرہ کی ضروریات پوری کی جاتی ہیں۔ اور عام اغراض میں سے تنخواہ مدرسین و دیگر ملازمین اور کرایہ مکان مدرسہ اور فرش و صفائی اور چھپائی اشتہارات و طبع کیفیت و ڈاک وغیرہ میں خرچ ہوتا ہے۔ مدرسہ کے ذمہ بابت خریداری زمین کچھ روپیہ قرض ہے، جس کا قرض ہے اس نے اپنا روپیہ طلب کیا، اور مدرسہ میں عام اغراض میں اس قدر روپیہ نہیں جو اس کے قرض کو پورا کرے اور جو روپیہ مدزکوۃ میں موجود ہے وہ اس قدر ہے کہ قرضدار کا قرض دیکر کسی قدر روپیہ بھی بچتا ہے۔

← ویکره أن يدفع إلى رجل مأتى درهم فصاعداً وإن دفعه جاز هذا إذا لم يكن الفقير مديوناً فإن كان مديوناً فدفع إليه مقدار ما لو قضى به دينه لا يبقى له شيء أو يبقى دون المأتين لا بأس به، وكذا لو كان معيلاً جاز أن يعطي له مقدار ما لو وزع عياله يصيب كل واحد منهم دون المأتين. (الهندية، كتاب الزكاة، الباب السابع في المصارف، مكتبة زكريا قديم ۱/۱۸۸، جديد ۱/۲۵۰)

ویکره أن يدفع إلى واحد مأتى درهم فصاعداً وإن دفع جاز. (الهداية) وفي الفتح: إلا أن يكون مديوناً لا يفضل له بعد قضاء دينه نصاب أو يكون معيلاً إذا وزع المأخوذ على عياله لم يصب كلا منهم نصاب. (فتح القدير، كتاب الزكاة، باب من يجوز دفع الصدقة إليه ومن لا يجوز، مكتبة زكريا ديوبند ۲/۲۸۳-۲۸۲)

وكره الإغناء وندب عن السؤال أي كره أن يدفع إلى فقير ما يصير به غنياً وندب الإغناء عن سؤال الناس وإنما صح الإغناء لأن الغنى حكم الأداء فيتعقبه لكن يكره لقرب الغنى منه كمن صلى وبقر به نجاسة..... وإنما قيدنا بقولنا يصير به غنياً لأنه لو دفع مأتى درهم، فأكثر لمديون لا يفضل له بعد دينه نصاب لا يكره، وكذا لو كان معيلاً إذا وزع المأخوذ على عياله لم يصب كلا منهم نصاب الخ. (البحر الرائق، كتاب الزكاة، باب المصروف، مكتبة زكريا ديوبند ۲/۴۳۵، كوئٹہ ۲/۲۴۹) ←

صرف یہ دریافت طلب ہے کہ مدعام اغراض میں جس قدر روپیہ موجود ہے اول وہ روپیہ دیا جائے اور باقی جو کسر رہے اگر مد زکوٰۃ میں سے قرض لیکر دیا جاوے درست ہے یا نہیں اور تو حیلدار نے بوجہ اس قدر معلوم ہونے کے کہ شاید مد زکوٰۃ میں سے لینا درست نہ ہو، زکوٰۃ میں سے روپیہ دینے میں تاویل کرنا چاہا؛ بلکہ اراکین کے سامنے یہ بھی کہا کہ یہ درست نہ ہوگا، مگر نہ مانا؛ بلکہ یہ کہا کہ درست ہے تم زکوٰۃ میں سے قرض دیدو اُن کے اصرار کرنے سے تو حیلدار نے روپیہ مد زکوٰۃ سے دیدیا یہ گناہ تو حیلدار کے ذمہ ہوا یا نہیں؟ اور یہ امر درست ہے یا نہیں؟ یعنی زکوٰۃ میں سے قرض لینا درست یا نا درست لہذا براہ عنایت جواب عنایت فرمائیے؟

**الجواب:** باذن معطین درست ہے کیونکہ اموال مذکورہ ہنوز اُن کے ملک سے خارج نہیں ہوئے رہی یہ بات کہ صورت مسئلہ میں اذن معطین دلالت ہے یا نہیں یہ ایک واقعہ ہے اور ظاہر یہ ہے کہ اذن ہے کیونکہ جب چندہ دینے والے چندہ دیتے ہیں تو عادت یہی ہے کہ وہ اس سے اپنا تعلق تصرف منقطع کر دیتے اور متولی کو ہر مناسب تصرف کا اختیار دیدیتے ہیں اس لیے صورت مسئلہ میں تصرف مذکور جائز ہے۔ (۱) واللہ اعلم

(امداد، ص ۱۶۳، ج ۱)

← ویکره لمن عليه الزكاة أن يعطي فقيرًا مأتى درهم أو أكثر ولو أعطى جاز وسقط عنه الزكاة..... هذا إذا أعطى مأتى درهم وليس عليه دين ولا له عيال، فإن كان عليه دين فلا بأس بأن يتصدق عليه قدر دينه وزيادة مادون المائتين وكذا إذا كان له عيال يحتاج إلى نفقتهم وكسوتهم. (بدائع الصنائع، كتاب الزكاة، دفع الزكاة لمالك نصاب يخاف الحاجة، مكتبة زكريا ديوبند ۲/ ۱۶۰) شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

(۱) وعلى الإمام أن يجعل لكل نوع من هذه الأنواع بيتاً يخصه فلا يخلط بعبضه ببعض لأنه لكل نوع حكماً يختص به، فإن لم يكن في بعضها شيء فلا إمام أن يستقرض عليه من النوع الآخر ويصرفه إلى أهل ذلك ثم إذا حصل من ذلك النوع شيء رده إلى المستقرض منه إلا أن يكون المصروف من الصدقات أو من خمس الغنية على أهل الخراج وهم فقراء، فإنه لا يرد فيه شيئاً لأنهم مستحقون للصدقات بالفقر الخ. (البحر الرائق، كتاب السير، قبيل باب أحكام المرتدين، مكتبة زكريا ۵/ ۲۰۰-۲۰۱، كوئٹہ ۵/ ۱۱۹)

وعلى الإمام أن يجعل لكل نوع بيتاً يخصه فإن خلى بعضه كان له الاستقراض من النوع الآخر ليصرفه إلى ذلك النوع، ثم إذا حصل منه شيء رده في المستقرض منه إلا أن يكون ما صرفه من الصدقات والخمس على أهل الخراج فلا يرد شيئاً لأنهم ←

\*\*\*\*\*  
**سوال (۷۹):** قدیم ۲/۱۷ - مدزکوۃ میں سے قرض لیکر دوسری مد میں خرچ کرنا اس طور پر کہ بعد وصول چندہ یہ رقم مدزکوۃ میں شامل کردی جاوے گی جائز ہے یا نہیں؟

**الجواب:** یہ بھی باذن معطین درست ہے۔ (۱)

۱۴ صفر المظفر ۱۳۳۰ھ (تتمہ اولی، ص ۵۸)

\*\*\*\*\*  
 ← مستحقون للصدقات بالفقر، وكذا في غيره إذا صرفه للمستحق، وعليه أن يتق الله ويصرف إلى كل مستحق قدر حاجته فإن قصر كان الله عليه حسيباً. (النهر الفائق، كتاب الجهاد، باب العشر والخراج، فصل في الجزية، قبيل باب المرتدين، مكتبة زكريا ديوبند ۲۵۱/۳)  
 وعلى الإمام أن يجعل لكل نوع بيتاً يخصمه ولا يخلط بعضه ببعض فإن لم يوجد في بعضها شيء فللإمام أن يستقرض عليه من النوع الآخر ويصرفه إلى أهل ذلك، ثم إذا حصل من ذلك النوع شيء رده إلى المستقرض منه إلا أن يكون المصروف من الصدقات أو من خمس الغنائم على أهل الخراج، وهم فقراء فإنه لا يرد فيه شيئاً، وكذا في غيره إذا صرفه إلى المستحق، ويجب على الإمام أن يتق الله ويصرف إلى كل مستحق قدر حاجته من غير زيادة. (مجمع الأنهر، كتاب السير والجهاد، قبيل باب المرتد، دار الكتب العلمية بيروت ۴۸۶/۲)

وعلى الإمام أن يجعل لكل نوع بيتاً يخصه وله أن يستقرض من أحدها ليصرفه لآخر ويعطى بقدر الحاجة والفقه والفضل فإن قصر كان الله عليه حسيباً. (الدر المختار مع رد المحتار، كتاب الجهاد، باب العشر والخراج والجزية، مكتبة زكريا ديوبند ۳۵۲/۶، كراچی ۲۱۹/۴) شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

(۱) إذا دفع الرجلان إلى رجل كل واحد منهم دراهم ليتصدق بها عن زكاة ماله فخلط الدارهم قبل الدفع، ثم دفع فهو ضامن إلا إذا جدد الإذن أو أجاز المالكان فحينئذ يجوز أو وجدت دلالة الإذن بالخلط كما جرت العادة بالإذن من أرباب الحنطة بخلط ثمن الغلات. (الفتاوى التاتارخانية، كتاب الزكاة، الفصل التاسع في المسائل المتعلقة بمعطى الزكاة، مكتبة زكريا ديوبند ۲۲۹/۳، رقم: ۴۲۰۸)

وعلى الإمام أن يجعل لكل نوع بيتاً يخصه وله أن يستقرض من أحدها ليصرفه لآخر ويعطى بقدر الحاجة والفقه والفضل فإن قصر كان الله عليه حسيباً. (الدر المختار مع رد المحتار، كتاب الجهاد، باب العشر والخراج والجزية، مكتبة زكريا ديوبند ۳۵۲/۶، كراچی ۲۱۹/۴) ←

## کرایہ کے مکانات پر زکوٰۃ کا حکم

**سوال (۸۰۰):** قدیم ۲/۱۷ - چمی فرماید علماء دین اندرین مسئلہ کہ بر مکانات و دکانات کہ زائد از سکونت هست و بران کرایہ گرفته می شود، آیا زکوٰۃ واجب ست یا نہ؟ بینوا تو جروا۔

**الجواب:** زکوٰۃ برانہا واجب نیست زیرا کہ نامی شدن نصاب از شرائط زکوٰۃ است و مکانات (\*) نامی نیستند و منہا کون النصاب نامیاً۔ عالمگیری جلد اول ص ۱۷۱- (۱)

(\*) البتہ اگر کوئی شخص یہی تجارت کیا کرے کہ مکان خرید لیا اور بیچ دیا تو مثل مال تجارت ان مکانات کی قیمت میں بھی زکوٰۃ لازم ہے۔ ۱۲ منہ

**سوال کا ترجمہ:** (۸۰۰) کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلے کے بارے میں کہ رہائشی مکان سے زائد مکانات و دکانات جو ہیں اور ان سے کرایہ وصول کیا جاتا ہے، تو کیا ان پر زکوٰۃ واجب ہے یا نہیں؟

**جواب کا ترجمہ:** ان پر زکوٰۃ واجب نہیں ہے؛ اس لئے کہ وجوب زکوٰۃ کے شرائط میں سے مال نامی ہونا بھی ہے اور مکانات و دکانیں مال نامی نہیں ہیں جیسا کہ ہندی کی عبارت میں نصاب کے نامی ہونے کو شرط قرار دیا گیا ہے۔

﴿وَعَلَى الْإِمَامِ أَنْ يَجْعَلَ لِكُلِّ نَوْعٍ بَيْتًا يَخْصُهُ وَلَا يَخْلُطُ بَعْضُهُ بِبَعْضٍ، فَإِنْ لَمْ يَوْجَدْ فِي بَعْضِهَا شَيْءٌ فَلِلْإِمَامِ أَنْ يَسْتَقْرِضَ عَلَيْهِ مِنَ النَّوعِ الْآخَرِ وَيَصْرِفَهُ إِلَى أَهْلِ ذَلِكَ، ثُمَّ إِذَا حَصَلَ مِنْ ذَلِكَ النَّوعِ شَيْءٌ رَدَهُ إِلَى الْمُسْتَقْرِضِ مِنْهُ إِلَّا أَنْ يَكُونَ الْمَصْرُفُ مِنَ الصَّدَقَاتِ أَوْ مِنْ خُمُسِ الْغَنَائِمِ عَلَى أَهْلِ الْخُرَاجِ، وَهَمُ فَقَرَاءِ فَإِنَّهُ لَا يَرُدُّ فِيهِ شَيْئًا، وَكَذَا فِي غَيْرِهِ إِذَا صَرَفَهُ إِلَى الْمُسْتَحَقِّ، وَيَجِبُ عَلَى الْإِمَامِ أَنْ يَتَّقِيَ اللَّهَ وَيَصْرِفَ إِلَى كُلِّ مُسْتَحَقٍّ قَدْرَ حَاجَتِهِ مِنْ غَيْرِ زِيَادَةٍ. (مجمع الأنهر، كتاب السير والجهاد، قبيل باب المرتد، دار الكتب العلمية بيروت ۲/ ۴۸۶) شير احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

(۱) ہندیہ، کتاب الزکاة، الباب الأول: في تفسيرها، وصفتها وشرائطها، مكتبة زكريا قدیم ۱/ ۱۷۴، جدید ۱/ ۲۳۵۔

ومنہا كون المال نامياً: لأن معنى الزكاة وهو النماء لا يحصل إلا من المال النامي. (بدائع الصنائع، كتاب الزكاة، الشرائط التي ترجع إلى المال، مكتبة زكريا دیوبند ۲/ ۹۱)۔

ولا في ثياب البدن وأثاث المنزل ودور السكنى ونحوها. در مختار قوله ونحوها كحوانيت وخانات يستغلها طحطاوي مصري جلد اول، ص: ۳۹۲۔ (۱)  
ذی قعدہ ۱۳۰۰ھ (امداد، ص ۱۶۴، ج ۱)

## مسافر مال دار طالب علم کے لئے زکوٰۃ لینا

**سوال (۸۰۱):** قدیم ۱۷۲/۲ - اگر سفر میں کوئی مال دار طالب علم یا کوئی شخص صاحب نصاب ہو خواہ بقدر نصاب اُس کے ساتھ ہو یا نہ ہو اس کو زکوٰۃ لینا جائز ہے یا نہیں؟

**الجواب:** ابن السبیل مالک نصاب خواہ طالب علم ہو یا غیر طالب علم جب اس کے پاس خرچ نہ رہے زکوٰۃ لینا بقدر حاجت جائز ہے، اگر فقیر ہو تو حاجت سے زیادہ بھی جائز ہے۔

ابن السبیل وهو كل من له مال لا معه در مختار في الشامي عن الفتح ولا يحل له أن يأخذ أكثر من حاجته. (۲)

← يشترط في المال الذي تجب فيه الزكاة من حيث الجملة شروط كونه مملوكاً لمعين ..... وكونه نامياً الخ. (الموسوعة الفقهية الكويتية، كتاب الزكاة، شروط المال الذي تجب فيه الزكاة ۲۳/۲۳۶)

(۱) حاشیہ الطحطاوی علی الدر المختار، کتاب الزکاة، کوئٹہ ۱/۳۹۲۔

ولا في ثياب البدن وأثاث المنزل ودور السكنى ونحوها (تنوير) وفي الشامية: ونحوها أي كثياب البدن الغير المحتاج إليها كالحوانيت والعقارات. (شامي، كتاب الزكاة، مطلب في زكاة ثمن المبيع وفاء، مكتبة زكريا ديوبند ۳/۱۸۲، کراچی ۲/۲۶۴-۲۶۵)

ولو اشتري قدوراً من صفر يمسكها أو يؤجرها لا تجب فيها الزكاة كما لا تجب في بيوت الغلة. (حاشیہ علی الہندیہ، کتاب الزکاة، فصل فی مال التجارۃ، مکتبہ زکریا قدیم ۱/۲۵۱، جدید ۱/۱۵۵)  
الفتاویٰ التاتاریخانیہ، کتاب الزکاة، الفصل الثالث فی بیان زکاة عروض التجارۃ، مکتبہ زکریا قدیم ۳/۱۶۹، رقم: ۴۰۱۷ - شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

(۲) شامی، کتاب الزکاة، باب المصرف، مکتبہ زکریا دیوبند ۳/۲۹۰، کراچی ۲/۳۴۳۔

\*\*\*\*\*

اور بعض فقہاء نے جو طالب علم کے لیے مطلقاً اخذ زکوٰۃ جائز رکھا ہے۔

كما في الدر المختار: ان طالب العلم يجوز له أخذ الزكاة ولو غنياً الخ. (۱)  
وہ غیر معتمد ہے۔

كما في الطحطاوي: وهذا الفرع مخالف لاطلاقهم الحرمة في الغني ولم  
يعتمد ۵ أحد آه. (۲)

پس قول مرجوح پر افتاء باطل ہے۔ كما بين في رسم المفتي۔ واللہ اعلم

۲۹ محرم الحرام ۱۴۰۴ ہجری (امداد، ص ۱۶۵، ج ۱)

\*\*\*\*\*

← وابن السبيل هو المنقطع عن ماله لبعده عنه ..... وفي فتح القدير: ولا يحل له  
أن يأخذ أكثر من حاجته. (البحر الرائق، كتاب الزكاة، باب المصرف، مكتبة زكريا ديوبند  
۲/۴۲۲، کوئٹہ ۲/۴۲۲)

كذا في فتح القدير، كتاب الزكاة، مكتبة زكريا ديوبند ۲/۲۶۹۔

وابن السبيل: هو المسافر الذي له مال في وطنه وهو في مكان آخر لا شيء له  
فيه ..... فيجوز له الأخذ قدر كفايته لا مازاد لأنه فقير يداً. (النهر الفائق، كتاب الزكاة،  
باب المصرف، زكريا ۱/۴۶۱)

(۱) الدر المختار مع رد المحتار، كتاب الزكاة، باب المصرف، مكتبة زكريا ديوبند  
۳/۲۸۵، کراچی ۲/۳۴۰۔

إن طالب العلم يجوز له أن يأخذ الزكاة، وإن كان غنياً إذا فرغ نفسه لإفادة العلم  
واستفادته لكونه عاجزاً عن الكسب والحاجة داعية إلى ما لا بد منه (إلى قوله) وفي  
المبسوط لا يجوز دفع الزكاة إلى من يملك نصيباً إلا إلى طالب العلم والغازي والمنقطع الخ.  
(منحة الخالق على هامش البحر الرائق، كتاب الزكاة، باب المصرف، مكتبة زكريا ديوبند  
۲/۴۲۲، کوئٹہ ۲/۴۲۲)

(۲) حاشية الطحطاوي على الدر المختار، كتاب الزكاة، باب المصرف، کوئٹہ ۱/۴۲۴۔  
وكذا في الشامي، كتاب الزكاة، باب المصرف، مكتبة زكريا ديوبند ۳/۲۸۶،  
کراچی ۲/۳۴۰۔ شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

\*\*\*\*\*



## شیرز کی اصل اور نفع دونوں پر زکوٰۃ کا حکم

**سوال (۸۰۲):** قدیم ۲/۱۸- کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ ایک کمپنی قائم ہوئی ہے جو کہ ایک معین سرمایہ سے کاروبار کرنا چاہتی ہے اور سرمایہ کو معین حصوں (مثلاً سو یا ہزار) پر تقسیم کر کے ان حصوں کو معین قیمت پر فروخت کرتی ہے کوئی ایک حصہ خریدتا ہے کوئی دو کوئی چار کوئی دس الی غیر ذلک اور اسی طرح وہ سرمایہ کی معینہ رقم وصول کر کے کاروبار کرتی ہے اور کاروبار کی نوعیت بھی مقرر نہیں ہے؛ بلکہ وہ کمپنی کی رائے پر ہے، اگر وہ سود پر روپیہ دینا مصلحت سمجھتی ہے تو سود پر دیتی ہے اور اگر وہ کسی قسم کا کارخانہ قائم کرنے میں فائدہ سمجھتی ہے تو کارخانہ قائم کرتی ہے اور اگر کوئی دوکان کھولنا مفید سمجھتی ہے تو دوکان کھولتی ہے۔

غرض جس کام میں وہ فائدہ سمجھتی ہے وہ کرتی ہے، شیرز خریدنے والوں کو اس کے کاروبار سے کوئی تعلق نہیں نہ وہ مال تقسیم کر سکتے ہیں نہ روپیہ واپس لے سکتے ہیں اور نہ انفرادی حیثیت سے کسی قسم کی مداخلت کر سکتے ہیں اور اجتماعی حیثیت سے بھی صرف اس حد تک مداخلت کر سکتے ہیں جس حد تک کہ ان کو کمپنی کے قواعد و ضوابط کی رو سے حق حاصل ہے، انفرادی حیثیت سے ہر حصہ دار کو دو حق حاصل ہیں ایک یہ کہ نفع جس قدر ان کے حصہ میں آئے وہ لے لیں اور دوسرا یہ کہ اگر وہ اپنا حصہ کسی کے ہاتھ فروخت کرنا چاہیں تو فروخت کر دیں اس سے زیادہ ان کو حق نہیں اسکے متعلق دریافت طلب یہ امر ہے کہ وہ روپیہ جو کمپنی نے خریداران شیرز سے وصول کیا ہے اور اس سے جو اشیاء منقولہ یا غیر منقولہ خریدی ہیں یا اس کو کسی دوسرے کام میں لگایا ہے کس کی ملک ہے؟ آیا خریداران شیرز کی یا کمپنی کی؟ اگر کمپنی کو مالک کہا جاوے اور خریداران شیرز کمپنی کو سودی قرض دینے والے قرار دیئے جائیں تو خریداران شیرز اصل اور سود دونوں کی زکوٰۃ ادا کریں گے یا صرف سود کی اس کا جواب اس امر کو پیش نظر رکھ کر دیا جاوے کہ خریداران شیرز اصل رقم کمپنی سے وصول نہیں کر سکتے ہیں؛ البتہ اگر کمپنی کسی وقت ٹوٹ جائے تو اس کا سرمایہ حصہ داران میں بمقدار حصہ تقسیم ہو جاوے گا اور اگر خریداران شیرز کو مالک کہا جاوے اور کمپنی کا کارکن، تو اس صورت میں خریداران شیرز اپنے مال کی زکوٰۃ کس قاعدہ سے دیں گے۔ اس کے جواب میں بھی اس امر کو ملحوظ رکھا جاوے کہ خریداران شیرز کمپنی کے مقبوضات میں سوائے متذکرہ بالا دو حقوق کے اور کسی تصرف کا حق نہیں۔ نیز یہ امر بھی پیش نظر رہے کہ مالکوں کے مالکانہ تصرفات سے اس درجہ مجبوری اور کمپنی کا اختیار کامل کمپنی کو غاصب کی حد میں تو داخل نہ کرے گا۔ بیذا تو جروا؟

**الجواب:** قواعد کا مقتضا ظاہراً یہ ہے کہ کمپنی میں رقم داخل کرنے کے بعد بھی حصّہ دار ہی مالک رہیں (۱) اور کارکن وکیل اور عدم واپسی کی شرط فاسد جس کا اثر حصّہ داروں کے رنج پر نہ پڑے گا وکیل کی اجرت پر پڑے گا کہ اجر مثل سے زائد کا وہ مستحق نہ ہوگا (۲) اور چونکہ یہ شرط مالک کی رضا سے ہے اس لیے غصب میں داخل نہیں ہو سکتا (۳) اور جب حصّہ دار رقم کا مالک ہے تو زکوٰۃ بھی اس پر واجب ہوگی (۴)

(۱) فإن هلك المبيع في يده (الوكيل) قبل حبسه هلك من مال المؤكل ولم يسقط الثمن لأن يده كيد المؤكل فإذا لم يحبسه يصير المؤكل قابضاً بيده. (الهداية، كتاب الوكالة، باب الوكالة بالبيع والشراء، مكتبة اشرفية ديوبند ۱۸۳/۳)

هلك المبيع من يده (الوكيل) قبل حبسه هلك من مال مؤكله ولم يسقط الثمن لأن يده كيده. (الدر المختار مع رد المحتار، كتاب الوكالة، باب الوكالة بالبيع والشراء، مكتبة زكريا ديوبند ۲۵۰/۸، کراچی ۵۱۶/۵)

(۲) وإذا فسد العقد وجب أجر المثل بعد الفراغ من العمل على ما جرى فيه العرف من أهل تلك الصناعة. (الفتاویٰ التاتارخانية، كتاب الإجارة، نوع منه في الاستيجار على الأفعال الخ زكريا ۱۵/۱۳۶، رقم: ۲۲۴۵۷)

الإجارة تفسدها الشروط كما تفسد البيع؛ لأنه بمنزلة ألا ترى أنه عقد يقال ويفسخ والواجب في الإجارة الفاسدة أجر المثل لا يجاوز به المسمى. (الهداية، كتاب الإجارة، باب الإجارة الفاسدة، مكتبة اشرفية ديوبند ۳۰۱/۳)

(۳) الغصب في الشريعة أخذ مال متقوم محترم بغير إذن المالك على وجه يزيل يده. (الهداية، كتاب الغصب، مكتبة اشرفية ديوبند ۳۷۲/۳)

أما تفسيره (الغصب) شرعاً فهو أخذ مال متقوم محترم بغير إذن المالك على وجه يزيل يده المالك إن كان في يده أو يقصر يده إن لم يكن في يده. (الهندية، كتاب الغصب، الباب الأول في تفسير الغصب الخ مكتبة زكريا ديوبند قديم ۱۱۹/۵، جدید ۱۳۹/۵)

وكذا في الفتاوى التاتارخانية، كتاب الغصب، نفس الغصب، مكتبة زكريا ديوبند ۴۲۶/۱۶، رقم: ۲۵۵۴۷۔

(۴) الزكاة واجبة على الحر العاقل البالغ المسلم إذا ملك نصيباً ملكاً تاماً وحال عليه الحول الخ. (الهداية، كتاب الزكاة، مكتبة اشرفية ديوبند ۱۸۵/۱) ←

باقی اگر یہ تحقیق نہ ہو سکے کہ وہ رقم کس مقدار اور کس صورت میں ہے تب بھی اس بناء پر کہ اصل رقم کا مکمل وجوب زکوٰۃ ہونا یقینی ہے اور کوئی امر جو زکوٰۃ کا مسقط و مانع ہو مشکوک ہے اور یقین لا یزول بالشک (۱) اس پوری رقم پر زکوٰۃ واجب کہیں گے۔ اور نفع جو وصول ہوا ہے اس میں کوئی وجہ شک کی ہے ہی نہیں، جب تک اس کے خلاف کوئی امر ظاہر نہ ہوا متصحاً یا یہی حکم باقی رہے گا۔ (۲) واللہ اعلم اور واقفین سے معلوم ہوا کہ ان امور کی تحقیق بھی سہولت سے ہو سکتی ہے، اس صورت میں حکم زکوٰۃ سہولت سے متعین ہو جائے گا۔

**نوٹ:** بہتر یہ ہے کہ علماء سے بھی مشورہ کر لیا جاوے۔

۲۳/ ذی الحجہ ۱۳۵۳ھ (النور ذیقعدہ ۵۴ھ)

← الفتاویٰ التاتارخانیہ، کتاب الزکاۃ، وجوب الزکاۃ و سببها و حکمها، مکتبۃ زکریا دیوبند

۱۳۳/۳، رقم: ۳۹۳۴۔

الزکاۃ فرض علی المخاطب إذا ملک نصاباً نامیاً حولاً کاملاً. (خانیۃ علی ہامش

الہندیۃ، کتاب الزکاۃ، مکتبۃ زکریا دیوبند قدیم ۱/ ۲۴۵، جدید ۱/ ۱۵۲)

(۱) الأشباه والنظائر: القاعدة الثالثة: یقین لا یزول بالشک. (الأشباه والنظائر،

مکتبۃ دار العلوم دیوبند ص: ۱۰۰، زکریا ۱/ ۱۸۳)

قواعد الفقہ، مکتبۃ رشید دیوبند ص: ۱۴۳، رقم القاعدة: ۴۲۱۔

شرح المحلۃ لسلم رستم باز ۱/ ۲۰، رقم: ۴۔

(۲) ومن كان له نصاب فاستفاد في أثناء الحول من جنسه ضمه إليه وزكاه به.

(الهدایۃ، کتاب الزکاۃ، فصل في الغنم، مکتبۃ اشرفیۃ دیوبند ۱/ ۱۹۳)

ومن كان له نصاب فاستفاد في أثناء الحول مالا من جنسه ضمه إلى ماله وزكاه سواء كان

المستفاد من نمائه أولا وبأي وجه استفاد ضمه سواء كان بميراث أو هبة أو غير ذلك. (الہندیۃ،

کتاب الزکاۃ، الباب الأول في تفسيرها وصفتها وشرائطها، مکتبۃ زکریا قدیم ۱/ ۱۷۵، جدید ۱/ ۲۳۷)

ولو كان الزيادة والنقصان في العين قبل الحول، ثم حال الحول وهي كذلك ففي

الزيادة تجب الزکاۃ زائدة؛ لأن تلك الزيادة مستفاد في خلال الحول فيضم إلى الأصل.

(الفتاویٰ التاتارخانیۃ، کتاب الزکاۃ، زکاۃ عروض التجارة، مکتبۃ زکریا دیوبند ۳/ ۱۷۲،

رقم: ۴۰۲۸) شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

**سوال (۸۰۳):** قدیم ۱۹/۲- کیا فرماتے ہیں علماء دین ان مسائل میں اول کسی شخص نے ایک انجمن تجارت متفقہ میں کچھ زرد داخل کر کے شرکت حاصل کی، شریک کو انجمن کے کاروبار تجارت خرید و فروخت مال و انتظام و اہتمام میں کسی قسم کی مداخلت نہیں، مہتمم و سربراہ کارشما ہی خواہ سال تمام پر حسب قاعدہ معینہ زر منافع شرکاء کے پاس بھیج دیتا ہے، ایسی صورت میں زر منافع پر جو شریک کو وصول ہو زر کوۃ واجب ہے یا زراصل و منافع دونوں پر۔

**دوم:** زرِ کوۃ تعلیم اطفال مسلمانان میں صرف کرنا درست ہے یا نہیں؟

عام اس سے کہ تعلیم علوم دینی ہو یا دنیوی مثلاً زر کوۃ دینے والے کو محض ہمدردی قومی اور حبِ اسلامی سے یہ مقصود ہے کہ مسلمان جو بوجہ عام عدم حصول اُن علوم کے کہ فی زمانہ آلہ کسب معاش سمجھے جاتے ہیں افلاس میں بسر کرتے ہیں، ان علوم سے ماہر ہو جائیں اور ان پر نوکری گورنمنٹ اور معاش کا دروازہ کھل جائے اور اس ذریعہ سے اُن کی فلاکت و تنگدستی دور ہو پھر حاجات دنیوی سے فارغ البال ہو کر اگر توفیق ایزدی رفیق ہو تو اُن سے دینی امور کی امداد کی بھی اُمید ہے، پس زرِ کوۃ بے مایہ اطفال کے خورد و نوش یا کتابوں کی خرید یا معلموں، مدرسوں و ماسٹروں کی تنخواہ یا مدرسہ کی تعمیر یا ضروری سامان نشست و برخاست و اسباب استراحت اطفال و اہل مدرسہ میں صرف کرنا جائز ہوگا یا نہیں؟

**الجواب:** جواب سوال اول صورت مسئلہ میں آخر سال میں جس قیمت کا سرمایہ اُس کے حصہ کا اور جس قدر اس پر منافع ہو دونوں میں زر کوۃ واجب ہے۔

في الدر المختار: نام ولو تقدیرا بالقدرة على الاستمناء ولو بنائبه (۱)

(۱) الدر المختار مع رد المحتار، کتاب الزکاة، مکتبہ زکریا دیوبند ۱۷۹/۳،

کراچی ۲۶۳/۲۔

نام ولو تقدیراً (کنز) وفي البحر: وفي الشرع هو نوعان: حقيقي وتقديرى. فالحقيقي الزيادة بالنوالد والتناسل والتجارات والتقديرى تمكنه من الزيادة بكون المال في يده أو يدنائبه الخ. (البحر الرائق، كتاب الزكاة، زكريا ۳۵۵/۲-۳۶۲، و كوئٹہ ۲۰۲/۲-۲۰۶)

نام أي: زائد ولو كان النماء تقدیراً بأن يكون المال في يده أو يد نائب وهو متمكن من

الزيادة الخ. (النهر الفائق، كتاب الزكاة، زكريا ۴۱۶/۱)

والمستفاد وسط الحول يضم إلى نصاب من جنسه فيزكاه بحول الأصل ۱۲. (۱)  
وفي عرض تجارة قيمة نصاب. ۱۲ (۲) واللہ اعلم

**جواب سوال دوم:** اداء زکوٰۃ میں چونکہ تملیک شرط ہے؛ لہذا مصارف مذکورہ میں صرف کرنے سے زکوٰۃ اداء نہیں ہو سکتی البتہ جواز کا یہ حیلہ ہے (\*) کہ اولاً کسی مستحق کی تملیک کردی جاوے پھر وہ اپنی طرف سے ان مصارف میں صرف کردے؛ لیکن اس مستحق کو صرف نہ کریگا بھی اختیار ہے۔

يصرف إلى كلهم أو بعضهم تملیکاً لا إلى بناء مسجد أو كفن ميت وقضاء دينه و ثمن

(\*) لیکن یہ حیلہ اگر محض ضابطہ ہی پورا کرنے کو کیا ہے، تو زکوٰۃ ادا نہ ہوگی اور اگر تملیک واقعی ہوتی ہے، تو اس کو حیلہ کہنا مجاز ہے اور زکوٰۃ ادا ہو جاوے گی۔ ۱۲ سعید احمد پالن پوری

(۱) الدر المختار مع رد المحتار، کتاب الزکاة، باب زکاة الغنم، زکریا ۳/۲۱۴،  
کراچی ۲/۲۸۸۔

ويضم مستفاد من جنس نصاب إليه ..... والمراد بالضم أن تجب الزكاة في  
الفائدة عند تمام الحول على الأصل. (البحر الرائق، کتاب الزکاة، فصل في الغنم، زکریا  
۲/۳۸۸، کوئٹہ ۲/۲۲۲)

ومن كان له نصاب فاستفاد في أثناء الحول من جنسه ضمه إليه وزكاه به.  
(الهداية، کتاب الزکاة، فصل في الغنم، مكتبة اشرفية ديوبند ۱/۹۳)

(۲) الدر المختار مع رد المحتار، کتاب الزکاة، باب زکاة المال، مكتبة زکریا  
ديوبند ۳/۲۲۸، کراچی ۲/۲۹۸۔

وفي عروض تجارة بلغت نصاب ورق أو ذهب. (کنز الدقائق مع البحر الرائق،  
کتاب الزکاة، باب زکاة المال، مكتبة زکریا ديوبند ۲/۳۹۷-۳۹۸، کوئٹہ ۲/۲۲۸)

الزكاة واجبة في عروض التجارة كائنة ما كانت إذا بلغت قيمتها نصاباً من  
الورق والذهب. (الهندي، کتاب الزکاة، الفصل الثاني في العروض، مكتبة زکریا ديوبند  
قديم ۱/۱۷۹، جديد ۱/۲۴۱)

كذا في الهداية، کتاب الزکاة، باب زکاة المال، فصل في العروض، مكتبة اشرفية  
ديوبند ۱/۱۹۵۔

ما يعتق لعدم التملك وهو الركن وقدمنا ان الحيلة ان يتصدق على الفقير ثم يأمره بفعل هذه الاشياء وهل له أن يخالف أمره لم أره والظاهر نعم. ۱۲ (۱)

واللہ اعلم (امداد، ص ۱۶۵، ج ۱)

## کمپنی میں جو روپیہ لگائے اصل و نفع پر زکوٰۃ کا حکم

**سوال (۸۰۴):** قدیم ۲۰/۲ - زید نے ایک میل کمپنی کے حصے خریدے، ایک حصہ ۷۰۰ سو میں خریدا آج وہ حصہ ۴۰۰ میں بکتا ہے، اصل حصہ سو روپے کا ہے اس کی آمد سالانہ کبھی سو کبھی زیادہ ہے زید زکوٰۃ کس طرح دے اور مفصل گزارش یہ ہے کہ کمپنی کی جائیداد یعنی عمارت اور اسکی مشینیں سانچے وغیرہ یہ کل ۲۵ لاکھ روپیہ کی ہیں اور روپیہ جمع ۲۵ لاکھ ہیں، زید کے حصہ میں اگر یہ جائیداد اور روپیہ جمع ہوا تقسیم ہوئے تو دو سو روپے آنے کی اُمید ہے یہ تو جواب ہے۔

اب بندہ پھر تفصیل سے عرض کرتا ہے، شروع کمپنی جب ہوئی تو ایک حصہ ایک سو روپے کا تھا ایسے دس ہزار حصے کے خریدار لوگ ہوئے جس سے دس لاکھ روپیہ جمع ہو گیا، اسکی ایک عمارت بنائی اور کچھ مشینیں لاکر

(۱) الدر المختار مع رد المحتار، کتاب الزکاة، باب المصرف، زکریا ۳/۲۹۱ تا ۲۹۴، کراچی ۳۴۴/۲-۳۴۵۔

فیدفع إلى كلهم أو إلى صنف لا إلى ذمي وصح غيرها وبناء مسجد وتكفين ميت وقضاء دينه وشراء قن يعتق (کنز) وفي النهر: والحلية في هذا أن يتصدق على الفقير ثم يأمره بفعل هذه الأشياء وهل له أن يخالف أمره؟ مقتضى صحة تملكه أن له ذلك ولم أره. (النهر الفائق، کتاب الزکاة، باب المصرف، مكتبة زکریا دیوبند ۱/۶۲۷)

ويجوز دفعها إلى كلهم وإلى بعضهم ولو واحدًا من أي صنف كان خلافاً للشافعي ولا تدفع لبناء مسجد أو تكفين ميت أو قضاء دينه أي الميت الفقير ولو بأمره لعدم التملك وهو الركن. قالوا: والحيلة أن يتصدق على الفقير ثم يأمره بفعل هذه الأشياء فتكون لرب المال ثواب الزكاة وللفقير ثواب هذا التقرب ذكره في البحر وهل له أن يخالف أمره لم أره والظاهر نعم. (الدر المنتقى على هامش مجمع الأنهر، کتاب الزکاة، باب المصرف، مكتبة عباس أحمد الباز ۱/۳۲۸-۳۲۹) شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

اس میں نصب کردی گئیں، پہلے سال سو روپے پر اس کمپنی نے نفع دس روپیہ تقسیم کیا تو ایک حصہ جو سو کا تھا دو سو روپے میں پہلے خریدار سے عمر نے خریدا لیا۔

دوسرے سال بیس روپے ایک حصہ جو کہ سو کا تھا اس پر تقسیم کئے جس کی وجہ سے حصہ کی قیمت ۳۰۰ کی ہوگئی، عمر سے ایک حصہ بکرنے ۳۰۰ میں خریدا ایسے ہی زیادہ نفع ہونے سے قیمت بڑھ گئی اور بکر سے خالد نے ۴۰۰ میں خریدا پھر خالد سے زائد نے ۶۰۰ میں پھر زائد سے اب زید نے ۷۰۰ میں خریدا، اب اس سال وہی حصہ ۴۰۰ میں بکتا ہے سرمایہ اور عمارت وغیرہ جمع کی جاوے تو زید کو ۲۰۰ روپے حصہ میں آسکتے ہیں اور سالانہ نفع کبھی سو روپے کبھی دو سو روپے کبھی ڈیڑھ سو روپے۔

اب سوال یہ ہے کہ آمدنی سالانہ پر زکوٰۃ دے یا سرمایہ و جائیداد کی قیمت کر کے جو حصہ جس قدر زید کے حصہ میں آوے اس مقدار پر زکوٰۃ دے، یا اصل حصہ سو کا تھا اس مقدار پر زکوٰۃ دے، یا آج کل اس کی قیمت ۴۰۰ کی ہوگئی ہے اس مقدار پر زکوٰۃ دے۔ تحریر فرمادیں؟

**الجواب:** جواب سے پہلے یہ مقدمات سن لینا چاہئیں۔

(۱) تجارت کی اصل اور نفع دونوں پر زکوٰۃ واجب ہے۔ (۱)

(۱) في عرض تجارة قيمته نصاب من ذهب أو ورق. (الدر المختار مع رد المحتار، كتاب الزكاة، باب زكاة المال، مكتبة زكريا ديوبند ۳/۲۲۸، كراچی ۲۹۸/۲)

الزكاة واجبة في عروض التجارة كائنة ما كانت إذا بلغت قيمتها نصاباً من الورق والذهب. (الهندية، كتاب الزكاة، الفصل الثاني في العروض، مكتبة زكريا ديوبند قديم ۱/۱۷۹، جديد ۱/۲۴۱)

كذا في الهداية، كتاب الزكاة، باب زكاة المال، فصل في العروض، مكتبة اشرفية ديوبند ۱/۱۹۵۔

وفي عروض التجارة بلغت نصاب ورق أو ذهب يعني في عروض التجارة يجب ربع العشر إذا بلغت قيمتها من الذهب أو الفضة نصاباً. (تبیین الحقائق، كتاب الزكاة، باب زكاة المال، مكتبة زكريا ديوبند ۲/۷۷)

وسط الحول يضم إلى نصاب من جنسه فيزيكه بحول الأصل. (الدر المختار مع رد المحتار، كتاب الزكاة، باب زكاة الغنم، مكتبة زكريا ديوبند ۳/۲۱۴، كراچی ۲/۲۸۸)

والمراد بالضم أن تجب الزكاة في الفائدة عند تمام الحول على الأصل. (البحر الرائق، كتاب الزكاة، فصل في الغنم، مكتبة زكريا ديوبند ۲/۳۸۸، كوئٹہ ۲/۲۲۲) ←

(۲) عمارات وآلات حرفہ پر زکوٰۃ واجب نہیں۔ (۱)

(۳) مال حرام پر اگر وہ اپنی ملک میں مخلوط ہو جاوے زکوٰۃ ہے مگر بقدر حق غیر دین ہونے کے سبب زکوٰۃ سے مستثنیٰ ہو جاوے گا۔ (۲)

← ومن كان له نصاب فاستفاد في أثناء الحول من جنسه ضمه إليه وزكاه به.

(الهداية، كتاب الزكاة، فصل في الغنم، مكتبة اشرافية ديوبند ۱/۱۹۳)

(۱) ولا في ثياب البدن ..... وأثاث المنزل ودور السكنى ونحوها ..... وكذلك

آلات المحترفين. (الدر المختار مع رد المحتار، كتاب الزكاة، مكتبة زكريا ديوبند ۲/۲۶۴-۲۶۵، کراچی ۱۸۲/۳-۱۸۳، ۲/۲۶۴-۲۶۵)

وأما كونه فارغا عن الدين وعن حاجته الأصلية كدور السكنى، وثياب البذلة، وأثاث

المنزل وآلات المحترفين. (تبيين الحقائق، كتاب الزكاة، مكتبة زكريا ديوبند ۲/۲۳)

(۲) لو أن سلطانا غصب مالا وخلطه صار ملكاً له حتى وجبت عليه الزكاة وورث

عنه على قول أبي حنيفة؛ لأن خلط دراهمه بدارهم غيره عنده استهلاك. (البحر الرائق، كتاب الزكاة، مكتبة زكريا ديوبند ۲/۳۵۹، کوئٹہ ۲/۲۰۵)

لو خلط السلطان المال المغصوب بماله ملكه فتجب الزكاة فيه ويورث عنه لأن الخلط

استهلاك، إذا لم يكن تمييزه عند أبي حنيفة ..... وهذا إذا كان له مال غير ما استهلكه بالخلط منفصل عنه يوفي دينه وإلا فلا زكاة كما لو كان الكل خبيثاً. (الدر المختار مع رد المحتار، كتاب

الزكاة، باب زكاة الغنم، مكتبة زكريا ديوبند ۳/۲۱۷-۲۱۸، کراچی ۲/۲۹۰-۲۹۱)

من ملك أموالاً غير طيبة أو غصب أموالاً وخلطها ملكها بالخلط ويصير ضامناً، وإن

لم يكن له سواها نصاب فلا زكاة عليه في تلك الأموال وإن بلغت نصاباً لأنه مديون ومال المديون لا ينعقد سبباً لوجوب الزكاة عندنا ..... لا بد أن يكون معه نصاب زائد على ما يوفي

دينه؛ لأن ما كان مشغولاً بالدين لا زكاة فيه وإنما يزكى ما زاد عليه إذا بلغ نصاباً ..... وعلى هذا فلم تجب عليه زكاة ما غصبه بل زكاة ماله الزائد عليه. (منحة الخالق على هامش البحر الرائق،

كتاب الزكاة، مكتبة زكريا ديوبند ۲/۳۶۰، کوئٹہ ۲/۲۰۵)

وإذا لم تمييز الأموال المغصوبة عن النصاب المملوك له لا تجب عليه بمقدار

المغصوب وتجب في الزائد. (تقريرات رافعي، مكتبة زكريا ديوبند ۳/۱۳۲، کراچی ۲/۱۳۳)



ان مقدمات کے بعد اب سمجھنا چاہئے کہ ابتدائی شرکت میں اصل شریک کا جو مثلاً سو روپے کا تھا اس میں سے کچھ حصہ تو عمارت و آلات میں لگ گیا اس کی زکوٰۃ واجب نہیں ہوئی اور کچھ حصہ تجارت میں لگا اس پر مع نفع کے زکوٰۃ واجب ہوئی، خواہ وہ نفع پورا اس شریک کو مل گیا ہو خواہ کچھ تقسیم ہو کر بقیہ سرمایہ میں شامل ہو گیا، مثلاً سو روپے میں بیس تو عمارت و آلات میں لگ جاویں اور اسی تجارت میں لگ جاویں اور اس اسی پر پندرہ روپیہ نفع ہو جس میں سے دس تو شریک کو ملے اور پانچ سرمایہ میں داخل کر دیئے گئے۔

اب زکوٰۃ ۹۵ روپے پر واجب ہوگی۔ (۱) پھر جب یہ حصہ مثلاً کسی نے خریدا تو حقیقت عقد کی یہ ہوگی کہ ۸۵ روپے تو ۸۵ روپیہ کے عوض میں ہو گئے اور ایک سو پندرہ روپے حصہ آلات و عمارات کے عوض میں؛ کیونکہ بدون اس تاویل کے یہ بیع جائز نہ ہوگی۔

اب شبر ہا تھا قبض کا سوا آلات و عمارات کے حصہ میں تو تقابض شرط ہی نہیں، اب حصہ پچاسی کا رہا سو بیع صرف کی بناء پر تو تقابض فی مجلس ضرور تھا (۲) جو یہاں ممکن نہیں؛ اس لیے اس کی صحت کا یہ حیلہ ہو سکتا ہے

(۱) وفي عروض تجارة بلغت قيمتها نصاباً من أحدهما تقوم بما هو انفع للفقراء .....  
ويضم مستفاد ولو بهبة أو إرث من جنس نصاب إليه أي النصاب في حوله وحكمه أي النصاب فيزيه بحول الأصل. (الدر المنتقى على هامش مجمع الأنهر، كتاب الزكاة، باب زكاة الذهب والفضة والعروض، مكتبة عباس أحمد الباز ۱/۳۰۶-۳۰۷)

(۲) ومن باع جارية قيمتها ألف مثقال فضة وفي عنقها طوق فضة قيمته ألف مثقال بألفي مثقال فضة ونقد من الثمن ألف مثقال ثم افترقا فالذي نقد ثمن الفضة لأن قبض حصه الطوق واجب في المجلس لكونه بدل الصرف (الهداية) وفي الفتح صرف المنقود إلى الطرق وإن لم ينص الدافع عليه، وكذا لو قال خذه منهما صرف أيضاً إلى الطوق وصح البيع فيهما تحريماً للجواز بتحكيم ظاهر حالهما إذا الظاهر قصدتهما إلى الوجه المصحح الخ. (فتح القدير، كتاب الصرف، مكتبة زكريا ديوبند ۷/۱۳۴، كوئٹہ ۶/۲۶۵)

ولو اشترى أمة تساوي الفاً مع طوق قيمته ألف بألفين ونقد ألفاً فهو ثمن الطوق. (ملتي الأبحر) وفي مجمع الأنهر: لأن قبض ثمن الصرف واجب حقاً للشرع وقبض ثمن الأمة ليس بواجب فالظاهر هو الاتيان بالواجب. وفي الدر المنتقى: تحريماً للجواز وإنما بين قيمتهما لبيان انقسام الثمن على الثمن أو انه غير جنس الطوق وإلا فالعبرة لوزن الطوق لا لقيمتة فقدرة مقابل به والباقي بالجارية. (مجمع الأنهر، كتاب الصرف، مكتبة عباس أحمد الباز ۳/۱۶۳)

کہ جو شخص صورتہ و عرفاً بائع ہے وہ مشتری حصہ سے پچاسی روپے قرض لے لے، پھر اس پچاسی روپے کا حوالہ اس پچاسی روپے پر کر دے جو کہ کارخانہ میں اسکے امین یعنی منیجر کے قبضہ میں ہے اور اب اس کو یہ مشتری اپنی طرف سے وکیل و امین بناتا ہے، پس حوالہ مع قبض الا مین سے وہ ۸۵ روپے اس مشتری کے حصے کی ملک میں آگیا اور معاملہ مکمل ہو گیا، اب یوم ملک سے حوالہ ان حول ہونے پر حساب کرنے سے دیکھا جائے گا کہ علاوہ آلات و عمارات کے کل سرمایہ کتنا ہے اور اس ۸۵ روپے والے کا اس میں اصل اور نفع ملا کر کتنا ہے اس مجموعہ پر زکوٰۃ واجب ہوگی اور اس قیمت کا اعتبار نہ ہوگا جس کے عوض میں یہ حصہ خریدا ہے، اسی طرح اگر یہ حصہ کسی اور نے خریدا یہی تفصیل تاویل اور احکام کی اس میں ہوگی اور اگر بلا اس تاویل کے خریداری ہوئی تو اگر قیمت کی مقدار حصہ سے زائد ہے تو گو یہ عقد ناجائز ہے، مگر اس حصہ میں کسی کا حق نہیں اس لیے زکوٰۃ صرف اس حصہ میں ہوگی اور اگر قیمت کی مقدار حصہ سے کم ہے تو عقد بھی ناجائز ہے اور زائد حصہ دوسرے شخص یعنی بائع کا حق ہے مگر چونکہ اس مشتری کے قبضہ میں اور اس کی ملک میں مخلوط ہے اس لیے زکوٰۃ مجموعہ میں ہوگی، مگر بقدر حق مذکور کے یہ شخص مدیون ہے اس لیے اس حیثیت سے یہ مقدار زکوٰۃ سے مستثنیٰ ہوگی؛ البتہ صاحب حق معاف کر دے تو پھر باوجود خبث مال کے بوجہ دین نہ ہونے کے پھر مجموعہ پر زکوٰۃ ہوگی اور یہ بائع حربی ہے تو بناء بر روایت اباحت زیادة من الحربی یہ زائد حصہ حق غیر بھی نہ ہوگا اُمید ہے (۱) کہ اس تقریر سے سوال کے سب اجزاء کا جواب ہو گیا۔ واللہ اعلم۔

دوسرے علماء کو بھی دکھلا لینا یا خود غور کر لینا ضروری ہے۔

۳۔ رشوال المکرم ۱۳۳۹ھ (حوادث، ص ۴۱، ج ۵)

(۱) حربی سے سود اور مال غنیمت حاصل کرنے کے لئے شرط یہ ہے وہ مسلمان خود دار الحرب کا رہنے والا نہ ہو؛ بلکہ عارضی طور پر ویز او غیرہ لے کر آیا ہوا ہو، اور خود دار الحرب کے رہنے والے مسلمان کے لئے جائز نہیں؛ اس لئے فقہاء نے مسلم متا من کی قید لگائی ہے ملاحظہ فرمائیے:

ولا (ربا) بین حربی و مسلم مستأمن ولو بعقد فاسد أو قمار ثمة الخ. (الدر

المختار مع رد المحتار، کتاب البیوع، باب الربا، مکتبۃ زکریا دیوبند ۴۲۲/۷ - ۴۲۳،

کراچی ۱۸۶/۵) شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

\*\*\*\*\*  
**سوال (۸۰۵):** قدیم ۲/۲۳ - مذکورہ بالا کمپنی (\*) کے دو ہزار روپیہ کے اگر حصص خریدے تو اس کی آمدنی کے اوپر زکوٰۃ دینا واجب ہے یا دو ہزار روپیہ مذکورہ کے اوپر بھی زکوٰۃ دینا واجب ہے یا آمدنی اور مذکورہ دو ہزار روپیہ دونوں پر زکوٰۃ لازم آئے گی؟

**الجواب:** زکوٰۃ اصل و نفع دونوں پر واجب ہوتی ہے۔ (۱)

(تتمہ اولی ص ۱۵۵)

(\*) یعنی کپڑے اور روٹی بنانے کی ملوں کے حصص جن کا تذکرہ کتاب کی اصل ترتیب میں اس سے پہلے سوال کے اندر آیا ہوا ہے۔ ۱۲ محمد شفیع احمد غفرلہ

(۱) الزکاة واجبة في عروض التجارة كائنة ما كانت إذا بلغت قيمتها نصاباً من الورق والذهب. (الهندية، كتاب الزكاة، الفصل الثاني في العروض، مكتبة زكريا ديوبند قديم ۱/۱۷۹، جديد ۱/۲۳۱)

كذا في الهداية، كتاب الزكاة، باب زكاة المال، فصل في العروض، مكتبة اشرفية ديوبند ۱/۱۹۵ -

وفي عروض تجارة بلغت نصاب ورق أو ذهب يعني في عروض التجارة يجب ربع العشر إذا بلغت قيمتها من الذهب أو الفضة نصاباً. (تبيين الحقائق، كتاب الزكاة، باب زكاة المال، مكتبة زكريا ديوبند ۲/۷۷)

وفي عروض تجارة بلغت قيمتها نصاباً من أحدهما تقوم بما هو أنفع للفقراء ..... ويضم مستفاد ولو بهبة أو إرث من جنس نصاب إليه أي النصاب في حوله وحكمه أي النصاب فيزيه بحول الأصل. (الدر المنتقى على هامش مجمع الأنهر، كتاب الزكاة، باب زكاة الذهب والفضة والعروض، مكتبة عباس أحمد الباز ۱/۳۰۶ - ۳۰۷)

ومن كان له نصاب فاستفاد في أثناء الحول من جنسه ضمه إليه وزكاه به. (الهداية، كتاب الزكاة، فصل في الغنم، مكتبة اشرفية ديوبند ۱/۹۳)

ويضم مستفاد من جنس نصاب إليه ..... والمراد بالضم أن تجب الزكاة في الفائدة عند تمام الحول على الأصل. (البحر الرائق، كتاب الزكاة، فصل في الغنم، زكريا ۲/۳۸۸، كوئٹہ ۲/۲۲۲) شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

## مال مفقود کی زکوٰۃ کا حکم

**سوال (۸۰۶):** قدیم ۲۳/۲ - اگر کوئی زیور برس دو برس آدمی کے پاس رہے اور وہ پاس سے جاتا رہے، یعنی کھویا جاوے تو اس کی زکوٰۃ دینا لازم ہے یا نہیں؟

**الجواب:** اگر خود کھو دیا یعنی خرچ کر دیا تب تو سالہائے گزشتہ کی زکوٰۃ واجب رہے گی۔

بخلاف المستهلك بعد الحول لوجود التعدي. (۱)  
اور اگر خود گم ہو گیا تو سالہائے گزشتہ کی زکوٰۃ ساقط ہو گئی۔

ولا في هالك بعد وجوبها. (۲)

اور اگر بعد گم ہونے کے مل گیا تو دیکھنا چاہیے اگر اس سال زکوٰۃ پورا ہونے کے بعد ملا اُن ایام گم گشتگی کی زکوٰۃ لازم نہ آئے گی۔

(۱) الدر المختار مع رد المحتار، کتاب الزکاة، باب زکاة الغنم، مکتبہ زکریا دیوبند  
۲۰۸/۳، کراچی ۲۸۴/۲۔

وقيد بالهلاك لأنه لو استهلكه بعد الحول لا تسقط عنه لوجود التعدي. (البحر الرائق،  
کتاب الزکاة، فصل في الغنم، مکتبہ زکریا دیوبند ۳۸۲/۲، کوئٹہ ۲۱۹/۲)

ولا الهالك بعد الوجوب ..... قيد بالهلاك لأنه لما استهلك النصاب ضمن  
الواجب. (النهر الفائق، کتاب الزکاة، مکتبہ زکریا دیوبند ۴۲۹/۱)

(۲) الدر المختار مع رد المحتار، کتاب الزکاة، باب زکاة الغنم، مکتبہ زکریا دیوبند  
۲۰۷/۳، کراچی ۲۸۳/۲۔

وإن هلك المال بعد وجوب الزكاة سقطت الزكاة. (الهداية، کتاب الزکاة، فصل في  
الغنم، مکتبہ اشرفیہ دیوبند ۱۹۳/۱)

إذا هلك مال الزكاة بعد حولان الحول من غير تعدي منه بالاستهلاك سقطت عنه  
الزكاة سواء هلك بعد التمكن من الأداء أو قبل التمكن منه. (الفتاویٰ التاتارخانية، کتاب الزکاة،  
الفصل الحادي عشر في الأسباب المسقط للزكاة، مکتبہ زکریا دیوبند ۲۳۷/۳، رقم: ۴۲۳۱)

المسقط لها بعد الوجوب أحد الأشياء الثلاثة منها: هلاك النصاب بعد الحول قبل التمكن  
من الأداء وبعده عندنا. (بدائع الصنائع، کتاب الزکاة، باب ما يسقطها، مکتبہ زکریا دیوبند ۱۶۷/۲)

ولا في مال مفقود وجده بعد سنين. (۱)

رہا آئندہ کے لیے زکوٰۃ کا آنا اس کا یہ حکم ہے کہ اگر سوائے اس کے اس شخص کے پاس پہلے سے اس قسم کا نصاب ہے تو اُس کے ساتھ اس کی زکوٰۃ بھی دی جائے گی اور اگر نصاب سے کم ہے تب پانے کے وقت سے سال کا مل گزرنا شرط ہوگا۔

والمستفاد وسط الحول يضم إلى نصاب من جنسه فيزكاه بحول الأصل قوله إلى نصاب قيد به لأنه لو كان النصاب ناقصاً وكمل بالمستفاد فإن الحول ينعقد عليه عند الكمال. (۲) شامی۔  
اور اگر سال کے اندر مل گیا سو بھی دیکھنا چاہئے اُس کے پاس سوائے اس کے اور مال بھی اس قسم کا ہے یا نہیں؟ اگر نہیں تو وقت پانے سے جب ایک سال گزر جاوے تب زکوٰۃ لازم آوے گی اور اگر اور مال بھی ہے کہ دونوں مل کر نصاب زکوٰۃ یا زائد ہو جاوے، تو اس کی زکوٰۃ بھی مال باقی کے ساتھ دی جاوے گی۔

(۱) الدر المختار مع رد المحتار، کتاب الزکاة، مکتبۃ زکریا دیوبند ۱۸۳/۳،

کراچی ۲۶۶/۲۔

ولا في مال ضمار وهو المفقود (ملتقي الأبحر) وفي هامش مجمع الأنهر أي كعبد مفقود وأبق وضال وجده بعد مضى الحول. (مجمع الأنهر، کتاب الزکاة، مکتبۃ عباس أحمد الباز ۲۸۷/۱)

وإذا قبض مال الضمار لا تجب زكاة السنين الماضية وهو كأبق ومفقود ومغصوب ليس عليه بينة. (مراقي الفلاح على حاشية الطحطاوي، کتاب الزکاة، دارالکتاب دیوبند ص: ۶۱۶)

(۲) شامی، کتاب الزکاة، باب زکاة الغنم، مکتبۃ زکریا دیوبند ۲۱۴/۳، کراچی ۲۸۸/۲۔

ويضم مستفاد من جنس نصاب إليه ..... والمراد بالضم أن تجب الزكاة في الفائدة عند تمام الحول على الأصل ..... قيد بالنصاب لأنه لو كان النصاب ناقصاً وكمل مع المستفاد فإن الحول ينعقد عليه عند الكمال. (البحر الرائق، کتاب الزکاة، فصل في الغنم، زکریا ۳۸۸/۲)

ثم إنما يضم المستفاد عندنا إلى أصل المال إذا كان الأصل نصاباً فأما إذا كان أقل من النصاب فإنه لا يضم إليه، وإن كان يتكامل به النصاب وينعقد الحول عليهما حال وجود المستفاد الخ (بدائع الصنائع، کتاب الزکاة، بيان ما يقطع حكم الحول وما لا يقطع، مکتبۃ زکریا دیوبند ۹۷/۲)

و شرط کمال النصاب في طرفي الحول فلا يضر نقصانه بينهما فلو هلك  
كله بطل الحول. (۱) در مختار واللہ اعلم

۱۲ ذیقعدہ ۱۳۰۲ھ (امداد، ص ۱۶۶، ج ۱)

## زیر، برتن اور غیر منقولہ جائیداد کی زکوٰۃ کا حکم

**سوال (۸۰۷):** قدیم ۲/۲۳۔ کیا فرماتے ہیں علماء دین کہ زکوٰۃ مفروضہ کا مسئلہ زیر  
مستورات پر جاری ہو سکتا ہے یا کیا مواضع و دیہات کے منافع سالانہ پر زکوٰۃ ہے یا کہ قیمت مواضع پر زکوٰۃ  
دینا چاہئے، جو ظروف مثل دیگ ہائے لگن وغیرہ کلاں ہو اور سال بھر میں اُن میں کبھی کبھی استعمال ہوتا ہو  
اور ہمیشہ روزمرہ مستعمل نہ ہوتے ہوں تو ایسے ظروف، ظروف مستعملہ میں شامل ہیں یا نہیں؟ بینوا تو جروا

**الجواب:** جواب سوال اول جو زیر پینے کے لیے نہ ہوں؛ بلکہ اجارہ یا تجارت یا اتفاق وقت  
حاجت کے لیے ہوں یا ممنوع الاستعمال ہوں اُس میں تو باتفاق مجتہدین زکوٰۃ فرض ہے، زیر مستعمل مباح  
الاستعمال میں ائمہ مختلف ہیں، امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک اس میں بھی فرض ہے۔

لعموم قوله تعالى: والذين يكتزون الذهب والفضة ولا ينفقونها في سبيل الله  
فبشرهم بعذاب أليم. الآية۔ (۲)

(۱) الدر المختار مع رد المحتار، کتاب الزکاة، باب زکاة المال، مکتبہ زکریا دیوبند  
۲۳۳/۳، کراچی ۲/۳۰۲۔

کمال النصاب شرط وجوب الزکاة ..... ولكن هذا الشرط يعتبر في أول الحول وفي  
آخره لا في خلاله حتى لو انتقص النصاب في أثناء الحول، ثم كمل في آخر تجب الزکاة  
سواء كان من السوائم أو من الذهب والفضة أو مال التجارة. (بدائع الصنائع، کتاب الزکاة،  
بيان ما يقطع حكم الحول الخ، مکتبہ زکریا دیوبند ۲/۹۹)

ومنها أي شروط وجوب الزکاة حولان الحول على المال ..... وإذا كان النصاب كاملاً في  
طرفي الحول فنقصانه فيما بين ذلك لا يسقط الزکاة. (الهندية، کتاب الزکاة، الباب الأول في  
تفسيرها وصفتها وشرائطها، مکتبہ زکریا دیوبند قدیم ۱/۱۷۵، جدید ۱/۲۳۶)

(۲) سورة التوبة: ۳۴۔ شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

وقوله عليه السلام في الرقة: ربع العشر (۱) ولخصوص ماورد فيه وهو ما روى الترمذى عن عمرو بن شعيب عن أبيه عن جده أن امرأتين أتيا رسول الله صلى الله عليه وسلم وفي أيديهما سواران من ذهب فقال لهما أتؤديان زكوته فقالتا لا فقال لهما رسول الله ﷺ أتحبان أن يسوركما الله يسوارين من نار قالتا لا قال فأديا زكوته. (۲) وما روي مالك وأبو داود عن أم سلمة قالت: كنت ألبس أوضاحاً من ذهب فقلت يا رسول الله ﷺ أكنز هو فقال ما بلغ أن تؤدى زكوته فزكى فليس بكنز. (۳) والله أعلم۔

**جواب سوال ثانی:** قاعدہ کلیہ ہے کہ اگر نصاب نقود میں سے ہے، اس میں زکوٰۃ مطلقاً واجب ہے اور اگر دواب میں سے ہے اور سائمتہ ہے تب بھی زکوٰۃ لازم ہے اور اگر غیر نقود و سوائمتہ ہو تو نیت تجارت سے زکوٰۃ واجب ہے ورنہ نہیں۔

- (۱) صحيح البخاري، كتاب الزكاة، باب زكاة الغنم، النسخة الهندية ۱/ ۱۹۵، رقم: ۱۴۳۴، ف: ۱۴۵۴۔
- سنن أبي داود، كتاب الزكاة، باب في زكاة السائمة، النسخة الهندية ۱/ ۲۱۹، مكتبة دار السلام رقم: ۱۵۶۷۔
- سنن النسائي، كتاب الزكاة، باب زكاة الغنم، النسخة الهندية ۱/ ۲۶۴، مكتبة دار السلام رقم: ۲۴۵۷۔
- (۲) جامع الترمذي، كتاب الزكاة، باب ماجاء في زكاة الحلي، النسخة الهندية ۱/ ۱۳۸، مكتبة دار السلام رقم: ۶۳۷۔
- عن عمرو بن شعيب عن أبيه عن جده أنه قال: إن امرأتين من أهل اليمن أتتا رسول الله صلى الله عليه وسلم وعليهما سواران من ذهب فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم: أتحبان أن يسوركما الله سوارين من نار قالتا لا والله يا رسول الله قال: فأديا حق الله عليكما في هذه. (مسند الإمام أحمد بن حنبل، مكتبة عباس أحمد الباز ۲/ ۲۰۴، رقم: ۶۹۰۱، بيت الأفكار الدولية)
- (۳) سنن أبي داود، كتاب الزكاة، باب الكنز ما هو وزكاة الحلي، النسخة الهندية ۱/ ۲۱۸، مكتبة دار السلام رقم: ۱۵۶۴۔

عن أم سلمة<sup>ؓ</sup> أنها كانت تلبس أوضاعاً من ذهب فسألت عن ذلك النبي صلى الله عليه وسلم ←  
بل لا بد مع الحول من شيء آخر وهو الثمنية كما في الثمنين أي الذهب والفضة  
أو السوم كما في الأنعام أو نية التجارة في غير ما ذكرنا. شرح وقاية. (۱)  
پس مواضع اگر واسطے تجارت کے ہیں تو بعد حولان حول ان کی قیمت و منافع پر زکوٰۃ لازم ہوگی اور اگر  
اجارہ کے لیے ہیں یا اپنے مصارف کے لیے ہیں پس خود ان میں تو زکوٰۃ واجب نہیں۔

و کا لحوانیت و العقارات. شامی۔ (۲)

اور ایسے ہی اگر منافع یا کرایہ جنس غلات سے ہو؛ البتہ اگر زر کرایہ یا منافع نقد میں سے ہوں اور اس  
پر سال بھر گزر جاوے اسمیں زکوٰۃ واجب ہے۔

لما مر من وجوب الزكاة في النقدین مطلقاً. (۳) واللہ اعلم

**جواب سوال ثالث:** ظروف مستعملہ حاجت اصلیہ میں داخل ہیں ان میں زکوٰۃ نہیں۔

← فقالت: أكنز هو؟ فقال: إذا أدیت زكاته فليس بكنز. (السنن الكبرى للبيهقي، كتاب  
الزكاة، باب تفسير الكنز الذي ورد الوعيد فيه، دار الفكر بيروت ۵/ ۴۷۲، رقم: ۷۳۳۵)

(۱) شرح الوقاية، كتاب الزكاة، مكتبة بلال ديوبند ۱/ ۲۱۷۔

و شرطه أي شرط افتراض أدائها حولان الحول وهو في ملكه و ثمنية المال  
كالدرهم والدنانير لتعينهما للتجارة بأصل الخلقة فتلزم الزكاة كيفما أمسكهما ولو  
لنفقة أو السوم أو نية التجارة في العروض الخ. (الدر المختار مع رد المحتار، كتاب الزكاة،  
مكتبة زكريا ديوبند ۳/ ۱۸۶، كراچی ۲/ ۲۶۷)

(۲) شامی، كتاب الزكاة، مطلب في زكاة ثمن المبيع وفاء، مكتبة زكريا ديوبند

۳/ ۱۸۲، كراچی ۲/ ۲۶۵۔

وأما كونه فارغاً عن الدين وعن حاجته الأصلية كدور السكنى و ثياب البذلة وأثاث  
المنزل وآلات المحترفين (تبیین) وفي حاشية الشلبي: وكذا الدور والحوانیت والجمال  
يؤجرها لا زكاة فيها. (تبیین الحقائق، كتاب الزكاة، مكتبة زكريا ديوبند ۲/ ۲۳)

(۳) إن الزكاة تجب في النقد كيفما أمسكه للنماء أو للنفقة. (شامی، كتاب الزكاة،

مطلب في زكاة ثمن المبيع وفاء، مكتبة زكريا ديوبند ۳/ ۱۷۹، كراچی ۲/ ۲۶۲)



ولا بد أن يكون فاضلا من حاجته الأصلية كالأطعمة والثياب وأثاث المنزل.

شرح وقاية. (۱) واللہ اعلم

(امداد، ص ۱۶۷، ج ۱)

## ادائے زکوٰۃ بذریعہ منی آڈر

**سوال (۸۰۸):** قدیم ۲۳/۲ - منی آڈر کے ذریعہ سے کسی فقیر کو زکوٰۃ بھیجنے سے زکوٰۃ ادا ہوتی ہے یا نہیں؟ وجہ شک یہ ہے کہ فقہاء نے تو یہ تصریح کی ہے کہ کافر کو وکیل بنانا ادائے زکوٰۃ میں جائز ہے، مگر یہاں اہل ڈاک خانہ صرف وکیل ہی نہیں؛ بلکہ یہ عقد داخل قرض ہو کر یہ صورت قرار پائی کہ کافر مدیون سے یوں کہا کہ ہمارا یہ قرض زید کو دیدینا اور دل میں یوں نیت کی کہ ہم زکوٰۃ میں دلاتے ہیں؛ لہذا مسئلہ دو وجہ سے مشکوک ہوا، ایک تو یہ کہ حوالہ سے زکوٰۃ ادا ہوتی ہے یا نہیں؟

**دوم:** کافر کے اس طرح دینے سے زکوٰۃ جائز ہوگی یا نہ، آج کل مدارس میں اس کا بہت دستور ہے؟

**الجواب:** في الدر المختار: مسائل متفرقة من كتاب الهبة تملیک الدین ممن ليس عليه الدين باطل إلا في ثلث حوالة ووصية وإذا سلطه أي سلط المملک

(۱) شرح الوقایة، کتاب الزکاة، مکتبہ بلال دیوبند ۲۱۷/۱

فارغ عن الدين وعن حاجته الأصلية (مراقي الفلاح) وفي حاشية الطحطاوي: كنيابه المحتاج إليها لدفع الحر والبرد وكالنفقة ودور السكنى وآلات الحرب والحرفة وأساس المنزل ودواب الركوب وكتب العلم لأهلها. (حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح ص: ۷۱۴) وأما كونه فارغاً عن الدين وعن حاجته الأصلية كدور السكنى وثياب البدلة وأثاث المنزل وآلات المحترفين، وكتب الفقه لأهلها (تبیین) وفي حاشية الشلبي: وكذا طعام أهله. (تبیین الحقائق، کتاب الزکاة، مکتبہ زکریا دیوبند ۲۳/۲)

ومنها فراغ المال عن حاجته الأصلية فليس في دور السكنى وثياب البدن وأثاث المنزل ودواب الركوب وعبيد الخدمة وسلاح الاستعمال زكاة وكذا طعام أهله. (الهندية، کتاب الزکاة، الباب الأول في تفسيرها وصفتها وشرائطها، مکتبہ زکریا قدیم ۱۷۲/۱، جدید ۲۳۴/۱) شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

غیر المدیون علی قبضہ ائی الدین فیصح حینئذ ومنہ ما لو وھبت من ابنھا ما علی أبیہ  
فالمعتمد الصحة للتسلیط. (۱)

اس جزئیہ ومنہ ما لو وھبت الخ سے معلوم ہوا کہ صورت تسلیط میں بالفعل تملیک ہوتی ہے ورنہ صحت کو  
تسلیط سے معلل نہ کیا جاتا کیونکہ قبض حسی کے وقت تو صحت ھبہ میں کوئی تردد ہی نہیں۔ پھر اس میں ترجیح صحت  
کے کوئی معنی نہیں، اس سے ثابت ہوا کہ خود تسلیط تملیک ہے، گو قبل القبض اس تسلیط سے عزل جائز ہو۔ (۲)  
لعدم تمام العقد کما لو قال وھبت ولم یقل الآخر قبلت یصح رجوعه ومع ذالک  
هو تملیک ویصح نية الزکوة عنده وإن لم ینو وقت قبول الموهوب له۔  
پس جب تسلیط تملیک ہے اور تملیک کے وقت نیت اداء زکوة کافی ہے (۳) اور منی آڈر بھیجنے میں  
یقیناً تسلیط ہے، لہذا روانگی منی آڈر کے وقت نیت کافی ہے۔

(۱) الدر المختار مع رد المحتار، کتاب الھبۃ، فصل فی مسائل متفرقة، مکتبۃ زکریا  
دیوبند ۵۱۸/۸-۵۱۹، کراچی ۷۰۸/۵۔

امراة لها مهر علی زوجها و وھبت المهر لابنھا الصغیر الذی من هذا الزوج الصحیح  
أنه لا تصح هذه الھبۃ؛ لأن هبة الدین من غیر من علیہ الدین لا تجوز إلا إذا وھبت وسلطت  
ولدها علی القبض فیجوز ویصیر ملکاً للولد إذا قبض. (خانیۃ علی الھندیۃ، کتاب الھبۃ، فصل  
فی هبة الوالد لولده والھبۃ للصغیر، مکتبۃ زکریا دیوبند قدیم ۲۸۰/۳، جدید ۱۹۴/۳)  
کذا فی الھندیۃ، کتاب الھبۃ، الباب السادس فی الھبۃ للصغیر، مکتبۃ زکریا دیوبند قدیم  
۳۹۲/۴، جدید ۴۱۷/۴۔

(۲) یرى الحنفیۃ والشافعیۃ وروایۃ مرجوحۃ عند الحنابلۃ أن الھبۃ لا تثبت إلا  
بالقبض فلا یثبت الملک للموھوب له قبل قبض الشئ الموھوب وليس فی الایجاب  
والقبول فقط قوۃ إلزام للواهب لإقباض الشئ الموھوب للموھوب له؛ بل له الخيار بالإذن  
بالقبض أو الرجوع عن الھبۃ. (الموسوعة الفقھیۃ الكويتیۃ ۱۳۰/۴۲)

(۳) وشرط صحة أداؤها نية مقارنة له أي للأداء. (الدر المختار مع رد المحتار، کتاب  
الزکاة، مکتبۃ زکریا دیوبند ۱۸۷/۳، کراچی ۲۶۸/۲)

مراقی الفلاح علی حاشیۃ الطحطاوی، کتاب الزکاة، دارالکتاب دیوبند ص: ۷۱۵۔

اب دونوں وجہ شک کی جاتی رہیں کیونکہ یہاں حوالہ سے زکوٰۃ ادا نہیں ہوئی اور نہ کافر کے دینے سے بلکہ مزی کی تسلیط سے۔ کما ذکرہ مفصلاً فقط۔ واللہ اعلم

۱۸ ربیع الاول ۱۳۲۱ھ (امداد ص ۱۶۹، ج ۱)

## تحقیق ادائے زکوٰۃ بذریعہ منی آڈر و جواب شبہ بریں مسئلہ

**سوال (۸۰۹):** قدیم ۲/۲۵ - صفحہ: ۲۵، فتاویٰ اشرفیہ حصہ دوم میں مسئلہ منی آڈر کے متعلق قصور فہم سے کچھ خلجان ہے؛ اس لئے کہ تسلیط کو تملیک کہا گیا اگر اسی مسئلہ میں براہ راست کسی فقیر کو منی آڈر نہ کیا جاوے؛ بلکہ کسی غنی کے ذریعہ سے تو لامحالہ یہ تسلیط تملیک نہیں بلکہ توکیل بالقبض ہے، پھر اقتران نیت بوقت منی آڈر کرنے کے مفقود ہے۔

و نیز فقہاء قاطبہ تسلیط کو توکیل بالقبض کہتے ہیں کہ جس کے بعد مسلط اصیل فی القبض لنفسہ ہوتا ہے؛ چنانچہ شامی قولہ علی قبضہ بر سائحانی سے نقل کرتے ہیں۔

وح یصیر وکیلا فی القبض عن الأمر ثم اصیلا فی القبض لنفسه الخ. (۱)  
اور جس عبارت کو صاحب درمختار نے الا از اسلطہ سے تعبیر کیا ہے۔

ہدایہ ص: ۱۷۰ / کتاب الوکالۃ بالبیع والشراء من تملیک الدین من غیر من علیہ الدین  
من غیر أن یوکلہ بقبضہ و ذلک لا یجوز الی قولہ بخلاف ما إذا عین البائع لأنہ یصیر وکیلا  
عنه فی القبض ثم یتملکہ الخ (۲) سے تعبیر کیا ہے، جس سے تسلیط اور توکیل کا متحد ہونا ثابت ہے  
.....

← ہندیہ، کتاب الزکاة، الباب الأول فی تفسیرھا وصفتها و شرائطھا، مکتبہ زکریا دیوبند  
قدیم ۱/۱۷۰، جدید ۱/۲۳۲۔

قال الحنفیہ: لا یجوز أداء الزکاة إلا بنية مقارنة للأداء إلى الفقیر ولو حکما الخ.  
(موسوعة الفقه الإسلامی والقضایا المعاصرة، کتاب الزکاة، المبحث الثاني سبب الزکاة  
وشروطھا و رکنھا، شروط صحة أداء الزکاة، مکتبہ اشرفیہ دیوبند ۲/۶۶۱) شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ  
(۱) شامی، کتاب الہبۃ، فصل فی مسائل متفرقة، مکتبہ زکریا دیوبند ۸/۵۱۸، کراچی ۵/۷۰۸۔

(۲) الہدایۃ، کتاب الوکالۃ، باب الوکالۃ بالبیع والشراء، مکتبہ اشرفیہ دیوبند

اور صاحب درمختار نے بھی کتاب الوکالة بالبيع والشراء میں مسئلہ مذکورہ کو جعل البائع وکیلاً بالقبض دلالة الخ (۱) سے ذکر کیا ہے۔

اور اگر تسلیط سے ما نحن فیہ من تملیک مراد لیا بھی جاوے، تو معنی إلا إذا سلطه علی قبضه کا إلا إذا ملکه علی قبضه ہوا، اور تملیک علی القبض تو کیل علی القبض ہے نہ تملیک العین، پس اقتران بوقت تملیک کیونکر مستحق ہوا؟

**الجواب:** تسلیط وکیل کا اتحاد اس وقت مضر ہوتا کہ یہاں صرف تسلیط ہوتی اور جبکہ یہاں تملیک بھی ہے۔

کما هو مذکور صریحاً فی قوله تملیک الدین الخ اور اس کی شرط میں کہا ہے کہ إذا سلطه الخ (۲) تو تملیک مع التوکیل بالقبض متحقق ہوگئی اور تملیک کے وقت نیت مقارن ہے پس محل تردد نہیں ہے؛ چنانچہ بعد عبارت سائحانی منقولہ فی السؤال مصرح ہے۔

وإذا نوى في ذلك التصديق بالزكوة أجزأه كما في الأشباه. (۳)  
اس تقریر سے محذور اخیر جو مبنی ہے تسلیط اور تملیک کے اتحاد پر نیز دفع ہو گیا؛ کیونکہ اتحاد کا دعویٰ نہیں کیا گیا اور اگر اس جملہ سے ایہام ہو کہ ”خود تملیک تسلیط“ ہے تو اس سے اصل مقصود یہ دعویٰ کرنا ہے کہ تملیک وقت قبض تک مؤخر نہیں بلکہ بالفعل ہے البتہ تعبیر میں تسامح ہے مقصود تسلیط و تملیک کی مفارقت کا دعویٰ ہے۔ فافہم

(۱) الدر المختار مع رد المحتار، کتاب الوکالة، باب الوکالة بالبيع والشراء، مکتبہ زکریا دیوبند ۲۵۴/۳، کراچی ۵/۱۹۵۔

(۲) تملیک الدین ممن ليس عليه الدين باطل إلا في ثلاث: حوالة، وصية وإذا سلطه أي سلط المملك غير المديون على قبضه أي الدين فيصح حينئذ. (الدر المختار على رد المحتار، کتاب الهبة، فصل في مسائل متفرقة، مکتبہ زکریا دیوبند ۵۱۸/۸، کراچی ۵/۷۰۸)

(۳) شامی، کتاب الهبة، فصل في مسائل متفرقة، مکتبہ زکریا دیوبند ۵۱۸/۸-۵۱۹، کراچی ۵/۷۰۸ - شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

البتہ غیر فقیر کی معرفت بھیجنے میں یہ تقریر جاری نہ ہوگی جس سے اصل سائل نے بھی سوال نہیں کیا جیسا اس کی ظاہر عبارت سے مفہوم ہوتا ہے۔ گو مدارس کا ذکر قرینہٴ عموم تھا مگر اس کی طرف التفات نہ ہوا تھا، بہر حال اس صورت میں وکیل کی نیت کو شرط کہا جاوے گا، واقعی اصل جواب میں اس کی تصریح ہونا مناسب بلکہ ضروری تھا۔ واللہ اعلم

۲۵/ ذی الحجہ ۱۳۲۱ھ (امداد، ص ۵۶، ج ۳)

## توکیل زکوٰۃ میں غلطی

**سوال (۸۱۰):** قدیم ۲/۲۶ - زید نے عمرو سے کہا کہ میں کچھ کتابیں زکوٰۃ میں دینا چاہتا ہوں۔ اس میں سے دس کتابیں مسماۃ ہندہ کو دینے کا ارادہ ہے۔ تم کسی طرح اس سے پوچھ لو کہ آیا اس کے پاس بھیج دی جاویں یا تم اسکی جانب سے کالۃ قبضہ کر لو ہندہ اس شہر میں نہ تھی اتفاق سے بکر آیا تو عمرو نے یہ ذکر کر کے کہا کہ ہندہ سے پوچھ کر مجھ کو اطلاع دینا۔ غلطی سے بکر نے بجائے ہندہ کے زینب سے پوچھ کر عمرو کو لکھ بھیجا کہ میں فروخت نہیں کر سکتی تم قبضہ کر کے فروخت کر دو۔ خط میں بکر نے ہندہ زینب کسی کا نام نہیں لکھا۔ عمرو یہ سمجھا کہ میں ہندہ کا وکیل ہوں اور کتابیں لے کر بیچ ڈالیں۔ جب قیمت بکر کے پاس بھیج کر لکھا کہ یہ ہندہ کو دیدو تو بکر نے اطلاع دی کہ میں نے تو زینب سے پوچھا تھا اور تم نے زینب ہی کے بارہ میں مجھ سے کہا تھا۔ غرض زید نے اپنے خیال میں کتابیں ہندہ کو دیں اور عمرو نے اپنے نزدیک بھی اسی کی جانب سے قبضہ کیا۔ بکر سے اتفاقاً غلطی ہوگئی تو اب زکوٰۃ اداء ہوئی یا نہیں اور قیمت کتب کس کو دینا چاہیے۔ اس مسئلہ میں بڑا تردد ہے؟

**الجواب:** یہاں جب واقع میں عمرو کسی کا وکیل نہیں ہے اس لیے یہ بیع کتب حق زید میں تصرف فضولی ہے۔ پس اگر زید نافذ رکھے گا نافذ ہو جاوے گی اور قیمت ملک زید ہوگی (۱)

(۱) من باع ملک غیرہ بغیر أمرہ فالملک بالخيار إن شاء أجاز البيع وإن شاء فسخ ..... وإذا أجاز المالك كان الثمن مملوكاً له أمانة في يده بمنزلة الوكيل. (الهداية، كتاب البيوع، فصل في بيع الفضولي، مكتبة اشرفية دیوبند ۸۹/۳)

کذا في الفتاوى التاتارخانية، كتاب البيوع، الفصل العاشر، شراء الفضولي، مكتبة زكريا

دیوبند ۸/۴۶۹، رقم: ۱۲۵۲۸ -

اور بجائے کتب اب زکوٰۃ روپیہ کے متعلق سمجھی جاوے گی، پس اگر وہ روپیہ ہنوز قبض زینب میں نہیں پہنچا تو زید کو اختیار ہے جس کو چاہے دیدے (۱) اگر قبض زینب میں پہنچ گیا ہے اور بعینہ باقی ہے تو اب زید کی نیت کرنے سے زکوٰۃ اداء ہو جاوے گی (۲) اور اگر باقی نہیں رہا تو زید عمرو سے رجوع کرے اور عمرو بکر سے اور بکر زینب سے کیونکہ یہ سب تصرفات حق غیر میں ہوئے؛ اس لیے یہ تصرفات فسخ کیے جاویں گے، اور ہر شخص اپنے عاقد سے رجوع کرے گا۔ (۳) اگر زید نے بیع مذکورہ کو نافذ نہیں کیا تو ان رجوعات مذکورہ کے بعد عمرو وہ کتابیں مشتری سے واپس لے کر اس کو روپیہ ٹشمن کا واپس کر دے اور کتابیں لا کر زید کو دے (۴) پھر زید کتابیں زکوٰۃ میں جس کو چاہے دے۔ فقط (امداد، ص ۱۶۹، ج ۱)

(۱) وإذا دفع الزكاة إلى الفقير لا يتم الدفع ما لم يقبض الفقير أو يقبضها للفقير من له ولاية على الفقير نحو الأب والوصي يقبضان للوصي والمجنون الخ. (خلاصة الفتاوى، كتاب الزكاة، الفصل الثامن في أداء الزكاة، المكتبة الاشرفية ديوبند ۱/۲۴۲)

کذا في الهندية، كتاب الزكاة، الباب السابع في المصارف، مكتبة زكريا ديوبند قديم ۱/۱۹۰، زكريا جديد ۱/۲۵۲

(۲) المزكي إذا دفع المال إلى الفقير ولم ينو شيئاً ثم حضرته النية عن الزكاة، ينظر إن كان قائماً في يد الفقير جاز عن الزكاة، وإن تلف لم يجز. (خلاصة الفتاوى، كتاب الزكاة، جنس آخر في هبة الدين، مكتبة أشرفية ديوبند ۱/۲۴۴)

وإذا دفع إلى الفقير بلا نية ثم نواه عن الزكاة فإن كان المال قائماً في يد الفقير أجزأه وإلا فلا. (الهندية، كتاب الزكاة، الباب الأول في تفسيرها وصفتها وشرائطها، مكتبة زكريا ديوبند قديم ۱/۱۷۱، جديد ۱/۲۳۲)

(۳) لا يجوز التصرف في مال غيره بلا إذنه ولا ولايته. (در المختار مع رد المحتار، كتاب الغصب، مطلب فيما يجوز من التصرف بمال الغير، زكريا ديوبند ۹/۲۹۱، كراچی ۶/۲۰۰) عن أبي حميد الساعدي أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: لا يحل لمسلم أن يأخذ مال أخيه بغير حق. (مجمع الزوائد، دار الكتب العلمية بيروت ۴/۱۷۱، مسند أحمد بن حنبل ۵/۴۲۵، رقم: ۲۴۰۰۳)

لا يجوز لأحد أن يتصرف في ملك الغير بغير إذنه. (قواعد الفقه اشرفي ديوبند ص: ۱۱۰، رقم القاعدہ: ۲۷۰)

(۴) أن بيع الفضولي ينعقد موقوفاً على إجازة المالك فإن أجازته نفذ وإن رده بطل. (الموسوعة الفقهية الكويتية ۳۲/۱۷۲) ←

## وکیل زکوٰۃ کا زکوٰۃ کے روپیہ کو نوٹوں سے بدلنا

**سوال (۸۱۱):** قدیم ۲/۲۷ - ایک شخص نے کچھ روپیہ بھد زکوٰۃ ایک اپنے دوست کو دیا کہ یہ رقم ایک مدرسے میں بھیج دو چنانچہ اس دوست نے وہ روپیہ نوٹوں میں ایک لفافہ میں بند کر کے اپنے نابالغ لڑکے کو جو بظاہر کچھ نہ کچھ سمجھدار ہے دیا کہ اس کی رجسٹری کروادو۔ اس لڑکے نے بھول سے بجائے رجسٹری کرانے کے ویسے ہی خط بند کر کے ڈاک میں چھوڑ دیا۔ اس خط کے اندر وہی نوٹ تھے جو مدرسے میں جانے کو تھے وہ خط راستہ میں گم ہو گیا اور مدرسہ تک نہیں پہنچا اب یہ فرمائیے کہ وہ روپیہ کس کے ذمہ پڑے گا تاکہ مدرسہ کو اداء کیا جاوے۔ مینواتو جروا؟

**الجواب:** في الدر المختار: كتاب الإيداع فلو دفعها لولده المميز إلى قوله لم يضمن. (۱)

← البيع الباطل لا يفيد الملك وإن اتصل به القبض. (خانية على الهندية، كتاب البيوع، فصل في البيع الباطل، مكتبة زكريا ديوبند قدیم ۱۳۳/۲، جدید ۸۱/۲)

مجمع الأنهر، كتاب البيوع، باب البيع الفاسد، مكتبة دار الكتب العلمية بيروت ۹۴/۳ - شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

(۱) الدر المختار مع تكملة رد المحتار، كتاب الإيداع، مكتبة زكريا ديوبند ۱۲/۴۴۹، کراچی ۳۳۶/۸

لو دفعت المرأة إلى زوجها لا يضمن وإن لم يكن هو في عيالها، والولد الصغير. كذلك لكن يشترط في حقه أن يكون قادرًا على الحفظ. (خلاصة الفتاوى، كتاب الوديعة، الفصل الثالث في الدفع إلى الغير، مكتبة اشرفية ديوبند ۲۸۷/۴)

والعبرة في هذا الباب للمساكنة إلا في حق الزوجة والإبن الصغير والعبد، فالإبن الصغير إذا لم يكن في عياله فدفع إليه لا يضمن ولكن يشترط أن يكون الصغير قادرًا على الحفظ. (هندية، كتاب الوديعة، الباب الثاني في حفظ الوديعة بيد الغير، مكتبة زكريا ديوبند قدیم ۳۳۹/۴، جدید ۳۵۰/۴)

خلاصہ بناء براس روایت کے اپنے سمجھدار لڑکے کو دینا تو موجب ضمان نہیں ہے لیکن جب روپیوں کو نوٹوں سے بدلاتا اس سے یہ دوست ضامن ہوگا اور روپیہ اسی کے ذمہ پڑیں گے۔ (۱) فقط  
۲۸ رجب ۱۳۲۹ھ (تمہ، ص ۵۷، ج ۱)

## سادات کے لیے زکوٰۃ حرام ہے

**سوال (۸۱۲):** قدیم ۲/۲۷ - سید صاحب نصاب ہو اور اس کے اعزہ میں غریب محتاج ہوں اور کوئی ذریعہ ان کی امداد کا بجز زکوٰۃ کے نہ ہو ایسی حالت میں سید صاحب نصاب کو اپنے اعزہ غریب کو زکوٰۃ میں سے دینا درست ہے یا نہیں تاکہ ان کی حاجت روا ہو جاوے۔

(۱) لا يتعين الثمن بالتعيين في العقد..... يراد بالعقد هنا عقد المعاوضة كالبيع والإجارة أما غيرهما من العقود كالإيداع والشركة فتعين فيه النقود بالتعيين فلو أودع رجلاً عشرين ذهباً عثمانياً لزم الوديعة أن يرد هذه الذهبات عيناً. (شرح المجمل لسليم رستم باز ۱/۲۴، رقم المادة: ۲۴۳)

لا يتعين (النقد) في المعاوضات..... ولا يتعين في النذر والوكالة قبل التسليم وأما بعده فالعامة كذلك ويتعين في الأمانات والهبة والصدقة والشركة والمضاربة والغصب. (الأشباه والنظائر، الفن الثالث الجمع والفرق أحكام النقد وما يتعين فيه وما لا يتعين، مكتبة زكريا ديوبند جدید ۳/۵۱-۵۲)

کذا في الشامی، کتاب البیوع، باب البیع الفاسد، مكتبة زكريا ديوبند ۷/۲۹۸، کراچی ۵/۹۶۔

الوديعة لا تودع ولا تعار ولا توجر ولا ترهن وإن فعل شيئاً منها ضمن الخ. (الفتاوى العالمگیریة، کتاب الوديعة، الباب الأول في تفسير الايداع الخ مكتبة زكريا ديوبند قدیم ۴/۳۳۸، جدید ۴/۳۴۹)

کذا في البحر الرائق، کتاب الوديعة، کوئٹہ ۷/۲۷۵، زکریا ۷/۴۶۷۔  
ولیس للمودع حق التصرف والاسترباح في الوديعة الخ. (المبسوط للرخسي، کتاب الوديعة، دار الكتب العلمية بيروت ۱۱/۱۲۲) شیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ



اسی طرح دیگر اقوام، شیخ، مغل، پٹھان صاحب نصاب اگر کسی غریب سید کو زکوٰۃ میں سے دیدیں تو درست ہے یا نہیں؟ کیونکہ آجکل سیدوں کی حالت بوجہ نہ ہونے ذریعہ معاش کے بہت سقیم ہو رہی ہے اور بیت المال بھی نہیں ہے کہ جس سے امداد کی جاوے۔ مفصل بدلائل حدیث وفقہ ارقام فرمایا جاوے۔

**الجواب:** بنی ہاشم کو زکوٰۃ دینا جائز نہیں، خواہ دینے والے بھی بنی ہاشم سے ہو یا اور کوئی ہو۔

لقوله عليه السلام لأبي رافع مولى القوم من أنفسهم وإن لا تحل لنا (۱) الصدقة. قلت: ولا تفتقر بما يذكر ومن جوازها لهم لسقوط عوضها وهو الخمس لانه قياس في مقابلة النص أولاً. ثم هذا القياس نفسه لا يتم لأنه عليه السلام علل حرمتها بكونها (۲)

(۱) أبوداؤد شريف، كتاب الزكاة، باب الصدقة على بني هاشم، النسخة الهندية ۱/۲۳۳،

دار السلام رقم: ۱۶۵۰۔

وعن أبي رافع أن النبي صلى الله عليه وسلم بعث رجلاً من بني مخزوم على الصدقة، فقال لأبي رافع: إصحبني كما تصيب منها فقال لا حتى آتي رسول الله صلى الله عليه وسلم فأسأله فانطلق إلى النبي صلى الله عليه وسلم فسأله فقال: إن الصدقة لا تحل لنا وإن موالى القوم من أنفسهم. (ترمذي شريف، كتاب الزكاة، باب ما جاء في كراهية الصدقة للنبي صلى الله عليه وسلم، النسخة الهندية ۱/۱۴۲، دار السلام رقم: ۶۵۷)

(۲) عن علي بن أبي طالب عن رسول الله صلى الله عليه وسلم في حديث طويل (إلى قوله) فقال: إن الصدقة لا تنبغي لأل محمد إنما هي أوساخ الناس الحديث (طحطاوي شريف، كتاب الزكاة، باب الصدقة على بني هاشم، دار الكتب العلمية بيروت ۲/۵۴، رقم: ۲۸۹۶)

كذا في الصحيح لمسلم، كتاب الزكاة، باب تحريم الزكاة على رسول الله صلى الله عليه وسلم وآله. (النسخة الهندية ۱/۳۴۴، بيت الأفكار الدولية رقم: ۱۰۷۲)

وفي مسلم في حديث طويل قال رسول الله صلى الله عليه وسلم لنا إن هذه الصدقات إنما هي أوساخ الناس وأنها لا تحل لمحمد ولا لأل محمد صلى الله عليه وسلم الحديث. (الصحيح لمسلم، كتاب الزكاة، باب تحريم الزكاة على رسول الله صلى الله عليه وسلم، النسخة الهندية ۱/۳۴۵، رقم: ۱۰۷۲) ←

أوساخ الناس لا بتعويض الخمس ههنا وانما هي حكمة مستقلة في مشروعية حكم الخمس فلما لم يكن علة لم يلزم من ارتفاع الخمس ارتفاع حرمة الزكوة فتأمل حق التأمل. اور خدمت سادات کی ہدایا و صدقات نافلہ سے ممکن ہے اور وہ اُن کے لیے حلال ہے۔

في الهداية: بعد الرواية المذكورة بخلاف التطوع. (۱) فقط (امداد، ص ۱۷۰، ج ۱)

## جوسید مشہور ہو اس کو زکوٰۃ دینے کا حکم

**سوال (۸۱۳):** قدیم ۲/۲۸ - جو شخص کہ سید کہا جاتا ہے، مگر اس کے نسب کا کہیں پتہ نہیں؛ بلکہ یہ خیال ہوتا ہے کہ چونکہ اس کے یہاں تعزیر داری وغیرہ ہوتی ہے، اس کے سبب سے سید کہلاتا ہے اور اس کی قرابتیں بھی عام طور سے جو لوگ شیخ کہلاتے ہیں ان میں ہوتی ہے، تو ایسے شخص کو زکوٰۃ کا مال دے سکتے ہیں یا نہیں؟ یا صرف تسماع سے اس کو سید مانیں گے گو کہ سید نہ ہو؟

**الجواب:** نسب میں تسماع کافی ہے جبکہ مکذب یمن نہ ہو۔ (۲) فقط

ذی الحجہ ۱۳۳۰ھ (تمہ اولیٰ، ص ۵۸)

← وفي النووي: قوله صلى الله عليه وسلم: إنما هي أوساخ الناس تنبيه على العلة في تحريمها على بني هاشم وبني المطلب وأنه لكرامتهم وتنزيههم عن الأوساخ ومعنى أوساخ الناس أنها تطهير لإموالهم ونفوسهم. (حاشية النووي على المسلم، النسخة الهندية ۱/ ۳۴۴)

(۱) الهداية، كتاب الزكاة، باب من يجوز دفع الصدقات إليه ومن لا يجوز، المكتبة الأشرفية ديوبند ۱/ ۲۰۶ -

وجازت التطوعات من الصدقات وغلة الأوقاف لهم أي لبني هاشم الخ. (الدر المختار مع رد المحتار، كتاب الزكاة، باب المصرف، مكتبة زكريا ديوبند ۳/ ۳۰۰، كراچی ۲/ ۳۵۱)

بخلاف التطوع (ملتقى الأبحر) وفي مجمع الأنهر: وأما التطوعات فيجوز صرفها إليهم. (مجمع الأنهر، كتاب الزكاة، باب في بيان أحكام المصرف، دار الكتب العلمية بيروت ۱/ ۳۳۱) شبير احمد قاسمی عفا الله عنه

(۲) الشهادة بالمشهرة في النسب وغيره بطريقتين الحقيقة والحكمة، فالحقيقة أن تشتهر وتسمع من قوم كثير لا يتصور توأطهم على الكذب ولا تشترط في هذه العدالة ولا لفظ ←

## نابالغ پر زکوٰۃ نہیں

- سوال (۸۱۴):** قدیم ۲/۲۸ - (۱) ولی و سرپرست یتیم پر مال یتیم سے زکوٰۃ ادا کرنا واجب ہے یا نہیں؟  
 (۲) اور یتیم صاحب نصاب پر زکوٰۃ واجب ہے یا نہیں؟  
**الجواب:** نمبر ۱ - نہیں (۱)۔ بلکہ جائز بھی نہیں (۲)۔ فقط

← الشهادة؛ بل يشترط التواتر، والحكمة أن يشهد عنده رجلان أو رجل وامرأتان عدول بلفظ الشهادة كذا في الخلاصة. (الفتاوى الهندية، كتاب الشهادات، الباب الثاني في بيان تحمل الشهادة الخ، مكتبة زكريا قديم ۳/۵۵۸، جديد ۳/۳۹۴) وكذا في الموسوعة الفقهية بيروت ۴۰/۴۹ - ۲۵۰ - كذا في خلاصة الفتاوى، كتاب الشهادات، الفصل الأول في المقدمة، مكتبة اشرفية ديوبند ۴/۵۵ -

تجوز الشهادة بالشهرة والتسامع في أربعة أشياء: (۱) النسب (۲) النكاح (۳) والقضاء (۴) والموت، والإشهار يكون بطريقتين أحدهما: أن يسمع من جماعة كثيرة لا يتصور اجتماعهم على الكذب وفي هذا لا تشترط العدالة ولا لفظ الشهادة والثاني: أن يشهد عنده عدلان بلفظة الشهادة. (الفتاوى التاتارخانية، كتاب الشهادة، الفصل الأول حل تحمل الشهادة، مكتبة زكريا ۱۱/۴۱۱ - ۴۱۳، رقم: ۱۶۴۶۸ - ۱۶۴۷۴) شبير احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

(۱) أخرج الدار قطني عن ابن عباس<sup>ؓ</sup> قال: لا يجب على مال الصغير زكاة حتى تجب عليه الصلاة. (سنن الدار قطني، كتاب الزكاة، باب استقراض الوصي من مال اليتيم، دار الكتب العلمية بيروت ۲/۹۷، رقم: ۱۹۶۲۲)

وأخرج الترمذي عن علي<sup>ؓ</sup> أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: رفع القلم عن ثلاثة عن النائم حتى يستيقظ وعن الصبي حتى يشب وعن المعتوه حتى يعقل. (سنن الترمذي، باب ما جاء فيمن لا يجب عليه الحد، النسخة الهندية ۱/۲۶۳، مكتبة دار السلام رقم: ۱۴۲۳)

← ومن جملة الموانع الصباء والجنون حتي لا تجب الزكاة في مال الصبي والمجنون عندنا. (الفتاوى التاتارخانية، كتاب الزكاة، الفصل العاشر ما يمنع وجوب الزكاة، مكتبة زكريا ديوبند ٢٣٦/٣، رقم: ٤٢٣٠)

كذا في المحيط البرهاني، كتاب الزكاة، الفصل العاشر بيان منع وجوب الزكاة، المجلس العلمي ٢٣٣/٣، رقم: ٢٨٤٠-

وشرط افتراضها: عقل، وبلوغ (الدر المختار) وفي الشامية: فلا تجب على مجنون وصبي. (شامي، كتاب الزكاة، مطلب في أحكام المعته، مكتبة زكريا ديوبند ١٧٣/٣، كراچي ٢٥٨/٢)

ومنها البلوغ عندنا فلا تجب على الصبي، وهو قول علي<sup>ؑ</sup> وابن عباس<sup>ؓ</sup>، فانهما قالوا: لا تجب الزكاة على الصبي حتى تجب عليه الصلاة. (بدائع الصنائع، كتاب الزكاة، شرائط فريضة الزكاة، مكتبة زكريا ديوبند ٧٩/٢)

(٢) أن مالا حظ للمحجور فيه كالهبة بغير عوض والوصية والصدقة والعق والمحاباة في المعاوضة لا يملكه الولي ويلزمه ضمان ما تبرع به من هبة أو صدقة أو عتق أو حابي به أو مازاد في النفقة على المعروف أو دفعه بغير أمين لأنه إزالة ملكه من غير عوض فكان ضرراً محضاً. (الموسوعة الفقهية الكويتية وولاية ٤٥/١٦٢)

رعاية مصلحة المولى عليه في التصرفات. لقوله تعالى: "ولا تقربوا مال اليتيم الا بالتي هي أحسن". [الاسراء: ١٧/٣٤]

فليس للولي سلطة في مباشرة التصرفات الضاره بالمولى عليه ضرراً محضاً كال تبرع من مال القاصد بالهبة أو القاصر أو البيع أو الشراء بغبن فاحش أو الطلاق، فإن أمكن تنفيذها على الولي نفسه نفذت والا كانت باطلة. (موسوعة الفقه الإسلامية والقضايا المعاصرة، المبحث الثاني تكوين العقد، مكتبة اشرفية ديوبند ١٠/١٤٨)

كما لا تصح صدقة التطوع من الصبي والمجنون والمحجور عليه لا تصح الصدقة من أموالهم من قبل أوليائهم نيابة عنهم لأنهم لا يملكون التبرع من أموال من تحت ولايتهم. (الموسوعة الفقهية الكويتية بيروت ٣٢٧/٢٦) شير احمد قاسمي عفا الله عنه

## نابالغ کے مال میں زکوٰۃ نہیں مگر عشر لازم ہے

**سوال (۸۱۵):** قدیم ۲/۲۸ - آیا نابالغ کی چیز میں سے زکوٰۃ نکالنی چاہئے یا نہیں اُمید کہ حسب الحکم شرع مبین کے جواب سے بواپسی مطلع فرمائیں گے؟

**الجواب:** في الدر المختار: و شرط افتراضها (أي الزكاة) عقل و بلوغ الخ (۱) وفيه و يجب (أي العشر) مع الدين و في أرض صغير الخ. (۲)  
ان روایات سے دو امر معلوم ہوئے ایک یہ کہ زکوٰۃ نابالغ کے مال میں واجب نہیں، دوسرا یہ کہ عشر نابالغ کی زمین کی پیداوار میں واجب ہے۔ چونکہ بعض لوگ عشر کو بھی زکوٰۃ بولتے ہیں؛ اس لئے جواب میں دونوں کا حکم لکھ دیا۔ (تمتہ ثالثہ، ص ۷۲)

(۱) الدر المختار مع رد المحتار، کتاب الزکاة، مکتبۃ زکریا دیوبند ۱۷۳/۳، کراچی ۲/۲۵۸۔  
أخرج الدار قطني عن ابن عباس<sup>ؓ</sup> قال: لا يجب على مال الصغير زكاة حتى تجب عليه الصلاة. (سنن الدار قطني، کتاب الزکاة، باب استقرار الوصي من مال اليتيم، دار الكتب العلمية بيروت ۲/۹۷، رقم: ۱۹۶۲)

عن علي أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: رفع القلم عن ثلاثة عن النائم حتى يستيقظ وعن الصبي حتى يشب وعن المعتوه حتى يعقل. (سنن الترمذي، باب ما جاء فيمن لا يجب عليه الحد، النسخة الهندية ۱/۲۶۳، مکتبۃ دار السلام رقم: ۱۴۲۳)

ومن جملة الموانع الصباء والجنون حتى لا تجب الزكاة في مال الصبي والمجنون عندنا. (الفتاوى التاتارخانية، کتاب الزکاة، الفصل العاشر ما يمنع وجوب الزکاة، مکتبۃ زکریا دیوبند ۳/۲۳۶، رقم: ۴۲۳۰)

كذا في المحيط البرهاني، کتاب الزکاة، الفصل العاشر بيان منع وجوب الزکاة، المجلس العلمي ۳/۲۳۳، رقم: ۲۸۴۰

ومنها البلوغ عندنا فلا تجب على الصبي، وهو قول علي<sup>ؓ</sup> وابن عباس<sup>ؓ</sup>، فانهما قالوا: لا تجب الزكاة على الصبي حتى تجب عليه الصلاة. (بدائع الصنائع، کتاب الزکاة، شرائط فرضية الزکاة، مکتبۃ زکریا دیوبند ۲/۷۹)

(۲) الدر المختار مع رد المحتار، کتاب الزکاة، باب العشر، مکتبۃ زکریا دیوبند ۳/۲۶۶،

کراچی ۲/۳۲۶ ←

## عاریت کے مکان میں رہنے والے مالکِ نصاب پر زکوٰۃ واجب ہے

**سوال (۸۱۶):** قدیم ۲/۲۹ - مثلاً ایک شخص اگر چہ مکان غیر میں بلا کرایہ سکونت پذیر ہے مگر اپنی ملکیت میں کوئی مکان سکونت نہیں رکھتا اور روزانہ اخراجات میں سے بمشکل کچھ بچا کر کسی قدر جو کہ قدر نصاب کو پہنچ چکا ہو زیور بنوا کر بطور عاریت پہننے کو اہل خانہ کو سپرد کیا زیور مذکور حوائجِ اصلیہ سے فارغ سمجھا جائے گا یا نہیں؟

**الجواب:** رد المحتار جلد ثانی، ص ۹ سے اس مسئلہ کا مختلف فیہ ہونا (۱) ظاہر ہوتا ہے کہ اگر نقدین اس غرض سے رکھے ہوں کہ حاجتِ اصلیہ مسکن وغیرہ میں صرف کیے جاویں تو زکوٰۃ اُن کی واجب ہوگی

← وأما العقل والبلوغ فليسا من شرائط الوجوب حتى يجب العشر في أرض الصبي والمجنون لأن فيه معنى المؤنة. (البحر الرائق، كتاب الزكاة، باب العشر، مكتبة زكريا ديوبند ۴۱۳/۲، كوئٹہ ۲/۲۳۶)

بدائع الصنائع، كتاب الزكاة، فصل في الحراج والعشر، مكتبة زكريا ديوبند ۱۷۳/۲

ويؤخذ العشر من الأراضي العشرية إذا كان المالك مسلماً، صغيراً كان أو كبيراً، عاقلاً كان أو مجنوناً. (المحيط البرهاني، كتاب العشر، الفصل الثالث، من يجب عليه العشر، المجلس العلمي ۲۷۹/۳)

الفتاوى التاتارخانية، كتاب العشر، الفصل الثالث، فيمن يجب عليه العشر وفيمن لا يجب، مكتبة زكريا ديوبند ۲۸۱/۳، رقم: ۴۳۷۸ - شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

(۱) فیذا كان معه دراهم أمسكها بنية صرفها إلى حاجته الأصلية لا تجب الزكاة فيها إذا حال الحول وهي عنده لكن اعترضه في البحر. بقوله: ويخالفه ما في المعراج في فصل زكاة العروض أن الزكاة تجب في النقد كيفما أمسكه للنماء أو للنفقة، وكذا في البدائع في بحث النماء التقديري. (رد المحتار، كتاب الزكاة، مطلب في زكاة ثمن المبيع وفاءً، مكتبة زكريا ديوبند ۱۷۸/۳-۱۷۹، کراچی ۲/۲۶۲)

پس احوط اس صورت میں وجوب ہے۔ (۱) بالخصوص اس وجہ سے کہ زیور بنانا قرینہ اس کا ہے کہ گھر بنانے یا خریدنے کا ارادہ بھی نہیں ہے۔ فقط

۵/ محرم الحرام ۱۳۲۶ھ (تتمہ، ص ۵۰)

**سوال (۸۱۷):** قدیم ۲/۲۹ - ایک شخص کے پاس دوسو روپیہ نقد ہیں جن پر سال بھر بھی گزر گیا، مگر اس خیال سے جمع کر رکھے ہیں کہ اپنے رہنے کے واسطے مکان خریدے یعنی اس کے پاس رہنے کے واسطے مکان نہیں ہے؛ بلکہ اپنی ہمیشہ کے مکان میں سکونت پذیر ہے نیز اس پر قرض بھی نہیں ہے؛ لہذا اس صورت میں زکوٰۃ دینی ہوگی یا نہیں؟

**الجواب:** اس میں اختلاف ہے مگر رائج وجوب زکوٰۃ ہے۔

والتفصیل فی رد المحتار جلد ۲ ص ۹ - (۲)

۵/ رجب ۱۳۲۹ھ (تتمہ اولی، ص ۵۷)

(۱) عن علي عن النبي صلى الله عليه وسلم ببعض أول هذا الحديث قال: فإذا كانت لك مائتا درهم وحال عليها الحول ففيها خمسة دراهم وليس عليك شيء يعني في الذهب حتى تكون لك عشرون ديناراً، فإذا كانت لك عشرون ديناراً، وحال عليها الحول ففيها نصف دينار فما زاد فبحساب على ذلك. (سنن أبي داود، كتاب الزكاة، باب في زكاة السائمة، النسخة الهندية ۱/۲۲۱، دار السلام رقم: ۱۵۷۳)

إذا أمسكه ليسنفق منه كل ما يحتاجه فحال الحول وقد بقي معه منه نصاب فإنه يزكى ذلك الباقي، وإن كان قصده الإنفاق منه أيضاً في المستقبل لعدم استحقاق صرفه إلى حوائجه الأصلية وقت حولان الحول الخ. (شامي، كتاب الزكاة، مطلب: في زكاة ثمن المبيع وفاءً، مكتبة زكريا ديوبند ۳/۱۷۹، کراچی ۲/۲۶۲)

تجب الزكاة في النقد كيف ما أمسكه للنماء أول للنفقة. (النهر الفائق، كتاب الزكاة، مكتبة زكريا ديوبند ۱/۴۱۵)

حاشیہ الطحطاوی علی مراقی الفلاح، کتاب الزکاة، دار الكتاب ديوبند ص: ۷۱۵

لأن الاحتياط في العبادة واجب كما صرحوا به في كثير من المسائل الخ. (شامي، كتاب الزكاة، باب زكاة المال، مكتبة زكريا ديوبند ۳/۲۳۱، کراچی ۲/۳۰۰) شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ  
(۲) والتقيد بالحوائج الأصلية احترازاً عن أنمانها، فإذا كان معه دراهم أمسكها ←

## جائداد غیر منقولہ میں مقدار غناء کی تحقیق

**سوال (۸۱۸):** قدیم ۲۹/۲ - وجوب فطر و اضحیہ و حرمت اخذ زکوٰۃ وغیرہ صدقات واجبہ کے لیے عقار کی غناء کس طرح پر ہے، بہت جزئیہ دیکھے مگر تسکین نہ ہوئی برہنہ میں ہے کہ زمین کی قیمت اگر نصاب کو پہنچے تو غنی ہے۔

شامی میں ایک مقام پر کہا: (کتاب الأضحیۃ) قوله والیسار الخ ولوله العقار يستغله

← بنية صرفها إلى حاجته الأصلية لا تجب الزكاة فيها إذا حال الحول وهي عنده؛ لكن اعترضه في البحر بقوله: ويخالفه ما في المعراج في فصل زكاة العروض أن الزكاة تجب في النقد كيفما أمسكه للنماء أو للنفقة، وكذا في البدائع في بحث النماء التقدير (إلى قوله) إذا أمسكه لينفق منه كل ما يحتاجه فحال الحول وقد بقي معه منه نصاب فإنه يزكى ذلك الباقي، وإن كان قصده الإنفاق منه أيضاً في المستقبل لعدم استحقاق صرفه إلى حوائجه الأصلية وقت حولان الحول الخ. (شامي، كتاب الزكاة، مطلب في زكاة ثمن المبيع وفاء، مكتبة زكريا ديوبند ۱۷۸-۱۷۹، کراچی ۲۶۲/۲)

شرط افتراض أدائها حولان الحول وهو في ملكه وثمانية المال كالدرهم والدنانير لتعينهما للتجارة بأصل الخلقة فتلزم الزكاة أمسكهما ولو للنفقة. (الدر المختار مع رد المحتار، كتاب الزكاة، مكتبة زكريا ديوبند ۱۸۶/۳، کراچی ۲۶۷/۲)

تجب الزكاة في النقد كيفما أمسكه للنماء أو للنفقة. (النهر الفائق، كتاب الزكاة، مكتبة زكريا ديوبند ۷۱۵/۱)

في معراج الدراية في فصل زكاة العروض: إن الزكاة تجب في النقد كيفما أمسكه للنماء أو للنفقة الخ. (البحر الرائق، كتاب الزكاة، مكتبة زكريا ديوبند ۳۶۱/۲، كورنٹ ۲۰۶/۲)

أن الإعداد للتجارة في الأثمان المطلقة من الذهب والفضة ثابت بأصل الخلقة لأنها لا تصلح للانتفاع بأعيانها في دفع الحوائج الأصلية فلا حاجة إلى الإعداد من العبد للتجارة بالنية إذا النية للتعين وهي متعينة للتجارة بأصل الخلقة فلا حاجة إلى التعيين بالنية فتجب الزكاة فيها نوى التجارة أو لم ينو أصلاً أو نوى النفقة الخ. (بدائع الصنائع، كتاب الزكاة، فصل وأما الشرائط التي ترجع إلى المال، مكتبة زكريا ديوبند ۹۲/۲) شبير احمد قاسمی عفا اللہ عنہ



فقيل تلزم لو قيمته نصاباً وقيل لو يدخل منه قوت سنة تلزم وقيل قوت شهر فمتى  
فضل نصاب تلزمه ۵۰ (۱)

اور کتاب الزکوٰۃ میں ہے: علی قوله فارغ عن حاجته الأصلية وفيها سئل محمد عمن  
له أرض يزرعها أو حانوت يستغلها أو دار غلتها ثلاثة آلاف ولا تكفي لنفقتهم ونفقة عياله  
سنة يحل له أخذ الزکوٰۃ وإن كان تبلغ قيمتها الو فأعليه الفتوى وعندهما لا يحل (۲)  
اسی قسم کا اختلاف بر جندی ابوالکارم و بزاز یہ و جامع الرموز و اشباہ میں بھی ہے۔ کہیں تو زمین کو حاجت  
اصلیہ میں داخل کر لیا ہے اور کہیں خارج۔ جیسے شامی میں ہے کہیں قیمت زمین کے بعد اخراج قوت سال  
یا ماہ کے معتبر کی، کہیں اعتبار غلہ کا، کہیں ابتداء، کہیں بعد اخراج دخل سال یا ماہ کے؛ اگرچہ شامی کا فتویٰ موجود ہے  
مگر مقابلہ حل و حرمت کا اور کلمہ عند کا عند ہا میں مذہب پر دلالت کرتا ہے شامی جلد اول میں ہے۔

يعمل بما صح من المذهب لا بفتوى المشائخ (۳) المذهب ما قال الإمام.  
دوسری جگہ اس کے خلاف کہا: الرواية المختار للفتوى مرجح على ظاهر الرواية.  
جلد ثانی میں ہے: ترک ظاهر الرواية بقول المشائخ اس مسئلہ میں متخ حکم فرمایا جاوے۔ فقط  
**الجواب:** روایات مذکورہ سوال سے زیادہ تو دیکھنے کا اتفاق نہیں ہوا لیکن حضرت استاذی علیہ  
الرحمۃ کو امام محمدؒ کے قول پر فتویٰ دیتے ہوئے دیکھا ہے اور خود بھی احقر کا اسی پر عمل ہے مگر اس میں  
قدرے تفصیل ہے وہ یہ کہ اگر اس عقار سے یہ شخص استعمال نہیں کرتا تب تو خود اس کی قیمت کا اعتبار ہے  
پس اگر وہ فاضل از حاجت اصلیہ قیمت بقدر نصاب ہے تو مانع اخذ زکوٰۃ و موجب فطر و اخیہ ہے (۴)  
اور اگر اس سے استعمال کرتا ہے تو اس کے غلہ کا اعتبار ہے اگر اس کا غلہ سال بھر کے خرچ سے بمقدار

(۱) شامی، کتاب الأضحیۃ، مکتبۃ زکریا دیوبند ۹/۵۳، کراچی ۳۱۲/۶۔

(۲) شامی، کتاب الزکاة، قبیل مطلب فی جهاز المرأة هل تصیر به غنیۃ، مکتبۃ زکریا

دیوبند ۳/۲۹۶، کراچی ۲/۳۴۸۔

(۳) شامی، کتاب الطہارۃ، باب المیاء، مطلب: لو ادخل الماء من أعلى الحوض الخ۔

مکتبۃ زکریا دیوبند ۱/۳۴۱، کراچی ۱/۱۹۲۔

(۴) يجب أن يعلم بأن الغني محرم للصدقة لا خلاف فيه لأحد، إنما الخلاف في حده، ←

نصاب نہیں، پچتا تو مانع اخذ زکوٰۃ و موجب فطر واضحیہ نہیں (۱) اور امام صاحبؒ کے قول کا تقدم علی الاطلاق نہیں ہے۔ کما فصل فی رسم المفتی واللہ اعلم۔

۱۱ جمادی الاولیٰ، ۱۳۲۷ھ (تمتہ اولیٰ، ص ۵۰)

← والصحيح أنه مقدر بملك مأتي درهم أو ما بلغ قيمته مائتي درهم فاضلا عن مسكنه وأثاثه وخادمه ومركبه وسلاحه وثيابه بدنه. (الفتاوى التاتارخانية، كتاب الزكاة، الفصل الثامن، من توضع فيه الزكاة، زكريا ديوبند ۳/۲۱۴، رقم: ۴۱۶۰)

ذكر ابن سماعة عن محمد إذا كان لرجل دار تساوي عشرة آلاف درهم لجودة موضعه وقربه من السوق، وليس فيها فضل عن سكنه ما يساوي مائتي درهم، قال: تحل له الزكاة، وإنما لا تحل له الزكاة إذا كان في فضل عن سكنه ما يساوي مائتي درهم. (الفتاوى التاتارخانية، كتاب الزكاة، الفصل الثامن، من توضع فيه الزكاة، مكتبة زكريا ديوبند ۳/۲۱۵، رقم: ۴۱۶۱)

والحاصل أن ما يكون مشغولا بحاجته الحالية نحو الخادم، والمسكن، وثيابه التي يلبسها في الحال، لا يعتبر في تحريم الصدقة بالإجماع وما يكون فاضلاً عن حاجته الحالية يعتبر في تحريم الصدقة ..... إذا ثبت هذا فنقول: الضيقة فارغة عن الحاجة الحالية حقيقة، فاعتبرنا ها في تحريم الصدقة اعتباراً بالحقيقة. (المحيط البرهاني، كتاب الزكاة، الفصل الثامن، من يوضع فيه الزكاة، المجلس العلمي ۳/۲۱۷)

ولا تحل لمن له دار تساوي نصاباً والفاضل عن سكنه يبلغ نصاباً. (البحر الرائق، كتاب الزكاة، باب المصرف، كوثه ۲/۲۴۵، زكريا ۲/۴۲۷)

(۱) وسئل محمد بن الحسن رحمة الله تعالى عن له أراضى يزرعها أو حوانيت يستغلها، قال إن غلتها تكفي لنفقته ونفقة عياله سنة لا يحل له أخذ الزكاة، وهو قول أبي حنيفة، وأبي يوسف، وإن كان غلتها لا تكفي لنفقته ونفقة عياله سنة، قال محمد: يحل له أخذ الزكاة، وإن كان يبلغ قيمتها الوفاء. (المحيط البرهاني، كتاب الزكاة، الفصل الثاني من يوضع فيه الزكاة، المجلس العلمي ۳/۲۱۶)

ولو كان له ضيقة تساوي ثلاثة آلاف ولا يخرج منها ما يكفي له ولعياله اختلفوا فيه ←

## ختم ماہ وجوب زکوٰۃ پر حساب دشوار ہو تو زکوٰۃ اداء کرنے کا طریق

**سوال (۸۱۹):** قدیم ۳۰/۲ - زید ایک کارخانہ میں حصہ دار ہے کارخانہ کا سالانہ گوشوارہ نفع و نقصان بحساب شمسی مہینوں کے ۳۰ جون کو ہوا کرتا ہے، ۳۰ جون کو جو منافع اس کے حساب میں جمع ہوتا ہے اس منافع میں سے سال بھر تک اپنے مصارف پورے کرتا رہتا ہے۔ زید پر زکوٰۃ بماء رمضان المبارک واجب ہوتی ہے اور یہ ہمیشہ رمضان المبارک میں زکوٰۃ علیحدہ کیا کرتا ہے وہ اس طرح کہ جو رقم اس کارخانہ میں بماء رمضان المبارک باقی ہوتی ہے وہ اپنی ملکیت شمار کرتا ہے مثلاً ۳۰ جون کو جب کہ گوشوارہ تیار ہوا تھا تو زید کا سرمایہ مع منافع ایک ہزار روپیہ تھا اور ماہ ستمبر یعنی رمضان المبارک میں اس پر زکوٰۃ واجب ہوئی اس وقت تک ایک سو روپیہ خرچ ہو چکے تھے اور نو سو روپیہ باقی تھے چنانچہ اس نے ۹۰۰ روپیہ شمار کر کے زکوٰۃ علیحدہ کر دی جو نفع یا نقصان اس کارخانہ میں درمیانی تین ماہ میں ہوا اس کا شمار نہیں کرتا کیونکہ کارخانہ کا حساب سالانہ بحساب شمسی مہینوں کے ہوا کرتا ہے درمیان میں نہ ہوتا ہے نہ ہو سکتا ہے کیا یہ صورت جائز ہے یا زید اپنے تخمینہ سے اُس درمیانی تین ماہ کا نفع نقصان شمار کر کے زکوٰۃ دیدے؟

**الجواب:** یہ تو ٹھیک ہے کہ رمضان تک جتنا روپیہ صرف ہو چکا ہے اُس کی زکوٰۃ واجب نہ ہوگی لیکن اس نو سو روپیہ کے ساتھ اصل سرمایہ کی اور نیز اس تین ماہ میں جس قدر اور نفع ہوا ہو اس مجموعہ کی تو زکوٰۃ واجب ہوگی۔ (۱) باقی یہ کہ درمیان سال میں حساب نہیں ہو سکتا سو اگر واقعی یہ حساب دشوار ہے تو تخمینہ احتیاط کے ساتھ کافی ہے اور احقر کے خیال میں تخمینہ کے لیے سال گزشتہ کی نسبت سال آئندہ کا اعتبار اقرب ہے

← قال محمد بن مقاتل: يجوز له أخذ الزكاة وفي الحاوي: قال نصير كتبت إلى أبي عبد الله البلخي هذه المسئلة فكتب إلى أنه لا يعطى الزكاة. (الفتاوى التاتارخانية، كتاب الزكاة، الفصل الثامن، من توضع فيه الزكاة، مكتبة زكريا ديوبند ۳/۲۱۷، رقم: ۴۱۶۹)

السخانية على الهندية، كتاب الزكاة، فصل فيمن توضع فيه الزكاة، مكتبة زكريا ديوبند

قديم ۱/۲۶۶، جديد ۱/۱۶۳ - شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

(۱) الزكاة واجبة في عروض التجارة كائنة ما كانت إذا بلغت قيمتها نصاباً من الورق والذهب. (الهندية، كتاب الزكاة، الفصل الثاني في العروض، مكتبة زكريا قديم ۱/۱۷۹، زكريا جديد ۱/۲۴۱) ←

یعنی آئندہ جون میں جب پھر گوشوارہ سے سرمایہ و نفع کی مقدار معلوم ہو تو اس مجموعہ کو اُن چڑھے ہوئے تین ماہ قمری پر تقسیم کر دے جو حاصل قسمت ہو اس کو اداء کر کے زکوٰۃ گزشتہ کی تکمیل کر دے، اسی طرح ہمیشہ سلسلہ جاری رکھے۔ اس میں اتنا کرنا پڑے گا کہ زکوٰۃ ہمیشہ دوبار کر کے اداء کرنا ہوگی اور احتیاط کے لیے کچھ زیادہ دیدے امید ہے کہ کمی بیشی غفو ہو جاوے گی اور اگر اس سے سہل اور اقرب الی التحقیق کوئی صورت نکل سکے اس کو ترجیح ہوگی۔

۱۸ رجب المرجب ۱۳۲۷ھ (تمتہ اولیٰ، ص ۵۱)

## زکوٰۃ کا حساب قمری سال سے ہونا چاہیے شمسی سے نہیں

**سوال (۸۲۰):** قدیم ۳۱/۲ - عمر و تجارت کرتا ہے اور سالانہ گوشوارہ ۳۰ جون کو بحساب شمسی تیار کرتا ہے، اور ۳۰ جون ہی کو زکوٰۃ علیحدہ کرتا ہے سالانہ منافع مثلاً ۵۶۵ روپیہ یا اوسط ایک ہزار روپیہ اور ہوا؛

← الهدایة، کتاب الزکاة، باب زکاة المال فصل فی العروض، مکتبۃ اشرفیۃ دیوبند ۱۹۵/۱

وفي عروض تجارة بلغت نصاب ورق أو ذهب یعنی فی عروض التجارة يجب ربع العشر إذا بلغت قيمتها من الذهب أو الفضة نصاباً. (تبیین الحقائق، کتاب الزکاة، باب زکاة المال، مکتبۃ زکریا دیوبند ۲/۷۷)

وفي عروض تجارة بلغت قيمتها نصاباً من أحدهما تقوم بما هو أنفع للفقراء ويضم مستفاد ولو بهبة أو إرث من جنس نصاب إليه أي النصاب في حوله وحكمه أي النصاب فيزيكيه بحول الأصل. (الدر المنتقى على هامش مجمع الأنهر، کتاب الزکاة، باب زکاة الذهب والفضة والعروض، دار الكتب العلمية بيروت ۱/۳۰۶-۳۰۷)

ومن كان له نصاب فاستفاد في أثناء الحول من جنسه ضمه إليه وزكاه. (الهداية، کتاب الزکاة، فصل فی الغنم، مکتبۃ اشرفیۃ دیوبند ۱/۱۹۳)

ويضم مستفاد من جنس نصاب إليه ..... والمراد بالضم أن تجب الزکاة في الفائدة عند تمام الحول على الأصل. (البحر الرائق، کتاب الزکاة، فصل فی الغنم زکریا ۲/۳۸۸، کوئٹہ ۲/۲۲۲) شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

لہذا بابت فرق شمسی و قمری مہینوں کے دس روپیہ زائد شمار کر کے ان دس روپیوں پر بھی زکوٰۃ دیتا ہے کیا یہ صورت جائز ہے؟

**الجواب:** اُمید ہے کہ اداء ہو جائے گی۔ (۱) اگر قدر زائد دیدے تو احتیاط کی بات ہے۔ (۲)

۱۸/رجب المرجب ۱۳۲ھ (تتمہ اولیٰ، ص ۵۲)

**سوال (۸۲۱):** قدیم ۲/۳۱ - زید کو اس کے خرچ روزمرہ سے زائد یکم جنوری ۱۹۱۳ء کو سو روپے مل گئے جس کو اس نے بطور پس انداز کے رکھ چھوڑا اور ۲۵ دسمبر ۱۹۱۳ء کو یعنی گیارہ ماہ بعد اس کے پاس مبلغ پانچ ہزار روپے اور آگئے جس کو بھی پس انداز رکھنے کی غرض سے اسی رقم سو روپے کے ساتھ رکھ دیا۔ اب یکم جنوری ۱۹۱۴ء کو جو ختم سال کے بعد کا پہلا دن ہوگا اُس پر صرف رقم سو روپے کی بابت زکوٰۃ واجب ہوگی یا مبلغ پانچ ہزار ایک سو روپے کی بابت؛ کیونکہ پانچ ہزار کو ابھی صرف پانچ ہی دن گزرے ہیں؟

(۱) وحولها أي الزكاة قمری بحر عن القنیة لا شمسی. (الدر المختار مع رد المحتار، کتاب الزكاة، باب زكاة الغنم، مكتبة زكريا ديوبند ۲/۲۹۴-۲۹۵) کراچی  
والعبرة للحول القمری كذا في القنیة. (النهر الفائق، کتاب الزكاة، مكتبة زكريا ديوبند ۱/۴۱)

والعبرة في الزكاة للحول القمری، كذا في القنیة. (الهندية، کتاب الزكاة، الباب الأول في تفسيرها وصفاتها وشرائطها، مكتبة زكريا ديوبند قدیم ۱/۱۷۵، جدید ۱/۲۳۶)  
سئل الحسن بن علي رضي الله تعالى عنهما عن الحول في الزكاة أقمری أم شمسی؟  
فقال: قمری. (الفتاویٰ التاتارخانية، کتاب الزكاة، وجوب الزكاة وسببها وحكمها مكتبة زكريا ديوبند ۳/۱۳۴، رقم: ۳۹۳۷)

(۲) مبسوط السر خسی: أن الأخذ بالاحتياط في باب العبادات واجب. (شامي، کتاب الزكاة، باب صدقة الفطر، مطلب في مقدار الفطرة بالمد الشامي، مكتبة زكريا ديوبند ۳/۳۲۱، کراچی ۲/۳۶۶)

شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

**الجواب:** چونکہ زکوٰۃ میں سال قمری کا حساب ہے (۱) اور شمسی سال بڑا ہوتا ہے قمری سے پس ۲۵ دسمبر کو جو اس کے پاس پانچ ہزار روپے آئے وہ سال قمری کے گزرنے کے بعد آئے؛ اس لیے ان کی زکوٰۃ بابت سال کے واجب نہ ہوگی۔ (۲)

۱/ رمضان المبارک ۳۲ھ (حوادث ص: ۱۴۵، ج: ۱-۲)

(۱) وحولها أي الزكاة قمری بحر عن القنية لا شمسی. (الدر المختار مع رد المحتار، كتاب الزكاة، باب زكاة الغنم، مكتبة زكريا ديوبند ۳/ ۲۲۳، كراچی ۲/ ۲۹۴-۲۹۵) والعبارة للحوال القمری كذا في القنية. (النهر الفائق، كتاب الزكاة، مكتبة زكريا ديوبند ۱/ ۴۱)

والعبارة في الزكاة للحوال القمری، كذا في القنية. (الهندية، كتاب الزكاة، الباب الأول في تفسيرها وصفتها وشرائطها، مكتبة زكريا ديوبند قديم ۱/ ۱۷۵، جديد ۱/ ۲۳۶) سئل الحسن بن علي رضي الله تعالى عنهما عن الحول في الزكاة أقمری أم شمسی؟ فقال: قمری. (الفتاوى التاتارخانية، كتاب الزكاة، وجوب الزكاة وسببها وحكمها مكتبة زكريا ديوبند ۳/ ۱۳۴، رقم: ۳۹۳۷)

(۲) ومن كان له نصاب فاستفاد في أثناء الحول مالا من جنسه ضمه إلى ماله وزكاه ..... فإن استفاد بعد حولان الحول فإنه لا يضم ويستأنف له حول آخر بالاتفاق. (الهندية، كتاب الزكاة، الباب الأول في تفسيرها وصفتها وشرائطها، مكتبة زكريا قديم ۱/ ۱۷۵، جديد ۱/ ۲۳۷) وأما المستفاد بعد الحول: فلا يضم إلى الأصل في حق الحول الماضي بلا خلاف وإنما يضم إليه في حق الحول الذي استفيد فيه لأن النصاب بعد مضى الحول عليه يجعل متجدداً حكماً كأنه انعدم الأول وحدث آخر الخ. (بدائع الصنائع، كتاب الزكاة، ما استفاد بعد الحول، مكتبة زكريا ديوبند ۲/ ۹۷)

موسوعة الفقه الإسلامي والقضايا المعاصرة، كتاب الزكاة، حكم ضم الربح والنماء الخ، مكتبة اشرفية ديوبند ۲/ ۷۱-۷۲

شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

## معادن میں خمس واجب اور اسلامی بیت المال نہ ہونے کی صورت میں تصدق بر فقراء لازم ہے

**سوال (۸۲۲):** قدیم ۲/۳۲ - ماقولکم اندرینکہ در کتب فقہاء نوشتہ اند کہ بر لعل و مرجان خمس لازم و واجب نہ گردد زیرا کہ بر قعر بحر قہر سلطان نمی رسد بچنان در معدن جبال و صحرا خمس لازم نیاید دریں صورت مراد فقہاء کدام جبال و صحراست مطلق ست یا مقید ست کہ قہر سلطان در ایں جبال نرسد۔ ہر شقے اختیار فرمایند مو جبہ بیان فرمودہ جواب ارشاد فرمایند۔ و معنی قہر سلطان نرسیدن اگر واضح فرمودہ شود تا حکم مسئلہ حل گردد الغرض در اطراف و نواحی ایں دیار جبال کثیرہ است کہ در بعض کوہ چنان ست کہ مسکن مردمان است و بعض کوہ چنان ست کہ چراگاہ مرغی اہل قریہ است و بعض چنان است کہ اہل قریہ ہیزم و حطب ازاں کوہ می آرند بعض کوہ بیکار افتادہ است۔ لیکن ہمہ جبال در ماتحت سلطنت انگریز است و مراد فقہاء کدام کوہ است و بر تقدیر وجوب خمس بر فقراء خمس را تقسیم کردن جائز گردد یا نہ زیرا کہ سلطان اسلام یافتہ نمی شود الحاصل بر تقدیر خمس بر کدام جبال و صحرا لازم آید۔ و بر تقدیر عدم لزوم خمس کدام جبال و صحرا مراد فقہاء ست و قہر سلطان در جبال مذکورہ رسیدن طلاق است یا نہ؟ فقط

**سوال کا ترجمہ:** کیا فرماتے ہیں اس سلسلے میں کہ فقہاء کی کتابوں میں لکھا ہے کہ موتی اور مونگے پر خمس واجب نہیں؛ اس لئے کہ سمندر کے تہہ پر بادشاہ کا تسلط نہیں ہوتا، اسی طرح پہاڑوں اور جنگلات کے کان میں خمس لازم نہیں ہوتا، اس صورت میں فقہاء کی مراد کیا ہے؟ پہاڑ اور جنگلات مطلق ہیں یا مقید کہ جس پہاڑ پر بادشاہ کا تسلط نہ ہو، جو شق بھی اختیار فرمائیں وجہ بیان فرما کر جواب ارشاد فرمائیں اور بادشاہ کا تسلط نہ ہونے کا مطلب اگر واضح فرما دیا جائے، تو مسئلہ کا حکم حل ہو جائے گا۔

الغرض اس علاقے کے اطراف و جوانب میں بہت پہاڑ ہیں، بعض پہاڑ ایسے ہیں کہ لوگوں کی رہائش گاہ ہیں اور بعض پہاڑ ایسے ہیں کہ گاؤں والوں کی چراگاہ ہیں اور بعض ایسے ہیں کہ گاؤں والے اس پہاڑ سے جلاوطن اور لکڑی لاتے ہیں اور بعض بیکار پڑے ہیں؛ لیکن تمام پہاڑ انگریزی حکومت کے ماتحت ہے، تو فقہاء کی مراد کونسا پہاڑ ہے؟ اور وجوب خمس کی صورت میں فقراء کے درمیان خمس کو تقسیم کرنا جائز ہوگا یا نہیں؟ اس لئے کہ اسلامی حکومت نہیں ہے الحاصل لزوم خمس کی صورت میں کون سے پہاڑ اور جنگل پر خمس لازم ہوگا؟ اور خمس لازم نہ ہونے کی صورت میں کون سے پہاڑ اور جنگل فقہاء کے نزدیک مراد ہیں؟ اور مذکورہ پہاڑ تک حاکم کا تسلط ہونا مطلق ہے یا نہیں؟

**الجواب:** في الهداية والبنایة: ثم إن وجد ه في أرض مباحة كالجبال والمفاوز

فأربعة أخماسه للواجد. (۱) وكذا في الدر المختار وغيره من كتب الفقه. (۲)

ازیں روایت معلوم شد کہ مضمون سوال کہ ہچناں در معدن جبال وصحراء خمس لازم نیاید صحیح نیست۔ پس سوالات متفرعہ بریں ہم ضروری الجواب نمائند البتہ در یاقوت وزمرد و فیروزہ عدم وجوب خمس نوشتہ اند لیکن نہ بدیں سبب کہ بر آں قہر وارد نشدہ زیرا کہ وقت فتح ہمہ جبال وصحاری داخل قہری شوند۔

كما في الهداية والبنایة: لأنها أي أراضى المعدن كانت في أيدي الكفرة وحوتها أيدينا غلبة فكانت غنيمه وفي الغنائم الخمس آه. (۳)

**ترجمہ:** اس فقہی روایت سے معلوم ہوا کہ سوال کا مضمون ”کہ اس طرح کے پہاڑ اور جنگل کے کان میں خمس لازم نہیں ہوتا“ صحیح نہیں ہے؛ لہذا اس پر متفرع سوالات کا جواب دینا بھی ضروری نہیں رہتا؛ البتہ فقہاء نے یاقوت (سرخ نیلا قیمتی پتھر) زمرد (سبز قیمتی پتھر) اور فیروزہ (سبز نیل گول پتھر) میں وجوب خمس لکھا ہے؛ لیکن اس وجہ سے نہیں کہ اس پر بادشاہ کا تسلط نہیں ہوا ہے؛ اس لئے کہ فتح کے وقت تمام پہاڑ اور جنگلات تسلط میں داخل ہو جاتے ہیں۔

(۱) البنایة شرح الهدایة، کتاب الزکاة، باب فی المعادن والركاز، مكتبة اشرفية دیوبند ۴۰۹/۳۔

(۲) إن ملك أرضه وإلا فللواحد (الدر المختار) وفي الشامية: أي وإن لم تكن مملوكة كالجبال والمفاوز فهو كالمعدن يجب خمسه وباقيه للواجد مطلقاً. (الدر المختار مع الشامي، كتاب الزکاة، باب الركاز، مكتبة زكريا دیوبند ۲۶۱/۳، کراچی ۳۲۳/۲)

لو وجد ه في أرض غير مملوكة الجبال والمفاوز فهو كالمعدن يجب خمسه وباقيه للواجد مطلقاً حرّاً كان أو عبداً الخ. (البحر الرائق، كتاب الزکاة، باب الركاز، مكتبة زكريا دیوبند ۴۱۱/۲، کوئٹہ ۲۳۵/۲)

وإن وجد في أرض غير مملوكة لأحد فهو للواجد (تبیین) وفي حاشیة الشلیبی: أي الباقي وهو أربعة الأخماس منه للواجد، قوله: غير مملوكة لأحد أي كالجبال والمفاوز ونحوهما الخ. (تبیین الحقائق، كتاب الزکاة، باب الركاز، مكتبة زكريا دیوبند ۹۷/۲)

(۳) البنایة شرح الهدایة، كتاب الزکاة، باب فی المعادن والركاز، مكتبة اشرفية دیوبند ۴۰۶/۳۔ ←



بلکہ بناء پر آنکہ الحجار کہ از معدن یافتہ شود خود محل خمس نیست چنانکہ روایتش در ہدایہ مذکور است و اس خمس را خود بر فقراء تقسیم نمودن جائز است اگرچہ فروع و اصول اس کس باشند۔

في رد المحتار: عن كافي الحاكم ومن أصاب ركاز أو سعه أن يتصدق بخمسه على المساكين، فإذا اطلع الإمام على ذلك أمضى له ما صنع وإن كان محتاجاً إلى جميع ذلك وسعه أن يمسكه لنفسه وإن تصدق على أهل الحاجة من آبائه وأولاده جاز ذلك وليس هذا بمنزلة عشر الخارج من الأرض ۲/ ۷۷. آه (۱)

**ترجمہ:** بلکہ اس بنا پر کہ پتھر جو کہ کان سے حاصل ہوتے ہیں وہ محل خمس نہیں ہیں جیسا کہ اس کی عبارت ہدایت میں مذکور ہے اور اس خمس کو فقراء پر تقسیم کرنا جائز ہے، اگرچہ وہ اسی (تقسیم کرنے والے) کے اصول و فروع ہوں۔  
← لأنها كانت في أيدي الكفرة فحوتها أيدينا غلبة فكانت غنيمة وفي الغنائم الخمس.  
(تبيين الحقائق، كتاب الزكاة، باب الركاز، مكتبة زكريا ديوبند ۲/ ۹۵)

لأن هذا المواضع كانت في أيدي الكفرة ثم وقعت في أيدينا بحكم القهر فكانت غنيمة فيجب فيها الخمس الخ. (المحيط البرهاني، كتاب المعادن والركاز والكنوز، المجلس العلمي ۳/ ۳۲۷)  
(۱) رد المحتار، كتاب الزكاة، باب الركاز، قبيل باب العشر، مكتبة زكريا ديوبند ۳/ ۲۶۴،

کراچی ۲/ ۳۲۴

ومن أصاب ركازاً وسعه أن يتصدق بخمسه على المساكين فإذا اطلع الإمام على ذلك أمضى له ما صنع لأن الخمس حق الفقراء وقد أوصله إلى مستحقه وهو في إصابته الركاز غير محتاج إلى الحماية فهو كزكاة الأموال الباطنة. وفي البدائع: ويجوز دفع الخمس إلى الوالدين والمولودين الفقراء كما في الغنائم ويجوز للواجد أن يصرفه إلى نفسه إذا كان محتاجاً ولا تغنيه الأربعة الأخماس الخ. (البحر الرائق، كتاب الزكاة، باب الركاز، مكتبة زكريا ديوبند ۲/ ۴۰۹، كوثنه ۲/ ۲۳۴)

ومن أصاب ركازاً أو معدناً فأعطى خمسه إلى المساكين أجزاءه، وإن علم الإمام به لم يتعرض له، ولو كان صاحبه محتاجاً وسعه أن يحبس كله ولا يعطيه للمساكين، وكذا لو أعطى أباه وولده وهو محتاج جاز ذلك. (الفتاوى التاتارخانية، كتاب المعادن، مكتبة زكريا ديوبند ۳/ ۳۴۶، رقم: ۴۵۳۱)

الفتاوى الولوالجية، كتاب الزكاة، الفصل الرابع، مكتبة زكريا ديوبند ۱/ ۲۱۰۔

ہر گاہ باوجود امام جائز است بوقت فقدان امام بدرجہ اولیٰ خواہد بود آری در ارض غیر مملوکہ در دار الحرب باشد ہمہ رکاز ملک واجد است۔ کما صرحوا بہ واللہ اعلم۔

۲۷/شوال المکرم ۱۳۲۷ھ (تتمہ اولیٰ، ص ۵۲)

## جس دین کے وصول ہونے کی امید نہ ہو اس پر وجوبِ زکوٰۃ کی تحقیق

**سوال (۸۲۳):** قدیم ۲/۳۳ - زید کے مبلغ پانچ سو روپے ایک شخص کے ذمہ قرض ہے اور وہ شخص بہت دنوں سے یہ روپیہ دینے میں لیت و لعل کرتا ہے اور یوں ہی ٹال بتاتا رہتا ہے۔ اب زید ان پانچ سو روپیوں کی جو اس شخص کے ذمہ قرض ہے زکوٰۃ ہر سال برابر اداء کرتا رہے یا نہیں کیا زید ایسے روپیوں کی زکوٰۃ اداء کرنے کے لیے ذمہ دار ہے جو روپے کہ کسی کے ذمہ قرض ہوں اور ان کے آنے کی اُمید کم ہو یا بالکل نہیں ہو اگر زید ہر سال ایسے روپیوں کی زکوٰۃ اداء کرنے کا ذمہ دار نہیں ہو تو جب یہ روپے قرض کے وصول ہو جاویں تب گزشتہ برسوں کی زکوٰۃ اکٹھی اداء کرنا اس پر لازم ہوگا یا اسی وقت سے جبکہ وہ روپیہ وصول ہو کر اُس کے پاس آیا ہے۔

**الجواب:** اس میں اقوال مختلفہ ہیں اور ہر جانب تصحیح بھی کی گئی ہے جس کی تفصیل رد المحتار ج ۲، ص ۱۴۷ و ۹۹، مطبوعہ مصر میں موجود ہے۔ (۱)

**ترجمہ عبارت بالا:** جب یہ امام المسلمین کی موجودگی میں تو امام کے نہ ہونے کی صورت میں بدرجہ اولیٰ جائز ہوگا: ہاں البتہ جو دار الحرب میں غیر مملوکہ زمین میں ہوگا، وہ سب رکاز اور پانے والے کی ملک ہوگا۔ (۱) ولو كان الدين على مقر مليء أو على معسر أو مفلس أي محكوم بإفلاسه أو على جاحد عليه بينة وعن محمد لا زكاة وهو الصحيح، ذكره ابن مالك وغيره؛ لأن البينة قد لا تقبل (الدر المختار) وفي الشامية: وهو الصحيح صححه في التحفة كما في غاية البيان وصححه في الخانية: أيضًا وعزاه إلى السرخسي وفي باب المصروف من النهر عن عقد الفرائد ينبغي أن يحول عليه قلت: ونقل الباقاني تصحيح الوجوب عن الكافي. قال: وهو المعتمد وإليه مال فخر الإسلام ولذا جزم به في الهداية والغرر والملتقي وتبعهم المصنف والحاصل أن فيه اختلاف التصحيح الخ (الدر المختار مع رد المحتار، كتاب الزكاة، مطلب في زكاة ثمن المبيع وفاء، مكتبة زكريا ديوبند ۳/ ۱۸۴-۱۸۵، کراچی ۲/ ۲۶۶-۲۶۷)

بندہ کے نزدیک ان اقوال میں سے قول مختار یہ ہے کہ جس قرض کے وصول ہونے کی امید ضعیف ہو یا بالکل نہ ہو قبل وصول اس پر زکوٰۃ واجب نہ ہوگی اور وصول کے بعد جس قدر وصول ہوگا بعد حوالان حول آئندہ صرف اسی قدر پر زکوٰۃ واجب ہوگی۔

و متمسکی فیہ وما فی رد المحتار بعد نقل عبارة النهر عن الخانية قوله قلت وقدمنا أول الزكاة اختلاف التصحيح فيه ومال الرحمتی إلى هذا وقال بل في زماننا يقرر المديون بالدين وبملا تہ ولا يقدر الدائن على تخلصه منه فهو بمنزلة العدم ۹۹/۲۔ (۱) واللہ اعلم  
یکرم محمد ۱۳۲۸ھ (تتمہ اولی ص ۵۳)

قیمت جائیداد نصاب سے زائد ہو اور آمدنی بقدر گزر ہو تو اس پر زکوٰۃ ہے یا نہیں؟

**سوال (۸۲۴):** قدیم ۳۳/۲۔ جس کے پاس زمین ہے جس کی قیمت دوسو درہم سے بہت زیادہ ہے مگر اس میں جو زراعت پیدا ہوتی ہے وہ سال بھر کی خوراک کو پورے طور پر کافی نہیں یا کافی ہے مگر فاضل نہیں ایسے شخص پر صدقہ فطر قربانی واجب ہے یا نہیں؟ فقط

(۱) شامی، کتاب الزکاة، باب المصرف، مکتبہ زکریا دیوبند ۲۹۱/۳، کراچی ۳۴۴/۲۔  
ہشام عن محمد قال: قلت لمحمد: رجل له مال على وال من الولاية وهو مقربه إلا أنه لا يعطيه ولا يعدي عليه. قال: يطلبه بباب الخليفة، وإذا طلب ولم يصل إليه في سنته فلا زكاة عليه فيه. (المحيط البرهاني، كتاب الزكاة، الفصل الثالث عشر، زكاة الديون، المجلس العلمي ۲۴۹/۳، رقم: ۲۸۶۵)

الفتاویٰ التاتاریخانیہ، کتاب الزکاة، الفصل الثالث عشر فی زکاة الديون، مکتبہ زکریا دیوبند ۲۵۰/۳، رقم: ۴۲۷۲۔

وأما دين الوسط فما وجب له بدلا عن مال ليس للتجارة (إلى قوله) وفيه روايتان عنه وروي ابن سماعة عن أبي يوسف عن أبي حنيفة أنه لا زكاة فيه حتى يقبض المأتين ويحول عليه الحول من وقت القبض وهو أصح الروايتين عنه الخ. (بدائع الصنائع، كتاب الزكاة، الشرائط التي ترجع إلى المال، مکتبہ زکریا دیوبند ۹۰/۲)

شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

**الجواب:** امام محمدؒ کے نزدیک یہ شخص غنی نہیں ہے اور اسی پر فتویٰ ہے کہ زانی رد المحتار ج ۲، ص ۱۰۴،  
عن التتارخانیة. (۱) اس لیے اس پر صدقہ فطر و قربانی واجب نہیں۔

۱۰ صفر المظفر ۱۳۲۸ھ (تمتہ اولیٰ، ص ۵۳)

**سوال (۸۲۵):** قدیم ۲/۳۳ - کسی شخص کی دو سوتیں سو روپے کی جائیداد ہے اس کی پیداوار سے دو تین ماہ کی معاش و گزراں کر سکتا ہے اور باقی مہینے مشقت و مزدوری سے اپنے اوقات بسر کرتا ہے سوائے اس کے کوئی طریقہ نہیں آیا اس پر صدقہ فطر واجب ہے یا نہیں اور اگر اس پر واجب نہ ہو تو جس کی جائیداد اتنی ہے کہ اسکی پیداوار سے پورے سال کی معاش ہو سکتی ہے لیکن اس میں سے کچھ بچتا نہیں اس پر بھی واجب نہ ہونا چاہیے کیونکہ ان کے لیے یہ جائیداد حوائج ضروریہ میں سے ہے حالانکہ اکثر علماء ان لوگوں کے لیے صدقہ فطر واجب فرماتے ہیں اور حوائج اصلیہ میں سے کون کون چیز ہے؟

(۱) وفيها سئل محمد عمن له أرض يزرعها أو حانوت يستغلها أو دار غلتها ثلاثة آلاف ولا تكفي لنفقتة ونفقة عياله سنة؟ يحل له أخذ الزكاة وإن كانت قيمتها تبلغ ألفاً وعليه الفتوى وعندهما لا يحل. (شامي، كتاب الزكاة، قبيل مطلب في جهاز المرأة هل تصير به غنية، مكتبة زكريا ديوبند ۳/۲۹۶، كراچی ۲/۳۴۸)

سئل محمد بن الحسن عمن له أراضي يزرعها أو حوانيت يستغلها. قال: إن غلتها تكفي لنفقتة ونفقة عياله سنة لا يحل له أخذ الزكاة وهو قول أبي حنيفة، وأبي يوسف وإن كان غلتها لا تكفي لنفقتة ونفقة عياله سنة قال محمد: يحل له أخذ الزكاة، وإن كان يبلغ قيمتها ألفاً. (المحيط البرهاني، كتاب الزكاة، الفصل الثامن، من يوضع فيه الزكاة، المجلس العلمي ۳/۲۱۶، رقم: ۲۷۹۷)

لو كان له ضيعة تساوي ثلاثة آلاف ولا يخرج منها ما يكفي له ولعياله اختلفوا فيه قال محمد بن مقاتل: يجوز له أخذ الزكاة. (حاشية على الهندية، كتاب الزكاة، فصل فيمن يوضع فيه الزكاة، مكتبة زكريا ديوبند قديم ۱/۲۶۶، جديد ۱/۱۶۳)

الفتاوى التاتارخانية، كتاب الزكاة، الفصل الثامن من يوضع فيه الزكاة، مكتبة زكريا ديوبند ۳/۲۱۷، رقم: ۴۱۶۹ - شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

**الجواب:** وفي رد المحتار وذكر في الفتاوى فيمن له حوانيت ودور للغلة لكن غلتها لا تكفيه وعياله أنه فقير ويحل له أخذ الصدقة عند محمد<sup>ؒ</sup> وعند أبي يوسف<sup>ؒ</sup> لا يحل وكذا لوله كرم لا تكفيه غلته ولو عنده طعام للقوت يساوي مائتي درهم فإن كان كفاية شهر يحل أو كفاية سنة قيل لا يحل وقيل يحل لأنه مستحق الصرف إلى الكفاية فيلحق بالعدم وقد اذخر عليه السلام لنسائه قوت سنة (إلى قوله) وفيها سئل محمد<sup>ؒ</sup> عمن له أرض يزرعها أو حانوت يستغلها أو دار غلتها ثلاثة آلاف ولا تكفي لنفقتها ونفقة عياله سنة يحل له أخذ الزكاة وإن كانت قيمتها تبلغ الوفاء وعليه الفتوى وعندهما لا يحل اه ج ۲، ص ۱۰۳، أو ۱۰۴. (۱)

اس سے معلوم ہوا کہ جس شخص کے ایک سال کے خرچ کے لیے جائداد کی آمدنی کافی نہ ہو اس کے لیے حل زکوٰۃ میں اختلاف ہے اور امام محمد<sup>ؒ</sup> کے قول جواز پر فتویٰ ہے۔ پس حل زکوٰۃ دلیل ہے اُس کے فقیر ہونے کی اس لیے اس پر صدقہ فطر بھی واجب نہ ہوگا اور جس کے لیے سال بھر کے خرچ کو کافی ہو جاوے اس میں جزئیہ نہیں دیکھا مگر قوت دلیل سے اُس کا بھی حکم مثل مذکور معلوم ہوتا ہے وهو قوله لأنه مستحق الصرف الخ۔  
(یکم محرم ۳۴ھ و تہ رابعہ، ص ۶)

(۱) شامی، کتاب الزکاة، باب المصروف، مکتبہ زکریا دیوبند ۳/۲۹۶، کراچی ۲/۳۴۸۔  
وسئل محمد بن الحسن<sup>ؒ</sup> عمن له أراضي يزرعها أو حوانيت يستغلها. قال: إن غلتها تكفي لنفقتها ونفقة عياله سنة لا يحل له أخذ الزكاة وهو قول أبي حنيفة<sup>ؒ</sup>، وأبي يوسف<sup>ؒ</sup> وإن كان غلتها لا تكفي لنفقتها ونفقة عياله سنة قال محمد<sup>ؒ</sup>: يحل له أخذ الزكاة، وإن كان يبلغ قيمتها الوفاء. (المحيط البرهاني، كتاب الزكاة، الفصل الثامن، من يوضع فيه الزكاة، المجلس العلمي ۳/۲۱۶، رقم: ۲۷۹۷)

لو كان له حوانيت أو دار غلة يساوي ثلاثة آلاف درهم وغلتها لا يكتفي لقوته وقوت عياله يجوز صرف الزكاة إليه عند محمد ولو كان له ضيعة تساوي آلاف درهم ولا يخرج منها ما يكفي له ولعياله اختلفوا فيه قال محمد بن مقاتل: يجوز له أخذ الزكاة. (خلاصة الفتاوى، كتاب الزكاة، الفصل الثامن في أداء الزكاة، مکتبہ اشرفیہ ۱/۲۴۲)

خانية على الهندية، كتاب الزكاة، فصل فيمن توضع فيه الزكاة، مکتبہ زکریا دیوبند

قدیم ۱/۲۶۶، جدید ۱/۱۶۳۔ ←

## سنین گزشتہ کی زکوٰۃ میں قدر واجب ہر سال منہا کرنے کا حکم

### وجوب حج مانع زکوٰۃ نہیں

**سوال (۸۲۶):** قدیم ۳۳/۲ - ایک شخص کے ذمہ چند سال کی زکوٰۃ واجب ہے وقت کی ادائیگی کے ہر پورے سال کی زکوٰۃ جو واجب ہے ادا کی جاوے گی یا کچھ منہا واجب سے ہر سال میں ہوگی؟

(۲) اور اگر سال کے اندر ترک وغیرہ سے کچھ نقد و مال کا مالک آخر سال ہوا جس سے کہ حج فرض اس پر ہو گیا اور اس مال پر حولانِ حول ہوا نہیں تو زکوٰۃ اس مال میں سے اداء کرنی واجب ہوگی یا نہیں؟

**الجواب:** اوّل پورے مال کی زکوٰۃ واجب ہے اور دوسرے سال اُس قدر واجب کے منہا کرنے کے بعد بقیہ کی واجب ہے علیٰ ہذا (۱)

← الفتاویٰ التاتارخانیۃ، کتاب الزکاة، الفصل الثامن من توضع فیہ الزکاة، مکتبۃ زکریا دیوبند ۳/۲۱۷، رقم: ۴۱۶۹ - شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

(۱) قال فی التنبیر: وسببہ ملک نصاب حول تام فارغ عن دین له مطالب من جهة العباد وقال فی الشرح: سواء كان لله زكاة وخراج. وفي الشامية: (قوله زكاة) فلو كان له نصاب حال عليه حولان فلم يزكه فيهما لا زكاة عليه في الحول الثاني. (الدر المختار مع الشامي، كتاب الزكاة، مکتبۃ زکریا دیوبند ۳/۱۷۶-۱۷۴، وکراچی ۲/۲۵۹-۲۶۰)

إذا كان لرجل مائتا درهم أو عشرون مثقال ذهب، فلم يؤد زكاته سنتين يزكى السنة الأولى وليس عليه للسنة الثانية شيء عند أصحابنا الثلاثة وعند زفر: يؤدى زكاة سنتين الخ. (بدائع الصنائع، كتاب الزكاة، دين الزكاة، مکتبۃ زکریا دیوبند ۲/۸۶)

رجل له مائتا درهم حال عليها ثلاثة أحوال إلا يوماً ثم استفاد خمسة دراهم يجب عليه الزكاة للسنة الأولى لا غير، ويستقبل الحول حين استفاد الخمسة. (خلاصة الفتاوى،

كتاب الزكاة، الفصل الخامس في زكاة المال، مکتبۃ اشرفیۃ دیوبند ۱/۲۳۸)

(۲) وجوب حج مانع زکوٰۃ نہیں ہے پس اگر ابتداء سال میں اُس کے پاس نصاب ہے تو سال کے گزرنے پر زکوٰۃ واجب ہوگی گو ہر جزو پر حولانِ حول نہ ہو اور گوج واجب ہو گیا ہو۔ (۱)

۲۲ رمضان المبارک ۱۳۲۸ھ (تمتہ اولیٰ، ص ۵۴)

## بھیڑ اور بکری برابر ہونے کی صورت میں ہر ایک قسم سے زکوٰۃ ادا کر سکتا ہے؟ مگر جو زیادہ ہو اس سے ادا کرنا چاہیے

**سوال (۸۲۷):** قدیم ۳۵/۲ - سوال اوّل: فی غایۃ الاوطار بھینڑ اور بکری دونوں برابر ہیں نصاب کے پورا کرنے اور قربانی اور سود میں نہ ادائے واجب میں اور قسموں میں۔ حضرت! اس سے معلوم ہوا کہ چالیس بکریوں میں سے ایک بھینڑ زکوٰۃ میں نہ لی جاوے گی یا عکس آں۔ پس بندہ کے پاس ایک سواکیس نصفاً نصف یعنی ہر دو قسم کا نصاب موجود ہے بھینڑیں و بکریوں کی زکوٰۃ میں دو بھینڑیں دیدی ہیں اور گزشتہ سال میں دو بکریاں دے چکا تھا ابھی اوپر کے مسائل دیکھ کر بالکل آپ کو قصور مند بنایا گیا ہے۔

(۱) إذا أمسكه لينفق منه كل ما يحتاجه فحال الحول، وقد بقي معه منه نصاب فإنه يزكى ذلك الباقي، وإن كان قصده الإنفاق منه أيضاً في المستقبل لعدم استحقاق صرفه إلى حوائجه الأصلية وقت حولان الحول. (شامي، كتاب الزكاة، مطلب في زكاة ثمن المبيع وفاء، مكتبة زكريا ديوبند ۱۷۹/۳، کراچی ۲۶۲/۲)

قال محمد في الجامع: رجل له مائتا درهم فقبل الحول وجبت عليه حجة الإسلام أو حجة أو جبها أو كفارة أو صدقة من طعام أو عتق أو هدى متعة أو أضحية، ثم تم الحول على المائتين وجبت عليه الزكاة. (الفتاوى التاتارخانية، كتاب الزكاة، الفصل العاشر، ما يمنع وجوب الزكاة، مكتبة زكريا ديوبند ۲۳۳/۳، رقم: ۴۲۱۹)

المحيط البرهاني، كتاب الزكاة، الفصل العاشر، بيان منع وجوب الزكاة، المجلس العلمي ۲۲۹/۳، رقم: ۲۸۳۰۔

كل دين لا مطالب له من جهة العباد كالنذر والكفارات والحج لا يمنع وجوب الزكاة. (خلاصة الفتاوى، كتاب الزكاة، الفصل السادس في الديون، مكتبة اشرفية ديوبند ۲۴۰/۱ - شبير احمد قاسمی عفا اللہ عنہ)

\*\*\*\*\*  
**سوال دوم:** اگر تمیں بکریاں ہوں اور دس بھیڑیں ہوں تو زکوٰۃ میں جو زیادہ قسم ہے اس سے دیا

جاوے یا جو چاہے۔

**سوال سوم:** اور اگر نصف نصف ہوں تو کیا حکم ہے۔

**سوال چہارم:** پچاس گائیں ہیں یہ غیر مشترک ہیں اور بیس گائیں مشترک ہیں یعنی اس بیس سے ہر ایک میں آدھا ہے پس دس گائیں یہ بھی ہونیں یہ دس پچاس میں شمار کی جاویں گی یا نہ۔

**سوال پنجم:** اور علیحدہ علیحدہ (\*) آدمی سے ساٹھ گائیں میں نصف نصف ہے یہ تیس ہونیں اس صورت میں زکوٰۃ ہوگی یا نہ؟

**الجواب: جواب سوال اول:** في الدر المختار: باب زكاة الغنم لا في أداء الواجب. وفي رد المحتار؛ لأن النصاب إذا كان ضأنًا يؤخذ الواجب من الضأن ولو معزًا فمن المعز ولو منهما فمن الغالب ولو سواء فمن أيهما شاء جوهره أي فيعطى أدنى الأعلى أو أعلى الأدنى ۵۱. (۱)

(\*) اس کا مطلب یہ سمجھا گیا تھا کہ ساٹھ گائے دو آدمیوں میں مشترک ہیں۔ جواب اسی پر مبنی ہے اور اگر یہ مطلب ہو کہ ساٹھ آدمی آدمی آدمی گائے کے مالک ہیں اور ایک آدمی لقیہ آدمی آدمی کا تو جواب یہ ہے کہ کسی پر زکوٰۃ نہیں ۱۲۔

(۱) الدر المختار مع رد المحتار، کتاب الزکاة، باب زکاة الغنم، مکتبۃ زکریا دیوبند ۲۰۴/۳، کراچی ۲۸۱/۲۔

إن النصاب إذا كان ضأنًا يؤخذ من الضأن، وإن كان معزًا فمن المعز وإن كان منهما فمن الغالب، وإن كانا سواء فمن أيهما شاء. (الجوهره النيرة، كتاب الزكاة، باب زكاة الغنم، دار الكتاب ديوبند ۱/۱۴۳)

ويؤخذ الزكاة من أغلبها وعند الاستواء يؤخذ أعلى الأدنى وفي أدنى الأعلى الخ. (النهر الفائق، كتاب الزكاة، باب صدقة البقر، مکتبۃ زکریا دیوبند ۱/۴۲۴)

وفي التبيين وعلى هذا البخت والعراب والضأن والمعز الخ. (تبیین الحقائق، کتاب الزکاة، باب صدقة البقر، مکتبۃ زکریا دیوبند ۲/۴۲)

كل جنس من الإبل، والبقر، والغنم ينقسم إلى نوعين ..... والغنم أما ضأن ..... وأما معز (إلى قوله) فقد قال الحنفية وإسحاق: إذا اختلف النوعان تجب الزكاة من أكثرهما ←



بناء برروایت ہذا کے جب صورت مسئول عنہا میں حسب بیان سائل کے بھیڑیں اور بکریں دونوں عدد میں برابر ہیں تو اختیار ہے خواہ بکری دیدیں خواہ بھیڑ دیدیں لیکن اگر ادنیٰ قسم دیں تو وہ اپنی صنف میں اعلیٰ ہونا چاہئے، مثلاً اگر بجائے بکری کے بھیڑ دیں تو وہ بھیڑ سب بھیڑوں میں اعلیٰ و افضل ہونا چاہئے، اگر افضل نہیں دی گئی تو اس افضل کی قیمت میں جس قدر اس غیر افضل سے بیشی ہوگی اتنی قیمت اب دی جاوے (۱) مثلاً جو بھیڑ دی تھی وہ ایک روپے کی تھی اور ان بھیڑوں میں جو سب سے افضل ہے وہ ڈیڑھ روپیہ کی ہے تو آٹھ آنہ اور مساکین کو بہ نیت زکوٰۃ دیدینا چاہئے۔

**جواب سوال دوم:** اوپر کی روایت سے اس کا جواب بھی معلوم ہوا کہ اس صورت میں بکری

واجب ہے۔ (۲)

← فإن استويا فعند الحنفية يجب الوسط أي أعلى الأدنى أو أدنى الأعلى الخ.  
(الموسوعة الفقهية الكويتية ۲۳۰/۲۵۹-۲۶۰)

(۱) والمصدق لا يأخذ إلا الوسط وهو أعلى الأدنى وأدنى الأعلى ولو كله جيداً فحيد وإن لم يجد المصدق وكذا إن وجد فالقيد اتفاقي ما وجب من ذات سن دفع المالك الأدنى مع الفضل وفي الشامية: قوله (مع الفضل) أي ما يزيد من قيمة الواجب على المدفوع الخ.  
(الدر المختار مع رد المختار، كتاب الزكاة، باب زكاة الغنم، مكتبة زكريا ديوبند ۲۱۲/۳-۲۱۳، کراچی ۲۸۶/۲-۲۸۷)

ومن وجب عليه مسن فلم توجد أخذ المصدق أعلى منها ورد الفضل أو أخذ دونها وأخذ الفضل وفي البنایة: مثلاً إذا كانت قيمة المسن ثلاثين وقيمة الذي أخذه عشرون يأخذ من رب المال عشرة دراهم الخ. (البنایة شرح الهدایة، كتاب الزكاة، فصل وليس في الفصلاں والحملان الخ، مكتبة زكريا ديوبند ۳/۳۴۷)

(۲) إن النصاب إذا كان ضانا يؤخذ من الضأن، وإن كان معزاً فمن المعز وإن كان منهما فمن الغالب، وإن كان كانا سواء فمن أيهما شاء. (الجوهرة النيرة، كتاب الزكاة، باب زكاة الغنم، دار الكتاب ديوبند ۱/۱۴۳)

ويؤخذ الزكاة من أغلبها وعند الاستواء يؤخذ أعلى الأدنى وفي أدنى الأعلى الخ.  
(النهر الفائق، كتاب الزكاة، باب صدقة البقر، مكتبة زكريا ديوبند ۱/۴۲۴)

\*\*\*\*\*  
**جواب سوال سوم:** اور نصفاً نصف میں اختیار ہے مگر اسی قید سے کہ اعلیٰ کا ادنیٰ یا ادنیٰ کا اعلیٰ جیسا روایت بالا میں گزرا۔

**جواب سوال چہارم:** چونکہ غیر مشترک بھی بقدر نصاب ہے اس لیے اُن دس کو بھی اُن کے ساتھ شامل کیا جاوے گا۔

في الدر المختار: باب زكوة المال ولا تجب الزكوة عندنا في نصاب مشترك (إلى قوله) ولو بينه وبين ثمانين رجلاً ثمانون شاة لاشئ عليه؛ لأنه مما لا يقسم خلافاً للثاني. وفي رد المحتار قوله في نصاب مشترك المراد أن يكون بلوغه النصاب بسبب الاشتراك وضم أحد المالكين إلى الآخر بحيث لا يبلغ مال كل منهما بإنفراده نصاباً قوله ولو بينه في التجنيس ثمانون شاة بين أربعين رجلاً لرجل واحد من كل شاة نصفها والنصف الآخر للباقيين ليس على صاحب الأربعين صدقة عند أبي حنيفة وهو قول محمد ولو كانت بين رجلين تجب على كل واحد منهما شاة لأنه مما يقسم في هذه الحالة وفي الأولى لا يقسم أه أي؛ لأن قسمة كل شاة بينه وبين من شاركه فيهما لا يمكن إلا بإتلافها بخلاف قسمة الثمانين نصفين. (۱)

**جواب سوال پنجم:** ہوگی۔ لما مر من الرواية آنفاً.

۲۷/۲ زی الحجہ ۱۳۲۸ھ (تمتہ اولی، ص ۵۴)

.....  
 (۱) الدر المختار مع رد المحتار، کتاب الزکاة، باب زکاة المال، مکتبہ زکریا دیوبند ۲۳۵/۳-۲۳۶، کراچی ۲/۳۰۴-۳۰۵۔

ولو كانت السوائم بين إثنتين فبلغ نصيب واحد نصاباً دون الآخر تجب عليه دون صاحبه وفي شرح الطحاوي: فإن كان نصيب كل واحد منهما على الإنفراد يبلغ نصاباً كاملاً تجب الزكاة وإلا فلا..... وفي الخانية: ولو كان الثمانون بين أربعين رجلاً لرجل منهم من كل شاة نصفها ونصف الباقي بين تسعة وثلاثين رجلاً ليس على الأربعين صدقة وهو قول محمد هكذا روي عن أبي يوسف في الكتاب وفي شرح الطحاوي: وهو قول أبي حنيفة وزفر؛ لأنه لا يقسم ولا كذلك إذا كان بينه وبين رجل واحد؛ لأن ذلك مما يقسم، وكذلك إذا كانت بينه وبين شيء نفراً ستون بقرة الخ. (الفتاوى التاتارخانية، كتاب الزكاة،

الاسباب المسقطه للزكاة، مکتبہ زکریا دیوبند ۳/۲۴۲، رقم: ۴۲۵۲) ←

\*\*\*\*\*

## زکوٰۃ سوانم میں تکمیل نصاب کے معنی اور بہشتی گوہر کی عبارت

### کی تحقیق جو اس کے خلاف معلوم ہوتی ہے

**سوال (۸۲۸):** قدیم ۲/۳۶ - آپ نے جو پہلے تحریر مسئلہ متنازع فیہا میں کی تھی وہ یہ ہے؟

**الجواب: (\*)** تکمیل نصاب میں برابر ہونے کا یہ مطلب ہے کہ اگر ہر واحد کم ہو تو تب بھی یوں نہ کہیں گے کہ نصاب پورا نہیں ہوا۔ نصاب کو کامل کہیں گے اور یہ عام ہے نصاب سے زائد کو بھی پس جب ہر شریک کے ۸۰-۸۰ ہیں تو ۸۰ کو دو نصاب نہ کہیں گے۔ لہذا ہر شریک پر ایک شاة لازم ہے ادنیٰ سے اعلیٰ یا اعلیٰ سے ادنیٰ۔ دوم مشترک کا تو اعتبار ہی نہیں ہر شریک کی (۴۰×۴۰) دونوں چیزیں ہیں۔ پس ۸۰ ہوئے پس ایک جانور ایک شریک پر واجب ہوا۔ کتبہ اشرف علی ۱۸ محرم ۱۳۲۹ھ

اور بہشتی گوہر میں اس طرح مرقوم ہے:- زکوٰۃ کے بارے میں بکری بھیڑ سب یکساں ہیں خواہ بھیڑ دُم دار ہو جس کو دُنْبہ کہتے ہیں یا معمولی ہو۔ اگر دونوں کا نصاب پورا ہو تو دونوں کی زکوٰۃ علیحدہ دی جائے گی اور اگر ہر ایک کا نصاب تو پورا نہ ہو مگر دونوں کے ملا لینے سے نصاب پورا ہو جاتا ہے تو دونوں کو ملا لیں گے اور جو زیادہ ہوگا تو زکوٰۃ میں وہی دیا جائے گا۔ پس بندہ کی فہم اور اس طرف کے علماء کے دھیان میں دونوں میں اختلاف واقع ہے یعنی پہلی تحریر سے ۴۰ بکری اور ۴۰ بھیڑ پر ایک شاة ثابت ہوتی ہے اور عبارت ”بہشتی گوہر“ سے دو شاة ثابت ہوتی ہیں، پس اگر عبارت ”بہشتی گوہر“ کے یہ معنی مقصود ہے۔

(\*) اس جواب کی نقل نہ رکھی گئی تھی؛ اس لئے مستقلاً اس مجموعہ میں پہلے یہ جواب منقول نہیں ہوا۔ ۱۲ منہ

← خانية على الهندية، كتاب الزكاة، فصل في صدقة الحملان والفصلان الخ، مكتبة زكريا ديوبند قديم ۱/ ۲۴۸، جديد ۱/ ۱۵۳ -

وفي نوادر هشام في ثمانين شاة بين أربعين رجلاً لرجل واحد من كل شاة نصفها والنصف الآخر من الشاة لهؤلاء الباقيين. قال أبو حنيفة ليس على صاحب الأربعين صدقة وهو قول محمد، ولو كان بين رجلين يجب على كل واحد منهما شاة؛ لأنه مما يقسم في هذه المسألة وفي المسألة لا يقسم الخ. (المحيط البرهاني، كتاب الزكاة، الفصل الثاني عشر في صدقات الشركاء، المجلس العلمي ۳/ ۲۴۳، رقم: ۲۸۵۵) شبير احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

یعنی اگر زید کے پاس صرف بکریوں کا نصاب ہوگا تو اس کی زکوٰۃ دی جائے گی اور اگر بھیڑ کا نصاب پورا ہوگا تو اس کی زکوٰۃ دی جائے گی، یعنی انفرادی حالت میں۔ پس پہلی تحریر اور اس عبارت ”بہشتی گوہر“ کی میں اور تحریر مولانا عزیز الرحمن صاحب اور مولانا خلیل احمد صاحب کی میں کچھ اختلاف نہیں ہے اور اگر اس عبارت رسالہ سے دو شاة لازم مقصود ہے تو اختلاف ہوا۔ پس معروض ہے کہ آن صاحب اپنے دستخطی الفاظوں سے عود ارقام فرمادیں کہ بندہ کا یہی باعث تصدیق دینے کا ہے۔

**الجواب:** ظاہر عبارت بہشتی زیور سے جو مطلب مفہوم ہوتا ہے واقع میں وہ میری تحریر کے خلاف ہے؛ چونکہ تلخیص علم الفقہ کے وقت اس پر مفصل نظر نہیں کی گئی اس لیے ایسا ہوا۔ اب میری اس تحریر کو میری تحقیق سمجھی جاوے، بہشتی گوہر کو میری تحقیق نہ سمجھی جاوے۔ فقط

۱۳۲۹ھ (تمتہ اولیٰ، ص ۵۵)

## طلباء علم دین پر زکوٰۃ خرچ کرنے کی افضلیت اگرچہ وہ دور ہوں

**سوال (۸۲۹):** قدیم ۲/۳۷ - مال زکوٰۃ و صدقہ فطر و قیمت چرم قربانی اپنے قرب و جوار کے فقراء اور مساکین کو دینے میں افضلیت ہے یا دوسری جگہ کے اسلامی مدارس میں زیادہ مستحق کون ہے اور زیادہ ثواب کس کے دینے میں ہے۔ اگر اپنے قرب و جوار کے فقراء و مساکین کو نہ دے اور اسلامی مدارس میں بھیجے تو کسی قسم کا گناہ و حق تلفی ہے یا جائز؟

**الجواب:** في الدر المختار باب المصروف و كره نقلها إلا إلى قرابته أو أحوج أو أصلح أو أروع أو أنفع للمسلمين أو من دار الحرب إلى دار الاسلام أو إلى طالب علم. وفي المعراج التصديق على العالم الفقير أفضل وفي رد المحتار أي من الجاهل الفقير قهستانی ج ۲، ص ۱۱۰ (۱)

اس روایت سے ثابت ہوا کہ طالب علموں کو دینا زیادہ افضل ہے اگرچہ وہ دور ہوں۔

۵/ محرم الحرام ۱۳۲۹ھ (تمتہ اولیٰ، ص ۵۶)

## اشرفیوں کی زکوٰۃ وزن کر کے دی جاوے یا اُن کو روپیہ

### سمجھ کر روپیہ کی زکوٰۃ دی جاوے

**سوال (۸۳۰):** قدیم ۲/۳۸ - (۱) اگر کسی کے پاس اشرفیاں ہوں تو اُن کی زکوٰۃ اس

طرح ادا کی جائے کہ اُن کو وزن کر کے اُن کا چالیسواں حصہ جس قدر نکلے اُس کی قیمت دی جائے (۱)

← لو نقلها إلى فقير في بلد آخر أوع وأصلح كما فعل معاذ لا يكره؛ ولهذا قيل: التصدق على العالم الفقير أفضل الخ. (البحر الرائق، كتاب الزكاة، باب المصرف، مكتبة زكريا ديوبند ۲/۴۳۶، کوئٹہ ۲/۲۵۰)

النهر الفائق، كتاب الزكاة، باب المصرف، مكتبة زكريا ديوبند ۱/۴۶۹ -

وكره نقلها بعد تمام الحول إلى بلد آخر إلا إلى قريبه أو أوج أو أصلح أو أوع أو أنفع للمسلمين من أهل بلده أو إلى طالب علم الخ. (الدر المنتقى على هامش مجمع الأنهر، كتاب الزكاة، باب المصرف، دار الكتب العلمية بيروت ۱/۳۳۳)

وكره نقلها بعد تمام الحول لبلد آخر لغير قريب وأوج وأوع وأنفع للمسلمين بتعليم (مراقى الفلاح) وفي هامشة: قال في المعراج: التصدق على العالم الفقير أفضل أي من الجاهل الفقير. (طحطاوي على مراقى الفلاح، كتاب الزكاة، باب المصرف، دار الكتاب ديوبند ص: ۷۲۲)

التصدق على الفقير العالم أفضل من التصديق على الجاهل كذا في الزاهدي. (هندية، كتاب الزكاة، باب المصرف، مكتبة زكريا ديوبند قدیم ۱/۱۸۷، جدید ۱/۲۴۹) شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

(۱) جاز دفع القيمة في زكاة، وتحت في الشامية: ثم إن هذا مقيد بغير المثلي فلا تعتبر القيمة في نصاب كيلي أو وزني..... وهذا إذا أدى من جنسه وإلا فالمعتبر هو القيمة اتفاقاً. (الدر المختار مع رد المحتار، كتاب الزكاة، باب زكاة الغنم قبيل مطلب محمد إمام في اللغة، ملتقى الأبحر على هامش مجمع الأنهر، كتاب الزكاة، فصل إذا كانت الخيل الخ، دار الكتب العلمية بيروت ۱/۳۰۰)

المال الذي تجب فيه الزكاة إن أدى زكاته من خلاف جنسه أدى قدر قيمة الواجب ←

اور قیمت بھی کھرے سونے کی لگائی جاوے یا جیسا کہ اس کا ناقص سونا ہے اور بازار میں اس کے دام ملتے ہیں یا اس طرح کہ فی اشرفی پندرہ روپے قائم کر کے جس قدر حساب سے نکلے اس کے موافق دی جاوے؟ (۱)

(۲) مدارس میں زکوٰۃ کاروپیدوسری مددات کے ساتھ خلط کرنا جائز ہے یا نہیں؟

(۳) اور ایک مددکار دوسرے مدد کے ساتھ مطلقاً بھی خلط جائز ہے یا نہیں۔ قاضی خان میں فی باب اداء الزکوٰۃ ناجائز لکھا ہے (۲) اکثر مدارس میں اسی طرح ہوتا ہے۔ مد زکوٰۃ کے سوا اور مددات کا تو خلط ہوتا ہی ہے اور بعض جگہ مد زکوٰۃ کا بھی خلط۔

← إجمالاً (وقوله) ويجوز دفع القيم في الزكاة عندنا الخ. (الهندية، كتاب الزكاة، الباب الثالث في زكاة الذهب الخ، ومسائل شتى، مكتبة زكريا ديوبند قديم ۱/ ۱۸۰-۱۸۱، جديد ۱/ ۲۴۲-۲۴۳)

(۱) فی اشرفی پندرہ روپے زکوٰۃ میں نکالنے کا مطلب یہ ہے کہ حضرت کے زمانہ میں ایک اشرفی کی قیمت چھ سو روپے تھی اور زکوٰۃ دینے میں ہزار میں ۲۵/۲۵ روپے کا حساب ہوتا ہے، تو چھ سو روپے کی زکوٰۃ پندرہ روپے ہوتے ہیں، جو فقہاء کے اس طرح کے جزئیات سے ثابت ہوتا ہے:

عن علي<sup>ؓ</sup> قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: يا علي! إني عفوت عن صدقة الخيل..... ولكن هاتوا ربع العشر من كل مائتي درهم خمسة درهم ومن كل عشرين ديناراً نصف دينار وليس في مائتي درهم شيء حتى يحول عليها الحول، فإذا حال عليها الحول ففيها خمسة دراهم، فما زاد ففي كل أربعين درهماً درهم. (المصنف لعبد الرزاق، كتاب الزكاة، باب صدقة العين، دار الكتب العلمية بيروت ۴/ ۸۹، رقم: ۷۰۷۷)

عن ابن عمر<sup>ؓ</sup> وعائشة<sup>ؓ</sup> أن النبي صلى الله عليه وسلم كان يأخذ من كل عشرين ديناراً فصاعداً نصف دينار ومن الأربعين ديناراً. (سنن ابن ماجه، أبواب الزكاة، باب زكاة الورق والذهب، النسخة الهندية ۱/ ۱۲۸، دار السلام رقم: ۱۷۹۱)

ليس فيما دون عشرين مثقالاً من ذهب صدقة فإذا كانت عشرون مثقالاً ففيها نصف مثقال الخ. (هداية، كتاب الزكاة، باب زكاة المال، فصل في الذهب، مكتبة أشرفية ديوبند ۱/ ۱۹۵)

(۲) رجلان دفع كل واحد منهما زكاة ماله إلى رجل ليؤدي عنه فخلط مالهما ثم تصدق ضمن الوكيل مال الدافعين وكانت الصدقة عنه. (خانية على الهندية، كتاب الزكاة، فصل في أداء الزكاة، مكتبة زكريا قديم ۱/ ۲۶۱، جديد ۱/ ۱۶۰)

**الجواب:** دونوں طرح درست ہے۔ (۳،۲) باذن معطین درست ہے۔ (۱)

۱۲ صفر المظفر ۱۳۳۰ھ (تمہ اولیٰ ص ۵۸)

## تبدیل حول زکوٰۃ میں ایک اشکال

**سوال (۷۳۶):** قدیم ۲/۳۸ - ایک شخص کے پاس یکم جمادی الاولیٰ کو تین سو روپے تھے آٹھ مہینے میں ۳۰/ ذی الحجہ تک بذریعہ تجارت ایک سو روپے اس کو نفع ہوا اب اس کے پاس چار سو روپے ہیں چاہتا ہے کہ یکم محرم سے اپنے کاغذات سالانہ ترتیب وار کرے اب اس آٹھ مہینے کی زکوٰۃ وہ کتنے روپے اداء کرے براہ کرم جواب سے ممتاز فرماویں؟

**الجواب:** اس میں ایک خرابی ہوگی وہ یہ کہ زکوٰۃ واجب ہوتی ہے اُس مقدار پر جو وقت حولان حول کے موجود (۱) ہو تو صورت مسئلہ میں فرض کیجیے حولان حول ہوا۔ ۳۰ ربیع الثانی کو اور فرض کیجیے کہ

(۱) ولو خلط زکاة موکلیہ ضمن وکان متبرعاً (الدر المختار) وفي الشامية: إذا وجد الإذن أو أجاز المالکان أي أجاز قبل الدفع إلى الفقير ..... أو وجدت دلالة الإذن بالخلط كما جرت العادة بالإذن من أرباب الحنطة بخلط ثمن الغلات ..... ويتصل بهذا العالم إذا سأل للفقراء شيئاً و خلط يضمن، قلت ومقتضاه أنه لو وجد العرف فلا ضمان لوجود الإذن حينئذٍ دلالة والظاهر أنه لا بد من علم المالک بهذا العرف ليكون إذنا منه دلالة. (شامي، کتاب الزکاة، مطلب في زکاة ثمن المبيع وفائاً، مكتبة زکریا دیوبند ۳/ ۱۸۸، کراچی ۲/ ۲۶۹)

إذا دفع الرجلان إلى رجل كل واحد منهما دراهم ليتصدق بها عن زکاة ماله فخلط الدراهم قبل الدفع ثم دفع فهو ضامن إلا إذا جدد الإذن أو أجاز المالکان فحينئذٍ يجوز أو وجدت دلالة الإذن بالخلط كما جرت العادة بالإذن من أرباب الحنطة يغلط ثمن الغلات. (الفتاویٰ التاتاریخانیة، کتاب الزکاة، الفصل التاسع في المسائل المتعلقة بمعطي الزکاة، مكتبة زکریا دیوبند ۳/ ۲۲۹، رقم: ۴۲۰۸) شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

(۱) ذهب الحنفية إلى أنه يضم كل ما يأتي في الحول إلى النصاب الذي عنده فيزكيهما

جميعاً عند تمام حول الأول الخ. (الموسوعة الفقهية الكويتية، كتاب الزکاة ۲۳/ ۲۴۴) ←

اس وقت روپیہ زائد ہوا اور جب اس نے یکم محرم سے حساب رکھا تو ۳۰ ذی الحجہ کو جتنا روپیہ ہوگا زکوٰۃ اُس کی دے گا تو اگر اس وقت کم ہوا تو زکوٰۃ میں کمی رہے گی اور ہر سال ایسا ہی احتمال رہے گا۔

۲۵ ذی الحجہ ۱۳۳۱ھ (تمتہ ثانیہ، ص ۱۰۱)

**ادائے زکوٰۃ میں کوئی شرط فاسد لگا دی تو زکوٰۃ میں خلل نہیں وہ شرط لغو ہے**

**سوال (۷۳۷):** قدیم ۳۹/۲ - السلام علیکم۔ زکوٰۃ دہندہ اپنے ہی غریم کو بایں شرط مال زکوٰۃ دے کر غریم اس مال کو زکوٰۃ دہندہ کو فوراً واپس دیدے اس صورت میں زکوٰۃ اداء ہوگی یا نہیں کیونکہ اوّل تو شرط واپسی مال ہے دوسرے غریم اس صورت میں مالک کامل نہیں ہو سکتا۔ تیسرے بالواسطہ بھی نہیں اور غریم کا ذرا بھی اعتبار نہیں کیا جاتا اور یہ معاملہ شرط بالموجہ ہوتا ہے؟

**الجواب:** وعلیکم السلام۔ ایسی شرط بوجہ اس کے کہ تصدیق تبرعات سے ہے خود باطل ہو جاوے گی اُس سے ادائے زکوٰۃ میں کوئی فساد لازم نہ آوے گا (۱)

← ومن كان له نصاب فاستفاد في أثناء الحول ما لا من جنسه ضمه إلى ماله وزكاه سواء كان المستفاد من نمائه أو لا وبأي وجه استفاده ضمه سواء كان بميراث أو هبة أو غير ذلك . (الجوهرة النيرة، كتاب الزكاة، باب زكاة الخيل، دار الكتاب ديوبند ۱/۱۴۵)

الفتاوى الهندية، كتاب الزكاة، الباب الأول في تفسيرها وصفتها وشرائطها، مكتبة زكريا ديوبند قدیم ۱/۱۷۵، جدید ۱/۲۳۷۔

ويضم مستفاد من جنس نصاب إليه ..... والمراد بالضم أن تجب الزكاة في الفائدة عند تمام على الأصل . (البحر الرائق، كتاب الزكاة، فصل في الغنم، مكتبة زكريا ديوبند ۲/۳۸۸، كوئٹہ ۲/۲۲۲) شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

(۱) وما لا يبطل بالشروط الفاسدة ستة وعشرون، الطلاق، والخلع بمال وبغير مال والرهن والقرض والهبة والصدقة والوصاية والوصية (وقوله) وكذا الهبة والصدقة والكتابة بشرط متعارف وغير متعارف يصح ويبطل الشرط . (الفتاوى الهندية، كتاب الهبة، الباب الثامن في حكم الشرط في الهبة، مكتبة زكريا ديوبند قدیم ۴/۳۹۶، جدید ۴/۴۲۲) ←



اور یہ شبہ کہ غریم مالک کامل نہ ہوگا غلط ہے۔ مالک تو کامل ہوا مگر اُس تملیک میں ایک شرط کر لی ہے جس کا اثر اُس تملیک میں کچھ نہیں۔ بخلاف حیلہ متعارفہ کے کہ اُس میں فی الواقع محض صورتِ ملک ہے حقیقت ملک نہیں۔ لیکن تاہم اولیٰ یہ ہے کہ ایسی شرط بالکل نہ کی جاوے کیونکہ شرط تو خود فاسد ہی ہے بلکہ بلا شرط اُس کو مالک بنا دیا جاوے جب وہ مالک ہو جاوے اُس سے اپنا قرض مانگے اگر وہ نہ دے جبراً اس سے وصول کر لینا جائز ہے (۱) اور اگر شبہ ہو کہ شاید اُس پر اتنی قدرت نہ ہو جواب یہ ہے کہ جب قدرت ہی نہیں تو اگر شرط لگانے کے بعد بھی وہ نہ دے گا تو اس صورت میں کیا کیا جاوے گا۔ پس اشتراط اور عدم اشتراط دونوں حالتیں یکساں ہوں گی۔

۲۸ ربیع الاول ۱۳۳۲ھ (تمتہ ثالثہ، ص ۱۳۲)

← الثانی: أي ما لا يفسد بالشرط الفاسد القرض والهبة والصدقة والرهن والإيضاء والوصية. (شرح المحلة لسليم رستم باز، مكتبة اتحاد ديوبند ۱/ ۵۵، رقم: ۸۳)

والقاعدة المقررة: أن الشرط الفاسد لا يبطل عقود التبرعات والتوثيقات والزواج؛ بل العقد صحيح والشرط لغو باطل فالهبة إذن لا تبطل بالشروط الفاسدة. (موسوعة الفقه الإسلامي والقضايا المعاصرة، كتاب الهبة، مسألة استثناء ما في البطن، المكتبة الأشرفية ديوبند ۴/ ۶۸۹)

الفقه الإسلامي وأدلته، الهبة، شروط الهبة، مكتبة اشرفية ديوبند ۴/ ۶۸۹۔

(۱) وأداء الدين عن العين وعن دين سيقبض لا يجوز وحيلة الجواز أن يعطي مديونه الفقير زكاته ثم يأخذها عن دينه، ولو امتنع المديون مديده وأخذها لكونه ظفر بجنس حقه. (الدر المختار مع رد المحتار، كتاب الزكاة، مطلب في زكاة ثمن المبيع وفاء، مكتبة زكريا ديوبند ۳/ ۱۹۰-۱۹۱، كراچی ۲/ ۲۷۰-۲۷۱)

حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، كتاب الزكاة، دار الكتاب ديوبند

ص: ۷۱۵-۷۱۶۔

ومن له على فقير دين وأراد جعله عن زكاة العين فالحيلة أن يتصدق عليه، ثم يأخذ منه عن دينه وهو أفضل من غيره ولو امتنع المديون من دفعه له مديده وأخذها؛ لكونه ظفر بجنس حقه الخ. (الأشباه والنظائر، الفن الخامس، الحيل، الفصل الثالث في الزكاة، مكتبة زكريا ديوبند جديد ۳/ ۲۹۷) ←

## کرایہ یا تجارت کی کشتی پر زکوٰۃ کا حکم

(۱) سوال (۸۳۳): قدیم ۲/۳۹ - ہر سفینہ کہ برائے کرایہ است یا برائے تجارت ست

آں راز زکوٰۃ واجب است یا نہ۔ بینوا تو جروا؟

(۲) الجواب: دریں دو صورت است یکے آنکہ ازیں سفینہ کرایہ حاصل کردہ شود و ایں مثل حانوت

کرایہ است کہ زکوٰۃ بر آں حانوت واجب نیست۔ (۳) دوم آنکہ ہر گاہ ایں سفینہ خریدہ ہو و نہایت کردہ ہو

← لا يتأدى بالدين زكاة العين ولا زكاة دين آخر والحيلة في ذلك أن يتصدق صاحب المال على الغريم بمثل ماله عليه من المال العين ناويا عن زكاة ماله ويدفعه إليه فإذا قبضه الغريم ودفعه إلى صاحب المال قضاء بما عليه من الدين يجوز ..... فإن خاف الطالب أنه لو دفع مقدار الدين إلى الغريم يمتنع عن قضاء الدين فلا ينبغي له أن يخاف من ذلك؛ لأنه يمكنه أن يمدّده ويأخذ ذلك منه؛ لأنه قد ظفر بجنس حقه الخ. (هندية، كتاب الحيل، الفصل الثالث في مسائل الزكاة، مكتبة زكريا ديوبند قدیم ۳۹۱/۶، جدید ۳۹۴/۶) شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

(۱) ترجمہ سوال: ہر وہ کشتی جو کرایہ کے واسطے ہے یا ہر وہ کشتی جو تجارت کے واسطے ہے اس پر زکوٰۃ

واجب ہے یا نہیں؟

(۲) ترجمہ جواب: اس میں دو صورتیں ہیں ایک صورت یہ ہے کہ کشتی کرایہ حاصل کرنے کے واسطے ہے،

تو ایسی کشتی کرایہ کی دوکان کی طرح ہے کہ جس طرح کرایہ کے دوکان پر زکوٰۃ واجب نہیں ہوتی ہے، اس پر بھی نہیں۔

دوسرا یہ کہ ہر وہ کشتی جو خریدتے وقت کسی خریدار کے ہاتھ فروخت کرنے کے ارادے سے خریدتا تھا تو وہ کشتی

مال تجارت کے حکم میں ہے اور مال تجارت پر زکوٰۃ واجب ہے۔

(۳) ولا في ثياب البدن وأثاث المنزل ودور السكنى ونحوها (الدر المختار) وفي

حاشية الطحطاوي: قوله: ونحوها كحوانيت وخانات يستغلها الخ. (حاشية الطحطاوي على

الدر المختار، كتاب الزكاة، كونه ۱/۳۹۲)

ولو اشترى قدوراً من صفر يمسكها أو يواجرها لا تجب فيها الزكاة كما لا تجب ←

\*\*\*\*\*

کہ بدست خریدارے فروخت خواہم کر دیں ایس مال تجارت است وبر مال تجارت زکوٰۃ واجب است۔ (۱)

۱۰/رمضان ۱۳۳۲ھ (تمہ ثانیہ، ص ۱۶۲)

\*\*\*\*\*

← في بيوت الغلة. (حانية على الهندية، كتاب الزكاة، فصل في مال التجارة، مكتبة زكريا ديوبند قديم ۱/۲۵۱، جديد ۱/۱۵۵)

الفتاوى التاتارخانية، كتاب الزكاة، الفصل الثالث في بيان زكاة عروض التجارة، مكتبة زكريا ديوبند ۳/۱۶۹، رقم: ۴۰۱۷۔

لا تجب الزكاة في أعيان العمائر الاستغلاية والمصانع والسفن والطائرات وما أشبهها؛ بل تجب في صافي غلتها عند توافر شروط النصاب وحولان الحول. (موسوعة الفقه الإسلامي والقضايا المعاصرة، المبحث الخامس: الزكاة في العمارات والمصانع، مكتبة اشرفية ديوبند ۲/۷۷۵، الفقه الإسلامي وأدلته، المبحث الخامس، كتاب الزكاة، في العمارات والمصانع، مكتبة اشرفية ديوبند ۲/۷۷۵)

(۱) عن سمرة بن جندب<sup>ؓ</sup> قال: أما بعد! فإن رسول الله صلى الله عليه وسلم كان يأمرنا أن نخرج الصدقة من الذي نعد للبيع. (سنن أبي داود، كتاب الزكاة، باب العروض إذا كانت للتجارة هل فيها من زكاة، النسخة الهندية ۱/۲۱۸، دار السلام رقم: ۱۵۶۲)

الزكاة واجبة في عروض التجارة كائنة ما كانت إذا بلغت قيمتها نصاباً من الورق والذهب. (الهندية، كتاب الزكاة، الباب الثالث في زكاة الذهب، الفصل الثاني في العروض، مكتبة زكريا ديوبند قديم ۱/۱۷۹، جديد ۱/۲۴۱)

الزكاة واجبة في عروض التجارة، وفي المضمرات يريد بالعروض ما خلا الذهب والفضة والسوائيم. (الفتاوى التاتارخانية، كتاب الزكاة، الفصل الثالث في بيان زكاة عروض التجارة، مكتبة زكريا ديوبند ۳/۱۶۴، رقم: ۳۹۹۹)

والأصل أن ما عدا الحجرين والسوائيم إنما يركب بنية التجارة. (الدر المختار على رد المختار، كتاب الزكاة، قبيل باب السائمة، مكتبة زكريا ديوبند ۳/۱۹۴، كراچی ۲/۲۷۳)

شیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

## سونے چاندی کو حساب زکوٰۃ میں باہم ملانے کی صورت

(۱) سوال (۸۳۴): قدیم ۳۹/۲ - اگر نزد کسے بعد حولانِ حول دو صد پنچ درہم و ہفت مثقال ذہب موجود باشد برآں کس بہ حسب مذہب امام یا حکیم ہی باشد کہ بجز پنچ درہم کہ زکوٰۃ دو صد درہم است چیزے دیگر واجب نباشد زیرا کہ پنچ درہم کہ از نصاب فضہ افزودہ باشد خمس نصاب نمی رسد و ہفت مثقال ذہب ناقص از نصاب ست یا قیمت ذہب با کسر فضہ یعنی باقی من نصاب الفضہ منضم شدہ بحساب خمس درآں ہم زکوٰۃ واجب باشد؟

**الجواب:** في الدر المختار من ذهب أو ورق مقوماً بأحد هما فلو أحدهما أروج تعين التقويم به ولو بلغ بأحد هما نصاباً دون الآخر تعين ما يبلغ به الخ وفي رد المحتار عن البحر والنهر عن المحيط من أنه لا تضم أحد الزياتين إلى الأخرى (إلى قوله) وعندهما تضم لوجوبها في الكسور وبعد ه باسطر ان السروجي نقل عن المحيط الخلاف بالعكس ۲ / ۲۸ - ۴۹. (۲)

(۱) خلاصہ ترجمہ سوال: اگر کسی کے پاس حولانِ حول کے بعد دو سو پنچ درہم چاندی اور سات مثقال سونا موجود ہو، تو ایسے شخص پر امام ابو حنیفہؒ کے مذہب کے مطابق زکوٰۃ واجب ہے نیز یہی حکم ہے کہ پنچ درہم کے علاوہ دو سو درہم چاندی پر زکوٰۃ واجب ہے۔

دوسری کوئی چیز واجب نہیں؛ اس لئے کہ جو پنچ درہم ہیں وہ چاندی کے نصاب سے زائد ہے جو کہ نصاب کے پانچویں حصہ تک نہیں پہنچتا اور سات مثقال سونا نصاب سے کم ہے یا سونے کی قیمت کو چاندی کے کسر کے ساتھ ملا یا جائے یعنی چاندی کے نصاب سے مابقیہ جو کسر ہے یعنی بچا ہوا ہے، اس میں پانچویں حصہ کے حساب سے ملا لیا جائے، تو اس پر زکوٰۃ واجب ہوتی ہے (اور یہاں پانچواں حصہ نہیں)

**جواب کا ترجمہ:** ان روایات کی بناء پر سونے کو چاندی کے ساتھ ملا کر قیمت لگائی جائے، پھر اس کے مجموعہ میں زکوٰۃ واجب ہوتی ہے اور زیادتی کی معافی کے بارے میں اختلاف ہے اور احتیاط قول وجوب پر ہے۔

(۲) الدر المختار مع رد المختار، کتاب الزکاۃ، باب زکاۃ المال، مکتبۃ زکریا دیوبند ۲۲۸/۳ - ۲۲۹ - ۲۳۰، کراچی ۲/۲۹۸ - ۲۹۹ - ۳۰۰۔

وفي عروض تجارة بلغت قيمتها نصاب ورق أو ذهب (كنز) وفي البحر: وأشار بقوله ورق أو ذهب إلى أنه مخير إن شاء قومها بالفضة وإن شاء بالذهب ..... وفي النهاية: لو كان ←

وفي رد المحتار: عن البدائع أن ما ذكر من وجوب الضم إذا لم يكن كل واحد منهما نصاباً بأن كان أقل الخ ٢ / ٥٣. (١)

بناء بریں روایات ذہب رابضہ مقوم کردہ در مجموعہ زکوٰۃ واجب خواہد شد و در غفوزیات اختلاف است و احوط وجوب است۔

۱۲/ رمضان المبارک ۱۳۳۲ھ (تتمہ ثانیہ، ص ۱۶۵)

← تقویمہ بأحد النقدین يتم النصاب وبالأخر لا فإنه يقوم به بما يتم به النصاب بالاتفاق. (البحر الرائق، كتاب الزكاة، باب زكاة المال، مكتبة زكريا ديوبند ٢ / ٣٩٨-٣٩٩، كوئته ٢ / ٢٢٨-٢٢٩) وذكر في المحيط: ولا يضم إحدى الزياتين إلى الأخرى ليم أربعين درهما أو أربعة مثاقيل عند أبي حنيفة؛ لأنه لا تجب الزكاة في الكسور عنده وعندهما يضم لأنها تجب في الكسور (البحر) وفي منحة الخالق: ذكر بعض المحشين عن حاشية الزيلعي لميرغني ..... إن المذكور في غاية السروجي عن المحيط أنه تضم إحدى الزياتين إلى الأخرى عنده ولا تضم عندهما عكس ما نقله هنا من ذكر الخلاف. (البحر الرائق مع منحة الخالق، كتاب الزكاة، باب زكاة المال، مكتبة زكريا ديوبند ٢ / ٣٩٥، كوئته ٢ / ٢٢٧)

ثم في تقويم عروض التجارة التخيير يقوم بأيهما شاء من الدراهم والدنانير إلا إذا كانت لا تبلغ بأحدهما نصاباً فحينئذ تعين التقويم بما يبلغ نصاباً. (هندية، كتاب الزكاة، الباب الثالث في زكاة الذهب، الفصل الثاني في العروض، مكتبة زكريا ديوبند قديم ١ / ١٧٩، جديد ١ / ٢٤١) وفي المحيط: ولا يضم إحدى الزياتين إلى الأخرى يتم أربعين درهما أو أربعة مثاقيل عند الإمام؛ لأنه لا زكاة في الكسور وقالوا: يضم. (النهر الفائق، كتاب الزكاة، باب زكاة المال، مكتبة زكريا ديوبند ١ / ٤٣٧)

(١) شامي، كتاب الزكاة، باب زكاة المال، مكتبة زكريا ديوبند ٣ / ٢٣٤، كراچی

٢ / ٣٠٣۔

بدائع الصنائع، كتاب الزكاة، مقدار الواجب فيه، مكتبة زكريا ديوبند ٢ / ١٠٨۔  
إن وجوب الضم إذا لم يكن كل واحد منهما نصاباً بأن كان أقل فأما إذا كان كل واحد منهما نصاباً ولم يكن زائداً عليه لا يجب الضم. (منحة الخالق على هامش البحر الرائق، كتاب الزكاة، باب زكاة المال، مكتبة زكريا ديوبند ٢ / ٤٠١، كوئته ٢ / ٢٣٠) شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

## چندہ وصول کرنے والوں کو رقم زکوٰۃ دیدینے سے زکوٰۃ اداء نہیں ہوگی

**سوال (۸۳۵):** قدیم ۴۰/۲ - کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ مدارس کی طرف سے جو لوگ تحصیلین چندہ ہیں ان کو زکوٰۃ دینے سے اداء ہو جاتی ہے؟

**الجواب:** نہیں۔ (۱)

۲۰/ جمادی الاولیٰ ۱۳۳۱ھ (حوادث اولیٰ، ص ۱۹)

(۱) ولا یخرج عن العہدۃ بالعزل بل بالأداء للفقراء. (الدر المختار علی رد المختار، کتاب الزکاۃ، مکتبۃ زکریا دیوبند ۳/ ۱۸۹، کراچی ۲۷۰/۲)  
لا یخرج بالعزل عن العہدۃ بل لابد من التصدق بہ الخ. (النہر الفائق، کتاب الزکاۃ، مکتبۃ زکریا دیوبند ۱/ ۴۱۹)

أنہ لا یخرج بعزل ما وجب عن العہدۃ بل لابد من الأداء إلى الفقیر. (البحر الرائق، کتاب الزکاۃ، مکتبۃ زکریا دیوبند ۲/ ۳۶۹، کوئٹہ ۲/ ۲۱۱)

یہ جزئیات حضرت والا تھانویؒ کے جواب کے مطابق نقل کر دیئے گئے ہیں۔ اب اس مسئلہ کی وضاحت ضروری ہے کہ مہتمم اور سفراء بالاتفاق معطین زکوٰۃ دہندگان کے وکیل ہیں، سوال یہ ہے کہ طلبہ اور فقراء کے بھی وکیل ہیں یا نہیں؟ تو اگر طلبہ و فقراء کے وکیل تسلیم نہ کئے جائیں اور صرف معطین ہی کے وکیل تسلیم کئے جائیں تو حسب ذیل مشکلات پیش آجائیں گے:

(۱) مال زکوٰۃ جب تک مصرف میں خرچ نہ ہوگا، اس وقت تک معطین کی زکوٰۃ ادا نہ ہوگی اور ان پر فریضہ زکوٰۃ بدستور باقی رہے گا۔

(۲) اگر بلا تعدی ہلاک ہو جائے تو تاوان بھی لازم نہ ہوگا۔

(۳) جن مدارس میں زکوٰۃ کئی کئی سال خرچ ہوئے بغیر جمع رہتی ہے، اگر بقدر نصاب ہے تو ان کے معطین پر دوبارہ ان سالوں کی زکوٰۃ ادا کرنا لازم ہوگا۔

حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ نے معارف القرآن ۱۶۹/۴، تحت سورۃ توبہ: ۶۰ میں یہی مسئلہ لکھا تھا کہ مہتمم و سفراء طلبہ اور فقراء کے وکیل نہیں ہیں؛ لیکن بعد میں ۵/ ذی قعدہ ۱۳۹۵ھ کو امین اشرف متعلم شعبۂ افتاء دارالعلوم کراچی کے سوال کا جواب دیتے ہوئے صاف الفاظ میں اپنے سابق فتویٰ سے رجوع کا اعلان فرمایا ہے اور تمام اکابر کے اس فتویٰ کو تسلیم کر لیا ہے، جس میں مہتمم اور اس کے مامور کردہ افراد کو فقراء اور مستحقین کا وکیل ثابت کیا گیا ہے کہ مال زکوٰۃ ان کے قبضہ میں آنے کے بعد معطین کی زکوٰۃ ادا ہو جاتی ہے۔ (مستفاد: جواہر الفقہ ۳۸۸/۴) ←

← نیز ہمارے اکثر اکابر اہل فتاویٰ نے مہتمم اور ذمہ داران مدرسہ اور ان کے مامور افراد کو معظیین اور طلبہ دونوں کا وکیل تسلیم کیا ہے، طلبہ کے وکیل ہونے کی وجہ سے معظیین اور دہندگان کی زکوٰۃ، مہتمم اور اس کے ماتحتی لوگوں کے قبضہ کرنے پر اسی وقت ادا ہو جاتی ہے؛ لہذا اگر طلبہ پر خرچ ہونے سے قبل بلا تعدی ہلاک ہو جائے تو معظیین کے وکیل اور امین ہونے کی وجہ سے تاوان لازم نہ ہوگا اور طلبہ کے وکیل کی وجہ سے معظیین کی زکوٰۃ ادا ہو جاتی ہے اور اگر کسی مدرسہ میں کئی سال کی رقم جمع شدہ ہے تو ان پر دوبارہ زکوٰۃ بھی لازم نہ ہوگی؛ کیونکہ شخص حقیقی کی ملکیت تامہ نہیں ہے۔

حضرت اقدس فقیہ العصر مولانا خلیل احمد محدث سہارن پوری فرماتے ہیں کہ اہل مدرسہ بیت المال کے عمال کے مثل ہیں اور طلبہ کی طرف سے کلاء ہیں؛ لہذا نہ ان پر زکوٰۃ واجب ہوگی اور نہ ہی معظیین زکوٰۃ واپس لے سکتے ہیں۔ (مستفاد: فتاویٰ خلیلیہ ۳۱۹/۱)

یہی مضمون فقیہ الامت حضرت مولانا مفتی محمود حسن صاحب گنگوہیؒ نے فتاویٰ محمودیہ میں نقل فرمایا ہے کہ جب طلبہ نے مہتمم کے اہتمام اور قوانین اور انتظام کو تسلیم کر کے داخلہ لیا ہے تو گویا یوں کہلایا کہ آپ ہمارے وکیل ہیں۔ (مستفاد: فتاویٰ محمودیہ جدید ڈائجیل ۵۱۳/۹، قدیم ۲۱۸/۱۲)

حضرت گنگوہیؒ نے بھی صاف الفاظ میں مہتمم کو طلبہ کا وکیل قرار دیا ہے، تذکرۃ الرشید ۱۶۴/۱، حاشیہ فتاویٰ خلیلیہ ۳۲۰/۱۔

اور حضرت تھانویؒ نے بھی امداد ترتیب قدیم مطبوعہ رحیمیہ میں حضرت مولانا خلیل احمد کے مذکورہ جواب تحریر فرمایا جس سے شبہ باقی نہیں رہتا۔ (مستفاد: امداد قدیم ۲۱۸/۴)

اور امداد الفتاویٰ جدید ۳۱۵-۳۱۶/۱ میں بھی اس طرف اشارہ ملتا ہے، فتاویٰ قاسمیہ ۱۸۳/۱۱، رقم: ۴۵۱۳/۱ میں تفصیل ہے۔

ان وجوہات سے واضح ہوتا ہے کہ صحیح یہی ہے مہتمم اور سفراء معظیین اور طلبہ دونوں کے وکیل ہیں۔

شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

